PAGES MISSING WITHIN THE BOOK ONLY

TEXT CUT WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224246

UNIVERSAL
LIBRARY

الحمد للہ۔ تاج کے دورِ جدید کا پہلا نمبر شایع ہوگیا۔ نیازمند مدیر تاج کی وہ دیرینہ تمنا میں جو ایک عرصہ سے خواب استراحت میں تھیں بقول کل اموات ہون باوقاتھا پھر بیدار ہوگئیں اور اب عنا لبا اسکی اشاعت خدا کو منظور ہے کہ یہ شایع ہوگیا ورنہ ملک کی پست ہمتی اور علم سے بے پروائی کا تجربہ کرنیکے بعد نیازمند نے یہ دل میں ٹھان لیا تھا کہ پھر کبھی کسی علمی کام میں قدم نہ رکھا جائے کیونکہ دو رقدیم بہت ہی ہاتوں کن ثابت ہوا باوجود تین چار سال کی انتھک کوششوں کے ہم نے یہ دیکھ لیا کہ نہ صرف علم دوست اصحاب نے ہی اسکی خاطر خواہ حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ ملک کے بہی خواہ حضرات نے بھی اسکی توسیع اشاعت میں کافی حصہ نہیں لیا جس سے نیازمند نے ساڑھے چار ہزار روپیہ کے کثیر نقصان پر اکتفا کر کے بادل ناخواستہ تاج کو الوداع کہا ورنہ اسوقت سامان طباعت کی ارزانی کے نظر کرتے اتنی کم قیمت کا کوئی رسالہ ہندوستان بھر میں نہیں تھا حیدرآباد کن کی تعلیم یافتہ کثیر التعداد مردم شماری کے لحاظ سے دو ہزار تاج کی اشاعت کا ہونا مدیر تاج کی کوئی ناممکن امید نہ تھی مگر چھ سو سے زیادہ اسکی اشاعت نہ ہوئی اور جبکہ ہم نے اپنی تمام خدمات مفت وقف کردی تھیں پریس گھر کا تھا مگر اسکی اصلی طباعت اور کاغذ وڈاک کے دام بھی وصول نہیں ہوتے تھے اور گرہ سے بیدریغ روپیہ خرچ ہوتا گیا آخر تاکے وہی ہوا جو خدا کو منظور تھا

ہماری خاموشی کے بعد یہ نیا رنگ شروع ہوگیا کہ ہر مہینے دس پانچ خطوط آکر ہمارے ان جذبات کو جو تھک کر آرام لے رہے تھے بیدار کرنا شروع کیا یہ تہکن کوئی معمولی تھکن نہیں تھی کہ فوراً بیدار کی کوئی صورت پیدا ہوجاتی آخر جب نیند پوری ہوچکی اور اس کے ساتھ سا بادِ دکن کے علمی شوق نے بھی کچھ کروٹ بدلی اور نیا سماں کچھ کا کچھ نظر آنے لگا تو اہل علم کی تحریک و اصرار اور خطوط کی ٹھیس ہم کو پھر چھیڑنے لگی ہر ایک ملنے والے کے اشتیاق کا اثر دل پر ہونے لگا چونکہ عرصۂ دراز سے علمی خدمات کا شوق نیازمند کے دامنگیر رہا ہے اسلئے ہمارے سامان جذبات کے بھڑکانے میں کافی ثابت ہوئے۔

بقول نپولین بوناپارٹ کہ "ناممکن کا لفظ بزدلوں اور کم ہمتوں کی لغت میں ملتا ہے" ہم نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اس روشن زمانہ میں پھر ایکبار علمی میدان میں قدم رکھیں اور بقولِ لیس الانسان الا ما سعی تا امکان کوشش کریں۔ اسی دُھن کا یہ نتیجہ ہے کہ تاج کا پہلا نمبر آپ کے ملاحظہ میں پیش ہے امید ہے جینے تاج کو

بہت بڑے معیار پر پہنچانے کی کوشش کی ہے اور میری یہ کوشش صرف میری تنہا ذات پر منحصر نہیں بلکہ بفضل خدا کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں اور خصوصاً اراکین بزم تاج کی سرگرمیوں نے میرا دل اتنا بڑھا دیا ہے کہ مجھے قوی امید ہے کہ میں کامیابی کا چہرہ ضرور دیکھوں گا اور میری دلی تمنائیں جنکو ایک عرصۂ دراز تک مایوسی کا خواب دیکھنا پڑا ہے اب مسرت کے راگ سنا کر ننگی۔ یہ سب کچھ اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ آپ نیازمندکا نہایت ہی حوصلہ افزا طریقہ سے ہاتھ بٹائیں اور اس علمی رسالہ کو اپنا رسالہ سمجھ دامے، درمے، قلمے، سخنے، امداد دیتے رہیں۔

نیازمند نے بارہا اکثر تعلیم یافتہ اصحاب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ فلاں رسالہ آجکل بہت گرا ہوا ہے اور فلاں پرچہ کو ایسا کرنا چاہیئے تھا وغیرہ وغیرہ۔ میں اُن سے باادب یہ دریافت کردں گا کہ کیا آپ کو اپنے ملکی رسائل پر کچھ بھی حق نہیں اگر ہے تو آپ چپ کیوں خاموش ہیں جس لحاظ سے آپ میں رسالہ کو ردکھا پھیکا تصور کریں اپنی اعلیٰ خیالی سے مستفید فرمائیں جس سے ایک تو علمی پرچہ کی نبھال ہو جائیگی دوسرے ملک آپکے اعلیٰ خیالات سے مستفید ہوگا تنہا میرا کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ بہبیوں ارباب ہمم و قدردانان علم اُس کو اعلیٰ علمی مضامین سے ہاتھ نہ بٹائیں کیونکہ اس میدان میں اکیلے میرہی کو حصہ لینا نہیں پڑتا بلکہ سارا میدان ملک کے لائق افراد اور علمی شغف رکھنے والوں کے لئے کھلا ہوا ہے ہر ایک ذی علم لائق ہستی کا منصب العین ہونا چاہیئے کہ ملک کے علمی رسائل کو اپنا سمجھیں اور ہر طرح اپنے اعلیٰ خیالات سے ملک کو مستفید و متمتع فرماتے رہیں۔ الحاصل تاج کو شایع کر کے میں نے اپنے فرض سے سبکدوشی حاصل کر لی ہے اور ایک علمی میدان کے راستہ کا دروازہ کھولدیا ہے اب ہمدردان علم کے فرائض ہی ہیں کہ اپنی تحقیق، اپنی وسیع النظری، وسیع الخیالی اور بہترین معلومات سے اسمیں کثیر التعداد تخم ہائے علم کی کاشت کریں یا دم آبیاری کرتے رہیں جب یہ پودے ہوا ہو شکل اختیار کر لیں گے تو یہ چٹیل میدان باغکی شکل اختیار کر لیگا اور اس کے درخت جو بار آور ہوں گے اُن سے اہل ملک بہرہ اندوز ہوں گے اور آپ کی یہ بھی بڑی مشکور ثابت ہوگی۔

خدا سے میری یہ دعا ہے کہ ملک کے لائق افراد کی عنان توجہ اس علمی رسالہ کی طرف منعطف ہو اور یہ رسالہ ملک میں پھلے پھولے اور تاج نہ صرف نام کا بلکہ کام کا بھی ثابت ہو اور کام ثابت ہونے کے لئے علمی امداد کے علاوہ اسکی توسیع اشاعت کی جانب آپ کو توجہ مبذول کرنی لازم ہے۔

چونکہ "تاج" کا یہ دور جدید ہے اور اراکین بزم تاج کی دلی خواہش اور تحریک ہے کہ اسکے مضامین نگار حامیت کے علاوہ دیگر علما و فضلاء آدباء کو انکی علمی خدمات کے اعتراف میں ایک متاز

لقب سے ملقب کیا جائے لہٰذا بالفعل ان چھ اصحاب کو القاب دیے جاتے ہیں اور اس کا سلسلہ امید ہے کہ دیگر اہل علم کو بھی میدان میں گامزن ہونیکا باعث اور ایک پُرزور ترغیب کا سبب ہوگا۔

(۱) **علام الاخلاق** مولانا سید مختار احمد صاحب (۲) **ناظم الاخلاق** مولانا غلام مصطفےٰ صاحب فہمی (۳) **شمس العلوم** حکیم شمس اللہ صاحب قادری ایم آر اے ایس (۴) **سخن آور** مولانا آفریدالدنصاحب (۵) **مسحر بیان** مولوی محمد احمد خاں صاحب ہزنر۔ (۶) **ادیب فاضل** مولوی سید منظر علی صاحب شہیم

اس نمبر میں حسب قبل مضامین پر مینے جو رائے سچائی کیساتھ قایم کی ہے اس سے مجھے یقین کامل ہے کہ اہل ملک کو ضرور اتفاق ہوگا۔

(۱) **بسم اللہ الرحمن الرحیم**۔ اس قسم کے مضمون کی ایسے زمانہ میں جبکہ اکثر لوگ آیات قرانی اور احادیث کے مطالب و مفہوم سے ناواقف ہیں سخت ضرورت ہے کیونکہ جب لوگ دینی احکام و ہدایات سے واقف ہی نہ ہونگے تو ان پر عمل کیا کرینگے ہم اپنے دوست مولوی مرزا حسینی بیگ صاحب شاذلی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ایک دینی مفید مضمون لکھکر ناظرین رسالہ کو ماجور و مثاب فرمایا۔

(۲) **کرویت**۔ علمی و تاریخی مہتم بالشان مضمون ہمارے قدیم مشفق بارع العلوم محقق النسّابہ دافع الجہالۃ علامۃ الدہر مولانا سید مختار احمد صاحب مصنف دائرۃ المعارف اسلامیہ، ثوابت الفلک، و مولف قاموس العلوم وغیرہ نے ہماری فرمایش سے لکھا ہے مولانا ایک غیر معمولی قابلیت کے فرد فرید ہیں اور نفس مضمون ہماری تعریف و توصیف سے مستغنی۔ خود قارئین کرام کو ملاحظہ فرمانے پر واضح ہوجائیگا کہ اس مضمون کا پایہ تاریخی کسقدر اعلیٰ ہے

(۳) **اصول اخلاق**۔ ادیب فاضل مولوی سید منظر علی صاحب اشہر ایک مشہور ادیب و موضح ہیں نظر کرم فرمائی اصول اخلاق پر ایک فاضلانہ مضمون ہمکو عنایت فرمایا ہے جسکی پہلی قسط آپکے پیش نظر ہے ہم صاحب ممدوح کے شکر گزار ہیں۔ مضمون کی خوبی محتاج بیان نہیں ناظرین تاج غور سے اسکا مطالعہ فرمائینگے تو بہت محظوظ و مستفید ہونگے۔

(۴) **برکات عثمانی** اس مضمون کے لکھنے میں ہمارے عنایت فرما مولوی سید معجز حسین صاحب لکھنوی نے نگارش سے کام لیا ہے مگر ایجاز دکھایا ہے اظہار واقعات میں ان کی معجز بیانی قابل داد ہے۔

(۵) **کایا پلٹ** یہ مضمون ایک انگریزی قصہ کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے اسکے مطالعہ سے خصوصاً نوجوان اصحاب اگر ان کی بیویاں نافرمان اور ضدی ہوں تو فرمانبردار بنانیکا سبق حاصل کرسکتے ہیں اور ناکتخدا اصحاب بدمزاج عورت سے شادی کرکے "گر کشتن روز اول" پر عمل کرسکتے ہیں غرضکہ یہ قصہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے جسکو مولوی محمد عبدالرشید صاحب شیدا نے لفظ مرسلہ کے ساتھ بھیجا ہے۔

(۶) **تلاطم محبت** مولوی محمد عبدالرزاق صاحب سہیل کی طرز عبارت نشتر ہوتی ہے کہ سہل ہی کہے دیتی ہے یہ بھی ہمارے قدیم عنایت فرماؤں جوان صالح ہیں لائق و فائق ہیں اپنے طرز کی تڑپا دینے والی نثر (جیسی نظم کا مزہ آتا ہے) خوب لکھتے ہیں نظم میں بھی اچھی سنگاہ ہے انکے اخلاق حمیدہ سے امید ہے کہ ہم پر انکی نظر عنایت رہے گی۔

(۷) **بالاتفاق حرام ہے سور کی چربی اسلام میں**۔ یہ مضمون نہایت ضروری ہے ہمیں ان امور پر روشنی ڈالی گئی ہے جنسے اکثر و بیشتر مسلمان واقف نہیں ہیں اور یہ قابل قدر مضمون ہمارے کرم فرما حکیم مولانا واثق علی صاحب سنت کا ہے جو نظم و نثر میں اچھی مہارت رکھتے ہیں اور سالہا سال سے انکے مضامین متعدد رسائل میں شایع ہوتے رہے ہیں

(۸) **حمد** ہمارے دوست جناب بابو عبیدصاحب عظم ڈرامانسٹ نے حمد میں جو اشعار لکھے ہیں نہایت اچھے ہیں ہم ان کی کیا داد دیسکتے ہیں خدا تعالی ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

(۹) **بزم سجانی**۔ ہمارا قصد تھا کہ یہ رسالہ ماہ رجب المرجب میں طبع و شایع ہو لیکن چند وجوہ سے تاخیر ہوگئی بزم سجانی کی نظم رجب ہی کے مبارک مہینے میں مولانا یکتا نے ہمارے یہاں بھیجدی تھی یہ نظم شاعری کے لحاظ سے حضرت یکتا کی یکتائی کا ثبوت دیتی ہے اور بلحاظ عقیدت (جو مضمون سے ظاہر ہے) بارگاہ نبوت سے ان کے دلی ارادت کا پتہ ملتا ہے لہذا سخن آفرینی کا لقب ان کے لئے نہایت زیبا ہے ہمکو یقین ہے کہ ناظرین رسالہ بھی نظم بزم سجانی کو پڑھکر ہر شعر پر وجد کرنے لگیں گے ہم دعا دیتے ہیں کہ حضرت سعدیؒ کی طرح حضرت یکتا کو بھی اسکا صلہ بارگاہ نبوت سے عطا ہو اور استدعا کرتے ہیں کہ جناب یکتا اپنی سخن آفرینی سے اس رسالہ کو مزین فرماتے رہیں گے۔

(۱۰) **عہد عثمانی**۔ چونکہ بتقریب سالگرہ مبارک یہ رسالہ ماہ رجب المرجب میں طبع و شایع کرنے کا قصد تھا اس لئے بہت کم مہلت میں فرمایش کرکے حضرت ذہین صاحب سے یہ نظم لکھوائی گئی۔ حضرت موصوف ایضافی نظم و نثر لکھنے میں جیسی مہارت رکھتے ہیں اس سے علمی دنیا خوب واقف ہے لہذا مزید تعارف کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

(۱۱) **فلسفہ عشق**۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ناظم کس پایہ کا بلیغ شاعر ہے۔ یہ نظم ہمارے شفیق مسلم الثبوت ناظم و نثار سحر بیان جناب مولوی محمد احمد خاں صاحب برتر نے لکھی ہے جسکا ایک ایک مصرع فلسفہ کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور شاعری کے لحاظ سے بھی اسکا رتبہ ایسا بلند و برتر ہے کہ فکر فلک سا بھی حیران ہوجائے ہمکو امید ہے کہ جناب برتر صاحب آئندہ بھی اپنے اشعار آبدار سے ہمارے رسالہ کی رونق بڑھائیں گے۔ فقط

مدیر

کسی قوم کا علمی مذاق اُسوقت تک نہیں بدلتا، وقتیکہ اُسمیں بتدریج مذہبی احساس کی کمی واقع نہو۔

(۱) ایک وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی ہر کتاب خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ عموماً بسم اللہ الرحمن الرحیم سے مزین اور حمد و نعت سے مملو ہوا کرتی تھی اور ہر ناصیۂ کتاب پر بسم اللہ کی تحریر اتنی لازمی سمجھی جاتی تھی کہ لوگ اُسکو خیر و برکت کا مجموعہ خیال کرتے تھے

رفتہ رفتہ جب اس مستحسن قاعدہ کی تقلید عالمگیر مقبولیت حاصل کر چکی تو روزمرہ کے خطوط، نامہ و پیام، بادشاہوں کے فرامین و احکام پر بھی بسم اللہ کا لکھنا تبرکاً جاری ہو گیا۔ اگر سہواً کسی خط یا کتاب پر بسم اللہ کی تحریر متروک ہو جاتی تو وہ حسن قبول سے خالی سمجھی جاتی تھی۔

قرآن جب کہ بلاشبہ مسلمانوں کا دستور العمل اور شیرازہ ایمان کہلاتا ہے تو قرآن کی ترتیب اور رسم تحریر بھی نظام ملی سے کچھ کم نہیں ہو سکتی۔ خلیفہ سوم رضؓ کے زمانے میں جب قرآن شریف کی تدوین کا کام شروع ہوا تو پہلے (۶۶۶۶) آیتیں جمع کر کے (۳۰) پاروں پر تقسیم کی گئیں پھر ہر پارہ میں جس قدر مکی و مدنی آیات شامل تھیں انہیں باعتبار شان نزول جدا جدا ترتیب دیکر سورتیں قایم کیگئیں اور ہر سورۃ کی ابتدا پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا گیا اگر بنظر اعتبار دیکھا جائے تو مسلمانوں کے لئے قرآن مجید سے بڑھکر کوئی روشن دلیل نہیں ملسکتی۔

چودھویں صدی کے اوائل میں جب انگریزی تعلیم کی آمیزش مسلمانوں کے رگ وپے میں خون کی طرح دوڑنے لگی اور عقائد کے نورانی مطلع پر اک دھندلاپن چھا گیا تو سب سے پہلے تعلیم یافتہ جماعت کی وارفتگی نے مختصر نویسی کو اپنا شعار گردان کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو خیرباد کر دیا اور بجائے طفولی لکھنے کے عددی طور پر (۷۸۶) لکھنے کی بنیاد قائم کی اور یہ کلیہ تدریجاً اسقدر عام ہوگیا کہ ملک کے اہل قلم علماء شعرا نے بھی پیروی کی جس کے باعث آج دنیا کے ہر ذی علم طبقہ میں (۷۸۶) کے اعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حقیقی قائم مقام بن گئے۔

کچھ دنوں بعد زمانہ نے پھر ایسا پلٹا کھایا کہ عصر جدید کے بعض جدت طراز اصحاب نے اُن اعداد کا لکھنا بھی یک قلم متروک کر دیا آج کل ہندوستان کے ہر گوشہ سے تصنیف و تالیف کی کثرت اور اخبارات کی روز افزوں بہتات نظر آتی ہے مگر وائے برحال کہ بھولے سے بھی کسی رسالہ یا کتاب پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا نظر نہیں آتا۔ قوم کے اکابر و علماء کرام کا مذہبی فرض تھا کہ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فضائل و معانی وعظ و تقریر کے ذریعہ عوام کے کانوں تک پہنچاتے اور وقتاً فوقتاً قرآن و حدیث کے حوالہ سے سلیس اُردو میں کتب و رسائل لکھ کر شایع کرتے جس سے لوگوں میں نہ صرف ایک طرح کا مذہبی شغف پیدا ہو جاتا بلکہ بسم اللہ کی پچھلی عظمت و تقدیس جو مسلمانوں کے دلوں میں باوجود اس گئی گذری حالت کے بھی باقی تھی وہ بجائے خود قایم رہتی اور آیندہ چلکر بسم اللہ کے غیر متناہی فضائل و محاسن کا احساس خود اُن کے علمی مذاق کو بھی ایک صحیح منہج پر پہنچا دیتا۔

بظاہر رسالے اور اخبارات کا مقصد قوم و ملت کے مُردہ قالب میں علم و اخلاق کی نئی رُوح پھونکنا ہے مگر کسی اڈیٹر یا مضمون نگار صاحب کی توجہ اس جانب نہیں ہوتی کہ بسم اللہ کی تفسیر پر کچھ خامہ فرسائی کریں۔ حالانکہ پچھلے بزرگوں نے اس موضوع پر اتنا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے کہ اگر اُسکو اکٹھے کرکے اُردو کے قالب میں ڈھال لیں تو صدہا کتب مدوّن ہو سکتے ہیں اس بارے میں سب سے پہلے علامہ شیخ عبدُ الکریم الجیلیؒ کا احسان قابل قدر ہے کہ انہوں نے تصوف کے انوکھے انداز پر تقریباً (۲۵۰) صفحات کی ایک مستقل کتاب محض بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی شرح پر عربی میں لکھی ہے جس کو حال ہی میں مولوی شاہ محمد وہاج الدین صاحب قلندر کاکوری نے اردو میں ترجمہ کرکے بہت بڑی کمی کو پورا کیا۔

ذیل کے چند سطور میں اپنے رطب و یابس خیال کے موافق ہدیۂ ناظرین

کر کے متوقع ہوں کہ ناچیز کی سعی کچھ نہ کچھ ضرور مشکور ہو گی۔ علامہ شیخ عبد الکریم الجیلی بحوالہ حدیث فرماتے ہیں کہ

(۱) حدیث انه قال ما فی الکتب المنزلة فهو فی القرآن فهو فی الفاتحة وکل ما فی الفاتحة فهو فی بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ۔ جو کچھ کتب منزلہ میں ہے وہ قرآن میں ہے اور جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورۂ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے۔

(الکہف والرقیم)

(۲) کل ما فی بسم اللہ الرحمن الرحیم فهو فی الباء وکل ما فی الباء فهو فی النقطة التی تحت الباء

ترجمہ۔ جو کچھ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے وہ ب میں ہے اور جو ب میں ہے وہ اس نقطہ میں ہے جو ب کے نیچے ہے۔

(الکہف والرقیم)

(۳) وقال بعض العارفین بسم اللہ الرحمن الرحیم من المعارف بمنزلة کن من اللہ

ترجمہ۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم معرفت کی رو سے اللہ کے پاس بمنزلہ کن کے ہے۔

(الکہف والرقیم)

حضرت شیخ عبد الکریم الجیلی کی جلالت شان اور ان کے حقایق و عرفان سے تقریباً ہر ذی علم واقف ہے آپ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے

ب کا الصاق (س) کے ساتھ خدائے پاک کا اک راز مخفی ہے کیونکہ حرف (س) باعتبار محل اعداد چھٹے مرتبہ پر حاوی اور محیط ہے جو مراتب ستہ کا سرچشمہ اور ایجاد وتکوین عالم کا باعث ہے بعض مفسرین اور عارفین نے اسی مفہوم کو عرش کے نام سے تعبیر کیا ہے اس لئے حرف (س) کے رموز و اشارات بے انتہا اور ضبط تحریر سے خارج ہیں جب (س) کا اتصال (ب) کے ساتھ بمنزلہ عرش ہوا تو خود پروردگار عالم فرماتا ہے۔

اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش۔

آیتہ مذکورہ بالا خدائے عزوجل کے اُس کنہ حقیقت کو ظاہر کرتی ہے جو بندہ کے ساتھ متوسل ہے اب اس سے اچھی طرح واضح ہو چکا کہ خداوند عالم نے حرف (س) کی شان وعظمت کو کس قدر بلند و برتر فرمایا ہے چنانچہ (یٰسین) میں (یا) حرف ندا ہے اور (س) مرتبہ انسان جب (س) مرتبہ انسان ہوا تو اللہ جل شانہ اپنے پیارے (انسان کامل) کی شان میں مخاطب ہو کر اس طرح فرماتا ہے کہ (اے انسان) یعنے اے میری عین ذات انسانی وغیرہ۔

ارباب بصیرت اس سے غور فرما سکتے ہیں کہ اللہ اور بندہ کے درمیان کیا واسطہ ہے۔

گو یہ بحث اصل موضوع سے کسی قدر ہٹ کر ہے مگر ب۔ اور س کے اسرار الوہیت معیت انسانی سے بالکلیہ واسطہ رکھتے ہیں اس لئے کسی قدر توضیح کر دی گئی۔ اب میں ناظرین کے سلسلۂ خیال کو پھر اسی طرف لوٹایا چاہتا ہوں

جو میرے مضمون کا نصب العین ہے

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل میں اک اولوالعزم نبی گزرے ہیں۔ ملکہ بلقیس کو جب آپ نے دعوت اسلام کا خط لکھا تو خط کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر فرما کر بھیجا۔ ملکہ بلقیس اُس خط کو پڑھ کر اہل دربار کو سناتی اور یہ کہتی ہیں کہ یہ خط میرے نام بھیجا گیا ہے اور اس طرح ہے۔

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ۔ یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور یہ اُس کی عبارت ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

(پ ۱۹۔ النمل ۲۷) (از مدارک التنزیل)

اب اس آیۃ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی کیا اہمیت ہے اور سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل الشان پیغمبر نے بھی بسم اللہ کی ضرورت کو کس درجہ محسوس فرمایا۔ پھر لطف یہ کہ دعوت اسلام کے اس قدر اہم ترین کام کو جو موعظہ حسنہ کا اک فصیح و بلیغ خطبہ ہو سکتا تھا آپ نے محض بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بالکل مختصر جملہ پر ختم کر کے ہمیشہ کے لئے اسلام میں وہ قابل تقلید مثال چھوڑی ہے جس سے کسی مسلم ہستی کو قیامت تک انکار نہیں ہو سکتا۔

(۳) جبکہ بسم اللہ کی عظمت و جبروت پیغمبروں کے دل میں اسقدر جاگزیں تھی کہ وہ ایسے مشکل اور کٹھن کام کے لئے بھی فتح و ظفر کا وسیلہ گردانتے تھے تو پھر کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ آج ہم مسلمانوں کے کاروبار زندگی میں بسم اللہ کی استعانت ضامن کفیل نہ ہو سکے گی بلکہ عام طور پر مسلمانوں کا یہ فریضہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کرے اور بسم اللہ ہی پر ختم کرے حتیٰ کہ اٹھتے بیٹھتے

چلتے پھرتے۔ ہر ساعت و ہر لحظہ بسم اللہ سے غافل نہ ہے۔ اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر احادیث میں عام طور پر ہدایت فرماتے ہوئے اک اور حدیث شریف میں اپنی امت مرحومہ کی پیش آیندہ زندگی کا بھی نہایت مستحکم نظام العمل بتلادیا ہے اگر آج ہم اُس پر اپنا سر تسلیم خم کردیں تو دین و دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے ازبس کافی ہے۔

حدیث کل امر ذی بال لا یبدء فیہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم فھو اقطع ابتر ممحوق من کل برکۃ (کنز العمال عن ابی ہریرہ)

ترجمہ۔ ہر وقعت کام کا آغاز اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نہ کیا جائے تو وہ مقطوع اور ابتر ہے اور وہ کام برکت سے بھی خالی ہوگا۔

اسی طرح اک اور حدیث میں ہے۔ کہ

کل کلام لا یبدء فیہ بحمد اللہ فھو اجذم (ابو داؤد عن ابی ہریرہ)

ترجمہ۔ جس کلام کی ابتدا خدا کی حمد سے نہو وہ ناقص ہے۔

اگرچہ بسم اللہ کے خیر و برکات پر ہزاروں احادیث و اقوال ایمہ مل سکتے ہیں لیکن ان سب کا اجمالی نتیجہ یہی ہے کہ انسان اپنے ہر کام کو بسم اللہ ہی پر منحصر کردے ورنہ ہمیشہ وہ کام ناتمام ہی نہ ہوگا بلکہ ناقص و ابتر سمجھا جائے گا اسی واسطے اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کے ہر کام کو اپنے طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتا اور اُس کے حسن اختتام کا وعدہ کرتا ہے وافوض امری الی اللہ جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی کھلی دلیلیں ہمارے سامنے رکھدی ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُس کو اپنی زندگی کا نظام العمل نہ بنائیں اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارا مآل کار بقول سعدی رح

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید کا مصداق ہوگا۔ یہ اسلام کی سب سے پہلی برکت تھی جو ہم پر نازل ہوئی مگر افسوس کہ شامت اعمال سے سب سے پہلے ہم نے اسی کو کھو دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کی بسم اللہ ہی غلط ہو پھر اس کا کیا ٹھکانا۔ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ یہ عادت تھی کہ آپ جب اپنے کاشانۂ نبوت سے باہر قدم رکھتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ضرور فرماتے علیٰ ہذا جب داخل ہوتے تب بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرماتے۔

حدیث اذا خرج من بیتہ یقول بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

ترجمہ۔ جب گھر سے باہر نکلے تو یہ دعا پڑھے اللہ کے نام سے اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اللہ کے سوا کسی میں طاقت اور قوت نہیں ہے۔

(ابوداؤد و ترمذی)

آداب طعام کے ضمن میں بھی اک حدیث جامع طور پر اس طرح پر آئی ہے۔

حدیث۔ اذا اکل احدکم طعاما فلیقل بسم اللہ فان نسی فی اولہ فلیقل فی الاخر بسم اللہ فی اولہ و اخرہ

ترجمہ۔ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو بسم اللہ کہہ کر کھائے۔ اگر شروع میں بسم اللہ بھول جاؤ تو آخر میں کہو۔

(ابوداؤد و نسائی)

اک اور موقع پر عمر ابن سلمیٰ نے بھی اسی عنوان سے اک حدیث روایت کی ہے۔

حدیث بسم اللہ کہہ کر کھانا کھایا کرو۔ ابن ماجہ جلد (۳)

غرض بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جس قدر بھی شرح و تفسیر بیان کی جائے کم ہے۔ علماء و صوفیاء کرام کے علاوہ فارسی کے قدیم شعراء نے بھی اس پر مصرعے

لگائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) مولانا نظامی۔ ہست کلید در گنج حکیم ✤ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۲) امیر خسرو۔ خطبۂ قدس ہست بملک قدیم ✤ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۳) عرفی۔ موج نخست ہست ز بحر کریم ✤ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۴) طاہر وحید ہست نہالے ز ریاض قدیم ✤ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۵) آزاد بلگرامی تیغ سیہ تاب رسول کریم ✤ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۶) ناطق جملہ جہاں حادث و ذات قدیم ✤ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سعدی اور حافظ کا کوئی مصرعہ دستیاب نہ ہو سکا مگر سعدی کا یہ شعر اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں ادا کرتا ہے۔

(۷) سعدی نہ شرط ہست وقتے کہ روزی خوری ✤ کہ نام خداوند روزی بری

لسان الغیب حافظ علیہ الرحمہ نے بھی حوادثات دنیا سے منہ نہ موڑنے کیلئے نہایت اچھا سبق دیا ہے۔

(۸) حافظ۔ دریں دریای بے پایاں بطوفان موج اقراد دل افگندیم بسم اللہ مجریھا و مرسٹھا

مرزا حسینی بیگ شاذلی حیدرآبادی

ضائع فرمانہ سر فروشی کو مری ✤ مٹی میں ملا نہ گرمجوشی کو مری

آیا ہوں کفن پہن کے اے رشکِ مسیح ✤ دھبہ نہ لگے سپید پوشی کو مری

بیفائدہ کب ہے جبہہ سائی اچھی ✤ طاعت میں نہیں ہے خودنمائی اچھی

اک سجدہ میں خاک کر دیا ہستی کو ✤ حضرت تم سے دیا سلائی اچھی

معیارِ حقیقت

پتھر سمجھئے دل میں جو مہر و وفا نہ ہو — مٹی کے ڈھیلے آنکھیں ہیں جنمیں حیا نہ ہو
وہ کیا صبا کہ جس سے گرہ دل کی وا نہ ہو — وہ کیا نسیم چل کے اگر جانفزا نہ ہو
وہ کیا مرض جو حد سے بڑھے اور شفا نہ ہو — وہ درد کب ہے درد جو بڑھ کر دوا نہ ہو
وہ پھول کیا کہ رنگ ہو بوئے وفا نہ ہو — بلبل وہ کیا جو شاہدِ گل پر فدا نہ ہو
وہ حسن کب ہے جس میں تجلی نہ ہو تری — وہ ناز کب ہے جسمیں تری کچھ ادا نہ ہو
ثابت ہوں جو نہ جادۂ حق پر وہ کیا قدم — وہ سر ہی کیا ہے جسمیں کہ سودا ترا نہ ہو
کس کام کی زباں ہے نہ ہو جسمیں راستی — وہ سینہ کب ہے صاف جو آئینہ سا نہ ہو
وہ کان کیا ہیں جو نہ نصیحت نیوش ہوں — وہ آنکھ کیا جو حق نگر و حق نما نہ ہو
گر آدمیت اُسمیں نہ ہو کیا ہے آدمی — زاہد وہ کیا جو متقی و بے ریا نہ ہو
صدق و خلوص جسمیں نہ ہو کب وہ دوست ہے — وہ آشنا ہی کب ہے جو حق آشنا نہ ہو

وہ بات کیا جو قند سی شیریں نہ ہو ذہیںؔ
وہ چال کیا جو راہبرِ رہنما نہ ہو

ذہیںؔ حیدرآبادی

جذبات آزاد

نقل کرتے ہیں وہ اوروں کی گئے ہیں اسکو بھول — اک گدھے کا بوجھ ہو جاتی ہے یاں ننھی سی جھول
ہم نہیں احمق جو اُنکی حماقت کا جواب دیں — کہتے ہیں واہی تباہی کہنے دیں اپنی فضول
ہم نہیں بھک مارتے وہ شوق سے کہتے رہیں جو کچھ — اُنکو یہ منظور ہے ہم کو نہیں یہ بے قبول
اپنا اپنا ذوق ہے اور اپنی اپنی فطرتیں — یہ بدل سکتی نہیں اُن کو بدلنا ہے فضول

کریٹ

Crete, {Candia, It. & F. Creta, L. Kirid, T. Kriti, Mod. Gr}

اِقریطش۔ بکسر الف و رائے مہملہ و شین معجمہ۔ **اقریطش** (بہ فتح الف) بعض نے **اقریطس** اور **اقریطس** (بہ سین مہملہ) بھی لکھا ہے۔ عربی + **کانڈیا** ایطالی جو فرانسیسی **کینڈیہ** سے ماخوذ ہے اور کینڈیہ عربی **خندق** (کھائی) کی بگڑی ہوئی شکل ہے + **کریدیتر** کی + **کریٹیا**۔ لاطینی + **کریٹ**۔ انگریزی + **کریتی**۔ جدید یونانی + شرقی بحر متوسط میں ایک جزیرہ جو ایشیائے کوچک کے جنوب مغرب ایک سو دس میل۔ یونان کے جزیرہ نما **مورہ** سے جنوب کی طرف ساٹھ میل۔ جزیرۂ **قبرص** سے جانب غرب تین سو میل اور جزیرہ **رودس** سے جنوب مغرب سو میل پر واقع ہے + طول (۱۵۵) میل + عرض (۷) سے لیکر (۳۵) میل تک + آبادی (۳۵۳۲۰۶) جن میں (۳۰۷۸۱۲) عیسائی اور (۲۷۸۵۲) مسلمان۔ ۱۸۹۸ء کے عیسائی قبضہ و احتلال سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ چونتیس ہزار تھی۔ لیکن یونانی ظلم و تعدی کی وجہ ہزارہا مسلمان ہجرت کر رہے ہیں + ۴۸۰۷ یہود اور ۶ ہزار غیر ملکی ہیں + رقبہ (۳۳۳۰) مربع میل + اِقریطش۔ خطوط عرض شمالی ۴۲° ۱۵' و ۳۵° ۱۵' اور خطوط طول شرقی ۲۳° ۳۰' و ۲۶° ۲۰' کے بین واقع اور یورپ کا نہایت جنوبی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ شمالی حصہ پہاڑی اور زرخیز ہے۔ ندیاں گرمیوں میں خشک ہو جاتی ہیں لیکن تمام جزیرے سے چشمے اُبل پڑتے ہیں بلند ترین پہاڑ کوہ **ایدا** جو اب **پسیلوریتی** کہلاتا ہے (۸۰۷۰) قدم اونچا ہے۔ آب و ہوا گرم اور بارش کی مقدار کافی ہے پہاڑوں پر کثیر گلے اور

ریوڑ چرتے ہیں۔میدانوں میں غلّہ۔زیتون انگور اور میوے کی پیداوار بہت ہوتی ہے اِسفنج (اَبرمُردہ) ساحل پر ملتا ہے۔صابُن۔اُون۔پنیر۔شہد اور خوا کہ کی برآمد تجارت ہوتی ہے۔**باشندے** بیشتر یونانی الاصل ہیں جن میں عربی و ترکی اختلاط ہے۔**زبان** عموماً **یونانی** ہے مسلمان اور یہودی بھی یہی زبان بولتے ہیں لیکن کوہ اِیدا کے نواح میں نہایت قدیم زمانے سے کچھ **عرب** سکونت پذیر ہیں وہ **عربی** بولتے ہیں ترکوں کی حکومت میں **دولتی** زبان **تُرکی** تھی جو ۱۸۹۸ء سے تمام ہوگئی۔پائے تخت **خانیہ** ہے یہ نہایت خوش منظر تجارتی بندرگاہ ہے۔**قندیہ** (کانڈیا) (عربی **خندق** کی تصحیف ہے) جسکی بنیاد عربوں نے صدر اسلام میں ڈالی تھی۔**ریثمو** سب سے بڑا شہر ہے۔یہ تینوں شہر شمالی ساحل پر واقع ہیں **اَسفاکیہ** جنوب مغرب میں ایک مستحکم بندرگاہ ہے۔

آثارِ قدیمہ۔اقریطش کی اَثری تحقیقات (کوزہ گری کا کمال۔اعلیٰ طرز عمارت بذریعہ رَو کی عمدگی وغیرہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا تمدّن بہت مقدم تھا جس کا زمانہ دو ہزار برس سے لیکر آٹھ سو ق م (یعنے یونان کے عہد تاریخی کے آغاز) تک سمجھا جاتا ہے اِس کو **ایجی تمدّن** و **تہذیب** کہتے ہیں اس کی قدیم تحریرات **ہیرو غلیفی** (تصویری) **خطی** سے مورخین یورپ یہ نتیجہ کرتے ہیں کہ **حروفِ تہجی** کے اصل واضع اور مخترع **فینیقی** نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اقریطش کے ایشیا افریقیہ اور یورپ کے مابین **بحر ابیجہ** کے مخرج پر واقع ہونے سے اس نے **مصری، عربی** (یَمانی و اِسماعیلی کنعانی (فینیقی)، **یہودی** وغیرہ تمام قدیم ترین **سامی** اقوام سے تمدن حاصل کیا اور یونان پہنچایا۔اقریطش میں قدیم الایام سے عربوں اور یہودیوں کی موجودگی یونانی مورخین اور **کتاب مقدس** سے بخوبی ظاہر ہے اور **توراۃ** سفر تکوین سے بھی واضح و ثابت ہے

م اقریطش کی تصویری تحریر (ہیروغلیفی) اصل تحریر تبدیل کر لیا مگر میں تبدیلات میں عمل رہے کہ

کہ یہود اور فینیقیین کے وجود سے پہلے بنی اسماعیل (اسماعیلی عرب) دنیائے قدیمہ کے مسلم الثبوت تاجر تھے جنہوں نے شام میں حضرت یوسفؑ کو ان کے سنگ دل بھائیوں سے خرید کر کے مصر پہنچایا تھا ان اُمور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقریطشی و ایجی تمدن کے بانی و بادی عرب تھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو راقم کا مضمون ایجی تمدن)

تاریخ یونانی علم الاساطیر (بتہاوجی) میں اقریطش کے متعلق بہت سی بے سروپا داستانیں بیان کی گئی ہیں ہومر کی نظموں میں اس کو کریت صد شہر لکھا ہے جسمیں اقریطشی، اخائی، دوری مخلوط النسل قوم رہتی تھی۔ پاستانی قصص میں لکھا ہے کہ کریٹ کا پہلا بادشاہ مینوس ولد لیوس شہر نوسس جواب مکرونیخو کہلاتا ہے میں فرماں روائی کرتا تھا یہ دنیائے قدیمہ کا سب سے بڑا مقنن اور اقریطشی بحری بیڑا موس بیان کیا جاتا ہے۔ مینوس سے مینوئی مشتق ہوا ہے جو اقریطش کے عہد قدیم کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ اہل اقریطش تیر اندازی اور کمان داری میں مشہور تھے انہوں نے ایرانی و یونانی محاربات میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ آپس کے لڑائی جھگڑوں میں مصروف رہے عرب اور یہود کی قدیم الایام سے آمد و رفت رہی ان میں بعض سکونت پذیر بھی ہو گئے تھے یہود کی خاص بستی گورتینا تھی۔ پہلی صدی ق م میں اہل اقریطش نے متھراڈے ٹیز بادشاہ پنطش سے اتحاد کیا اور اپنے ہم سایہ اہل کیلیکیہ سے ملک بحری قزاقی (ڈاکا) شروع کر دی اس لئے رومان نے مٹلوس کی سرکردگی میں کریٹ پر حملہ کر کے اس کو ۶۶ ق م میں مغلوب و مفتوح کر لیا اس فتح و نصرت کی یادگار میں مٹلوس کا نام کریٹیکس (اقریطشی) رکھا گیا رومی عہدی (۶۱ء) میں پولس رسول نے اپنے بحری سفر رومہ کا حال اعمال الرسل (۲۰) (۸-۴) میں

لکھا ہے کہ "ہم بہت دنوں تک آہستہ آہستہ چلکر جب مشکل سے **کنیڈس** کے قریب پہنچے تو تو باد مخالف (شروع ہوئی اس لئے) **سلمونی** کے گرداگرد ہو کے کریت کے جنوب مشرقی ساحل سے بدشواری گزر کے **بنادر حسنہ** نام ایک مقام میں جو شہر **لسائیہ** کے قریب ہے داخل ہوئے چونکہ یہ مقام اچھا نہ تھا لہذا کچھ عرصے کے بعد اکثر لوگوں کی صلاح ہوئی کہ وہاں سے چلکر غربی جانب ایک بندرگاہ **فینکس** (موجودہ **لٹیرو**) میں جاڑا گزاریں لیکن جب جنوبی نسیم (دکھنہری ہوا) چلنے لگی تو یہ سمجھ کر کہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا لنگر اٹھا دیا اور کریت سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دیر میں ہوا کا ایک جھکڑ آیا جو **اُورُوکلیڈون** (شمال شرقی ہوا) کہلاتا ہے جس سے جہاز طوفان میں آگیا۔" آخر کار یہ جہاز تھپیڑے کھاتا ہوا جزیرہ **کلودی**۔ ریگ زار **سیرتس** بحر **اوریا** وغیرہ سے گزر کر جزیرہ **ملیطہ** (مالٹہ) میں تباہ ہو گیا لیکن آدمی صحیح سالم کنارے اُتر گئے۔ **پولس** رسول کے اُس خط میں جو اُس کے دینی فرزند **تیطس** کے نام پر لکھا ہے درج ہے "میں نے تجھے کریت میں اس لئے چھوڑا تھا کہ تو امور ناقصہ کی تکمیل اور ہر شہر میں کشیشوں یا مشائخ کو مقرر کرے۔ ان ہی میں سے ایک شخص (**اپی مینی دس**) نجوان کا خاص نبی (اور شاعر) تھا کہا ہے کہ کریتی ہمیشہ کذاب (جھوٹے) شریر وحوش (بدجانور) بطّال (نکمے) اور بطون (پیٹو یا پرخور) ہوتے ہیں اور یہ بیان سچا ہے" رومی سلطنت کی تقسیم کے بعد **کریٹ** بیزنطی سلطنت کا صوبہ رہا جن سے مسلمانوں نے پہلے پہل ۸۲۳ء میں فتح کیا پھر ۸۲۵ء میں **ابوحفص عمر** بن عیسیٰ بن **شعیب البلوطی** نے **کریت** پر مستقلاً قبضہ کر لیا ابوحفص ان باغیوں کا سرغنہ تھا جس کو **حکم** نے خوں ریز جنگ کے بعد **قرطبہ** سے جلاوطن کر دیا تھا یہ لوگ **فاس** (فیز) وغیرہ ہوتے ہوئے

اسکندریہ پہنچے اور کچھ دنوں کے بعد اہل شہر کو نکال کر اس پر متصرف ہو گئے بدیں وجہ مصر کے گورنر عبداللہ بن طاہر نے ان کا محاصرہ کر لیا آخر باغیوں نے تنگ آکر اماں مانگی۔ اس پر عبداللہ نے محاصرہ تو اٹھا لیا لیکن خارج بلد کر کے اقریطش کی جانب روانہ کر دیا ان لوگوں نے بتدریج تمام جزیرہ کو فتح کر لیا اگرچہ شہنشاہان **بیزنطی قسطنطنیہ** نے ان کو نکالنے کی بہت جدوجہد کی۔ لیکن **ابوحفص بلوطی** کی اولاد اقریطش پر (۱۳۵) برس تک اطمینان کے ساتھ فرمانروائی کرتی رہی اور شمالی ساحل پر نئے دارالحکومت **خندق** کی بنیاد رکھی جو بگڑ کر **کینڈیہ (قندیہ)** ہو گیا ہے بالآخر مسلمانوں کے شقاق و نفاق نے اُن کو یہ روز بد دکھایا کہ ۳۵۰ھ/۹۶۱ء میں بیزنطی شاہ **اریانوس** بن قسطنطین کا جنرل **نغفور (نقفور)** بن **الفقاس** جو بعد میں ۹۶۳ء سے ۹۶۹ء تک شہنشاہ ہوا کئی ماہ کے محاصرے کے بعد خندق پر متصرف ہو گیا۔ اور بہت جلد تمام جزیرۂ اقریطش کو مغلوب کر لیا آخری امیر عبدالعزیز بن شعیب نے جو ابوحفص کی اولاد میں تھا **قسطنطنیہ** میں انتقال کیا اور اس کے بیٹے **انیماس** نے آریانوس کی ملازمت اختیار کر لی مسیحی سلطنت نے اقریطشی مسلمانوں پر نہایت ظلم زیادتیاں کیں اور سخت سخت آفتیں توڑیں بعض کو جلاوطن کر دیا اور بعض کو بجبر و اکراہ عیسائی کر لیا ابن جبیر (۵۷۸ھ/۱۱۸۴ء) نے اقریطش کے مظلوم و مجبور مسلمانوں کا جو حال لکھا ہے وہ نہایت دردناک اور رقت خیز ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جزیرۂ اقریطش کی ملکہ نے وہاں کے مسلمانوں پر رفتہ رفتہ ایسی سختیاں کیں کہ کل قوم کو مجبوراً نصرانی ہونا پڑا۔ صرف چند لوگوں نے جن کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے سعادت تحریر فرمائی تھی وہاں سے بھاگ کر نجات پائی باقی گمراہوں پر وعید عذاب صادق ہوئی ان لوگوں کی مصیبت کے اندازہ کرنے کا

ایک اور معاملہ پیش آیا۔ اس کے بیان سے جی پھٹتا ہے اور زہر اپانی ہوتا ہے ایک روز اس شہر کے کسی دولت مند نے ہماری جماعت کے ایک حاجی کے پاس اپنے لڑکے کی معرفت یہ پیام بھیجا کہ میری ایک لڑکی سن بلوغ کے قریب ہے اگر تمھاری مرضی ہو تو خود اس کے ساتھ نکاح کر لو ورنہ اس کو اپنے ساتھ لیجاؤ اور اپنے ملک میں جس کے ساتھ مناسب سمجھو عقد کر دینا اس لئے کہ یہ لڑکی کفرستان سے بیزار ہے اور اسے دیار اسلام کے شوق نے مفارقت اقربا پر رضامند کر دیا ہے۔ اس کا باپ اور بھائی دونوں اس امر پر راضی ہیں کہ علائق کی کمی سے انہیں بھی اس نصرانی ملک سے نکل جانیکا کوئی موقعہ ملے۔ ہمارے ساتھی نے اس درخواست کو قبول کیا اور ہم لوگوں نے بھی اسکو اس کار خیر پر آمادہ ہونے کی ترغیب دی مگر ہمیں ان لوگوں کی مجبوری پر سخت تعجب ہوا کہ اپنے جگر پارہ کو ایک مسافر کے حوالے کرنے اور اس کی مفارقت میں صبر کرنے پر انہیں کس مصیبت نے مجبور کیا۔ اسی طرح اس لڑکی کے ارادے پر بھی حیرت ہوئی کہ اس نے فقط دیار اسلام کے شوق میں اپنے اعزہ اور وطن کی مہاجرت گوارا کی۔ سنا ہے کہ جب لڑکی کے والد نے اس لڑکی سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اگر ایسے موقع پر بھی تم مجھے بچا نے دو گے تو معلوم نہیں کہ آزادی کی اور کون سی سبیل ہو گی"۔ ۱۲۰۲ء میں لاطینی فتح قسطنطنیہ اور تاسیس سلطنت کے بعد **کریٹ۔ بناوقہ** (اہل وینس) کو فروخت کر دیا گیا۔ بناوقہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں اس قدر ظلم و ستم کیا کہ مخلوق تراہ تراہ کرنے لگی۔

بنا دقہ کا پایۂ تخت **کانڈیا** (خندق) تھا جس کی وجہ **کریٹ** کا دولتی (سرکاری) **بُندقی** زبان میں **کانڈیا** رکھا گیا تھا جو ایطالی زبان میں اب تک رائج ہے۔ آخر ان کی حالت زار پہ خدائی تعالیٰ نے رحم فرما کے ان کی فریاد سُن لی اور ایک بہادر و عادل قوم کو بنا دقہ پر مسلط کر دیا یعنے ترکوں نے اس جزیرہ کو ۱۶۴۵ء میں فتح کر کے ان مردُم آزاروں سے نجات دلائی ترکوں کے اقریطش پر حملہ آور ہونے کے اسباب یہ ہوئے کہ بنا دقہ اور اہل مالطہ نے **قزلہ اغسی تونپل** آغا کے جہاز پہ جبکہ وہ سلطان ابراہیم کی خواص اور بچے کو مصر لئے جا رہا تھا لوٹ لیا اس کی سزا میں ترکوں نے اقریطش پر چڑھائی کی اور ۲۰ روز کے محاصرے کے بعد **خانیہ** کو لے لیا بعد ازاں اگرچہ بنا دقہ نے طویل و ممتد عرصہ تک ترکوں سے جان توڑ مقابلے کئے اور کل یورپ نے بھی جان و مال سے بنا دقہ کی امداد و اعانت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن ہمیشہ مغلوب و مقہور ہوئے وزیر **اعظم احمد کوپرولو** نے ۲۷ ستمبر ۱۶۶۹ء کو تمام جزیرہ اقریطش پر کامیابی قبضہ کر ہی لیا۔ اقریطش کی رعایا امن و امان سے بسر کرنے لگی بہت لوگ صراط مستقیم اختیار کر کے اسلام سے مشرف ہوئے اور ان کی اجتماعی سیاسی اور اقتصادی حالت درست ہو گئی لیکن ایک سو سال کے سکون کے بعد ۱۷۷۰ء میں عیسائیوں نے فتنہ و فساد برپا کیا لیکن ان کی فوراً سرکوبی کر دی گئی۔ اگرچہ روس کی ملکہ **کیتھرین** ثانیہ نے امیر البحر **اورلوف** کو حکم دیا کہ بحر **یونان** میں فی الفور پہنچ کر جنگ شروع کر دے لیکن ترکوں نے روسی بیڑے کو شکست دیکر تباہ کر دیا ۱۸۲۱ء میں دول یورپ کے اغوا سے جب یونان نے علم بغاوت بلند کیا تو اقریطش کے عیسائیوں نے بھی بڑا عذر مچایا جس کو محمد علی پاشا مؤسس خاندان خدیوی نے فرو کر دیا ۱۸۳۰ء کی کانفرنس منعقدہ لندن کے بموجب جب افرنجی عصبیت نے سلطان روم سے یونان کو آزاد

کرادیا تو کریٹ یونان کے علی الرغم محمد علی پاشا کو عطا کیا گیا مصطفےٰ پاشا البانی نے اس جزیرے میں ۱۸۳۲ء سے ۱۸۵۲ء تک حکومت کی اگرچہ ۱۸۴۰ء ہی میں کریٹ ترکوں کو واپس کر دیا گیا تھا تمام یورپی مورخین اس زمانۂ حکومت کو کریٹ کا عصرِ ذہبی (گولڈن ایج) کہتے ہیں فی الواقع حسنِ انتظام اور خوش حالی کے لحاظ سے کریٹ کو ایسا زمانہ کبھی نصیب نہیں ہوا اس کے بعد مسیحی ملت پیہم فتنہ انگیزی کرتی رہی مثل ہے "ہمایتی کی گدھی عراقی کے لات مارتی ہے" ۱۸۶۶ء میں روسی و اطروشی (آسٹرین) شہ پاکر اقریطشی عیسائیوں نے وہ قیامت خیز ہنگامہ برپا کیا کہ خلق اللہ کی زندگی تلخ ہوگئی بہت سے مسلمانوں کی جانیں تلف ہوگئیں۔ بہرحال ۱۸۶۸ء میں یہ نائرۂ فساد فرو ہوگیا ۱۸۷۸ء میں مصالحۂ برلن کے بعد انگریزی قنصل اور دوسرے یورپی قناصل کی تائید سے اقریطش کو خود اختیاری حکومت حاصل ہوئی۔ پھر بھی ۱۸۸۹ء میں تمام جزیرے میں آشوب و غوغا ہوا جس کو سلطان کے ایک فوجی گورنر نے موقوف کر دیا۔ ۱۸۹۳ء میں دول یورپ کی تحریک سے سلطان روم نے ایک عیسائی گورنر مقرر کیا اس پر بھی مسیحی انحراف و سرکشی سے باز نہیں آئے اس لئے گورنر واپس طلب کر لیا گیا عیسائیوں نے یورپی سلطنتوں کے دریغ ماننے سے ہنگامۂ عظیم برپا کیا۔ ۱۸۹۷ء میں یونانی جنگی جہاز اقریطش پہنچے اور ترکی نقالہ (ٹرانسپورٹ) چملہ آور ہوئے یہ سبقت و زیادتی محاربۂ ترک و یونان کا باعث ہوئی جس میں یونان اور اُن کے حمایتوں کو فاش شکست اور شرمناک ہزیمت ہوئی لیکن افسوس ہے کہ یورپ کی تمام دول عظمیٰ نے امن و انتظام کے نام سے بیجا مداخلت کی ۱۸۹۸ء میں جرمنی اور آسٹریا نے اپنی فوجیں واپس طلب کرلیں۔ باقی چار سلطنتیں برطانیہ۔ فرانسہ۔ ایطالیہ اور روسیہ قایم رہیں اور ترکی فوج کو

خارج کر کے اقریطش کو خود مختار کرا دیا سلطان کے لئے خراج وغیرہ مقرر نہیں کیا لیکن برائے نام سلطانی سیادت تسلیم کی گئی۔ یونان کے شاہزادہ **جارج** کو **کریٹ** کا **ہائی کمشنر** (امین اعلیٰ) مقرر کیا اس کی اعانت کے لئے تین اعضا کی ایک **مجلس انتظامی** وضع کیگئی جس کے اقتدار میں سررشتہ ہائے **عدالت۔ مال۔ معارف عمومیہ** اور **امور داخلیہ** ہیں ۱۸۹۹ء کی تنظیم کے بموجب ایک **مجلس نیابت** یا **مجلس معبوثین** مقرر ہوئی جس میں پانچ پانچ ہزار باشندوں کی طرف سے ایک نائب شریک ہوتا ہے ان کا انتخاب دو سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ نائبوں کی مجلس کا انعقاد سالانہ یکم مے کو ہوتا ہے **مجلس شوریٰ** کو مال اور محصول کی منظوری کا اقتدار حاصل ہے ۱۹۰۶ء میں **دول اربعہ** نے شاہ یونان جارج کو ہائی کمشنر مقرر کرنے کا حق عطا کیا اور اسی سال اس نے **اسکندر زیس** کا تقرر ہائی کمشنری پر کیا دول یورپ نے اپنی افواج واپس بلالیں ۱۹۱۱ء سے کوئی کمشنر مقرر نہیں کیا گیا انتظام مملکت مجلس اور کمیشن سے عمل میں آتا ہے ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو **کریٹ** کے نائب یونانی مجلس شوریٰ میں شریک کئے گئے اور **کریٹ** کا **الحاق** یونان سے کر لیا گیا اقریطش ترکوں کے عہد حکومت سے پانچ **سنجقوں** میں منقسم ہے لیکن اب **سنجق** کا نام **نومارکی** کر دیا گیا ہے (۱) **خانیہ** (۲) **قندیہ** (خندق) (۳) **رثیمو** (۴) **اسفاکیہ** (۵) **لاشید** یہ ایک ایک **نومارک** (صوبہ دار) کے ماتحت ہیں۔ دارالحکومت **خانیہ** ہے۔ امور مذہبی کا انتظام ایک مجلس کے سپرد ہے جو ایک **مطران** اور سات **اساقفہ** پر مشتمل ہے۔ اجلاس قندیہ میں ہوتا ہے۔ عدالتی انتظام میں **فرنسی** تقلید کی جاتی ہے فوج اور پولیس یونانی افسروں کے ماتحت ہے مسلمانوں کے مذہبی معاملات (ازدواجی۔ وراثتی۔ تولیت وغیرہ) کا تصفیہ قضات کرتے ہیں لیکن

مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے اکثر نے ترک وطن کر دیا ہے۔ باقی بھی مہاجرت کرتے جاتے ہیں۔

بسمل مختار احمد

گالی

کسی کو تم نہ دو زنہار گالی
دیا کرتا ہے نا ہنجار گالی

نہ گالی دو نہ گالی کھاؤ صاحب
بنا دیتی ہے بد اطوار گالی

ہے مارا اچھی مگر گالی بُری ہے
کہ دل کو دیتی ہے آزار گالی

کہے گا جیسی جو ویسی سُنے گا
نہیں دیتا کبھی ہشیار گالی

جو بد ہے وہ ہے بھوکا گالیوں کا
نہیں کھاتا ہے نیکو کار گالی

زباں کو روک لو وقت غضب تم
کہ گل ہے حلم تو ہے خار گالی

اگر کھل جا بگا منہ گالیوں پہ
زباں سے نکلے گی ہر بار گالی

نہیں کاٹے کا جس کے کوئی منتر
یہ سُن رکھو کہ ہے وہ مار گالی

ذرا سوچو یہ ہے کیسی بُری بات
کہ کرتی ہے ذلیل و خوار گالی

یہ ہے زخم زباں اچھا نہ ہوگا
عزیزو ہے دل آزار گالی

کسی پر بھی مکند آئے جو غصہ
تو پی جاؤ نہ دو زنہار گالی

مکند گیر

اُصولِ اخلاق

دنیا کے علوم صحیحہ تمام آدمیوں کے لئے یکساں ہیں۔ اُن کے دریافت کرنے کا طریقہ ایک ہے، قوت مدرکہ ایک۔ عدم اختلاف کی وجہ یہ ہے:۔ (۱) تصورات و تصدیقات علوم صحیحہ کی بناء واقعات پر ہے (۲) تمام نوع انسانی تصورات و تصدیقات علوم صحیحہ کی بنا تجربۂ شخصی و نوعی اور عقل پر قایم کرتی ہے، اور کسی دوسری شے کو دخیل نہیں بناتی (۳) مسلمات علوم صحیحہ مقرر ہیں اور یہی حال تعریفات و موضوعات کا ہے۔

اگر مسلمات علم اخلاق مقرر کئے جائیں اور اُن میں صرف تجربۂ شخصی و نوعی اور عقل سے کام لیں، اُس کے موضوع کو مقرر کریں، اشیاء اور تعلقات کو جن سے بحث کیجاتی ہے معین کریں تو علم اخلاق بھی علوم صحیحہ کے زمرہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ محققین نے چند مسلمات مقرر کرکے اُن پر کلیات اخلاق کی بنا قائم کی ہے۔

(۱) انسان راحت سے زندگی بسر کرنا چاہتا اور موت سے بھاگتا ہے۔

تجربۂ نوعی نے اس خواہش کو طبعی کردیا ہے۔ دنیا میں کسی متنفس کے نزدیک زندگی کا مقصد تکلیف ابدی نہیں ہوسکتا۔

(۲) انسان بالطبع راحت پسند ہے اور ہمیشہ راحت میں زندگی بسر کرنیکا خواہشگار ہے۔

تجربۂ نوعی نے زیست اور لذت، اور موت اور اذیت کو توام کردیا ہے۔ ہر شخص لذت اور راحت کی تلاش کرتا اور رنج و تکلیف سے بھاگتا ہے۔ بقاء زیست کی غرض سے راحت پسند ہونا ناگزیر اور طبعی ہے۔ انسان سے استیثار کا ظہور راحت پسندی کے باعث ہے

اور جو ایثار انسان کرتا ہے وہ بھی اس سے خارج نہیں۔

(۳) انسان صحبت پسند اور مدنی الطبع ہے۔

قانون قدرت نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ مصاحبت سے انسان کے اسباب راحت میں فراوانی ہوتی ہے اور انسانی معاشرت کے لئے ان اسباب کا ہونا ناگزیر ہے۔ تجربہ نوعی نے مصاحبت کو طبیعی کر دیا ہے اور انسان جو ایثار کرتا ہے اس کی بناء اسی پر ہے۔

(۴) انسان کے افعال ارادی کو اس کی راحت اور تکلیف میں دخل ہے

اگرچہ افعال ارادی راحت اور اذیت کی علت تامہ نہیں ہیں لیکن علت ناقصہ ضرور ہیں۔ افعال ارادی کو شخصی، اہلی اور نوعی زندگی کی علت نہ قرار دیا جائے تو انسان کا ذمہ دار ہونا بے معنی ہو جاتا ہے۔ اور تجربہ، تعلیم و تربیت، قانون و سیاست، نظم و نسق اور معاشرت سب عبث اور بیکار ٹھیرتے ہیں۔ انسان کے افعال ارادی کو اس کی زندگی میں دخل نہ ہو تو کسی خوبی اور بدی کا احتمال نہیں کیا جا سکتا۔ افعال کی جانب اچھائی برائی کو صرف اس وجہ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ بعض افعال محمود ہوتے ہیں بعض مذموم۔

زندگی میں دخل ہونے سے غرض یہ ہے کہ افعال ارادی زندگی کی علت ناقصہ ہیں۔ علت تامہ نہیں۔ افعال ارادی کے سوا دوسری علتیں بھی ہیں جس وقت سب جمع ہو جاتی ہیں تو زندگی باقی رہتی ہے یا اس کے رتبہ میں ترقی ہو جاتی ہے۔ مثال کی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی زندہ آدمی کو دفن کر کے یہ اختیار دیدیا جائے کہ جو چاہے کرے تو وہ بیچارہ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اسی طرح اگر کسی کو بے آب و دانہ

خالی مکان میں بند کر دیا جائے تو بھی اُس کے افعال ارادی اُسے موت سے نجات نہ دے سکیں گے۔

انسان اغراض علم اخلاق کے لئے فاعل مختار ہے اور افعال ارادی کا اثر اس کے ذمہ ہے اگر اس کا کوئی فعل شخصی، اہلی یا نوعی زندگی کے لئے مفید ہے تو اخلاقاً اس فعل کو اچھا کہیں گے اور اگر مضر ہے تو بُرا کہا جائے گا۔

(۵) ضروریات زندگی کی کسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے کوئی ذریعہ اختیار کیا جائے تو بتدریج وہ زیادہ مسرت بخش ہو جاتا اور اسی وجہ سے مقصود فاعل قرار پاتا ہے۔

جسم کے نشوونما کا کمال یہ ہے کہ انسان راحت کے ساتھ عمر طبیعی حاصل کرے لہو ولعب سے جسم خوب پرورش پاتا ہے اور چونکہ تعیش جسم کے نمو کا ذریعہ ہے، بچوں کو اسیں لطف آتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ لہو ولعب کو مقصود اصلی بنا لیتے ہیں۔ غذا بدل ما یتحلل ہے، لیکن خوش ذائقہ ہونے کے باعث بیوقوفوں نے اسے مقصود زندگی قرار دے لیا ہے۔ موجودات میں سے بعض انسان کے لئے مفید اور بعض مضر ہیں۔ اُن کے نفع ونقصان کا علم انسان کو راحت کے ساتھ عمر طبیعی تک پہنچانے کا ذریعہ ہے؛ وہ ذریعہ یعنے طلب علم کا شوق طالب علم کے لئے مسرت بخش ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کسی ذریعہ کو پسند کر کے اختیار کرتا، اور اپنے گرد وپیش اور اُس کی آب وہوا میں زندگی گوارا کر لیتا ہے۔

(۶) مبداء فیاض سے انسان کو ایسی قوت ودیعت کیگئی ہے کہ اپنے گرد وپیش کے حالات کی موافقت سے تدریجی ترقی کرتا رہے۔

انسان میں اپنی گرد و پیش کے حالات سے موافقت اور رفتار زمانہ سے مناسبت کی طاقت نہ ہوتی تو ایسی حالت میں کہ اُسے جلب منفعت اور دفع ضرر کے لئے سعی کرنی پڑتی ہے اس کے لئے زندہ رہنا محال ہو جاتا۔ یہ امر بدیہی ہے کہ بعض اشخاص للبقا جہد میں دوسروں پر سبقت لیجاتے ہیں، اور جو لوگ اپنے تغیرات باطنیہ کو تغیرات خارجیہ کے مناسب حال بنا لیتے ہیں، درازی عمر میں بھی سبقت لیجاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ زمانہ شناس نہیں ہوتے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ خداوند عالم اپنے اُنہیں بندوں کو زمین کا وارث بناتا ہے جن میں زیادہ صلاحیت ہوتی ہے۔

(۷) اولاد اپنے والدین کے قوائے جسمانی، عقلی اور اخلاقی کی وارث ہوتی ہے۔ جس طرح گورے کا بچہ گورا اور کالے کا کالا پیدا ہوتا ہے اسی طرح ذہین اور جفاکش والدین کی اولاد بھی انہیں اوصاف کے ساتھ عالم وجود میں آتی ہے۔ کمینہ خصائل والدین کی بھی یہی حالت ہے کہ اُن سے کمینہ خصائل لڑکے لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ طلبہ کے اخلاق کی بلندی اور پستی کو تعلیم و تربیت میں دخل ہے۔ برتری اور کمینگی اگرچہ جبلت تامہ نہیں ہے، لیکن استعداد فطری وارثی کو اس میں دخل ضرور ہے ہم تربیت کو صورت اور فطرت کو مادہ کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح ایک مادہ کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر اُس سے طلائی انگشتری، نقرئی انگشتری، اور مسی انگشتری نکال سکتے ہیں، یہی حال تعلیم و تربیت کا ہے کہ متحد الفطرۃ اور مختلف الفطرۃ متعلمین کو اتحاد تعلیم سے طبیب، حلاج اور نجار بنا سکتے ہیں۔ باوجود اس کے اتحاد تربیت اختلاف فطرت کو زائل نہیں کر سکتا۔ تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے عرب، ایرانی، ترک، ہندی سپاہی بنائے جا سکتے ہیں

لیکن فطرۃً اُن کی بہادری، کفایت شعاری، ہمدردی اور راست بازی میں فرق بیّن نظر آئے گا۔

(۸) لذت والم اضافی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ کوئی خاص حالت کسی خاص شخص کے لئے ہمیشہ لذت بخش ہو اور نہ ایسا ہے کہ کوئی خاص حالت کسی خاص شخص کے لئے الم اندوز۔ لذت والم دونوں کا خصوصی تعلق شخص متلذذ یا متالم اور شے لذیذ یا موٴلم سے ہے۔ لذت کے پیدا ہونے کے لئے جسم میں کوئی آلہ ہونا چاہیئے، آلہ بھی ہو تو اُس میں ایسی حالت ہونی چاہیئے کہ جس عمل پر لذت کا مدار ہے اُس سے صادر ہو، یہ بھی ہو تو شے لذیذ میں اثر ہو کہ لذت بخش ہو سکے حواس کا حال بھی قوت ذائقہ کے مانند ہے کہ حواس کے اختلاف اور عمل کی افراط تفریط سے لذت والم میں بہت فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ مختلف اقوام میں لذت والم کا معیار مختلف ہے یہ اختلاف صرف نسل کے اختلاف سے واقع نہیں ہوتا بلکہ معیار لذت ایک ہی شخص میں اوقات اور حالات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ انسان کو جو باتیں پانچسال کے سن میں پسندیدہ معلوم ہوتی ہیں اُنھیں سے پچاس سال کے بعد آزردگی ظاہر کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اولاد آدم میں زندگی، راحت، اور مصاحبت کی خواہش فطری ہے اس کے افعال ارادی زندگی اور راحت وغیرہ کے لئے بطور علت ناقصہ کے ہیں بعض افعال ارادی انسان کے لئے مفید ہیں اور بعض مضر جس آب و ہوا میں انسان کی تخمیر ہوتی ہے فطری طور پر تا حد امکان اپنے آپ کو اُس کے موافق بناتا ہے علم اخلاق کی بنا اس پر ہے کہ نوع انسان راحت پسندی میں بسر کرنے کی خواہاں ہے۔ انسان کا راحت پسند ہونا

اعتدال کی اصل ہے۔اور اُس کا صحبت پسند اور مدنی الطبع ہونا عدل واحسان کے اُصول ہیں۔ (باقی دارد)

سید منظر علی اطہر

کر دیا

ہم کو بھی عاشقوں میں نمودار کر دیا — سودا اُسی نے تیرا دیا جس نے سر دیا
تھا کون میری بزم تصور میں رات بھر — تڑپا دیا کبھی کبھی بے چین کر دیا
قاتل میں تیری تیغ کے اور ہاتھ کے نثار — مقتل کو لاشہ ہائے شہیداں سے بھر دیا
اہل جہاں سمجھنے لگے ابر آذری — اسطرح میری آہوں نیں رنگ اثر دیا
دستِ سوال ابھی نہ اُٹھا تھا سوئے کریم — دامن کو آنکھ نے دُر و مرجاں سے بھر دیا
اے ساکنانِ دیر و حرم دور سے سلام — تم نے تو مجھ کو اور گنہگار کر دیا
دل کے جگر کے سینہ کے بھیرتے نہ تھے جو زخم — اُن پر نمک چھڑک کے تنگر نے بھر دیا
جب وقت آئے آپ ہی بلجاتی ہے مراد — بے مانگے حق نے بطن صدف میں گہر دیا
خالی بُود خم جو نظر آئے مجھکو آج — دونوں کو اشک دیدۂ گریاں سے بھر دیا
آیا تھا بہر فاتحہ مرقد پہ کون آج — روشن چراغ گور غریباں پہ کر دیا

اطہر ہمارے دل کو کسی کی نگاہ نے
خالی جو دیکھا حسرت و ارماں سے بھر دیا

سید محبوب علی اطہر حیدرآبادی

کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنے عہدہ داران ملکی۔ قابل۔ لائق۔ راست باز اور متدین نہوں اور اُن سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی جب سلطان عادل ہو اور قابلیت حکمرانی کی رکھتا ہو تو وہ اسکا کبھی روادار نہ ہوگا کہ ملک کے قابل افراد کی قابلیتیں کام میں نہ آئیں وہ صرف چند ارکان سلطنت کے عقل و تدبیر پر ہرگز کام کو چلنے نہ دیگا بلکہ اُس کی سعی یہ ہوگی کہ ملک کے لائق و بہترین افراد انتظامی قوت و قابلیت میں ترقی حاصل کریں۔ اُسکی نظر ہمیشہ ایسی ہستیوں کی طرف رجوع ہوگی جو قوم اور ملک کے لئے سرمایۂ ناز ہیں۔ وہ لوگ جنکو خداوند عالم نے زیورات خوبی سے آراستہ کیا ہے اُن سے ہمیشہ اچھی ہی باتیں ظاہر ہو کر رہتی ہیں۔ اُن کے کارنامے۔ اُن کی خوبیاں۔ ملک و قوم کے ساتھ ہمدردی اور فلاح کے ذریعوں کا بہم پہنچادینا یہ ایسی باتیں ہیں کہ جو ایسی ہستیوں کے نام کو ابدالآباد تک قائم رکھنے والی ہیں۔ گو دنیا انقلاب کی وجہ سے ایک حالت پر کسی طرح نہیں رہ سکتی لیکن ایسی ہستیوں کے کارنامے اور حالات زندگی تواریخ کے صفحوں پر ضرور نظر آتے رہیں گے۔ پاک ہیں وہ لوگ جو اپنی رحلت کے بعد اچھا اور نیک نام دنیا میں چھوڑ جائیں۔ زمانۂ سلف میں ہر بادشاہ کی کسی نہ کسی خصوصیت کی وجہ سے شہرت ہوئی ہے اسکو وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کی آنکھیں ہمیشہ تاریخ کا مطالعہ کیا کرتی ہیں ——

سلطان فیروز شاہ تغلق۔ شاہان تغلق کا تیسرا فرمانروا ہے جو ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء میں تخت دہلی پر بیٹھا

اس کی شہرت کے اسباب اُس کی تعمیر سے دلچسپی تھی۔ اپنے زمانۂ حکومت میں ملک کو سرسبز شاداب رکھنے کی غرض سے پچاس بند دریاؤں کے بنائے۔ ۴۰ مسجدیں ۳۰ کالج۔ ۰۰ محل۔ ۰۰ تالاب۔ ۵۰۰ مقبرے۔ ۲۰ خانقاہیں۔ ۰۰۰ شفاخانے۔ ۱۵۰ پل۔ اور ۲۰۰ قصبے آباد کئے۔ ایک نہر گنگا کے منبع سے تلنج تک کھدوائی جو اب تک موجود ہے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور اسی قسم کی دوسری سزاؤں کو بالکل موقوف کر دیا۔ جزیہ بڑے شد و مد سے وصول کیا۔ ہندوؤں کو اکثر مسمار کیا۔ اور بہت سے ہندوؤں کو تبدیل مذہب کرنے پر قتل کروا ڈالا باوجود اسقدر متعصب ہونے کے سنسکرت علوم کی اُس نے بہت بڑی سرپرستی کی۔ قدیم سنسکرت کتابوں کا جو تقریباً ۱۳۰۰ ہوں گی فارسی میں ترجمہ کرایا۔ ۳۸ سال حکومت کے بعد ۷۹۱ھ / ۱۳۸۸ء میں وفات پائی۔ دکن کا موجودہ بیدار مغز۔ روشن خیال۔ فرمانروا (خدا اُسکو ہر ایک آفات سے مامون و مصون رکھے اور اُس کی عمر کو درازی دے) ایک ایسی بہترین ہستی ہے جس کی نظیر موجودہ زمانہ میں شاید مشکل سے دستیاب ہو۔ جن اشخاص نے پندرہ۔ سولہ برس قبل حیدرآباد کا معائنہ کیا ہے۔ اور اُن کو اب پھر دیکھنے کا اتفاق ہو تو وہ یہ ضرور کہہ دینگے کہ یہ وہ حیدرآباد ہی نہیں ہے اب تو حیدرآباد کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ فیروز شاہ تغلق کا ذکر ہم نے اپنے مضمون میں کیا ہے اُس کے مختصر اور چیدہ چیدہ کارنامے بھی حوالۂ قلم کر دیئے ہیں آج اُسکو وفات پاکر ۵۳۵ برس کا زمانہ ہو گیا ہے اگر اُس زمانہ سے اس زمانہ کا تقابل کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے ۵۳۵ برس کا زمانہ کوئی تھوڑا زمانہ نہیں معلوم نہیں کہ اس اثنا میں دنیا میں کیا کیا انقلابات کی آندھیاں چلی ہونگی کتنی سلطنتیں بگڑ گئیں اور کتنی بن گئی ہونگی جس زمانہ کا ذکر ہم نے اپنی تحریر میں کیا ہے اُس زمانے میں نہ اتنی گرانی تھی نہ اسطرح رعایا مفلوک الحال۔ ضروریات زندگی

اسقدر قیمتی نہ تھیں جیسی کہ اب ہیں۔ ہر چیز کی فراوانی اور کثرت نے گرانی کا بازار سست کر دیا تھا۔ ہندوستان کی پیداوار اور ہندوستان کی اشیاء بیرون ممالک نہیں جاتے تھے اور یہی سب سے بڑی وجہ ارزانی کی خیال کیجا سکتی ہے۔ ملازمین کی تنخواہیں اسقدر قلیل تھیں کہ اگر موجودہ زمانہ سے اسکا مقابلہ کیا جائے تو خوشی بھی ہوتی ہے اور تعجب بھی۔ اُس زمانہ میں ایک من گیہوں کی قیمت ساڑھے سات جیتل یعنے ساڑھے تین آنہ تھی اور اسی طرح تمام اشیاء کا نرخ کسی کا تین جیتل کسی کا چار جیتل اور کسی کا پانچ جیتل تھا۔ بس اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اُس زمانہ میں اور اس زمانہ میں کتنا بڑا تفاوت ہے۔ دنیا کے اس دور دورے میں بوجہ جنگ عظیم یورپ ہر چیز پر اچھی خاصی گرانی چھائی ہوئی ہے ذرایع زندگی جو پیشتر بہت ارزاں تھے اب بے انتہا گراں ہو گئے ہیں ایسے وقت اور ایسے عالم میں رفاہ عام کے کاموں کے لئے بیدریغ کشادہ دلی کے ساتھ روپیہ کا بچھا دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ اُنہی کا دل اور حوصلہ ہے جن کے اسلاف نے آصفجاہی جود و کرم کے دریا بہا دیئے ہیں۔ دور عثمانی میں اردو لٹریچر کی جو کچھ ترقی ہوئی ہے اور علوم جدیدہ کو جو اُردو کا جامہ پہنایا گیا ہے اُس کے بار احسان سے اردو زبان اور اُردو زبان کے جاننے والے بلکہ تمام ہندوستان کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتا اسوجہ سے کہ ہندوستان کے زیادہ خطوں میں یہی زبان مروج ہے خلیفہ ہارون الرشید جو ایک علم دوست بادشاہ گذرا ہے اُس نے ہند کے علوم کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کر دیا جو سنسکرت زبان میں تھیں اور سنسکرت کے اکثر عالموں کو بڑی بڑی تنخواہیں اور انعام و اکرام دیکر اپنے ملک میں بلوایا اور دل کھول کر اُن کی خاطر داری اور نازبرداری کی۔ بعینہ موجودہ زمانہ میں وہی حالت ہمارے شاہ جمجاہ اعلیحضرت ہمایوں اب عثمان علیخاں خلد اللہ ملکہ

وسلطنت کی ہے۔ یہ عہد عثمانی کے برکات ہیں کہ جامعہ ملیہ عثمانیہ اور دار الترجمہ میں ایسے ایسے لائق افراد جمع کئے گئے ہیں جو علمی ترقی کے لئے بہترین ثابت ہوں گے۔ دنیا میں اردو زبان کی یہ پہلی یونیورسٹی ہے۔ امید بندھتی ہے کہ آئندہ چلکر عثمانیہ یونیورسٹی بیروت اور مصر کی یونیورسٹیوں کے ہم پلہ ہو کر رہے گی۔ کسی زمانہ میں شہر دہلی اہل کمال اور اہل علم کا مخزن رہا ہے اُس کے اجڑنے کے بعد اکثر با کمال لوگ لکھنؤ چلے آئے۔ لکھنو کے فرمانروا ؤں اور وہاں کے باشندوں نے علم و ہنر کی قدر کر کے ایسے لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے حوصلہ سے زیادہ اُن کی قدر افزائی کی جس کی وجہ سے لکھنؤ بھی اہل کمال سے بھر گیا۔ اب وہ دہلی ہے نہ لکھنؤ۔ اب تو ایسے لوگوں کی قدر کا مقام سوائے بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے کوئی دوسرا اقلیم ہند میں نظر نہیں آتا ہے۔ حیدرآباد اسوقت ہندوالوں کا ماویٰ و ملجا ہے۔ جو جس فن کا شخص یہاں وارد ہوتا ہے۔ اُس کی اُس کے حوصلہ سے زائد قدر کی جاتی ہے۔ یہ کیا ہے یہ سب عثمانی قدر شناسی اور داد و دہش کے کرشمے ہیں۔ یہ زمانہ عہد ہارونی کی یاد کو تازہ کرنیوالا ہے۔ بادشاہ وقت کی علمی معاملات سے دلبستگی اور علمی ترقیات کا دلدادہ ہونا پیش خیمہ ہے آئندہ ترقیوں کا جو ملک والوں کو نصیب ہونیوالی ہیں۔ عمارات کی تیاری سے بیحد دلچسپی لینا ایک ایسی اچھی یادگار رہے جو عرصہ تک قایم رہنے والی اور تاریخ کے صفحات پر روشن ہونیوالی ہے۔ عثمان ساگر اور حمایت ساگر جس کی تعمیر میں کروڑ ہا روپیہ صرف ہوا اور ہو رہا ہے اس مبارک عہد کی بہترین یادگار خیال کیجا سکتی ہے اور حال ہی میں نظام ساگر کی تعمیر کے لئے تین کروڑ ۲۵ لاکھ کی منظوری شرف صدور لا چکی ہے جس سے آبپاشی کے ذرائع میں غیر معمولی وسعت ضرور ہو کر رہے گی۔ یہی کام ہیں جو غیر قلمرو کے باشندوں اور مخبر افراد کو اصفی شان و عظمت منوا

رہے ہیں اور منوا کر رہیں گے عثمانیہ عدالت العالیہ جمجمۂ آرائش۔ حیدرآباد ہاسپٹل اور اسی طرح سے مختلف عمارتیں جو اس زمانہ میں تیار ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں آپ اپنی نظیر خیال کی جاسکتی ہیں۔ اضلاع میں بھی ایسے کاموں کا سلسلہ سُرعت سے جاری ہے کہیں سڑکیں بن رہی ہیں کہیں تالاب بن رہے ہیں کہیں ریل نکل رہی ہے الغرض ایسے رفاہ عام اور رعایا کی بہبودی کے کاموں میں کروڑہا روپیہ صرف کیا جارہا ہے۔ سُلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد اور عہد عثمانی کا اگر مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی تعمیرات پر کچھ کم روپیہ صرف نہیں ہورہا ہے زمانۂ ماسبق میں یعنے بزمانۂ فیروز شاہ تغلق اسباب زندگی اور ہر قسم کی چیزیں نہایت ارزاں اور سستے داموں فراہم ہوجایا کرتی تھیں لیکن اس زمانہ میں وہ بات عنقا ہے۔ اگر اُس زمانہ میں کثرت سے عمارات تیار ہوئیں تو کچھ تعجب کی بات نہیں مگر اس زمانہ میں کسی عالیشان عمارت کا بننا نہایت تعجب خیز خیال کیا جاسکتا ہے آپ کے مبارک عہد کی ضیا پاشیاں جہالت کی تاریکی کو دور کرتی جارہی ہیں۔ آپ کی بدولت حیدرآباد علوم وفنون کا مخزن ہوتا جارہا ہے آپ کے دست کرم نے علوم وفنون کے دریا بہا دیئے ہیں جس کے سبب سے ملک اور بیرون ملک کے باشندے بلا امتیاز قوم وملت تشنگی بجھا رہے ہیں۔ آپ کا دستِ کرم اقلیم ہند کی متعدد درسگاہوں پر برس رہا ہے اور برستا چلا جائے گا۔ آپ شب و روز ملک کے عام حالات کا مطالعہ فرماتے ہیں اور اصلاحات کی جانب نفس نفیس منہمک رہتے ہیں اس سے بڑھکر اور کیا بیدار مغزی ہوسکتی ہے کہ اپنے ملک کی کوئی حالت آپ سے پوشیدہ نہیں ہے ان باتوں کا اظہار کردینے کے بعد ہم یہ بیان کرنے پر مجبور ہیں کہ ابھی بدولت حیدرآباد کی ترمیمی اور تعمیری شان میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ چونکہ تعمیر میں

آصف جاہی خزانہ کا کروڑہا روپیہ صرف ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے ایک اور عمارت کی بھی ضرورت محسوس کیجاتی ہے بلحاظ آبادی بلدئہ حیدرآباد ہندوستان کا چوتھا شہر خیال کیا جاتا ہے اور مثل کلکتہ بمبئی۔ مدراس یہ بھی ایک پریسیڈنسی ہے۔ مذکورہ بالا مقامات میں ہر شہر میں ایک مارکٹ ایسے اعلیٰ پیمانہ پر تحت انتظام گورنمنٹ قائم ہے جسمیں تمام ضروریات زندگی مہیا رہتی ہیں اور ہر وقت آدمیوں کی چہل پہل اور خرید و فروخت کا بازار گرم نظر آتا ہے۔ بمبئی میں Crawford Market کلکتہ میں Crawford Market اور مدراس میں Moor Market اسی طرح یہاں کی عمارات میں بھی ایک جدید مارکٹ کا اگر اضافہ کیا جائے جو اسی قبیل کی ہو تو نہایت موزوں ہے ایسی مارکٹ سے حیدرآباد کی جدید عمارات میں ایک اضافہ بھی ہو جائیگا اور رعایا کو خریدی اشیاء میں نہ صرف سہولتیں ہونگی بلکہ سرکار کو بھی ایک معتدبہ رقم کرایہ کی ہمیشہ وصول ہوتی رہے گی اگر ایسی مارکٹ تیار ہو جائے تو شہر کی خوبصورتی اور آرائش میں ایک مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں بزمانۂ سلطان محمد قلی قطب شاہ رود موسیٰ کے کنارے بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں جو رفعت اور بلندی میں آسمان سے باتیں کرتی تھیں بن چکی ہیں۔ مگر رود موسیٰ کی متواتر طغیانیوں نے اُن کو بالکل نیست و نابود کر دیا اور سوائے اُن بیانات کے جو کتب تاریخ اور سیاحوں کے سفرناموں میں قلمبند ہیں کوئی دوسرا ذریعہ اونکی کیفیت معلوم کرنیکا باقی نہیں۔ آب و ہوا کی لطافت اور منظر کی خوشنمائی کے خیال سے جو عمارات کا سلسلہ رود موسیٰ کے کنارے بعہد عثمانی قائم ہوا ہے نہایت موزوں ہے۔ مارکٹ کی تعمیر بھی اسی سلسلہ میں ہو جائے تو عمارات کا اچھا تسلسل قائم ہو جاتا ہے مخفی نہیں کہ ہمارے بیدار مغز بادشاہ ظل اللہ کے سایہ میں

حیدرآباد اب وہ حیدرآباد نہیں جو چند سال پیشتر تھا کیونکہ تنظیم مملکت کی ہر چھوٹی بڑی اصلاح پر رات دن نظامی آنکھیں نگراں ہیں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو دائرۂ خیال ہمایونی کے باہر ہو۔ یہی سبب ہے کہ آج حیدرآباد ممالک متمدنہ کے برابر نہیں تو قریب قریب برابر خیال کیا جارہا ہے اور وہ دن دور نہیں کہ مہذب ممالک میں ہمارے ملک کا بھی شمار کامل طور پر کیا جائے۔ ہمکو چاہیئے کہ اپنے موجودہ اقبالمند رئیس کی صحت و سلامتی کی ہر لحظہ دعائیں مانگتے رہیں۔ یوں تو جملہ اصلاح شدہ شعبہ جات مملکت کو اس مختصر مضمون میں ہم فرداً فرداً گنا نہیں سکتے لیکن چند چوٹی کی چیزوں یعنے شعبۂ اصلاح مذہبی و اخلاقی کی طرف جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو بیساختہ ظل ہمایونی کی صحت و تندرستی کے لئے ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں کیا عشرۂ محرم کے مہمل خرافات کا انسداد۔ اختیارات و منظوریات امور مذہبی کچھ کم نعمتیں ہیں۔ مساجد کا احترام۔ قبور کا احترام۔ اوراق متبرکہ کا احترام۔ دینی کاموں میں علما و واعظین کی حوصلہ افزائی۔ مذہبی مجالس و محافل کی رونق افزائی۔ ایام متبرکہ میں امتناع خرید و فروخت منشیات وغیرہ وغیرہ غرض اس قسم کی ساری اصلاحیں ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے غیر مترقبہ ہیں۔ کہاں تک اُن اصلاحات کو گنوایا جائے جو فعلی دور میں ہوئی ہیں اور ہوتی جارہی ہیں اگر کسی اصلاح کی کمی ہے تو وہ منشیات ہے۔ اگر منشیات کو کسی دوسرے رنگ میں ڈھال دیا جائے تو یہ دورِ زرین کا نامۂ تاریخ دکن میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اور اسکا دوسرے رنگ میں ڈھل جانا حقیقت کرات سے کم نہیں۔ ہر وہ احساس رکھنے والی اسلامی اور غیر اسلامی پبلک کی اسطرح آنکھیں اس امید پر لگی ہوئی ہیں کہ اس برکت باش دور میں اصلاح کب استیصال ہوتا ہے۔

اب ہم حکیم السیاسۃ سلطان دکن خلد اللہ ملکہ کو دل سے دعا دیتے ہوئے اس

شعر پر اپنے مضمون کا اختتام کرتے ہیں۔ شعر

ترا اے خسرو والاحشم عالم مسخر ہو — سریر سلطنت پر تو ہمیشہ دادگستر ہو

سید مجر حسین۔ لکھنوی۔

ہو جائیگا

پہلے دریائے محبت دل مرا ہو جائیگا — پھر یہ دریا جوش کھا کر کیا سے کیا ہو جائیگا

لاکھ خاکستر میں دب جائے تو کیا ہے آگ آگ — دل اگر باقی ہے پیدا ولولہ ہو جائے گا

وہ دل پرشوق کا اصرار عرض حال پر — وہ ادب کا عشق کے ایما گلا ہو جائے گا

گر یہی پالیسی گی قاتل ہے سوز ہجر کی — زخم کا انگور ابھر کر آبلہ ہو جائے گا

ہو گی گرد کارواں بلبل چمن کی اڑ کے خاک — باغ سے رخصت گلوں کا قافلہ ہو جائے گا

پردے پردے میں ہے تیم نازنیں کے لذت حشر — صف بصف عشاق میں محشر بپا ہو جائے گا

ہیں امید بیم مجھ عاصی کو ساز کارواں — یہ دھڑکتا دل کا آواز درا ہو جائے گا

دل کا نالہ لب تک آکر عرش کی لیگا خبر — دل کا چھالا بڑھ کے دل کا حوصلہ ہو جائے گا

جاں فروش عشق کا ہے خوں بہا دیدار دوست — شمع روشن ہو تو پروانہ فدا ہو جائے گا

اے تصور ٹوٹ ہی جائیگا یہ تار نفس — ایکدن یہ ساز ہستی بے صدا ہو جائے گا

سید علی نواز تصور امانت خانی۔

کایا پلٹ

(قصہ)

پیڈو اکے ایک شریف امیر آدمی ہپٹسٹا کی سب سے بڑی بیٹی کا نام کہتراین تھا یہ لڑکی ایسی مغلوب الغضب ترشرو اور زبان دراز تھی کہ پیڈو ابھر میں وہ "بدمزاج کہتراین" کے نام سے مشہور تھی اسی وجہ سے تقریباً ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شریف آدمی اس عورت سے شادی کرنے پر کبھی آمادہ ہوگا۔ چنانچہ ہپٹسٹا (کہتراین کے باپ) پر یہ پورا الزام تھا کہ وہ اُن بہت سے عاشقوں کو جو اس کی دوسری سلیم الطبع خوش مزاج بیٹی بائنکا کی شادی کے واسطے آئے تھے اس طرح ٹال دیا کرتا تھا کہ جب میں اپنی سب سے بڑی بیٹی کہتراین سے سبکدوش ہولوں گا تب کہیں اپنی چھوٹی لڑکی بائنکا کی بابت جواب دوں گا اتفاقاً ایک شریف آدمی مسمی پیٹروشیو پیڈو امیں شادی ہی کرنے کی غرض سے وارد ہوا جس نے کہتراین کی بدمزاجی سے بےعمل نہ ہوکر اور اُس کے حُسن و جمال اور تمول پر مائل ہوکر اس سے شادی کرنے اور اُس کو ایک سلیم الطبع اور فرمانبردار بیوی بنانے کا ارادہ ظاہر کیا اور درحقیقت اس سخت کام کے لائق بھی پیٹروشیو ہی تھا۔ وہ ایک ایسا کھرا شریف آدمی تھا اور ساتھ ہی اس کے انتہا درجے کا تحمل بھی تھا وہ مصنوعی غصہ غضب (خصوصاً اس وقت جبکہ اسکا لمبی رنگ خوش مزاجی اور ظرافت کی طرف مائل ہو) جھوٹ موٹ دکھانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ کہتراین کا شوہر ہوجانے پر جو بدمزاجی اور کج خلقی پیٹروشیو نے فیصلہ کی مصنوعی تھی بلکہ کہتراین کے غضبناک اطوار کو اسی کے طریقے پر قابو میں لانے کی یہی ایک عاقلانہ ترکیب تھی۔ چنانچہ پیٹروشیو نے بدمزاج کہتراین سے شادی کی درخواست کردی اور

سب سے پہلے اس نے کہتراین کے باپ بپٹسٹا سے عرض کیا اور کہتراین سے شادی کی درخواست کرنے کی اجازت چاہی اور اس نے ظرافت آمیز لہجہ میں کہا کہ میں آپ کی خوش مزاج اور عفت مآب بیٹی کہتراین کی شہرت سنکر دیرینہ سے اس کے ساتھ شادی کرنے آیا ہوں بپٹسٹا اگرچہ خواہشمند تھا کہ اپنی بیٹی کی شادی ہوجائے لیکن اُسے مجبوراً کہنا پڑا کہ میری بیٹی کا مزاج آپ کے بالکل برعکس ہے کیونکہ کہتراین نے اپنے گانا سکھانیوالے اُستاد کا جس نے اُس کے گانے میں نکتہ چینی کرنی چاہی تھی تنبورہ سے سر پھوڑ ڈالنے کی شکایت آنے پر اپنی مغلوب الغضبی اور بدمزاجی کا نمایاں ثبوت دیدیا تھا مگر اب کے سننے پر بھی پیٹرو شیو نے کہا کہ وہ ایک بہادر لڑکی ہے اور میں پہلے سے بھی زیادہ اب اس سے محبت کرتا ہوں اور آرزو رکھتا ہوں کہ اس سے دو چار باتیں کروں یہ کہکر وہ شریف بڈھے آدمی بپٹسٹا کے اُٹھنے پر اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ اور اس سے کسی معقول جواب کی امید پر درخواست کرکے کہا کہ جناب مجھے ایک ضروری کام ہے اور میں شادی کی درخواست کرنے کو ہر روز نہیں آسکتا ہوں آپ میرے والد سے واقف ہیں اُنکا انتقال ہوگیا ہے اور اُن کے تمام مال و اسباب کا میں وارث قرار پایا ہوں براہ مہربانی فرمائیے کہ اگر میں آپ کی بیٹی کو شادی کر لینے پر رضامند کرلوں تو آپ جہیز میں مجھے کیا دلوائیں گے۔ بپٹسٹا نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس عجیب عاشق پیٹرو شیو کا طرز عمل نہایت بھونڈا ہے لیکن کہتراین کی شادی ہوجانے کے خیال پر خوش ہوکر کہا کہ میں بیس ہزار کراؤن اُس کے جہیز میں دوں گا۔ اور اپنے مرنے کے بعد آدھی جائداد۔ اس طرح اس عجیب شادی کا معاملہ جلد طے ہوگیا اور بپٹسٹا اپنی بدمزاج لڑکی کہتراین کو اس کے عاشق پیٹرو شیو کی محبت کی اطلاع دینے اور اس سے بات چیت کرنے کو کہنے گیا۔

اس عرصہ میں پیٹرو شیو اپنے دل میں سوچتا رہا کہ مجھے اظہار محبت کے لئے کونسا پہلو اختیار کرنا چاہیئے۔ بالآخر اس نے اپنے دل میں یہ رائے قایم کی کہ مجھے بہت سے کام لینا چاہیئے کہ وہ ایسی خوش الحانی سے گاتی ہے جیسی کہ بلبل۔ اگر وہ ناک بھوں چڑھائے اور چیں بجبیں ہو تو میں کہوں گا کہ وہ ایسی خوبصورت معلوم ہوتی ہے جیسے کہ شبنم میں نہائے ہوئے گلاب کے پھول اگر وہ ایک لفظ بھی زبان سے نکالے گی تو میں اس کی خوش بیانی اور فصاحت کی بیحد تعریف کروں گا اور اگر وہ مجھے اپنے سامنے سے چلے جانے کو کہے گی تو میں اسکا شکریہ ادا کروں گا۔ اور سمجھوں گا کہ وہ ایک ہفتہ مجھے اپنے پاس رکھنے کا حکم کرتی ہے۔ اتنے میں شان و شوکت والی کہتارین بھی آموجود ہوئی۔ اُس کے آتے ہی پیٹرو شیو نے کہا کیٹ (کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا یہی نام ہے) تسلیم عرض ہے کہتارین نے اس سیدھے سادے سلام کو پسند نہ کر کے نفرت سے کہا کہ میرا نام کہتارین ہے اس عجیب عاشق نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتی ہیں لوگ آپ کو سیدھی سادی کیٹ حسین کیٹ اور بعض اوقات بدمزاج کہتے ہیں اے کیٹ تم تمام مسیحی دنیا میں سب سے زیادہ حسین ہو تمہاری خوش مزاجی اور سلیم الطبعی کی ہر قصبہ و ہر شہر میں تعریف سنکر میں تم سے شادی کی درخواست کرنے آیا ہوں درحقیقت یہ ایک عجیب اظہار عشق تھا کہ کہتارین نے غصہ و بلند آواز سے ثابت کر دیا کہ وہ لڑاکا اور بدمزاج نام ہی کی سزاوار ہے لیکن اس پر بھی پیٹرو شیو اسکی سلیس گفتگو اور شیریں کلامی کی تعریف ہی کئے گیا یہاں تک کہ بپٹسٹا کو آتا دیکھ کر اس نے کہتارین سے کہا کہ اس مہمل گفتگو کو اب جانے دو تمہارے والد تمہاری شادی میرے ساتھ کر دینے پر رضامند ہو گئے ہیں اور جہیز بھی مقرر کر دیا ہے خواہ آپ پسند کریں یا نہ کریں میں ضرور آپ ہی سے شادی کروں گا بپٹسٹا کے آجانے پر پیٹرو شیو نے

اُس سے کہا کہ جناب آپکی صاحبزادی میرے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئیں اور اگلے اتوار کو مجھ سے شادی کر نیکا وعدہ کر لیا ہے کیتراین نے اس بات سے انکار کرتے ہوئے اپنے باپ سے کہا کہ پیٹرو شیو سے شادی کرنے کی بجائے اگلے اتوار کو اس کو پھانسی پر چڑھتا ہوا دیکھ کر زیادہ خوش ہوں گی اور اپنے باپ کو بھی پیٹرو شیو جیسے بدمعاش وحشی کے ساتھ شادی کر دینے کی رضامندی ظاہر کرنے پر بہت کچھ الٹی سیدھی سنائیں پیٹرو شیو نے فوراً اس کے باپ سے کہا کہ آپ اس کے غصّے آمیز الفاظ پر کچھ خیال نفرمائیں کیونکہ درحقیقت ہم نے آپس میں آپ کے سامنے منتظر رہنے کی صلاح کر لی ہے لیکن جب ہم تنہا ہوں گے ہم میں صفور محبت و اخلاص ہو گا۔ یہ کہکر اس نے کیتراین سے کہا کہ اے کیٹ! مجھ سے شادی کا اقرار کرو میں پوشاک وغیرہ خریدنے وینس جاؤنگا اور پیٹسا سے کہا کہ جناب آپ دعوت وغیرہ کرنے کا انتظام کریں مہمانوں کو اطلاع دیں میں یقیناً کیتراین کے لئے عمدہ پوشاک اور سازوسامان خرید کر لاؤں گا پھر کیتراین سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے کیٹ! مجھے پیار دو کیونکہ اگلے اتوار کو ہماری تمہاری شادی ہو گی۔ چنانچہ اتوار کے روز جبکہ کل مہمان جمع ہوئے اور پیٹرو شیو کا انتظار ہو رہا تھا کیتراین اس خیال سے مسرور ہی تھی کہ پیٹرو شیو میرا مذاق اُڑا رہا ہے آخر کار پیٹرو شیو آگیا لیکن وہ اپنے ساتھ شادی کی پوشاک وغیرہ سے جسکا اس نے کیتراین سے وعدہ کیا تھا کچھ بھی نہ لایا۔ نہ وہ دولہا کے لباس میں تھا بلکہ ایسے اُول جلول پھٹیچگی پوشش میں تھا کہ گویا اس معقول کام کا خاکہ اڑانا مدنظر رکھتا ہے اُس کے اور اُس کے نوکروں کے گھوڑے بھی وحشیانہ کمزور حالت میں تھے پیٹرو شیو نے کسی کے کہنے سننے سے بھی کپڑے نہ بدلے اور کہا کہ کیتراین کی میرے ساتھ شادی ہو گی نہ کہ میرے کپڑوں کے ساتھ۔ لوگوں کو جب

معلوم ہوا کہ اس سے دلیل کرنا بیفائدہ ہے تو وہ سب گرجا کو چلے مگر پٹرو شیو کا وہی وحشیانہ طرز عمل تھا کیونکہ جب پادری صاحب نے پٹرو شیو سے دریافت کیا کہ آپ کیتھرائن کو اپنی زوجیت میں قبول کرتے ہیں تو اُس نے اسقدر چلّا کر اقرار کیا کہ سب لوگ متعجب ہوئے اور پادری صاحب کے ہاتھ سے کتاب گر پڑی اور جب پادری صاحب کتاب اٹھانے کو جھکے تو اس مخبوط دولہا نے بیچارے پادری صاحب کے ایک ایسا تھپڑ رسید کیا کہ پادری صاحب مع کتاب پھر گر پڑے۔ اثناء نکاح میں پٹرو شیو ایسے زور سے اپنے پاؤں زمین پر دے دے مارتا تھا اور بک بک جھک جھک کر رہا تھا کہ اسکی اس بیہودہ حرکت پر کیتھرائن خوف کے مارے کانپنے لگی۔ بکواس ختم ہونے پر ابھی لوگ گرجا ہی میں تھے کہ پٹرو شیو نے شراب انگی اور حاضرین کا بڑے زور سے جام صحت نوش کیا اور گلاس میں سے شراب میں بھیگی ہوئی روٹی نکال کر ٹھیک پادری صاحب کے منہ پر دے ماری اور اپنی اس عجیب حرکت کی سوائے اس کے اور کوئی دلیل پیش نہ کی کہ پادری صاحب کی ڈاڑھی دبلی پتلی ہوگئی تھی اور بہو کی معلوم ہوتی تھی فی الحقیقت ایسی بیہودہ شادی کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن پٹرو شیو نے یہ دیوانگی اس غرض سے اختیار کی تھی کہ وہ اپنی بدمزاج قزاکا بیوی کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہو سکے بٹپسٹا نے ایک عظیم الشان دعوت کی تیاری کی۔ اور جب لوگ گرجا سے لوٹے تو پٹرو شیو نے کیتھرائن کا ہاتھ پکڑ کر اسکو فوراً گھر لیجانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بٹپسٹا کے اصرار اور کیتھرائن کے خفگی آمیز الفاظ کا اس پر مطلق اثر نہ ہوا اس نے کہا مجھے حق شوئی حاصل ہیں میرے جیسے جی میں آئیگا میں اپنی بیوی سے برتاؤ کروں گا چنانچہ وہ بغیر کہا نا کہائے اپنی بیوی کو لیکر چلا۔ کسی شخص کی ہمت نہ پڑی کہ اس کو اس مستقل ارادہ سے باز رکھے پٹرو شیو نے اپنی بیوی کو ایک دبلے پتلے گھوڑے پر

جس کو اس نے قصداً اسی مقصد کے واسطے انتخاب کیا تھا سوار کرا لیا اور آپ اور نوکر بھی ایسے ہی گھوڑوں پر سوار ہوئے انہوں نے نہایت ناہموار اور کیچڑ دار راستوں میں سفر کیا اور جب کہتر این کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ پٹرو شیو نے اس بیدم کمزور گھوڑے کی جو اپنے بوجھ کی وجہ سے بمشکل گھسیٹ سکتا تھا ایسی بری طرح خبر لی اور اسکو برا بھلا کہا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دنیا بھر میں یہی ایک غضب ناک شخص ہے تمام تھکا دینے والے سفر کے بعد جسمیں کہتر این نے پٹرو شیو کی زبان سے سوائے بیہودہ گوئی کے اور کچھ نہ سنا وہ بالآخر مکان پر پہنچے پٹرو شیو نے اپنے گھر پر کہتر این کا خیر مقدم کیا۔ لیکن اپنے دل میں ٹھان لی کہ آج رات نہ اسکو کھانا دیا جائے نہ آرام۔ میز پر عمدہ عمدہ کھانے چنے گئے۔ لیکن پٹرو شیو نے ہر کھانے میں کچھ نہ کچھ عیب نکالکر سب کھانے کو فرش پر پھینک دیا اور نوکروں کو حکم دیا کہ اٹھا لیجائیں یہ سب اس نے محبت کے پردے میں کیا اور کہتر این سے پیار سے کہا کہ کھانا آپ کے لائق تیار نہیں ہوا تھا اس لئے پھینکدیا ہے۔ جب تھکی ماندی کہتر این بغیر کھانا کھائے آرام کرنے گئی تو پٹرو شیو نے بستر میں بھی ویسے ہی عیب نکالنے شروع کئے۔ تکیہ اور بستر میں کوئی نہ کوئی برائی نکالکر ان کو ادھر اُدھر باہر پھینک دیا یہاں تک کہ کہتر این کو سوائے کرسی پر بیٹھکر رات بسر کرنے کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ کرسی پر بھی اگر کبھی اسکی آنکھ جھپکی تو شاد لیکا بُرا بستر تیار کرنے پر اپنے شوہر کے نوکروں پر چیخنے چلانے سے اس کی نیند اُچٹ گئی۔ دوسرے دن بھی پٹرو شیو نے وہ ہی رنگ اختیار کیا وہ کہتر این سے ہمیشہ پیار کی باتیں کرتا رہا مگر جب کبھی اس نے کھانا کھانے کی خواہش کی تو پٹرو شیو نے کہا نے میں کچھ نہ کچھ عیب نکالکر صبح کے کھانے کی بھی اُس نے وہی گت بنادی جو رات کھانے کی

بنائی تھی۔ نوبت بایں جا رسید کہ سرکش کہتراین اب خفیہ طور پر نوکروں سے ایک لقمہ مانگ کر کھانے پہ بہت خوش ہوئی مگر نوکروں نے بھی جو پٹرو شیو کے پڑھائے ہوئے تھے صاف جواب دیا اور کہا کہ اپنے آقا کے بغیر اطلاع ہم ایک لقمہ بھی آپ کو نہ دیں گے اس خشک جواب پر کہتراین نے ایک آہ سرد بھری اور غمگین لہجہ میں کہا کہ "اسنے مجھے بھوکا رکھکر مار ڈالنے کے لئے شادی کی ہے۔ میرے باپ کے ہاں فقیروں تک کو کھانا مل جاتا ہے لیکن میں جو کسی چیز کے مانگنے تک کے نہ جانتی تھی اب بھوکی مر رہی ہوں اور نیند کو ترستی ہوں مجھے تنہا دیدیکر جا گتا رکھا جاتا ہے اور غضب یہ ہے کہ یہ سب **از راہ محبت کیا جانا بیان کیا جاتا ہے۔**

اور فرط محبت سے کہا جاتا ہے کہ اگر میں نے کچھ کھایا یا میں سوئی تو میں فوراً مر جاؤں گی کہتراین کی یہ خود کلامی یا سوچ بچار وغیرہ ختم نہ ہونے پائی تھی کہ پٹرو شیو جسکا منشا کہتراین کو بھوکا رکھ کر حقیقت میں مار ڈالنے کا نہ تھا آ گیا اور تھوڑا سا کھانا اپنے ساتھ لیتا آیا اور کہتراین سے کہا میری پیاری کیٹ کیسے مزاج کا کیا حال ہے آپ کہتی ہیں کہ میں کیسا جفاکش ہوں میں نے یہ کھانا آپ کے واسطے اپنے ہاتھ سے تیار کیا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ میری عنایت ضرور شکریہ کی مستحق ہے ایں! کیا آپنے ایک لفظ بھی نفرمایا! معلوم ہوا کہ آپکو کھانا پسند نہ آیا اور میری تمام محنت رائیگاں گئی۔ یہ کہکر اس نے فوراً نوکر کو اٹھا لیجانے کا حکم دیا سخت بھوک کی وجہ سے چونکہ کہتراین کا مزاج اب درست ہو گیا تھا اُس نے کہا (گو یہ کہنا اُس کے دلپر شاق گذرا) کہ میں ملتجی ہوں کہ اس کو (کھانا) رہنے دیجئے لیکن پٹرو شیو نے جو کہتراین سے صرف اتنا ہی نہ کہوانا چاہتا تھا جواب دیا کہ ذرا سی خدمت کا بھی احسان مانا جاتا ہے اور مجھے امید ہے کہ کھانے کو ہاتھ لگانے سے پہلے اب بھی میرے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کریں گی ایسا ہے

کہتراین نے بمجبوری نفرت سے کہا کہ جناب میں آپکی مشکور ہوں"۔ پٹروشیو نے اب کہتراین کو تھوڑا سا کہانا کھانے کی اجازت دی اور کہا کہ اے کیٹ تم کو اس سے بہت کچھ تسلی ہو گی جلدی کھالو اور اس کے بعد ہم اور تم تمھارے میکے چلیں گے اور وہاں ریشمی کپڑوں شال دوشالوں اور سنہری انگشتریوں کو پہن کر جشن اڑائیں گے۔ کہتراین نے کھانا کھانا شروع کیا۔ اپنے اس منشاء کا اسکو یقین دلانے کی غرض سے پٹروشیو نے درزی اور رباطی کو بلوایا۔ جو چند جوڑے عمدہ کپڑوں کے جو اس نے کہتراین کے واسطے تیار کرائے تھے اپنے ساتھ لائے بعدہٗ اس نے کہتراین کے سامنے سے رکابی اٹھا کر (باوجودیکہ اس نے ابھی آدھی بھوک بھی نہ کھایا تھا) نوکر کے حوالے کی اور کہتراین سے کہا کہ غالباً آپ کھا چکی ہوں گی! اتنے میں رباطی نے ایک ٹوپی دکھائی اور کہا کہ وہ یہ ٹوپی ہے جسکی بابت آپ نے ارشاد فرمایا تھا اسبات پر پٹروشیو نہایت غضبناک ہوا اور رباطی سے کہا کہ آپ نے کیسی بادیہ نما ٹوپی بنائی ہے جو گھونگہ سے بھی بڑی نہیں ہے اس کو ابھی لیجاؤ اور ایک عمدہ ٹوپی بنا کر لاؤ۔ کہتراین نے کہا کہ میں تو یہی ٹوپی لونگی کیونکہ شریف زادیاں آجکل ایسی ہی ٹوپیاں اوڑھتی ہیں پٹروشیو نے کہا کہ تم بھی جب شریف مزاج ہو جاؤ گی تو تمہیں بھی یہی ٹوپی ملجائے گی مگر اس سے پہلے نہیں۔ تھوڑا سا کھانا کھانے کی وجہ سے کہتراین کی کچھ تسکین ہو گئی تھی اس نے کہا کہ "میں یقین کرتی ہوں کہ آپ مجھے بات چیت کرنے کی اجازت دیں گے اور ضرور میں بولوں چالوں گی میں کوئی بچہ نہیں ہوں اور آپ کے بزرگ مجھ سے میرا حال دریافت کرتے ہیں اگر میرا بات چیت کرنا آپ پسند نہیں کرتے ہیں تو آپ اپنے کان بند کرلیں پٹروشیو کو بھلا ان سخت الفاظ کی کیوں برداشت ہونے لگی تھی اس نے تو اپنی بیوی سے چیخ چیخ کر بولنے کی بجائے۔ اسکو قابو میں لانے کی ایک دوسری ہی ترکیب سوچ رکھی تھی

چنانچہ اس نے بات ٹال کر جواب دیا کہ وہ ایک ذلیل ٹوپی تھی اور میں خوش ہوا کہ آپنے اسے پسند نہ کیا۔ کہتراین نے جواب دیا کہ آپ خوش ہوں یا نہوں مجھے وہی ٹوپی پسند ہے اور میں تو وہی لونگی یا کوئی بھی نہیں لونگی کہتراین کی بات کو کچھہ کا کچھہ سمجھنا ظاہر کرکے پٹروشیو نے کہا اچھا! آپ سایہ دیکھنا چاہتی ہیں!! اور یہ کہکر اس نے فوراً درزی کو بلوالیا۔ درزی ایک عمدہ سایہ لیکر آیا جو پٹروشیو نے جس کا منشا تھا کہ وہ نہ سایہ کے نہ ٹوپی سایہ میں بھی نیسیوں نقص نکالدیے اور متحیر ہوکر کہا "خدا کی پناہ! یہ کیسا کپڑا ہے!! ہیں! کیا یہ آستینیں ہیں! یا مرجھایا ہوا کھٹیا سیب یا شکر دار تھیلا" درزی نے جواب دیا کہ آپ نے تو زمانہ کے رواج موافق ہی تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ کہتراین نے کہا کہ میں نے اس سے اچھا سایہ کبھی نہیں دیکھا پٹروشیو کے واسطے یہ بات کافی تھی اس نے فوراً ان لوگوں کو در پردہ قیمت دلواکر ان سے اپنے عجیب برتاؤ کی معافی چاہی اور بظاہر برا بھلا کہکر اور ناک بھوں چڑھاکر ان کو باہر نکلوادیا اور کہتراین سے صاف کہدیا کہ کچھ پرواہ نہیں ہم انہیں میلے کپڑوں سے تمہارے میکے چلینگے یقین دلاکر کہ ہم نہاری سے پہلے پہلے تمہارے یہاں پہنچ جائیں گے کیونکہ ابھی سات ہی بجے ہیں (باوجودیکہ جسوقت اس نے یہ بات کہی تھی صبح کا وقت نہ تھا بلکہ درحقیقت دوپہر تھی) پٹروشیو نے گھوڑے کسوانیکا حکم دیا کہتراین نے جو پٹروشیو کی انوکھی طرز عمل سے تنگ آگئی تھی کہا "یقین کیجیے کہ اب دو بجے ہیں ہم شام کے کھانے کے وقت تک وہاں پہنچیں گے لیکن پٹروشیو کا منشا تھا کہ کہتراین اپنے باپ کے گھر جانے سے پہلے ایسی مطیع و فرمانبردار ہوجائے کہ جو کچھہ وہ کہے بلا چون وچرا اس کی ہاں میں ہاں ملائے اسلئے اس نے کہا (گویا کہ وہ سورج اور وقت پر بھی حکمراں تھا) کہ "نہیں جانیسے پہلے جو وقت میں کہوں گا وہی ہوگا۔ ابھی آپ جو کچھہ میں کہتا ہوں یا کرتا ہوں اسکی تردید ہی کیجاتی ہیں

ہیں آج نہ جاؤں گا اور جب کبھی میں جاؤں گا تو وہی وقت ہوگا جو میں کہوں گا۔ دوسرے دن تک کہتراین بالکل اطاعت پذیر ہوگئی۔ اور جب تک کہ وہ لفظ ترویہ کو بھول نہ گئی پیرو شیو نے ان کے باپ کے ہاں جانے کا نام تک نہ لیا۔ کچھ دن بعد جب وہ دونوں بیٹپٹا کے گھر کو چلے تو کہتراین کو اندیشہ تھا کہ پیرو شیو کہیں لوٹ نہ جائے کیونکہ پیرو شیو کے یہ بات کہہ دینے پر کہ چاندنی نکل رہی ہے اس کے منہ سے دھوپ کا لفظ نکل گیا تھا پیرو شیو نے اسی وقت قسم کھا کر کہا کہ تمہارے باپ کے گھر جانے سے پہلے پہلے جو وقت میں کہوں گا وہی ہوگا۔ خواہ چاندنی یا دھوپ یا جو کچھ میرے جی میں آئے۔ اور یہ کہکر وہ لوٹتا ہوا معلوم ہوا لیکن کہتراین نے جو بجائے بدمزاج لڑکا کہتراین کے اب مطیع و فرمانبردار کہتراین ہوگئی تھی التجا کی۔ کہ آپ چلے چلیں اب ہم دور نکل آئے ہیں آئندہ سے جو کچھ آپ فرمائیں گے میں بھی وہی تسلیم کروں گی خواہ چاند یا سورج یا جو کچھ پیرو شیو نے اس کا ثبوت چاہا اور معاً کہا کہ "چاندنی کھل رہی ہے۔ کہتراین نے کہا فی الحقیقت چاندنی کھل رہی ہے" پیرو شیو نے کہا کہ آپ غلط کہتی ہیں "دھوپ نکل رہی ہے" کہتراین نے کہا "بلاشک مجھے دھوکا پڑا دھوپ ہی نکل رہی ہے"۔ اور جب آپ فرمائیں گے کہ دھوپ نہیں نکل رہی ہے تو فی الواقع دھوپ نہیں نکل رہی ہوگی غرضکہ جو کچھ آپ فرمائیں گے وہی کہتراین بھی کہے گی۔ آگے چلکر پیرو شیو نے اس بات کی آزمائش کے لئے کہ آیا کہتراین کی اطاعت و فرمانبرداری قائم بھی رہتی ہے یا نہیں۔ ایک بڈھے آدمی سے جو راستہ میں ملا کہا کہ اے شریف خوبصورت لڑکی سلام اور ساتھ ہی اس کے اس نے کہتراین سے دریافت کیا کہ کیا "تم نے اس سے پہلے ایسی خوبصورت حسین لڑکی کبھی دیکھی ہے" پھر اسی بڈھے سے یوں مخاطب ہوا "اے

پیاری لڑکی میں تمکو پھر سلام کرتا ہوں اور کہتراین سے کہا کہ" اس عورت سے کم از کم اسکے حسن وجمال ہی کی خاطر سے بغلگیر ہو لیجئے۔ کہتراین نے جواب اچھی طرح مغلوب ہوگئی تھی۔ اپنے شوہر کی رائے کو تسلیم کیا اور بڈھے آدمی سے کہا کہ" اے نوجوان خوبصورت لڑکی آپ کہاں جاتی ہیں اور آپ کا دولت خانہ کہاں ہے۔ والدین جن کی آپ بیٹی ہیں درحقیقت بڑے خوش نصیب ہیں"۔ پڑوشیو نے جب یہ حالت دیکھی تو فوراً کہتراین سے کہا کہ آپ پاگل تو نہیں ہوگئی ہیں یہ ایک کمزور بڈھا آدمی ہے جس کے چہرہ پر جھریاں پڑگئی ہیں نہ کہ جوان خوبصورت لڑکی"۔ اس پر فوراً کہتراین نے فوراً بڈھے سے کہا کہ" اے پیر مرد معاف کیجئے دھوپ کی چمکا چوندسے میں آپ کو نہ پہچان سکی اب مجھے معلوم ہوا کہ آپ ایک واجب التعظیم بزرگ ہیں امید کہ میری اس غلطی کو معاف فرمائیں گے"۔ پڑوشیو نے بڑھے آدمی سے دریافت کیا کہ" براہ مہربانی مجھے بتلائیے کہ آپکا کیا نام ہے اور آپ کا کہاں کا قصد ہے اگر آپ ہمارے ہم سفر ہوں تو ہماری بڑی مسرت ہوگی بڈھے آدمی نے جواب دیا کہ آپ دونوں کی اس رودکد سے مجھے بڑی حیرت ہوئی میرا نام دین مین شیو ہے اور میں اپنے بیٹے کے پاس جو پیڈولیس ہے جاتا ہوں۔ اب پڑوشیو کو معلوم ہوا کہ یہ بڈھا ایک شریف آدمی مسمی لیوسن شیو کا جو پیٹسٹا کی سب سے چھوٹی بیٹی بانیکا سے شادی کرنے والا ہے باپ ہے۔ اس بات کے معلوم ہونے پر کہ لیوسن شیو اس کے بیٹے نے ایک امیر جگہ شادی کی ہے۔ دین مین شیو (بڈھا آدمی) کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ سب ہنستے بولتے پیٹسٹا کے مکان پر جہاں لیوسن شیو اور بانیکا کی شادی کی رسم ادا کرنے کی غرض سے ایک مجمع کثیر جمع ہو رہا تھا پہنچے۔ کہتراین کے شادی کرنے کے بعد سب خوشی رضامند ہو گیا تھا۔ جب یہ لوگ

مکان پر پہنچے تو ہپٹسٹا نے نہایت خوشی سے اُنکو دعوت میں شریک کیا وہاں دو دولہا دُلہن اور بھی موجود تھے بانیکا کا شوہر لیوسین شیو اور ایک اور دوسرا دولہا ٹین سو کہتراین کی بدمزاجی پر پیٹرو شیو کا مذاق اڑائے بغیر نہ رہ سکے۔ اپنی بیبیوں کی نیک مزاجی اور خوش طبعی سے یہ لوگ بہت خوش تھے اور بدمزاج کہتراین کو منتخب کرنے پر پیٹرو شیو کا مضحکہ اڑاتے تھے پیٹرو شیو نے انکی اس ہنسی مذاق پر کچھ خیال نہ کیا جب عورتیں کھانا کھا کر چلی گئیں تو پیٹرو شیو کی ہنسی اڑاتے ہیں ہپٹسٹا بھی اُن کے ساتھ شریک ہو گیا۔ لیکن جب پیٹرو شیو نے کہا کہ میری بیوی اور دنکی بیویوں سے بدرجہا زیادہ مطیع و فرمانبردار ہے تو ہپٹسٹا کہتراین کے باپ نے کہا کہ "بیٹا نہیں! تمھاری بیوی سب کی بیویوں سے زیادہ ترش رو اور بدمزاج ہے"۔ پیٹرو شیو نے زور کے ساتھ اس سے انکار کیا اور اس کے ثبوت کے لئے اُس نے یہ تجویز نکالی کہ ہم تینوں ایک شرط لگائیں جس کی بیوی پہلی ہی مرتبہ بلانے پر چلی آئے وہ شخص یہ شرط جیت جائے گا اس تجویز پر وہ دونوں شوہر بھی بخوشی رضامند ہو گئے کیونکہ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہماری بیویاں سرکش اور ضدی کہتراین سے کہیں زیادہ مطیع و فرمانبردار ہیں چنانچہ انہوں نے بیس کراؤن کی شرط لگائی لیکن پیٹرو شیو نے اس قلیل رقم کو ناپسند کیا اور کہا کہ میں کراؤن کی شرط تو میں اپنے کتوں اور باز پر لگا دیا کرتا ہوں اپنی پیاری بیوی پر تو اس سے بیس گنی شرط لگانا پسند کروں گا۔ لیوسین شیو اور ہرٹین شیو نے سو کراؤن کی شرط قرار دی۔ اول لیوسین نے نوکر کے ہاتھ اپنی بیوی کو بلایا جس نے ذرا سی دیر میں آکر جواب دیا کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں کام کر رہی ہوں اسوقت نہیں آسکتی۔ پیٹرو شیو نے تعجب کے ساتھ ظرافت آمیز لہجہ میں اس فقرہ کو کہ "میں کام کر رہی ہوں اسوقت نہیں آسکتی"

دوہرایا اور کہا کہ فی الواقع ایک بیوی میاں کو ایسا ہی جواب دے سکتی ہے اس بات پر لیوسین شیو اور ہرمین شیو دونوں نے ہنسکر کہا کہ کہیں آپ کی بیوی اس سے بھی زیادہ برا جواب کہلا بھیجے۔ بعدہٗ ہرسین شیو کا نمبر آیا اس نے بھی اپنے نوکر سے کہا کہ میری بیوی کے پاس جاکر میری طرف سے التجا کرو اور کہو ذرا چلی آئیں"۔ اس بات پر پیٹرو شیو نے ایک حیرت انگیز لہجہ میں کہا "آخا التجا کرو! تو وہ ضرور آئیں گی! ہرمین شیو نے جواب دیا کہ آپ کی بیوی تو غالباً التجا کرنے پر بھی نہ آئیں گی تھوڑی ہی دیر میں نوکر کو آتا دیکھکر ہرسین کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس نے نہایت تعجب کے ساتھ نوکر سے دریافت کیا "کہ میری بیوی کہاں ہیں" اُس نے کہا کہ وہ فرماتی ہیں کہ تم کوئی گہرا مذاق کرنے پر آمادہ معلوم ہوتے ہو میں اسوقت نہیں آتی تم ہی میرے پاس چلے آؤ۔ پیٹرو شیو نے کہا افسوس صد افسوس!۔

اور اس کے بعد پیٹرو شیو نے اپنے نوکر سے کہا کہ تم میری بیوی کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ میں حکماً تمہیں بلاتا ہوں۔ حاضرین کہتراین کے نہ آنے کی بابت خیال بھی نہ کرنے پائے تھے کہ سامنے سے کہتراین آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس نے آتے ہی پیٹرو شیو سے عاجزی سے کہا "اے جناب کیا ارشاد ہے"۔ پیٹرو شیو نے دریافت کیا کہ تمہاری بہن بیانکا اور ہرمین شیو کی بیوی کہاں ہیں۔ کہتراین نے جواب دیا کہ وہ کمرے میں انگیٹھی کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی ہیں" پیٹرو شیو نے کہا جاؤ انہیں ابھی بلا لاؤ۔ کہتراین اپنے شوہر کی تعمیل کے لئے فوراً چپ چاپ چلی گئی۔ کہتراین کی یہ اطاعت اور فرمانبرداری دیکھ کر لیوسین شیو اور ہرمین شیو نے نہایت تعجب ظاہر کیا اور کہا کہ اس سے کیا پتہ چلتا ہے پیٹرو شیو نے جواب دیا اس سے محبت صلح۔ اطمینان غرض ہر بات کا جو خوش کن اور مسرت بخش ہے پتہ چلتا ہے اپنی بیٹی کہتراین بدمزاج کے درست ہو جانے پر پیٹرو شیو اسقدر خوش

ہو کہ اُسنے پٹرو شیو سے کہا خدا تمہیں خوش رکھے تم شرط جیت گئے اور میں بیس ہزار کراؤن کہترائین کے جہیز میں دوں گا گو یا اپنی کسی دوسری لڑکی کو دیتا ہوں۔ کیونکہ درحقیقت اپنے مزاج کی کایا پلیٹ ہو جانے سے اب کہترائین وہ کہترائین نہیں ہے۔ پٹرو شیو نے یہ بات سنکر جواب دیا کہ آپ متعجب نہوں اس سے بھی زیادہ شرط جیتنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور کہترائن کی نیک مزاجی اور اطاعت گزاری کا اور بھی ثبوت دوں گا۔ کہترائین کو معہ دونوں بیویوں کے آتے دیکھ کر پٹرو شیو نے کہا دیکھئے کہترائین وہ آرہی ہے اور آپ کی بیویوں کو بھی مثل قیدیوں کے ساتھ لا رہی ہے۔ پھر اس نے کہترائین سے کہا "کہترائین یہ ٹوپی تمہیں اچھی نہیں معلوم ہوتی اسے اتار ڈالو اور پاؤں سے کچلکر پھینک دو۔ کہترائین نے فوراً ٹوپی کو اتار کر پاؤں سے کچل ڈالا۔ ہرٹن شیو کی بیوی نے کہا خدا نہ کرے کہ میری بھی ایسی ہی بری گت بنے۔ بیانکا اپنے شوہر سے مخاطب ہو کر بولی اس احمقانہ فرض کی بابت آپ کی کیا رائے ہے جس پر لیوسین شیو نے یہ جواب دیا "اے کاش آپکا بھی ایسا ہی احمقانہ فرض ہوتا۔ آپ کے اس حماقتانہ فرض نے سو کراؤن مجھ سے ہروا دیئے"۔ بیانکا نے کہا کہ آپ نے بیوقوفی کی تھی کہ میری بابت شرط لگائی۔ پٹرو شیو نے کہا کہ میں تمکو حکم دیتا ہوں کہ تم ان دونوں سرکش عورتوں کو سمجھاؤ کہ انکا اپنے شوہروں کی طرف سے کیا فرض ہے چنانچہ کہترائین کو فرائض زوجیت پر نہایت فصاحت سے گفتگو کرتے دیکھکر سب لوگ متعجب ہوئے اور کہترائین بجائے ترش رو اور بدمزاج مشہور ہونے کے پیڈوا بھر میں نہایت مطیع و فرمانبردار کہترائین مشہور ہو گئی۔

مرسلہ محمد عبدالرشید شیدا

تلاشِ محبت

اختر کو مبدأ فیاض سے ایک شاعرانہ دل و دماغ عطا ہوا تھا حساس و فکر آدہ پورا شاعر تھا اگرچہ لسانًا بہت کم کلام دیکھنے میں آیا ہے۔ کیونکہ وہ موجودہ شاعری کا مخالف تھا زلف و کمر کے جھگڑوں سے نجست تھا سودہ رہکر نثری شاعری کا دلدادہ و شیفتہ تھا عموماً اُس کے اظہار جذبات کا یہی ذریعہ تھا۔ خیالات لطیف۔ انداز بیان دلکش۔ ہر لفظ سوز و گداز میں ڈوبا ہوا کہ بے اختیار جی تڑپ اُٹھے۔ اُس کے خیالات میں بلند پروازی تھی۔ اُسکے معلومات میں بے انتہا وسعت۔ حافظہ اسقدر قوی کہ ایکدفعہ اگر وہ کسی دلچسپ نظم کو سُن لیتا تو وہ اُسی وقت اُسکے تکرار کرنے آمادہ ہو جاتا گویا نظم خود اُسی نے کہی ہے۔ ملک کے ادبی رسائل میں اُس کے مضامین اکثر و بیشتر جلوہ گر رہتے۔ اُس کا مشغلہ حیات۔ درس تصریح اردو لٹریچر کا ذوق۔ نیچر کے روح پرور مناظر کا شغف احباب کا ایک وسیع حلقہ رکھتا تھا بعض اوقات اُس کے مضامین کے گرویدہ تھے بعض اُس کی غلہ سخنیوں کے فدائی۔ قلوب انسانی پر اسقدر عبور تھا کہ دو ہی باتوں میں ہر کس و ناکس پر اپنے خلوص کا سکہ بٹھا دیتا اُسکا دعویٰ تھا کہ چاہے کوئی ہو اگر دو دفعہ گفتگو کا موقع دے تو ممکن نہیں کہ تیسری مرتبہ اُس کی دلپذیر پر خاصیہ فرسا نہو۔ اُس کے حلقہ احباب میں امیر غریب۔ جوان بوڑھے ہر طبقہ کا شمار تھا وہ کہتا تھا کہ اگر سڑک پر دو سفید پوش ہو جائیں تو باور کیجئے کہ یقیناً ایک میرا ملاقاتی ہوگا اور یہ بالکل سچ تھا اور بارہا اس کا تجربہ کیا گیا اُس کا ڈرائنگ روم بارہ گھنٹے احباب کے پر مذاق قہقہوں۔ دلچسپ بحثوں کے لئے وقف تھا حتیٰ کہ

وہ نماز صبح پڑھکر اور اد صبحگاہی سے ہنوز فارغ بھی نہ ہوتا کہ کوئی نہ کوئی آ دھمکتا انہیں رخصت کرتا ہی ہوتا کہ دوسرا موجود اور یہ سلسلہ نا متناہی اسقدر دراز ہوتا کہ دوپہ ہو جاتے بعض اوقات ناشتے تک کا موقع نہ ملتا لیکن اُس کے خلق کا یہ عالم تھا کہ کبھی تیور سے یہ تک ظاہر ہونے نہ دیا کہ اُسے کوئی تکلیف ہے اور وہ اُسوقت تک بھوکا پیاسا ہے۔ برابر خندہ پیشانی سے مل رہا ہے اُن کے سوالات کا جواب بجھوں کا نتیجہ دلچسپیوں سے دے اور سُن رہا ہے۔ اسکا قول تھا کہ جب احباب اپنے مکان سے میرے لئے تکلیف گوارا کرکے آتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عدم فرصت کے عذر لنگ سے اُن کے پندار محبت کو شکستہ اور پارہ پارہ کر دیا جائے۔ آخر وہ آتے ہیں تو کچھ سمجھکر آتے ہیں۔ اختر کی طبیعت میں غصہ نام کو نہ تھا۔ اور اس پر اُسکو قلب ایسا عطا ہوا تھا کہ وہ کسی راستہ چلتے ہوئے کو روتا دیکھتا تو خود بھی رو دیتا۔ ذرا ذرا سی باتوں سے متاثر ہو جاتا اُس کی کل دنیا خیالی اور تخیل سے معمور تھی۔ وہ کہتا تھا کہ "باز کے پنجہ میں چڑیا کو پھنسا ہوا دیکھ کر کوئی میرے ساتھ روئے اور ہر دم عالم خیال میں رہے"۔ وہ اس کو اپنی دلی کمزوری بتایا کرتا اور خود بھی شاکی تھا کہ اس کی وجہ بار بار روحانی تکالیف سے دست و گریباں ہونا پڑا ہے۔ اگر اُس کے احباب شاکی تھے تو اس امر کے کہ اُس کے یہاں اُن کے اوقات کا نہایت بیدردی سے خون ہوتا ہے آئے تھے چند منٹ کے لئے لیکن گھنٹے وقف تکلم رہے جس کی وجہ اُن کے کاروبار برباد گئے مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اُن کی شکایت رفع ہو اور اُن کے اوقات کا خون نہ ہوتا ہو وہ خود بھی احباب کا اسقدر گرویدہ تھا کہ ہر ایک بجائے خود یہ سمجھتا کہ یہ میرا پرستار۔ یہ میرا ستایش گذار ہے اُس کے ڈرائنگ روم میں ایک نہایت نفیس

صندوق جس پر جلی حروف میں "چند نصویرِ بتاں چند حسینوں کے خطوط" لکھا ہوا تھا رکھا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میری بضاعتی کی پونجی میری تہی دستی کا سرمایہ یہی صندوق ہے جس دن یہ نہ ہوگا گویا میں نہ ہوں گا۔ اُس کے مرنے والوں میں شاذ ہی کوئی ہوگا جس نے اس کائنات محبت کی زیارت نہ کی ہو۔ اُس نے احباب کو مساوات دے رکھی تھی اور ہر ایک اُن کے پاس سرمایۂ نازش و افتخار تھا پھر امتیاز و فرق کیسا۔

غالب کے کلام کا بے انتہا شایق گویا وہ اُس کا جید حافظ ہے اکثر ایسا ہوا ہے کہ غالب کا کوئی شعر پڑھتا اور بے اختیار رو دیتا۔ کسی رہگذر سے پرسوز نغمہ سنتا اور تڑپ جاتا۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ وہ آرام کرسی پر گھنٹوں عالم محویت میں مبتلا ہے اُسے خبر تک نہ ہوتی کون آیا اور کون گیا یہاں تک کہ شانہ پکڑ کر جھنجھوڑے بیدار ہوتا۔

یہ ہمہ تن شاعر جس کی ہر حرکت شاعرانہ ہوتی مختلف مقامات اور شہروں میں گھومتا ہوا دکھائی دیتا۔ آج معلوم ہوا کہ وہ بمبئی میں اپالو یا چوپاٹی کے چکر لگا رہا ہے کل دیکھتے ہیں تو مدراس ساحل پر مصروف گلگشت۔ پرسوں کلکتہ میں ہگلی پر مشغول خرام حتیٰ کہ وہ دہ دہ۔ قریہ قریہ اپنے قدم کا نقش چھوڑ جاتا۔ اُس کے جانے سے احباب پریشان ہو جاتے خطوط لکھتے اُنہیں تسلی آمیز جوابات دیتا کہ "دل میرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا۔ بت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا"۔

اگر کوئی یہ رائے دیتا کہ اس زندگی سے نجات پانے کے لئے بہتر ہے کہ شادی کر لو تو ہنسکر جواب دیتا ہاں اس لئے تاکہ ایک حسین بی بی ملے گی۔ بے منت کی پان سگانے والی رہے گی۔ مجھے ایسی بی بی کی خواہش نہیں۔ مجھے بی بی تو ایسی چاہیے کہ میری داعیات دیوانہ سری کو لبیک کہے میری ہر آرزو و تمنا کی ہم آہنگ ہو۔

اتنا تو ہو کہ جب میں راستہ چلوں تو لوگ یہ کہیں کہ دیکھو ایک پری کا پرستار جا رہا ہے پھر اس سے جی فائدہ کہ کسی خاص ایک کا پرستار واحد تیار ہوں۔ جن کہیں ہو کسی حال میں ہو میرے لئے جاذب نظر ضرور رہے۔ مجھے حق ہے کہ اس کا نغمہ الاپوں اپنے دلی تار کو جو تشنۂ مضراب ہے مرتعش کردوں۔ آہ چاہتا ہوں کسقدر چاہتا ہوں کہ حقیقت منظر کبھی تو لباس مجاز میں دکھائی دے اور وہ سجدے جو میری جبین نیاز میں تڑپ رہے ہیں بروئے عمل آئیں۔

بہت دن ہو گئے کہ وارفتہ محبت اختر کا پتہ نہیں ہے۔ کان یہ سننے کے منتظر ہیں کہ غریب اپنی تلاش محبت میں کامیاب ہوا کہ نہیں ؛

محمد عبدالرزاق بسمل۔

عالم حادث ہے

ایک دہریہ نے یہ مجھ سے کہا — کب ہے عالم میں موثر کا اثر
بات جب یہ ہے تو پھر یہ جانئے — کہ یہ عالم ہے قدیم و بے ضرر
سُن کے یہ میں نے کہا اے فیلسوف — اسمیں آتا ہے تغیر جب نظر
کیوں نہ حادث اس جہاں کو مانئے — ہے یہ حادث کی دلیل اے بیخبر
عقل ٹیڑھی ہو تو اے فیاض پھر — راستہ سیدھا نہیں آتا نظر

فیاض حیدرآبادی

بالاتفاق حرام ہے

سور کی چربی اسلام میں

مگر عجیب اتفاق ہے کہ غالباً بوجہ لاعلمی جیسیوں طریقوں سے یہ نجس و حرام شے مسلمانوں کے استعمال میں ہے ہماری طبی معلومات اس کے متعلق حسب ذیل ہے۔

(۱) چونکہ سور کی چربی عمدہ ایمولی اینٹ یعنے جلد کو چکنا اور ملایم کرنے والی ہے اس لئے یہ اکثر مرہموں میں شریک کیجاتی ہے اور چونکہ اسکو جسم پر ملنے سے یہ بآسانی جذب ہوجاتی ہے اس لئے اسکو زیادہ تر ایسی ادویہ کے ہمراہ استعمال کرتے ہیں جو جسم میں جذب ہوکر اپنی تاثیرات کرسکیں۔

(۲) چونکہ سور کی چربی میں اولی این یعنے روغنی مادہ ۶۰ فیصدی ہوتا ہے اور بھیڑ وغیرہ کی چربی میں ۳۰ فیصدی۔ اس لئے اصول تجارت کے لحاظ سے بھی سور کی چربی زیادہ تر کام میں آتی ہے۔

(۳) یہ چربی پی لیو لافاسفورائی (جب فاسفورس جو تقویت کے لئے کھانے کی دوا ہے) میں پڑنے کے علاوہ حسب ذیل مرہموں میں شریک ہوتی ہے۔

(۱) آئنٹمنٹ آف ایکونائی ٹین (مرہم بیشین) (۲) آئنٹمنٹ آف ایٹروبین (مرہم بیروبین) (۳) آئنٹمنٹ آف کوکین (مرہم کوکین) (۴) آئنٹمنٹ آف آیوڈین (مرہم آیوڈین) (۵) آئنٹمنٹ آف مرکری (مرہم سیماب) (۶) آئنٹمنٹ آف ریزن

(مرہم رال) (۷) آئنٹمنٹ آف ویراٹرین (مرہم خرنقیں) (۸) آئنٹمنٹ آف بلاڈونا (مرہم بیروج) (۹) آئنٹمنٹ آف کنتھر ڈیز (مرہم ذرایح) (۱۰) آئنٹمنٹ آف کے ائی سارو بین (۱۱) آئنٹمنٹ آف گالس (مرہم مازو) (۱۲) آئنٹمنٹ آف مرکیورک آیوڈائیڈ (۱۳) آئنٹمنٹ آف مرکیورک اوکی ایٹ (۱۴) آئنٹمنٹ آف مرکیورس کلورائیڈ (۱۵) آئنٹمنٹ آف ٹپاسیم آیوڈائیڈ (۱۶) آئنٹمنٹ آف سٹیوے سیگری (مرہم مویزج) (۱۷) آئنٹمنٹ آف سلفر (مرہم گوگرو) (۱۸) آئنٹمنٹ آف سلفر آیوڈائیڈ (۱۹) آئنٹمنٹ آف زنک (مرہم رصاص) (۲۰) آئنٹمنٹ آف مرکیورک نائٹریٹ۔

(۴) ہندوستان دیگر گرم ممالک میں سور کی معمولی چربی شدت گرمی سے چونکہ نرم ہو جاتی ہے اسلئے یورپ خاص اہتمام سے اُس چربی سے تھوڑا سا روغن نکال کر اور اس کو سخت کر کے انڈو رسیڈ لارڈ کے نام سے ہندوستان وغیرہ کو بھیجتا ہے ہندوستان میں اسی چربی کو مرہموں وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں (۵) علاوہ مندرجہ بالا خصوصیات کے یہ چربی چونکہ خوشبو کو خوب جذب کر لیتی ہے اور اسمیں سے بدبو یا چربی اندا بالکل نہیں آتی اسلئے عموماً ماتھ منہ دھونیکے صابنوں میں اور خصوصاً خوشبودار صابنوں میں یہ شریک ہوتی ہے اور روشنی کی بتیاں اس سے بنائی جاتی ہیں۔ (۶) صابن کی تیاریمیں ناقابل صابن سازی جو محلول بچ جاتا ہے جبکہ وہ گلیسرین (ایک کثیر الاستعمال سیال جو دافعی نیز خارجی طور پر کام میں آتا اور اکثر گولیوں اور مرکبات میں شریک ہوتا ہے) کی تیاری کیلئے کام آتا ہے اسی گلیسرین کا بھی عموماً یہ چربی ایک جزو ہے ۔ نوٹ ۔ ہمارے اس مضمون کا ماخذ برٹش فارماکوپیا میٹریا میڈیکا فارمیسی فارماکولوجی اینڈ تھراپیوٹکس (مولفہ ڈاکٹر بچ چی جیلانی کے بی بی۔ اے) اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰ ص ۲۵ ہے ۔

حکیم مست کال اللہ

ثنا پر واز روز اولیں سے ہے قلم تیرا
کہ تیرے سجدۂ درگاہ میں بہتا ہے دم تیرا

قلم چلنے لگا ہر گام پر کرتے ہوئے سجدے
ہوا نام گرامی جس گھڑی زیب رقم تیرا

ترے گھر کے ہزاروں نام ہیں اور تو کہیں تنہا
کلیسا، صومعہ، بیت الصنم، بیت الحرم تیرا

نہیں ہے انتہا دونوں کی دونوں حد سے بعید ہیں
نہ میرے تری بخشش، مرے عصیاں، کرم تیرا

غریب اعظم سے یارب پھر ادا کیا حق طاعت ہو
کہے جب ما عبدنا خود رسول محترم تیرا

یاور علی اعظم ڈرامالسٹ۔

ہے ورد زبان دین کے سرتاج کا ذکر
کام آئیگا کل روز جزا آج کا ذکر

عرش اعلیٰ پہ ہے داغ یکتا
معراج ہے میرے لئے معراج کا ذکر

در بزم سبحان الذی شد مجلس آرای دگر
برخیز و در دہ ساقیا جامے ز مہیائے دگر

در ذرہ ذرہ بنگرم حسن و جمال ساقیم
یابد دلم در ہر نظر ذوق تماشائے دگر

شد جلوہ گر محبوب رب صل علی صل علیٰ
با حسن و زیبائی تو با صد تماشائے دگر

از تازہ انداز ش عیاں اعجاز حسن داوری
از جلوہ اش در ہر سرے ہر لحظہ سودائے دگر

تفسیر "نور" و "والضحیٰ" روشن ز خد و ناصیہ
در گیسوے "واللیل" وش در رو ہر سودائے دگر

۹۸۶۲

مخمور چشم نرگسیں از جام مازاغ البصر
وز شیشۂ پاک دلی آورد صہبائے دگر

ہر ملک دل آباد شد روح ملائک شاد شد
گوئی بر اوج آسماں آمد مسیحائے دگر

از جلوۂ مہر رب پُر نور افلاک و زمیں
بر طور گردوں شد عیاں اشجلّیٰ ائے دگر

چشمانش محو دیدرب فکر شفاعت دلنشیں
بر لب تحیات و ثنا در دل تمنائے دگر

مثل خدائے دوجہاں بے مثل شد محبوب او
کے لیلۃ المعراج را باشد ثنائے دگر

یکتائے عاصی آمدہ بر درگہت یا مصطفےٰ
اورا نباشد جز درت ملجا و ماوائے دگر

قاصد رب جلیل

قاصد حضرت خلاق دو عالم جبریل
حامل وحی خدا پیک عدیم التمثیل

ہے فرشتوں میں کوئی جسکا مماثل نہ عدیل
ہو کے حاضر بدر حضرت محبوب جلیل

بولے اے ختم رسل امت عاصی کے کفیل
لینے آیا ہوں میں اب چلنے میں کیجے تعجیل

پھر یہ کی عرض کہ اے سرو قد باغ خلیل
کیوں نہ مشتاق تمہارا ہو خداوند جلیل

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اُٹھے بستر سے شہنشاہ رسل غسل کیا
کنگھی کی زلفوں میں آنکھوں میں لگایا سرما

خاص فردوس کا پھر حلۂ حمرا پہنا
وہ عبا اور وہ عمامہ نوری وہ ردا

وہ تجلی جبیں وہ رخ انور کی ضیا
وہ پھبن جامہ زیبا کی انوکھی وہ ادا

دیکھتے ہی دل جبریل میں لوٹ گیا
صدقے ہو ہو کے لگے کہنے کہ ای صل علیٰ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بن سنور کے جو چلے سرور دیں شاہ امم
مہر افلاک ہوئے شمع شبستان قدم

رکھا آداب سے جب خانۂ کعبہ میں قدم
ناکریں سجدۂ شکر بچۂ رب عالم

اپنے جامہ میں مسرت سے سمایا نہ حرم
بول اٹھا اشہد ان لا الٰہ یہ توڑینگے صنم

دیکھ کر جلوۂ رخسار رسول اکرمؐ
عرض کرنے لگا یوں خانۂ کعبہ پیہم

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو سن خلد بریں زہرہ جبیں، مہ پیکر
برق دم، نیک قدم، شکل پری، اثیر کمر

لائے جبریل سوار اس پہ ہوئے پیغمبر
ایک دم میں کیا طے آپنے قصی کا سفر

پڑھ کے دوگانہ وہاں سے بھی بڑھے پھر سرور
آن کی آن میں پہنچے فلک اوّل پر

دیکھ کر حسن خداداد رسول اکبر
یوں کہا حضرت آدمؑ نے کہ اے جان پدر

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بولے موسیٰ ید بیضا ہی فقط مجھ کو ملا
دعویٰ تھا حضرت عیسیٰ کو مسیحائی کا

تم کو اللہ نے واللہ ہے کیا کیا بخشا
صبر ایوبؑ دیا نغمۂ داؤدؑ دیا

شکر یعقوبؑ ملا ملک سلیمانؑ پایا
خلعت خاص خلیلؑ آپ کو کی حق نے عطا

دیدیا آدمؑ و الیاسؑ و خضرؑ کا رتبا
اور پھر اس کے سوا اے مرے محبوب خدا

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جبکہ افلاک سے آگے بڑھے وہ ماہ جبیں
بڑھ کے رضواں نے کہا آیئے اے عرش نشیں

اپنی امت کے مکاں دیکھیے اے سرور دیں
یہ ہے فردوس، یہ جنت ہے، یہ ہے خلد بریں

ہے کہیں بحر لبن شہد کی ہے نہر کہیں
کہیں کوثر، کہیں تسنیم، کہیں ہائے معیں

جب در خلد پہ آئے شہ عالی تمکیں
شوق سے نغمہ سرا یوں ہوئیں حوران جبیں

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دیکھ کر خلد و ارم جنت و کوثر۔ تسنیم، عازمِ عرش ہوئے مالکِ فردوس و نعیم
پہنچے جسدم سدرۂ اسریٰ۔ بسرِ عرشِ عظیم بول اٹھا پردۂ وحدت سے خداوندِ کریم
آ حبیبِ عربی۔ آ مرے محبوب و سیم دائما باد زمن بر تو صلوٰۃ و تسلیم
ہے تو ہی فخرِ مسیحا و کلیم ابراہیم سارے عالم میں نہیں آج ترا کوئی ہمسر
حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
التجا تجھ سے ہے بیتابؔ کی یا رب غنی دور ہو دل سے مرے الفتِ دنیائے دنی
جاؤں طیبہ کی طرف پہنے گلے میں کفنی دے مزا مجھ کو وہاں میری غریب الوطنی
میں کبھی چوموں در و صفۂ شاہِ مدنی گرد روضہ کبھی ستانہ کروں نعرہ زنی
گہہ کنم عرض کہ اے شاہدِ شیریں سخنی گلرخی، غنچہ لبی، سرو قدی، بسم تنی
حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
معدنِ عزّ و شرف سیّدِ عالی نسبی مخزنِ علم لدنّی مگر امّی لقبی
آپ کے سامنے ہے شانِ رسولوں کی دبی آپ ہیں مرجعِ کل آپ ہیں شاہِ عربی
آپ بیتابؔ کے وسیلہ دمِ حاجت طلبی آپ ہی ساقیِ کوثر ہیں دمِ تشنہ لبی
کیوں ہو مطلب مجھے اب غیر سے اے مطلبی آپ کے گھر میں کمی کیا ہے مجھے دینے کی
حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

محمد فرید الدین بیتابؔ

سب پر انسان کو فضیلت ہے — اے خدا تیری ہی یہ حکمت ہے
عقل دی سب سے بڑھ کر انساں کو — اس کے حق میں بڑی نعمت ہے
یہ بھی حکمت ہے تیری اے مالک — ایک پر ایک کو فضیلت ہے
شاہ کہتا ہے اک جہاں جس کو — سب سے بڑھ کر اسی کی عزت ہے
میر عثماں علی ہے اپنا شاہ — ایک عالم میں جس کی شہرت ہے
بھول بیٹھے ہیں لوگ حاتم کو — ایسی اس شاہ کی سخاوت ہے
کون ارسطو کو پوچھتا ہے اب — بادشاہ اپنا بحر حکمت ہے
ہیں ترقی پذیر علم و ہنر — جب سے اس شاہ کی حکومت ہے
سرپرستی سے اس کی آج اردو — مایۂ علم و فضل و حکمت ہے
مجمع اہل علم اب ہے دکن — قدر داں والیٔ ریاست ہے
قدر دانیٔ شاہ سے سب کو — شوق تحصیل علم و حکمت ہے
فارغ البال ہیں سب اہل کمال — سارے اہل ہنر کو راحت ہے
شکر خالق کہ عہد عثمانی — مایۂ عشرت و مسرت ہے
ملک آباد ہے رعایا شاد — چین ہے عیش ہے فراغت ہے
شاہ کو سب دعائیں دیتے ہیں — شاہ سے سب کو مہر و الفت ہے
ہم پہ پیشہ جو حکمراں ہے فاضلؔ — یہ خدا کی بڑی عنایت ہے

عالم میں کوئی عزیز کوئی ہے خوار — اس باغ میں گل کوئی ہے کوئی ہے خار
ہے گاہ خزاں اسمیں تو ہے گاہ بہار — دنیا میں ہیں اک حال پہ کب لیل و نہار

دندان خمار بات یہ کیسی مستی — کام آئے گی نہ ہار نہ ایسی مستی
تم چاہتے ہو مدام جیسی مستی — ہوگی نہ کبھی۔ کریگا بے چین خمار

یہ محفل عیش ہوگی اک دن برہم — سمجھو نہ۔ رہیں گے یونہی شاد و خرم
دنیا میں پس عیش ہے رنج و ماتم — راحت طلبانِ بزم عشرت ہشیار

اے ناز کنندگانِ مال و دولت — اے فخر کنندگان شان و شوکت
اے جلوہ فروزان سریر صولت — ہشیار! کہ گردش میں ہے چرخ دوّار

ہوتے ہیں یہاں عشرت و غم کے جھگڑے — ہیں قابل دید دمبدم کے جھگڑے
موجود کے ہیں اور عدم کے جھگڑے — پھر نفس و خرد کی ہے جدا ہی تکرار

اس طرح بسر ہوتی ہے عمر انساں — عالم میں تباب کے ہے راحت جہاں

ہو جاتے ہیں پیری میں الم کے ساماں — پیری ہی جوانی پہ ہے غالب ہر بار

اس گلشنِ ہستی کی عجب ہے صورت — رہتی نہیں ایک سی کسی کی حالت
غالب آتی ہے جب خزاں کی نوبت — ہو جاتا ہے بس زیر و زبر رنگ بہار

راحت! کیسی ہے جلد بازی تیری — ہے قابلِ شکر جاں نوازی تیری
لیکن ایسی ہے دلگدازی تیری — کر دیتی ہے دم بھر ہی میں سینہ کو فگار

پیدا ہونا نمونہ فرحت کا ہے — مرنا گویا نمونہ کلفت کا ہے
عالم عالم یہ رنج و راحت کا ہے — فکرِ ماتم میں آئے کیا دل کو قرار

دنیا میں عجب ہے عیش و غم کی حالت — کہتا ہے یہ عیش میں ہوں جب راحت
غم کہتا ہے مجھ میں ہے نہایت قوت — ان جھگڑوں میں ہو جاتا ہے غم عیش آزار

لاتا ہے خوشی کو ساتھ اپنے انساں — پڑتا ہے غم و رنج جہاں میں ناداں
اب دل کے نکل سکتے ہیں کیونکر ارماں — جان اُس کی نکل جاتی ہے بس آخر کار

پیدا ہوئے جس روز خوشی پوری تھی — مر جائیں گے جب تو ہوگا پورا غم بھی
رہ جائیگا بعد مرگ لیکن غم ہی — آئیگی نہ وہ خوشی جو آئی اک بار

پیدا ہوا انسان یہ مرنے کے لئے
دنیا میں یہ آیا ہے گذرنے کیلئے
مہلت ہے کہاں اس کو سنورنے کیلئے
اللہ تو ہی بس اُس کی بگڑی کو سنوار

کیا غم ہے نہایت ہی بُری چیز! انہیں
بلکہ ہے خوشی جہاں میں غم ہی کے قریں
آئیگی خوشی نظر جہاں میں نہ کہیں
اٹھ جائے گا جب کہ یہ غم جاں آزار

ہونے کی کسی شے کی تمنا کریں ہم
جب اس کے نہ ہونیکا ہو کھٹکا پیہم
تاریک اگر شب کو نہ ہوتا عالم
سورج کی نہیں قدر نہ ہوتی زنہار

ہوتا نہ اگر ظلم و جفائے دلبر
فرقت کی اگر چوٹ نہ لگتی دل پر
لطف قربت کا ہوتا وافر نہ اثر
ہوتی افزوں نہ خواہش وصل نگار

شام غربت میں جائیں برسوں بیتی
تو صبح وطن بھی خوش نما آئے نظر
ملتا نہیں حلوے میں مزہ شیریں تر
کھاتا رہے جو شخص اُسے لیل و نہار

ہے لطف اگر ہو بعد کلفت راحت
ہے لطف اگر ہو بعد عسرت عشرت
برسوں رہے راحت تو وہ ہے اک زحمت
ہر وقت رہے عیش تو ہو دل بیزار

ہوتی ہے انہیں لوگوں کو بھی فرحت
جو لوگ سہا کرتے ہیں رنج و کلفت

کیا جانیں وہ لوگ لطف صیقل عشرت — نازونعمت میں پلتے ہیں جو زردار

دنیا میں خوشی اور الم توام ہے — ہے غم سے خوشی اور خوشی سے غم ہے
جو خوش ہے خوشی واسطے اسکے کم ہے — گھلیں ہے خوشی کی مے کو پیکر سرشار

غم ہی میں کوئی رہتا نہیں ہے ہراساں — ہے بعد بھی رنج کے خوشی کا ساماں
بھولے نہ کبھی خوشی میں غم کو انساں — غم میں نہو مایوس خوشی سے زنہار

وہ غم ہے بڑا غم جو پس راحت ہو — نکبت ہے وہ عسرت جو پس عشرت ہو
ہو بعد طرب غم تو بڑی زحمت ہو — اقبال کے بعد آئے نہ یارب ادبار

ثروت سے اگر آئے نہ فرعونیت — دولت سے ملے راحت عیش وعشرت
راحت میں اگر رہے خیال زحمت — عسرت ہو کہ عشرت ہو رہے دلکو قرار

دنیا میں سبق جو رنج وغم دیتا ہے — تادیب ایسی زمانہ کم دیتا ہے
غم کف میں ہمارے جام جم دیتا ہے — کہتا ہے کہ سرشار نہ ہونا ہشیار

غم ہی سے رموز حق کے ہوئے ہیں عیاں — تاریکیٔ جہل اس سے ہوتی ہے نہاں
غم ہی میں سمجھتی ہے یہ روح انساں — کرتا ہے خدا حالت غم میں اسے پیار

غم ہمکو سکھاتا ہے کہ ہستی کیا ہے — کیا چیز ہے ہوش اور مستی کیا ہے
باطل کیا اور حق پرستی کیا ہے — یہ غم ہی صداقت کا ہے اعلیٰ معیار

آجا تو مرے دل میں مرے غم آجا — آجا اے رشک ساغر جم آجا
دل تیرا ہی گھر ہے اسمیں یکدم آجا — کردے تو ہمیں طرب سے مجھکو سرشار

محمد احمد خاں برق

پیری

طفلی ہو جوانی ہو ہنگام ہے غفلت کا — ہے کوکب بیداری پیر یکلہ ہے کیا کہنا
وا چشم خرد کرکے دیکھو تو کھلے گا راز — اک چشمہ جوانی ہے پیری ہے مگر دریا
دیکھو تو جواں اکثر مشغول ہیں عشرت میں — ہیں پیر مگر محو ذکر صفت مولےٰ
پیری کے زمانہ میں ثابت قدمی سیکھی — جو مرضئ مولیٰ ہے سب سے ہے وہی اولےٰ
افسوس جوانوں کو معلوم نہیں کچھ بھی — لیتے ہیں مزہ جو ہم پیری میں جوانی کا
گرداب جوانی سے ساحل پہ بچا لائی — اب کنج فراغت ہے غرقاب کا کیا کھٹکا
پیری کا زمانہ ہے آرام ہے راحت ہے — کیا عہد جوانی نے آفت میں پھنسایا تھا
جب تک کہ جوانی تھی ناتجربہ کاری تھی — عقل آئی ہے پیری میں یہ عہد ہے راحت کا
چلتی نہیں پیری کچھ افسوس جوانی کی — پیری کے زمانہ میں کیا زور جوانی کا
طفلی ہو جوانی ہو یا عالم پیری ہو — سمجھو نہ حیات اُسکو جو شے ہے حباب آسا
تم مست سے بن جاؤ اللہ کے ہو جاؤ — ہو جاتا ہے وہ اُس کا ہو جاتا ہے جو اُسکا

حکیم نوازش علی مست۔

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
بزم تاج	مدیر	۱
بسم اللہ الرحمن الرحیم	مدیر	۱
جذبات عیش	مولوی عبد الحفیظ خانصاحب عیش کل محبوبنگر	۸
ابن طفیل	عالیجناب نواب آیر یل نواب علاء الملک بہادر مجیب الدولہ	۹
میرا رام کہاں ہے	رفیق مدیر	۱۱
آرزوا	علامۃ الدہر عالیجناب مولانا سید محمد حسین صاحب	۱۳
خیالات آزاد	جناب مولوی سید محمد حسین صاحب آزاد	۱۶
نقود اسلامیہ	شمس العلماء حکیم سید اللہ صاحب ناظم دینی ایم اے (کیمبرج)	۱۷
صنف نازک	جناب مولوی محمد عبد الرزاق صاحب کمبل۔	۳۷
کلام غیر مطبوعہ	عالیجناب نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی	۴۳
اصول اخلاق	ادیب فاضل جناب سید منظر علیصاحب	۴۳
جذبات ضامن	عالیجناب مولانا سید محمد ضامن صاحب کنتور پدر الملک	۴۸
دنیا	عالیجناب نواب مولوی محمد عبد الرحمن بیگ صاحب مولوی فاضل	۴۹
محمد	ناظم الاخلاق عالیجناب نواب اخلاص یار جنگ مصطفےٰ صاحب	۵۳
آزمیکدہ پیشوا	عالیجناب مولوی حکیم نورالحسن صاحب	۵۴
شاعری	عالیجناب مولانا سید احمد حسین صاحب امجد	۵۵
موسم گرما	سخن آذری عالیجناب مولانا سید فرید الدین صاحب	۵۶
جستجوئی الفت	سحر بیانی محمد احمد خان صاحب برنی	۵۹
ریختی	عالیجناب عابد مرزا صاحب بیگ وبیغم لکھنوی	۱۱
روح ادب	غزلیات مشاعرۂ عالیجناب تاج صاحب	۱۳

بزم تاج

الحمد للہ تاج کا دوسرا نمبر ناظرین کیا جارہا ہے اس نمبر میں حتی الوسع کوشش کی ہے کہ دوسرا نمبر پہلے نمبر سے زیادہ کامیاب ثابت ہو۔ فراموشی ہوگی اگر ہم اُن حضرات کا شکریہ ادا نہ کریں جنہوں نے اس فرقہ تاج کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر ملکی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔ تاج اصحاب مولوی سید وزیر علیصاحب مہتمم کو کفیل و ضلع عادل آباد و مولوی سید فرید الدین صاحب تحصیلدار و مولوی سید سردار الدین صاحب منتظم پولیس ضلع و مولوی سید سراج الدین صاحب مالک مطبع سرکار عالی و مولانا عابد مرزا صاحب بیگ سنجی کو و مولوی شاہ علیخاں صاحب امید و مولانا ہوی نواز علیم ہیں جنہوں نے تاج کو کامیاب بنانیکا تہیہ فرمایا ہے۔ کاش اور دیگر اصحاب بھی اپنے فرائض سے باخبر ہو کر متوجہ ہوجائیں تو بہت ممکن ہے کہ رسالۂ تاج درحقیقت علمی تاج سلسلہ ہو ہم یہ دل سے معاونین مذکورۂ بالا کے شکر گزار ہیں

یہ تاج کی خوش قسمتی ہے کہ مولانا سید مختار احمد صاحب و مولانا سید غلام مصطفےٰ صاحب نے بزم تاج کی زینت قبول فرمائی ہے وہ بھی تاج کے لئے ساعی جمیلہ فرمارہے ہیں اور مولوی ابو المکارم سید انوار اللہ صاحب بی اے مدیر ترقی نے بھی حتی الامکان تاج کو کامیاب بنانے اور ہمارا ہاتھ بٹانے کا وعدہ فرمالیا ہے جسکو ہم ترقی تاج کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں اور آپ سے بہت سارے توقعات وابستہ کر چکے ہیں اور مولانا حضرت سید کاظم علیصاحب بلغ کے اُن امید افزا اور حوصلہ افزا الفاظ کو ہم تاج کے لئے فال نیک خیال کرتے ہیں جو آپنے بروقت ملاقات ہر طرح سے تمکنہ امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔

چند روز ہوئے میسرز مٹرای ای اسپیٹ ادیب انگریزی و پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ نے بعض ارکان بزم تاج (مولانا سید مختار احمد صاحب و سید غلام مصطفےٰ صاحب وغیرہ) کو اپنے بنگلہ پر مدعو فرمایا تھا۔ جس میں تفریح کا معقول انتظام تھا چنانچہ یہ حضرات مکالمہ رسی کے کئی گھنٹے تک مباحث علمیہ میں مصروف رہے محبت بلطف رہی۔ مولانا سید مختار احمد صاحب نے جو ہزار ہا انگریزی الفاظ کو عربی الا

بت کیا ہے ان کو پکچر پر فیسر صاحب موصوف نے بڑے مسرت کا اظہار فرمایا اور یہ بھی خیال ظاہر فرمایا کہ آپ کی لسانی و فلکی تحقیقات کو میں اپنے مقالات انگریزی میں شایع کروں گا۔ مولانا ذہین کی اخلاقی نظموں کا مفہوم انگریزی میں سنکر بڑی تعریف کی اور اپنی چھ انگریزی نظمیں عنایت کیں جنکو مولانا ذہین صاحب نظم فرما کر مجلۂ تاج میں عنقریب بغرض اشاعت سرفراز فرمائیں گے عہب ممدوح جاپانی تمدن سے بخوبی واقف ہیں آپ کو جاپانی زبان سے بڑی مکھیپی ہے۔ مولانا ید مختار احمد صاحب ایک اسلامی افریخ کی تحقیق میں برسوں سے مشغول ہیں چین کے متعلق بھی کسی قدر اسلامی معلومات حاصل کئے ہیں لیکن جاپان کیحالات طامی سے آپ بیخبر ہیں جنکی نسبت ادیب ممدوح نے امداد و اعانت کا وعدہ و اثق فرما کر مطمئن کر دیا ہے ادیب پروفیسر ممدوح نگریزی کے علاوہ جو آپ کی مادری زبان ہے اور جن کے مضامین نظم و نثر لکھنے میں آپنے شہرت حاصل کی ہے یورپ کی لثر زبانوں سے بخوبی واقف ہیں تصریحاً اتنا کہنا کافی ہے کہ آپنے یونانی و لاطینی دونوں قدیم زبانوں کی تعلیم جامعات فرنچیہ یورپ و ہیں یونیورسٹیز) میں پائی ہے اسوجی (سویدی) نروجی (نروجی) و اینمرقی سے (غالباً کسیبی رشتوں کے باعث) واقفیت ائے سفر نسی۔ المانی و روانی کو علمی زبانیں ہونیکی وجہ سے پڑھنا پڑا۔ اسکلینڈی (اسلینڈ کی زبان جو اوض خضرا گرین لینڈ) و جزائر برطانیہ کے مابین واقع ہے) مطالعہ کتب کے ذریعہ حاصل کی۔ سولیسری۔ ہولندی (ڈچ) بلجیقی۔ اسپانی۔ پرتغالی۔ پرگالی) ایطالی وغیرہ کی قلیل واقفیت تعمق و تطبیق السنہ کی ضرورت رفع کرسکتی ہے ترکی کتب کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ زبان بخوبی معلوم ہوتی ہے فی الحال آپ اردو زبان سیکھ رہے ہیں عربی زبان کا آپکو بہت شوق ہے نکو سے مترشح ہوا کہ بشرط مساعدت زمانہ آپ اسکو ضرور حاصل کریں گے۔ زمانہ سابق میں آپنے شہرہ آفاق اکسفورڈ ڈکشنری کی بین و تالیف میں بہت کچھ حصہ لیا ہے فی الحال آپ و نہایت اہم لسانی مباحث میں مستغرق ہیں (۱) دراوڈ (اردی تامل ی کنڑی تیلگو۔ تولو۔ براہوئی وغیرہ) زبانوں اور جاپانی زبان میں نحوی مطابقت (۲) ملقاشی (یعنقشقر کی زبان افریقہ شرق کو ایک بڑا جزیرہ ہے) اور جزائر ہند شرقی کی زبانوں میں کامل اتحاد و مماثلت ہے علمائے طبقات الارض نے بحر ہند کا عرض منخفض کو تسلیم کرلیا ہے یعنے جس مقام پر فی الحال بحر ہند واقع ہے کسی قدیم زمانہ میں وہاں خشکی تھی جو اب بحر ہو گئی ہے انسان کا مکسب سے پہلا مولد و موطن (میسیپاٹ) جزیرہ جاوا سمجھا جاتا ہے۔ یہیں ہند (دن ماین نمر) ن محرائی نے ارتقائے تدریجی کے اصول کے موافق سیاہ آدمی کا جنم لیا۔ پھر اسکا انتشار تمام جزائر لے (ملایا) کے ہر عرض منخفض (دھسی ہوئی زمین) کی راہ افریقیہ وغیرہ میں نقل مہاجرت کرتا رہا حتی کہ عمل انتقال و انکشاف ارضی سے رہ بالا پست زمین کی جگہ بحر ہند پیدا ہو گیا اور مواصلات بریہ کا خاتمہ ہو گیا اس طرح سیاہ فام قوم کی دو بڑی فرع یں اول جزائر لے کی حبشی وش (اقزام) باشندے دوسرے افریقیہ کے حبشی لیکن اسپٹ صاحب فرماتے ہیں ہم کو عرض منخفض کے فرض کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ جزائر بحر ہند اور بحر کاہل کے باشندے خواہ کتنے ہی وحشی کیوں ں، قدیم الایام سے فن تجارت (کشتی رانی) میں بڑے ماہر ہوتے رہے ہیں۔ یہ لوگ معمولی کھلی کشتیوں میں دیڑھ دو ہزار کا سفر مثلاً جزائر ملاجین (سموا) اور جدید زیلینڈ کے مابین) بآسانی کرسکتے ہیں اس اتحاد و اختلاط کو بخوبی ممکن ہے ہم جناب ب انتساب نواب مسعود جنگ بہادر نائب تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کے مشورہ اعانت میں کہ جناب ممدوح نے اپنے سفر ی میں ایسے وسیع النظر جید ادیب اور مسلم الثبوت شاعر و لسانی کا انتخاب کرکے ان کو مستفیض ہونیکا موقع دیا۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس نمبر میں ہمارے نیز مدیر جناب گہنا تہہ راؤ صاحب ورد کی دفعتہً انتقال کی وجہ سے قصہ درج نہو سکا جسکا اکثر احباب کو سخت اصرار ہے صاحب موصوف فسانہ گگاری میں ید طولی رکھتے ہیں اور آپ کی اعلیٰ خیالی

اور جدت مضامین کی جان ہوتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ اسکی تلافی کردیں گے۔ تاہم ایک مرہٹی مضمون کا ترجمہ جو آپنے نہایت عمدگی سے ترجمہ فرمایا ہے اس نمبر میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ آخر میں ہم اپنے لایق رفیق کے لئے دعا کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اُن کو صبر جمیل کے علاوہ نعم البدل سے سرفراز فرمائے۔

اس نمبر میں حسب ذیل مضامین نظم و نثر ہیں جو اپنے اپنے رنگ میں درخور ستایش ہیں امید ہے کہ ناظرین تاج کے لئے باعث

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ مضمون سابقہ نمبر کے مضمون کا تتمہ ہے جسکو نیاز مند مدیر تاج نے کوشش کر کے شعرائے متقدمین و متاخرین کی طبع آزمائیوں کو مجتمع کیا ہے۔

ابن خلیل عالیجناب فضائل مآب آزیبل نواب عماد الملک بہادر سمیع القابہ کی تحقیق اور زور قلم کا نتیجہ ہے جو ہمارے استدعا بذریعہ مولانا سید مختار احمد صاحب ہمیں سرفراز فرمایا گیا ہے آپ کے عالمانہ مضامین تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں اور ہر ایک سر قابل ہیں کہ ہندوستان بھر کے ہر ایک پرچہ میں شایع کئے جائیں اور ملک اُن سے متمتع ہوتا رہے ہمیں امید ہے کہ آپ کی نوگرامی تاج پر ہمیشہ مبذول رہے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم متوقع ہیں کہ نیز عالیجناب نواب مہدی یار جنگ بہادر جنہوں نے اپنے فاضلانہ مضامین سے دیگر رسائل کو ممتاز فرمایا ہے ہمارے رسالہ تاج کو بھی اپنے بے بہا مضامین سے سرفراز و مفتخر فرمائیں گے۔

میرا رام کہاں ہے یہ مضمون مرہٹی کا ترجمہ ہے جسکو رفیق مدیر رسالۂ تاج رگھناتھ راؤ صاحب درد نے خاص تاج کے لئے ترجمہ فرمایا ہے اسکی جدت اور خوبی پڑھنے کے بعد ناظرین خود تسلیم کریں گے۔

ادمو عالیجناب عدالۃ اللہ ہز ہولائنیس مختار احمد صاحب رکن خصوصی بزم تاج کی تحقیق کا ایک چھوٹا سا کرشمہ ہے جو نہایت قابلیت سے دکھلایا گیا ہے آپ کا خیال ہے کہ آپ ایسی اسلامی سلطنتوں اور نادر الوجود تحقیقاتوں سے ناظرین تاج کو روشناس کرائیں جو ہمیشہ کم دیکھنے اور سننے میں آئی ہوں گی۔ غرضکہ یہ مضمون جو ایک اسلامی سلطنت کی تحقیق سے متعلق ہے نہایت دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

خیالات آزاد ہمارے قدیم دوست مولوی سید محمد حسین صاحب آزاد نے ہمیں ایک ذخیرہ اپنی نظموں کا جو ظریفانہ رنگ میں بہترین اصول لئے ہوئے ہے ہمیں سرفراز فرمایا ہے آپ تاج کے قدیم معاون فعلی ہیں اور حضرت اکبر الہ آبادی کے رنگ میں آپ کی نظمیں بھی بمقبول عام ہیں غرضکہ آپکا کلام بہترین اور خیالات ظریفانہ رنگ لئے ہوئے زرین اصول پر مبنی ہیں ہمارے گمان کی تائید کیوجہ سے ہم نے چند خیالات آپ کے شایع کئے ہیں جو باعث تفنن ناظرین ہونگے انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ آپ کے خیالات کو اور اس سے زیادہ وسعت دیں گے۔

نقود اسلامیہ یہ طویل مضمون ہمارے قدیم عنایت فرما شمس الواعظین مولوی حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایس۔ کی پُر زور تحقیق کا نتیجہ ہے جو آپنے بڑے سے بڑے سکوں کی نسبت فرمائی ہے غرضکہ یہ مضمون امتیاز اور دلچسپی سے کم نہیں ہے ناظرین جس سے بحد محظوظ ہوں گے آپکو ملک سے روشناس کرانے کی اس وجہ سے ضرورت نہیں آپ ایک مشہور عالم آثار قدیمہ سلسلہ ہیں اور آپ کے کئی مضامین چوٹی کے اردو رسائل میں طبع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں آپ ایک غیر معمولی قابلیت کے فرد فرید ہیں اور جدت پسند محقق ہیں ہمیں امید ہے کہ آپ کی نظر عنایت تاج پر رہیگی ہم سے آپنے وعدہ فرمایا ہے کہ اس قسم کے اور دوسرے سکہ جات پر بھی آپ روشنی ڈالیں گے جو کئی نمبروں میں شایع ہوتے رہیں گے۔

مصنفِ نازک میں ہمارے دوست مولوی محمد عبدالرزاق صاحب شبل نے بعض چھکا اور فلاسفر کے چیدہ چیدہ اقوال جمع کر کے ایک مضمون کی شکل بنا دیا ہے اسمیں جتنے چیدہ اقوال مندرج ہیں اتنے زیادہ حصہ مصنف نازک کے مخالف اور کم مصنف نازک کے موافق ہے اقوال درمسل دلچسپ ہیں اور ہر ایک حکیم اور فلاسفر کے تجربہ کا لب لباب ہے

کلام غیر مطبوعہ حضرت نظم ہماری فرمایش پر ملک کے مشہور سایۂ نازوہ افتخار مسلم الثبوت جید عالم و فاضل اہل مولانا سید حیدر صاحب نظم طباطبائی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر نے اپنا کلام غیر مطبوعہ ہمیں سرفراز فرما کر مفتخر فرمایا ہے جسے آپ کے مضامین پر خامہ فرسائی کرنا یا اسکی تعریف کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا کا مصداق ہے۔

قول اخلاق کی یہ دوسری قسط ہے جسکو ادیب فاضل مولوی سید منظر علی صاحب اظہر نے افعال ارادی اور ان کے اچھی قبیح کو نہایت ہی فاضلانہ اور عالمانہ طریقہ پر ثابت کیا ہے ابھی اسکی دو قسطیں اور ہیں جو آیندہ شایع ہوتی رہینگی

ثابت ضامن ہمارے قدیم محسن عالیجناب مولانا مولوی سید محمد ضامن صاحب ضامن کنتوری کے پیش بہا افکار تازہ کا کلام ہے جو خاص تاج کے لئے لکھے گئے ہیں ہماری زبان جبکا شکریہ ادا کرنیسے قاصر ہے۔

ریا۔ یہ مضمون جناب مولوی مرزا عبدالرحمن بیگ صاحب نے عنایت فرمایا ہے جو ہمارے قدیم محسن اور فاضل مون نگار ہیں قارئین کرام کو اس مضمون کے ملاحظہ سے واضح ہوگا کہ یہ مضمون کس قدر بہتر اور مفید ہے صاحب وف نظم و نثر مضامین کے لکھنے میں نہایت مشاق ہیں اور آپ عربی فارسی کی اعلیٰ قابلیت رکھتے ہیں۔

ر یہ نظم عالیجناب ناظم الاخلاق مولانا ذہین صاحب کی ہے جن کے مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

نیکدہ پیروں شعرا مولانا مست صاحب نے حضرت حافظ علیہ الرحمہ کے مشہور شعر (چوں پیر شدی حافظ الخ) پر اخلاقی اشعار ضبط تحریر لکھے ہیں جو قابل دید و لائق داد ہیں۔

شاعری مولانا امجد صاحب نے یہ نظم باجی کی بحر میں کہی ہے جسمیں شاعری کی حقیقت کو بتایا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ اچھی کیسی متہم بالشان ہستی ہے مولانا نے موصوف صاف ستھرے مضامین نظم و نثر لکھنے میں نہایت مشاق ہیں اور ہ نام نامی سے علمی دنیا خوب واقف ہے۔

ہم گرما ہماری فرمایش پر سخن آفرین مولانا یکتا نے یہ نظم مرحمت فرمائی ہے اس موسم گرما کی جیسی تصویر کھینچی گئی قارئین کرام اسکو ملاحظہ فرما کر داد دیئے بغیر نہ رہیں گے۔

نوک الفت سحر بیان جناب برتر صاحب نے یہ نظم اپنے بہترین پیرایہ میں لکھی ہے مضامین فلسفیانہ ہیں اور نوک الفت کا نتیجہ نہایت مفید نکالا ہے آپ کی یہ نظم بھی قابل تعریف ہے۔

غزلیات اس عنوان کے تحت میں جناب عابد مرزا صاحب متخلص بہ بیگ کی دو غزلیں درج ہیں۔ مرزا صاحب اپنے کم سنی کے اس زمانہ میں بے نظیر شاعر ہیں اس لئے آپ کا وجود مغتنمات سے ہے آپ کی ان دو غزلوں کے بعد خود ناظرین کرام معترف ہوں گے کہ جان صاحب کے بعد رتھی کے مردہ جسم میں اگر جان ڈالی ہے تو مرزا صاحب ہی نے ہم متوقع ہیں کہ مرزا صاحب اپنے کلام سے اس سارکو زینت دیتے رہیں گے۔

ادب اس عنوان کے تحت میں جن حضرات کی غزلیں درج کیگئی ہیں وہ مطلع و کہنہ مشق فاضل شعرا ہیں جناب باغ صاحب نکاں پر شاعر منفرد فرماتے ہیں جسمیں مخصوص شعرا شریک کئے گئے ہیں مندرجہ غزلوں کے مطالعہ پر ناظرین کرام خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ ان کی شوکت پایہ کے ہیں ہم جناب باغ صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنے خاص شاعرہ کی غزلیں ازراہ عنایت ہمیں عطا فرمائیں اور آیندہ بھی عطا کرنیکا وعدہ فرمایا ہے جنکو "روح ادب" کے عنوان کے تحت ہم ہر مہینے شکریہ کیساتھ درج کیا کرینگے۔

ہدیہ

کے گذشتہ نمبر میں ہمارے دوست مولوی مرزا حسینی بیگ صاحب شاذ دہلی نے عنوان بالا پر ایک بیش بہا مضمون تحریر فرمایا ہے اور اسکا اختتام معدودے چند شعرا کی طبع آزمائیوں پر کیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس متبرک مضمون کو اور وسعت دی جائے اور دیگر شعرائے متقدمین ومتاخرین کو جو باقی رہ گئے ہیں، علمی دنیا کے روبرو پیش کیا جائے۔ ممکنہ کوشش سے ہم نے چند اشعار جمع کئے ہیں یقین ہے کہ دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

دوسرے اہل قلم حضرات بھی اس عنوان پر تحقیق فرمائیں تو کیا عجب ہے کہ ایک بڑا ذخیرہ حمد الٰہی کا جمع ہو جائے اور وہ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہیں یہ پہلا مضمون مرزا صاحب موصوف کا تمہیدی حیثیت رکھتا ہے اس کے بعد کے تمام تحقیقاتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس متبرک مصرعہ پر جن جن شعرا نے گرہ لگا کر سعادت حاصل کی ہے اس سے ایک کتاب مرتب ہو سکے گی۔

مثنوی مخزن الاسرار جو امام مثنوی گویان حضرت نظامیؒ کی تصنیف ہے جسکی ابتدا آپ نے اس شعر سے فرمائی ہے حضرت نظامیؒ وہ پہلی ہستی ہیں جنھوں نے اس متبرک پہلو پر نظر ڈالی ہے اور اس مبارک مصرعہ پر گرہ لگا کر سعادت حاصل فرمائی اور ایک آیۂ متبرکہ کو زبان فارسی کے پہلو میں بٹھایا ہے ابراہیم قوی شارح مخزن الاسرار کا یہ خیال بجا ہے کہ اس سے پیشتر اس بحر میں اور کوئی دوسری کتاب

تصنیف نہیں ہوئی۔ شیخ نظامی نے یہ کتاب سلطان بہرام شاہ ابن داؤد شاہ کی استدعا پر تصنیف فرمائی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہست کلید در گنج حکیم

کمال خجندی نے مولانا کے مصرعۂ دوم کی نہایت عمدگی سے تضمین کی ہے۔

کرد حکیمے ز نظامی سوال کاے بسر گنج معانی مقیم
ہست در انگشت کمال آں قلم یا کہ عصای است بدست کلیم
گفت قلم نیست عصا نیز نیست ہست کلید در گنج حکیم

ابراہیم عادل شاہ ایک دفعہ حالت خمار میں کہنے لگا کہ "مارا کیفے نورسیدہ" اسوقت اُسے اس جملہ کا لفظ "نورس" اسقدر پسند آیا کہ ہر ایک مرغوب طبع چیز کا نام "نورس" رکھدیا ایک شہر بسایا اور اُسکا نام "نورس پور" رکھا اور مہر اور سکہ پر اپنے نام کے بجائے نورس نقش کرایا۔ اور اپنی محبوبہ بی بی کا نام بھی نورس بی بی رکھا موسیقی میں خود بادشاہ نے ایک کتاب لکھی اور اسکا نام "کتاب نورس" رکھا علم و نشان کا بھی "علم نورس" و "نشان نورس" رکھدیا۔

اس کتاب پر ملا ظہوری نے ایک دیباچہ لکھا تو اسکا نام بھی دیباچہ نورس رکھا گیا جب کسی مہینہ کی نویں تاریخ کو جمعہ آتا تو اس کو بادشاہ عید کے نام سے موسوم کرتا تھا اور اس عید کا نام اسنے عید نورس رکھا یہ لفظ اس زمانہ میں اسقدر مقبول عام ہوگیا کہ ہر ایک کے نام پر جاری و ساری ہو گیا یہاں تک کہ محمد قاسم فرشتہ نے جب اسکی تاریخ ختم کی تو اسکا نام نورس نامہ رکھا اور اسکی ابتدا بسم اللہ کے بعد لفظ نورس سے کی اور یہ گرہ لگائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نوریں بستان کلام قدیم

مولانا جامیؒ در تحفۃ الاحرار بجواب مخزن الاسرار۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہست صلائے سرخوان کریم

در دیباچۂ دیوان اول (فاتحۃ الشباب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اعظم اسمائے علیم حکیم

در دیباچۂ دیوان دوم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم طرفہ خطابے است ز سفر قدیم

امیر ہاشمی کرمانی در مظہر الآثار بجواب مخزن الاسرار۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فاتحہ آرائے کلام قدیم

غزالی مشہدی۔ در دیباچہ دیوان خود موسوم بہ "آثار الشباب"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہست شہاب از پئے دیو رجیم

ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ غزالی نے اپنے ایک دوست کا یہ سجع کہا ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وارث ملک است محمد حکیم

فیضی در مرکز الادوار بجواب مخزن الاسرار۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم گنج ازل راست طلسم قدیم

کاتبی در گلشن ابرار۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تاج حکومت و کلام قدیم

حسن دہلوی در تحفہ میمونہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — کردخدا رحمتِ خود را عمیم

ثانی کتلو — در مثنوی مدح شاہ عباس۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ماہچۂ رایتِ امید و بیم

ملک قمی — در منبع الانہار بجواب مخزن الاسرار۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — اہدنا الصراط المستقیم

شفائی اصفہانی — در دیدۂ بیدار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — تیغ الٰہی است بدستِ حکیم

طلائیہ در دولتِ بیدار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آمدہ سرچشمۂ فیضِ عمیم

زلالی خوانساری۔ دیباچۂ مثنویات سبعہ سیارہ یا ہفت آشوب میں یہ چار مصرعے لکھے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نصّ صحیح است وکلامِ حکیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — پنجۂ اعجاز وعصائے کلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — سرو بہ پوشش ریاضِ نعیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ابروی خوش وسمۂ حسنِ قدیم

زلالی نے مثنوی حسن گلوسوز کی ابتدا اس شعر سے کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ارہ کش تارک دیو رجیم

یہ شعر بھی زلالی کا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — مطلع دیباچۂ نظمِ قدیم

سلیم طہرانی ۔ در مثنوی سلیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم — ہست عصای رہِ طبعِ سلیم

الٰہی ہمدانی ۔ در مثنوی الٰہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — قافلہ سالار کلامِ قدیم

ادہم صفوی ۔ در مثنوی ادہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم — راہ حدیث است بسوی قدیم

محمد باقر صفا ۔ در مثنوی صفا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — ہست عصائے رہِ امید و بیم

محمد عبد الرؤف وحید ۔ در مثنوی تاج سخن۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — تاج سخن راست چو دُرِّ یتیم

در عنوان رسالہ تحفۃ الحاج۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — کعبۂ جان و دلِ اہل نعیم

عبد الرحیم تمنا ۔ در مثنوی مشرق الانوار۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — ہست علاج از پے قلبِ سقیم

عبد الحلیم عاصم ۔ در مثنوی چارۂ بیمار۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — حرف نخست است ز نظمِ حکیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم — خال رخ آرای عروسِ قدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم — گیسوی مشکین نگارِ قدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم — زلف گرہ گیر عروسِ قدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — گوہر یکدانۂ درجِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نغمہ مرغانِ ریاضِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ہست زگلزارِ الٰہی شمیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — مخزنِ اسرارِ خدائی کریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — درغم واندوہ مصیبت ندیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — غنچۂ سربستۂ رازِ حکیم

علاء الدولہ قزوینی نے اپنا تذکرہ نفایس المآثر اس شعر سے شروع کیا ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — مطلعِ انوارِ کلامِ قدیم

عبد الاحد وحدت نے سترۂ دیوان کو اس شعر سے مزین کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — دسمۂ ابروئے عروسِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — گوہرِ اکلیلِ عروسِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — مصرعِ برجستۂ نظمِ قدیم

خواجہ اسد اللہ کوکب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ہست کلیدِ درِ فیضِ کریم

ذوالفقار علی معنی مرشد آبادی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — خال وخطِ شاہدِ نظمِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — مدِّ تفاصیلِ حسابِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — حاصلِ ہر چار کتابِ قدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — فیہ شفاءٌ لفوادٍ سقیم

شاہ امین احمد بہاری۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آیتِ اول زکتابِ کریم

سید محمود آزاد و شیدا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — زینتِ عنوانِ کتابِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — لوحِ طلسمِ سرِ گنجِ کلیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آیتِ الطافِ خدائے کریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — رہبرِ گنجینۂ فیضِ عمیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — پردہ کشائے رخِ حسنِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نوگلِ گلزارِ ریاضِ نعیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ہست دلیلِ رہِ گنجِ کریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — خالِ رخِ افروزِ جمالِ قدیم

معراج الدین واصف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — مفتاح الباب لکنز الحکیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ہست نمک برسرِ خوانِ کریم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — دُرِّ گرانمایۂ بحرِ قدیم

محمد اشرف خاں اشرف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — غازۂ رخسارِ عروسِ قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ہست نسیمے زریاضِ نعیم

آخر میں نیاز مند وفادار یہ تاج مناسب سمجھتا ہے کہ اس سعادت میں شریک ہو لہذا اُس کی بھی چند گرہیں جو اس مصرعِ مقدس پر ہیں درج ذیل ہیں :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم — ہست دُرِ تاجِ کلامِ قدیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم — گوہرِ دریائے کلامِ حکیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم — زینتِ قرآنِ خدائے کریم
بسم اللہ الرحمن الرحیم — رہبرِ گمرہ بہ رہِ مستقیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم — نغمۂ اوصافِ خدائے علیم

مدیر

جذباتِ عیش

آنکھیں غیرت کی بند ہو جائیں — قبر میں جا کے لوگ سو جائیں
عورتیں ہو گئی ہیں بے گوشہ — مرد گوشہ نشین ہو جائیں

پڑھنے کو جا کے بچے یورپ میں بس رہے ہیں — دو دو برس کو جا کر دس دس برس رہے ہیں
میں امتحاں کا نقشہ تم سے بیاں کروں کیا — بی ہو گئی ہیں بی۔ اے لڑکے ترس رہے ہیں

عورتیں پڑھ کے جو ہو جائینگی بی اے میں پاس — اور عدالت میں وہ فرمائینگی اگر اجلاس
عیش اسوقت چلیگی یہ وکالت کیسی — حالت خود بنگر قوت خود را بشناس

عبدالحفیظ خاں عیش

ابن طفیل

کا انتخاب فضائل مآب آنریبل نواب عماد الملک بہادر جمیع الفقا

ابن ابی اصیبعہ اپنے طبقات اطبا میں ابن طفیل کا ترجمہ ترک کر گیا ہے مگر ابن خطیب نے کچھ احوال اسکا لکھا ہے ابو بکر بن عبد الملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی وادی آش میں متولد ہوا۔ وادی آش ایک بڑا شہر ہے اعمال غرناطہ سے جس کو وادی الاشات بھی کہتے ہیں اس بستی کی آب و ہوا کو مذاق ادب و شاعری سے بڑی مناسبت تھی اور یہاں کے باغات اور ندیاں بہت پر فضا تھیں۔ ابن طفیل تحصیل علم کے بعد تھوڑی ہی عمر میں والی غرناطہ کا کاتب یعنے معتمد (سکرٹری) مقرر ہوا اور وہاں سے نکل کر یوسف بن عبد المومن کے دربار میں خدمت طبابت اور بعد چندے منصب جلیل وزارت سے سرفراز ہوا اپنے قرن کے سرآمد اطبا میں اس کا شمار تھا۔ ریاضیات اور ہیئت میں اس کو بڑا ملکہ تھا۔

اس حکیم نے ۵۸۱ھ مطابق ۱۱۸۵ء و ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں مقام مراکش میں وفات پائی۔ لوئیس اپنی تاریخ فلسفیات میں لکھتا ہے کہ امیر یعقوب المنصور باللہ خلف امیر یوسف اس کے جنازے کے ساتھ گیا اور اس کی موت کا بڑا غم کیا وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ابن طفیل جس قدر ابن باجہ کا ممنون احسان اور ہمیشہ ثناخواں رہا اسی طرح ابن رشد جس کو ابن طفیل نے بادشاہ وقت تک پہنچایا تھا

تمام عمر ابن طفیل کا احسان مانتا رہا اور اس کی مداحی کرتا رہا۔ ان بزرگواروں کے دلوں میں دستور زمانہ کے خلاف کبھی بغض و حسد کا گزر نہ ہونے پایا۔ لوئیس کا قول ہے کہ یورپ کے علما میں یہ بات مشہور تھی کہ ابن طفیل نے نظام بطلیموسی کو رد کیا ہے اور ایک دوسرا نظام ایجاد کیا ہے ابن رشد اپنے شروح میں اس جدید طریقۂ عمل کا ذکر کرتا ہے۔ مگر اس کے قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن طفیل نے یہ تفصیل اس مسئلہ پر کوئی رسالہ نہیں لکھا اگرچہ ہمیشہ لکھنے کا قصد کرتا رہا۔ ابن طفیل کی رائے یہ تھی کہ فلک الافلاک ثوابت کے اوپر اور بالکل خالی ہے اور اسکو ایک ہی حرکت ہے یعنے مشرق سے مغرب کی جانب اسی کی حرکت سے جملہ افلاک کو مشرق سے مغرب کی جانب حرکت ہوتی ہے مگر جو فلک الافلاک سے بعید تر ہے اسکی حرکت بھی زیادہ بطی ہے اور جس قدر قریب تر ہے اسی قدر حرکت بھی زیادہ سریع ہے کیونکہ قریب کو بہ نسبت بعید کے اصل محرک یعنے فلک الافلاک کی حرکت کا اثر زیادہ پہنچتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس بعید کو بہ نسبت قریب کے کم اور یہی وجہ تفاوت حرکت کی ہے کسی دوسرے متضاد الجہۃ حرکت کے فرض کر لینے کی حاجت نہیں ہے ہر فلک کے قطبین فلک مافوق کے قطبین سے ہٹے ہوئے ہیں اور ہر فلک باتباع حرکت فلک مافوق اپنے محور پر یومیہ حرکت کرتا ہے یہ دونوں حرکتیں مجتمع ہو کر ایک طرح کی لولبی شکل پیدا کرتی ہیں جس کے سبب سے ستارے شمال یا جنوب کی جانب جھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ابن طفیل کی تصنیفات میں کتاب حیّ بن یقظان نے بڑی مقبولیت

پائی۔ ایک مرتبہ اصل عربی معہ ترجمۂ لاطینی ۱۶۷۱ء میں طبع ہوئی اور پھر دوسرے بار ۱۶۷۲ء میں چھاپی گئی۔ تین مرتبہ انگریزی زبان میں اور دو مرتبہ جرمن میں ترجمہ ہوا۔ اس رسالہ میں ابن طفیل ایک فرضی قصہ لکھتا ہے اور اس کو بعض مطالب فلسفی ادا کرنے کا ذریعہ گردانتا ہے ؎

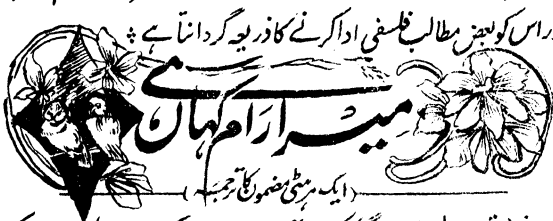

میرا رام کہاں ہے

(ایک مرہٹی مضمون کا ترجمہ)

آنکھیں منتظر تھیں، دل بیقرار تھا، گنگا کنارے آشرم سونا تھا، وہ رکتے ہوئے دلسے مینے پوچھا کہ

میرا رام کہاں ہے

پہاڑ اور اُس کے عجیب و غریب پتھر، زمین اور اُس پر اُگے ہوئے گھانس کے ننھے اور ہرے پودے نظر فریب، رنگارنگ کے گل بوٹے خاموش تھے۔ ذرّے ریت میں چمک رہے تھے، شبنم آنسو بہا رہی تھی، طلوع ہونیوالے سورج کی کرنوں سے پوچھا کہ

میرا رام کہاں ہے

اس پریم بھرے نام سے جنگل گونج گیا۔ درخت کے پتے کھڑکھڑانے لگے ہری گھانس کے تنکے اور ننھے پھول کے درختوں نے حسرت سے شبنم کو زمین پر گراتے ہوئے میری آواز کو دُہرایا کہ

میرا رام کہاں ہے

مقدس گنگا اور اُسکا نرمل جل، نیم سحری کے راگ پر ناچنے والی موجیں، پتھروں کی چٹان سے اچھل اچھل کر پوچھتی تھیں کہ

میرا رام کہاں ہے

شانت لیکن سانپ کی چال چلنے والے جل نے بھنور دیکھا اور مستانہ ادا سے لہروں پر بیٹھے ہوئے بلبلے سے پوچھا کہ

میرا رام کہاں ہے

بلبلے نے حیرت اور حسرت سے سورج اور اسکی کرنوں کو دیکھا اور پھر اپنی ہستی کو یہ کہتے ہوئے معدوم کیا کہ

میرا رام کہاں ہے

وہ پرند جو درخت پر بیٹھے ہوئے ہجر کا لطیف لیکن جگر سوز نغمہ الاپ رہا ہے سنو! کیا گا رہا ہے کہ

میرا رام کہاں ہے

آہ سب رام کے سودائی دیوانے، متوالے، ہیں ہاں او آسمان پر گھومنے والے بادلو! جلد بتاؤ کہ

میرا رام کہاں ہے

ناامیدی چاروں طرف چھا گئی دنیا اسوقت صبح کے نور سے ہنس رہی تھی لیکن میری تمناؤں کی شام آنسو بہا رہی تھی، اچانک چمکنے والی سنہری دھوپ سوچ کے ساتھ غائب ہوگئی مینے۔ حسرت سے کہا کہ آہ

میرا رام کہاں ہے

بادل گرجنے لگے۔ پھر بجلی چمکی۔ چمک کر کڑکی کڑک کر کہنے لگی کہ رام مجھ میں رام تجھ میں ہے۔ رام پتھر میں ہے۔ رام گنگا میں ہے رام سب میں ہے پھر کیوں تڑپتا اور کہتا ہے کہ

میرا رام کہاں ہے

اوم شانتی۔ ..... شانتی ..... شانتی

رفیقِ مدیر

اَدَمَوا

Adumaua (Adamawa)

اَدَموا (اَدَماوَا یا اَدَماوَہ بھی کہتے ہیں) سُوڈان اَوسط کی ایک ریاست جو بُحیرہ شاد اور کمرون کے درمیان واقع ہے۔ جسکا مقامی نام مُغمبینا ہے اور یہ قدیم سلطنت کا نام تھا آدم فولا (فولا) اَمیر نے اس کو انیسویں صدی میں فتح کیا تو جب سے اَدَموا کہنے لگے۔ حکمراں طبقہ مسلمان ہیں۔ رعایا زیادہ تر بت پرست و قوئی پرست ہے۔ مسیحی مُرسلین (پادری) مطلق نہیں ہیں۔ پائے تخت **یولہ** ہے آبادی چالیس لاکھ رقبہ (۹۶۵۰۰) مربع میل ہے سنہ ۱۹۰۰ء سے یہ جرمن دائرۂ اثر میں ہے صحت و حُسن کے لحاظ سے یہ خطّہ تمام افریقیہ میں اول ہے۔ یہاں خوش نما وادیاں، سبزہ زار جنگل بکثرت ہیں۔ جی یو یر کے انگریزی مضمون کا ملخص درج کیا جاتا ہے سُوڈان اوسط میں ایک علاقہ جس کے شمال **بورنو** مشرق با **غرمی** جنوب **کمرُوں** اور مغرب کو بلاد النیجر واقع ہے۔ سیاسی اصطلاح میں **ادموا** سے سلطنت **یولہ** اور اس کے توابع (یا جگزار ریاستیں) مراد ہیں۔ ادموا عرض شمالی ۸° ۱۵′ و ۷° ۱۵′ اور طول شرقی ۸° و ۱۳° ۲۰′ کے درمیان واقع ہے۔ منظمات شہر **یولہ** (بیس ہزار باشندے) **نغوم دیرے** (تیس ہزار) **گرُوہ** **بنیو**۔ **تیتی** غیرہ **بنوی** ندی جو نیجر کی معاون ہے اور **فارو** ندی اس علاقہ کو

سیراب کرتی ہیں جنوبی حصّہ کی آب وہوا معتدل ہے بارش روزانہ ہوتی ہے لیکن وسطی وشمالی حصہ میں دو مختلف موسم ہوتے ہیں کمروں سے بورنو ایک تنگ پہاڑی سلسلہ، یا ۸ کیلومیتر چوڑا اور سات سے آٹھ سو میتر تک بلند ادموا کو تقاطع کرتا ہے اسکی چوٹیاں چینچی۔ اَتلَنتیکا۔ مَندَرہ وغیرہ تیرہ سے چودہ سو میتر تک مرتفع واقع ہوئی ہیں علاوہ ازیں جنوب میں سَیری اور شمال میں مَندَف پہاڑی سلسلے بھی ہیں۔ ادموا کے باشندے کالی نسل کے ہیں جنہیں عرب بربر وغیرہ کا اختلاط بھی ہے مشہور اقوام **حوسا، کانوری** اور **فولہ** ہیں فولہ حکمراں طبقہ ہے جس نے اس ملک کو فتح کر کے مذہب اسلام کی اشاعت وترویج کی ۱۸۲۶ء میں **فولہ** قوم کے حوصلہ مندوں نے اپنے سردار آدم کی افسری میں بنوی ندی کو شمال سے عبور کیا اور انصاب پرست (فیٹش) اقوام سے **مغبینا** کو فتح کر کے **گرن** میں مُعسکر (پڑاؤ) قایم کیا۔ اس کامیابی نے اوروں کو بھی مائل کیا اور فولہ کے گروہ گروہ گرن میں مجتمع ہو ہو کر چاروں طرف حملہ آور ہونے لگے آدم سردار کے جنگ باز **یولہ** میں مقیم ہو گئے۔ باقی افسروں نے قرب وجوار کی سرزمین فتح کر کے چھوٹی چھوٹی علٰحدہ ریاستیں قائم کر لیں لیکن یولہ کے سلطان کی سیادت کو تسلیم کیا جو اب تک قایم ہے۔ اس طرح فولہ قوم اس تمام خطّہ میں جو بعد میں آدم کی نسبت سے ادموا کہلایا پھیل گئی اور بتدریج غربی اور جنوب شرقی حصّے پر بھی تسلط کر لیا بعض **گروہ** میں جا بسے۔ بعض جنوب افریقی سطح مرتفع تک پہنچ گئے ۱۸۴۵ء میں ایک سردار **اَبُو** نے **نگوم** (نغوم) ویرے کا علاقہ تسخیر کر لیا ایک اور جرگہ نے ۱۸۷۰ء میں **گنڈہ** پر

قبضہ کرلیا۔ فولہ شاہ سوار اور تیر انداز ہوتے ہیں۔ فی الحال فُولہ کی حکومت بنوی کی تمام وادی میں یولہ سے پیپینے تک۔ شمالی ادموا میں مندرہ پہاڑ دن تک بنوی کے جنوب یولہ اور کونچ کے درمیانی میدان میں اور وادی فارد میں جمبہ کے نیچے قایم ہے۔ علاوہ ازیں سلسلہ کوہ سری کے جنوب میں بھی فولہ کی متفرق آبادیاں ہیں اور بعض منازل پر بھی قبضہ و تصرف ہے جن سے یولہ سے نگوم دیرے تک تمام راستے پر اقتدار حاصل ہے۔ وسط کی بُت پرست قومیں اَلجُنبی۔ گلبُو و سبجی ادموا کی سیادت کو مانتی اور خراج ادا کرتی ہیں فقط ایک مُشرک ریاست گلم ان قیود سے آزاد ہے ادموا کا انتظام اقطاعی (فیوڈل) ہے۔ ملک کا فرماں روا سلطان یولہ ہوتا اور آدم بانی ریاست کی اولاد میں سے انتخاب کیا جاتا ہے اسکا لقب بَبَن لَمِندو ہے سلطان کی اعانت و مشورت کے لئے ایک قاضی جو شرع محمدی ..... کا محافظ ہوتا ہے اور وُزراء و گلادمہ کی ایک مجلس مقرر ہے۔ گلادِمہ وکلاء کو کہتے ہیں جو سلطان فاتحین کی نسل میں سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ ملک کے مختلف صوبوں کا انتظام و سرانجام لمِندو کرتے ہیں جنکا تقرر آدم کے اعلیٰ افسروں کے خاندان سے ہوتا ہے ان اعیان و عمائد کو خلعت میں ایک عمامہ ملتا ہے۔ تین صوبے تمبتی۔ نگوم دیرے اور بَبَن جِدّہ تو حقیقت میں پورے پورے مطلق العنان ہیں سلطان یولہ کو خود مختار بادشاہ ہے اور جرمن نُفوذ (اثر) اِدّعائی و برائے نام ہے لیکن سلطان سقوطو کا دلی احترام اور مذہبی سیادت کو اپنا فخر جانتا ہے اس طرح فولہ قوم نے ایک فوجی و سیاسی آہنی اِستقراطیہ (سلطنت اعیان) قایم

کرلی ہے اس ملک میں آکر انہوں نے اپنی معاشرت وطرز ماندوبود میں بہت سی تبدیلیاں کرلی ہیں پیشتر یہ بدوی (صحرانشین) اور چوپان وگلہ بان تھے اب شہری سکونت یعنے حضارت اختیار کرلی ہے اور اپنے غلاموں کی اعانت سے زراعت وفلاحت کرنے لگے ہیں لیکن تجارت ودولت مسلمان قوم خوسا کے ہاتھ میں رفتہ رفتہ منتقل ہوتی جاتی ہے فولہ (خدا ان کو جزائے خیر دے) کی بدولت اُدموا میں اسلام کا انتشار ورواج عام ہوگیا ہے تاہم اکثر رعایا بت پرست ہے۔ فاتحین فولہ۔ خوسا۔ کانوری اور شواعربوں کی تعداد اصلی باشندوں کی نسبت صرف دسواں حصہ ہے۔ نومسلم صوم وصلواۃ اور وظائف واوراد کے بڑے پابند ہوتے ہیں مساجد میں بروقت پہنچتے اور نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں ملبوسات ماکولات اور تمام اسلامی معاشرت اختیار کرلیتے ہیں لیکن ان کی سرشت وجبلت سے بعض اوہام پرستیاں نہیں جاتیں مثلاً وہ مردوں کو مجوزہ مکانوں میں دفن کرکے چلے آتے ہیں اور پھر کبھی نہیں جاتے مردہ خانوں میں روشنی کی سخت ممانعت ہے۔ فولہ کی مادری زبان فلفلدہ ہے لیکن یہ عربی پڑھتے ہیں البتہ بورنو اور بلاد حوسا کی طرح علمی ترقی نہیں کی ہے دیسی (ملکی) زبان زانی کہلاتی ہے ٭

خیالات آزاد ——— سید مختار احمد

ملازمین ہیں سرکار کے غلام سبھی — کوئی ہے نان گزیٹڈ کوئی گزیٹڈ ہے
ذرا تو غور کرو جسم کے ہیں اعضا ایک — برائے نام کوئی ہینڈ ہے کوئی ہڈ ہے
ہر ایک شوخ و دل آویز اپنے رنگ میں ہے — کوئی بلا کہ اگرچہ ہے اور کوئی رڈ ہے

سید محمد حسین آزاد

نقود اسلامیہ

سلاطین مغلیہ کے مسکوکات عظیمہ

از شمس العلماء حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم۔ آر۔ اے ایس

سلاطین مغلیہ کے بڑے سکے مسکوکات عالم کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں ان اعجوبۂ روزگار سکوں کا وزن ۵ تولہ سے ۵۰۰ تولہ تک ہے اور ایسے بھاری اور وزنی سکوں کو ان بادشاہوں کے سوا دنیا میں کسی بادشاہ نے مضروب نہیں کرایا ہے شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ سے ان سکوں کی ابتداء ہوئی ہے اور سلطنت مغلیہ کے زوال تک ہر بادشاہ کے عہد حکومت میں مضروب ہوئے ہیں۔

شیخ ابو الفضل علامی نے آئین اکبری میں اکبر کے بڑے سکوں کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے[1]۔ ان میں سب سے بڑے سکے کا نام سہنسہ تھا اور اس کا وزن ایک سو ایک تولہ ۹ ماشہ سات سرخ ہوا کرتا تھا اس کے ایک جانب بادشاہ کا نام اور اس کے اطراف یہ عبارت ہوتی تھی "السلطان الاعظم الخاقان المعظم خلد اللہ ملکہ وسلطانہ ضرب دار الخلافہ اگرہ"۔ دوسری جانب کلمہ طیبہ اور اس کے نیچے "وان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب"۔ اور اس کے گرد اگرد اصحاب اربعہ رضی اللہ عنہم کے اسما لکھے جاتے تھے

---

[1] آئین اکبری۔ طبع دہلی ۱۲۷۴ھ جلد اول صفحہ ۴۰۔

ابتدا میں اس سکہ کو مولانا مقصود مہر کن تیار کیا تھا۔ پھر ملا علی احمد نے اسمیں ترمیم کر کے کلمہ طیبہ کے نیچے یہ عبارت اضافہ کی۔ "افضل دینار نفقۃ الرجل دینار نفقۃ علی اصحابہ فی سبیل اللہ"۔ اور رُخ ثانی کے لئے یہ عبارت مقرر ہوئی۔ "السلطان العالی الخلیفۃ المتعالی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ وسلطانہ وابد عدلہ واحسانہ"۔ لیکن بعد میں یہ سب عبارتیں موقوف کر دیگئیں اور ان کی بجائے ملک الشعرا شیخ فیضی کی یہ رباعیاں نقش ہونے لگیں ایک جانب وسط میں "اللہ اکبر جل جلالہ" اس کے گرد اگرد حسب ذیل رباعی۔

خورشید کہ ہفت بحر از و گوہر یافت سنگ سیہ از پرتو آں جوہر یافت
کاں از نظر تربیت او زر یافت واں زر شرف از سکہ شاہ اکبر یافت

دوسری جانب وسط میں ماہ وسال الٰہی اور اطراف یہ رباعی۔

ایں سکہ کہ پیرایہ امید بود یا نقش دوام نام جاوید بود
بیمائے سعادتش ہمیں بسکہ بدہر یک ذرہ نظر کردۂ خورشید بود

اس سے چھوٹا سکہ رہس تھا اور وزن میں مہنہ کا نصف ہوتا تھا۔ اس کے ایک طرف مہنہ کی عبارت اور دوسری طرف شیخ فیضی کی یہ رُباعی ثبت ہوا کرتی تھی

ایں نقد رواں گنج شاہنشاہی یا کوکب اقبال کند ہمراہی
خورشید بہ پرورش ازاں رو کہ بدہر باید شرف از سکۂ اکبر شاہی

رہس کا نصف آنہ تھا یہ سکہ مدور اور مربع ہوا کرتا تھا اس پر کبھی مہنہ کی عبارت اور کبھی شیخ فیضی کی مندرجہ ذیل رباعی نقش ہوا کرتی تھی۔

ایں سکہ کہ دست بخت را زیور باد پیرایہ نہ بہر و ہفت اختر باد
زریں نقد لبست کار از چوں زر باد در دہر رواں بنام شہ اکبر باد

محمد ہاشم خافی خاں نظام الملکی نے اپنی تاریخ میں شہنشاہ اکبر کے خزانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بادشاہ کی وفات کے بعد خزانہ میں ایک ہزار اشرفیاں ایسے موجود تھے جن کا وزن سو تولہ سے پانسو تولہ تک تھا۔[1] خافی خاں کی عبارت یہ ہے۔

"در وقت وفات محمد اکبر بادشاہ زیادہ از پنجہزار فیل کہ گاہ قریب شش ہزار میرسید در فیل خانۂ او موجود بود دوازدہ ہزار اسپ در طویلہ و ہزار بوز در چینہ خانہ داشت و بعد وفات او کہ عرض خزانہ گرفتند دہ کرور روپیہ را اشرفی یازدہ ماسہ و سیزدہ ماسہ و چہاردہ ماسہ سوائے اشرفیہائے کلاں کہ از صد تولہ تا پانصد تولہ ہزار اشرفی در خزانہ موجود بود۔ دو صد و ہفتاد و دو من طلائے غیر مسکوک و سہ صد و ہفتاد من نقرہ و یک من جواہر خاصہ کہ قیمت آں از سہ کرور روپیہ تجاوز نمودہ بود بہ آمد۔"

ابوالفضل علامی نے آئین اکبری میں سو تولہ سے زیادہ وزن کی اشرفیوں کا حال نہیں لکھا ہے اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ اکبر نے آئین اکبری کی تصنیف کے بعد (جو ۹۹۹ھ میں واقع ہوئی ہے) دکن کی فتوحات سے واپس ہو کر اپنی حکومت کے اخیر زمانہ میں یہ سکے مضروب کرائے تھے۔

شہنشاہ نورالدین جہانگیر (سنہ ۱۰۱۴ سنہ ۱۰۳۷ھ) جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اپنے جلوس کے پہلے سال مختلف اوزان کے سکے مضروب کرائے اور وزن کی کمی بیشی کے اعتبار سے ان کے جدا جدا نام مقرر کئے۔

[1] منتخب اللباب طبع کلکتہ جلد اول صفحہ ۴۴۳۔ ایڈورڈ تھامس کی تاریخ سلاطین افاغنہ دہلی طبع لندن صفحہ ۴۲۳

	طلائی سکّے	نقرئی سکّے
۱۰۰ تولہ	نور شاہی	کوکب طالع
۵۰ تولہ	نور سلطانی	کوکب اقبال
۲۵ تولہ	نور دوست	کوکب مراد
۱۰ تولہ	نور کرم	کوکب بخت
۵ تولہ	نور مہر	کوکب سعید
۱ تولہ	نور جہانی	جہانگیری
½ نیم تولہ	نورانی	الہٰی
¼ ربع تولہ	رواجی	نثاری
½ دہم حصہ	—	خیر قبول

سو تولہ سے دس تولہ تک جسقدر طلائی اور نقرئی سکے تھے اُن پر جہانگیر نے آصف خاں کے ابیات نقش کرائے۔

ایک جانب حسب ذیل بیت اور اس کے بیچ میں کلمۂ طیبہ۔

بخط نور بر زر کلک تقدیر رقم زد شاہ نورالدین جہانگیر

دوسری جانب حسب ذیل بیت جس کے الفاظ آفتاب مملکت سے سکہ کی تاریخ ۱۰۱۴ھ برآمد ہوتی ہے اور اس کے وسط میں مقام ضرب اور سنہ جلوسی و سنہ ہجری۔

شد چو خور ایں سکہ نورانی جہاں آفتاب مملکت تاریخ آں

معمولی اشرفی اور روپیہ پر ایک جانب امیر الامرا کا حسب ذیل بیت ثبت کرایا اور دوسری جانب مقام ضرب سنہ ہجری اور سنہ جلوسی منقوش ہوا۔

روی زر اساخت نورانی برنگ مہر و ماہ شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

شہنشاہ جہانگیر کے خاص الفاظ یہ ہیں[1]

"ساعت سعید فرمودم کہ سکہ بر زر زدہ از طلا و نقرہ بوزنہائے مختلف مسکوک ساختند و ہر یک را جداگانہ نام نہادم۔

چنانچہ مہر صد تولہ را نور شاہی و پنجاہ تولہ را نور سلطانی و بست تولہ را نور دولت و دہ تولہ را نور کرم و پنج تولہ را نور مہر و یک تولہ را نور جہانی و نصف تولہ را نورانی و ربع آں را رواجی نام کردم۔

و انچہ از جنس نقرہ سکہ شد صد تولہ را کوکب طالع و پنجاہ تولہ را کوکب اقبال و بست تولہ را کوکب مراد و دہ تولہ را کوکب بخت و پنج تولہ را کوکب سعید و یک تولہ را جہانگیری و نصفش سلطانی و ربع را نثاری و دہم حصہ را خیر قبول نام زد کردم۔

و بر مہرہائے صد تولہ و پنجاہ تولہ و بست تولہ و دہ تولہ این ابیات اصف خاں را فرمودم کہ نقش نمودند و بر یکدیگرے آں این بیت سکہ شد۔

بخط نور بر دور کلک تقدیر رقم زد شاہ نور الدین جہانگیر

و در فاصلہ مرا عما کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ و بر طرف دیگر این بیت کہ شعر بر تاریخ سکہ است منقوش گشت۔

شد چو خور این سکہ نورانی جہاں آفتاب مملکت تاریخ آں

و در میان ہر دو مصراع مقام ضرب و سنہ ہجری و سنہ جلوسی۔

دو زن تولہ مطابق و نیم مثقال معمول ایران و توران است۔

---

[1] تزک جہانگیری طبع لکھنؤ صـ۷

شہاب الدین شاہجہاں (۱۰۳۷ھ ۱۰۶۹ھ) اور اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ ۱۱۱۸ھ) نے جو بڑے سکے مضروب کرائے تھے ان کے تاریخی حالات پر بالکل تاریکی چھائی ہوئی ہے بعض تاریخوں میں ان کے حالات ضمناً آگئے ہیں محمد صالح کنبوہ نے شاہجہاں نامہ میں ایک جگہ سو تولہ کی اشرفی کا ذکر کیا ہے عالمگیر نامہ میں دو مختلف مقامات پر دو سو تولہ کی اشرفی اور ۵۰ تولہ کے روپیہ کا تذکرہ آیا ہے اور ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کے عہد میں بڑے سکے موجود اور مروج تھے نعمت خان عالی کی بعض مکتوبات سے استنباط ہوتا ہے کہ شاہجہاں اور اورنگ زیب نے چند سکے دس تولہ سے پانسو تولہ تک مضروب کرائے تھے لیکن ان پر کیا عبارتیں منقوش تھیں اسکی تفصیل سے یہ مکتوبات معرا ہیں۔

یہ بدیہی امر ہے کہ اس قدر بڑے اور گرانقدر سکے روزمرہ لین دین میں بغائدہ اور عوام الناس کے لئے بیکار تھے۔ ایسی حالت میں یہ سوال پیش ہوتا ہے کہ ان کے مضروب کرانے کی کیا وجہ تھی۔ اس کے متعلق مختلف مصنفین نے مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں۔[1]

طبیب منوشی Mannucci جو وینیشیا کا باشندہ تھا اور اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ ۱۱۱۸ھ) کے زمانہ میں ۱۰۶۴ھ سے ۱۱۱۲ھ تک تقریباً ۴۸ سال ہندوستان میں مقیم رہا ہے اپنی کتاب Storia da Mogor میں بیان کرتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے خزانہ میں سونے چاندی کے بیشمار سکے جمع کئے تھے اور

[1] لین پول - دیباچہ ص ۸۷

اور اس خیرہ کو مسخ سے بچانے کے لئے یہ ترتیب نکالی کہ انہیں گلا کر بڑے بڑے اور وزنی سکوں کی صورت میں مضروب کرایا تاکہ لین دین میں کار آمد نہ ہو سکیں۔

جنرل کننگھم Cunningham نے جو ہندوستان کے سررشتہ آثار قدیمہ کا پہلا ڈائرکٹر جنرل ہے۔ اپنی ایک رپورٹ میں بیان کیا ہے کہ مغل بادشاہوں کے عہد حکومت میں بڑے بڑے امراء اور باجگزار حکام جب دربار شاہی میں باریاب ہوتے تو انہیں بادشاہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنا پڑتا تھا یہ نذرانہ بڑے سکوں میں دیا جاتا تھا اور اسی غرض سے یہ سکے مضروب کرائے تھے۔

ان دونوں بیانات کے خلاف فارسی تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امرائے سلطنت کو کوئی خدمت جلیلہ عطا ہوتی یا خلعت سے سرفراز کئے جاتے یا دیگر سلطنتوں کے وکلا و سفرا فائز المرام ہو کر رخصت حاصل کرتے تو انہیں بادشاہ کی طرف سے یہ سکے انعام میں ملا کرتے تھے۔

جہانگیر نے اپنے جلوس کے بارہویں سال ۲۰ آذر ۱۰۲۶ھ کو مالوہ میں ناتی کے کنارے بزم طرب ترتیب دیا اور وہاں لشکر خاں کو خلعت اور ایک ہاتھی مرحمت فرما کر صوبۂ دکن کی خدمت دیوانی تفویض کیا اور منصب میں ذات کے لئے دو ہزار پانسو کا اضافہ فرما کر ڈیڑھ ہزار سوار بھی عطا کئے اور اس کے بعد عادل خاں کے وکلاء کو مہر کوکب طالع سرفراز کی۔ یہ مہر پانسو مروجہ اشرفیوں کے وزن کی تھی[1]

اس واقعہ کے چار یوم بعد ۲۴ آذر ۱۰۲۶ھ کو جہانگیر نے مرزا شرف الدین حسین کاشغری کو ایک ہاتھی عنایت فرما کر صوبہ بنگش کی جانب رخصت کیا اور اودے رام کو ایک مرصع خنجر

[1] توزک جہانگیری صفحہ ۲۹۳

ایک اشرفی سو تولہ کی اور بیس ہزار درب انعام دیئے۔[۱]

شاہجہاں بادشاہ نے اپنے جلوس کے اکتیسویں سال ۲۳ جمادی الاوّل ۱۰۶۷ھ کو شرف آفتاب کے دن ہمت خاں کو خلعت کے ساتھ منصب دو ہزاری اور ہزار سوار اور اسپ و علم عطا فرمایا۔ اور جاگیر میں سری نگر مرحمت ہوا۔ سلطان نظر برادر سیف خاں کو منصب دو ہزاری اور چھ سو سوار مرحمت ہوئے اور اس کے ساتھ خلعت ایک گھوڑا معہ زین طلا پندرہ ہزار روپے ایک اشرفی سو تولہ کی اور ایک روپیہ اسی وزن کا عنایت ہوا۔[۲]

اورنگ زیب عالمگیر جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اطراف عالم کے بادشاہوں نے مبارکباد کے لئے ایلچی بھیجے۔ سبحان قلی خاں والی بلخ کا ایلچی ابراہیم بیگ ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۶۸ھ کو دہلی میں آیا اور ۴ رجب کو دربار میں باریاب ہوا تو بادشاہ نے اُسے ایک مرصع چھڑی دو تولہ کی اشرفی اور اسی وزن کا ایک روپیہ عنایت کیا۔[۳]

شاہ عباس صفوی کا ایلچی بوداق سلطان تفنگچی آقاشی ۸ رمضان ۱۰۷۱ھ کو دہلی میں پہنچا اور رخصت ہونے سے پہلے ۳ ذی الحج کو بادشاہ نے اسے تین اشرفیاں سات سو تولہ کی اور تین روپے پان سو تولے کے عطا کئے۔[۴]

سلاطین مغلیہ کے بڑے سکے اسوقت کمیاب اور نادر الوجود ہیں۔ اکبر کی تخت نشینی سے اورنگزیب کی وفات تک سلاطین مغلیہ کا خزانہ زر و جواہر سے معمور تھا۔

۱۔ توزک جہانگیری ص ۲۰۳۔

۲۔ عمل صالح۔ نسخہ کتب خانۂ آصفیہ جلد دوم ورق ۵۵۶۔ الف۔

۳۔ عالمگیر نامہ طبع کلکتہ ص ۶۰۰۔ ۴۔ عالمگیر نامہ ص ۸۲۷

اور ان بادشاہوں کے یہاں دولت بافراط تھی۔ اورنگزیب کی وفات کے بعد خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں سلطنت کو روز بروز زوال ہونے لگا۔ وسائل آمدنی کم ہو گئے۔ کثرت اخراجات سے خزانہ خالی ہوگیا۔ اس زمانہ میں بادشاہوں نے بڑے سکے گلا دیئے جس کے باعث یہ عجوبۂ روزگار ذخیرہ معدوم ہوگیا اور اُن کے سونے چاندی سے رائج الوقت سکے مضروب ہوئے۔ تاہم چند سکے زمانہ کی دست بُرد سے بچ گئے ہیں۔ ان میں سے بعض یورپ کے عجائب خانوں میں اور دیسی رؤسا کے خزانوں میں محفوظ ہیں اور انہیں مختلف اوقات میں ماہران سکہ جات نے دیکھا ہے۔

اکبر اور جہانگیر کے بڑے سکے بالکل معدوم ہو گئے۔ اسوقت تک صرف پنج مہری اشرفیاں ملی ہیں جو برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔ اکبر کی پنج مہر ۹۷۱ھ میں مضروب ہوئی ہے اور اس پر حسب ذیل عبارت منقوش ہے[1] نمبر (۱)

رُخ اوّل

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس کے اطراف پانچ گوشوں میں ابی بکر الصدیق عمر الفاروق۔ عثمان الغنی علی المرتضیٰ۔ رضی اللہ عنہم

رُخ دوم

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی۔ اس کے گرد اگرد السلطان الاعظم الخاقان المکرم خلد اللہ تعالیٰ ملکہ وسلطانہ ضرب آگرہ ۹۷۱

[1] لین پول نمبر ۲۳۔

جہانگیر کی پنجم مہر جلوس کے چودھویں سال ۱۰۲۸ھ میں بمقام اگرہ مضروب ہوئی ہے اس پر حسب ذیل ابیات منقوش ہیں[۱]۔ نمبر (۲)

رُخِ اول

از شاہ جہانگیر بود دور زماں در اگرہ زنام اوست زر نور نشاں

رُخِ دوم

تا ہست نشاں ز پنج و نیت بجہاں ایں سکّہ پنج مہر بش باد رواں

سلاطین مغلیہ کا سب سے بڑا طلائی سکہ جو اسوقت تک دستیاب ہوا ہے وہ شاہ جہاں بادشاہ کی دو صد مہر ہے مشہور لغت نویس ڈاکٹر ریچرڈسن RICHARDSON اس کا وزن ۷۔ اونس بیان کیا ہے اور یہ سکہ جلوس کے اٹھائیسویں سال ۱۰۶۴ھ میں بمقام شاہجہاں آباد مضروب ہوا ہے۔ اس کے دو عدد برٹش میوزیم میں موجود ہیں اور ان پر خط نستعلیق میں حسب ذیل عبارت مسکوک ہے[۲]۔ نمبر (۳)

رُخِ اوّل

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ضرب دار الخلافہ شاہجہاں آباد ۱۰۶۴ھ

اس کے اطراف حسب ذیل رُباعی تحریر ہے۔

---

[۱] لین پول نمبر ۳۰۵۔ [۲] لین پول۔ دیباچہ ص ۵۷۔ مارسڈن ص ۶۴۱

از صدق ابی بکر شد ایماں انور اسلام قوی دست شد از عدل عمر
دیں تازہ شد از شرم و حیائے عثماں وز علم علی یافت ولایت زیور

رُخ دوم

صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ غازی ۲۸ سکہ
اس کے اطراف حسب ذیل رُباعی ہے۔

سکہ بہر دو صد مہری زد از لطف الٰہ ثانی صاحبقران شاہجہاں دین پناہ
روی زر باد از لقش سکہ اش عالم فروز تا شود از پرتو خورشید روشن روی ماہ

۱۸۸۳ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں مسٹر گبس نے اسی سال اور اسی دارالضرب کی ایک دو صد مہر اشرفی پیش کی تھی اس کی عبارت خط نسخ میں لکھی ہوئی تھی اور تحریر کا طرز و اسلوب نستعلیق سکہ سے کسی قدر مختلف تھا۔[1] نمبر (۴)

مہاراجہ سندھیا کے توشہ خانہ میں اورنگ زیب کی ایک صد مہر موجود ہے جلوس کے پندرہویں سال ۱۰۸۳ھ میں بمقام شاہجہاں آباد مضروب ہوئی تھی اس کا وزن ۳۵- اونس ہے اور اس پر خط نستعلیق میں حسب ذیل عبارت کندہ ہے۔[2] نمبر (۵)

رُخ اوّل

ابو المظفر محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر بادشاہ غازی ۱۰۸۳۔ سکے اطراف

[1] رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بابت جنوری ۱۸۸۳ء [2] رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بابتہ مارچ ۱۸۸۵ء

شاہ اورنگزیب عالمگیر آسمان قدرت و قضا تدبیر
روی زر از فروغ سکہ او گشت روشن بجہاں چو مہر منیر

رُخ دوم

سنہ ۱۵ جلوس میمنت مانوس ضرب دار الخلافہ شاہجہاں آباد اسکا اطراف
شاہ عالمگیر دریای کرم اورنگزیب آنکہ از قسمت بخایش آب میگردد سحاب
از فروغ سکہ اش در عرصۂ ہندوستان گشت روشن وہی زرچون وہی آفتاب

اسی نقش اور اسی وزن کی ایک صد مہر اشرفی کو جنرل کنگہم نے ۱۸۸۱ء میں بمقام بنارس دیکھا تھا۔[1] مارسڈن Marsden نے اسی نقش کے ایک نقرئی سکہ کا ذکر کیا ہے جو ڈرسڈن کے عجائب خانہ میں موجود ہے اسکا وزن پندرہ پونڈ اکادن گرین ہے اور جلوس کے دسویں سال سنہ ۱۰۷۷ھ میں مقام شاہجہاں آباد مضروب ہوا ہے۔[2]

سلاطین ہندوستان کے بڑے سکے جب ایران میں پہنچے تو وہاں کے سلاطین نے بھی ان کی اتباع میں بڑے سکے مضروب کرائے۔ لیکن ایرانی سکے اسقدر بڑے اور گرانقدر نہ تھے۔ شاہان ایران میں سب سے پہلے شاہ عباس ثانی (۱۰۵۲ھ ۱۰۷۷ھ) نے جو شاہجہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ ۱۰۶۹ھ) کا معاصر تھا۔ تبریز میں چاندیکا

---

[1] لین پول۔ دیباچہ ص ۸۰
[2] مارسڈن جلد دوم ص ۴۶۶

ایک سکہ مضروب کرایا جو مروجہ سکے سے وزن میں تخمیناً چار گونہ زیادہ تھا[1] اس کے جانشین شاہ سلیمان صفوی (۱۱۰۵ھ تا ۱۱۰۵ھ) نے بھی اس کی اتباع کی۔[2] سلیمان کے بعد سلطان حسین (۱۱۰۵ھ تا ۱۱۳۵ھ) برسر حکومت ہوا۔ یہ بادشاہ اورنگزیب (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ) کا معاصر تھا اس نے ۱۱۱۵ھ میں بمقام اصفہان ایک نقرئی سکہ ۸۳۶ گرین کا رواج دیا۔[3] اس کے دو سال بعد ۱۱۲۱ھ میں جبکہ دہلی میں شاہ عالم بہادر (۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۴ھ) کی حکومت تھی ایک اور نقرئی سکہ ۱۵۰ اونس کا مضروب کرایا۔ سلاطین ایران کے سکوں میں اس سے بڑا سکہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ یہ سکہ یورپ کے کئی عجائب خانوں میں موجود ہے۔ اور مارسڈن نے بھی اسکے حالات بیان کئے ہیں اس پر حسب ذیل عبارت مسکوک ہے۔[4] نمبر (۶)

رخ اوّل

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیٌ ولی اللہ۔

رخ دوم

بندۂ شاہ ولایت حسین ضرب اصفہان ۱۱۲۱ھ۔

---

[1] ۔ اسٹوارٹ پول نمبر ۴۷۔

[2] ۔ اسٹوارٹ پول نمبر ۵۶ و ۶۸۔ [3] اسٹوارٹ پول نمبر ۹۸

[4] ۔ اسٹوارٹ پول نمبر ۹۹

ماخذ تالیف

آئین اکبری شیخ ابوالفضل علامی طبع دہلی ۱۲۷۴ھ صـ ۲۰۰ صـ ۲۲۰

منتخب اللباب محمد ہاشم خافی خان نظام الملکی کلکتہ ۱۸۷۴ء جلد اول صـ ۲۴۳

تزک جہانگیری شہنشاہ نورالدین جہانگیر طبع نولکشور پریس لکھنو صـ ۲۰۲ صـ ۲۰۳

عمل صالح محمد صالح کنبوہ قلمی موجودہ کتبخانہ آصفیہ جلد دوم ورق ۵۵۶ الف

عالمگیر نامہ محمد کاظم طبع کلکتہ ۱۸۶۸ صـ ۶۰۸ صـ ۶۲۷

E. Thomas. The Chronicles of the Pathan King of Delhi, 1871. PP. 245. W. Marsden The Oriental Coins, 1823 Vol II PP 466. 641

S. Lane Poole. Cat. British Museum. The Coins of the Moyal Emperors of Hindustan, 1892 Introduction. LXXX VII.

No 23. 305. R. St. Poole Cat British Museum the Coins of the Shahs of Persia, No 47. 57. 68. 97. 98.

Proceedings Asiatic Socity of Bengal Jan 1883 · March 1885

(بعض حکماء اور فلاسفرز کے چیدہ اقوال)

عورت کی بات پر جو مرد چلتا ہے وہ غیر ممکن کو ممکن نادستیاب کو دستیاب اور غیر خوردنی شے کو کھانے کے قابل سمجھتا ہے۔

عورت۔ کی بکواس مرد کے رام کرنیکا آنکس ہے ورنہ دنیا میں مرد اپنے ہر فعل کا مختار ہے۔

عورت۔ کے سامنے مرد نہایت ہی ذلیل و خوار نجاتا ہے چاہے وہ عاقل ہی کیوں نہو اور لڑائی کے میدان میں کیسا ہی سورما بیر کیوں نہو۔

عورتوں۔ کا خاص حصہ۔ زیور کا شوق۔ غصہ۔ ایذا رسانی سے رغبت ضدی پنا ہے۔

عورت۔ کی طبیعت کا تلون جیسے سمندر کی موجیں۔ اسکے جذبات بالکل بے ثبات جیسے شفق کے بادلوں کی صفیں۔ جب اسکی ہوس پوری ہوجاتی ہے تو کنارہ کش ہوجاتی ہے جیسے کوئی اُس لاکھ کو پھینکدیتا ہے جس پر چھاپا چھپا ہو۔

عورت۔ ایک سے باتیں کرتی ہے تو دوسرے کی طرف اضطراب کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور دہیان اُسکا ہوتا ہے تیسرے کی طرف جسکو وہ دل ہی دل میں رہنے دیتی ہے فی الحقیقت وہ کون ہے جسکو عورت دل سے چاہتی ہے۔

عورتیں۔ ہمیشہ بیوفا ہوتی ہیں حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں دیوتاؤں کی استریوں کا بھی یہی حال ہے خوشا حال اُن مردوں کا جن کی عورتوں کی پوری حفاظت کیجاتی ہے

اگر کوئی عورت پاکدامن ہے تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ اسمیں حیا۔ حجاب۔ یا طبعی نیک خصلتی ہے یا خوف۔ بلکہ صرف یہی کہ اس سے کوئی عنایت کا طلب گار نہیں ہوا۔

عورت۔ خوفناک بگولا۔ شوخی کا مسکن۔ بیباکی کی نگری۔ گناہ کا مخزن۔ ہزار مکاریوں کا محل۔ بدگمانیوں کا ڈیرا۔ یہ پٹاری جسمیں ہر قسم کا جادو منتر بھرا ہوا ہے یہ معمہ جس کے حل کرنے میں بڑے سے بڑے نامور مرد قاصر رہے ہیں۔ یہ کل جسکا نام "عورت" ہے۔ یہ امرت ملا ہوا زہر اسکو دنیا میں کس نے پیدا کیا کہ پارسائی کو میٹ دے۔

عورت۔ پُرشباب۔ نازکبدن۔ خمار ابروں والی۔ نازنین کو عام لوگ سراہتے ہیں۔ اور اُس کے والہ و شیدا بنجاتے ہیں۔ ان کے دل میں بھی طرح طرح کی خواہشات پیدا ہوجاتی ہیں۔ واقعی "عورت" گناہ مجسم ہے جس کے طرف دیکھتے ہی انسان کے خیالات کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔

عورت۔ جس کے تصور سے دکھ۔ نظارہ سے بیہوشی۔ چھونے سے فریفتگی اور بیخودی کا عالم طاری ہوجاتا ہے ایسی عورت کو پھر پیار نی کس واسطے کہا گیا!!

عورت۔ اُسی وقت تک امرت ہے جبتک وہ نگاہوں کے سامنے ہے آنکھوں سے پرے ہوئی اور زہر سے بھی بُری ہوئی۔

عورت۔ سے زیادہ کوئی شیریں نہیں کیونکہ جب یہ پیار کرے شیریں تر ہے اور جب مخالف ہوجائے تو زہر کے پیالہ سے زیادہ خطرناک ہے۔

عورت۔ خوف و خطر کا بھنور۔ غرور کا مخزن۔ دلیری کا ملجا۔ برائیوں کا منبع۔

مکر و فریب اور بدگمانی کی کشت۔ سورگ کے راستہ میں رکاوٹ۔ نرک کی راہ۔ دھوکہ کی گٹھڑی۔ مصری کی ڈلیوں میں پوشیدہ سم۔

عورت۔ کو جان بوجھکر اُسکا سارا بدن چمڑے اور ہڈیوں کا بنا ہوا ہے بیوقوف انسان شعر کے بہکانے سے اندھے بن جاتے ہیں اور عورتوں کے چہرے کو چاند۔ آنکھوں کو کنول اور جسم کو طلائی سمجھنے لگتے ہیں۔

عورت۔ شوخی۔ شرارت کی پڑیہ ہے مگر کم فہم مرد اس پر فدا ہوتے پھرتے ہیں گلاب کی پتیوں میں سرخی کا جھلکنا ضروری امر ہے مگر بھنورا آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور اُس کے گرد چکر لگاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ بیوقوف یہ خیال کرتا ہے کہ سرخی میری خاطر ہی جھلک رہی ہے۔

عورت۔ کا رشک مہ کامل چہرہ اور شیریں لبوں کا ذائقہ فقط عالم شباب یعنے بیوقوفی کے زمانہ ہی میں اچھا معلوم ہوتا ہے اس کے بعد فہم اور پیری کی حالت میں مدار کے پھل اور زہر سے بھی تلخ اور بُرا معلوم ہوتا ہے۔

عورت۔ کا چلتا پھرتا اُس کی نظر کا بھالا ہے۔

عورت کائنات عالم کی رنگینوں کا دلکش مرقعہ ہے۔

عورت پژمردہ۔ پریاس دلوں کے لئے بار بار ہے۔

عورت دلفریبیوں کا گلدستہ ادائوں کا عجوبہ ہے۔

عورت کا رنگ دریائے رواں چین شکم اور دہن گہرا مقام۔ اسواسطے دانا لوگو اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں مسرت و انبساط تمہارے شریک حال رہے تو "عورت" کو دور ہی سے الوداع کہدو۔

عورت۔ میٹھی میٹھی باتیں تو کسی سے بناتی ہے اور پیار اور شفقت کی نگاہیں کسی پر ڈالتی ہی ظاہرا ملاقات ایک سے کرتی ہے اور دل میں کسی دوسری کا تصور رکھتی ہے اب تم ہی بتاؤ کہ ان میں سے کس کے ساتھ اس فطرت کی لاڈلی "عورت" کو حقیقی الفت ہے۔

عورت دیکھنے میں نازک مگر باطن میں پتھر کی طرح سخت۔ زہر کیطرح کڑوی۔ آگ سے تیز۔ بہتر ہے کہ اس سے دور رہو۔ کیونکہ سانپ کے ڈسے ہوئے کا تو علاج ہو سکتا ہے لیکن "عورت" کی زلف کی ناگن کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں۔ اس سے جنتر۔ منتر۔ سب بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

عورت کا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں ہنسنا شرم کے مارے منہ پھیر لینا۔ نگاہِ نیم باز سے تاڑنا سوت سے جلنا۔ عشوہ و انداز دکھانا ان تمام امور کی مجبوراً ضرورت ہے۔

عورت کو فطرت کی طرف سے رشک ماہ صورت۔ غیرت گل رخسار۔ کندن کی دمک کو مات کرنیوالی جسمانی رنگت۔ بہنوروں کی قطار کو شرمانے والے سیاہ گیسو۔ لکش و شیریں بات چیت عطا ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ صانع حقیقی کی بہترین صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔

عورت میں جوانی کے وقت ہونٹوں میں ہنسی۔ نگاہ میں شوخی۔ نرالے ناز و انداز۔ شیریں کلامی۔ طاؤس کی رفتار پیدا ہو جاتی ہے۔

عورت عطر میں بسے ہوئے جسم۔ گورا اور ابھرا ہوا ہاروں سے آراستہ سینہ۔ پازیب کی من موہنی آواز والے پاؤں رکھنے والی مرد کے دل پر قابو پالیتی ہے۔

عورت کو جنہوں نے المیہ کے نام سے پکارا۔ یقیناً اُن شعرا کی عقل الٹی ہے

جن کی شوخ چشمیوں سے اندر تک پناہ مانگتے ہیں وہ کیونکر آلہ یا کمزور ہو سکتی ہے۔

عورت کے رخ روشن کے آگے آگ۔ اختر۔ خورشید۔ مہتاب کی کوئی ہستی ہو سکتی ہے۔

عورت بڑے سے بڑے نبرد آزما کو جنبش مژگاں سے زیر کر سکتی ہے۔

عورت کا حسن ہی تو تھا کہ جس کے مقابل دیکھتے دیکھتے جہانگیر کی شاہانہ تمکنت نے حسن گلوز سے شکست کھائی۔

عورت نہ ہو تو کائنات عالم پھر تاریک ہے۔

عورت نہ ہو تو نسیم سحری بے سود ہے۔

عورت جو بستر کو ہمیشہ گلاب کے پھولوں سے آراستہ کرتی ہے۔ اُسے یقین رکھنا چاہیئے کہ اس کے نیچے کانٹے ضرور ہوں گے۔

عورت۔ مرد سے زیادہ ظالم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اُس میں قوتِ تحمل زیادہ ہے۔

عورت ایک خوبصورت جنس ہے؟ نہیں!! ایک نامنصفانہ عمل ہے۔

عورت مرد کے غصہ کو بدمزاجی سے تعبیر کرتی ہے اور یہ عموماً عورت کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

عورت سچائی سے بہت دور ہے! اس پر سوچو۔

عورت کو مرد نہایت نازک وجود جانتا ہے لیکن عورت مرد کو دوزخ کا کندہ سمجھتی ہے۔

عورت کی محبت اگر آزمانا ہو تو ایک غریب ہمسایہ میں رہو دیکھو کہ اُس کو تم سے

محبت ہے کہ نہیں عیش و تنعم میں مشغول رہکر محبت کی آزمایش کرنا کوئی ٹھیک اصول نہیں ہے۔

عورت ایک جفاکش آدمی کے لئے مفرح یاقوت ہے۔

عورت ایک تھکے ماندے آدمی کو بنسبت پہلے کے نہایت چاق و چست بنا سکتی ہے۔

عورت۔ مرد کی طبیعت کو اعتدال پر لانے کا تھرمامیٹر ہے۔

محمد عبدالرزاق

کلامِ غیر مطبوعہ حضرت مولانا علی حیدر صاحب نظم طباطبائی

سنگِ جفا کا غم نہیں دستِ طلب کا ڈر نہیں
اُس پہ ہے میرا آشیاں نخل جو بار ور نہیں

موت کا گھر ہے آسماں اس سے کہیں مفر نہیں
نکلیں تو کوئی در نہیں بھاگیں تو رہگذر نہیں

شبنم و گل کو دیکھکر وجد نہ آئے کس طرح
خندۂ بے سبب نہیں گریۂ بے اثر نہیں

شانِ کریم کی یہ ہے، ہاں سے ہو بیشتر عطا
لطف عطا میں کیا ہو جب لب سے ہو بیشتر نہیں

پہلے جگر میں آہ کا نام نہ تھا نشان تھا
آخر کار یہ ہوا آہ تو ہے جگر نہیں

تیرے فقیر کا غرور تاجوروں سے ہے سوا
طرفِ کلہ میں دے شکن اسکو یہ دردسر نہیں

کوشک و قصر و بام و در تو نے بنا لئے تو کیا
حیف ہے خانماں خراب لیں کسی کے گھر نہیں

راہِ وفا کے جاں نثار کرتے نہ روکے تیں وار
جاتے ہیں معرکہ میں یار تیغ نہیں سپر نہیں

نالہ کشی رقیب سے میری طرح محال ہے
دل نہیں حوصلہ نہیں ہر نہیں جگر نہیں

یکے ازل سے تا ابد قصہ نہ ہوگا یہ تمام
جورِ فلک کی داستاں ایسی بھی مختصر نہیں

لاکھ وہ بے رخی کرے لاکھ وہ کجروی کرے
کچھ تو ملال اسکا ہو دل کو مرے۔ مگر نہیں

اُصول اخلاق

گزشتہ سے پیوستہ

افعال ارادی اور ان کا حُسن و قبح

افعال ارادی جو کسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے انسان سے صادر ہوتے ہیں اُن کے مجموعہ کا نام کردار ہے۔ خداوند عالم نے موجودات کو چند مقررہ اصول کا پابند فرمایا ہے۔ دنیا میں واقعات کا ظہور انہیں اصول کے موافق ہوتا ہے اور اصول الٰہیہ کے خلاف ہونا غیر ممکن ہے۔ دن کے بعد رات کا آنا اور رات کے بعد دن کا نمودار ہونا قانون الٰہی ہے۔ تعاقب فصول اور تغیر اقالیم میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ موالید ثلاثہ یعنے معدنیات، نباتات، حیوانات پر یہی اصول احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ انسان کی ولادت اور نمو، اس کا شباب کی منزل کو طے کر کے عالم شیب میں قدم رکھنا اور رفتہ رفتہ مائل بزوال و فنا ہونا مظاہر قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ خلاق کائنات کے دوسرے مظاہر کی طرح اس مظہر کے بھی درجے مقرر ہیں، اور کسی فعل کا درجہ جس قدر بلند ہوتا ہے اُسی قدر مطلوب سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے یہاں تک کہ عالی ترین فعل حصول غرض کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے جس قدر مقصد بلند ہوتا ہے اسمیں تحدید و انتظام، تصرف و انضمام، اور تنوع و امتیاز زیادہ پایا جاتا ہے۔ انسان کی تخلیق میں آپ اس کرشمہ ساز حقیقت کی صناعی تو دیکھیں کہ اس اشرف المخلوقات کے ہر عضو کے لئے کہاں اور کیسی جگہ مقرر فرمائی ہے۔ اسرار الٰہی کا ایسا عجیب و غریب صندوقچہ (داغ)

جس کا خانہ خانہ ہمارے سامنے لاکھ قدرت کے تماشے پیش کرتا ہے اور جس کے چور خانہ میں نقد نہاں (تقدیر) کو جگہ ملی ہے۔ کس مخلوق کو عنایت ہوا ہے؟ انسان کے سینہ میں ایک شمع نورانی (دل) روشن ہے جس سے سارا عالم کبیر جگمگا رہا ہے کسے ملی ہے؟

آپ کردار عالیہ کا افعال رذیلہ سے مقابلہ کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ کردار شریفہ میں افعال ارادی معین اور محدود ہوتے ہیں۔ اسی طرح اُن میں زمان و مکان بھی موجود ملیں گے، اور بہ نسبت افعال رذیلہ کے اُنہیں اغراضِ مطلوب سے قریب تر پائینگے کردار عالیہ میں افعال کثیرہ کے انضمام کے سوا تحدید و انتظام بھی نظر آئے گا، تحصیل غرض معینہ کے لئے سلسلۂ افعال ارادی معین ہوگا، اور خاص طریقہ اختیار کیا جائے گا یہاں تک کہ جو کچھ مجموعۂ افعال ارادی سے خارج ہے اُسے ترک کر دیا جائیگا۔ اس بیان سے غرض یہ ہے کہ کوئی معین غرض مقررہ کردار کے بغیر حاصل نہ ہوگی، اور جب کردار کا درجہ بلند ہوگا تو اُسمیں امتیاز و تنوع کی شان نظر آنے لگے گی۔ حضرت انسان کی تخلیق میں آپ ان سب باتوں کو مضمر پائیں گے اور آپ کو یہ مجموعۂ خصائص بہیمی و صفات ملکوتی اُس مرتبہ پر فائز نظر آئے گا جو باعتبار جامعیت خلیفۃ اللہ فی الارض کے شایانِ شان ہے۔

آیئے! اب دیکھیں کہ خود ان حضرات کے کردار بحیثیت ایک ذی حیات کے کیا ہیں؟ لیکن یہ یاد رہے کہ کردار کے مطالعہ کے وقت احساس اور عمل کے تعلق کو فراموش نہ کر دیا جائے۔ انسان کے تمام اعضاء بیکار پیدا نہیں کئے گئے، اور جو افعال اُن سے صادر ہوتے ہیں فطری طور پر انسان اُنہیں مفید خیال کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بقاء زندگی اور ایسے افعال ارادی کے درمیان جو زندگی کو مفید اور

مسرت بخش بناتے ہیں ایک قریبی تعلق ہے۔ ایسے ہی موت اور اُن افعال کے درمیان قریبی رشتہ ہے جو زندگی کو تکلیف دہ بناتے ہیں۔ تمام جاندار اُسی فعل کو پسند کرتے ہیں جو زندگی کے لئے مسرت بخش ہو اور یہ کلیہ ہے کہ جو فعل مسرت بخش ہے مفید بھی ہے حیوانات کی کوئی نوع جسے لذت اور اذیت کا احساس ہے اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی کہ مرغوب کی تلاش کرے اور مکروہ سے پرہیز۔ انسان تمام حیوانات کا وارث ہے جو اگرچہ باعتبار تخلیق اُس سے ادنیٰ ہیں لیکن خداوند عالم نے انہیں انسان سے پہلے خلق فرمایا ہے۔ حیوانات میں کافی طور پر یہ ادہ ودیعت کیا گیا ہے کہ جو افعال اُن کی بقاء زیست کے لئے ضروری ہیں اُن میں وہ لذت و سرور کو موجود پاتے ہیں۔ حضرت انسان نے طبیعت پر عشرت کا اضافہ فرمادیا ہے۔

بحیثیت جاندار کے آپ لذت اور اذیت کو انسان کے افعال ارادی کا محرک پائیں گے لیکن جب اُن کے افعال حیوان ناطق کی حیثیت سے ملاحظہ کریں گے تو پتہ چلے گا کہ صرف لذت موجود یا محرک موجود اُن کو حرکت میں نہیں لاتے بلکہ لذت و اذیت آیندہ کو بھی اُن میں دخل ہے انسان ایسے کاموں کو کرتا ہوا پایا جاتا ہے۔ جو فی الحال تکلیف دہ ہیں لیکن لذت آیندہ کا خیال اُسے اُن کاموں کی تکمیل کیلئے مائل کرتا ہے جو شخصی، اہلی یا نوعی زندگی کے لئے مفید ہیں۔ حیوانِ ناطق ایسے کاموں کو ترک کر دیتا ہے جو اگرچہ فی الحال لذیذ ہیں لیکن حیات سہ گانہ میں سے کسی کے لئے آئندہ مضر ثابت ہوں گے۔ لہٰذا راسخہ خلق اس سبب سے باعث فعل یا ترک فعل ہوتا ہے کہ کوئی فعل یا ترک فعل انسان کے لئے مفید ہے یا مضر۔

کردار انسانی کو علم الاقوام کی رو سے دیکھا جائے تو حسن خلق کا لفظ کسی فرد قوم کے

اُس فعل پر صادق آئیگا جس سے یہ اندازہ کیا جا سکے کہ حالت مصاحبت و معاملت میں فاعل اور باقی افراد قوم کے درجہ کو بقدر امکان بلند کردے۔ ترقی یافتہ اور خود مختار اقوام میں حالت امن اور دوران جنگ کے قوانین جدا ہوتے ہیں۔ حالت امن میں ہر شخص اس شرط کے ساتھ کہ دوسروں کی آزادی میں خلل انداز نہو اپنی ذات کے لئے فاعل مختار ہوتا ہے اس دستور العمل کی شرط اوّل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر ظلم جلی نہ کرتے پائے اور کسی کی جان، مال اور آبرو کو صدمہ نہ پہنچائے۔ شرط دوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر ظلم خفی بھی روا نہ رکھے، کسی سے کوئی شے حاصل کرے یا کوئی کام لے تو پورا معاوضہ ادا کرے، کسی سے معاہدہ کرے تو وفا کرے۔ یہ شرائط بجائے خود پسندیدہ ہیں لیکن زیست انسانی کے رقبہ میں وسعت اور انسان کی جسمانی، عقلی اور اخلاقی صحت کے مدنظر ظلم جلی و خفی سے احتراز کافی قرار نہیں پا سکتا، اور بقدر ضرورت امداد باہمی اُس کے فرائض میں داخل ہو جاتی ہے۔ انسان کے افعال ارادی کا بلند تر درجہ یہ قرار پاتا ہے کہ اُس کے کردار میں ایثار کا نام تک نہو، اُس کے افعال محض بنی نوع کے فائدہ کے لئے ہوں، وہ جذبات پر حکومت کرنے لگے اور مقاصد عالیہ کا پیش نظر رکھنا اُس کے لئے ضروری ہو جائے فی الحقیقت صاحب اخلاق حسنہ وہی ہے جس کے اعضا کے تمام افعال اور قوتیں فطری ضروریات کے مناسب حال ہوں، اور خلقاً و خُلقاً اُن کو زیر نظر رکھے۔

خداوند عالم نے عقل سے بہتر کوئی نعمت انسان کو عطا نہیں فرمائی، اور نیک و بد کی تمیز کے لئے اُس کے پاس عقل کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے یہ مسلمہ ہے کہ جن اسباب پر حصول اغراض کا انحصار ہوتا ہے اُنہیں کو اچھائی برائی کا موضوع قرار دیا جاتا ہے اور جو اُس سے خارج ہیں اُن سے واسطہ نہیں ہوتا۔ اس موقع پر ہمیں صرف یہ

ظاہر کرتا ہے کہ علم اخلاق کے اندر صرف اُس فعل کو اچھا کہا جاتا ہے جس سے انسان کی شخصی، اہلی یا نوعی زندگی کو فائدہ پہنچے یا اس کے رقبہ کو فراخ کردے۔ اسی طرح بُرا فعل اُسکو کہتے ہیں جو سرگانہ زندگی کے لئے مضر ہو اور اس کے رقبہ کو تنگ کردے۔ اگر زندگی کے کسی فعل سے قطع نظر کرلی جائے تو اُس کی اچھائی بُرائی سے بھی واسطہ نہ ہوگا افعال و اشیاء کی اچھائی بُرائی اضافی ہے لیکن بتغیر حالات کے وقت اُس سے بحث کیجاتی ہے۔ حالات و واقعات کے اعتبار سے ہمیشہ ایک کام یا ایک شے انسان کے لئے نیک یا بد نہیں ہوتی۔ کوئی مقررہ کام کبھی انسان کے لئے مفید ہوتا ہے کبھی مضر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شے شخصی زندگی کے لئے مفید ہے مگر اہلی یا نوعی زندگی پر اُس کا مضر اثر پڑتا ہے جس طرح اشیاء کا سود و زیاں اضافی ہے اسی طرح اُنکی لذت اور اذیت بھی اضافی ہے لیکن عقل رہنمائی کرتی ہے کہ انسان کو وہ کام کرنا چاہیئے جو حیات سرگانہ کے لئے مفید ہو اور اس کام سے نفرت کیجائے جو شخصی، اہلی یا نوعی زندگی کے لئے مضر ہو۔ حالات سے مجبور ہو کر صرف بقاء نسلیت کے لئے انسان بعض اوقات ایسے کام کر بیٹھتا ہے جو اذیت رساں ہیں، اور بہت سے ایسے کاموں کو ترک کردیتا ہے جن سے اُسے لذت حاصل کرنی چاہیئے!۔

علم اخلاق کی یہ شرط عقلا کے نزدیک مسلم ہے کہ انسان کا جو فعل ارادی مفید ہے زندگی کو نفع دیتا ہے اور جو مضر ہے نقصان پہنچاتا ہے اس مسئلہ پر غور کرنے کے وقت دو باتیں ہمارے سامنے اور آجاتی ہیں! ایک تو یہ کہ کوئی فعل ارادی خیر محض ہے دوسری یہ کہ وہ خیر اضافی ہے۔ خیر محض سے غرض یہ ہے کہ کوئی فعل شخصی، اہلی یا نوعی زندگی کے لئے ہر حیثیت سے مفید ہے اور اسمیں نقصان کا کوئی احتمال نہیں

نہ کہ حیات رگانہ ہیں سے کسی قسم کی زندگی کے لئے آج مفید ہے اور کل مضر ہو جائیگا خیر اضافی سے مراد یہ ہے کہ فعل ارادی کسی ایک کے لئے مفید ہے اور باقی کے لئے مضر، یا آج مفید ہے اور کل مضر ہو جائیگا، یا سب کے لئے مفید ہے مگر فاعل اسے پسند نہیں کرتا ؛

سید منظر علی شہر قدیم رسالہ عبداللہ حیدرآباد دکن

جذباتِ ضامن

(از عالیجناب مولانا سید محمد ضامن صاحب ضامن کنتوری)

زجِ فطرت ترا مظہر نظر آتا ہے مجھے — حُسن بے پردہ و چادر نظر آتا ہے مجھے
آپ گردش میں ہے گردش سے ڈر آتا ہے مجھے — آسماں سخت بسکسر نظر آتا ہے مجھے
موجِ خونِ اسکی ندامت میں ہے رحمت تیری — انکا ہر قطرہ سمندر نظر آتا ہے مجھے
لہر میں لیتا ہے ہر اک شئے میں جمالِ قدرت — ریزۂ سنگ بھی گوہر نظر آتا ہے مجھے
وہ بھی ہونگے جنہیں کوثر نظر آیا ہو سراب — عرقِ شرم میں کوثر نظر آتا ہے مجھے
کاش دیتا کوئی اور آنکھو نکو یہ خلقی نور — ہاں فلک پر مہ انور نظر آتا ہے مجھے
انقلابات زمانہ کی یہ نوبت پہنچی — ق گھر قیصو نکا ترا گھر نظر آتا ہے مجھے
کردں اے کعبہ مقصود کہاں تجھکو تلاش — کعبہ بتخانہ آذر نظر آتا ہے مجھے
سختی راہ ہوئی راہنمائے منزل — قعر دریا ہی میں معبر نظر آتا ہے مجھے
اف رہی یہ مستی بادہ کہ سب عرصۂ دہر — جلوہ گاہ مے و ساغر نظر آتا ہے مجھے
جانتا ہوں کہ حقیقت مری کیا ہے ضامن — جو ہے وہ اپنے سے بہتر نظر آتا ہے مجھے

اللہ وہ بھی کیا زمانہ تھا جب میں نے اول اول اس بہشت دنیا میں مسافرانہ قدم رکھا ہے، ہاں ہاں ابھی میں اسکو بہشت ہی کہونگا داغ مرحوم فرماتے ہیں ؎ دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم ۔ کہ نعمتوں کو حکم ملا ہے جو انکا داس بہشت کے جس گھر میں میں نے قیام کیا میں کیا بتاؤں کہ گھر والوں نے کس دلی جوش اور سچی محبت سے میرا خیر مقدم منایا اور کس خلوص کیساتھ میری آؤ بھگت کی اور کس طرح مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا میرے آنے سے ان لوگوں کے یہاں عید ہوگئی ہر روز مبارک سلامت کی دھوم تھی اور ہر وقت ہنسی خوشی اور عیش عشرت کے چرچے تھے گھنٹوں یہ لوگ میری خاطر داری میں مصروف رہتے میں جھوٹ موٹ کسی چیز کے لینے کا ارادہ کرتا میرے منہ بانوں سے ہر ایک شخص لپک کر اُس چیز کو میرے پاس لا حاضر کر دیتا، جانے کیا بات تھی کہ ان لوگوں نے میرے لئے نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات ہر دم میرے آرام اور تسکین میں مصروف رہتے، ان لوگوں کی ایسی ناز برداریوں نے رفتہ رفتہ مجھے ضد کا خوگر بنا دیا، اب یہ لوگ ہزار کوشش کرتے کہ میں رات بستر پر سو رہوں قسم لو جو میں نے کبھی پلک بھی جھپکائی ہو جہاں انھوں نے مجھے لٹایا اور میں لگا چیخنے، اب مجھے تعجب آمیز حیرت ہوتی ہے اُن مخلصانہ مہربانیوں پر جنکا یہ حال تھا کہ باوجود میری اسقدر ضد اور شرارت کے کیا مقدور کہ ان کے چہروں پر خفگی کا کوئی اثر نمایاں ہو یا پیشانی پر بل آیا، آخر ان اللہ کے بندوں نے میرے آرام کی خاطر مجھے اپنے سینے پر سلانا شروع کیا اور اس خیال سے کہ مجھ مسافر کی نیند نہ ٹوٹے یہ لوگ دیر دیر تک چپ سادھے پڑے رہا کرتے

اور میرا یہ حال تھا کہ باوجود اسقدر خاطرداریوں کے جب کبھی شرارت سوجھتی نہ خود سوتا اور نہ ان لوگوں کو سونے دیتا۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ عین اُسوقت جب کہ میں اس بہشت میں داخل ہو رہا تھا مجھے اپنے وطن اور وطن والوں کی یاد نے سخت بیچین کر دیا تھا۔ بیچینی کی وہ شدت ہوئی تھی جسکو ضبط نہ کر سکا آخر رو پڑا اور پھوٹ پھوٹ کے رویا لیکن سچ پوچھئے تو اس بہشت کے حور و غلماں نے میری ایسی کچھ دل سے خدمت کی اور کچھ اسطرح میرا دل بہلایا کہ قریب تھا کہ میں اپنے پیارے وطن کی مزیدار یاد کو خیرباد کہدیتا مگر آہ یہ یاد ایسی نہ تھی کہ اسکو دل سے بہلا دیا جاتا اور کیسے بہلائی جاسکتی ہے کہ جبکہ اسکو یاد کر کے رونے میں ایک خاص قسم کا لطف ملتا ہے جو اس بہشت کے رہنے والوں کی تسکین دہی میں نہیں ہے۔ آہ اے وطن اور اے آسکی یاد! جسطرح تو مجھے اسوقت عزیز تھی اب ویسے ہی باعث آرام دل ہے اور بیحد عزیز ہے کیونکہ مدت فراق بڑھتی جارہی ہے، غرضکہ جب سے آوارۂ وطن ہوا ہوں یاد وطن کی، دل میں ایک چٹک سی لگی ہوئی ہے اور اسی وجہ سے یہ عادت ہوگئی ہے کہ جب یہ بہت ستاتی تو دل کھول کے رو تا اور خوب روتا اور اب بھی روتا ہوں اور دل ہی دل میں مزے لیتا تھا اور اب بھی لیتا ہوں اسی زمانہ میں جب کہ میں اس بہشت میں نیا نیا آیا ہوا تھا بعض اوقات روتا اور بعض وقت ہنسدیتا، رونیکی وجہ تو شاید میں نے بیان کردی لیکن ہنسنا محض اپنی اس حماقت پر تھا کہ اچھے پھنسے نہ رہا جاسکتا ہے نہ جانا ہو سکتا ہے میرے رہنے سے فراق وطن میں میرے دل کا پاش پاش ہونا ضرور ہے اور جانے میں میری جدائی کے درد سے اس بہشت والوں کے جگر کا ٹکڑے ہونا لازم، آخر میں میں (اگر ان مسافر نوازوں کی پُرخلوص

خدمات ومروت کا خیال نہ آجاتا تو فیصلہ کر ہی چکا تھا کہ ان کو خبر کئے بغیر اندھیرے اُجالے یہاں سے نکل بھاگو لیکن افسوس میں نے اچھا نہ کیا خود میں نے اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری، اپنی حرص میں آپ میں نے کانٹے بوئے اپنی مرضی سے میں نے اپنی مٹی پلید کی بہرحال یہاں رہ پڑا گو یا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اور اب چونکہ کچھ دنوں یہاں اقامت کے لئے ارادہ کر لیا اسلئے بنظر ضرورت یہاں والوں کی بول چال پر دھیان رکھنے لگا آخر زبان بھوٹی اور بولنے لگا اور ایسا بولنے لگا کہ یہاں والوں کے خیال میں بنگالہ کی مینا مجھ پر قربان تھی۔

میرے میزبانوں کی مہربانیاں جو مجھ پر تھیں اب وہ دوچند بڑھ گئیں اور میں بھی اُن سے ویسے ہی گھل مل گیا جیسے وہ مجھ پر بدل مہربان تھے اب مجھے یہاں آئے ہوئے مہینوں نہیں برسوں گزر گئے رفتہ رفتہ وطن کی یاد بہت کم آنے لگی ایک دن میں اپنے مقام بیٹھا ہوا تھا یکایک میرے کان میں کسی کے رونے کی آواز آئی، اس خیال سے کوئی غریب الوطن یاران وطن کی یاد میں رو رہا ہے مجھے میری اپنی یاد تازہ ہو گئی، دریافت سے معلوم ہوا کہ کسی قدیم مسافر نے ایک جدید معصوم مسافر کے نازک نازک ہاتھ اس لئے کاٹ ڈالے ہیں کہ اسکے ہاتھوں کے کڑوں پر سارقانہ خاصبانہ فوری قبضہ کرنے میں سہولت ہو اور اس کٹے ہاتھ سے اسلئے علاحدہ کر کے باؤلی میں ڈالدیا گیا ہے کہ کہیں اس خبر کا افشا نہ ہو یہ سنکر مجھے سخت اچنبھا ہوا اور تعجب سے پوچھا کہ کیا اسی بہشت کا ذکر ہے؟ کہنے والے نے کہا بہشت!! کیسی بہشت یہ اس دنیا کے خدا کا واقعہ ہے جب میں نے یہ سنا میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں دنیا کے اس پہلو پر غور کرنے کے لئے واقعات عالم کی تجسس شروع کی اور جوں جوں میں اسکے رازہائے درونی سے واقف ہوتا گیا مجھے معلوم ہوا کہ یہ ایک زہریلا اور سخت خطرناک مقام ہے اور بالآخر یقین آ گیا کہ دنیا بہشت کہلائے جانیکی ہرگز صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ بہشت کی شان تو یہ ہونی چاہیئے جیسا کہ کہا گیا ہے

ے بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسی را با کسی کارے نباشد۔ آہ او مکار دنیا! ہاں ہاں مکار دنیا! اب مجھے یقین ہو گیا کہ تو کبھی قائل عالم ہے ہاں سچ ہے تجھے کسی پر رحم نہیں آتا، نیز اول کسی کیلئے نہیں سچتا! دیکھ او ظالم دیکھ تیرے ظلم کا دوسرا واقعہ دیکھ ذرا اُس سیکس جوان عورت کو دیکھ جسکو ماں باپ نے کن آرزوؤں سے پالا پوسا ہزاروں منتوں سے بر آیا کیا کچھ میں خود کوئے سو کھے میں اسکو سلایا صدہا مصائب و آلام برداشت کئے مگر اس کے دل کو ٹھیس نہ لگنے دی جب پروان چڑھنے کے دن آئے بیحد تمناؤں کیساتھ شادی کر دی خود ننگے ہو گئے لیکن جہیز کیطرف سے بیٹی کو نہال کر دیا۔ شادی کو آہ ایک ہی مہینے کا عرصہ ہوا تھا باپ رخصت ہوا، دوسرے مہینے میں شوہر سدھارا تیسرے مہینے میں چوروں نے تمام سامان شادی ہتھیا لیا آہ آج ایک سال ہوتا ہے کہ یہ اسکی ماں نوں چکی پیسکر زندگی کے دن تیر کر رہے تھے یکایک دو دن کے بخار میں ماں بھی چٹ پٹ ہو گئی اب لے دے کے امید کا تارہ، گھر کا چراغ غمزدہ دل کی آس خاوند کی نشانی جو رہ گیا ہے ہائے ہائے وہ بھی ماں کی بدنصیب ماں کی گود میں دم توڑ رہا ہے آہ او دنیا رحم! او ظالم سنگدل دنیا رحم! رحم! رحم!!!

ہائے او بیمروت و بے مہر دنیا تجھ میں ذرا بھی بوئے الفت نہیں تو نے دنیا میں جو کارہائے نمایاں کئے انکی فہرست بیحد طویل الذیل ہے یہ کہنا کہ تو نے تخت اندلس الٹ دیا تو نے سلطنت قعد او مٹائی تو نے مادری اکثام نافذ کئے تو نے تمام شیرازہ عالم کو تہس نہس کر دیا تیرے مظالم کے اظہار میں ایک شمہ بھی نہیں آہ او فریبندہ دنیا! جن بچوں کے ساتھ ماں باپ کی آئندہ تمام امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور جن کو دیکھ کر ماں باپ کا دل باغ باغ ہو جاتا ان کے ساتھ تو نے بسا اوقات وہ سلوک کئے جو ایک سنگدل کا تیر بھی بیخ درخت کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ افسوس صد افسوس!

مرزا

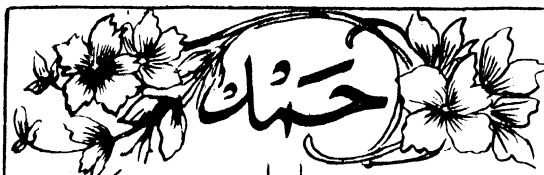

خدایا فہم انسانی سے باہر تیری رفعت ہے
کرے حمد و ثنا تیری زباں میں کب یہ طاقت ہے

بشر کے حسب منشا کام کوئی ہو نہیں سکتا
کہ وجہ نظم عالم تیری مرضی تیری حکمت ہے

تو جس کو چاہتا ہے ذلت و خواری میں کہتا ہے
معزز جو ہے اسکو دی ہوئی تیری ہی عزت ہے

فضیلت ایک کو دی ایک پر حکمت یہ ہے تیری
ہو ادنیٰ یا ہو اعلیٰ تیری ہر اک پر عنایت ہے

تو جیسا جسکو رکھے اُسکے حق میں ہے وہی بہتر
رہے ہر حال میں خوش آدمی یہ آدمیت ہے

یہ کیا کم تیری بخشش ہے کہ دی جان و خرد تو نے
بشر کیواسطے اور اس سے بڑھکر کون نعمت ہے

کیا اشرف فرشتوں سے بشر کو کیسی عزت دی
بشر میں ہو نہ کوئی شر یہی اسکی شرافت ہے

بنایا کیا سے کیا انسان کو۔ کیا تھا خاک تھا انساں
اور اب بھی کیا ہے اک مٹی کا پتلا بے بضاعت ہے

مگر وہ کام کر جاتا ہے تیرے فضل سے انساں
کہ اُس کی کامیابی پر فرشتوں کو بھی حیرت ہے

کسی حیواں میں کب ہے ذات انسانیں جو ہے جوہر
زبان و دل میں کس کے یہ طلاقت یہ حلاوت ہے

وہ جرأت ہے کہ تجھ سے دید بازی کا ہے یہ خواہاں
وہ ہمت ہے اٹھائے دوش پر بار امانت ہے

مظاہر تیری قدرت کے عیاں اسکی بصلابت پر
ازل سے تیری وحدت آشنا اسکی بصیرت ہے

خدایا یہ شرف انساں کو دیکر نہ خوار اس کو
سوا اس کے کسی پر کب تری ایسی عنایت ہے

تری ہر ایک نعمت کا خدایا شکر ہے واجب
ادا ہو شکر تیرا یہ کہاں انساں میں طاقت ہے

ذہین نغمہ دل لازم ہے ہر دم شکر خالق کا
کہ اُس کی اپنے بندوں پر بڑی بخشش و عنایت ہے

سید غلام مصطفےٰ ذہین

از میکدہ بیروں شو

از حکیم نوازش علی صاحب مست

ہو کر بشر و اشرف کب ہے تمہیں شرم زیبا
بس خیر اسی میں ہے کچھ خیر کر و بابا

کیا دم کا بھروسا ہے دم بھر کوئی دم ہے
تم بحر جہاں میں ہو لاریب حباب آسا

کیوں اس سے محبت ہے دنیا میں وفا کب ہے
آئینۂ عبرت میں دیکھو کہ ہے دنیا کیا

پیکر مئے نخوت کیوں تم آپ کو بھولے ہو
فرعون نے دیکھا کیا نخوت کا مزہ چکھا

دنیا ہے یہ دو روزہ عقبےٰ ہے دوامی گھر
سر پر ہے اجل لیکن تم کو نہیں خوف اسکا

اندھے نہ بنو دیکھو گر جاؤ گے کھائی میں
آنکھوں سے اٹھا دو تم غفلت کا ذرا پردا

ہے عقل ذرا سمجھو ہے فہم ذرا سوچو
کرتے ہو یہ کیا دیکھو کرنا ہے تمہیں کیا کیا

ہے صبح نہیں پیری اٹھ اب تو بچو نکٹھو
یہ وقت ہے رحلت کا موقع نہیں غفلت کا

مخلوق سے ڈرتے ہو خالق کا نہیں تم کو خوف
سرگرم اطاعت ہو طاعت کی نہیں پروا

رہنے کو ہمیشہ کے کون آیا ہے دنیا میں
جم ہے نہ فریدوں ہے کسریٰ ہے نہ ہے دارا

اک دام یہ دنیا ہے دانہ ہے تم عالم
اس دام سے بچ نکلے جو کوئی وہ ہے دانا

کیا منہ لئے جاؤ گے تم سامنے خالق کے
اس کی نہ عبادت کی اسکا نہ کہا مانا

طفلی گئی بازی میں عشرت میں جوانی بھی
پیری میں کرو توبہ کھو دو نہ اسے اصلا

کیوں لہو و لعب میں تم عمر اپنی گنواتے ہو
تسبیح خدا میں ہے مشغول جہاں سارا

کب تک یہ جنون و خبط اے مست سنبھالو ہوش
ہو دھیان تمہیں ہر دم حافظ کی نصیحت کا

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو
رندی و ہوسناکی در عہد شباب اولےٰ

نغمہ کا ہے شوق لحن داؤد نہیں
اس طرز میں حمد کی کہ محمود نہیں

لازم ہے کہ آہ بھی لبوں سے نکلے
اک واہ ہی شاعری کا مقصود نہیں

کس کام کا وہ رنگ نہو بو جس میں
بے معنی ہے وہ میں کہ نہو تو جس میں

جس مے میں نشہ نہیں وہ مے کیونکر ہو
جب راگ ہی قایم نہیں لے کیونکر ہو

وہ علم ہی کیا کہ جس میں عرفان نہو
عرفان وہ کیا کہ جس میں ایمان نہ ہو

ایماں ہی وہ کیا، نہو الفت جس میں
الفت ہی وہ کیا، نہو صداقت جس میں

وہ شعر ہی کیا کہ جس میں جذبات نہوں
وہ پیر ہی کیا جس میں کرامات نہ ہوں

الحق کہ سخن کی جان ہے سوز نہاں
جب عشق نہیں، تو حسن میں حسن کہاں

ہر چند عوام شاعری کہتے ہیں
ہم تو اسے عین ساحری کہتے ہیں

ہاں ہوشربائے اولو الالباب ہے شعر
عرفاں شعار ہے، تو مضراب ہے شعر

ہر فکر میں باب معرفت کھلتا ہے
کانٹا بھی یہاں نگاہ میں تلتا ہے

شاعر اسرار خلق سے ماہر ہے
جو عارف کامل ہے وہی شاعر ہے

شاعر کی صدا ہے رہنما کی آواز
اس حلق سے آتی ہے خدا کی آواز

ہر بزم طرب کی ہائے ہو شعر سے ہے
موسیقی کی ساری آبرو شعر سے ہے

ہے حسن کی ساری زندگانی اس سے
ہے عشق کی نبض میں روانی اس سے

تسخیر ہے سحر ہے کہ اعجاز ہے شعر
ہے نغمۂ کن جس میں یہ وہ ساز ہے شعر

حال دل صوفیاں سنوارا اس نے
اجمیر[1] میں زندہ دل کو مارا اس نے

امجد جب تک نہ ہو طبیعت حاضر
ہوتی نہیں شاعری کسی کی خاطر

کیوں فن لطیف کی تباہی کیجے
کیا ظلم ہوا کہ داد خواہی کیجے

کیا فکر ہے کوئی قدرداں ہو کہ نہ ہو
ہم زندہ رہیں نام و نشاں ہو کہ نہ ہو

رباعی
اے حضرت شیخ اپنی خبر لو پہلے
دامن خود موتیوں سے بھر لو پہلے

دنیا میں کوئی قدر کرے یا نہ کرے
تم آپ تو اپنی قدر کر لو پہلے

رباعی
دنیا نہیں جائے کامرانی کے لئے
مجلس یہ نہیں مرثیہ خوانی کے لئے

جب ماقدروا اللہ[2] خود اللہ کہتا ہے
کیا روتے ہو اپنی قدردانی کے لئے

سید احمد حسین امجد

موسم گرما

اللہ اللہ کیا ہے گرمی
کیا قہر ہے کیا بلا ہے گرمی

ہے دھوپ میں کس غضب کی حدت
کس درجہ ہے مہر کی تمازت

اُف اُف ہے تپش یہ کیسی۔ گویا
اک نیزے پر آفتاب آیا

بدلا ہوا رنگ ہے چمن کا
ہر ایک شجر کھڑا ہے سوکھا

سنسان پڑا ہوا ہے صحرا
عالم نظر آرہا ہے ہُو کا

ہر کوہ ہے کوہ آتش افشاں
دوزخ ہے بنا ہوا بیاباں

شعلہ ہے جو جھونکا ہے ہوا کا
"لو" ہے کہ پیام ہے قضا کا

[1] اجمیر میں شیخ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کا بڑا مقدس مقام ہے

[2] ماقدروا اللہ حق قدرہ ۱۲

پانی کا پتہ نہیں ہے کوسوں — اک رنگ میں بحر و بر ہیں دونوں
تالاب پڑے ہیں خشک سارے — ذرّے ہیں کہ آگ کے شرارے
گرمی سے جلے دل اور سینہ — خوں ہو گیا ہیں کے سب پسینہ
انساں حیواں ہیں سب پریشاں — ہے پیاس سے سب کی جا رہی جاں
خلقت کا ہجوم ہے کنوؤں پر — آب آب کی دھوم ہے کنوؤں پر
گو پانی کو "ما" عرب پکارے — شفقت ہے زیادہ اسکی ماں سے
"ما" سے ہے جو دو خلق ساری — ما کی صدا ہے لب پہ جاری
ہر اک کی زبان پر ہے دنرات — یارب کہیں جلد آئے برسات
کمرے میں کوئی پڑا ہوا ہے — برقی پنکھا لگا ہوا ہے
ٹٹی خس کی ہے پردۂ در — چھڑکاؤ ہے پانی کا برابر
موجود ہے برف اور شربت — فالودہ و سنترے بکثرت
جو چاہا پیا جو چاہا کھایا — پھر بھی اُترا ہوا ہے چہرہ
پھر بھی نہیں پیاس انکی جاتی — بجھتی نہیں آگ کچھ جگر کی
کثرت سے جو پی گئے ٹھنڈائی — ہے نزلہ زکام اور کھانسی
مشکل سے یہ دن تمام کاٹا — رات آئی۔ قیامت آئی گویا
کانوں میں صدا دی مچھروں نے — ہشیار ہو اب کہ ہم ہیں آئے
ہم میں ہے ہر ایک بیل انگن — آ گئے مرے بچے ہے تہمتن
نمرود کی جان ہم نے لی ہے — فوج اسکی تباہ ہم نے کی ہے
لو آ گئی اب ہماری باری — ہے خون بدن غذا ہماری

کھٹمل کی اودھم سے فوج نکلی — ٹکیوں کو کہیں بنا کے بیٹھی
ہر سمت سے حملہ جسم پر ہے — اب جائیں کدھر کہاں مفر ہے
یہ رات کی گرمی یہ بلائیں — کھٹمل مچھر کی یہ جفائیں
نیند آتی نہیں بُری ہے حالت — کس طرح خراب ہو نہ صحت
جنگل میں کوئی پڑا ہوا ہے — بیل اور گئو چُرا رہا ہے
سیراب وہ کھیت کر رہا ہے — باغوں کو کبھی وہ سینچتا ہے
جنگل میں منا رہا ہے منگل — لیٹا ہے زمیں پہ تانے کمبل
اشجار کا شامیانہ سر پر — ہے فرش زمیں ہی اسکا بستر
خطرہ نہیں اُس کے دل میں لوکا — گرمی کا نہیں کچھ اُس کو کھٹکا
گر پیاس لگی کوئیں پہ پہنچا — پانی پیا گرم ہو کہ ٹھنڈا
شربت سے نہیں ہے کام اُس کو — نزلہ نہ تپ و زکام اُس کو
کملی میں وہ مست ہو رہا ہے — اپنی دُھن میں لگا ہوا ہے
گھبرایا جو دل تو گنگنایا — مستی پہ جو آیا خوب گایا
رات آئی تو بن میں سو گیا وہ — بے فکر جہاں سے ہو گیا وہ
کھٹمل کا نہ کچھ نشاں ہے بن میں — مچھر سے اُسے اماں ہے بن میں
یارب ہے تری عجیب قدرت — معلوم ہے تجھ کو تیری حکمت
خلقت میں ہیں ایک سائے انساں — پر طبع میں فرق ہے نمایاں
زردار ہیں اپنے مال میں مست — بے زر بھی ہیں اپنے حال میں مست
محنت سے اُنہیں نہیں ہے کچھ کام — محنت ہی میں پاتے ہیں یہ آرام

پاس اُن کے ہے جمع مال و دولت
قسمت میں لکھی ہے ان کی محنت

بیمار وہ رہتے ہیں ہمیشہ
دکھ درد وہ سہتے ہیں ہمیشہ

دایم ہے نصیب ان کو صحت
حاصل ہے انہیں خوشی، مسرت

اُن کی ہے خطر میں تندرستی
ان کی ہے فزوں ہمیشہ چُستی

بے لطف ہے اُن کی زندگانی
ان کے ہے نصیب شادمانی

گو ان کو غنی حقیر سمجھیں
گو ان کو ذلیل ایسے سمجھیں

لیکن یہ سبب ہیں زندگی کے
ملتے ہیں انھیں سے غلے کپڑے

گھی، دودھ، پیاز سیر سارے
سب کچھ ہیں بدولت ان کی ملتے

پیدا جو نہ غلہ کھیت میں ہو
زر آئے نہ کام اغنیا کو

بے بس ہیں غنی اگر نہ یہ ہوں
بیکس ہیں غنی اگر نہ یہ ہوں

چبھتی ہوئی کہہ رہا ہے یکتا
خود غور سے دیکھو حال اپنا

کرنا کیا چاہیئے یہ سوچو
خواب غفلت سے اب تو چونکو

محمد فریدالدین یکتا

جستجوئے الفت

بہلتا ہی نہیں جی ہے عجب ہنگام تنہائی
ہوا جاتا ہے دل مضطر بنا جاتا ہوں سودائی

یہ تنہائی دماغ و دل سے ربط و ضبط رکھتی ہے
کہ صحرائے جنوں میں کر رہا ہوں دشت پیمائی

بدل سکتا نہیں امید سے اب فلسفہ اس کو
یہ کیسی یاس و حرماں کی مرے دل پر گھٹا چھائی

خلا دل میں ہے ایسا بھر نہیں سکتا داغ اسکو
محال اسکو کہے گی فلسفی کی عقل و دانائی

ہیں غو زائیدہ شور انگیز ایسی خواہشیں دل میں
کہ پورا کر نہیں سکتی ہے ان کو عشرت آرائی

یقیں اُن پر مجھے کرتے ہوئے جی ڈرنے لگتا ہے
جن امیدوں نے دل میں بھی جگہ اب تک نہیں پائی

کھٹک ایسی ہے دل میں جس سے لطف زیست جاتا ہے
بیاں میں کیا کروں لذت جلیسے نے جو کچھ پائی

مرے دل نے نہیں ایذائیں جھیلے رنج و غم لیکن
تلاش الفت جاناں میں ناکامی نظر آئی

میں تاریکی میں اندھوا کیطرح ہر سو ہوں سرگرداں
مجھے کچھ راستہ سوجھے کہاں ایسی ہے بینائی

ڈراتی ہے مجھے شبہات کی ظلمت کو ڈرتا ہوں
کہ گویا طفل پر ہے عالم بیچارگی چھائی

نظر آتی نہیں تسکین کی صورت کوئی مجھکو
کہاں ہے آسمانی طاقت اب کر جلوہ آرائی

بتا مجھ کو یہ عالت کیوں طلبگار محبت کی
محبت بھی ہے کوئی جرم کیوں سر پر بلا آئی

کوئی دلبر طلبگار کیا نہ ایسا مجھ کو دنیا میں
کہوں میں درد دل اپنا کرے وہ ناز و رعنائی

وہ آنسو بھی بہائے درد دل سنکر اگر دلبر
تو میں سمجھوں کہ میں نے قیمت درد نہاں پائی

مرے زخم جگر ان آنسوؤں سے مندمل ہونگے
کریں گے نوشدارو سے بھی بڑھکر راحت افزائی

کیسی آگ ہے دل میں کہ بجھنا جسکا مشکل ہے
جو پوری ہو نہیں سکتی وہ خواہش دل میں کیوں آئی

مرے نزدیک رحمت کا فرشتہ کاش اب ہوتا
امیدوں سے بدل دیتا جو مایوسی یہ ہے چھائی

مری بجھتی ہوئی شمع تمنا کو وہ اکساتا
مرے پیچھے نہ یوں پڑتی مصیبت کی بھیل پائی

کوئی اب لحن داؤدی کا مالک ہی قرین ہوتا
گھٹا دیتی مرے اس غم کو اسکی نغمہ آرائی

دماغ و دل تھا خستہ اسکو وہ تازہ بنا دیتا
تن بیجاں میں میرے جس سے ہوتی روح افزائی

خدایا تیرے بندے کو ہوئی ہے جب سے مایوسی
بس اب در پر ترے منت سے کرتا ہے جبیں سائی

سر اٹھیگا نہ سجدے سے ترے جبتک پاؤنگا مقصد
کہ مجھ کو تیری رحمت تیرے در پہ کھینچکر لائی

خیالات پریشاں کی وہ طوفاں خیز موجیں ہیں
کہ کشتی میرے دلکی کر رہی ہے بحر پیمائی

کسی کی چشم فتاں کی چمک پہنچائے ساحل تک
جگہ اب تک اس امید نے دلمیں مرے پائی

جگر مل جائے سینہ میں کسی کے ہائے اس دل کو
کہیں وارفتگی سے اس کی کہلا دیں نہ سودائی

دل غمناک میرا ناشگفتہ غنچہ ہے گویا
نہ جسنے باغ کی۔ ہو کر شگفتہ کچھ ہوا کھائی

نہ کھلنے ہی سے پہلے ہو گیا پژمردہ کچھ ایسا
نہ کی افسوس شبنم کے بھی قطروں نے مسیحائی

طبیعت کو ہے میری اب تو ایسے کام کی حاجت
توجہ کو جو دائم رکھے مشغول خود آرائی

محمد احمد خاں بیخبر

ریختی

یہ غزلیں ان مشاعرہ کیلئے لکھی گئی تھیں جو ۱۳۳۰ھ میں تقریب نوروز سابق سفیر ایران نواب مرزا شجاعت علیخاں بہادر کے منعقد فرمایا تھا جسکا مصرع طرح یہ تھا کہ "بلبلیں شاد ہیں گلشن میں ہے سامان بہار" فیانہ بندے نے غزگلکتہ کے موقع پر انمیں شرکت کی تھی اور یہ ہر دو غزلیں پڑھی تھیں خصوصاً عورتوں کی زبان میں داد عطف یا اضافت تزکیہ نہیں ہوتی مینے بھی اسی زبان میں اسکو ادا کیا ہے۔

مجھ سے کیا پوچھتی ہے اے مری نادان بہار
گل کی لالہ کی نہیں کیا تجھے پہچان بہار

میاں نوروز بھی پہنے ہیں بسنتی جوڑا
رنگ رلیاں کر و آئی ہے میرجان بہار

دیکھا پھولوں کو کلیجہ ہوا ٹھنڈا ٹھنڈا
بلبلیں کیوں نہوں سو جانسے قربان بہار

لال ہے میری زبان کیا تری تعریف کروں
میرے اللہ نے دی ہے تجھے وہ شان بہار

مرد دامیر اسد ہار اہوا ہے سوت کے گھر
آجکل کھوئے ہوئے ہیں مرے اوسان بہار

خود ہی پھولوں کو دیا رنگ خود ہی بھول گئی
ایسی تھی مری ایسی مری نادان بہار

زعفرانی نہ بنالائیو نوروز کا رنگ
دیکھ اسکی برس اس بات پہ ہوں کان بہار

پانی پیتے ہیں گلستاں کی ہوا کھاتے ہیں
نازک اندام ترے گھر کے ہیں مہمان بہار

اپنے جامہ میں سماتے نہیں شاد ہے پھول
باغ میں جب سے کھلی ہے تری دوکان بہار

شکر ہے دیکھ لیا تجھ کو کھلی دل کی کلی
تھا مہینوں سے مرے دل میں یہ ارمان بہار

تیری رنگت کی چمک کم نہیں بجلی سے کبھی
دو قدم ہے تجھے سو کوس کا میدان بہار

دیکھ جاؤں گی تجھے آ کے چمن میں دو رات
یاد رکھ ہو گا جہاں تک مرا امکان بہار

خاں بہادر کے لئے ہے یہی بیگم کی دعا
ان کی سالگرہ کا مہتیار رہے سامان بہار

دل اُلٹ کے مرا تکنے لگی جنوا نے بہار
دشمنی رکھتی ہے کیوں اتنی خدا جانے بہار

یہ عنادل جو ہیں اُس گل کے میں دیوانے بہار
ان موئے دشمنوں کو فوج وہ پہچانے بہار

خون کس کس کا بہائیں گی رنگیلی لالن
مہندی ہاتھوں میں لگی آتے ہی ملوانے بہار

ننھے ننھے یہ پرندے جو موئے چہچہے ہیں
میں سمجھتی ہوں یہ سب ہیں ترے دیوانے بہار

دن بدن ہائے خزاں لوٹتی ہے روپ مرا
ڈھلتے جوبن سے جوانی لگی گانے بہار

کنگھی چوٹی سے چنبیلی کو جو رکھنا ہے درست
بال سنبل کے لگی آتے ہی سلجھانے بہار

آنکھ پتھرا گئی نرگس کی جو دیکھیں آنکھیں
تیرے گالوں کو جو دیکھا لگی شرمانے بہار

یہ موئی فاختہ آلو کی ہے دم اے شمشاد
نہ یہ پہچانے خزاں کو نہ یہ پہچانے بہار

کھل گئی دل کی کلی خوش ہوا سارا کنبہ
تیرے سہرے کی جو لڑیاں لگیں دکھلانے بہار

ایک تو سوت موئی کا تھا جلایا مجھ کو
دوسری آئی ہے تو دل مرا تڑپانے بہار

باغ میں آ کے بڑا اور بھی ٹھٹکا اُس کا
روپ پھولوں پہ جو دیکھا لگی اترانے بہار

اے بوا سو لاں ہی آنے میں تو ہو گا سب کچھ
کاش سات آنے خزاں موئے تو نو آنے بہار

گھر کے پنجرے میں کیا ہے مجھے صیاد نے بند
میری پاپوش خزاں میری بلا جانے بہار

سُن کے بلبل کے ترانوں کو کہا بیگم نے
تیری تعریف کے گاتی ہیں یہ سب گانے بہار

عابد مرزا بیگ

روح ادب

اظہر۔ جناب سید محبوب علیصاحب

بھر کر آیا ہے سوز آہ میں خیال کو کار روشن میں
تری تصویر بنتا ہے یہ دیدۂ حیرت کے مطلعے میں

نہاں دنیا دیکھ کر ہی گیا ہی کی
جھپکے پلکے ہیں کہ نال کے دانے میں

مرے کا انڈ دیکھو کہ وہ رہتے ہے اٹھے
جنہا پہنچے ہے تری بزم نگاہ روشن میں

تمہارا چشم فتاں دیکھ کے کہتے ہیں ہم کہ نگاہ یاس سے تھی ہم پہ نگاہ گلشن میں

نہیں دیکھا تو گویا جو دیکھا
کمال ہے تمہارے دید روشن میں

ہزار التفتیں کیں کہہ دیا پڑوں پہ کے
ہوا وہ مہر کہ لیکھ پہ جو انہیں بیچ میں

غزل گوئی پہ کچھ فخر ہو کہ نکتہ اے اظہر
تمام اس حال ہو جو ہو اشعار شعر میں

اختر۔ جناب سید علی اختر صاحب

کوئی دیکھے تو کرونگی اداسی کو بھی
طلوع صبح کیا جنت اترائی گلشن میں

جبھی تو تھے وہ ساز ہستی ٹھہرا لے
کہ یہ صبح نم تبسم در سوز روشن میں

سر گوشیاں ہمدمی کا درس ملتا ہے
کہ عبرت خود آفرین ہی صبح روشن میں

قیامت تھا طلوع شاہ کار مہر ادنیا
نئی اک روح دوڑا دی کلی کلی نے گلشن میں

گھڑی بھر کو اگر وحشت ہوئی ہو گیسوئے شب سے
ادھر بھی دیکھ لیتے ہیں پہر بھی صبح روشن میں

قفس میں دیکھ کر بلبل کو زنداں اور ہتھکڑی
الٰہی جا نہ کے بھی نہ ہر مرے نشیمن میں

عالم شدت گرما ہی کا فضل ہیں اختر
میں یوں گرمی کی راتیں بیٹھ کر ہیں صحن گلشن میں

الہ۔ جناب ڈاکٹر میر مہدی حسین حضوی

خدا جانے کہ ہے پیدا یہ کیسی چرخ روشن میں
ہزار دل دار لیتے ہیں یہ ظالم ایک چتون میں

ادھر خنجر ادھر سینہ ادھر گردن ادھر تیور
وفا نے آج بھی ٹھانی کہ ادھر سے کوئی نہ جانوں

باغ۔ جناب سید کاظم علیصاحب

طلسم شیر صحبت ہے ہمارا رنگ گلشن میں
شعاع مہر ہر ذرہ کی تابانی ہے دامن میں

قیامت کی تجلی ہے کہ ایسا ہیولا ہے
نظر آتا ہے جلوہ طور کا ہر کہکشاں گلشن میں

پس مرگ ہوا ہے افزاں جسم رعنا کیسا
ہمارا ہی جرح جنت ہے اور آتا ہے دفن میں

بتاتا ہے مری آنکھوں میں نقشہ اپنی ہونی کا
نظر آتا ہے اپنا گھر مجھے ہر وقت گلشن میں

صدا سنتے ہی ہولاں نے کیا چاک گریباں کو
خدا معلوم کیسا راز تھا بلبل کے شیون میں

تمہیں دیکھا کہ کانپ اٹھیں ہزاروں آہ جاں بولی
ہوئی ہے فن اداسی کی دنیا کے گلستاں میں

ازل سے عاشقوں کی دولت اور ہے کسی کی فنا ہی ہے
مرے رونے کا انداز ترنم بھی کر لیتے
یہاں جتنے تھے آنسو بیٹھا دامن میں

کوئی استوت دیکھے بلبل بتاب کیا کہنا
گلوں سے بھی اچھا لیا کرتی ہے گلشن میں

تصور رہنما ہوتا ہے دیکھ کر دیکھ کر
بسر کرتے ہیں اب فانوس بھی ہو کر گلشن میں

جوہر۔ جناب معشوق علیخانصاحب

خزاں نے خشر برپا کر دیا آ کے گلشن میں
صدا سی مور کی تاثیر بلبل کے ترنم میں

فنا قدرت بھی ہے حیرت کا ساماں آئے
فنا کو دیکھ کر جی جاگا کر تصویر ہم میں

گری ہے پھر بھی شبنم گر تری خوشی کی
گریباں کفن چاک ہو عاشق کا ذرہ ذرہ میں

یہ کیوں کی ہو تو اے قرآنی مصور کیا
پھر کیا ایسا ہی ایسا بن تکلم کیوں نہیں میں

ہو حال اس گلبدن کا جس پہ اپنی دیکھ لے آئین
بہ ہر چیز تو ہوں کس پہ اپنی دیکھ لے آئین

یہی ہستی ہے جو کی چہرہ دستی ہے تو دیکھو گے
گریباں چاک کرنا کس کو کہتے ہیں کسے کہتے
ایکیلے شب قدمیں ہی گزرتی ہے تو دیکھو گے
ہمارا کشتہ تیغ ہم نہیں کہتے کہ عرفی میں
کہیں کا بھی نہ رکھا آہ سوز درد ہجر تجھ کو
لگا دی برق تو نے کر کے تو خرمن میں
عجب عاشق نواشی کی تمنا ہے
اور لیلیٰ میں کوئی جا نہیں پھر شوق محمل کو
لحد پر کیوں نہ ہو اے بیکسی انبوہ شیدائی
یہ سب کچھ ہے مگر کیا کیجئے قسمت ہی ایسی ہے
کہ تو یہاں ٹھہرا ہی نہیں کی تو جلیں کیوں

مدیر۔ جناب محمد عظمت اللہ خانصاحب

لے ہو بلبلو کیا کیا ہمکو گلشن میں
چلے تھے پھولنے پھولے ہو گئے خار دامن میں
چمن میں دیکھنے ہی کی لگے جانے کو گل کا
یہ کیسا بخت برگشتہ خدا جانے کہاں کا ہے
دل حسرت زدہ کو مرحبا کہتے ہیں لاؤ
یہاں کا کیا سماں سمجھو کو نظر آتا ہے گلشن میں
دل افسردہ کیسے پھر ہو گرمِ عیش و عشرت
فراغت کیسی بہار آئی ہے گلشن میں
انہ افسوس ہے بندہ دل کا ہوا الٹا
مگر پھر کے آتے آتے جانے کہاں تم تھے دشمن میں
کوئی تعبیر کہہ کے اسکی ہو اور میں مر جاؤں
دل مبارک کو کچھ تسلی ہو گی مدفن میں
چلا نا زانہ تو فوں ہو گئے تیر قضا ہو کے
بقا ہی اُنکے تیر انداز ہے جو ہیں
نگاہیں پھیر لینا رہ نہ جانا اجنبی ہو کر
وہ جیسے پیش بینی تھی تیرے قول کی جو تم نے
نگہ اُس نے کی کی کیا آفت ادا سے
یہ تیر کیا ہے ایک آگ ہے کی ہے سر میں

وادی۔ جناب عبد الصمد خانصاحب

ہوا ہو حلقہ و عشرت گہ کس میں
کوئی یہ شمع روشن رہ گئی ہے دامن میں
قیامت ہی ہے کہ تو ہی سیاہ آب قاتل
نہ ہو رہا تو اس قطرہ کو بھی مرجان میں
فغاں کیسی کی ہو گی ہیں جس میں یاد
سو خاک کچھ بھی نہیں ہے سیر چمن میں
خدا سمجھا کھا کر خار دامن کو اپنے
یہ کہتے گا کہ بلبل کا مرے یہ سر ہیں تن میں
فلاکر خاک میں مل جا یہ کس کی ظالم
ذرا تو دیکھ کتنی بہر گئی ہے گرد دامن میں
صبر الہی میں اکبر کو بھی جی لے جانا
عیادت کو کیا آئی مرے تن میں

چلے تھے وعظ و اعظ تو کہنے کی نہ بات کو
وہ اٹھے ہو گئے کیوں مے خانہ کے در میں
اثر وہ غم کا آگ لگا دیں مرے بدن میں
فقط آنکھ جلانی رہی ہے شمع مرغ میں
نہیں ہے کوئی نیچ انقلاب ہر رنگ میں
کہ بلبل نم میں اور پروانہ آگ گلشن میں
کرو گے کا زیر پا مار مرغ شب کی کو
اگر تربت لائمہ کا کیا پاؤ گے تم میں
گھٹا رو دھا دھی تو شرع ہو گیا
چھپا لیگی ترا رنگ اپنے دامن میں

واقف۔ جناب واقف صاحب

مزا ہے جہاں گیر فی گلشن میں
کہ بلبل طائر تصویر ہے اپنے نشیمن میں
صبا بتلا ہو چھو کی کسی کے گیسوئے پر خم
کہ ہر تار نفس ہے اک دل صد چاک دامن میں
کسے کہ لیں خبر کا جب ہے پورا نہ کھلنا اپنا ہر بات کے مشرح رہتی ہے
نہ ہو ہے دل فگار کش کی کہ کشتہ بھی کہ کہ کیسے ہو آنکھ آگے دیر ہمدم میں
یہ جب کہا کہ غیر کو اجازت ہے غیاب کی
محفل قطع کر کے ہم بزم دشمن میں
خلوت نشاں کا کچھ پتا نشانہ ہے کے پردہ
رو گرفتہ ہو اے خیر کے دامن میں

یسین۔ جناب غلام یسین خانصاحب

تجلی طور کی ہی تھی ہمارے دردِ دل میں
لگا نے کو کہیں صورت کہ آگ طور جل میں
جو نہیں ہے کیا انصاف اے بیگانہ ظالم
قیامت ہو رہی ہے جب ہے کے کوئی میں
تمہارے لفظ خرچ کے کو دیکھ کر بولا
رقابت حسرتاً کہتا ہے کیا کیا منہ سے
کریں ہے جاتا ہوں اس محفل میں
لئے جاتا ہوں اپنے ہمراہ کس قلب مرد میں
مجھے ہمارا ہو وارداتا کے ہی
جو تھوڑا ہو تا باقی کہ ہے ہر دم میں
بہت رسا ہے میرے مرتبہ والا بیان
میں ہر اک لفظ کے گیا ہوں مرد میں
عجب لطف ہو ہی ہو تا بصل یار سے
جو نہ لا ہو کہانی ہو ہے ہر گلشن میں
تمنا کر کے دے گا کہ ہو تی کہ
ہی کہ ہو تا باقی کہ ہے ہر دم میں
ہزار ارمان لے کر ہو ہر من باغ عالم
بہار آئی نہ آئی نو فقط اک گلشن میں
کہ ہو طوق محبت یا کہ اب کی گردن میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
عربی بنا کا تفوق	انجمانیمانجمن مولوی سید جلال الدین صاحب حیدرآبادی	۱
خیالات آزاد	مولوی سید محمد حسین صاحب آزاد	۱۲
پانی	جناب مولوی میر غوث الدین صاحب ماسٹر	۱۳
غزل	جناب حکیم عبدالرزاق صاحب شاہد	۲۴
نمائش	جناب عزیز الدین صاحب عزیز	۲۴
سیاحت یورپ	جناب عزالدین محمد صاحب مستوفی۔ اے	۲۵
تاج عصمت (قصہ)	حاجی لوی سید اللہ بخش صاحب توحید	۳۳
رفتار زمانہ	سودائی	۴۱
نادیڑی نیلے	مصنفہ خالہ بیبا آغا حیدر حسن صاحب مولوی (علیگ)	۴۲
جذبات غیور	جناب مولوی حکیم سید غلام عابد علیہ صاحب غیور	۵۲

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
ذکیات	شمس العلماء خان بہادر حکیم سید محمد اللہ خان صاحب آنریری	۵۳
تماشائے اپنے کا تماشا	مرسلہ جناب میر محمد حسین صاحب بیدار بی اے ایل ایل بی	۵۷
برورش لوح	جناب مولوی حکیم محمد غوث خان صاحب مست	۵۸
نمائش	جناب مولوی سید علی اللہ حسینی صاحب اظہر	۵۹
انجمن اپنے مکان کی	عالیجناب نواب سید حسین بلگرامی صاحب آنریری	۶۰
دو شنبہ بہار	عالیجناب نواب شمس الدین احمد خان صاحب بہادر	۶۱
روح الکلام	جناب مولوی سید محمد قبال الدین صاحب فاضل	۶۲
انقلاب ہستی	جناب سید علی نواب صاحب قصور یار جنگ حیدرآبادی	۶۳
شراب	جناب مولوی حکیم سید انوار الدین صاحب حیدرآبادی	۶۴
روح ادب	غزلیات شعرائے بزم مشاعرہ بلغ صاحب کرنہ	۶۵

خدائے تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تاج کا یہ تیسرا نمبر ناظرین کرام کے ملاحظہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ناظرین کرام خود ملاحظہ فرما لیں گے کہ رسالہ کی ظاہری و باطنی خوبیوں کی کوشش میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔ ہم جناب مولوی ابوالنظر محمد انوار اللہ صاحب بیرسٹر ایٹ لا کے اس لئے شکر گزار ہیں کہ انہی کی توجہ شامل حال سے تاج کی یہ اشاعت ہو رہی ہے۔ ہم کو ثابت ہے اور ہمارا تجربہ ہے کہ جس قدر تاج حضرات کا شکریہ لیتی ہے اسی قدر تاج کی توسیع اشاعت میں حصہ لیتے ہیں۔ جناب مولانا سید کاظم علی صاحب باغ دلکشا مولانا محمد عبدالحمید صاحب بی اے علی گڑھ، مولانا حبیب الرحمن صاحب خان بہادر، مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنؤ، مولانا محمد عبدالحق صاحب آنریری مجسٹریٹ حیدرآباد، مولانا سید محمد صاحب بی اے علی گڑھ، مولانا محمد عبدالحق صاحب بی اے علی گڑھ، مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنؤ، مولانا محمد عبدالحمید صاحب بی اے علی گڑھ

کی ادارۂ صدارت سے فوراً کالج کو ضرور مستفید فرمائیے۔

اس نمبر میں حسب ذیل مضامین ہیں جو اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہترین ہیں۔ امید کہ ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہونگے۔

عربی زبان کا تقریظ و انتقاد کی مغربی دوسری زبانوں پر۔ یہ مضمون مولانا مولوی سید جلال صاحب مہدوی کا ہے جو عالمانہ مضامین لکھنے میں ایک خاص درجہ رکھتے ہیں۔ ناظرین کرام اس کی ملاحظہ کے بعد خود محسوس فرمائیگے کہ یہ دعویٰ کس پایہ کے فاضل ہی ایسا اعلیٰ مضمون لکھ سکتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مولانا صاحب وعدہ کے پابند ہونگے اور اپنے مضامین سے ہمیں زینت فرمائیں گے۔

پانی۔ حفظان صحت کے لحاظ سے پانی کا مضمون نہایت مفید ہے۔ ناظرین اس کو ضرور مستفید ہونگے۔ محقق مضمون نگار مولوی سید غوث الدین علی صاحب اسسٹنٹ سرجن سے ہم نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آئندہ اپنے بہتر مضامین سے تاج کو زینت فرمائیں گے۔

غزلیات۔ حکیم مسٹر گرو پرشاد صاحب سرفراز نے خوب غزل کہی ہے۔ ان کی غزل کا انداز دلکش ہوتا ہے مشکل مضامین کو الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ کلام میں آورد نہیں ہوتی۔ بلیغت اچھی پائی ہے۔

چنار گڑھ۔ یہ مہاراجہ سنگھی راجہ اجایا سنگھ مہاراجہ سرکش پرشاد بہادر یمین السلطنت المتخلص بہ شاد جمیع القابہ ہز ہائنس فاضل کی ہے جو زبان کے لحاظ سے اور شاہانہ اقتباس سے درعرصہ آفرینی و تحسین ہے۔ ممدوح کے نام نامی سے کون واقف نہیں آج پچاس برس کی ایک امیر اعظم ہونے کے علاوہ متعدد علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ بیسیوں کتب علمیہ و ادبیہ کے مصنف ہیں ایک مسلم الثبوت اشاعت پرور اور مائل سخنوری ہیں۔ یہ رسالہ کی خوش بختی ہے کہ ممدوح نے جہاں اس کو اپنی نظر ذیشان سے اسکو زینت فرمایا ہے۔ ہم متوقع ہیں کہ ممدوح اپنے مضامین نظم و نثر سے رسالۂ تاج کو مفتخر و مفتخر فرمایا کرینگے۔

معاشیات کے مفہوم کی تعریف اور اسکا نشوونما۔ معاشیات کے مضامین سے ملک کو واقف ہونے کی نہایت ضرورت ہے ہم خان عبدالدین محمد صاحب کے شکر گزار ہیں انہوں نے معاشیات سے ملک کو واقف کرانے کی طرف توجہ کی جو ملک کے حق میں اور ہمارے مضمون سے امید ہے کہ وہ اس کے سلسلہ جاری رکھیں گے۔

عصمت۔ ایک دلچسپ نتیجہ خیز قصہ ہے جو دلکش پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے جسکی نسبت ہم اپنے تہ دل سے ممنون ہیں مولوی سید [illegible] شکر گزار ہیں۔

[illegible] بہ حضور ملحوظ خاطر جناب آغا حیدر حسن صاحب کا یہ لطیف مضمون قابل دید ہے۔ ناظرین اس کے مطالعہ کے بعد [illegible] کی داد دیئے بغیر نہ رہیں گے اور اس کا بھی اندازہ کر لیں گے کہ ہم نے اوپر جناب آغا صاحب کی جو قدر توصیف کی ہے واقعیت پر مبنی ہے یا نہیں۔

بات غیور۔ حضور صاحب حیدرآباد کے ایک ممتاز شاعر ہیں۔ اچھے شاعر ہیں۔ خوب کہتے ہیں۔

نیات۔ شمس المورخین حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب ایم۔ آر۔ اے۔ ایس کو تاریخی مضامین کے لکھنے میں جو مہارت ہے اس سے علمی دنیا واقف ہے۔ آپ کے تاریخی مضامین قابل دید ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین کرام مطالعہ سے مستفید ہونگے۔

بھاں راجہ کا زبان تحقیق۔ آزاد بلگرامی کے چند ابیات ہیں جنکا مطالعہ خالی از دلچسپی نہیں ہے۔

[illegible] نعت۔ [illegible] ہوئی قصدہ میں حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہوتا ہے عرس کی تقریب میں مولانا مست نے [illegible] جو اظہار ارادت و بندگی فرمایا ہے اس سے ان کے سچے جذبات کا پتہ ملتا ہے۔ اسکا مطالعہ حاضرین حال کیلئے وجہ کا باعث ہوگا

[illegible] اس نظم میں مولوی سید اعظم اللہ حسینی صاحب اظہر وکیل نے سفارش کی قوت و اثر کو جس خوبی سے ادا کیا ہے وہ واقعیت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

آج کل اپنے نصیبے کا سکندر تاج ہے ۔ نظم رسالہ تاج کی تعریف میں کہی گئی ہے جس کے لئے رسالہ تاج حضرت ہر ترصاحب قبلہ مدظلہ کا احمد ممنون و سپاسگزار ہے۔ مولانا ہر ترصاحب یادگار خاندان غالب و جانشین حضرت فخر الہلوی مرحوم ہیں۔ مستند شاعر اور فاضل انشا پرداز ہیں۔ آپ کی واقعی تعریف بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے اس لئے ہم مختصر اکتفا کرتے ہیں۔ خاموشی بہ از صد مقالہ است

روح الکلام ۔ جناب فیاض صاحب حیدرآبادی عاشقانہ اشعار کے علاوہ ناصحانہ نظمیں بھی کہا کرتے ہیں اور خوب کہتے ہیں آپنے غزل کی زمین میں اخلاقی اشعار کہے ہیں جو الفاظ و معانی کی خوبیوں کے لحاظ سے قابل تعریف ہیں۔ طرفہ اتفاق ہے کہ فیاض صاحب بھی جن کا نام ابوالفیض ہے اور جنہوں نے عقد بیوگاں پر ایک دلچسپ مثنوی تصنیف کی ہے جس پر ملک کے فاضل اہل قلم مثلاً ڈاکٹر سید اقبال و مولانا عبدالسلام ندوی و علامۃ العصر اکبر الہ آبادی مرحوم و غیرہم نے تقاریظ لکھی ہیں۔ مگر علوم نہیں کہ حیثیت اقبال کا نام و ترکیب والا نام ان کا عرف ہے یا درست ہے نام۔

انقلاب مسیحی ۔ صاف ستھری نظم ہے جو جناب علی نواز صاحب قصور امانت خانی کی فکر بلند کا نتیجہ ہے۔

شراب ۔ جناب مولوی حکیم سید انوار الدین صاحب علیق تلمیذ عالیجناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل نے شراب پر خوب نظم لکھی ہے ضرورت ہے کہ ایسی مضر مہلک و مخرب اخلاق چیز سے بازرکھنے کے لئے اس کی برائیوں کو بار بار بتایا جائے

روح اوپج ۔ اس شاعرہ میں علاوہ اور غزلوں کے مندرجہ ذیل اساتذہ کی غزلیں قابل دید ہیں۔ حضرت ہر ترصاحب بانی و جناب جوش و جناب حکیم و جناب خامس و جناب مرنا و جناب نظم و جناب ابوالفیض۔

آخر میں ہم اپنے معاصرین حضور عالی مدیر رہبر دکن و مدیر نسیان الملک کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے رسالہ تاج کی واقعی تعریف کہ اظہار میں دریغ نہیں فرمایا۔ اور مدیر النور و شعیر دکن کا مختصر مگر مفید انتقاد کے بھی معترف اور شکر گزار ہیں

انتقاد

وقائع مرزا یار جنگ } ہر زمانہ میں ضرورت ہے کہ ملک کے قابل قدر بہترین افراد نے دفاتح سے حاملۃ الرسائل واقف کرائے جائیں تاکہ لوگ ان افراد کے خصائل پسندیدہ سے واقف و دان کے عزائم بلند سے مطلع ہوکر اپنی قدر و منزلت چمکانے کی کوشش کریں۔ ان کے اقوال و افعال کی پیروی کریں۔ جناب ادیب فاضل سید نظر علیخاں انہوں نے اس اہم و مہتم بالشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ چنانچہ (وقائع مرزا یار جنگ) ایک بہترین سوانحعمری مرتب کی ہے جس کی کلھوائی چھپائی کاغذ عمدہ اور دیدہ زیب ہے حجم (۴۰) صفحے قیمت رسالہ عبداللہ مکان مرتب صاحب کے پتہ سے مگ قیمت میں ملسکتی ہے۔

بزم اردو } یہ اردو کے چند بہترین مضامین کا ایک انتخاب ہے جسکو حکیم الدین احمد صاحب عارف نے مدارس وسطانیہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے طلبہ کیلئے اسوقت تک اس قسم کے جو انتخابات ہندی میں شائع ہوئے ہیں ان کے مقابلہ میں اس میں بعض ممتاز خصوصیات پائی جاتی ہیں مثلاً ایک مضامین مختلف ابواب پر منقسم ہیں اور ہر باب میں مختلف عنوان ہیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مضامین انتخاب کرنے میں جامع نے فاضل توجہ کی ہے اور اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ ایک پڑھنے والوں میں نہ صرف ابھی ذوق پیدا ہو بلکہ سمجھ تحریر میں بھی ایک ساتھ ترقی پیدا ہوتی جائے اس منشا کو پورا کرنے کیلئے ایسے مضامین انتخاب کیے گئے ہیں جنکی زبان اور طرز اسلوب نہ تو ایسا مشکل ہے کہ انکا سمجھنا انکی فہم سے بالاتر ہو اور نہ وہ اسقدر آسان کہ انکی تدریس بیسود سمجھی جائے۔ کتاب میں ایسے مضامین ہیں جنکے عنوانات سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ انکا سمجھنا طلبۂ وسطانیہ کی استعداد سے بالاتر ہوگا تاریخ اردو، مقصد حیات، علما سلف لیکن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مضامین کی طرز ادا استعداد فہم کو وہ بہ آسانی سمجھ لیا کرتے ہیں

لسان الملک

زبانِ اُردو کا ایک تاریخی اور علمی رسالہ ہے جو زبانِ اردو کے ایک نامور شاعر اور مشہور اہلِ قلم مولانا سید محمد ضامن صاحب ضامنؔ کنتوری کی ایڈیٹری میں ایکسال سے نکل رہا ہے اور اپنے علمی وتاریخی مضامین کے باعث قبولیتِ عام حاصل کرلیا ہے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں گذشتہ نمبر میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں انکی فہرست ذیل میں درج آئندہ نمبر میں ایک خاص مضمون کو لکھنؤ کے عنوان پر ہوگا اور ہر مضمون نگار کا فوٹو بھی شائع ہوگا

مضمون نگار — نام مضامین

بزمِ لسان الملک	ایڈیٹر
رشحاتِ فکر جواہر ملک	نذرِ کشنی راجہ اجایبان راجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت جی۔ سی۔ آئی۔ ای تخلص شادؔ
امواجِ شمسی	ایڈیٹر
نغمۂ شوق	جناب نواب مرزا جعفر علیخاں صاحب بی۔ اے اثرؔ لکھنوی
رباعی	ضامنؔ کنتوری
حدیقۂ عثمانی	سید نظر علی اشہر
غزل	جناب مولانا سید محمد کاظم صاحب نجیبؔ کنتوری
علمتِ شاعر	جناب نواب شبیر حسین صاحب جوشؔ ملیح آبادی
محمدیات	ضامنؔ کنتوری
ارتباط	جناب مولوی سید رضا احمد صاحب
غزل	جناب مولوی سید مجتبیٰ حسین صاحب نادرؔ حیدرآبادی
کچھ آثارِ بہار	ضامنؔ کنتوری
شکسپیار ورک بیتھاٹ الصانی	جناب مولوی سید تفضل حسین صاحب ناثرؔ
ثنائے سخن	جناب مولوی احمد عارف صاحب حیدرآبادی
علاء الدین چینی	جناب مولوی حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔
شہیدِ وفا	ضامنؔ کنتوری
نقشِ قدم	جناب ڈاکٹر مہدی خاں صاحب کوکبؔ
محفل کا راز	جناب مولوی غلام مجتبیٰ صاحب شادؔ بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔
قطعاتِ تاریخ	جناب ناظر صاحب
دستۂ گل	انتخاب غزلیات شاعرۂ مفتہ شہرالمکرم ۱۳۴۲ھ

قیمت سالانہ مع محصولڈاک (۵) ششماہی (۳) فی پرچہ (۱) منیجر لسان الملک دلاور گنج حیدرآباد دکن

عربی زبان کا تفوق اور اسکی مزیت

دوسری بانو پیر

(از جناب مولانا مولوی سید جلال صاحب مہدوی مدرس)

موجودات عالم کی مرتبیات میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اپنی عظمت و شان میں ایک خاص امتیاز اور مخصوص و ممتاز پایہ رکھتی ہیں منجملہ ان کے اجرام سماوی میں سیارات ہیں اور اجسام ارضی میں خزائن و دفائن اور سیم و زر ہے اور معدنی جواہر ہیں اور جسم مائی میں لالی و مرجان ہے اور انہار و آبار و آبشار ہیں۔

اگر ہم دنیا کی زبانوں کو سیارات قرار دیں تو ٹھیک اور بجا طور پر ہم عربی زبان کو اُن سیارات میں شمس و قمر کا درجہ دے سکتے ہیں جس طرح سیارات کی عظمت اور اُن کا نور آفتاب و مہتاب کے سامنے بے حقیقت اور ماند ہو جاتا ہے اسی طرح عربی زبان کی وسعت اور اسکی خوبیوں کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی زبان وسعت اور محاسن میں اُس کی برابری نہیں کر سکتی۔

اسی طرح اگر ہم اقوام عالم کی زبانوں کو سیم و زر کے ریزوں سے تشبیہ دیں تو ہم عربی زبان کو

اُن کے مقابلہ میں خزانہ قارونی یا موجودہ زمانہ کے برطانی اور امریکی مسکوک اور غیر مسکوک سیم وزر کے انبار وں کی مالک واحد کہہ سکتے ہیں۔

یا اگر ہم دنیا کی تمام زبانوں کو جوہریوں کی دُکان کے بساط پر پھیلے اور بکھرے ہوئے ریزہائے الماس و یاقوت و زمرد وغیرہ ضیا پاش اجرام سے مشابہت دیں تو بلا شبہ ہم عربی زبان کو دنیا کی تمام جواہرات کی کانوں یا شاہان عالم کے تمام جواہر خانوں کا مالک کل یا مختار کل کہہ سکتے ہیں جس کے خوشنما اور خوشرنگ ضیا پاش جواہر کے سامنے دوسری زبانوں کا سرمایہ خزف ریزوں اور رنگین پتھروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

یا اگر ہم دنیا کی زبانوں کو دریاؤں (ندیوں) اور آبشاروں کے رنگین اور خوشنما سنگریزوں سے تشبیہ دیں تو بلا ریب ہم عربی زبان کو تمام سمندروں کا اجارہ دار کہہ سکتے ہیں جس کے گودام میں بے حد و حساب لآلی و مرجان ہیں جن کی آب و تاب اور خوشابی کے مقابلہ میں رنگین اور خوشنما سنگریزوں کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

ایسا ہی اگر ہم اقطاع عالم کی زبانوں کو انہار و آبار و آبشار قرار دیں تو ہماری فکر رسا کا غواص عربی زبان کو ایک ایسا بحر مواج اور متلاطم و ذخار سمندر قرار دیتا ہے جس کا پیراک کبھی سواحل کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔

پھر اگر ہم دنیا کی تمام زبانوں کو چھوٹے چھوٹے خانہ باغوں کے پھولوں کے چند پودوں سے تشبیہ دیں تو واقعی اور حقیقی طور پر ہمارے خیال کا باغبان عربی زبان کو

سلہ۔ اسی بنا پر محققین السنہ اور ائمہ فن کی یہ متفقہ اور فیصل شدہ رائے ہے کہ عربی زبان کے کلمات کی کما حقہ اور معرفت معانی بنی کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔

ایک ایسا وسیع شاداب اور پر فضا باغ تصور کرتا ہے جو مد بصر تک میلوں پھیلا ہوا لہلہا رہا ہے اور جس کے بیحد و حساب چمن زار کیاریوں میں ہزاروں سرو شمشاد۔ نسرین و نسترن اور گلی و یاسمن۔ شقایق نعمان سنبل و ضمیران اور گل و ریحان مختلف الالوان۔ خوشنما۔ خوشرنگ اور خوشبودار پھولوں کے تختہ کے تختہ لگ رہے ہیں جن کی خوشرنگی اور خوشبوئی سے ایک عالم کی آنکھیں پر نور و پر سرور اور دماغ معطر اور معنبر ہو رہے ہیں اور اُس کے سیر کرنے والے کی زبان پر بیساختہ یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

(۲)

اب ہم ان انسانی اور ضمنی امور سے قطع نظر کر کے اصل مقصد کی طرف جو واقعات پر مبنی ہے متوجہ ہوتے ہیں۔

عربی زبان کی خصوصیات محاسن میں چند امور قابل ذکر اور لائق توجہ ہیں۔ ایک اُن میں سے اُسکی بے نظیر اور محیر العقول وسعت ہے اس خاص وصف میں دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی کوئی زبان اُسکی برابری کا دم نہیں مار سکتی۔

زبیدی کی کتاب العین کی جو نقل جلال الدین سیوطی کی مزہر میں اور اُس کی نقل تاج العروس شرح قاموس میں ہے اُس سے ظاہر ہے کہ عربی زبان کے کلمات یعنے مواد کی تعداد چھیاسٹھ لاکھ اسٹھ ہزار چار سو ہے۔[1]

[1] جس تعداد کا اوپر ذکر ہوا ہے اسمیں کی بہت لمبی چوڑی تفصیل بیان کی گئی ہے یعنے الفاظ ثلاثی کی تعداد جدا بتائی گئی ہے اور رُباعی کی جدا اور خماسی کی علٰحدہ اور پھر ان میں سے ہر ایک قسم کے کلمات صحیح کی تعداد کو الگ کیا ہے اور مثل کو الگ اور اسی طرح موضوع کو جدا کیا گیا ہے اور مہمل کو علٰحدہ۔ لیکن ہم اس تفصیل کو غیر ضروری سمجھکر نظر انداز کرتے ہیں اس سے ہمارا مقصد صرف ایک اندازہ اور نمونہ بتانا ہے اور وہ ہمارے بیان سے حاصل ہو جاتا ہے۔

باستثنا حروف کے اہل عرب نے کلمات کو بلحاظ ترکیب حروف اور تعداد حروف مرکبہ کے تین قسموں (ثلاثی۔ رباعی اور خماسی) میں تقسیم کیا ہے یعنے زبان عرب کے جتنے کلمات ہیں وہ انہیں مذکورہ تین قسموں میں محصور ہیں۔ لیکن یہ امر ذہن نشین رہے کہ یہ تجدید اور حصر صرف مجردات کی حد تک ہے زوائد اور مشتبات اس سے بالکل جدا ہیں۔

اسماء کا وجود ہر ایک مادہ میں پایا جاتا ہے خواہ وہ مادہ ثلاثی ہو یا رباعی یا خماسی۔ لیکن افعال صرف ثلاثی اور رباعی کے مادوں میں محصور ہیں یعنے فعل کا کوئی مادہ ثلاثی اور رباعی سے تجاوز نہیں ہوتا۔

اب ہم سب سے پہلے مواد کی تقلیبات کو بیان کرتے ہیں کیونکہ انکی تعداد بہ نسبت افعال اور مصادر اور مشتقات کے بہت کم ہے اس کے بعد مشتقات۔ افعال اور اسمائے مشتقہ کی تفصیل بیان کریں گے اور ذیل میں مواد ثلاثی و رباعی و خماسی کی سلسلہ وار تفصیل درج کرتے ہیں۔

مواد ثلاثی میں یہ امر ذہن نشین رہے کہ ثلاثی مجرد کے ہر ایک مادہ میں مع اصل مادہ کے چھ مادے پیدا ہوتے ہیں اور بعض وقت وہ سب کے سب موضوع (با معنے) ہوتے ہیں اور بعض سورتوں میں چند موضوع اور چند مہمل (بے معنے) ہوتے ہیں۔

اوّل۔ مواد ثلاثی مجرد۔

ذیل کے مادوں میں ہر ایک مادہ موضوع ہے۔

۱۔ قمر۔ مقر۔ رمق۔ مرق۔ رقم۔ قرم۔

۲۔ عرب۔ رعب۔ بعر۔ عبر۔ برع۔ ربع۔

۳۔ قرب۔ رقب۔ بقر۔ قبر۔ برق۔ ربق۔

۴۔ حرب۔ جب۔ برح۔ رجح۔ بحر۔ جبر۔
۵۔ قلب۔ لقب۔ بلق۔ لبق۔ بقل۔ قبل۔
۶۔ ضمر۔ مضر۔ مرض۔ رمض۔ حزم۔ رضم۔
۷۔ رف۔ فرء۔ فأر۔ ارف۔ رأف۔

ذیل کے مادوں میں ہر ایک مادہ کے پانچ مادہ موضوع اور ایک ایک مادہ آخر کا مہمل ہے

۱۔ شعب۔ عشب۔ بشع۔ شبع۔ عبش۔ بعش۔
۲۔ لبد۔ بلد۔ بدل۔ دبل۔ دلب۔ لدب۔
۳۔ شنب۔ فنب۔ بفن۔ شبن۔ نبش۔ منش۔
۴۔ شعر۔ عشر۔ رعش۔ عرش۔ رشع۔ رشع۔
۵۔ رضب۔ ضرب۔ برض۔ ربض۔ ضبر۔ بضر۔

ذیل کے مادوں میں ابتدائی چار چار مادے موضوع اور آخر کے دو دو مادے مہمل ہیں

۱۔ فرش۔ شفر۔ شرف۔ رشف۔ رفش۔ فشر۔
۲۔ شرب۔ برش۔ بشر۔ شبر۔ رشب۔ ربش۔

دوم۔ رباعی مجرد کے ہر ایک مادے میں مع اصل مادہ کے چوبیس مادے پیدا ہوتے ہیں اسمیں کم مادے موضوع اور زیادہ مہمل ہوتے ہیں۔

۱۔ برقع۔ بقرع۔ قرقع۔ قبرع۔ رقبع۔ رقبع۔ عرقب۔ عقرب۔ قرعب۔ قعرب۔ رعقب۔ رقعب۔ عجقر۔ عقبر۔ بعقر۔ بقعر۔ قبعر۔ بعرق۔ بعرق۔ عبرق۔ عرقب۔ رقبع۔ عبرق

ان مادوں میں پہلا۔ ساتواں۔ آٹھواں اور تیرھواں موضوع ہے۔ اور باقی مہمل۔

۲۔ دحرج۔ حدرج۔ ردرج۔ رحدج۔ درجح۔ حردج۔ درجح۔ دجرح۔ جدرح۔ جردح۔

۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴
رجدح۔ مجرد۔ جرحد۔ مجرد۔ جرجد۔ رجحد۔ رجمد۔ مجحد۔ مجدر۔ دمجر۔ دمجر۔ جدمر۔ حدمر۔

ان مادوں میں صرف پہلا۔ دوسرا۔ اور انیسواں مادہ موضوع ہے۔

۳۔ عرفج۔ عفرج۔ رعفج۔ رفعج۔ فرعج۔ جعفر۔ جفعر۔ عجفر۔ عفجر۔ فجعر۔ فعجر۔ جرعف
۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱
عفرج۔ رعفج۔ رفعج۔ فرعج۔ جرعف۔ جعرف۔ رعجف۔ رجعف۔ عجرف۔ عرجف۔
۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳

ان مادوں میں صرف پہلا۔ ساتواں۔ اور تئیسواں مادہ موضوع ہے۔

سوم۔ خماسی مجرد اس مادے میں اسّی مادّے پیدا ہو سکتے ہیں اس لئے کہ یہ مادّہ پانچ حروف سے مرکب ہے پس ایک مادّے کی یکرخی تقلیب سے ۲۴ لفظ پیدا ہوتے ہیں اور جب چوبیس کو پانچ سے ضروب دیں تو ۱۲۰ لفظ (مادے) برآمد ہوں گے ذیل میں اس مادّے کی تقلیبات کی تفصیل کیجاتی ہے۔

قرطعب۔ قرعطب۔ قطرعب۔ تقطرعب۔ تعرطب۔ قطرعب۔ رطعقب۔ رطقعب۔
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸
رعطقب۔ رعقطب۔ رقطعب۔ رقعطب۔ طرعقب۔ طرقعب۔ طعرقب۔ طعقرب۔
۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶
طعقرب۔ عرطقب۔ عرقطب۔ عطرقب۔ عطقرب۔ عقرطب۔ عقطرب۔ قطعبر۔ قطبعر۔
۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸
قطعرب۔ طعقبر۔ طعبقر۔ طبعقر۔ طقعبر۔ طقبعر۔ بقعطر۔ بقطعر۔ بطقعر۔ بعقطر۔
۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰
بعطقر۔ عبقطر۔ عبطقر۔ عطبقر۔ عقبطر۔ عقطبر۔ بقعرط۔ بعقرط۔ برقعط۔ بقرعط۔
۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲
بعرقط۔ رقبعط۔ رعبقط۔ رعقبط۔ رقبعط۔ رتعبط۔ عرقبط۔ عرقبط۔ عقبرط۔
۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴
عقرطب۔ قرعبط۔ قبعرط۔ قرعبط۔ قعبرط۔ قرطبع۔ برقطع۔ بطرقع۔ بقرطع۔
۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶
بقطرع۔ رطقبع۔ رطبقع۔ رقطبع۔ رقبطع۔ طرقبع۔ طبرقع۔ طبقرع۔ طقبرع۔
۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸
طقرعب۔ قبرطع۔ قرطبع۔ قرطبع۔ قطرعب۔ قطرعب۔ برطقع۔ برعطق۔ بطرعق۔
۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹
بطعرق۔ بعرطق۔ رطبعق۔ رطعبق۔ رطعبق۔ رعطبق۔ رعبطق۔ عرطبق۔ طرعبق۔
۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹

طبعرق۔ طریق۔ طرعبق۔ لجعبق۔ طعربق۔ عبطرق۔ عبرلق۔ عربطق۔ عرطبق۔ عطرق۔ عطرق

(۳)

کلمات اور مواد کی یہ مذکورۂ بالا تفصیل و تعداد بلحاظ ترکیب و تعداد حروف مرکبہ کے تھی۔ مگر اُن کی تعداد بلحاظ حرکات و سکنات کے اس سے بہت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ کلمات اور مواد ثلاثی۔ رباعی اور خماسی سے متجاوز نہیں ہیں اور جو تعداد و تفصیل اوپر بتائی گئی ہے وہ انھیں کی تقلیبات پر مبنی تھی اب اگر اُس پر حرکات و سکنات کا اضافہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے یہ تعداد اور بھی بڑھ جاتی ہے.....

.....

مثلاً ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ کلمات ثلاثی کے مادے چھ ہوتے ہیں اور رباعی کے چوبیس اور خماسی کے اکیسو بتیس ہوتے ہیں لیکن بلحاظ حرکت و سکون ثلاثی کے مادے بارہ ہوتے ہیں اس لئے کہ ثلاثی کے مادے کے حروف تین ہیں اور حرکات و سکون کی تعداد چار ہے لیکن ان اوزان میں دس مستعمل ہیں اور دو غیر مستعمل و متروک ہیں۔ متروک اور غیر مستعمل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زبان عرب پر ایسا کلمہ جسکا ابتدائی حرف ساکن ہو دشوار عادی ہے اور اس نظر سے وہ مادہ جسکا پہلا حرف ساکن ہو اور دوسرا حرف ساکن یا مدغم ہو تقدیر ہے حرف کا سکون و اعراب اس لئے قابل اعتبار نہیں ہے کہ موجودات کا آخر ایک حال (اعراب و سکون) پر قایم نہیں رہتا اور جو چیز ایک حال پر قائم نہیں رہتی وہ لائق اعتبار نہیں ہوتی پس مادے کے پہلے حرف کا ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ جب مادے کے دوسرے حرف کے سکون و فتحہ و ضمہ اور کسرہ کے ملایا جائے تو بارہ وزن ہوتے ہیں لیکن ان میں سے دو وزن "فُعَّلٌ" اور "فِعَّلٌ" غیر مستعمل ہونے سے متروک ہو جاتے ہیں اور حسب ذیل دس وزن مستعمل باقی رہ جاتے ہیں۔

کلمات موزوں۔ فَعْلٌ[1]۔ فَعَلٌ[2]۔ فَعِلٌ[3]۔ فَعُلٌ[4]۔ فَعْلٌ[5]۔ فَعَلٌ[6]۔ فَعِلٌ[7]۔ فَعُلٌ[8]۔ فَعْلٌ[9]۔ فَعُلٌ[10]

کلمات موضوع۔ فلس[1]۔ فرس[2]۔ کتف[3]۔ عضد[4]۔ حبر عنب[5]۔ ابل[6] نقل[7] حرد[8] عنق[9]

اسی طرح رُباعی مجرد کے اوزان اڑتالیس[48] ہوتے ہیں لیکن اگر ان میں سے تین اوزان جو متروک اور غیر مستعمل ہیں خارج کر دیے جائیں تو پینتالیس[45] وزن باقی رہجاتے ہیں۔

اور یہی حال خماسی مجرد کا ہے یعنے اسکے اوزان بلحاظ اعراب وسکون ایکسو بیانوے[192] ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکیس وزن حسب وجوہ بالا خارج ہو کر ایکسو اکہتر[171] وزن باقی رہتے ہیں۔

رباعی اور خماسی کے اوزان کی تفصیل وتعداد بلحاظ اعراب وسکون بسبب اسکے کہ وہ ناظرین کی تضییع اوقات کی موجب تھی تطویل لا طائل سمجھ کر ترک کر دی گئی ہے کتب علم صرف میں اسکی تفصیل موجود ہے اور طالب کے لئے اُس کا دیکھنا اور معلوم کرنا کچھ دشوار نہیں ہے۔

(۴)

بیان مذکورۂ بالا کے ضمن میں یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تھوڑا سا بیان زوائد اور منشعبات کا بھی کیا جائے اگرچہ زوائد کا بیان بہت شرح وبسط کا طالب ہے اور یہ مقام اُس سے مستغنی ہے کیونکہ اُسکا مفصل بیان علم صرف کی مطولات اور مبسوطات میں بھرا پڑا ہے تاہم چند سطور میں مزید اور منشعب کے چند سادہ طریقے بیان کر دینے کافی ہیں۔

مواد مجردہ میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ زبان عرب کے مواد ثلاثی رُباعی اور خماسی میں محصور ہیں۔ اب زوائد کی نسبت اس قدر بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حروف زوائد

ہر ایک قسم کے مادے (اسم و فعل) میں داخل ہوتے ہیں اس کے ساتھ اس امر کا بیان کرنا بھی ضروری ہوا کہ ان زوائد کا عمل دخل مادے کے کس کس مقام پر اور کس تعداد میں ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ زوائد مادے کے شروع میں بھی داخل ہوتے ہیں اور وسط آخر میں بھی اور یہ بھی واضح رہے کہ حروف زوائد کی تعداد کلمہ میں ایک سے آٹھ تک ہوتی ہے

یہ ضرور نہیں ہے کہ حروف زوائد سب کے سب کلمے کے شروع ہی میں آئیں یا وسط یا آخر ہی میں داخل ہوں بلکہ یہ حروف بعض صورتوں میں ایک سے چار کی حد تک مسلسل آتے ہیں اور بعض صورتوں میں دو دو اور تین تین مل کر بھی آتے ہیں اور جدا جدا بھی آتے ہیں بہرحال ایک کلمہ میں ان کی تعداد آٹھ تک پائی جاتی ہے۔

(الف) ثلاثی منشعب کے اسماء و افعال کی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

اول اسماء۔ ۱۔ مَسْجِدٌ۔ ضَارِبٌ۔ قُرَيْشٌ۔ تُرْكِيٌّ۔ ان چاروں اسماء میں ایک ایک حرف زائد داخل ہے پہلے کے شروع ہیں۔ دوسرے اور تیسرے کے وسط میں اور چوتھے کے آخر میں۔

۲۔ قَامُوسٌ۔ قُصَيْرَى۔ اِعْصَارٌ۔ خَيْعَلَةٌ۔ مُنْطَلِقٌ۔ بَطْنَجٌ۔

پہلے اسم میں حرف واؤ۔ دوسرے میں حرف یا اور الف مقصورہ بصورت یا تیسرے میں دونوں

لہ۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ "زیادتی فعل بیش از سہ حرف بود دلالتیجاوز ثلاثا" بلحاظ ماضی کے صیغہ واحد مذکر غائب کے ہے ورنہ فعل کے تمام صیغہ منفرداً کلمات ہیں یعنے ایک ایک کلمہ ہیں اور نیز یہ کہ ثلاثی مجرد کے اسماء و مصادر مجردات ہی میں شمار ہوتے ہیں حالانکہ ان میں حروف زوائد موجود ہوتے ہیں لیکن میری رائے میں اس خاص مقصد میں افعال کے تمام صیغہ ضمائر کے ساتھ بھی کلمہ واحدہ متصور کئے جائیں تو ایک حد تک حق بجانب ہوگا۔

الف چوتھے میں حرف یا اور تا پانچویں میں میم اور نون۔ چھٹے میں حرف طا اور یا زائد ہیں۔

۳۔ مَصَابِیحُ۔ مُسْتَنْصِرٌ۔ عُصْفُوَانٌ۔ سَلَاطِینُ۔

پہلے میں حرف میم۔ الف۔ یا۔ اور دوسرے میں شروع کے تینوں حرف اور تیسرے میں آخر کے تینوں حرف اور چوتھے میں الف اور یا اور نون حروف زوائد ہیں۔

۴۔ اِسْتِنْصَارٌ۔ مُسْتَشْزَرَاتٌ[1] مُسْتَشْزَرَتَانِ پہلے میں چار حرف الف۔ سین۔ تا اور الف اور دوسرے میں شروع کے تین اور آخر کے دو حرف زائد ہیں اور تیسرے میں چھ حروف زائد ہیں اول کلمہ میں تین حرف اور آخر کلمہ میں تین حرف۔

دوم افعال۔ اسمیں ثلاثی مزید کے ماضی مضارع اور امر کے صیغہ ہیں۔

۱۔ اَکْرَمَ۔ قَابَلَ۔ تُقُوبِلَ۔ بَارَکَ۔ پہلے تین صیغہ ماضی کے ہیں اور چوتھا امر کا باب مفاعلۃ سے۔ پہلے صیغہ کے شروع میں ایک حرف زائد ہے اور باقی کے تین صیغوں کا حرف دوم زائد ہے۔

۲۔ اِنْفَطَرَ اِقْتَبَسَ تَقَابَلَ تُقُوبِلَ چاروں صیغہ ماضی کے ہیں پہلے صیغہ کے ابتدائی دو حرف زائد ہیں اور دوسرے تیسرے اور چوتھے صیغہ کا پہلا اور تیسرا حرف زائد ہے۔

۳۔ اِسْتَنْصَرَ۔ اِذْ ہَامَّ۔ دونوں صیغہ ماضی کے ہیں پہلے صیغہ کے ابتدائی تین حرف اور دوسرے صیغہ کے ابتدا اور وسط میں تین حرف زائد ہیں۔

۴۔ اِسْتَنْصَرَتْ۔ اِذْ ہَامَّتْ۔ دونوں صیغہ ماضی کے ہیں ان میں سے ہر ایک میں چار حرف زائد میں پہلے کے شروع میں تین اور آخر میں ایک اور دوسرے کے شروع میں

---

[1] امرؤالقیس کہتا ہے۔ شعر۔ غَدَائِرُہَا مُسْتَشْزِرَاتٌ اِلَی الْعُلٰی۔ تفضل العقاص فی مثنی ومرسل۔

تین اور آخر میں ایک اور دوسرے کے شروع اور درمیان اور آخر میں چار حرف زائد ہیں۔

۵۔ اِسْتَنْصَرَتَا۔ لَتَسْتَنْصِرَنَّ۔ پہلا صیغہ تثنیہ مونث غائب ماضی کا اور دوسرا جمع متکلم۔ مضارع بالام تاکید دونوں تاکید خفیفہ کا۔ پہلے کے شروع میں اور آخر میں دو اور دوسرے کے شروع میں چار اور آخر میں ایک حرف زائد ہے۔

۶۔ اِسْتَنْصَرْتُمَا۔ لَتَسْتَنْصِرُنَّ۔ پہلا صیغہ تثنیہ مذکر یا مونث حاضر ماضی کا اور دوسرا جمع متکلم مضارع بالام تاکید اور نون تاکید ثقیلہ کا پہلے کے شروع میں تین اور آخر میں تین حرف جملہ چھ حرف اور دوسرے کے شروع میں چار اور آخر میں دو جملہ چھ حرف زائد ہیں۔

۷۔ لَيَقُمْنَانِ۔ لَيَسْتَنْصِرَانِّ۔ پہلا صیغہ جمع مؤنث غائب مضارع بالام تاکید دونون تاکید ثقیلہ کا ہے اور دوسرا صیغہ جمع مونث غائب مضارع بالام تاکید دونون تاکید ثقیلہ کا۔ پہلے کے شروع اور وسط آخر میں جملہ سات حرف زائد ہیں اور دوسرے صیغہ کے شروع میں چار اور آخر میں تین حروف یعنے جملہ سات حروف زائد ہیں۔

۸۔ لَتَسْتَنْصِرَانِّ۔ لَتَفْعَنْسَانِّ۔ دونوں صیغہ مضارع جمع مونث حاضر بالام تاکید دونون تاکید ثقیلہ کے ہیں پہلے کے شروع میں چار اور آخر میں چار جملہ آٹھ حرف زائد ہیں اور دوسرے کے شروع میں دو اور درمیان میں دو اور آخر میں چار جملہ آٹھ حرف زائد ہیں

ب۔ رباعی مزید جسمیں اسماء داخال دونوں داخل ہیں۔

اول اسماء۔ ۱۔ مُدَحْرِجٌ۔ قِنْفَخْرٌ۔ قِرَنْفُلٌ۔ جَعَافِرٌ۔ دَحْرَجَةٌ۔ پہلے میں میم دوسرے وتیسرے میں نون اور چوتھے میں الف اور پانچویں میں تا زائد ہے۔

۲۔ مُتَدَحْرِجٌ۔ مُتَدَحْرِجَةٌ۔ مُتَدَحْرِجَانِ۔ مُتَدَحْرِجَتَانِ۔ پہلے میں شروع کے دو حرف اور دوسرے میں شروع اور آخر کا ایک ایک حرف اور تیسرے میں شروع کے دو

اور آخر کے دو حرف اور چوتھے میں شروع کے دو اور آخر کے تین حروف زائد ہیں۔

دوم افعال۔ ۱۔ یَتَدَحْرَجُ۔ یَتَدَحْرَجُ۔ یَتَدَحْرَجُ۔ یَتَدَحْرَجَانِ۔ یہ چاروں صیغہ مضارع کے ہیں پہلے میں ایک۔ دوسرے میں دو۔ تیسرے میں تین۔ اور چوتھے میں چار حرف زائد ہیں۔

۲۔ لَیَتَدَحْرَجَنَّ۔ لَیَتَدَحْرَجَانِّ۔ لَیَتَدَحْرَجُنَّ۔ یہ تینوں صیغے مضارع کے لام تاکید اور نون تاکید ثقیلہ کے ہیں۔ پہلے میں شروع کے تین اور آخر کے دو جملہ پانچ حرف اور دوسرے میں شروع کے تین اور آخر کے تین جملہ چھ حرف اور تیسرے میں شروع کے تین اور آخر کے چار جملہ سات حرف زائد ہیں۔

ج۔ خماسی مزید کے کل پانچ وزن ہیں اور اُن سب میں ایک ایک ہی حرف زائد ہے اسلئے صرف اُن کے اوزان کا درج کرنا کافی ہے۔ اور پانچ وزن یہ ہیں عَضْرَفُوطٌ خَزَعْبِیلٌ۔ قِرْطَبُوسٌ۔ قَشَعْرَمٌ۔ خَنْدَرِیسٌ۔ پہلے اور تیسرے میں واؤ دوسرے میں یا اور چوتھے میں الف مقصورہ زائد ہے۔ (باقی دارد)

خیالات آزاد

بمتعلق عید الاضحیٰ

سچ کہتے ہیں صاحبدل اور دل بھی وہ جو بیدل نہ ہو دل والو! دشمن بھی اگر جانی
گھر کیجئے گا دل میں دل بھی ہے خدا کا گھر آباد کرو اسکو بستی ہے یہ ویرانی
اپنا ہے بڑا جی یہ دل ہاتھ میں لے لینا اخلاص و محبت ہے آئین مسلمانی
ہر روز ہو عید اپنی روز اپنا ہو حج اپنا اجماع سے کر دیں ہم تفریق کی قربانی
مٹ جائیگی غیریت وہ ایک ہی باقی ہے باقی جو ہے فانی

سید محمد حسین آزاد

۱۷۸۱ء کے آخر تک پانی کو ایک عنصر مانا جاتا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں کیونڈش (Cavendish) نامی کیمیادان نے یہ ثابت کیا تھا کہ پانی عنصر نہیں بلکہ آکسیجن اور ہیڈروجن کا ایک مرکب ہے۔ اس زمانے میں چونکہ فلاجسٹن نظریہ[1] (Philogistie theory) کا دور دورہ تھا اس لئے وہ اپنے تجربوں کے نتائج کو وضاحت سے بیان کرنے میں ناکام رہا۔ اس سے چند سال بعد لیوا شیدیہ (Lavoisier) نے اس بات کو صاف طور پر ثابت کر دکھایا کہ پانی آکسیجن اور ہیڈروجن کا ایک مرکب ہے۔

محلِ وقوع پانی روئے زمین پر کثرت سے پایا جاتا ہے اور کرۂ ہوائی میں بھی بخارات کی صورت میں باافراط موجود ہے تقریباً زمین کا چوتھائی حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے لیکن یہ مٹی اور بہت سی چٹانوں کا بھی جزو ترکیبی ہے اس کے علاوہ نباتات اور حیوانات کا بھی جزو اعظم ہے چنانچہ تقریباً جسم انسانی کا نصدی ستر واں حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ صرف اسی پانی سے نہیں آتا جسکو ہم پیتے ہیں بلکہ ہماری غذا میں بھی یہ موجود ہوتا ہے اس طور پر پانی جاندار اشیا کا جزء لازمی ہے اور بہت سے مرکبات کیساتھ قلماؤ[2] کے پانی (Water of Crystalligation) کی حیثیت سے بھی پایا جاتا ہے۔

---

[1] اُس زمانہ میں آگ کو بھی ایک عنصر مانا جاتا تھا۔

[2] اسکی تفصیل آیندہ ایک مستقل مضمون کی صورت میں انشاء اللہ ہدیۂ ناظرین کیجائیگی۔

قدرتی طور پر جو پانی میسّر آتا ہے وہ غیر خالص ہوتا ہے۔

پانی کی بہت سی مقدار جب قدرتی طور پر پائی جاتی ہے تو وہ یا تو بارش کے پانی کی ہوگی یا دریاؤں جھیلوں چشموں یا کنوؤں کی ہوگی۔ روئے زمین پر قدرتی طور پر جو پانی پایا جاتا ہے اسمیں مینہ کا پانی بیشتر اس کے کہ وہ سطح زمین کو چھوئے سب سے زیادہ خالص ہوتا ہے اور خصوصاً اس حالت میں جبکہ اس کے قطرے نہ بنگئے ہوں وہ بہت خالص ہوتا ہے جب قطرے بنتے ہیں تو اس کے ساتھ کرۂ ہوائی کی بہت سی چیزیں اسمیں جذب ہوجاتی ہیں ان میں بہت سی گیسیں بھی ہوتی ہیں اور گرد و غبار کے ذرّات بھی۔ اور جوں جوں یہ قطرے ہوا میں سے گزرتے ہوئے زمین کی سطح کے قریب آتے ہیں ان کو ہوا میں کی گیسوں اور دوسرے مادّوں کو حل کرنیکا زیادہ موقع ملتا ہے۔ بارش کے قطرے جب زمین کے قریب آتے ہیں تو وہ غیر خالص ہوتے ہیں اور جب زمین پر آجاتے ہیں تو سطح زمین پر جو مادّہ قابل حل ہوتا ہے وہ اسمیں حل ہوجاتا ہے اب یہ پانی دریاؤں جھیلوں وغیرہ میں بہہ کر جاتا ہے اس لئے اسمیں زمین کی سطح پر کا مادہ صرف حل ہونے پاتا ہے۔ سمندر کا پانی چونکہ مدت سے زمین کی سطح کو چھو رہا ہے اس لئے اسکو اس امر کا زیادہ موقع ملا ہے کہ اسمیں حل شدہ مادّہ کی مقدار زیادہ رہے اور چونکہ اس کے پانی کو تبخیر بھی ہوتی ہے اور برابر اس کے بخارات بنتے رہتے ہیں اور یہ پانی مینہ کی شکل میں نمودار ہوکر زمین کی سطح پر سے بہتا ہوا پھر سمندر میں غیر خالص ہوکر آتا ہے اس لئے سمندر میں حل شدہ مادّہ کی مقدار روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے اسطرح چشموں اور کنوؤں کا پانی وہ پانی ہے جو بارش کی وجہ سے سطح زمین پر آتا ہے اور پھر زمین میں جذب ہوکر نیچے کی طرف جاتا ہے سطح زمین سے نیچے ارضی مادّہ کے طبقے ایسے بھی ہوتے ہیں

جو اس کو اور نیچے نہیں جانے دیتے اس لئے وہ اور نیچے نہیں جاتے پاتا اور جب زمین میں کنوئیں وغیرہ کھودے جاتے ہیں تو یہی پانی ان میں نمودار ہوتا ہے اور یہ پانی جب زمین کی سطح پر سے اس کے اندر جاتا ہے تو اس دوران میں مقطر ہو جاتا ہے اور اس طور پر اسمیں کا معلق لوث اس سے جدا ہو جاتا ہے لیکن گھلے ہوئے ذرات اسمیں برابر موجود رہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کنوئیں کا پانی بمقابلہ دریاؤں اور تالابوں کے پانی کے زیادہ صاف ہوتا ہے کیونکہ اسمیں صرف گھلا ہوا مادّہ موجود ہوتا ہے اور ناقابل حل مادّہ نہیں ہوتا۔ چشموں کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ان کے گرد و نواح میں کوئی اونچا طبقہ موجود ہو تو وہاں بارش کا پانی زمین میں سرایت کرتا ہے اور پھر اندر ہی اندر کوئی راستہ اختیار کر لیتا ہے لیکن جب کوئی ایسا ارضی طبقہ آجاتا ہے کہ اسکو اور آگے بڑھنے یا پھیلنے نہیں دیتا تو یہ پانی اسوقت اس مقام پر جمع ہوتا جاتا ہے اور اسکی وہاں جب زیادہ مقدار جمع ہو جاتی ہے تو کوئی اور رستہ اختیار کر لیتا ہے اگر اسکو پھر زمین کی سطح پر آنے کا کوئی راستہ ملتا ہے تو یہ اس راستے سے بہت زور کے ساتھ اس طرح باہر نکلتا ہے جیسے فوارے میں سے پانی نکلتا ہے دریاؤں اور سمندروں کا پانی عموماً گدلا ہوتا ہے اور یہ گدلاپن اس امر کا نتیجہ ہے کہ اسمیں معلق مادّہ بہت ہوتا ہے جب سکون کا موقع ملتا ہے تو یہ مادّہ تہ کی طرف بیٹھتا ہے۔

سمندر کا پانی بدمزہ ہوتا ہے اور اسمیں کھاری پن پایا جاتا ہے۔ یہ کھاری پن حل شدہ مادّہ کا نتیجہ ہوتا ہے بعض چشموں اور دریاؤں کا پانی بھی کھاری ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہاں قرب و جوار میں ایسے مادّے موجود ہوتے ہیں کہ وہ پانی میں حل ہو کر اس کو کھاری بنا دیتے ہیں۔ بہرحال طبعی طور پر جتنا پانی میسر آتا ہے اسمیں بہت سے

لوشے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان لوشوں کی مقدار اور نوعیت چٹانوں اور زمین کے ان حصّوں پر منحصر ہے جن پر سے پانی بہتا ہے۔ ذیل میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مختلف مقامات پر پانی میں کس قدر لوشے ہوتے ہیں۔

دریائے تھیمس (Thames) کے پانی میں مقام ٹوکن ہیم (Twickenham) پر ..... فیصدی ۰۳۲۱ ٹھوس مادّے ہوتے ہیں۔

دریائے سورن (Severn) ..... فیصدی ۱۰۳۹ ؍

دریائے کلائیڈ (Clyde) کے پانی میں گلاسگو (Glasgow) کے قریب فی صدی ۰۱۱۶ ؍

لاک کیٹرین (Lock Katrine) کے پانی میں فیصدی ۰۰۲۸ ؍

تھرلمیر (Thirlmere) کے پانی میں فیصدی ۰۰۵۱ ؍

جھیل جنیوا (Lake Geneva) " " ۱۰۵۲ ؍

آرٹیزین کے کنوئیں (Artisian Well) مقام لندن کے پانی میں فیصدی ۰۰۹۲ ؍

رپلی کا کنواں (Ripley Well) مقام ہالبک یارکس (Halbeck Yarks) کے پانی میں فیصدی ۱۵۵۴ ؍

بن رہڈنگ کے یارک (Ben Rhyddings York) کے پانی میں فی صدی ۰۰۸۰ ؍

جب چشموں کے پانی میں معدنی چیزیں گھلی ہوئی ہوتی ہیں تو ان قسم کے چشموں کو معدنی چشمے کہتے ہیں اور بعض چشموں کا پانی اپنے خاص خاص حل شدہ مادّوں کی وجہ سے

دوائیت کے خواص رکھتا ہے مثلاً بعض چشموں کے پانی میں گندک کے مرکبات پائے جاتے ہیں۔ یہاں نہانے سے خارش اور جسم پر کے پھوڑے وغیرہ دفع ہو جاتے ہیں ذیل میں انگلستان اور فرانس کے ان مقامات کے نام بتلائے گئے ہیں۔ جہاں کے پانی میں اس قسم کے معدنی مادے کثرت سے گھلے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

ہیروگیٹ (Harrogate) کے چشمے کے پانی میں فیصدی ۱۵۴۷۸ ٹھوس مادے موجود ہوتے ہیں۔

کلیٹن ہیم (Cheltenham) کے چشمے کے پانی میں فیصدی ۴۸۱۷۴ ٹھوس مادے موجود ہوتے ہیں۔

بلنا (Pullna) کے چشمے کے پانی میں فیصدی ۱۷۷۲۳ ٹھوس مادے موجود ہوتے ہیں۔

ویکی (Vichy) کے چشمے کے پانی میں فیصدی ۱۶۰۵۱ ٹھوس مادے موجود ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں حیدرآباد میں بھی کثرت سے ایسے کنوئیں اور چشمے پائے جاتے ہیں جہاں کے پانی سے اگر خارش۔ جلدی امراض اور فسادِ خوں وغیرہ کے مریض نہائیں تو انہیں شفا ہوتی ہے چنانچہ بیدر میں سید محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احاطے کے کنوئیں میں خارش اور فسادِ خون کے مریض نہا کر شفا پاتے ہیں اس کے علاوہ بلدۂ حیدرآباد کے محلہ مغلپورہ میں آتو خاں کی باؤلی کے نام سے ایک کنواں مشہور ہے یہاں کا پانی زخموں کے پینے کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا ہے چونکہ اس قسم کے کنوؤں کے پانی میں کے حل شدہ مادوں کی تحقیق کے متعلق ہمارے ہاں کے دارالتجارب سرکار عالی کی اب تک توجہ مبذول

نہیں ہوئی ہے اس لئے میں اس کی جگہ ہوا اور اجزا کا تناسب نہیں بتلا سکا۔

اس کے علاوہ چشموں کے پانی میں ایک اور خاص بات بھی ہے اس پر ایک وسیع مدت گزر جاتی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ آتا ہے بخارات بنتے ہیں مینہہ برستا ہے اور بہہ کر پھر زمین میں جذب ہو جاتا ہے اس دوران میں اسکو اس امر کا زیادہ موقع ملتا ہے کہ گیسوں کی کثیر مقدار بھی اسمیں حل ہو جائے۔ پانی میں جو لذت اور خوشگواری پائی جاتی ہے وہ گیسوں کے اسمیں حل ہونیکا نتیجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ جب پانی کو گرم کیا جاتا ہے تو گیسوں کی غیر موجودگی کیوجہ سے اسمیں کی لذت جاتی رہتی ہے۔ اس لئے چشموں کے پانی کے زیادہ خوشگوار ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اسمیں بہت سی گیسیں حل شدہ ہوتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ہاں کے بم کے چشمے کا پانی خوشگوار اور لذیذ ہونے کے علاوہ ہاضم بھی ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ ٹھوس مادّے جو زمین پر سے پانی میں حل ہوتے ہیں وہ بیشتر کلشیم اور مگنیشم کے بائی کاربنیٹ یا ان کے سلفٹ کلشیم اور سوڈیم کے کلورائیڈ یا سوڈیم اور پوٹاشیم کے نائیٹریٹ ہوتے ہیں۔ ذیل میں سمندر کے پانی میں جو ٹھوس مادّے گھلے ہوئے ہوتے ہیں ان کی اوسط مقدار میں دی گئی ہیں۔

سوڈیم کلورائیڈ (معمولی بازاری نمک) فیصدی ۲۷۴۶۳۲۔

پوٹاشیم کلورائیڈ فیصدی ۰،۳۰۷	کلشیم کلورائیڈ فیصدی ۰،۴۳۹
مگنیشم کلورائیڈ " ۳۵۶۴	مگنیشم برومائیڈ فیصدی ۰،۱۴۷
کلشیم سلفیٹ فیصدی ۱۰۹۷	کلشیم کاربنیٹ " ۰،۱۷۶
مگنیشم کاربنیٹ " ۰،۰۷۸	

سمندر کے پانی کو اگر بخارات بنا کر اڑا دیا جائے تو اسمیں اس قسم کا حل شدہ مادّہ ۳۶ فی ہزار ہوتا ہے یعنے سمندر کے پانی کے ایک ہزار حصّوں میں اس قسم کے مادّہ کے ۳۶ حصّے ہوتے ہیں اور اس ۳۶ فی ہزار کے غالباً ۳/۴ سوڈیم کلورائیڈ ہوتا ہے۔

مادّہ جو پانی میں حل ہوسکتا ہے وہ دو طرح کا ہوسکتا ہے۔ ایک نامیاتی Organic دوسرا غیر نامیاتی (Inorganic) غیر نامیاتی مادّہ بیشتر نمکوں کی شکل میں ہوتا ہے اور نامیاتی مادّہ جس شکل میں پانیکو میسر ہوجائے اگر وہ قابل حل ہے تو حل ہوجائے گا اور جو ناقابل حل ہو وہ حل نہیں ہوگا۔ نامیاتی مادّہ جو سب سے زیادہ پانی میں قابل حل ہے وہ پیشاب ہے۔

اس قسم کا قدرتی پانی جس میں بہت سے نمک یعنے غیر نامیاتی مادّے حل شدہ موجود ہوتے ہیں معدنی پانی کہلاتا ہے اور پانی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اسمیں صابُن حل ہوجاتا ہے اور اُس کے حل ہونے سے جھاگ پیدا ہوتی ہے لیکن بعض اس قسم کے پانی ہوتے ہیں کہ ان میں صابُن سے جھاگ پیدا نہیں ہوتی اس لحاظ سے جن پانی میں بآسانی صابن جھاگ پیدا کردیتا ہے اسکو ہلکا پانی کہتے ہیں اور وہ پانی جس میں صابُن سے بآسانی جھاگ پیدا نہیں ہوتی۔ بھاری پانی کہلاتا ہے ہلکا پانی صحت انسانی کے لئے مفید ہوتا ہے اور بھاری پانی غیر مفید۔ پانی جب سطح زمین پر بہتا یا اس سے ترشح کرتا ہے تو اسمیں بہت سی چیزیں حل ہوجاتی ہیں۔

غیر خالص پانی کا صحت پر اثر۔ غیر خالص پانی پینے سے عام طور پر جو امراض پیدا ہوتے ہیں انکی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے پانی میں جاندار حشرات الارض موجود ہوتے ہیں اب ان حشرات میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ جنکا کوئی مضر جسم انسانی پر نہیں ہوتا

لیکن بعض کا یہ حال ہے کہ وہ انسانی جسم میں داخل ہوتے ہی فوراً مہلک امراض پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ وبائی امراض مثلاً ٹائی فائیڈ بخار وغیرہ اسی قسم کے جراثیم کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جبکہ یہ جسم انسانی میں غذا وغیرہ کے ذریعے داخل ہو جاتے ہیں۔

پانی کی صفائی عام طور پر جو پانی ملتا ہے ظاہر ہے کہ وہ غیر خالص ہوتا ہے اور بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ اسمیں دوسرے مادّے گھلے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض وقت ایسے مادّے ہوتے ہیں جو اس طرح گھلے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ معلق رہتے ہیں یہ صورت اُس وقت نظر آتی ہے جب بارش پڑنے کے بعد ندیوں اور نالوں میں پانی بہتا ہے اسوقت اسکے ساتھ مٹی کے باریک باریک ذرات ملے ہوئے ہوتے ہیں اس لحاظ سے اس صورت میں اسکو مٹیالا پانی کہتے ہیں۔ جب پانی اس طور پر غیر خالص ہوتا ہے کہ اسمیں صرف مٹی کے باریک باریک ذرات معلق طور پر ملے رہتے ہیں تو اس قسم کے پانی کو عمل تقطیر کے ذریعے خالص کیا جاتا ہے اور جب پانی میں اس طرح کا مادّہ ملا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اسمیں گھل سکتا ہے تو ایسی صورت میں اس قسم کے پانی کو عمل کشید کے ذریعے خالص کیا جاتا ہے۔

عمل تقطیر معمولی پیمانے پر پانی دو طرح سے مقطّر کیا جاتا ہے ایک تو اس طرح سے کہ اسکو کسی متخلخل مادّے مثلاً کوئلے وغیرہ میں سے گذارا جائے دوسرے یہ کہ اسکو متخلخل مٹی کے ظرف میں سے دباؤ کے ذریعے گذارا جائے جیسا کہ چیمبرلین پیاسٹر کے تقطیری آلے میں ہوتا ہے اس قسم کے آلے جبکہ یہ پاک وصاف ہوں پانی میں سے نامیاتی مادّوں کو جدا کر دیتے ہیں لیکن ان کے ذریعے معدنی مادّے جو پانی میں گھلے ہوئے ہوتے ہیں دور نہیں ہو سکتے بلکہ وہ تمام معلق مادّے جو پانی میں موجود ہوتے ہیں اس عمل کے

ذریعے دور ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ اس طرح کے معمولی آلے زیادہ عرصہ تک کام نہیں دیسکتے اور بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں۔

اکثر شہروں میں بہم رسانیٔ آب کا کام دریاؤں سے لیا جاتا ہے اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں سے گذرنے والے دریاؤں کے پانی میں نامیاتی مادہ کثرت سے موجود رہتا ہے جسمیں ضرور ہے کہ مختلف امراض کے جراثیم موجود ہوتے ہوں۔ اس قسم کے پانی کا استعمال ظاہر ہے کہ صحت کے لئے کس قدر مضر ہوتا ہوگا لہذا اسکی صفائی کے لئے کافی انتظام کرنا ہوگا۔ اس غرض سے اسکو مقطر کیا جاتا ہے اور اس کے لئے جو دو بڑے تقطیری قاعدے استعمال کئے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

ریت کے ذریعے پانی صاف کرنیکا طریقہ۔

اس عمل میں ہوتا یہ ہے کہ پانی کو آہستہ آہستہ ریت اور کنکر میں سے گذارا جاتا ہے کچھ لوث اس طرح پر جدا ہو جاتے ہیں اور بعض لوث اُن زندہ مخلوق کیوجہ سے تحلیل ہو جاتے ہیں جو ریت پر لعاب نما سے مادّہ کی شکل میں جمع رہتے ہیں اس کے بعد مقطر پانی متخلخل نلی میں داخل ہوتا ہے جہاں سے بڑے بڑے نلوں میں پمپ کے ذریعے پہنچا کر شہر کے مختلف حصّوں میں لیجایا جاتا ہے اور اس تقطیری آلے کو کسی طرح سے ڈھک دیا جاتا ہے کہ پانی بیرونی اثرات سے محفوظ رہے

سائنٹیفک طریقوں سے پانیکو تقطیر کرنے کا عمل۔

اس عمل میں پانیکو پہلے بڑے بڑے حوضوں میں بھر دیا جاتا ہے اس کے بعد اسمیں چند کیمیائی مرکبات مثلاً الیومینم سلفیٹ یا فرس سلفیٹ ڈالے جاتے ہیں جس کیوجہ سے ایک لیسدار مادہ پیدا ہو کر تہ نشین ہو جاتا ہے اور تہ نشین ہوتے وقت اپنے ساتھ پانی میں کے بہت سے نامیاتی مادّوں کو بھی لیتا جاتا ہے اس کے بعد جزئی طور پر صاف کیا ہوا پانی ریت اور کنکر میں سے گذارا

جا کر مقطر کر لیا جاتا ہے۔

ممالک متحدہ امریکہ میں فیصدی ۵۸ سے زیادہ شہروں میں اسی طریقہ سے پینے کے پانی کو صاف کیا جاتا ہے پانی کو اچھی طرح مقطر کرنے سے کسی شہر کی آبادی کی صحت پر جو اثر ہوتا ہے اس کی شہادت اس واقعہ سے بخوبی مل سکتی ہے کہ جس شہر میں یہ طریقے اختیار کئے گئے ہیں وہاں ٹائی فائیڈ بخار کے مریضوں کی تعداد میں فیصدی ۵۰ کی کمی واقع ہو گئی ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اور دوسرے صدہا مہلک امراض کا بھی اسکی وجہ سے استیصال ہو گیا ہے۔

قدرتی عملوں سے پانی کا خود بخود صاف ہو جانا

ظاہر ہے کہ جب پانی میں نامیاتی مادّے ملے ہوئے ہوتے ہیں تو ہوا کے موجودگی میں خود بخود دور ہو جاتے ہیں یعنے ہوا خود ان کو صاف کر دیتی ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ پانی میں جب ہوا حل ہو جاتی ہے تو اس میں کی آکسیجن اس وقت ایک طاقتور آکسی ڈائیزنگ عامل کا کام کرتی ہے اور اس طور پر اس حالت میں یہ آکسیجن جس نامیاتی مادّے کو مس کرے گی فوراً اسکو آکسی ڈائیز کر کے اس سے اس کے مہلک اثر کو زائل کر دے گی جب یہ مادہ تباہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ خفیف الجثہ زندہ مخلوق جو پانی میں موجود ہوتی ہے اپنی غذا کی غیر موجودگی کی وجہ سے زندہ نہیں رہ سکتی۔ لیکن پھر بھی اس طرح سے صاف شدہ پانی کو احتیاطاً ریت وغیرہ کے ذریعہ اور صاف کر لینا ضروری ہوتا ہے۔

عمل کشید

معمولی پانی کو خالص کرنیکا بہترین طریقہ کشید کا عمل ہے جہاں اس قاعدے سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے کہ حرارت کی بدولت مائعات گیسی حالت اختیار کرتے ہیں یہاں پہلے پانی کو کشید کیا جاتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والے بخارات کو پھر ٹھنڈا کر کے مائع کی حالت میں واپس لایا جاتا ہے۔ کشید کیا ہوا پانی خالص پانی ہوتا ہے اسوجہ سے

اسکو دار التجربہ میں اکثر علمی کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی کثیر مقدار برف کی صنعت میں استعمال کی جاتی ہے اور یہ پینے کے کام بھی آتا ہے۔

عملی جوش پینے کے پانی کی صفائی کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اسکو گرم کر لیا جائے جس کی بدولت اسمیں کے جراثیم مرجائیں۔ چنانچہ تھوڑی ہی حرارت پہنچانے پر یہ جراثیم مرجاتے ہیں چونکہ گرم کرنے کے بعد پانی کا ذائقہ جاتا رہتا ہے جو آکسجن وغیرہ کی غیر موجودگی کا نتیجہ ہوتا ہے اس لئے اس پانی کو ٹھنڈا ہونے پر کسی تنگ منہ کے برتن میں تقریباً نصف تک بھر کر اچھی طرح ہلا لیا جائے تاکہ پھر اس پانی میں ہوا حل ہو کر اس میں دوبارہ ذائقہ پیدا کردے۔ (باقی ہدارد)

میر غوث الدین علی

زلف میں سے رخِ زیبا نظر آتا ہے مجھے
ابر سے چاند نکلتا نظر آتا ہے مجھے

خارِ غم آج کھٹکتا نظر آتا ہے مجھے
پاش پاش اپنا کلیجا نظر آتا ہے مجھے

کبھی شوخی نگہ اور کبھی تمکین حیا
اُن کی آنکھوں میں تماشا نظر آتا ہے مجھے

ہو چکا دہر میں بیمارِ محبت کا علاج
الکا بیمار مسیحا نظر آتا ہے مجھے

برقِ حسنِ رخِ جاناں کا چمکنا معلوم
طورِ سینا کا تماشا نظر آتا ہے مجھے

واہمہ سازیٔ نیرنگِ محبت دیکھو
غیر بھی وہ بتِ ترسا نظر آتا ہے مجھے

پھیر لی اس نے نظر اپنی تو اللہ اللہ
آج دشمن مرا سایہ نظر آتا ہے مجھے

خواب میں دستِ حنائی کی جھلک دیکھی ہے
خونِ ارمان کا ہوتا نظر آتا ہے مجھے

وہ تصور میں بھی آتے ہیں تو اللہ ری حیا
رنگِ رخ شرم سے اڑتا نظر آتا ہے مجھے

کیوں کروں اور کہیں اسکو تلاش اے رہبر
اپنے آپے میں وہ جلوہ نظر آتا ہے مجھے

حکیم ست گرو پرشاد رہبر

بنارس

از نتیجۂ فکر حضرت شاد صوفی مدظلہ

بتخانۂ عالم شدہ چوں جائے بنارس — ہر برہمن از دل شدہ شیدائے بنارس

ہر طفل برہمن بود از حسن چو یوسف — دوشیزۂ رعنا ست زلیخائے بنارس

ہر زائرے آنجا رود و غسل نماید — آبیست شرف بخش بہ گنگائے بنارس

گویند کہ آبش بکند پاک ز عصیاں — تطہیر از انست بدریائے بنارس

گویند نجاتش شود از آتش دوزخ — ہر کس کہ کند غسل بہ گنگائے بنارس

شام اودھ و صبح بنارس شہرہ مشہور — دل شاد کند صبح طرب زائے بنارس

مردیست نکوکار و نکو نام در آنجا — خلقش لقبش دادہ بہ راجائے بنارس

رخت سفر خویش ہر آنکس کہ بہ بندد — گوید دلش از فرقتش اے وائے بنارس

حسن تو کہ زلف سیہ نرگس فتاں — اے شاد سرم باد و سودائے بنارس

معاشیات کے مفہوم کی تعریف اور اسکا نشو و نما

انسان دنیا میں جب وجود پذیر ہوا اُس وقت اسکو سوائے بھوک اور پیاس کے کوئی احتیاج محسوس نہیں ہوتی تھی مگر جوں جوں نسل انسانی دنیا میں پھیلتی گئی اس کے احتیاجات وسیع ہوتے گئے۔ وہی انسان جس کے پاس ستر پوشی کے لئے درختوں کے پتوں اور شکم پروری کے لئے پھلوں اور جڑوں کے سوا کچھ نہ تھا مگر آج اسی کی اولاد کے پاس اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کی نفیس پوشاکیں زیب تن کرنے کے لئے موجود ہیں انکی تراش خراش میں اسقدر نزاکت کیجاتی ہے کہ کبھی کبھی ایک شکن لانے میں ہزہا روپیہ خرچ ہوجاتا ہے اسکی تن پروری کے لئے صدہا قسم کے نفیس اور پرغن غذائیں تیار کیجاتی ہیں۔ ذرا بیمار ہوجائے تو اسکے لئے دوا اور زلیخا کی اولاد مجازی ہر وقت تیار و مستعد رہتی ہے اسکی خبر رسانی کے لئے مارکونی کے ایجادات غلام بنے ہوئے ہیں۔

علوم انسانی میں ترقی

دنیا کی حالت میں جب ایسا مظیم الشان انقلاب عمل میں آچکا اور آرہا ہو تو اس سے عقل اور علم انسانی کی وسعت کا خود بخود پتہ چلے بغیر نہیں رہتا چنانچہ اسوقت انسانی احتیاجات اور خواہشات اس حالت کو پہنچ چکے ہیں کہ وہ خود ایک مستقل علم کا قالب اختیار کئے بغیر نہیں رہسکتے اور اسی انسانی احتیاجات کے علم کو موجودہ زمانے کے مورخ "معاشیات" سے موسوم کرتے ہیں معاشیات کا ایک نیا لفظ جو اُنکے قلم ہوتے ہی یہ خوف دامنگیر ہوتا ہے کہ کہیں ناظرین کو اس امر کا مغالطہ نہ ہوجائے کہ یہ علم جامعہ عثمانیہ کا گھڑا ہوا نیا علم ہے۔ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ خود

ظاہر کردیگا کہ اسکا ارتقا آج سے نہیں بلکہ صدیوں قبل سے ہی ہو چکا ہے البتہ زمانہ جوں جوں متمدن اور شایستہ ہوتا گیا اس کے مضمون اور نام میں تبدیلی پیدا ہوتی گئی۔

دنیا میں پہلے کسی قسم کا علم موجود نہیں تھا انسان جو فطرۃً موجد اور مکتشف واقع ہوا ہے جوں جوں دنیا کی عمر زیادہ ہوتی گئی اپنے معلومات میں بھی اضافہ کرتا گیا جب یہ ذخیرہ بیحد وسیع ہو گیا تو اُس کے مختلف نام رکھنے پڑے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں اس کو روحانیات، طبیعیات، علوم نظری اور علوم انسانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

علوم انسانی جسکا دوسرا نام علوم عمرانی ہے انسان کی طرز معاشرت۔ تمدن۔ سیاست، دنیاوی کاروبار اور اتحاد باہمی سے تعلق رکھتے ہیں۔

علوم انسانی کی مختلف شاخیں ارتقائے عالم کے ساتھ ہی ساتھ علوم انسانی کا ذخیرہ بھی وسیع ہوتا گیا اور آج سیاسیات قانون۔ اخلاق۔ الٰہیات۔ (ایک حد تک) تاریخ اور معاشیات ان سب کو اسکی تمرات کہے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ان چھ شعبہ جات کے تفصیلی مطالعہ سے ہر ایک کا گہرا تعلق جو ایک دوسرے کے ساتھ ہے وہ واضح ہو سکتا ہے مگر یہاں پر ان کا سرسری ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

سیاسیات سب سے پہلے سیاسیات کو لیجئے نسل انسانی کے اضافہ سے ایک حکمراں جماعت خود بخود پیدا ہوتی گئی جوں جوں یہ حکمراں جماعت منتظم اور شایستہ ہوتی گئی اسکے کاروبار کے لئے مختلف قوانین اور ضوابط کی ضرورت دا عی ہوئی اسی انتظام مملکت (State) کا نام سیاسیات ہے۔

قانون ایک شخص کو دوسرے کے معاملات میں دخل دہی سے باز رکھنے کو ہی قانون کہتے ہیں انسانی زندگی کی بقا کے لئے قانون ایک امر لازم ہے اس کے بغیر

کیونکر دنیا میں امن قایم رہسکتا ہے اور کیونکر لاکھوں روپیوں کا کاروبار چلسکتا ہے۔

اخلاق دنیا کا کاروبار اگرچہ قانون کی مدد سے بہت کچھ چل رہا ہے مگر عملاً اس کے لئے اخلاقیات کی بیحد ضرورت ہے اصل چیز جو کاروبار کی جان ہے وہ ساکھ ہے ساکھ ہی کو یا اخلاقی زندگی کا نمونہ ہے انسان کا مہذب اور شائستہ ہونا صرف اسکی اعلیٰ اخلاقی زندگی پر منحصر ہے۔

الٰہیات قانون کے فصل میں معلوم ہو چکا ہے کہ کسی شخص کو دوسرے کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن دنیا میں متعدد واقعات ایسے ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ ان کا چالان کسی انسانی عدالت میں نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی شخص کسی کی عصمت کرے یا در پردہ اسکو تکلیف پہنچانے پر آمادہ ہو جائے یا باوجود مجرم ہونے کے انسانی عدالت سے سزا نہ پائے تو ایسے لوگوں کو سوائے احکم الحاکمین کے دربار کے اور کہاں سزا اور جزا مل سکتی ہے۔

تاریخ جو انسانی زندگی کی داستان ہے اس کا تعلق علوم انسانی سے کیونکر چھوٹ سکتا ہے۔

معاشیات اب صرف معاشیات کا ذکر باقی رہجاتا ہے تمہید سے ہی ایک حد تک واضح ہو چکا ہے کہ انسان کی روزمرہ زندگی طرز معاشرت اسباب اور ان کے ذرایع حصول طریقہ خرچ اور اصول کاروبار ہی معاشی زندگی کا نمونہ ہیں۔

معاشیات جو لفظ معاش سے مشتق ہے وہ خود صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کس قدر گہرا تعلق انسان کی زندگی سے وابستہ ہے لڑکا پیدا ہونے کے بعد سے مرتے دم تک بلکہ مرنے کے بعد بھی اس کے لئے معاش ضروری ہے۔ تارک الدنیا بھی کسی نہ کسی وقت

ایک لقمہ کھانے پر مجبور ہے معاش سے اسکا پیچھا بھی نہیں چھوٹتا۔ دنیا میں نباتات، حیوانات اور جمادات سے انسان کا جو تعلق ہے وہ معاش کی خاطر ہی ہے۔ غرض حقیقت بھی انسان کی زندگی پر غور کیا جائے اسی قدر اسکا تعلق گہرے طور پر معاشیات سے مربوط نظر آئے گا۔

معاشیات کا نشو و نما معاشیات کے مفہوم سے واقف ہونے کے بعد مختلف زمانوں میں کس طرح پر اسکا نشو و نما ہوتا گیا اس کے معلوم کرنے کے لئے دوبارہ ہمکو تاریخ کی ورق گردانی کرنی پڑے گی۔

تہذیب قدیم میں وہ علوم جو انسان کی ذات سے متعلق تھے ان پر زیادہ توجہ نہ کی جاتی تھی البتہ متمدن اور مہذب ہونے کے بعد اس امر کی کوشش ہونے لگی کہ انسانی زندگی ایک اعلیٰ کیریکٹر پر قائم ہو چنانچہ اسی مقصد کی خاطر قدمانے اخلاقیات کے ضمن میں قریب قریب پورے معاشی مسائل پر روشنی ڈالی ہے لیکن کسی خاص بحث کے تحت ان کا بیان نہ ہونے سے بظاہر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ اصول معاشیات ہیں۔ مثال کے طور پر 'کوٹولیا' کی تصنیف جو قرون اولیٰ کی یادگار ہے اور حضرت سعدی کا کلام جو قرون وسطیٰ میں مدون ہوا ہے ان میں سے وہ تمام مسایل جو معاشیات سے متعلق ہیں ان کو یکجا ترتیب دیا جائے تو وہ اچھے خاصے اصول معاشیات ہوں گے۔ سعدی کا یہ قول ؎

آنا نکہ غنی تر اند محتاج تر اند۔ معاشیات کے ایک بنیادی اصول کو نہایت عمدگی سے واضح کرتا ہے۔ عربوں کی قدیم کتابوں سے یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے عربوں نے ہی اسکی جانب مستقل علم کی حیثیت سے اپنی توجہ مبذول کی۔ اس امر کا مطالعہ کہ انہوں نے اس علم کو علم المعیشت سے نامزد کیا حالانکہ دوسری اقوام صدیوں کے تجربوں کے بعد

کہیں اکنامکس مفہوم کو اس نام سے مخاطب کرنیکے قابل ہو سکے تو اس سے عربوں کی حقیقت شناسی کا ملکہ اچھی طرح واضح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یورپ کی توجہ عربوں کے زوال کے بعد اور اپنے دورِ متمدن کے آغاز ہی سے یورپ جہاں عربوں کے علمی خزانوں سے مستفید ہونا شروع کیا وہیں اسنے انکی طرز معاشرت پر بھی اپنی توجہ مبذول کی اور رفتہ رفتہ اسمیں ترقی کرنے لگا۔ ابتداءً اہل یورپ کے نزدیک اسکا مفہوم امور خانہ داری سے متعلق تھا یعنے یہ کہ کسطرح ضروریات زندگی فراہم کئے جائیں اور کن اصولوں کے تحت خانہ داری کا انتظام عمل میں لایا جائے۔ لفظ اکانمی (تدبیر منزل یا انتظام خانہ داری) جس سے کہ یورپ میں اس کی ابتدا ہوتی ہے اس سے اوپر کے قول کی تصدیق ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ اس کے مفہوم میں تبدیلی ہوتی گئی اور اکانمی کا مقصد صرف روپیہ کمانا رہ گیا۔

ہنری ہشتم اور ملکہ الزبیتھ کے زمانہ میں حکومت کی توجہ اس علم کیجانب زیادہ ہوگئی اور انہوں نے زراعت، تجارت، صنعت اور حرفت کو اسی علم المعیشت کے دائرہ کے اندر لانا چاہا تاکہ اس سے رعایا کی خوشحالی میں اضافہ ہو سکے ملکہ الزبیتھ کے عہد میں تقریباً تین سو قوانین اسی مقصد کی خاطر وضع کیے گئے حکومت کی توجہ نے اس کے نام کیساتھ لفظ پولیٹیکل کا اضافہ کر دیا اور انتظام خانہ داری کو ڈومسٹک اکانمی کہنے لگے۔

ملکہ الزبیتھ کے زمانے میں اُجرت محنت کا نظام صحت سرمایہ داروں کا دولت سے زیادہ فائدہ کمانا مزدوروں کے خلاف تاجروں کا طرز عمل غرض ان مختلف مسائل کی تقریباً وہی حالت تھی جو کہ اسوقت ہندوستان میں نظر آتی ہے۔ انگلستان میں سب سے پہلے سر طامس مور نے اپنی کتاب یوٹوپیا (لامکان) میں اسکی اصلاح کا مطالبہ کیا ہے مور نے جن مسائل کا ذکر سولھویں صدی میں کیا ہے وہی گویا تقریباً اس وقت معاشیات کے بنیادی اصول ہیں۔

۱۷۷۶ء میں اسکاٹ لینڈ کا ایک باشندہ آڈم اسمتھ دلبتھ آف نیشنز کے نام سے ایک کتاب شایع کرتا ہے (قطع نظر معاشیات کے مضمون پر پہلی کتاب ہے اسمیں زیادہ تر اخلاق سے بحث کیگئی ہے) ۱۷۹۶ء میں مالتھس نے اپنی کتاب بلا اظہار نام پبلک کے سامنے پیش کی جسکو البتہ علمی معاشیات کہہ سکتے ہیں اسکے بعد ۱۸۱۷ء میں ریکارڈ کی مشہور تصنیف شایع ہوئی۔ اس طرز سے علمی طور پر معاشیات کا نشو و نما بڑھ کر پہلے انگلستان کا دیکھا دیکھی کیری، اور باسٹکٹ کے ہاتھوں فرانس اور امریکہ میں بھی اسکی داغ بیل پڑنے لگی اسکے چند دن بعد جرمنی، آسٹریا، اور یورپ کے دیگر ممالک میں علم عام ہو جاتا ہے

معاشیات کے معترضین

تہذیب قدیم میں مادی اور جسمانی احتیاجات کے علم کو ذلیل سمجھا جاتا تھا جونہی معاشیات کی داغ بیل پڑنے لگی کارلایل اور دیگر علمائے یورپ نے اس پر اعتراضوں کی بوچھاڑ شروع کر دی انکا بیان تھا کہ اسکے مطالعہ سے قوم زر پرست بنجائے گی نظام سوسائٹی پر اسکا سخت مہلک اثر ہوگا انسان جذبات انسانی سے متاثر ہونے کے بجائے دولت جمع کرنیمیں مشغول ہو جائیگا معترضین کی مخالفت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مالتھس کو اپنی کتاب بلا اظہار نام شایع کرنی پڑی۔ اگر فی الحقیقت معاشیات کا مفہوم زر پرستی کی تلقین ہوتا تو اس سے سوسائٹی کی تباہی یقینی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ معترضین پر اسکا اصلی موضوع (یعنے فطرت انسانی کا مطالعہ) واضح ہونے لگا اور ان کو اسکی مخالفت سے باز آنا پڑا۔

لفظ پولیٹیکل اکانمی چونکہ اپنے اصلی موضوع کو واضح نہیں کر سکتا تھا اور پھر پولیٹیکل جیسا سیاسی لفظ اس کے ساتھ شامل رہنے سے اسکے اصلی موضوع کے فوت ہو جانیکا اندیشہ تھا اسلئے موجودہ زمانہ کے مؤرخ لفظ پولیٹیکل کو حذف کر کے اسکو 'اکنامکس' کے نام سے موسوم کرنے لگے۔

ہندوستان اور معاشیات

ہندوستان یورپ سے زیادہ قدامت پسند ہے ایسی حالت میں مادی اور جسمانی احتیاجات کا علم ان کے پاس کسطرح قابل قبول ہو سکتا تھا بدقسمت

اور دھرم شاستر کی رو سے تو خود مزدور اور تاجر کا درجہ ذلیل مانا گیا ہے نظرت انسانی خود ان علوم کیجانب زیادہ متوجہ ہوتی ہے جو اس کے دسترس سے دور ہوں اور پھر ہندوستان کی قسمتی سے اٹھارویں صدی میں جبکہ یورپ میں معاشیات کا درس شروع ہوا تھا اسوقت نہ صرف یہاں کا سیاسی مطلع غبار آلود ہو کر امن و امان کا خاتمہ کر رہا تھا بلکہ انقلاب صنائع کے طفیل سے اسکی شہرت آفاق صنعتیں تباہ و برباد ہو رہی تھیں ایسی حالت میں کیطرح ممکن تھا کہ ہندوستان بھی اپنے خواب غفلت سے بیدار ہو کر اس کے حصول کیجانب متوجہ ہوتا۔

یورپ اور ہندوستان کی معاشی تعلیم

ہندوستان انگلستان کے زیر نگیں ہو جانے کے بعد جب اس کے تعلقات انگلستان کی ذات سے وابستہ ہو گئے تو اسوقت یہاں پر بھی معاشی تعلیم کا پرتو پڑنے لگا اور معاشی اصول کی ہر حرکت کرنے لگی۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ معاشیات کا وجود ہندوستان میں انگریزوں کے آنے تک نہیں تھا بلکہ اوپر کے بیان کے مطابق پیدا ہونے کے بعد سے مرتے دم تک انسان کا تعلق معاشیات سے نہیں چھوٹتا پھر یہ کیطرح ممکن ہے کہ بغیر اسکے انسانی زندگی چل سکے ادنیٰ کاشتکار حتیٰ کہ معمولی خوانچہ والا بھی معاشیات کے اصول جانے بغیر اسکی پیروی کر رہا ہے مگر ہم میں اور یوروپین اقوام میں فرق یہ ہے کہ ہم اصول جانے بغیر اسکی پیروی کر رہے ہیں برخلاف اس کے اہل یورپ کی زندگی اصول معاشیات کے تحت بسر ہو رہی ہے یورپ کی ترقی کا راز اصول معاشیات کی پیروی میں مضمر ہے۔ ہندوستان کی اس بیخبری کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اسکی ۹۰ فیصدی آبادی افلاس و فلاکت کا نشانہ بنی ہوئی ہے

معاشیات اردو کے قالب میں

یہاں پر اس امر کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ ہندوستان کا علم جب سے کہ یونیورسٹی قائم ہو گیا ہے اسوقت سے یورپ کے علوم و فنون کو ہندوستان کی دیسی زبانوں کے علاوہ ملک کی مشترکہ زبان اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش شروع ہوئی ہے اسی سمن میں

معاشیات کیجانب بھی توجہ ہونے لگی ۱۸۶۹ء میں سب سے پہلے مل کا ترجمہ اصول سیاست مدن کے نام سے شایع کیا گیا۔ مل چونکہ اصول کا اولوالعزم تھا اسکی تصنیف کو علمی معاشیات سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہے دو ایک اور مصنفوں نے بھی بعض اور تراجم کئے ہیں البتہ ڈاکٹر اقبال نے بیسویں صدی کے شروع میں بحیثیت ایک مصنف کے علم الاقتصاد کے نام سے اسکو پبلک کے سامنے روشناس کرایا اسکے شایع ہونیکے بعد علم المعیشت کے نام سے ایک کتاب پروفیسر برنی نے شایع کی معاشی زندگی کا لحاظ کرتے ہوئے جو نام اسکے لئے موزوں تھا وہ اردو زبان میں پہلی مرتبہ ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے۔

حیدرآباد اور معاشیات

حیدرآباد چونکہ ہندوستان کا ایک جزو ہے اسلئے ظرۂ اسکی حالت بھی ہندوستان کی سی ہونی چاہیئے تھی ہے۔ ملک کی بدقسمتی سے جو ٹھیل ربع صدی سے وہاں پہنچ چکی ہے اسکا عشر عشیر حصہ یہاں پر نظر نہیں آتا تھا اگر حضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کے عہد مبارک میں مبارک جامعہ عثمانیہ کا افتتاح اور ساتھ ہی شعبۂ معاشیات کا قیام عمل میں نہ آتا تو معلوم نہیں کب تک حیدرآباد دکن کے باشندے اسی خواب غفلت میں پڑے رہتے جامعۂ عثمانیہ نے جو معاشی تحریک اس ۴۰۔۵ سال کے عرصے میں پیدا کی ہے اس سے ملک چند سال کے عرصے میں واقف ہوجائے گا۔

اس تمام بیان سے معاشیات کے موضوع اور نشو ونما پر ایک حد تک روشنی پڑ سکتی ہے لیکن یہ بیان کہ انہیں انسان کی زندگی، طرز معاشرت ضروریات اور اشیاء حیات ان کے ذرایع حصول اور طریقہ خرچ وغیرہ سے کس طرح بحث کیجاتی ہے یہی گویا معاشیات کے بنیادی اصول ہیں جن پر آئندہ سرسری نظر ڈالی جائیگی تاکہ ابنائے ملک کو معلوم ہوجائے کہ اس بیسویں صدی میں کاروبار زندگی معاشیات کے مطالعہ کے بغیر چل بھی سکتا ہے یا نہیں؟

عزالدین محمد

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

(۱)

کا پُر آشوب زمانہ ہے، دہلی میں وہ قیامت خیز ہنگامہ برپا ہے کہ جسکی داستان خون کے حروف میں بھی لکھی جائے تو اس کی خونریزی کا اندازہ نہیں ہوسکتا بیسیوں گھر بیچراغ ہو گئے، سینکڑوں جانیں موت کے ہولناک دیوتا کے بھینٹ چڑھ گئیں، ہزاروں باعصمت اور پردہ نشین خاتونیں جن کو چشم فلک بھی دیکھنے کو ترستی تھی اب انکی یہ حالت ہے کہ بے چادر بھاگی بھاگی پھرتی ہیں۔ بڑے بڑے ذی مرتبت رئیس جن کے گھروں پر ہاتھی جھومتے تھے اور جن کے دسترخوان پر انواع واقسام کی نعمتیں چنی جاتی تھیں، جنکی خدمتگزاری کو بیسیوں خدام ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے، جن کی بزم عشرت میں راتدن مے ارغوانی کا دور چلا کرتا تھا، جن کے کانوں میں ہروقت اہ پیکر رامشگروں کے دلکش نغمے گونجا کرتے تھے، جنکو فرش مخملیں پر بھی چلنا بار تھا آج انکی یہ حالت ہے کہ بیکس و بے بس بے یار و مددگار پناہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور پناہ نہیں ملتی۔ کڑاکے کے فاقے کئے جارہے ہیں اور منہ میں کھیل بھی اڑکر نہیں پڑتی۔

مہاوٹ کے دن سردی کی یہ حالت کہ دانت سے دانت بج رہے ہیں مگر اوڑھنے کو دو ہاتھ کپڑا ابھی میسر نہیں۔ یا تو یہ حال تھا کہ بغیر سیانے، پالکی کے قدم باہر نکالنا دشوار تھا

اور آج یہ کیفیت ہے کہ بھاگا بھاگ چلے جارہے ہیں۔ لیکن کہیں سر چھپانے کو آسرا اور قدم جانیکو ٹھکانا نہیں ملتا۔ بیوی، بچے ساتھ ہیں اور جان بچانے کی غرض سے بھاگے جارہے ہیں۔ مال و اسباب گھر بار دولت و ثروت سب تو تباہ و تاراج ہو گئے صرف جانیں بچ رہی ہیں مگر اُن کے یہ لالے پڑے ہیں کہ ہر وقت تلف ہونے کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

غرضکہ ایسا محشر اٹھنے ہنگامہ برپا ہے کہ نفسی نفسی کا معاملہ ہے باپ کو بیٹے کی خبر نہ شوہر کو بیوی کی۔ ..... ہر شخص اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے ایسے ہولناک زمانہ میں جبکہ سینکڑوں بیویاں اپنے شوہروں سے اور سینکڑوں بچے اپنے ماں باپ سے جدا ہو گئے۔ دہلی کے ایک نہایت شریف اور معزز رئیس کا بھی گھر بار لٹ گیا سب کے ساتھ سراسیمہ بیوی بچوں کو لیکر یہ بھی کسی جگہ پناہ لینے کی غرض سے نکل کھڑے ہوئے بہ مشکل راستہ کی پکڑ دھکڑ اور سپاہیوں کی لوٹ مار سے بچکر خدا خدا کر کے شہر سے باہر نکلے اور آبادی سے میلوں دور آکر دم لیا دیکھتے ہیں تو ہو کا عالم و دق جنگل ہے، رات ہو گئی ہے تمام عالم پر بھیانک تاریکی چھا گئی ہے انہوں نے ارادہ کیا کہ کسی درخت کے نیچے پناہ لیکر رات بسر کریں کہ اتنے میں قریب سے بندوقوں کے سر ہونے کی آواز کان میں آئی کلیجے دہل گئے اور مارے خوف کے پھر وہاں سے بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

اندھیر اتمام عالم پر چھا گیا ہے اور یہ بیچارے غربت کے مارے ٹھوکریں کھاتے بھاگے چلے جارہے ہیں۔ بیوی بچوں کی یہ حالت ہے کہ بھوک اور تھکن کے مارے بے تاب و تواں ہو رہے ہیں۔ بیچارہ باپ ایک بچے کو کاندھے پر ایک کو گود میں اٹھائے

اور بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے افتاں وخیزاں چلا جا رہا ہے۔

تاب و طاقت نے جواب دیدیا اور قریب تھا کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے کہ دور سے ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی نظر آئی امید نے کان میں کہا کہ گھبرا نہیں اب پناہ کی جگہ قریب ہے کوئی نہ کوئی شب بسری کا ٹھکانا مل جائے گا اس کے دلاسا دینے پر کچھ ڈھارس بندھی اور جائے پناہ کی امید میں آگے بڑھے گرتے پڑتے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں سے چراغ کی مدھم روشنی نظر آ رہی تھی نزدیک جا کر دیکھا تو ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ جل رہا تھا مگر کسی انسان کا پتہ نہیں پایا۔

خدا کا شکر بجا لا کر بچوں کو اُتارا اور نہایت ہی نحیف و ناتوان آواز میں کہا "بیوی رات کی رات اسی مسجد میں پڑ رہنا چاہیئے صبح کو پھر جہاں خدا لیجائے چلے جائیں گے" بیوی میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ کچھ جواب دیسکے چکر کھا کر گر پڑی اور گرتے گرتے صرف یہ الفاظ زبان سے نکلے "پانی۔ پانی"۔ یہ کہتے ہی کہتے بیوی کی یہ حالت ہو گئی کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور پاؤں رگڑنے لگی اور پیاس کی شدت سے تڑپنے لگی یہاں تو یہ حالت تھی وہاں بچوں کا حال سنیئے ایک بچہ "ابا پانی پانی" کہہ کر جو زمین پر گرا تو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی بیچارے کی حالت کیا بیان ہو سکتی ہے ادھر بچے کی لاش پڑی ہوئی ہے اُدھر بیوی حالتِ نزع میں پھڑک رہی ہے اب رہی ایک لڑکی سو وہ موت و حیات کی کشمکش میں بیہوش پڑی ہوئی ہے۔ اور اُدھر پانی کی تلاش میں دوڑا دوڑا پھرتا ہے کہ بیوی اور ایک رہی سہی لڑکی کی جان تو بچ جائے اسی سراسیمگی کے عالم میں مسجد کے شمالی جانب نظر پڑتی ہے تو کچھ چراغوں کی روشنی دکھائی دیتی ہے یہ

بدحواس اس امید میں کہ شاید اُس جانب لوگوں کے مکانات ہوں دیوانہ وار دوڑا جاتا ہے بڑی تلاش اور کوشش کے بعد جب وہ پانی لیکر مسجد کیجانب پہنچا جہاں بیوی بچوں کو سسکتا چھوڑ گیا تھا تو یہاں اُسکو کچھ اور ہی عالم نظر آیا۔ بیوی بچی کا کہیں نام و نشان نہیں، مسجد خالی پڑی ہوئی ہے۔ رو پیٹ کر بیٹھ گیا رات کی رات مسجد میں بسر کی اور صبح ہوتے ہی نکل کھڑا ہوا۔

(۲)

ہمارا تباہ حال رئیس شہر بشہر گمشدہ بیوی کی تلاش کرتے ہوئے اتفاقاً نیض آباد پہنچا یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ شہر میں ایک فقیر کامل جو زبردست عامل بھی ہے وارد ہوا ہے اور ایک مسجد میں مقیم ہے اُس کے پاس حاجتمندوں کا ایک جم غفیر لگا رہتا ہے لوگ آتے ہیں اور شاد کام و بامراد جاتے ہیں۔

یہ بھی اپنی حاجت لیکر فقیر کی خدمت میں پہنچا اور اپنی تباہی کی پُر درد داستان اس طرز سے سنائی اور اپنی شریف و پاکباز بیوی کی گمشدگی کا حال ایسے دردناک طریقہ سے بیان کیا کہ فقیر کے دل پر بھی بڑا اثر ہوا اور اس نے کہا "بابا! کچھ فکر نکرو خدا قادر ہے وہ تمہاری بیوی کو تم سے ملا دیگا۔ تم میرے پاس ہی رہو میں تمہیں اپنے فرزند کی طرح رکھوں گا" رئیس نے جب یہ شفی بخش الفاظ سُنے تو فقیر کے قدموں پر گر پڑا فقیر نے اُسکو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور بہت کچھ تسلی اور دلاسا دیا غرضکہ رئیس فقیر کے پاس ہی رہنے لگا۔ اور اُسکی خدمت گزاری میں بدل مصروف ہو گیا اقسام کے لوگ فقیر کے پاس علاج معالجے اور دعا کی غرض سے آیا کرتے تھے شیطان بھوت، جن وغیرہ کے آسیب زدوں، مختلف امراض کے مریضوں اور مقصد و مراد کے طالبوں کا

صبح سے شام تک تانتا لگا رہتا تھا۔ بڑے بڑے ساہوکار رئیس نذرانے لیکر فقیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن فقیر نذرانوں میں سے بقدر ضرورت لیکر بقیہ واپس کر دیا کرتا تھا ہمارے شکستہ دل رئیس کو فقیر کے پاس رہتے ہوئے کامل چار ماہ گذر گئے مگر اب تک مراد بر آنے کی کوئی صورت نہیں پیدا ہوئی امید و بیم کی حالت میں دن گذار رہا تھا رات بھر گڑگڑانے اور دعا مانگنے میں بسر ہوتی تھی جب بیقراری و اضطراب حد سے گذر جاتا تو فقیر سے ڈرتے ڈرتے اپنی حاجت بیان کرتا لیکن فقیر یہی کہتا کہ "ابھی وقت نہیں آیا وقت کا انتظار کرو"۔ یہ جواب امید کی اس روشنی کو جو انتظار بعید کیوجہ مدہم پڑ جاتی تھی تیز کر دیا کرتا تھا اور وہ بدستور صبر و استقلال کے ساتھ پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو جایا کرتا تھا۔

(۳)

یوں تو غفورن کا طائفہ پہلے ہی سے فیض آباد میں بڑی شہرت رکھتا تھا لیکن جب سے یہ خبر مشہور ہوئی کہ حسن و جمال کی دیوی غفورن کے ہاتھ لگی ہے تو شہر کا کوئی ایسا شوقین رئیس اور امیر نہ تھا جو اس حسین عورت کی خواستگاری میں غفورن کے مکان کے ہیسوں چکر نہ لگاتا ہو لیکن یہ عورت جس کے حسن و جمال سے غفورن کا سیاہ خانہ روشن ہوا تھا شرم و حیا کا ایسا مجسمہ تھی کہ جب سے غفورن کے یہاں آئی تھی کسی سے بات چیت ہمیشہ منہ ڈھانکے رہتی تھی اسکا وقت زیادہ تر عبادت میں صرف ہوتا تھا۔ غفورن لاکھوں منتیں کروڑوں خوشامدیں کرتی تھی کہ ذرا باہر نکل کر ملاقاتیوں سے مل لے مگر یہ سنکر بجائے جواب کے اس کے گلاب سے رخساروں پر سے آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے ٹپکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ نواب امجد علیخاں جن کی عیش پرستی اور شوقین مزاجی کی شہر بھر میں

کوئی نظیر نہیں تھی اور جوان معاملات میں بیدریغ روپیہ لٹاتے تھے انہوں نے غفورن کو اس عورت کے بارے میں ہزاروں روپیہ اور زر و جواہر کا لالچ بتایا اور غفورن نے بھی اُس عورت کو راہ پر لانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور سمجھانے منانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر اس عورت نے غفورن کی باتوں کا جواب دینا تو درکنار اُس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا آخر کار فقیر صاحب کی طرف رجوع کرنیکا ارادہ کیا۔

نور کے تڑکے فقیر صاحب وظیفہ سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ غفورن اُن کی خدمت میں پہنچ گئی اور قدموں پر گر کر رونے لگی فقیر نے حال دریافت کیا تو کہنے لگی حضرت میں ایک کسبی ہوں آپ کو خدا نے مخلوق کا حاجت برار بنایا ہے میرا مقصد بھی پورا کیجئے۔ چند روز ہوئے ایک ماہ پیکر حور وش حسین و جبین چندے آفتاب چندے ماہتاب جوان عورت جس کا سن بیس اکیس سے زاید نہ ہوگا اتفاق سے میرے ہاتھ لگ گئی ہے اور میں نے اُسکو اپنے زمرے میں شامل کرلیا ہے مگر غضب تو یہ ہے کہ وہ میری بات نہیں مانتی ہزاروں تدبیریں کیں لاکھ سمجھایا مگر اُس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔

خدا کے لئے دعا فرمائیے کہ اُسکا دل موم ہوجائے میں ہر طرح حضرت کی خدمت کے لئے تیار ہوں" فقیر صاحب اُسکی باتیں سنکر پہلے تو مسکرائے اس کے بعد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے اور پھر کہا کہ" اچھا تیرا مقصد بر آئے گا اُس لڑکی کو ہم راستے پر لائیں گے مگر پہلا شخص جو اُس کے لئے منتخب ہوگا وہ (رئیس کیطرف بتلاکر) میرا ہی رفیق ہوگا اگر تو اس شرط کو منظور کرتی ہے تو میں تیری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں" یہ کہکر فقیر صاحب چُپ ہوگئے غفورن نے کہا کہ" آپ کی شرط اس کنیز کو دل و جان منظور ہے" فقیر صاحب نے کہا کہ" اچھا اب چلی جاہم اپنے رفیق کو لیکر آج ٹھیک رات کے

۸ بجے آجائیں گے"۔ غفورن یہ سنتے ہی فقیر صاحب کے قدموں کو بوسہ دیکر خوش خوش واپس ہوئی۔ اُس کے جانے کے بعد فقیر نے رئیس سے کہا "میاں تم کو میرے پاس رہتے ہوئے کامل ۵ ماہ گذر گئے اتنک میں تمکو امتحان دلاتا رہا لیکن اب تمہارے مقصد کے پورا ہونے کا وقت آگیا اگر تم میری ایک بات مان لو تو یقین جانو کہ تمہاری مراد بر آئیگی ورنہ یاد رکھو کہ زندگی بھر تمہیں اپنی بیوی کی صورت دیکھنی نصیب نہوگی"۔ رئیس نے بلا تامل کہا "مجھے آپ کی بات منظور"۔ آگ میں کہیئے تو کود جاؤں۔ شیر کے منہ میں کہیئے تو چلا جاؤں۔

نہ آگ میں کود و نہ شیر کے منہ میں جاؤ مگر آجکی رات غفورجان طوائف کے گھر میں بسر کرو"۔ "کیا زنا کا مرتکب بنوں"۔ "ہاں ہاں ہم کہتے ہیں کہ آج کی رات ایک طوائف کیساتھ غفورن کے گھر میں رہو"۔ "آپ اور مجھے زنا کی ترغیب دیں۔ یا اللہ میں یہ کیا سُن رہا ہوں"۔ "بس تم نے اقرار کر لیا ہے کہ میں جو کہونگا اُسکو منظور کرلوگے لہذا میری بات مان لو۔ یا ہمیشہ کے لئے اپنی بیوی سے ہاتھ دُھولو"۔ "مگر مجھ سے اتنا بڑا گناہ کیونکر ہوگا"۔ "اب گناہ یا ثواب تم جانو مگر رات غفورن کے گھر رہنا ہوگا"۔ "جب آپ فرماتے ہیں تو مجھے کوئی عذر نہیں"۔

(۴)

اب وہ وقت آگیا ہے کہ حضرت "لسان الغیب" کے اُس شعر کے مضمون کی علاً تشریح ہونیوالی ہے۔ جو عنوان میں درج ہے فقیر رئیس دہلی کو غفورن کے گھر پہنچا گئے بیچارہ شریف، معزز، زاہد، متقی، پرہیزگار ایک پیشہ ور عورت کے مکان میں داخل ہوتے ہوئے شرم سے پانی پانی ہوگیا۔..... اس نے عمر بھر میں کسی

غیر عورت کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اب اُس خوفناک گناہ کے ارتکاب کا بیڑہ اٹھایا ہے جس کی وجہ سے پیغمبران سلف کی امتوں پر عذاب الیم نازل ہُوا۔

غفورن نے رئیس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کمرے میں ڈھکیل دیا جہاں خوبصورت عورت بیٹھی ہوئی وظیفہ پڑھ رہی تھی۔ دروازے کے کھلنے کی آواز پر چونک پڑی دیکھتی کیا ہے کہ ایک غیر مرد اپنے کمرے میں داخل ہوگیا ہے دل دھڑکنے لگا سر سے پاؤں تک خوف سے تھرتھرانے لگی اور چہرے کو دوپٹے سے ڈھانک کر سجدے میں گر پڑی اب رئیس کا حال سنیئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ کسی چلتی ہوئی چالاک عیار کسبی سے مقابلہ ہونے والا ہے مگر یہاں دیکھا تو کچھ اور ہی رنگ ہے۔ خدا کا شکر بجا لایا اور خود بھی ایک جانب گوشہ میں قبلہ رو ہو کر وظیفہ میں مشغول ہوگئے۔ عورت نے سجدے سے سر اُٹھا کر دیکھا تو یہ دیکھا کہ ایک مرد وظیفہ میں مشغول ہے۔ تعجب اور تعجب کے ساتھ ہی یہ خیال دلمیں پیدا ہوا کہ شاید اسمیں غفورن کی کوئی مکاری تو پوشیدہ نہیں ہے۔ وقت گذرتا گیا۔ یہ عورت ادھر خاموش بیٹھی ہوئی ہے اور وہ مرد اُدھر وظیفہ میں مشغول ہے دروازہ باہر سے لگا دیا گیا ہے۔ اُس نے خیال کیا کہ رات زیادہ ہونے پر دست درازی ہوگی مگر گیارہ سے بارہ۔ بارہ سے ایک۔ ایک سے دو۔ دو سے تین۔ تین سے چار اور چار سے پانچ بجگئے صبح کی نماز کا وقت بھی آگیا مگر جس بات کا خوف تھا وہ بات ظاہر نہیں ہوئی۔ صبح کی جھلمل روشنی جب دروازے کی درزوں میں سے اندر داخل ہوئی تو مرد نے یکایک قبلہ کی جانب سے منہ پھیر کر عورت کی طرف نظر ڈالی پہلی نظر میں اُس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اُس نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر ایک بھرپور نظر عورت کی جانب ڈالی عورت کی نظر بھی مرد کی نظر سے دوچار ہوئی بجلی سے بھی

زیادہ سرعت کے ساتھ مرد یہ چلاتا ہوا عورت کی جانب بڑھا "میری بیوی۔ میری بیوی"
عورت کی زبان سے پہلے تو ایک چیخ نکلی اور پھر یہ کہکر "میرے سرتاج میرے شوہر"
غش کھاکر زمین پر گر پڑی۔ ساتھ ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور فقیر اور غفورن اندر داخل
ہوئے عورت کو بے ہوش و حواس دیکھکر فوراً غفورن نے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں
تھوڑی دیر کے بعد عورت کو ہوش آیا اُسنے شوہر کی موجودگی میں غیر مرد کو دیکھکر یہ وہ کرنا
چاہا مگر شوہر نے فقیر کو بتلاکر کہا "یہ میرے قبلہ و کعبہ اور باپ سے بڑھکر ہیں ان کے قدموں
انہیں کی برکت سے مدت کے بچھڑے ملے" بیوی نے خاموشی سے اٹھکر فقیر کی قدم بوسی
کی فقیر نے غفورن سے کہا "حق بحقدار رسید جسکی بیوی تھی اُسکو مل گئی۔ آفرین اس
پاکدامن خاتون پر کہ تیرے ہاتھ لگنے پر بھی بال بال اپنی عصمت کو بچالیا" (میاں اور بیوی
سے مخاطب ہوکر) چلو مسجد کے قریب ہی میں نے تم دونوں کے لئے گھر لے رکھا ہے وہاں
چلکر رہو (رئیس سے) تم کو تو میں نے اپنا بیٹا کہا ہے یہ میری بہو ہے گویا تم دونوں میری
زندگی کے مالک اور وارث جائز ہو۔ میں ہی عمر بھر تم دونوں کا کفیل رہونگا"

غفورن یہ معاملہ دیکھکر ہکی بکی ہوگئی اور سوائے اس کے کوئی چارہ ہی نہ دیکھا کہ
عورت کو اُس کے شوہر کیساتھ روانہ کردے۔ غرضکہ فقیر اور یہ دونوں میاں بیوی غفورن
کے گھر سے نکلکر اپنے مکان کو روانہ ہوئے وہاں پہنچنے کے بعد جب میاں اور بیوی
میں تنہائی ہوئی تو گزشتہ واقعات اور بچوں کی حسرتناک موت کے خیال نے دونوں
کو گھنٹوں زار و قطار رکھا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو میاں نے بیوی سے پوچھا کہ تم غفورن
کے یہاں کیونکر پہنچ گئیں" بیوی نے کہا "گھر سے نکلنے کے بعد مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ
کہ ہم نے ایک مسجد میں پناہ لی تھی اس کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں نے یہ دیکھا

کہ پانچ چھ عورتیں جن میں غفورن بھی ہے مجھے ایک ڈولی میں لئے جارہے ہیں میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تمہیں تلاش کیا جب نہ پایا تو تمہارے متعلق ان لوگوں سے سوالات کی بوچھار کر دی۔ مگر انہوں نے بجز اس کے کچھ جواب نہ دیا کہ "ہم نے تم کو اثنائے راہ ایک مسجد میں نیم جاں پایا اور دو بچوں کی لاشیں تمہارے بازو پڑی ہوئی دیکھیں فوراً تمہارے حلق میں پانی کے قطرے ٹپکائے گئے اور ذرا تمہیں ہوش آنے لگا تو پانی کے دو گھونٹ پلائے اس سے تمہاری کرب کی حالت دور ہوئی لاشوں کو تو وہیں چھوڑ دیا اور تم کو اپنے ساتھ لے لیا" اسی طریقہ پر میں غفورن کے ہاتھ لگی۔ میاں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "مصیبت کے بعد راحت، سختی کے بعد آرام خدا کا وعدہ ہے جو آج من وعن پورا ہوا ہے خیر جو گزری سو گزری اب دعا یہ ہے کہ خدا بقیۃ العمر ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرے"

سید ابن بخش حیدر

رفتارِ زمانہ

دیکھنا گر رنگ گرگٹ کا ہے خواہش آپکی
لیڈرانِ قوم ہی صورت ہیں بُن اور باپ کی

بڑھتے بڑھتے حاملہ ہو جائیگا سوپیٹ جسکی کچھ حد ہی نہ ہو تو کیا ضرورت ناپ کی

انکھیں چندھیا نے لگی ہیں یہ نئی ہے روشنی
اب نظر میں بھی نہیں ہے قدر بوٹ ہے آپکی

ہے خیالوں میں تشنج جس کے فیشن کا سوا
چیز چھوٹی کیوں نہ ہو لیکن ہو انگشِ چاپ کی

حضرتِ واعظ نے چپکے سے اڑایا جام مے
ہم سے کہتے ہیں وہ اچھی ہے آبدشاپ کی

بیٹھ پوزیشن سے کچھ تو ملنے آتا ہے کوئی
سن لے سودائی وہ آتی ہے صدا کچھ ٹاپ کی

نمائندہ ری سیلے

از مصوّر لطافت عالیجناب آغا حیدر حسن صاحب دہلوی (علیگ)

آب سے ۳۰-۴۰ برس پیشتر مملکت دکن کی مصنوعات ممالک غیر میں ہاتھوں ہاتھ لیجاتی تھی کونسا کھانا پینا گھر ہوگا جہاں ہری کے دو چار برتن نہ ہوں اور کونسا محو عیش پوشاک ہوگا جس نے اورنگ آبادی ہمرو زیب تن نہ کئے ہوں۔ اورنگ آبادی شربتی راہداری بانک کٹار۔ کمخاب۔ زربفت پٹن کے پتمبر سارے ہندوستان میں ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے دولت آبادی کاغذ نے کشمیری حریری سب کو مات دی تھی (نمائندہ ٹر کے سیلوں کے سامنے ڈھاکے کی ململ ٹلماتی تھی۔ دکنی بانکے لکھنو کے بانکوں کو انگلیوں پر نچاتے وضع کی پابندی شرافت کا اصلی جوہر سمجھی جاتی۔ فرنگی لباس کی تقلید میں جب نیچے جامہ نے جامہ زیبی تجی اور اسکی جگہہ فرنگی قطع و برید کی حیدر آبادی شیروانی نے لی تو بلدے والوں نے ٹپے کاروں کی بھیتی کسی۔ کف پائی کو اتار جب سلیم شاہی پہنی تو مسجد کے شہدوں نے ہندوستانی جنوں کی جوتی سر پر دھری اب نہ وہ کف پائی اور کفش رہے نہ نیچے جامے غربا اور عوام امراء اور خواص کی تقلید کرتے ہیں خواہ وہ بات اچھی اور منفعت بخش ہو خواہ بری اور مضرت رساں نکبت و ادبار نے ملکی مصنوعات کی طرف سے مستغنی کیا اور اسکی سزا میں سب کو اونی ٹاٹ اور کمبل کی کافر کرتی پہنائی امیر غریب سب کمبل پوش ہوگئے زربفت و کمخاب خواب ہوئے وضعداری اونی ٹاٹ میں رہگئی قاعدے کی بات ہے جب انسان اچھے کھاتے کھاتے اکتا جاتا ہے تو پھر چٹنی روٹی پر رغبت ہوتی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس نص قرآنی کے معجزے اور صداقت کا قائل کون ہوتا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ من وسلوے سے جی اکتایا تو لسّن، پیاز کو جی چاہا۔ اچھا پہننے کو خدا دیتا تھا شرع شریف نے مشروع جائز کیا وہ نہ پہنا۔ ململ چشم پسند نہ آیا تو اُدنی ٹاٹ آنکھوں میں گھسا۔ جب امرا کے طبقے نے ملکی صنعت کی طرف اپنی توجہ دی چھوڑ دی اور کارگیروں پر انکی سرپرستی اٹھ گئی تو آہستہ آہستہ غریب اہل کمال کا طبقہ نیست و نابود ہوتا چلا گیا ورنہ پہلے زمانے میں ہر بڑی سرکار کا ایک اپنا ذاتی کارخانہ ہوتا تھا۔ کاریگر جُلا ہے۔ پانچ پانچ چھ چھ برس کی دیدہ ریزی سے وہ انوکھی وضع کے تھان تیار کرتے کہ درباروں میں یہ انوکھی وضع کی نفیس پوشاکیں دیکھ کر غیر ممالک کے سفرا کے ہوش اڑ جاتے اور ان درباروں کی شان و شوکت کا سکّہ ان کے قلب پر بیٹھ جاتا۔ آجکل عابد اور ہیڈم پائل کا ستارہ زوروں پر ہے امرا کے زعم میں زربفت و کمخواب جو خراب ہوئے بعد بھی غربا کا سنگار اور بیچ ڈالنے پر کچھ نہ کچھ رقم وصول کرا ہی دیتا تھا اب جیجپورپن کی لیبل ہے صوفیانہ وضع نفیس پوشاکی اُدنی ٹاٹ ہی میں رہگئی ہے جس کی بدولت ملک سے روپیہ تو ڈھیروں باہر کھینچا چلا جارہا ہے اور دیسی صنعت و حرفت مٹتی چلی جارہی ہے جس کا انجام افلاس و تنگدستی بدحالی و پریشانی ہے ہر چہار طرف فلاکت کے آثار نمایاں ہیں بڑے بڑے بادشاہ دکن کے تحفہ تحائف کو متحیّر و متعجّب ہوکر دیکھتے۔ ایک روایت مشہور خاص و عام ہے کہ ململ کا ایک تھان بارہ گز لمبا اور ڈیڑھ گز چوڑا جس پر زری کی بوٹیاں بھی تھیں بارہ تولے کا تھا۔ پرانی قلمی تصاویر دیکھنے سے یہاں کی صنعت و حرفت اور لباس کا پتہ چلتا ہے میں نے ایک تصویر نواب صفدر یار خاں صاحب کے پاس دیکھی ہے نظام علیخاں بہادر کی ہے نیمہ جامہ زیب تن۔ تن زیب ایسی باریک ہے کہ جسم کا رنگ کپڑے ہی میں سے

پھوٹا پڑتا ہے۔ بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن پر کپڑا ہے۔ اس قدر مہین ہے نانڈیڑ کے سیلوں کے سامنے ڈھاکے کی ململ ململا کر رہجاتی۔ آج ہم اس کے لئے ہاتھ ملتے ہیں اور وہ نہیں ملتی۔

لیکن موجودہ نسل کی خوش نصیبی ہے کہ ہمارے اعلیحضرت حضور نظام خداوند کریم صدیوں سایۂ سلامت رکھے ملک میں ہر چہار سو ترقی کی رو دوڑتی پھرتی ہے موسیٰ کی طغیانی تو دریا برد ہوئی علم و ہنر کا سمندر چاروں طرف ٹھاٹھیں مار رہا ہے صنعت و حرفت کی طرف عام رجحان ہے۔ امرا نے بھی اسکی سرپرستی شروع کر دی ہے اور اعلیحضرت قدر قدرت رہیں رہتی دنیا تک کہ ان کی بیدار مغزی نے بہت ساری مردہ صنعتوں کو زندہ کر دیا ہے مدرسی کے کام کو پھر فروغ ہوا ہے اور ملک میں اسکی عام مانگ ہے۔ پارچہ بافی نے تو بہت ہی ترقی کی ہے سُننے میں آیا ہے کہ ہمارے بادشاہ سلامت کے اقبال سے نانڈیڑ کی ململ زیب دہ بازار حسن ہوئی ہے اور ہر اک جامہ زیب حسن اسکا دلدادہ نظر آتا ہے

نانڈیڑی ململ پر کس طرح بننے لگی اس کا بیان ایک طویل داستان ہے جو اپنی دلچسپی میں مرغ زرین کے قصہ سے کسی طرح کم نہیں ناظرین کے لطف کیلئے پیش ہے۔

(نانڈیڑی ململ کی کہانی)

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ۔ خدا کا بنایا رسول بادشاہ۔ ایک نواب صاحب جگت گیسائیں گرو مہاراج مہاتما جی کے درشن کو پہلے پہل گئے تو مہاتما جی نے پوچھا تم کیا کرتے ہو۔ نواب صاحب بڑے خجل ہوئے آخر اپنے آپ کو سنبھال کر بدشواری جواب دیا کہ میں تو کچھ نہیں کرتا مہاتما جی نے بڑی حیرت سے کہا کہ کچھ بھی نہیں کرتے اور ایسے زمانے میں جبکہ

غربت چھائی ہو اور تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو تم پر ملک کا بڑا حق ہے اس کی زمین سے اگا تم نے اناج کھایا اس کے چشموں کا پانی پی کر پلے اور اس کے ان گنت احسانات تم پر ہیں جو تمہارے والدین کے احسانات سے کسی صورت میں کم نہیں تم پر فرض ہے کہ تم اپنے ملک کی فلاح و بہبود میں ہمہ تن مصروف ہو جاؤ (دکن میں ایک شہر ہے) ناندیڑ جاؤ (وہاں کا حاکم بہت مہربان و رعیت پرور ہے اسکی نیک نیتی کے ثمرے سے ناندیڑ) پارچہ بافی کی شہرۂ آفاق صنعت و حرفت جو مدت سے زوال پذیر ہو چکی ہے دوبارہ اسکو فروغ دو (نصیب ہوگا) وہاں رہکر تم اس صنعت کی معاودت میں معاونت کرو۔ نواب یہ سنکر اس مرد صنعت کے چلانے کی ٹھانی اللہ کا نام لے بیڑا اٹھا کر روانہ ہوا۔ (کہتے ہیں کہ رستہ کی عمر کو تاہ چلنے والے کی عمر دراز۔ چلا چل چلا چل) نواب ناندیڑ پہنچا اور باقاعدہ طور پر ہاتھ کے کتے دیسی سوت کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کر دی۔ اس سے مل۔ اس سے جل۔ تجھ سے پوچھ مجھ سے پوچھ مدعا غرض بڑی پوچھ گچھ کے بعد معلوم ہوا کہ ناندیڑی سیلا ہندوستان بھر میں مشہور تھا دیسی سوت سے بنا جاتا تھا اور وہ سوت چرخے میں کاتا جاتا تھا۔ دھیڑنیں اسکو کاتتی تھیں اس لئے یہ دھیڑ یا سوت کہلاتا تھا۔ اب انہیں یہ دھیڑ یا سوت کہاں سے آئے اور کس سے ملے نواب بیچارا بڑا پریشان ہوا۔ رات کی نیندوں کا آرام سب حرام ہو گیا کس کا کھانا کس کا پینا ہر وقت اسی کی اُدھیڑ بن میں پھنسے آخر کو ایک نے یہ جواب دیا کہ صاحب بھلا اب یہ سوت کہاں ہم تو اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ ایسا سوت ہوتا تھا بہو بیٹیاں بیٹھ کر کاتتی تھیں آجکل کی سی آزادی نہ تھی کہ عورتیں جلسوں میں ناچتی تھرکتی پھریں۔ شریف بہو بیٹیوں کی نگاہیں اوپر نہ اٹھتی ان کے بڑے انہیں چرخے پر

لگا دیتے مہین کاتنا ہوا سورج کے نکلنے سے پہلے پہلے کاتنا شروع کیا۔ زیادہ کی ضرورت ہوئی تو تہ خانوں میں چرخہ لے کے چلے گئے چرخہ کاو کیا کہ نمی ہو جائے اور سوت باریک دہین آئے تیز روشنی اور خشکی کے اثر سے تار نہ ٹوٹے اس لئے تہ خانے میں کاتتے اور چرخہ کاو کرتے تھے اب وہ سوت کہاں۔ نواب نے جو یہ سُنا تو بڑا مایوس ہوا اور جی میں کہا کہ مہاتما جی کا یہ کام میرے سپرد کرنا معمولی نہ تھا اور جنفدر میں نے اُسکو آسان تصور کیا اتنا آسان نہ تھا جگت گساٗئیں کے تئیں میں جس نے نواب کے قلب کو مسخر کر دیا تھا باریک بینی و دور بینی مضمر تھی اور بات بھی اصل میں یہ تھی کہ مہاتما کی نظر ایک ایسے لائق شخص پر پڑی جو ہر طرح سے اس امر عظیم کے بجالانے کے قابل تھا اور نواب سے زیادہ کارگزار کوئی دوسرا شخص میسر نہ آسکتا تھا۔ نواب جان و مال غرض ہر طرح سے ناندیڑ کے سیلوں کی الجھی گتھی کو سلجھانے لگا۔ اٹھتے بیٹھتے۔ جاگتے سوتے اسی دُھن میں رہتا۔ ناندیڑی سیلوں کے ہاتھ کے کتے دیسی سوت کا سودا ہو گیا۔ اس کے دلال اور خالی اوقات کا مشغلہ یہی بات کے کتے دیسی سوت کی جانچ پڑتال تھی۔ دوست احباب سے بھی اسی کا ذکر کرتا وہ جس کسی سے بھی ملتا دھیڑ یا سُوت کو پوچھتا۔ ایک آدمی نے اتنا پتہ دیا کہ دھیڑ یا سوت کاتنے کا چرخہ ایک خاص قسم کا ہوتا تھا جونہی نواب کو یہ سُراغ ملا وہ اس چرخے کو ڈھونڈھ لانے میں سرگرداں ہوا جس جس گانوں کے متعلق معلوم ہوا کہ کسی زمانے میں یہ سوت وہاں کتا تھا نواب وہاں پہنچا۔ نہ گرمیوں کی دھوپ و لو کی پروا اور نہ برسات کی بارش کی خبر جب کہ اس کے دوسرے نواب بھائی اپنی ڈیوڑھیوں میں آرام و آسایش اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے نواب دیوانوں کی طرح اس چرخے کے تجسس میں مارا مارا پھرتا۔ گاؤں گاؤں کی خاک چھان ماری لیکن مطلوبہ چرخہ ملنا تھا پر نہ ملا۔ تھک کر بیچارا پھر ناندیڑ میں آیا اور سب جگہ منادی پھروادی اور جا بجا اردو مرہٹی میں اشتہار

گلوا دیے کہ جو کوئی اس چرخے کا پتہ لگا دے گا اسکو بہت سارا انعام دیا جائیگا۔ نواب نے اسکی تفتیش و تحقیق میں اپنا روپیہ پیسہ کنکر کر دیا۔ جب انعام اکرام کی شہرت دور دور پہنچ گئی تو ایک بڈھا دھیڑ دولت کے لالچ میں دُور کسی گانوں سے چلکر آیا اور کہا کہ دیسا تو ثابت چرخہ میرے پاس نہیں ہے ہاں اسکے ٹوٹے پھوٹے پڑے پڑا سے ٹکڑے ایندھن کی صورت میں پڑے ہوے ہیں۔ نواب یہ سُنکر مارے خوشی کے اچھل پڑا اور فوراً اس دھیڑ کے ساتھ دور دراز کی مسافت طے کر کے اُس کے گانوں پہنچا اور ٹوٹا پھوٹا گرد آلود چرخہ لیکر آیا۔ پرانی بڑھیا دھیڑنیں جن کے ساتھ نواب روپے پیسے کا سلوک کرتا تھا وہ سب اکٹھی ہوئیں ان کے صلاح و مشورے سے آخر کار اس نمونے کا نیا چرخہ تیار کیا گیا دوران سفر میں جس کسی بڑھیا نڑھیا دھیڑنی سے نواب ملتا اور یہ سُنتا کہ اس نے اپنے چھٹپنے میں ناندیڑی سوت کاتا ہے تو اُس کا نام الگ بیاض میں لکھ لیتا اب اُس فہرست کو لکھ کر اس نے ان سب کو مختلف جگہہ سے بلا کر ایک جگہہ اکٹھا کیا۔ کھانے۔ دانے۔ کپڑے۔ لتے۔ نقدی وغیرہ ہر طرح سے ان کی مدد کر کے انہیں خوش رکھتا جب وہ سب جمع ہوگئیں تو نواب مارے خوشی کے پھولے نہ سماتا تھا۔ چرخہ ان سب کو دکھایا اُنہوں نے کہا کہ ہاں یہی ہے اور بالکل ٹھیک ہے۔ نواب اپنی کامیابی پر بہت ہی خوش تھا۔ کاتنے کے لئے ان کے سامنے روئی ڈالی کہ اتنے میں ایک بڑھیا ان میں سے بولی کہ صاحب بھلا کہیں اس روئی کا بھی مہین سوت کتتا ہے اسکی تو روئی ہی اور طرح کی ہوتی تھی بڑے بڑے جس کے دوے اور لمبا رُواں ہوتا تھا اس سے ناندیڑی سیلے کا باریک مہین ویسی سوت کتتا تھا کوئی اس روئی سے تھوڑی۔ یہ کس کام کی۔ نواب نے یہ جو سُنا تو مایوسی اور نا امیدی نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایسا دل شکستہ ہوا کہ ناندیڑ سے چل دینے کی ٹھان لی لیکن یہ خیال آیا کہ کیا منہ لیکر جاؤں اور مہاتما جی سے کس طرح کہوں

ناندیڑی سیلے کی مردہ صنعت کو زندہ نہ کرسکا ناکامی کی ندامت نے اُس کے ماجازت نہیں
دی کہ بغیر کامیابی حاصل کئے مہاناجی کو منہ دکھائے۔ انکی فرمانبرداری کا خیال جو آیا تو دل میں
پھر ہمت بندھی اور پھر وہ مستعدی سے اسکے سرانجام دینے پر مائل ہوا۔ نئے سرے سے محنت شروع
کردی۔ چرخہ تو بن ہی چکا تھا نواب کی جان اب روئی میں تھی کہ کیونکر ناندیڑی سیلوں کے دھیڑیا
سوت کا پتہ چلائے اسی کی فکر میں نواب کا خواب و خور سب چھوٹ گیا اگر نواب اپنے طبقے
کے دوسرے امرا کی طرح رہتا اور کدشی کپڑے کے استعمال میں اپنی عزت و وضعداری سمجھتا
تو کاہے کو اتنی مشکلات کا سامنا ہوتا لیکن نواب کو تو اپنے وطن سے الفت تھی اور اپنے
غریب ہموطنوں کے افلاس و تنگدستی کو دیکھ کر اُسکو بیحد صدمہ و تکلیف ہوتی تھی وہ دل
سے اس کا خواہاں تھا کہ اُس کا ملک مالدار اور اہل ملک متمول و مرفع الحال ہوجائیں اسلئے
ہر وقت اسی خیال میں ڈوبا رہتا۔ ناندیڑی سیلے کے دھیڑیا سوت کی اصلی روئی کی جستجو میں مارا
مارا پھرتا بڑی مصیبتوں سے سفر کی سختیوں اور صعوبتوں کے بعد کسی سے اتنا سا پتہ چلا کہ اس
دھیڑیا سوت کی روئی کا ہنولہ ذرا سبز سے رنگ کا ہوتا ہے اور معولی روئی کا گالا اتنا سا
نشان بھی مل جانا نواب کو بہت غنیمت معلوم ہوا اور وہ سبز ہنولے ڈھونڈنے لگا۔

(دوسرا قصہ)

سبز ہنولوں کی تلاش

اب بڑی مشکل یہ آن پڑی کہ سبز ہنولہ تلاش کیا جائے تو کہیں جاکے ناندیڑی سیلے کی
روئی پیدا ہو اسکی اطلاع اسی برسات میں ملی تھی اس وقت اس موسم تک جتنی بھی روئی
ناندیڑ میں ہوتی تھی وہ سب کی سب اکٹھا کر دی اور چڑھا دی جاتی تھی چھ مہینے کامل حضرت
ایوب کا سا صبر کیے نواب کی روئی کی دوسری فصل کا انتظار کرتا رہا الانتظار اشد من الموت

کسی نے سچ کہا۔ بڑی کرب و بے چینی سے یہ زمانہ بدشواری کاٹا جب روئی کی دوبارہ فصل ہوئی تو نواب نے روئی کے کارخانہ داروں سے ٹھیکہ لے لینا چاہا۔ کہ جس قدر سبز بنولے کی روئی نکلے وہ ساری کی ساری اس کے ہاتھ فروخت کردی جائے۔ کارخانہ داروں نے کہا کہ اس روئی کے تلم بنولے کالے ہوتے ہیں۔ ہم تمہیں سبز بنولے کہاں سے لاکے دیں۔ جب بیچارا نواب مجبور ہوا تو اس نے ساری کہانی کہہ سُنائی۔ کارخانہ دار نے جو یہ حال سنا تو خوب ہنسا اور کہا کہ جناب آپ اپنی اوقات کیوں خراب کر رہے ہیں۔ بھلا اب کہیں ناندیڑی سیلے تیار ہو سکتے ہیں یہ تو اگلے زمانے کے امیروں کے چونچلے تھے وہ روپیہ پیسا مٹی کرتے تھے تو غریب خون پانی ایک کرکے بناتے تھے اس فضول خیال کو آپ چھوڑ دیں اسمیں آپ کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن نواب کی ہمت بندھی رہی اور ذرا ان کی باتوں سے افسردہ خاطر نہ ہوا دس پندرہ عورتیں اٹھنیوں کے پاس جو روئی کے گٹھے تھے بٹھا دیے اور کہا کہ ذرا بھی کسی بنولے پر سبزی کا گمان ہو تم چُن کر الگ کر لینا اور خود اپنے ہاتھ سے بیٹھ کر ایک ایک بنولا چنا کرتا تھا محنت اور مشقت کی حد گزار دی تھی آخر ایک مہینے کی جانفشانی کے بعد کوئی سیر بھر اس طرح کے بنولے اکھٹے ہوئے۔ حیرت کی بات ہے کہ جتنا زیادہ بنولہ سبز تھا اتنا ہی بڑا ڈوڈا اور لمبا رواں روئی کا ہوا۔ نواب نے ان بنولوں کو خود بُویا اور اس کی فصل کی تیاری میں تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دیئے۔ نواب کا صبر و تحمل اور بردباشت قابل داد تھا اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ فصل خوب اچھی تیار ہوئی اور اللہ محمدؐ کے صدقے سے کٹائی شروع ہوئی۔ نواب کی محنت ٹھکانے لگی اسوقت کا اندازہ لگانا بڑا مشکل ہے کہ نواب کے دل کی کیا حالت ہوگی جب مدتوں کے چھوٹے ہاتھوں نے جو پیرانہ سالی سے اور بھی بے قابو ہو گئے تھے۔ چرخہ چلایا گیا ہوگا۔ اول اول حسب منشاء مہین سوت نہ کتا ہوگا تو کیسے کیسے بُرے

بُرے پریشان کُن امید شکن خیالات آئے ہوں گے اور جب دل کے موافق پہلا تھان تیار ہوکر اترا ہوگا خوشی و مسرت کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ جب نواب مہاتماجی کے پاس اس خوشخبری کو لیکر پہنچا تو جگت گُسائیں نے اپنے چیلوں سے کہا کہ تمہاری برسوں کی میرے پاس عبادت نواب کے دنوں کے کام کے مقابلے میں حقیر ہے۔ تم اگر نواب کے ساتھ ایک گھنٹہ رہتے تو تم کو حق العباد اور اپنے ملک کی خدمت کا زیادہ احساس ہوتا اور تم اللہ کے نزدیک زیادہ برگزیدہ سمجھے جاتے تھے بہ نسبت اس کے کہ تم برسوں میرے آشرم میں رہو کیونکہ تولہ بھر حال من بھر قال سے سوا ہے۔ دیکھو خدا کے فضل سے اور نواب کی ہمت و محنت سے نامدیڑ کی پارچہ بافی کی مردہ صنعت دوبارہ زندہ ہوگئی ہے اے ملک کے امیروں اب تم اس کو زندہ رکھو۔ روپیہ جمع کرو اور اس کے کاروبار کو ترقی دو کہ صنعت و حرفت کی ترقی ملک کی ترقی اور اسکا فروغ تمہاری بقا ہے۔ نواب کی ذات بابرکات تمہارے لئے ایک قابل تقلید زرین نمونہ ہے۔ نواب تونے اپنا فرض ادا کیا تونے دنیا کا دانہ پانی مفت نہ کھایا بلکہ جتنا کھایا اس سے کہیں زیادہ تونے اپنے اہل ملک کی خدمت کی خدا تجھ کو اسکی جزائے خیر دے اور تیرے اہل ملک کو تیری قدر و منزلت کرنے کی توفیق دے۔ تونے بڑا کام کیا ہے ایک مردہ صنعت کو زندہ کیا خدا تجھ کو حیات جاوید دے ؛ آمین ثم آمین ؛

ہم صحبتِ بے خرد پریشان رہا نافہم کو سمجھا کے پشیمان رہا
تعلیم سے جاہل کی جہالت نہ گئی نادان کو اُلٹا بھی تو نادان رہا

العجل حیدرآبادی

جذباتِ غیور

از جناب مولوی حکیم سید عابد علی صاحب غیور حیدرآبادی

مسکراہٹ لب پہ اور بل ابرو کے خمدار پر
میرے سب ارمان صدقے اس ترے انکار پر

کس طرف سے اٹھکے آتی ہے گھٹا گلزار پر
دیکھنے بلبلیں چڑھی ہیں باغ کی دیوار پر

پھول مرجھائے اداسی چھاگئی گلزار پر
سوگ میں بیٹھی ہے بلبل باغ کی دیوار پر

بس پڑا رہنے دو یونہی خانۂ خمار پر
نیک بند و چھوڑ دو مجھکو مرے غفار پر

میرا قاتل پاک دامن ہیں شہید پاکباز
حوریں پڑھتی ہیں نماز ان خم و دامن پر

ہر حق و باطل سے آتی ہے انا الحق کی صدا
سب یہاں منصور ہیں کس کس کو کھینچیں دار پر

میرے پہلو میں وہ خواب آلود آنکھیں بند کیے
وصل کی بھی رات بھاری ہوتی ہے بیمار پر

عمر سب کاٹی تہ دیوار اور وقتِ اخیر
مر گئے سر رکھکے اپنا آستانِ یار پر

جانے کیا ہوگا گناہوں سے مرے دوزخ کا حال
آگ ہو جاتی ہے جنت میرے استغفار پر

جبکی فطرت میں حیا ہو اونکو اسکی کیا خبر
اتنا پردہ بھی ستم ہے طالبِ دیدار پر

ہو گیا دل خون سب اور خون پانی ہو گیا
یہ خبر دامن تک آئی آنسوؤں کے تار پر

زخمیوں پر یہ ترس ہے شان کی تیرے خلاف
کچھ نمک بھی تو چھڑکدے مرہم رنگار پر

کیا خدا کو دیکھے اب اس کو خریدوں اے غیور
مانگتا ہے دو جہاں چھوٹا سا تل رخسار پر

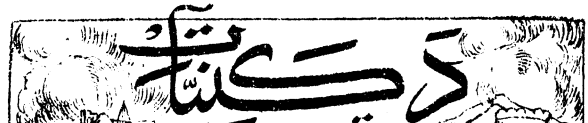

دکنیات

تصحیح اغلاط

از جناب قادری صاحب
نوشتۂ شمس العلماء حکیم سید علی حسن
ایم - آر - اے - ٹیلی

(۱) سلطنت بہمنیہ کا پانچواں بادشاہ

بہمنیہ کے پانچویں بادشاہ کا نام و نسب بیان کرنے میں مورخین نے باہم اختلاف کیا ہے۔ یہ بادشاہ داؤد شاہ کے قتل ہونے کے بعد ۱۲ محرم ۷۸۰ھ کو تخت نشین ہوا اور ۱۹ سال حکومت کرنے کے بعد یکم رجب ۷۹۹ھ کو انتقال کیا۔ مورخ فرشتہ نے اس کا نام محمود شاہ لکھا ہے اور اس کی صحت پر بہت کچھ اصرار کیا ہے۔ چنانچہ اُس کی اصل عبارت یہ ہے۔

ناظم فتوح السلاطین در نام ایں بادشاہ غلط کردہ است کہ گفتہ نام او سلطان محمد شاہ است و در اشعار ہمہ جا محمد شاہ مذکور ساختہ۔ و ہمچنیں بعضے از مورخین گجرات و دہلی چہ از متقدمین و چہ از متاخرین چوں تتبع حالات کمن کما حقہ نکردہ بودند در اسامی شاہان بہمنیہ و بسیاری از حکایات ایشاں غلطہا کردہ اند و ہمہ کس قلمہائے بیجا نہادہ در تحقیق نشدہ اند۔ تاریخ فرشتہ طبع بمبئی ۱۲۴۷ھ جلد اول صفحہ ۵۷۶۔ طبع لکھنؤ ۱۲۸۱ھ جلد اول صفحہ ۳۰۱

فرشتہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ اس بادشاہ کے نام کی نسبت مورخین سے جو غلطی ہوگئی تھی فرشتہ نے اسکو رفع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت میں واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اس بادشاہ کا صحیح نام محمد شاہ ہے اور اس کے عوض محمود شاہ کہنے میں خود فرشتہ سے عظیم کیا ہے

فرشتہ کی یہ غلطی اِن کتابوں میں بھی موجود ہے جن کے مصنفین نے تاریخ فرشتہ کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے اور اس قسم کی جو تاریخیں زیادہ مشہور ہیں اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں

(۱) منتخب اللباب ۔ تاریخ محمد ہاشم خافی خاں ۔ جلد سوم

(۲) تاریخ ہندوستان اردو ترجمہ الفنسٹن ہسٹری طبع علیگڈھ صفحہ ۱۲۷۳

(۳) تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی محمد ذکاء اللہ مرحوم طبع دہلی جلد چہارم حصۂ دوم صفحہ ۱۲۲

(۴) سلسلۂ آصفیہ جلد دوم تاریخ دکن حصۂ اول طبع آگرہ ص ۱۲۲

(۵) تاریخ سلاطین بہمنیہ ۔ مولفہ مولوی عبدالجبار صاحب ملکاپوری طبع حیدرآباد ص ۳۹۶

(۶) تاریخ ہند مؤلفہ مولوی سید ہاشمی صاحب (سلسلہ نصاب تعلیم جامعہ عثمانیہ) متعلقہ جماعت میٹریکولیشن حیدرآباد ۱۳۴۲ف صفحہ ۲۷۰ متعلقہ جماعت انٹرمیڈیٹ طبع حیدرآباد ۱۳۴۳ف جلد دوم ص ۲۸۵

مولوی عبدالجبار صاحب نے اپنی تاریخ میں نہ صرف اس غلط نام کو نقل کیا ہے بلکہ سلاطین بہمنیہ کے سکہ جات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس بادشاہ کے سکہ کی حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

رخ اول	رخ دوم
المؤید بنصر اللہ الغنی ضرب فی حسن آباد	محمود شاہ بہمنی السلطان

جن مورخین نے اس بادشاہ کا نام محمد شاہ لکھا ہے انکی تفصیل یہ ہے۔

ہفت اقلیم	امین احمد رازی	تصنیف ۱۰۰۲ھ	آگرہ میں بعہد شہنشاہ اکبر تصنیف ہوئی ہے۔
طبقات اکبری	خواجہ نظام الدین احمد بخشی	تصنیف ۱۰۰۳ھ	طبع لکھنؤ ۱۲۹۲ھ ص ۴۱۰
برہان المآثر	علی بن عزیز اللہ طباطبا	تصنیف ۱۰۰۷ھ	حسین نظام شاہ کے زمانہ میں احمد نگر میں لکھی گئی ہے معتبر کتاب ہے اور میجر کنگ نے اسکا ترجمہ انگریزی میں کیا
خلاصۃ التواریخ	سوجان رائے	تصنیف ۱۱۰۷ھ	طبع دہلی ۱۹۱۸ء ص ۴۲۸
سیر المتاخرین	غلام حسین خان طباطبائی	تصنیف ۱۱۹۵ھ	طبع لکھنؤ ۱۸۸۲ء جلد اول ص ۲۰۰

مؤرخ فرشتہ نے بیان کیا ہے کہ محمود شاہ سلطان علاء الدین حسن بہمنی کا بیٹا تھا۔ اس کے برخلاف جن مورخین نے اس بادشاہ کا نام محمد شاہ لکھا ہے وہ سب باتفاق بیان کرتے ہیں کہ یہ بیٹا ہے محمود خاں کا اور محمود خاں بیٹا ہے سلطان علاء الدین بہمنی کا اور اس آخر الذکر بیان کے صحیح ہونے کا ثبوت سکہ جات سے بھی ملتا ہے جس کا بیان سطور ذیل بعد میں ہوگا۔

سلاطین بہمنیہ کے جو سکے ۷۹۱ھ سے ۷۹۹ھ تک مضروب ہوئے ہیں اُن پر بادشاہ وقت کا نام محمد شاہ مسکوک ہے اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس بادشاہ کا نام محمد شاہ ہے نہ کہ محمود شاہ جیسا کہ فرشتہ اور اُس کے اتباع میں دیگر مورخین نے بیان کیا ہے۔ سکوں کی تفصیل یہ ہے۔ **چاندی کا سکہ**

رخِ اوّل

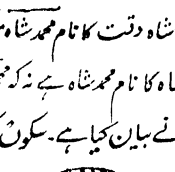

رخِ دوم

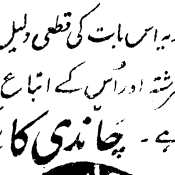

روپیہ دار الضرب احسن آباد (گلبرگہ)

(رخِ اول) الناصر لدین (رخِ دوم) بحضرت

الدیان الحامی الواثق بتائید

لاہل الایمان الرحمن ابو المظفر

محمد شاہ السلطان

۷۹۱

۷۹۱ھ۔ فہرست سکہ جات انڈین میوزیم کلکتہ جلد اول نمبر ۲۔

۷۹۳ھ۔ نومسماٹک کرانیکل ۱۸۹۸ء صفحہ ۲۶۵

۷۹۴۔ تہاس کی کرانیکل آفدی پٹھان کنگس آف دہلی صـ۳۴۵

۷۹۵۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۷۹۶۔ نوسماک سپلیمنٹ نمبر ۱۱ صـ۳۱۱۔

۷۹۷۔ کرانیکل آفدی پٹھان کنگس آف دہلی صـ۳۴۵

۷۹۸۔ نوسماک کرانیکل ۱۸۹۸ء صـ۲۶۵

۷۹۹۔ نوسماک کرانیکل ۱۸۹۸ء صـ۲۶۵

(تانبے کا سکہ)

۸۰۰

رخ اول	رخ دوم
عبد	محمد
معبود	محمود

حاشیہ پر تسعین وسبعمائۃ

نوسماک کرانیکل ۱۸۹۸ء صـ۲۶۵۔ ڈاکٹر سلمان کی فہرست ذخیرۂ لارڈ گرانٹ لی۔ نمبر ۵۹۱ طبع لندن ۱۹۱۰ء نمبر ۵۹۱

کرب کی حالت کو دردِ جانگزا سے پوچھ لو
یاس کی کیفیت آہِ نارسا سے پوچھ لو
بیخودی میں بے خبر میں ہو گیا ہوں اے وفا
میری حالت جا کے تم میرے خدا سے پوچھ لو

عاشقاں را چہ کار با تحقیق

ایک تبصرہ بزمانہ قیام حیدرآباد حسان الہند مرزا غلام علی آزاد بلگرامی اپنے ایک دوست کے ساتھ اتفاقاً کوہ مولائی کی طرف نکل آئے جب پہاڑ پر چڑھے تو دیکھا کہ ایک خاص تمام میں کچھ لوگ نذر و نیاز کے مراسم ادا کر رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر انہیں معلوم کرایا گیا کہ یہ پہاڑ زیارت گاہ امیرالمومنین ہے اسکو سن کر آپنے بھی زیارت کی اور بارگاہ امامت میں تحفہ درود و سلام گزرانا۔ رفیق طریق نے یہ اعتراض کیا کہ آپنے تحقیق کر لی ہے کہ جناب امیرالمومنین دکن میں رونق افروز ہوئے تھے؟ اس دقیقہ کو آزاد نے اپنی مشہور دلچسپ زبان میں مع اپنے مختصر جواب کے موزوں فرمایا ہے۔ مرزا

سحرے پا گزاشتم بہ طریق — با جہاندیدہ رفیق و شفیق
ناگہاں رو نمود در گاہے — ہمہ تعمیر او بہ طرح انیق
گرد او جمع مردم زوار — ہمہ در جبہ اعتقاد غرق
از یکے زان گروہ پرسیدم — کیں چہ جائیست و ہیں کہ از فیروز
گفت ایں آستان شیر خداست — گر زیارت کنی زہے توفیق
پیش رفتم زیارتش کردم — آنکہا ریختم بر نگ عقیق
مرد ہمرہ در مواخذہ زد — گفت اے دور تر ز راہ عمیق
شاہ مرداں مگر بہند آمد — کہ تو ایں قول را کنی تصدیق
بیت آزاد یاد بود مرا — خواندمش عاشقانہ بیت رفیق

ہر کجا نام اوست قبلہ با نم
عاشقاں را چہ کار با تحقیق

مرسلہ مرزا

بر درِ بندہ نواز

آرزو ہا داشتم پس آمدم با صد نیاز — بر درِ درگاہِ تو اے خواجۂ بندہ نواز
این دلِ تاریک را از لطفِ خود پُر نور کن — جانِ من قربان تو اے سیدِ گیسو دراز
گرچہ بد اعمالیٔ من گشتہ از حد بیشتر — لیک در بذل و عطا تو نیز داری امتیاز
با وجودِ جرم و عصیاں من اُمیدِ بندہ ام — زانکہ خالق کرد در عالم ترا بندہ نواز
چشم دارم عیشِ روحانی و آں الطاف تست — جلوہ فرما و دلم را ہمچو جامِ جم بساز
از تو زیبا خواجگی و آید از من بندگی — بندہ ام اے خواجۂ من از تو ناز از من نیاز
کارسازیٔ من آسان ست از بہر تو — اے کہ قربِ تو بہ درگاہِ خدا کارساز
من بروں آیم ز خجلت از نوازشہائے تو — ہمچو کنجشکے خطایم لطف و فضلت ہمچو باز
آرزو دارم کہ بے پردہ بفرمائی مرا — از جمالِ بے مثالِ خویش گاہے سرفراز
او ولیٔ حق بود بنگر کمالِ ناز او — زیں سپس اے دل تو بر عجز و نیاز خود مناز
مست و مدہوشم بہ عشقِ تو خدارا ہمتے — ہمچو محمود از تو لطفے عجز از من چو ایاز
مست بیچارہ چہ خواہد صرف یک جامِ شراب — از خمِ شاہِ معینؒ اے ساقیٔ بندہ نواز

حکیم مست حیدرآبادی

سفارش

دلوں پر اجل بیٹھا ہے کیا سکہ سفارش کا — یہ کوئی روشنی ہنڈی ہے یا رقعہ سفارش کا
اگر چکی تری چلتی رہے قسمت کی گردش سے — تو لاکر ٹھونک بھی دے اسپر اک کھونٹا سفارش کا

یہ ناممکن کو ممکن کرتا ہے ممکن کو ناممکن جہاں میں بول بالا ہے تو ہے کسکا؟ سفارش کا
کہیں ہیں مشکلیں آساں کہیں آسانیاں مشکل یہاں تعویذ کہتا ہے اثر طرفہ سفارش کا
سفارش کو تو ہم چلتا ہوا جادو سمجھتے ہیں رکاوٹ کچھ نہیں پر جہاں پہنچا سفارش کا
ہمارے کارِ مُردہ میں اک جان آئی ہے ہمارے ہاتھ جب سے آیا ہے نسخہ سفارش کا
صحیفہ کی طرح سب اسکو سر آنکھوں پہ کہتے ہیں کوئی اک با اثر لکھے اگر قصہ سفارش کا
بجز اسکے کوئی کام انکو آیا ہے نہ آئیگا نکموں کو فقط آتا ہے اک لٹکا سفارش کا
کوئی تو بھاگتا ہے چھاؤں سے گویا سفارش کی کوئی تو ڈھونڈتا پھرتا ہے یاں سایہ سفارش کا
خوشامد، چاپلوسی، ہم کو آئی ہے نہ آئیگی ہمیں انداز بھایا ہے نہ بھائیگا سفارش کا
ہزاروں کے حقوق اسنے جلا کر خاک کر ڈالے یہ پرکالہ ہے آتش کا کہ پرکالہ سفارش کا
خدا کو بھول کر رکھتے ہیں ہم تعلیم سفارش پر جپا کرتے ہیں گویا راتدن مالا سفارش کا
نہیں ہے جوہری ایسا جو پرکھے یا کھرا کھوٹا کھرا رہتا ہے ہر اک کام میں کھوٹا سفارش کا
تپش اسکی قیامت ہے جلن اسکی بلا کی ہے غضب کا ہے شرر انگیز یہ شعلہ سفارش کا
سند کی اسکو پروا ہے نہ ڈپلوما کی حاجت ہے جسے حاصل یہاں بس ہو گیا تمغہ سفارش کا
عمل اسکا ہے پورب پچھم اور تراور دکھن تین رعایت کا مروت کا قرابت کا سفارش کا
ہوئی ہے گرم بازاری سفارش کی زمانے میں جدھر دیکھو ادھر ہونے لگا سودا سفارش کا
سفارش نے غضب ہے آجکل کیا سر اٹھایا ہے الٰہی! وہ بھی دن آئے ہو نیچا سفارش کا

شفاعت ہوگی حضرت کی نصیب اطہر تجھے خوش رہ
اگر دنیا میں یاروں نے مزا پایا سفارش کا

سید اعظم اللہ حسینی اطہر وکیل

آجکل اپنے نصیبے کا سکندر تاج ہے

از رشکِ انجناب مولانا مولوی محمد ناظر علی صاحب بی۔ اے مدظلہ العالی یادگار غالب حالی شیرین ظہیر

تاج وفا اسلام مشوق۔ تاج کے پہلے اور دوسرے نمبروں کے نظارہ نے میری نگاہ شوق کو آئینہ حیرت بنا دیا۔ پہلے ہی نمبر کی اب و تاب کیا کہنی کہ "نقاشِ نقشِ ثانی ہیہات کشد زاقول" کے مصداق دوسرے نمبر نے تو نگاہ کے ساتھ روح بھی غائب و حیران کر دیا۔ تاج میں جو خوشرنگ بچے ہائے اہل قلم کی دستکاریوں نے جڑے ہیں وہ تاسیس سے تعنی نہیں اسکی کو جدائی کی کیفیت نے مجھ جیسے زاویہ نشین گمنامی کو بھی ایسا ابھارا کہ وہ جذبات جو مدت سے قلب افسردہ میں پیدا ہو کر ان کو زبان تک لا نا پڑا۔ یہ چند اشعار جو محاسن شاعری سے بالکل معرا ہیں اپنے قدیمی تعلقات کی بنا پر روانہ کرتا ہوں اگر اس قابل ہوں کہ تاج کے نگینوں میں اک کا کام لیکن تو میرا نا چیز ہدیہ بھی چیز ہو جائیگا۔ میری دعا کہ آپکی کوشش اور آپ ہائے کمال کی دستگیری سے تاج کی روز افزوں سرسبزی بہار افزائے گلستان ادب ہو۔ آمین

احقر محمد ناظر علی برتر

خسرو ملک سخن تاجوروں کا جو سر تاج ہے — شاعری کا بھی درخشاں اوسکے سر پر تاج ہے

فیض سے اسکے زمین شعر ہے اب آسماں — اوسکے پرتو سے فروغ ماہ و اختر تاج ہے

شور دنیائے ادب میں ہے یہی نام خدا — جتنے ہیں اردو رسالے سب کا افسر تاج ہے

اس میں ایسے ہیں جواہر پارۂ مضمون جڑے — ضو سے جنکی روکش مہر منور تاج ہے

جرعہ کش اسکے بقدر ظرف لیتے ہیں مزے — بادۂ علمی کا وہ لبریز ساغر تاج ہے

کیوں نہ بس جائے مشام جان اہل سخن — نگہت گلہائے مضمون سے معطر تاج ہے

اوسکی زینت اوسکی آرایش کا پھر کیا پوچھنا — جس عروس نظم کا مشہور زیور تاج ہے

دیتی ہے اسکی بہار نخزاں ہر دم نوید — مژدہ اے اہل نظر فردوس منظر تاج ہے

لوٹ ہے چہرہ نگاہ اہل بینش شوق میں — جلوۂ حسن معانی کا وہ مظہر تاج ہے

اسکے مضمون روح پرور حرف اسکے دیدہ زیب — ظاہر و باطن کی خوبی میں برابر تاج ہے

ہمت اہل قلم ہے اسکے حق میں آئینہ — آج کل اپنے نصیبے کا سکندر تاج ہے

ہے معمہ یہ کلک برتر سے یہ مضمون آشکار — سب سے اعلیٰ اب سب سے افضل سب سے برتر تاج ہے

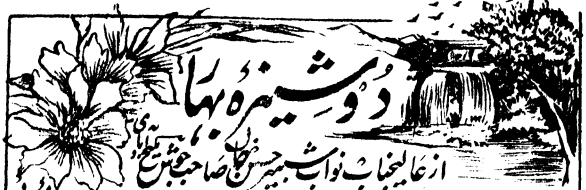

دوشیزۂ بہار

از عالیجناب نواب شبیر حسن خاں صاحب جوشؔ ملیح آبادی

پھر طبیعت جوش کی جوش پر آئی ہوئی
پھر گھنے باغوں پہ ہے کالی گھٹا چھائی ہوئی

مست بھونرا گونجتا پھرتا ہے ہر باغ میں
روح پھرتی ہے کسی وحشی کی بھرائی ہوئی

فصل کی رگ رگ میں گردش کر رہا ہے نشۂ گرم
کوکتی ہیں کوئلیں فرقت کی بھرائی ہوئی

"پی کہاں" کے دلنشیں نغموں سے جنگل ہیں جواں
عشق کے عالم پہ ہے اک بیخودی چھائی ہوئی

مہوشوں کی کاکلیں شاخوں کے جھولے دیکھئے
آم کے باغوں پہ ہے کیسی بہار آئی ہوئی

پھر ہوائے سوز بخشا پھر کسی کی یاد میں
اشک چھلکے نور سے لبریز بینائی ہوئی

پوست خوشبو دے رہا ہے آم ہیں رس آگیا
سبز گلشن ہوگئے دنیا تماشائی ہوئی

غنچہ غنچہ اپنے فطری حسن میں ڈوبا ہوا
پتی پتی اپنے اصلی رنگ پر آئی ہوئی

پھر ہوائے ساز چھیڑا روح سے نغمے اٹھے
پھر گھٹا سے کیف ٹپکا بادہ ہمائی ہوئی

آگئی بازار میں نوخیز جامن والیاں
جن پہ سر پاؤں تک دوشیزگی چھائی ہوئی

پنڈلیاں بھیگی ہوئی ہیں دم سماتا ہی نہیں
آرہی ہیں دور کی کھیتی سے بھرائی ہوئی

گفتگو میں گاؤں کے سادہ تمدن کی لچک
عارضوں پر کمسنی کی سرخیاں چھائی ہوئی

دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہیں سروں کے ٹوکرے
تھکن انگڑائی کی صورت آنکھ شرمائی ہوئی

کالے کالے گیسوؤں پر جامنوں کا رنگ ہے
اودی اودی جامنوں پر گھٹا چھائی ہوئی

اور وہ بل کھانا کمر کا جامنوں کے وزن سے
وہ لچکتی گردنیں وہ چال اٹھلائی ہوئی

پتلے پتلے وہ سبک چھلے وہ نازک انگلیاں
وہ سیہ لیفیں بھری شانوں پہ لہرائی ہوئی

وہ جھجک اٹھنا جوانوں کی نظر سے بار بار — وہ نگاہیں شہر کی گلیوں میں گھبرائی ہوئی
آہ یہ کافر مناظر ہوش میں رکھتے نہیں
اکثر اپنی جوش ان فصلوں میں سوائی ہوئی

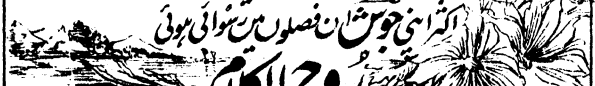

روح الکلام

جو خیر اندیشیوں سے صاحب رازیں ہوتا — بشر چھوٹی خطا پر بھی بڑا ہی شرمگیں ہوتا
گہر ہو کر خزف کیطرح کیوں خوار و کمیں ہوتا — بشر کرتا جو پاس آبرو دُر ثمیں ہوتا
نہ ہوتی حرص اگر تجھ میں بشر تو نازنیں ہوتا — نیاز آگیں جو بن جاتا تو پھر ناز آفریں ہوتا
حکیم اسرار عرفاں سے ہے تو نازیست کب واقف — یہ کیا معنی کہ جو دانا ہو وہ نادان نہیں ہوتا
یہ اشراف ہے شرافت اور نیکی اسکو پیارا ہے — نہ کرتا شر بشر تو قابل صد آفریں ہوتا
نہ ہوتا اسطرح آشفتہ دل جرم و معاصی سے — خدا کا خوف اے انساں جو تیرے دل نشیں ہوتا
سیہ روئی کی ذلت نام سے حاصل ہوائی تجھ کو — نشاں اپنا مٹاتا گر نکیں انجام بیں ہوتا
ترقی سارے عالم کی ہمارے ہاتھ میں ہوتی — جو ہم میں یکدلی ہوتی نہ ہم میں حسد و کینہ ہوتا
بکھیڑوں سے تجھے دنیا کے فرصت مل نہیں سکتی — نہ ہوتی یوں پریشانی اگر غفلت نگریں ہوتا
غبار راہ کی تو سرفرازی دیکھ اے سرکش — نہ خاکسر نشیں ہوتا نہ یوں بالا نشیں ہوتا
ترقی خود ہماری باعث آزار جاں ٹھہری — فلک کو کیا غرض جو درپے بیداد و کیں ہوتا
تری بدخوئی زنبور عسل کا ڈنک ہے بدخو — ترے سب ہوتے خواہاں تو جو مثل انگبیں ہوتا

بشر ہوتا ہے شر سے پاک اے فیاض دانش سے
کمال آدمیت مال سے حاصل نہیں ہوتا

سید حشمت اقبال فیاض حسین آبادی

انقلاب ہستی

ایک بچپن کا بھی زمانہ تھا — کیا کہیں کیا وہ کارخانہ تھا
جب کچھ بھی شعور تھا ہم کو — ایک نزدیک و دور تھا ہم کو
کچھ سمجھ تھی نہ عقل تھی نہ ذکا — جو خطا ہوتی تھی نہ تھی وہ خطا
کام دنیا سے دین سے نہ غرض — کیسی صحت تھی اور کہاں کا مرض
زلف ہستی کو کھیل تھا شانہ — یہ بھی عالم تھا اک جداگانہ
ہوش کی جبکہ رستخیز ہوئی — اپنے بیگانے کی تمیز ہوئی
رنگ باغ وجود کا بدلا — دور ہستی نیا شروع ہوا
رفتہ رفتہ جوانی آ ہی گئی — فرحت تازہ روح پا ہی گئی
دل میں پیدا ہوا امنگ نیا — تھا طبیعت کا اب تو اور ہی رنگ
آشنا، دوست ہو گئے پیدا — دور دورہ رہا مسرت کا
پھر تو بہلا کبھی نہ گھر میں جی — سیر و تفریح باغ کی سوجھی
آنکھیں لڑنے لگیں حسینوں سے — بڑھ گیا ربط مہ جبینوں سے
حسن اور عشق ہو گئے مربوط — رشتہ دونوں کا ہو گیا مضبوط
زلف زنجیری بنا کے رہی — آنکھ دیوانہ ہی بنا کے رہی
وصل و لیکن کبھی نصیب ہوا — داغ پایا کبھی جدائی کا
عشق کے ہاتھوں جبکہ ٹھیک بنے — یک بیک چونکے خواب غفلت سے
پھر بھی پھانسا نئی حماقت نے — پھر بھی چھوڑا نہ ساتھ شامت نے
خانہ داری کی قید میں جو پھنسے — اتنا رونا پڑا تھے جتنا ہنسے

پھر تو کہنا پڑا پکار پکار — وقنا ربنا عذاب النار
جتنا گرما گئے تھے سرد ہوئے — پھول سارے خزاں میں زرد
ڈوبے کچھ ایسے پھر ابھر نہ سکے — کام جو کر چکے تھے کر نہ سکے
ولولے مٹ گئے جوانی کے — بلبلے جس طرح سے پانی کے
آئی پیری نچانے کو اندھیر — زندگانی سے ہو گیا دل سیر
اب یہ ہے فکر جو کئے ہیں کام — انکا کیا عاقبت میں ہو انجام
کیوں تصور سنا بھی کچھ تو کہا — ہے یہی انقلاب مستی کا

تصور - امانت خانی

شراب

یوں تو پینے کے لئے آبِ مقطر ہی سہی — پر جگر پھونکنے میں آگ سے بڑھ کر ہے شراب
یا مجالی ہو کہ راسی ہو کفنی ہو کچھ ہو — راست کہتا ہوں کہ اک ایک سے بدتر ہے شراب
منہ لگائیگا اسے کوئی مسلماں کیونکر — کرے ایماں کو جو برباد وہ کافر ہے شراب
کسی بیمار کو جاں بخشی نہیں ہے وہ دوا — جس دوا میں کہ ملی ذرہ برابر ہے شراب
غم غلط کن ہے جو کہتے ہیں غلط کہتے ہیں — بلکہ رنج و غم و آلام کا مصدر ہے شراب
تر زباں کوئی ہے وصف مئے مینا میں — سچ یہ ہے قلب کو کر دیتی مکدر ہے شراب
ایک و گھونٹ سے بدلیا ہوں ہزاروں میں نے — تو سن فطرت بد کے لئے منتر ہے شراب
جب سے تہذیب یورپ کی توجہ کی ہے — ڈیرے ڈالے ہوئے ہر شہر میں گھر گھر ہے شراب

ٹکڑے کرتی ہے جگر انکا جو پیتے ہیں عتیق
آبِ انگور نہیں ہے دمِ خنجر ہے شراب

عتیق حیدرآبادی

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
سائنس کی ماہیت	مولوی محمد اسد اللہ صاحب حیدرآبادی	۱
جذباتِ شاد	نذر کلسنی باجہ راجایاں ہوا بمقام کرشن پرشاد بہادر شاد	۱۸
میں کون ہوں اور کیا ہوں؟	مولانا محمد عبد القدیر صاحب صدیقی	۱۹
پردہ نشیں	"سودائی"	۲۱
نیرنگیٔ عشق	مولانا حضرت وحید صاحب مدظلہ العالی خانقاہ نظامیہ	۲۲
"ہیں اور ہوں"	عالیجناب مولوی محمد علی صاحب مقیم فرخ آباد	۲۳
خلافتِ اعظم	منشی اودھ علیہ صاحب غفور ٹرانسپورٹ بمبئی	۳۰
اصولِ اخلاق	ادیبِ فاضل مولوی سید نظر علی صاحب۔ اشہر	۳۱
چند پند	جناب مولوی سید عبد العزیز صاحب عزیز نظامی	۳۶
پانی	مولوی میر غوث الدین علیہ صاحب ایسوسی ایٹ	۳۷
موسمِ	مولوی میر مہدی علی صاحب شہید	۴۳

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
دُنیا	ناظم الاخلاق مولانا سید غلام مصطفےٰ صاحب خیر مقدم	۴۵
فریادِ محبوس کہ از حضرتِ رئیس آید	حزیں افزوں مولوی سید فرید الدین صاحب بقا	۴۸
جلوۂ جانانہ	مولوی میر حسین صاحب لکھنوی	۴۹
انعامِ محبت	جناب ناظم صاحب	۵۱
پھول	مولوی سید وحید اللہ صاحب وحید	۵۴
حیدرآباد سے پوچھ کوئی شانِ محمد	مولوی حکیم نوازش علی صاحب نازش	۵۵
ترانۂ آزاد	مولوی سید محمد حسین صاحب آزاد	۵۶
نیرنگِ حیات	مولانا محمد یوسف صاحب مدرس مدرسۂ دارالشفا پرانی حویلی	۵۷
محفلِ دل	مولوی سید علی شبیر صاحب مترجم انگریزی	۶۱
طلوعِ صبح	مولوی سعید علی اختر صاحب اختر	۶۲
روحِ ادب	غزلیاتِ مشاہیرِ عالیجناب باغ صاحب مدرسہ	۶۵

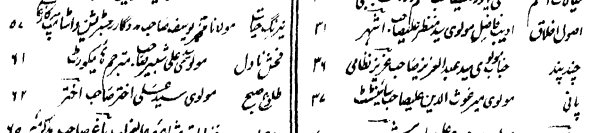

الحمد للہ تاج کا چوتھا نمبر ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور امید ہے اس کے مضامین بھی حسبِ سابق ناظرین کے مذاق کے موافق ہوں گے۔ پرچہ کے حسنِ انتظام کے متعلق ہم کچھ نہیں کہتے ہیں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ہم نے اس کی ترتیب و طباعت میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے۔ اب ہم اپنے قدر دان ناظرین کی رائے پر اس کے حسن و قبح کا فیصلہ چھوڑتے ہیں۔ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم اپنے ان معاونین کا شکریہ ادا کریں جنہوں نے تاج کی توسیع و اشاعت میں مدد دی۔ مولوی سید ولی اللہ صاحب کلیل، مولوی شاہد حسین صاحب، مولوی محمد عبد الکریم صاحب منشی مولوی سید ابو احمد صاحب مولوی عثمان علی بیگ صاحب۔ مولوی سید وحید اللہ صاحب۔ مولوی محمد عبد الرزاق صاحب مولوی کرم علی صاحب۔ مولوی سید حشمت اللہ صاحب فاضل۔ مولوی محمد وزیر علی صاحب۔

اس نمبر میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ہر ایک مضمون اپنے خود ایک بہترین مضمون ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ناظرین تاج حاضر خدمت حضرات کے ان مضامین کو بغور پڑھیں گے۔

سائنس کی ماہیت :- یہ مضمون دارالعلوم جامعہ عثمانیہ کا انعامی ہے جبکہ جناب مولوی محمد اسد اللہ صاحب پنشن انجینئر کار رہ کے نظام گ کھا ہے۔ جب یہ رسالہ ہمارے ہاں سے مقررہ انعامی رقم ادا کیا گیا۔ اب یہ مضمون مولوی صاحب موصوف نے خاص طور پر رسالہ تاج کو عنایت فرما علم سائنس پر مضمون لکھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مولوی صاحب کی اعلیٰ معلومات نے اس کام کو بھی دشواری انجام دیا۔ یہ مضمون اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک لاجواب مضمون ہے۔ یقین ہے کہ علم سائنس کے متلاشی اسکی قدر کریں گے۔ ہم خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ اور اپنے حسب وعدہ اس مفید سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اپنے اور دوسرے مضامین سے بھی اوراق تاج کو زینت دیتے رہیں گے۔

جذباتِ شاد :- یہ فارسی نظم نذر کلسنی باجہ راجایاں ہوا بمقام کرشن پرشاد بہادر شاد صوفی باقتدار کے اعلیٰ تخیل کا نمونہ ہے۔

آپ کا کلام ہماری تعریف و توصیف سے مستغنی ہے۔ آپکا نام ہی واسم گرامی علمی و ادبی دنیا میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔

میں کون ہوں اور کیا ہوں ۔ مولانا محمد عبدالقدیر صاحب حضرت پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ نے جگی ادبیت و علمیت مسلم الثبوت ہے۔ اس کشش عنوان کے تحت ایک مضمون لکھا ہے جسکی تعریف میں ہماری زبان قاصر ہے۔ ناظرین اسکے ملاحظہ کے بعد خود محسوس فرمائینگے کہ یہ مضمون کس پایہ کا ہے۔ ہم کو اُمید ہے کہ مولانا اپنے فاضلانہ مضامین سے ہمیشہ تاج کی زینت کو دوبالا فرماتے رہینگے۔

نیرنگ عید الضحیٰ ۔ یہ نظم مولانا برنؔ صاحب مدظلہ کی ہے آپ کی تعریف و توصیف کے لئے آپ کا نام ہی کافی ہے۔

نہیں اور ہاں ۔ جناب مولوی سید علی بشیر صاحب ایک شائق مضمون نگار ہیں "نہیں" اور "ہاں" کے غلط استعمال کو آپنے جس خوبی سے بیان فرمایا ہے وہ ملاحظہ سے واضح ہوگا۔ ناظرین اس مضمون سے ضرور محظوظ ہونگے۔ مولوی صاحب موصوف سے اُمید ہے کہ آئندہ بھی اپنے مفید مضامین سے ہم کو ممنون فرماتے رہیں گے۔

خیالات اعظم ۔ جناب منشی انور علی صاحب اعظم ڈرامہ ٹسٹ اپنی طرز میں خوب نظمیں کہتے ہیں۔ یہ نظم بھی ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگی

اُصول اخلاق ۔ تاج کے پہلے اور دوسرے نمبر میں اس مضمون کی دو اقساط شائع ہو چکی ہیں۔ اب یہ تیسری قسط بھی ناظرین کے ملاحظہ میں پیش ہے۔

چند پند ۔ جناب مولوی سید عبدالعزیز صاحب عزیزؔ نظامی کی یہ چھوٹی سی نظم ہے۔ اسکے عنوان ہی سے اسکی خوبی ظاہر ہے۔

پانی ۔ مولوی میر غوث الدین علیما صاحب سائنٹسٹ کے مضمون کی یہ دوسری قسط ہے۔ امید کہ آپ اس مفید سلسلہ کو جاری رکھینگے

مومن ۔ جناب مولوی میر مہدی علیما صاحب شہیدؔ نے حکیم مومن خاں مومنؔ کے چند منتخب اشعار جمع فرما کر ہدیہ روانہ فرمائے ہیں مولانا شہید صاحب نے اپنے مضمون میں خود ظاہر فرمادیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس پر ضرور توجہ فرمائینگے۔

دنیا ۔ خوب مضمون ہے۔ ہم اس کی داد دیتے ہیں۔

فریاد محبوں کربلا حضرت زین العبادؒ ۔ حضرت سید زین العابدینؒ کی اس مشہور غزل پر جسکا پہلا مصرع ان نلت بالمراتع الصبا الخ ہے ایک خدا جانے ہزار دو سو بیس لاکھویں تضمین ہو چکی ہیں۔ سخن آفرین جناب مولوی فرید الدین صاحب یکتا نے بھی ارزاء عقیدت مصرعے پہنچائے ہیں اسکے ملاحظہ کے بعد ناظرین خود ملاحظہ فرمائیں گے کہ جناب یکتا صاحب کے دل میں بیکسان کربلا کی محبت کا کسقدر درد ہے۔

جلوہ خانہ ۔ یہ مضمون جناب مولوی سید محمد حسین صاحب لکھنوی کا ہے۔ آپ اپنی طرز میں خوب لکھتے ہیں اس سے پہلے بھی ناظرین تاج نے آپکا مضمون ملاحظہ فرمایا ہوگا۔

انعام عصمت ۔ یہ مضمون "سیوئل چرڈسن" کے ایک انگریزی افسانہ کا ترجمہ ہے۔ جسکو جناب اُم الحامد صاحبہ (الہیہ مولوی سید علی اختر صاحب) نے ترجمہ فرمایا ہے۔ اسکے لئے ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ جناب اُم الحامد صاحبہ نے خود اپنے نوٹ میں اسپر کافی روشنی ڈالی ہے اور یہ نوٹ جملہ شائع کر دیا گیا ہے امید کہ یہ مفید مضمون افسانہ علمی طبقہ میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

پھول ۔ مولوی سید وحید اللہ صاحب نے انگریزی نظم کا ترجمہ خوب کیا ہے۔

خیدہ کر ارضے سے پوچھے کوئی شان عمرؓ ۔ یہ نظم مولانا حکیم نعمت صاحب کے سچے جذبات کا آئینہ ہے۔ چونکہ یکم محرم الحرام کو امیر المومنین حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی ہے اسلئے اُمید ہے کہ یہ نظم دلچسپی سے پڑھی جائیگی۔

نرالہ آزاد ۔ جناب مولوی سید محمد حسین صاحب آزادؔ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ کا کلام مقبول خاص و عام ہوتا ہے۔

نرنگ حیات ۔ یہ دلچسپ نظم مولانا محمد یوسف صاحب مدرس گورنمنٹ ٹریننگ کالج کی ہے جسکو مولانا موصوف نے آج سے بائیس سال پہلے لکھی ہے آپ کے قابل صاحبزادے جناب مولوی محمد احسن صاحب نے اسکو نہایت اشاعت روانہ فرمایا ہے ہم جناب محمد احسن صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نظم کو شائع کرتے ہیں۔ اگرچہ اب مولانا محمد یوسف صاحب اردو شاعری چھوڑ دی ہے مگر یہ نظم آپ کے طبع خیال

کا نمونہ ہے اُمید ہے کہ ناظرین تاج اس سے ضرور محظوظ ہونگے۔ اور ہم مولانا موصوف سے توقع رکھتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے قابلانہ مضامین نظم و نثر عنایت فرماتے رہیں گے۔

فحش ناول یہ نظم جناب مولوی سید علی شبیر صاحب شبیرؔ حیدرآبادی کی ہے جو ایک مشاق اور باکمال شاعر ہیں۔ اس چھوٹی سی نظم میں آپنے ایک اہم امر کا اظہار فرمایا ہے کہ فحش ناولوں سے ملک و قوم کی کیا خرابیاں ہوتی ہیں فی الحقیقت فحش ناول اخلاقی تباہی و بربادی کا باعث ہوتے ہیں ہم کو یاد پڑتا ہے کہ کسی رسالہ میں عالیجناب نواب عماد الملک بہادر بالقابہ کا یہ مشورہ ایسے فحش ناولوں کی نسبت شایع ہوا تھا کہ "تمام مخرب اخلاق فحش ناول دکھتی ہوئی آگ کے نذر کردئے جائیں"۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ اپنے بہترین مضامین نظم و نثر سے ہم کو شاکر فرماتے رہیں گے۔

طلوع صبح جناب مولوی سید علی اختر صاحب اخترؔ نے یہ نظم حسن ندا زمیں کہی ہے اسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔ جناب اختر صاحب شیریں مقالی سخن سے ملکہ تحسین و آفرین حاصل کر چکے ہیں۔ ہم اختر صاحب کے جدید مسنوں ہیں کہ آپنے اپنی اس نظم سے تاج کو زینت فرمایا۔ اور آئندہ کے لئے بہت سارے توقعات آپسے وابستہ کرتے ہیں۔

رُوحِ ادب یہ مشاعرہ قابل دید ہے ناظرین کرام سخن سنجان نغز گفتار کے پُر لطف اشعار سے ضرور محظوظ ہونگے۔

تاج کا دوسرا نمبر دفتر میں موجود نہیں ہے۔ خریداران تاج کے بیحد اصرار پر مکرر طبع ہو رہا ہے جن جن اصحاب کو یہ نمبر نہیں ملا ہے وہ چند روز انتظار کریں۔ بعد ختم طباعت انکی خدمت میں ضرور یہ نمبر بھیجدیا جائے گا۔

سررشتہ پٹہ کے متعلق ہم اطمینان دلاتے ہیں کہ خریداران تاج کو رسائل کے عدم وصول کی شکایتوں کا موقع آئندہ نہ ہوگا اور سررشتہ پٹہ سے متوقع ہیں کہ وہ اپنے حسن انتظام کو مستمراً بحال و برقرار رکھیگا

مدیر

میلاد نمبر

۵ر آبان ۳۳ف نوٹ فرمالیجئے

اراکین بزم تاج نے یہ طے کرلیا ہے کہ ماہ آذر کا تاج میلاد نمبر نکالا جائے اسکے لئے کوشش کیجارہی ہے کہ یہ خاص نمبر بہت ہی شاندار ثابت ہو **مستند اہل قلم** حضرات سے التماس ہے کہ وہ اس مخاص نمبر کو زیادہ کامیاب بنائیں۔ اور ۵ر آبان تک اپنے گرانقدر مضامین نظم و نثر ارسال فرماکر مدیر تاج کو شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

آپکے جو اصحاب تاج کے خریدار نہیں ہیں ہم انکو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ ضرور جلد سے جلد خریدار ہو جائیں ورنہ غیر خریدار دوں سے کی قیمت بلحاظ صفحات وغیرہ (عہ) لیجائیگی۔ مدیر

لسان الملک

زبانِ اُردو کا ایک تاریخی علمی رسالہ ہے جو زبانِ اُردو کے ایک نامور شاعر و اہلِ قلم

مولانا سید محمد ضامن صاحب علی دکنی

کی ایڈیٹری میں ایک سال سے نکل رہا ہے اور اپنے علمی و تاریخی مضامین کے باعث قبولیتِ عام حاصل کر لیا ہے قیمت سالانہ مع محصولِ ڈاک صرف شش ماہی ہے فی پرچہ

منیجر لسان الملک دلاور گنج حیدرآباد دکن

سے

طلب کیجے

مدرسوں، انجمنوں، اور علم دوست حضرات

کے خانگی کتبخانوں کے لئے ہم نے فہرستِ کتب کا ایک رجسٹر تیار کیا ہے اور اسکا نمونہ ان رجسٹروں سے بالکل مطابق کر کے بھیجا گیا جو ہم نے ہندوستان کی یونیورسٹیوں اور بڑے بڑے کتبخانوں میں استعمال ہو رہے ہیں رجسٹر نفیس و بکاری کاغذ پر چھاپا گیا ہے اور اسکی قیمت مجلد فی جلد ۱۰۰ صفحہ عہ ۲۰۰ صفحہ عہ ۴۰۰ صفحہ ہے علاوہ محصول مقرر ہے۔

منیجر تاج پریس چھتہ بازار حیدرآباد سے طلب فرمائیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمدن

سائنس کی اہمیت

محمد مجیب قادری

سائنس اور اسکی ابتدا

جب حضرت آدم کا مسکن قرار پایا اور وہ یہاں پہنچائے گئے تو انہیں گیہوں کہانے اور جنت سے نکلنے پر جس قدر افسوس اور قلق ہوتا کم تھا۔ کیونکہ انہوں نے اس سرزمین کا نقشہ ہی دگرگوں پایا اور یہاں کا باوا آدم ہی نرالا نظر آیا۔ ایک جان اور اسکے پیچھے ہزاروں بکھیڑے۔ کھانا، پینا، اُٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، رہنا، سہنا غرض دنیا بھر کا جنجال اور سب کا اہتمام و انتظام آپ کیلئے کے سر ہوگیا۔ اسپر آفت یہ کہ اگر چاہتے تو بھی ان سے پیچھا چھڑانا انکے لئے فطرتاً ناممکن تھا مجبوراً انکو معیشت اور دفاع مضرات کے خیالات کو دلمیں جگہ دینی پڑی اور انکی تکمیل کیلئے امکانی تدابیر کو سوچنا اور اُنپر عمل کرنا پڑا۔

اس کے علاوہ حضرت آدم اور ان کے ابتدائی اخلاف نے دیکھا کہ دنیا میں عجیب عجیب قدرتی مناظر پیش نظر ہیں۔ رات دن کا رد و بدل یُولِجُ اللَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُولِجُ النَّهَارَ فِی اللَّیْلِ کا ورد کرتا ہوا

بڑے بڑے تناور درخت، خوشنما سبزہ زار، نسیم سحر کے جھونکے، نہروں کی لہریں، دریاؤں کی روانی، سمندر کا تلاطم، پہاڑوں کی سطوت، گھنگھور گھٹاؤں کا امنڈنا، بادل کی گرج، بجلی کی چمک، سیاروں کی گردش، روشنان فلک کی جگمگاہٹ، اگلے وقتوں کے انسان چاہے درختوں کے پتوں سے ستر ڈھانکنے والے ہوں یا پہاڑوں کی کہوہ میں رہنے والے۔ تھے وہ بھی انسان اور آنکھیں انکی بھی تھیں۔ ان تمام مناظر اور قدرتی حوادث کو دیکھتے ضرور تھے۔ سمجھ بوجھ اور عقل میں اسقدر ارتقا، ہنوز نہیں ہوا تھا کہ ہر چیز کی کنہ کو پہنچتے اور ہر بات کا پتہ پتال سے نکال لاتے جب یہ نہ تھا تو مفید نتائج پر پہنچکر ان سے استفادہ حاصل کرنا بھی مفقود تھا لیکن ان کارکنان قدرت کی حرکات و سکنات کو محسوس کرتے تھے اور ان کو جاننے کا ولولہ پہلو میں تھا مگر مجبوری تھی۔ انسانی فہم و ادراک اسوقت پڑے گہوارۂ طفلی میں میٹھی نیند سوتے تھے ان بیچاروں کی دستگیری و رہنمائی کون کرتا ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کوئی اندھا اندھیرے میں ٹٹولتا پھرے ایسی حالت میں کوئی بعید نہیں کہ اگر کسی بات کی کوئی لم دریافت نہ ہوسکی تو ان بھولے بھالے لوگوں نے اسکی بنا دو توہمات Superstition پر رکھی ہو اور کسی نہ کسی فرضی غیر محسوس و غیر مرئی Invisible کو اپنی جیسی ہستی کو اس کا کفیل و ذمہ دار بنا کر اپنی تشفی کرلی ہو۔

غرض اُس تیرہ و تار زمانہ میں جس کا دنیا کے مورخین کے پاس کوئی حوالہ نہیں سائنس کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ لیکن ایک مدت مدید اور عرصہ دراز تک سائنس حباب خفا میں اسی طرح چھپا رہا جس طرح راز نہفتہ دل میں، مضمون لفافے میں، بجلی بادل میں، ایک قلیل مدت کے لئے پنہاں ہوتے ہیں لیکن سنگ بنیاد رکھا جاچکا تھا۔ اور رسم ارتقا کا عمل جاری ہوچکا تھا۔ رفتہ رفتہ ترقی ہوتی جاتی تھی کیونکہ انسان کی ضرورتوں کے دائرہ میں جوں جوں وسعت پیدا ہوتی جاتی تھی سائنس کی معلومات اور ان کے مفید نتائج میں ویسے ویسے اضافہ ہوتا جاتا تھا اور نادانستہ سہی لیکن لوگ اس سے دن بدن زیادہ آشنا اور مستفید اور اسکے اصول پر عمل پیرا ہوتے جاتے تھے اور جو ایسا نہ کرتے وہ اپنے پیروؤں سمیت فنا کی لپیٹ میں آجاتے

کیونکہ دریا میں رہکر مگرمچھ سے بیر کوئی چلنے چلانے والی بات نہیں۔ کارخانۂ قدرت میں تو ان قدرت کی پابندی ایک لازمی و لابدی شے ہے۔ غرض یہ کہ فطری ضروریات کی تکمیل اور لوازم زندگی کے مہیا کرنے کے لئے مجبوراً اور لازماً انسان کو سائنس کی طرف مائل ہونا پڑا اور اسی قانون سے مدد لینی پڑی جو اس کے ماحول ENVIRONMENTS پر اور خود اس پر جاری و ساری تھا۔ اسی رجوع و جستجو اور اسی علم و عمل کے پیش پا افتادہ میدان کو میدان سائنس کہتے ہیں کوئی خیال اور کوئی عمل جو اس کائنات میں ہو سکتا ہے اس سے باہر نہیں۔ ہکسلے کے قول کے مطابق سائنس ایک منضبط سمجھ بوجھ اور ایک منظم علم کا نام ہے۔ سائنس کی حقیقت و غایت کارخانۂ قدرت سے آگہی حاصل کرنا ہے اور بس۔ یوں اس سے واقفیت حاصل کرکے دولت کما لو اور دھندا چلا لو تو اور بات ہے لیکن لفظ سائنس خود کہہ رہا ہے کہ دیکھو لاطینی زبان میں میرے معنی محض جاننے کے ہیں ہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کہ جب سائنس کے معنی بھی جاننے کے ہیں تو سائنس اور علم دو مترادف الفاظ ہیں۔ کوئی فرق نہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ فرق ہے اور عام طور پر سائنس کا مفہوم کارخانۂ قدرت اور اس میں جو حادثات و واقعات گزرتے رہتے ہیں ان کے آپس کے تعلقات کے متعلق ایک منضبط علم ہے یا یوں سمجھئے کہ اگر ہم اینٹوں کے ڈھیر کو علم فرض کریں تو سائنس عمارت کا نام ہوگا اگر پانی کے قطروں کو علم فرض کریں تو سائنس کی مثال دریا ہے۔ اس کی ابتدا ہوتی ہے مشاہدات OBSERVATIONS سے اور مشاہدات سے معلومات کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے اور جیسے جیسے معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے مزید معلومات کی خواہش پیدا ہوتی جاتی ہے اور تدریج انسان کی نظر وسیع اور خیالات بلند ہو کر سائنس کی خوشنما عمارت کی بنیاد پڑتی ہے۔ طبعاً و فطرتاً انسان اس عمارت کا مکین ہوتا ہے کیونکہ اس کا میلان طبع ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ چنانچہ ٹنڈل تحریر کرتا ہے کہ "انسان سے پہلے پہل جو فعل سرزد ہوتا ہے اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ طبیعات کا ایک عمل ہے جس سے ظاہر ہے کہ انسان کا طبعاً و فطرتاً طبیعات کی طرف

میلان ہے کیونکہ نومولود جب ماں کا دودھ پینے لگتا ہے تو اس کا فعل جو سب سے پہلا اختیاری فعل ہے بالکل ہپ کی کشش کے مشابہ ہے اس بچہ کی وقعت میں کسی حیثیت سے کچھ بھی فرق نہ آئیگا اگر اس کے ساتھ اس بچہ کو اور بچہ ہی کو کیا دنیا جہان کو یہ معلوم ہو جائے کہ دودھ کے گھونٹ کو اس نے صرف اپنے زور بازو سے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ اس کے حصول میں ہوا بھی اس کی معین و مددگار ہوتی ہے اور اب لیجئے بچہ بڑا ہوا اور ہاتھ پیر ہلانے لگا اور ساتھ ساتھ اسکو طبعیات کے سبق بھی ملنے لگے۔ وہ چاند کی طرف ہمکتا ہمکتا ہاتھ دوڑاتا ہے اور جب اس کے ننھے سے ہاتھ چاند تک نہیں پہنچتے تو ماں کی گود ہی میں بُعد و مسافت DISTANCE کی حقیقت اس پر کھلنے لگتی ہے۔

جسطرح ننھا سا بچہ اسوقت سے ابتدا ہی سے سائنس کی ابجد خوانی از خود شروع کر دیتا ہے یہی حال ابتدائی انسانوں کا ہوا ہوگا۔ آنکھ، ناک، کان، زبان، قوت لامسہ SENSE OF TOUCH ازل سے ساتھ لے آئے تھے۔ گو ارادۃً اکتساب سائنس کا تہیہ انہوں نے نہیں کیا لیکن جب حواس خمسہ کے پانچوں دروازے کھلے پائے تو سائنس کی کے روکے سے رُکنے والی آسامی نہ تھی۔ بڑھکر اسی نے سلسلہ جنبانی شروع کر دی ہوگی، جذبات کو چھیڑا، عقل کا تازیانہ لگایا ہوگا فہم و ادراک کو اکسایا ہوگا ضروریات کو وسیع کیا ہوگا۔ افکار کو بڑھایا ہوگا۔ عیش و تنعم کو چمکایا ہوگا۔ خیالات میں بلند پروازی کی ہوگی عمل کے دائرہ کو کشادہ کیا ہوگا۔ غرض جسطرح بن پڑا حضرت انسان کو پرچایا ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو انسان اس دنیا میں بالکل ناآشنا، اجنبی محض، پردیسیوں کی طرح پہنچا تھا یا رفتہ رفتہ آشنائے خلیفۃ الارض کا خطاب لے کر یہاں کے جزو کل کا مالک و مختار بن بیٹھا اور لگا ہر معاملے پر غور و تامل کرنے ظاہر ہے کہ اس کی نظر سب سے پہلے تاروں اور سیاروں PLANETS پر پڑی ہوگی اسی وجہ سے علم ہیئت اور نجوم کی سب سے پہلے بنا پڑی۔ پھر مادہ پر اس نے غور و خوض کرنا شروع کیا یہاں تک کہ جزلاینجزیٰ MOLECULE اور جوہر فرد ATOM تک کی خبر لے لی۔ اس کے بعد

جن نباتی وجمادی INORGANIC اشیاء سے اس کو روزمرہ زندگی میں وقتاً فوقتاً سابقہ پڑتا تھا ان کی طرف توجہ کی اور علم الحیاۃ BIOLOGY علم النباتات BOTANY وغیرہ وغیرہ کی بنیاد رکھی۔

سائنس کی نشوونما

افلاطون اور ارسطو کے معرکہ آرا خیالات

ایک طرف تو علوم سائنس کے فرداً فرداً ترقی کے سامان پیدا ہوتے جاتے تھے اور دوسری طرف اہل یونان حسیات کی نظم و نسق ORGANIZATION اور اکتساب علم کے لئے بہترین ذرائع اور مذاکلاش جستجو میں مستغرق تھے۔ افلاطون کہہ رہا تھا کہ علم کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم اپنی کھوئی ہوئی دولت کو حاصل کریں یعنی گزشتہ جنم کے بھولے بسرے حالات و واقعات کو تازہ کریں۔ ارسطو کہتا تھا کہ حواس کی کیفیتوں اور جاسوسیوں کو عقل سلیم کے حوالے کر دو۔ یہ کبھی دھوکہ نہیں دیگی۔ اسی کی مدد سے عام قدرت کے اصول کا پتہ لگاؤ۔ یہی علم کی غایت ہے۔ اہل یونان اس رائے سے بالکل متفق تھے منطق کے اصول استنباط کو ارسطو اپنا رہبر اور ہادی جانتا تھا اور متعدد واقعات اور مثالوں کی بناء پر کلیہ HYPOTHESIS قایم کر لیتا تھا اسی لئے وہ مشاہدات کو خاص اہمیت دیتا تھا کہ بے اسکے کلیہ کا وجود ناممکن ہے۔ لیکن اس کو اس کا خیال نہ رہا کہ مشاہدہ جب تک خاص احتیاط اور خاص طریقوں سے نہ کیا جائے مستنبط نتائج میں کم سے کم غلطی کی توقع۔ کہنا نادانی ہے اس کے پیش نظر اقلیدس کی کتاب تھی اور سمجھتا تھا کہ نتائج صحیح طور پر مترتب ہو ہی جاتے ہیں۔ اسی طرز عمل نے قدم قدم پر اس کو الٰہیات METAPHYSICS سے بھڑا دیا اور جا بجا ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس کے مختلف مسائل پر جب وہ بحث کرتا ہے تو الٰہیات کی شاہراہوں پر جا نکلتا ہے۔ مثلاً ہیئت NATURE صورت FORM وغیرہ وغیرہ جیسے الفاظ اس کے یہاں الٰہیات کا برقع پہنے نظر آئینگے۔ اگر اس کے طریق تامل میں ذرا سا

فرق واقع ہوتا تو یہ بہت آسان بات تھی کہ سائنس کے مسائل کو الٰہیات سے بچا لیجاتا اور ہر ہر قدم پر مصیبتوں کا سامنا نہ ہوتا۔ گو اس میں کلام نہیں کہ بحث کو انتہا تک لیجاؤ تو عمارت کی بنیاد رکھی ہوئی الٰہیات پر ہی پاؤگے۔ تاہم فروعات میں اور بات بات میں جو الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ اُن سے سائنس ایک حد تک بچ ہی سکتا ہے۔

عہدِ عتیق OLD AGE

تلک الایام نداولھا بین الناس کے ثبوت میں رومۃ الکبریٰ سے ایک طوفان اٹھا اور یونانیوں کے زورق علم کو تہ و بالا کر دیا۔ مگر کس کو خبر تھی کہ ایک اور طوفان تبدیلی وحشیوں کی صورت میں نمودار ہوگا جو سمندر کے سمندر کو گدلا کر دے گا۔ مگر قبل اس کے کہ یہ ہنگامے پے در پے برپا ہوں خوش قسمتی سے یونانیوں نے بیج بو دیا تھا جو عرصہ تک دنیا کی نظر سے نہاں رہا۔ لیکن زمین تھی سرسبز عمل اور تجربے کی۔ کونپلیں نکلیں اور شاخیں پھوٹیں۔ کمپنڈیس Compendius کے صفحات اس کے شاہد ہیں۔ یہ وہی کتاب ہے جس کو یونانیوں نے اپنے آفتاب علم کی آخری شعاعوں کی دھندلی روشنی میں قلمبند کیا تھا اس کے علاوہ اسکندریہ کے ماہرین فن کیمیا علم نجوم کے عمائد کے ساتھ ساتھ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑے تھے کہ تانبے، لوہے وغیرہ سے زبردستی سونا اگلوائیں۔ اسی کیمیاگری کی دھن میں کیمیائی تجارب کا سلسلہ ان کے ہاں جاری رہا کیمیا کا نسخہ ان بیچاروں کے ہاتھ لگا یا نہیں اس کی تو خدا ہی کو خبر ہے۔ لیکن انہوں نے ایک ایسی علم کی بُنیاد ڈالی (فن کیمسٹری) عربوں کو باندہ کر دیدی کہ اس سے دنیا مالا مال ہو رہی ہے۔ عربوں نے اس کو جان سے زیادہ عزیز رکھا اور حتی الوسع حق خدمت کو پورا کیا۔ ۸۰۰ عیسوی میں جابر Geber نے بہت سے نامعلوم کیمیائی تغیرات اور مرکبات معلوم کرلئے اور آجتک دنیا الکیمیا کے شعبے میں عربوں کی زیر بار احسان ہے۔

قرونِ وسطیٰ

جب زمانہ تاڑ لیتا ہے کہ انسانی دماغ بالکل نکما اور ہو گئے تو اس سے بھی نکلا نہیں جاتا

از سر نو تسلیم دیکر محجا کر دیتا ہے چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی میں بھی ہوا۔ یک بیک علوم و فنون کی لہر سینوں میں دوڑنے لگی۔ مدتوں کے دفینے کھود کھود کر نکالے گئے۔ سائنس کی تاریخ نے نیا ورق الٹا قرونِ وسطی کا پسندیدہ منطق۔ علم الکلام۔ مناظرہ میں یکہ تازتھا متکلمین کے گروہ آستینیں چڑھائے بیٹھے تھے۔ بڑے تپاک سے فلاطون اور ارسطو کے معرکہ آرا مباحث کا خیر مقدم کیا۔ مباحثہ اور مناظرہ کی مجلسیں گرم ہوئیں اور کئی کئی پشت تک اسی قبیل کی باتوں پر دو دو لکھ رہی کہ ایا کسی حقیقت کا تعلق عام حالت سے ہوتا ہے یا خاص امور سے۔ خاص خیال سے تو حقیقت وابستہ نہیں عمومیت کا رنگ اس میں ہوتا ہے یا خصوصیت کی چادر اوڑھے ہوئے ہوتی ہے کسی حقیقت کا منفردہ ہستی (INDIVIDUAL) سے تعلق ہوتا ہے یا گروہ اور جماعت سے جسکی تحت میں اور بہت سی ہستیاں آجاتی ہیں۔ چونکہ ان مباحث کو زمانے کے مذاق نے مذہبی رنگ دیدیا تھا اس لئے سرگرمی اور دلچسپی کی کمی نہ تھی آج کے دن کوئی ان پر حرف رکھے تو رکھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس چیز کو ہم مفت کی دردسری اور بے نتیجہ مغز پاشی تصور کر رہے ہیں اسی کی بدولت قرونِ وسطی کے انسانوں پر کائنات کی حقیقت واضح ہوگئی اور بہت سے راز فاش ہوگئے ساتھ ہی ساتھ تیرہویں صدی نے بیچ میں پڑکر پھر مغرب کو مشرق سے ملا دیا ارسطو کی تصانیف کے لاطینی ترجمے اور اس کا فلسفہ ہاتوں ہاتھ یورپ میں پہنچا عیسوی مذہب بھی بڑھکر استقبال کیا اور کامل تین سو سال تک یورپ نے سر تسلیم کو اس کے آگے خم کیا درسگاہیں قایم ہوئیں نئے خیالات کی اشاعت کے چرچے ہوئے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اشاعت کرنیوالے لیکر کے فقیر تھے ارسطو نے تجربہ اور عمل کی طرف توجہ دلائی تھی یہ بات تو گئی ان کے ذہن سے نکل۔ لگے اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف کی پابندی کرنے۔ کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آتا تو کان مٹھ لیتا کہ ارسطو کا فرمانا ہے لیکن ان خاص درسگاہوں کے علاوہ اور بھی لوگ تھے جو فن کیمیا کے ماہر تھے اور جنھوں نے تیرہویں صدی ہی میں زانوئے ادب عربوں کے آگے تہ کیا تھا تجربہ اور عمل کے کالبد میں انہی کے دم قدم سے حرارت باقی رہی

مگر جس کام میں لگے تھے لگے تھے۔ ان کو مذہبی مباحث وغیرہ سے کچھ سروکار نہ تھا اسی لئے تعصب نے ان کے مشاغل کو "جادو اور سحر" سے تعبیر کیا۔ اور یہ لوگ "ساحر" کہلائے۔ تکلیفیں اٹھائیں مصیبتیں جھیلیں سزائیں بھگتیں۔

عہد جدید پندرہویں اور سولہویں صدیوں کی آغوش میں سیاسی اصلاحات POLITICAL REFORMS اور مادی ترقیوں کی اندھیاں تھیں۔ مدتوں کے بعد مختلف خیالات آپس میں ملنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ خود اسباب ایسے پیدا ہو رہے تھے کہ بے مدد چارہ ہی نہ تھا۔ یونانیوں کا اثاثہ ہاتھ لگا تھا۔ کلمبس نے نئی دنیا پائی تھی۔ پھر مغرب کی تباہی و مشرق کا زوال۔ پایۂ روم کی حکومت میں ضعف کا پیدا ہونا۔ اسپر چھاپے کی ایجاد کہ خدا کی پناہ۔ برف کے خلوتخانہ میں تنہا اکیلے۔ قطب صاحب کے کان میں کچھ جا کر کہو تو لندن میں پارس میں، برلن میں، نیویارک میں اور جانے کہاں کہاں۔ اس کی تشہیر ہو جائے اور بچہ بچہ اس پر رائے زنی کرنے لگے۔ غرض ان نئے نئے سامانوں نے نئے نئے خیالات پیدا کئے اور انسان کے دل و دماغ کو اس قابل بنا دیا کہ اوہام پرستی SUPERSTITION کے دائرے سے نکل کر کائنات کی حقیقت پر غور و تامل کرے۔ لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ خیالات میں نسبتاً زیادہ آزادی و بلند پروازی آگئی اور تجربہ و عمل کا بازار گرم ہوا۔

فرانسس بیکن نے عمل اور عملی تفحص RESEARCH پر زور دیا لیکن قیاسات HYPOTHESES کی اہمیت و استنباط نتائج کے اصول کی ضرورت کا لحاظ نہ کیا۔ وہ کہتا تھا کہ حقایق قدرت کو نظر تعمق سے دیکھو اور ان کے متعلق ممکنہ شہادات کو جمع کرو اور ترتیب دو پھر غور و فکر سے سراغ لگاؤ کہ کون کون سے مظاہر فطرت NATURAL PHENOMENA ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور دوش بدوش تغیر پذیر ہیں اسکے کسی مظہر فطرت کے سبب اصلی کا کھوج لگانا محال ہے بے شبہ یہ طریقہ قرون وسطیٰ کے خیالات کی اصلاح کے اعتبار سے نہایت مفید اور اہم تھا لیکن سائنس کی کامیابی کا ضامن نہ تھا کیونکہ حقایق قدرت و مظاہر فطرت

اسقدر لاتعداد واقعات ہیں کہ سائنٹفک قیاسات کی مدد کے بغیر ان کے اسباب و علل کا دریافت کرنا ناممکن العمل ہے۔ ہونا یوں چاہیئے کہ سائنٹفک قیاس کی بنا پر جو ذہنی نتائج THEORETICAL CONCLUSIONS مترتب ہوں ان کی صحت کے معلوم کرنے کے لئے واقعات جمع کئے جائیں اور ان سے تحقیق کیجائے تب کہیں واقعات تحقیق طلب کا دائرہ محدود ہو سکتا ہے۔

ٹھیک یہی مسلک گیا لیلیو گیا لیلی کا رہا۔ ارسطو اور اس کے جتنے پیرو تھے سب کا قیاس تھا کہ ہر چیز فطرتاً اپنی مناسب اور اصلی جگہ کی جویا ہوتی ہے۔ وزنی اشیاء کا مقام اصلی اسفل کی جانب ہے اور سبک اشیاء کا اوپر کی جانب اسی وجہ سے وزنی اجسام جب گرتے پاتے ہیں اسفل کا رخ کرتے ہیں اور سبک اجسام اوپر صعود کرتے ہیں اور پھر ارسطو کا قیاس یہ بھی تھا کہ ایک وزنی اور ایک سبک چیز اگر ایک ہی ساتھ کسی بلندی سے چھوڑ دی جائے تو وزنی چیز زمین پر جلد پہنچے گی۔ فرماتا تھا حضرت ارسطو کا دلیل کون پوچھتا۔ اور جانچ کون کرتا۔ لوگوں نے امنا و صدقنا کہہ کر بلا چون وچرا تسلیم کر لیا اور پورے پندرہ سو سال بلکہ زیادہ عرصہ تک یہی اقوال سند میں پیش کئے جاتے رہے۔ گیا لیلیو نے کہا کہ جب ہمارا دروازہ تو بند نہیں اس اندھی تقلید کو چھوڑ کر خود ہی آزما کر کیوں نہ دیکھ لوں۔ بلا سے اگر یہ نہ معلوم ہو کہ وزنی اشیاء نیچے گرتی کیوں ہیں یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ گرتی کیسے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی پتہ چل جائے گا کہ وزنی اور سبک اشیاء ساتھ ہی ساتھ گرتی ہیں یا آگے پیچھے پس اس نے PISSA بذات خود تجربہ کرنے کی ٹھانی اور پیسا کے برج سے دو مختلف وزن کے پتھر ایک ساتھ چھوڑ دئے تجربہ کیا کہ دونوں دوش بدوش وقت واحد میں زمین پر پہنچے تو اس نے ارسطو کے قول و قیاس کو صاف و صریح طور پر باطل ثابت کر دیا۔ اس تجربے کے ساتھ نقص کے خاص طریقہ کی جو داغ بیل پڑی اور خیالات میں جو جدید انقلاب پیدا ہوا نہایت اہم ہے۔

اسی انقلاب کی جھلک قریب قریب اسی زمانہ میں علم ہیئت اور نیوٹن کے ہاں نظر آئیگی علم ہیئت میں

سیاروں کی گردش کو لیجیے۔ برابر کئی پشت سے ان کی نقل و حرکت کو ماہرین فن نہایت غور سے دیکھ رہے تھے آخر کار تمام مشاہدات کے ذخیرے کو کپلر نے اختصار کے سانچے میں جھونک دیا۔ اور تین قانون ڈھال کر نکالے جو آجکل اسی کے نام سے موسوم ہیں۔ مگر چونکہ نظریں وسعت اور خیالات میں کافی ارتقا ہنوز نہیں ہوا تھا سیاروں کی گردش کا معمہ حل نہ ہو سکا پہلے تو لوگوں کی سمجھ میں یہی بات نہیں آتی تھی کہ قضائے بسیط کے رہنے والے کپلر کے قوانین کے آخر کیوں پابند ہیں۔ دوسرے یہ خاص خاص محور پر گردش کرنے کے لئے کیوں مجبور ہیں۔ بات کو سمجھانے کی خاطر کپلر نے لاکھ لاکھ کوشش کیں۔ غریب لوگوں کو تو کیا سمجھاتا آخری بات خود ہی نہ سمجھ سکا جب کچھ بن نہ پڑا تو دیکھا کہ زمانہ میں خداوں کی کمی نہیں۔ چلو فرض کر لو کہ ہر سیارے پر ایک خدا کی تعینات ہوگی جو انہیں اپنے اپنے محور پر گردش کرنے کے لئے مجبور کرتے ہونگے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ کپلر کے زمانے میں نہ خداؤں کی کمی تھی نہ خداؤں کے ماننے والوں کی مگر نیوٹن جیسا حالی دماغ کہاں ان خرافات کی لپیٹ میں آتا اس نے گیلیلیو کی طرح خود تجربے اور مشاہدے کئے جب ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو ان خداؤں سے کہا کہ لاؤ اپنا اپنا استعفا دیدو۔ بیٹھے بٹھائے مفت میں کیوں بدنام ہوتے ہو۔ اس کام کی اہل تو عام جذب و کشش Gravitation ہے تم نہیں۔ رہا قانون سوم کے ہم ذمہ دار۔ قانون بھی ایسا بنا دیں گے کہ زمانہ یاد کرے گا اسنے وضاحت یوں کی کہ مادی اجسام کے اجزا آپس کی جذب و کشش سے مستثنےٰ نہیں اور ان کا عمل سیاروں کی خاص حرکت کا سبب ہوتا ہے۔ لاپلیس نے انہی کے مماثل Similar اصول سے موجودہ نظام شمسی یا Solar System کی حرکت و رفتار کی وضاحت کی علم الحرکۃ اجسام Dynamic کے شعبہ میں ان تینوں افراد کی کاوشیں بہترین ثمر لائیں۔

انیسویں صدی سے تو سائنس نے اور بھی زور باندھا ہے تحلیل شعاع DISPERSION OF LIGHT کے اصول سے سر جارج جی سٹوکس نے (۱۸۱۹ء تا ۱۹۰۳ء) آرڈ بلیو نین نے (۱۸۱۱ء تا ۱۸۹۸ء) اور

جی۔ آر کرخاف نے (۱۸۲۴ء تا ۱۸۸۷ء) مختلف سیاروں کے عناصر کا تک کھوج لگایا۔ علم طبقات الارض Geology میں وہ کاوشیں لگیئیں کہ پشتِ سمک تک کی خبر لے لی اور گاؤزمین کا دل دہل گیا عروس دہر کو پیر ثابت کر دیا اور کرید کرید کر وہ واقعات جمع کئے کہ قرنہا قرنہا کا کچا چٹھا اور ایک قریب پایاں زمانے کے آگے رکھ دیا۔ جناب چارلس ڈاروں (۱۸۰۹ء تا ۱۸۸۲ء) تنازع للبقاء Struggle for Existence بقائے جنس Survival of the fittest اور توارث Heridity کے پیچیدہ اصول کے سلجھانے میں غلطاں وپیچاں تھے آخر مردِ میداں نے علم الحیات کی بنیاد رکھ ہی دی اور مباحث زیر غور کو تکمیل تک پہنچا کر چھوڑا۔ گو ان مسائل نے بڑے بڑے طوفان اٹھائے لیکن سیلاب کی طرح دنیا میں پھیل گئے وارڈن کے معاصرین نے مسلہ توارث پر بڑی بڑی بحثیں کیں اور مختلف و متعدد تجربوں سے ثابت کر دیا کہ حیوانات و نباتات میں بقینی طور پر مسلہ توارث جاری ہے۔ Law of Inheritance

فلاسفہ کا ایک گروہ متوجہ Wave ارتجاج وارتعاش Vibratory motion کی بحثوں میں موشگافیاں کرنے لگا اور روشنی اور آواز کے متعلق قول فیصل دیدیا۔ یعنی قابل افزائے لطیفہ قوت ہی ہر ایک چیز کی اصل ہے۔ حرارت، روشنی، آواز، مقناطیسی کشش، برقی کیفیت یہاں تک کہ مادہ اور صورت بھی اسکے گوناگوں مظاہر ہیں اس قوت کی مقدار معین اور غیر متبدل ہے۔ کسی خاص قسم احساس نہ ہونیکے یہ معنی ہیں کہ روپ بدل کر وہی قوت دوسری صورت میں ظاہر ہوگئی۔ اس کے بھی اصول قوانین مترتب ہوگئے۔ پھر مادہ میں جو تفحص شروع ہوا تو جزنا تجزی اور جوہر فرد کے بھی ٹکڑے کر ڈالے اور برقیون Electrons پر مادہ کا دارومدار ٹھیرایا۔ غرض رفتہ رفتہ سائنس کے اصول اور فروع میں اضافے ہوتے گئے اور ایک بڑی محکم، مضبوط، شاندار، عمارت تیار ہوگئی۔ اور اس کی تعمیر میں لوگوں کے علاوہ جنکا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے اور افراد نے بھی ہاتھ بٹائے جنکا تذکرہ طوالت کے خیال سے قلمبند نہیں کیا گیا۔

سائنس کے شعبوں کی تقسیم

یہ تو آپ نے سن ہی لیا کہ سائنس نے ابتدائی منازل کیونکر طے کئے اور اس میں اس قدر شعبے کب اور کیسے پیدا ہوئے۔ چونکہ سائنس کی وسعت کائنات کی وسعت کے ہم پلہ ہے جتنے واقعات ظاہر و پوشیدہ صفحہ فطرت پر ہوتے رہتے ہیں ان میں سے ایک بھی دائرہ سائنس سے خارج نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مختلف و متعدد شعبوں کا ظہور پذیر ہونا ایک لازمی امر تھا۔ لیکن بیکن کے قول کے مطابق ان کی مثال ایک درخت کی ٹہنیوں کی سی ہے۔ جو ایک ہی تنے سے نکلتی ہیں اور ان متفرق خطوط کی سی نہیں جن کا اتصال ایک زاویہ Angle پر ہوتا ہے۔ سائنس کے شعبوں کی تقسیم سے مقصد محض سہولت اور سہولت سے ہی کام لیا جائے تو خوف ہوتا ہے کہ کہیں علوم سائنس نقطۂ اتحاد سے دور نہ ہو جائیں اور اگر اختصار و اجمال سے کام لیا جائے تو ممکن ہے کہ ہر شعبہ کو مناسب مقام نہ ملے۔ تاہم تقسیم ہے مفید اور ضروری اسی لئے بڑے بڑے عالی دماغ اور صاحب الرائے افراد نے جگر سوزی کی اور مختلف خیالات کی بنا پر تقسیم کی۔

بیکن کی مجوزہ تقسیم بیکن نے سائنس کے تین اصلی شعبے قرار دئے۔

(۱) تاریخ جس کی بنیاد قوت حافظہ Memory پر ہے۔

(۲) شاعری جس کی بنیاد تخیل Imagination پر ہے۔

(۳) فلسفہ سائنس جس کی بنیاد عقل پر ہے۔

تاریخ کے ساتھ اس نے علم الموجودات Natural History کو شامل کیا۔ سائنس میں الٰہیات Meta Physics اور علم الاسباب الطبیعات Natural Philosophy کے دو شعبے قرار دئے جن کے تحت میں وجود باری تعالےٰ فطرت اور انسان کو داخل کیا۔ پھر شعبۂ فطرت کی فروعات Subdivision کیں اور طبیعیات ریاضی اور الٰہیات و علم الکلام کی تفریق کی۔ اس تقسیم میں نقص یہ واقع ہوتا ہے کہ تمام علوم کی بنیاد تین حافظہ تخیل اور عقل پر رکھی جو ایک حد تک درست نہیں۔

کامٹی کی مجوزہ تقسیم

اس نے جملہ علوم کو سات حصوں میں تقسیم کیا۔ اور انکی ترتیب باعتبار تقدیم یوں کی۔ ریاضی Mathematics ہیئت Astronomy طبیعیات Physics الکیمیا Chemistry علم الحیاۃ Biology علم المعاشرت Sociology علم الاخلاق Morality۔ اسکا خیال تھا کہ ذہنی اور تجریدی علوم جو نسبتاً سہل الحصول ہوتے ہیں وہ ہمیشہ مقدم ہونگے پیچیدہ۔ مخصوص اور ذہنی Dependent علوم سے۔ اس تقسیم میں کامٹی کے مدنظر دو اصول ہے ہیں ایک تو یہ کہ تقسیم اسطرح سے ہو کہ اکتساب علوم سائنس زندگی میں معین و مددگار ہو دوسرا یہ کہ ترتیب ایسی ہو کہ ابتدائی علوم سے جو نسبتاً آسان ہونگے پیچیدہ اور مخصوص علوم کا استخراج ہو سکے۔ یہ خیال بھی نقص سے خالی نہیں کیونکہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ علم الحیاۃ کا شعبہ طبیعیات و کیمیا سے نکلا ہو یا یہ کہ ہم کسی صورت ہیئت کو طبیعیات و کیمیا سے الگ نہیں کر سکتے

ہربرٹ اسپنسر کی مجوزہ تقسیم

اسپنسر نے علوم سائنس کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) وہ علوم جنکا موضوع بحث مظاہر فطرت کے ذہنی و معنوی تعلقات Abstract Relations ہیں۔

(۲) وہ علوم جن کا موضوع بحث مظاہر فطرت کے حقیقی و واقعی تعلقات Real Relations ہیں موخر الذکر علوم میں سے پھر وہ ان علوم کو جدا کرتا ہے۔

(الف) جن کا موضوع بحث تعلقات واقعی کے ساتھ ذہنی بھی ہے مثلاً علم ثقیل طبیعیات علم الکیمیا۔ ان کو وہ علوم ذہنی و واقعی Abstract Concrete Science کہتا ہے۔

(ب) بقیہ علوم واقعی نجوم۔ طبقات الارض۔ علم الحیاۃ۔ علم النفس۔ علم المعاشرۃ کو قرار دیتا ہے۔ اسکا خیال ہے کہ ان اثاثی Fundamental و اصولی شعبوں نے دقت و پیچیدگی

ترقی کی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اور تیسرے شعبوں میں جن مسائل کا سامنا ہوتا ہے ان کا حل پہلا شعبہ کر دیتا ہے اسیطرح تیسرے شعبہ کی ترقی پہلے اور دوسرے شعبوں کی اعانت سے ہوتی ہے اس تقسیم پر بھی پروفیسر فلنٹ کے قول کے مطابق وہی اعتراض کیا جا سکتا ہے جو اسپنسر نے کامٹی کی مجوزہ تقسیم علوم پر کیا تھا فلنٹ کا بیان ہے کہ چونکہ مظاہر فطرت میں خود ایک دوسرے کیساتھ گہرے اور پیچیدہ تعلقات ہوتے ہیں اس لئے سائنس کے شعبوں کا ایک دوسرے پر مبنی ہونا بھی لازمی ہے اور کسی ایک شعبہ کو بھی بالکل جدا کرنا مناسب نہیں۔

بین کی مجوزہ تقسیم الگزنڈر بین نے علوم ذہنی و علوم واقعی کو جدا کیا۔ اس کے خیال کے مطابق منطبق۔ ریاضی طبعیات جر ثقیل Mechanical Physics طبعیات جزلا تجزی Molecular Physics الکیمیا۔ علم الحیاۃ۔ علم النفس اثاثی (ذہنی) Fundamental علوم ہیں اور ترتیب بالا اصول فطرت کے مطابق ہے۔ یہ علوم تمام مظاہر فطرت (خواہ ان کا تعلق مادہ سے ہو یا نفس Mind سے) پر حاوی ہیں۔ انکی ترتیب میں خاص بات یہ ہے کہ ابتدا ہوتی ہے آسان اور ذہنی علوم سے اور رفتہ رفتہ انتہا ہوتی ہے پیچیدہ اور واقعی علوم پر جس سے ترتیب اکتساب علوم اور منازل ارتقا پر بھی روشنی پڑے علوم واقعی میں علم معدنیات Mineralogy علم الحوادث الجوی Meteorology جغرافیہ Geography نباتات Botany علم الحیوانات Zoology علم اللغۃ Philology یا علم الادبیات اور علم المعاشرت Sociology کو داخل کیا۔ اور ان سب کا انحصار علوم ذہنی پر ہے تیسرا شعبہ ان علمی سائنس Applied Seinces کا قرار دیا جسمیں علمی سائنس کے علاوہ فن تعمیر Architecture علم اور اک حسن Æsthetics (جن کا تعلق علم النفس سے ہے) علم الاخلاق Ethics اور علم المعیشت Economics

کو بھی شامل کر دیا۔ جو قابل اعتراض امر ہے۔

تقسیم کارل پیرسن کی مجوزہ

اس نے علوم کی جو تقسیم پیش کی ہے وہ ان سب سے بہتر ہے اور حسب ذیل ہے

(۱) علوم طبیعی جن کا تعلق جمادی و غیر نامی Inorganic مظاہر فطرت سے ہے اسکے حسب ذیل فروعات ہیں:-

(الف) صحیح Precise علوم طبیعی یعنی:-

طبعیات متعلق بہ ایتھر جس میں روشنی۔ برق۔ مقناطیس کے شعبے داخل ہیں۔

طبعیات متعلق بہ جوہر فرد Atom جس میں الکیمیا کے نظریے اور تحلیل شعاع Spectrum Analysis داخل ہیں۔

طبعیات متعلق بہ جزو یا جزی Molecule جس میں علم البلوہر Crystallography

علم الصوت Sound علم جمود و لچک Elasticity علم حرکت سیالی Hydromechanics

نظریہ جذر و مد Theory of Tides نظریہ حرکت اجزائے گیسی Theory of Gases شامل ہیں Kinetic

طبعیات اجسام مادی Molar Physics جس میں ثقل۔ نجوم اور نظریہ قمر Lunar Theory کا شمول ہے۔

(ب) شامل - Synoptic علوم طبیعی جیسے الکیمیا۔ معدنیات۔ علم طبقات الارض جغرافیہ علم حوادث الجو۔ علم فلک الافلاک۔ ارتقائے جمادی زمین INORGANIC EVOLUTION OF THE EARTH PLANETARY SYSTEM شامل ہیں۔

(۲) علوم الحیاۃ جن کا تعلق مظاہر اعضائے حیوانی Organic Phenomena سے ہے اس کی تقسیم کی ہے:-

(الف) وہ علوم جن کا تعلق جاندار اشیاء کے مقامی تعلقات سے ہے۔ اس میں اس نے تقسیم اعضائے حیوانی اور تعلقات عادت و ماحول کو شامل کیا ہے جس کو کسی زمانے میں علم الموجودات سمجھتے تھے۔

(ب) وہ علوم جن کے موضوع بحث کا تعلق وقت سے ہے جس میں نشوونما وتغیر ہوتا ہے اگر نشوونما وتغیر میں تکرار نہ ہو تو وہ ارتقاء کہلائیگا تکرار کی صورت میں اسکو صرف نشوونما Growth کہینگے۔ پہلے شعبے کا نام تاریخ ہے اور دوسرے کا علم الحیاۃ۔ آگے چلکر علم الحیاۃ کی تین شعبوں میں تقسیم کی ہے۔

(۱) صورت وترکیب اعضا (۲) نمو وپیدائش (۳) افعال واعمال اعضا۔ انکے علاوہ علم النفس کا وہ شعبہ جس کا تعلق انسانوں کی جماعت سے ہے۔ علم المعاشرۃ قرار دیا گیا جس کا تعلق علم الاخلاق Science of Morals سے ہے۔ علم الاقتصاد اور علم الفقہ Jurisprudence سے ہے۔

ان کے علاوہ علم الحیاۃ والطبعیات اور علمی ریاضی Applied Mathematics کے دو اور شعبے قرار دیئے شعبۂ اول میں وہ امور شامل ہونگے جن کے تعلقات علم الحیات اور علم الطبعیات دونوں سے ہیں دوسرے شعبہ میں ذہنی اصول یا ضی Pure Mathematics کی تطبیق عملاً ہوتی ہے۔

رائج الوقت تقسیم موجودہ اصول کے اعتبار سے علوم سائنس دو حصوں میں منقسم ہیں:-

(۱) وہ علوم جو اخذ نتائج کے طریقے۔ تفحص ذہنی کے ذرائع۔ سائنٹفک واقعات کی صحت و عدم صحت کے پرکھنے کے لئے سامان مہیا کرتے ہیں انکو علوم رسمیہ معنوی وذہنی Abstract Methods-Logical Sciences کہتے ہیں۔ انکی تحت میں یا ضی مع علم الاثقال statics منطق والہیات آجاتے ہیں۔

(۲) وہ علوم جن کا تعلق تجربہ اور مستنبط نتائج سے ہے ان کی ضمن میں پانچ اثاثی علوم ہیں۔ انکو علوم وصفی وواقعی Concrete Descriptive Sciences کہتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) علم المعاشرۃ
(۲) علم النفس
(۳) علم الحیات
ان کا تعلق حیوانات سے ہے۔

(۴) علم الطبیعیات
(۵) علم الکیمیا
ان کا تعلق محض طبیعی اصول سے ہے۔

تقسیم رائج الوقت

علوم ذہنی	عام	خاص	مخلوط	عملی
الٰہیات	علم المعاشرہ	Ethnology علم اجناس البشر	Science of Human History فن تاریخ	Politics علم السیاسۃ
		Study of Institutions علم مطالعہ جماعات انسانی		Civics علم المدن
منطق	علم النفس	Aesthetics علم ادراک حسن		Economics علم الاقتصاد
		Linguistics علم السنہ		Ethics علم الاخلاق
علم انتقال		Psycho-physics علم النفس والطبیعیات	Anthropology فن مطالعہ البشر	Education فن تعلیم و تربیت
ریاضی (ثانی)	انساب Anthology Physiology Morphology	Zoology علم الحیوان	General History of the Blosphere فن تاریخ حیات کروی	Eugenics فن اصلاح انسان و حیوانات
		Botany علم النباتات		Medecine فن طب
		Protistology علم ارضیات و تغیرات مشترکہ حیوانات و نباتات		Forestry جنگلات
	علم الطبیعیات	Astronomy علم ہیئت	فن تاریخ الارض	Navigation فن جہاز رانی
		Geodesy علم المساحۃ	علم طبقات الارض	Engineering انجینرنگ
		Meteorology علم الجو و اشغال	فن جغرافیہ	Archtechture فن التعمیر
	علم الکیمیا	Spectroscopy علم تحلیل شعاع		Agriculture فن زراعت
		Stereo-chemistry فن کیمیا یہ نظر سہ جہتہ بر روی	Oceanography علم البحر	Metalurgy علم فلزات
		Mineralogy معدنیات	تاریخ نظام شمسی	Mining فن کان کنی

* علم ساخت اعضاء حیوانات و نباتات ** علم الحیات الحیوان والنباتات *** فن تفحص اسباب و علل

تتابع عبد المنعم
۱۷
سائنس کی ہسٹری

جذبات شاد

نتیجۂ فکر حضرت شاد صوفی مدظلہ

اے جملہ حسینان برخِ پاک تو شیدا — حسنِ تو ز آئینۂ کونین ہویدا
چوں شاہدِ حسنِ تو برافگند نقابے — بر عکسِ رخ خویش شدہ والہ و شیدا
ہر لحظہ بشکلِ دگرے جلوہ نما شد — بر خود بہ پسندید ہمیں کسوتِ زیبا
از دیدۂ ما دیدِ رخ خویش بصد شوق — از حسنِ خودش ساختہ در دہر تماشا
آئینہ پئے جلوۂ خود ساخت ز احمدؐ — از پردہ بروں آمدہ و گشت ہویدا
عشاق اگر جلوۂ حسنِ تو نہ بینند — در کعبہ و بتخانہ چرا ایں ہمہ غوغا

اے شاد بخور بادہ و مستی کن و رقص
لیکن تو مکن راز بر اغیار ہویدا

میں کون ہوں اور کیا ہوں

(از جناب مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی پروفیسر کالیہ شملہ)

میں کون ہوں ؟

میں میں ہوں !

تو کیا میں محمد عبدالقدیر نہیں ہوں ؟

کس نے کہا کہ نہیں ہوں ؟

بات یہ ہے کہ جتنے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں ۔ وہ مقابل کے لحاظ سے ہیں ۔ صرف ایک لفظ "میں" ہے کہ وہ کسی کے مقابل نہیں ہے ؟

مولوی مناظر احسن صاحب کے لحاظ سے دیکھو تو محمد عبدالقدیر ہوں ۔ وہ ضیاء ہیں تو میں حسرت ہوں ۔ وہ سید ہیں تو میں شیخ ہوں ۔ وہ حسینی ہیں تو میں صدیقی ہوں ۔ وہ گیلانی ہیں تو میں حیدرآبادی ہوں ۔ وہ جوان ہیں تو میں کہل ہوں ۔ وہ شعبۂ فنون کے ہیں تو میں شعبۂ نباتیات کا ہوں ۔ وہ پروفیسر نباتیات لازم ہیں تو میں پروفیسر فقہ ہوں ۔ باوجودیکہ ہم دونوں باہم دوست ہیں ۔ عثمانیہ کالج کے ہیں ۔ ہم مذہب ہیں ، ہم مشرب ہیں ، ہم خیال ہیں ۔ اور پھر صرف چند امور کا مقابلہ کیا گیا ہے ۔ مگر کتنے جواب بدل بدلکر دئے گئے ۔

اب کسی جانور سے مقابلہ کرو تو انسان ہوں ۔ درخت سے مقابلہ کرو تو زندہ ہوں ۔ حساس ہوں پتھر سے مقابلہ کرو تو نامی ہوں ، نشو ونما پاتا ہوں ۔ فرشتہ کے مقابل جسم ہوں ، رنگ بو کے مقابل جوہر ہوں ۔ واجب سے نسبت دو تو ممکن ہوں ، رب کی طرف اضافت کرو تو عبد ہوں ۔ میں مملکت بدن کا سلطان ہوں ۔ دل میرا تخت سلطنت ہے ، دماغ میری کرسی حکومت ہے جس پر میں

دار المطالعہ ہے۔ حافظہ کتب خانہ ہے۔ خیال سیر گاہ ہے۔ متخیلہ شکار گاہ۔

اعضاء میری رعایا ہیں۔ عقل میرا صدر اعظم ہے۔ غضب صدر المہام افواج ہے۔ زبان صدر المہام سیاسیات ہے۔ ضمیر صدر المہام عدالت ہے۔ معدہ صدر المہام مالگزاری ہے۔ جگر صدر المہام خزانہ ہے۔ علم مہتمم روشنی و برقیات ہے۔ اعصاب منتظم تار برقی و ٹیلیفون ہیں۔

تقوے میرا لباس ہے۔ عفت میرا ازار ہے۔ ایمان میرا تاج ہے، صدق میرا کمر بند ہے۔ حمیت میری تلوار ہے۔ صبر میری سپر ہے۔ توکل میرا عصا ہے۔ ہمت میری بندوق ہے۔ محبت میری شراب ہے۔ اطمینان میری سہری ہے۔ جس میں لیٹا آرام لیتا ہوں۔

اُو میں! پیارے میں! طفلی میں تو میرے ساتھ تھا۔ جوانی میں تو میرے ساتھ تھا کہولت میں تو ساتھ ہے۔ پیری میں تو ساتھ رہے گا۔ دانت گر کر جدا ہو جائیں۔ ہاتھ پاؤں کٹکر علحدہ ہو جائیں۔ مگر تو جدا نہ ہوگا۔ مرنے کے بعد عمر بھر کا ساتھی تن بھی ساتھ چھوڑ دیگا۔ مگر تو کبھی ساتھ نہ چھوڑیگا۔ لڑکپن میں تو چھوٹا نہ تھا۔ جوانی میں بڑا نہ ہوا، بڑھاپا تجھے ضعیف نہ کر سکیگا۔ کیا تو حیات ہے یا علم و قدرت ہے؟ یہ تو میری صفات ہیں۔

کیا تو ارضی ہے یا سماوی۔ قوی ہے یا ضعیف، کالا ہے یا گورا۔ خوبصورت ہے یا بدشکل؟ زنجیر قیود میرے پائے فلک فرسا میں ہرگز نہیں پڑ سکتی۔ تو کہاں ہے۔ کہاں نہیں ہے۔ کب سے ہے اور کب تک رہیگا۔ کمند مکان و زمان میرے مقر عظمت کے کنگرے تک نہیں پہنچتی۔

سچ کہنا۔ آخر تو کون ہے؟ اور کیا ہے؟ میں صرف میں ہوں۔ ساحت علم الٰہی میں میرے سامنے ہویت ممکنہ کا آئینہ آگیا۔ اور میں اسکے اقتضاء کے موافق جاب سر دیا معلوم ہوتا ہوں۔ پھر ملکوت میں امر کا آئینہ سامنے آیا۔ تو میں اسکے مطابق نیرنگ بے رنگ نظر آنے لگا۔ پھر مثال میں صورت منگیر ہوگئی۔ پھر ناسوت میں وزن بار دوش ہوگیا۔ سب کچھ ہوا مگر اب بھی میں صرف میں ہوں۔

حسرت موج دریائے ارادہ ہوں میں
حیرت انگیز روانی میری

اُو - میری جان! میں!۔ میری جان کی جان! میں! میں بھی تیرے سوا کسی کو نہیں جانتا نوکر چاکر تیرے معین و مددگار ہیں۔ بیوی نے اپنی عزت و آبرو تجھ پر قربان کردی۔ اسلئے وہ مرکز محبت ہے۔ اولاد تیری جلتی پھرتی تصویر ہے۔ بدن تیرا گھوڑا ہے۔ جبھی تو میدان علم تفصیلی و شہادی میں اپنی شہ سواری دکھاتا ہے۔ دوسری اکثر چیزیں تیرے گھوڑے کی خاطر ہیں۔ غرض کہ میں جسکو چاہتا ہوں، تیرے لئے ہی چاہتا ہوں۔ تو اصل ہے، اور دوسرے فرع۔ تو مطلوب ہے اور دوسرے تیرے طفیلی۔

حسرت اسیر دام گیسوئے محبت آپ اپنا ہوں
جو خُب غیر ہے وہ بستہ زنجیر نسبت ہے

حسرت میں ہوں میں، لے پیارے میں، واہ رے میں، اللہ رے میں۔ کچھ بھی نہ ہو، پروا کیا ہے۔ تو تو ہے لے پیارے میں۔

پردۂ نسواں

ہوگئی فیشن میں حائل جو صدا منہ ڈھانپ کی — اِک یہی اکسیر میں باقی کسر ہے بھانپ کی[1]
یہ خیال خام پردے میں بیٹھیں گلعذار — چال سیدھی ہو نہیں سکتی ہے کھوسا سانپ کی
پردۂ نسواں کی نسبت شیخ کا ہے یہ خیال — مرغیاں اڑنے لگیں تو کیا ضرورت جھانپ کی
جا کے دیکھے کوئی یورپ میں کرشمے حسن کے — گڈیاں اُڑتی ہیں بن بندھے کے کیونکر کانپ کی

سودائی

[1] اگر صیاد اس جال کو بچھاتے وقت اس کے اوپر کانپ کی جھاپ بھی بچھا دیتا تو پرندے اس کو دیکھ کر ہرگز نہ پھنستے۔

نیرنگ عید الضحیٰ

از جناب مولانا حضرت نادر عیدگاہی صاحب برترمدظلہ العالی جانشین ظہیر یادگار غالبؔ

سرِ شام آسماں پر وہ چمکنا ماہ تاباں کا
وہ ہر سو غلغلہ عیش و نشاط عید قرباں کا

جہاں میں تیرگیٔ شام کا ہر سو وہ چھا جانا
وہ چہرے پر بکھر جانا کسی کی زلفِ پیچاں کا

وہ کھلنا دیدۂ انجم کا رفتہ رفتہ گردوں پر
وہ چھپ جانا ردائے شام میں مہر درخشاں کا

بسیرے کے لئے وہ طائروں کا داخل نشیمن میں
وہ رہ رہ کر چہک اٹھنا کسی مرغِ خوش الحاں کا

تجلی ریزیاں شہر کوں پہ برقی لالٹینوں کی
وہ عالم ہر مکاں میں جلوۂ شمع شبستاں کا

مسرت آمد عید الضحیٰ کی وہ ہر اک گھر میں
وہ نقشہ رات بھر آرایشِ حسنِ حسیناں کا

سراپا آئینہ گر ٹوٹ کر جلوے کا جلوے پر
وہ کھنچنا ابروؤں کا وہ بدلنا چشم فتاں کا

نگاہ ناز کی وہ برق پاشی عکس پر اپنے
وہ عالم جنبشِ مژگاں سے پیہم تیر باراں کا

حیا میں شوخیاں شوخی میں انداز حیا پنہاں
ادائے غیض میں نقشہ نوازشہائے پنہاں کا

وہ متانہ ادائیں وہ زبردستی کی انگڑائی
وہ شرما کر لگانا نامہ گوئے گریباں کا

کبھی رہ رہ کے کوشش زلف میں حلقے بنانے کی
کبھی تھم تھم کے چننا صاف پیشانی پر افشاں کا

کبھی تحریر سے مسی کی کوشش لال ڈوروں کی
بنانا وہ کبھی چھوٹا سا تل رخسارِ تاباں کا

ادا سفاک، عشوہ پرجفا، بیداد گر غمزہ
اٹھے سر کس طرح یارب شہید تیغ احساں کا

حسینوں پر ہی کیا موقوف دنیا محو حشرت ہے
لبالب ہے مئے عشرت سے دل ہر اک مسلماں کا

زمانے کا یہ عالم اور بوقو کا یہ نقشا ہے
کھلیں جبوقتاً نخلیں دامن حسرت سے منہ ڈھانکا

گلہ تقدیر کا خودداریاں کرنے نہیں دیتیں
حجاب وضع خود پر وہ بنا حال پریشاں کا

کمال فن ہے حرفِ آز سے ہر چند مستغنی
مگر مجبوریاں نقشہ بدل دیتی ہیں انساں کا

خدائی کارخانہ لاابالی کارخانہ ہے
طریقہ کچھ ہی بے ڈھنگا سا اسکے فضل و احساں کا

"بہ ناداں آنچناں روزی رساند" کہتے ہیں عدیؔ
کہ دانا دیکھ کر رہ جاتے ہیں منہ چرخ گرداں کا

معاذاللہ یہ باتیں خدا کو مان توبہ کر
بہکنا اسقدر اچھا نہیں مرد مسلماں کا

"نہیں" اور "ہاں"

از جناب مولوی علی بشیر صاحب مسلم دفتر مشی الحضرت

گو دو لفظ ہیں اور وہ بھی ایک دوسرے کی ضد، مگر خدا تعالیٰ نے جب سے زبان کو قوت گویائی عطا کی ہے اُسی وقت سے یہ بھی انسان کے تصرفات کی واقعہ خوانی کرنے کے لئے اچھا کا جامہ پہنے ہوئے عالم وجود میں آئے ہیں اور اپنے تخصیص اثرات سے بنی نوع انسان کے قلوب کو متاثر کرتے رہتے ہیں لیکن جیسے حضرت انسان کے تصرفات عام ہیں اسی طرح "نہیں" اور "ہاں" کے تحت میں بھی ہزاروں جزئیات داخل ہیں۔ اسلئے "ہاں" کا زبان سے نکلنا خصوصیت کیساتھ اُسوقت بھلا معلوم ہوتا ہے جب دلمیں "نہیں" کا کھٹکا ہو اور "نہیں" اسی وقت جذبات انسانی کو متاثر کرتی ہے جبکہ دل کسی کی زبان سے "ہاں" سننے کا آرزومند ہو۔ ورنہ یوں تو ہر شخص ایک دوسرے کیساتھ آپس میں بات چیت کہنے کے موقع پر کبھی "نہیں" اور کبھی "ہاں" کہتا اور سنتا رہتا ہے مگر اس حالت میں تخصیص الفاظ بلحاظ معنی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے ہیں اسلئے یہ ایک کان سے سنے اور دوسرے سے نکال دئے جاتے ہیں اور ان پر غور نہیں کیا جاتا۔ تاہم اس بات کے سمجھنے کے لئے کہ "ہاں" اور "نہیں" کس صورت میں مخاطب کے دل کو اپنے اچھے یا بُرے اثر سے متاثر کرتے ہیں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسانی زندگی دراصل چند حیّات کے مجموعہ کا نام ہے اس خیال کے مطابق جسم انسانی گویا ایک اقلیم ہے جس میں مملکت حیات کی فرمانروائی کا تاج عقل کے سر پر رکھا گیا ہے اور یہ انسان کی احساسی قوتوں پر جو بنزلہ اسکی رعایا کے ہیں حکمرانی کرتی ہے چنانچہ جسم کے نظام کو فطرت سلیمہ کے مطابق چلانے اور قایم رکھنے کے لئے عقل کو یہ خصلت دیا گیا ہے کہ وہ روحانی اوصاف اور نفسانی جذبات میں تقابل کے وقت روحانی اخلاق کو غالب رکھے اور رذائل نفس کو زائل کرے تاکہ فطرت الٰہی کا منشاء پورا ہو۔ اسطرح جب عقل کا کارنامہ اخلاق سے آراستہ ہوکر

جسم کی فرمانروائی ہے تو یہ اپنی رعایا یعنے حیات و جذبات کی سود و بہبود کیلئے عمدہ سے عمدہ اور بہتر سے بہتر احکام صادر کرتی ہے یعنے کبھی "نہیں" کا حکم نفس پر دباؤ ڈالکر جذبات رذائل کی روک تھام کرتا ہے اور انسان کو بُرے کاموں سے منع کرتا اور افعالِ بہیمیت سے باز رکھتا ہے۔ اور کبھی "ہاں" کا حکم اُسے اچھے کاموں میں لگاتا اور اعمال نیک کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اسکے برخلاف جب عقل جذبات نفسانی کی تابع ہو جاتی ہے تو اس صورت میں جو احکام یہ صادر کرتی ہے انکا دار مدار "نہیں" کی بجائے "ہاں" اور "ہاں" کی جگہ "نہیں" پر ہوتا ہے جس سے رذائلِ نفس کی خوب بن پڑتی ہے اور اخلاق کا زور دب جاتا ہے۔

علم النفس کے قاعدے کے مطابق اچھے اور بُرے کام کیلئے ایک مصمم ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس ارادے کے تابع "نہیں" اور "ہاں" کا رہنما لازمی ہوتا ہے چنانچہ جملہ خیر اور شر انسانی اعمال کی دو قسمیں ہیں اسیطرح ان کے علم بردار "ہاں" اور "نہیں" ہیں اسلئے جب "نہیں" اور "ہاں" عمل خیر کی ترازو میں تولے جاتے ہیں تو انکی قیمت بڑھ جاتی ہے اور جب شر کے پیمانہ میں انکا وزن کیا جاتا ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے اور دنیا انکے اثرِ بد سے پناہ مانگنے لگتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ دراصل "نہیں" اور "ہاں" کا کوئی ذاتی رنگ نہیں ہے بلکہ ان نقیض الفاظ کا عملی رنگ اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ ایک طرف تو یہ عمل خیر کے ہادی و ہمدم بنتے ہیں اور دوسری جانب "شر" کے ہمخواہ بنکر اسکا ساتھ دیتے ہیں مگر انسان کا دل باعتبار فطرت چونکہ خیر کی طرف مائل ہوتا ہے اسلئے وہ دوسروں سے بھی اپنے ذاتی معاملات میں خیر کی توقع کرتا ہے اس صورت میں اگر "نہیں" اور "ہاں" مرکز خیر سے نکلکر دل پر اثر ڈالتے ہیں تو قلب بشاش و مطمئن ہو جاتا ہے برعکس اسکے جب شر کی کمان سے "نہیں" اور "ہاں" کے تیر نکلکر انسان کے قلب کو اپنا نشانہ بناتے ہیں تو دل چھلنی ہو جاتا ہے لیکن جب تک کہ زمانہ کی پیشانی پر بیگناہوں کے خون کا داغ نہ لگا تھا اور دنیا میں بدی کا بیج نہ بویا گیا تھا اولاد آدم طہارت و اخلاق کے عالم میں مسرت عام و بیفکری مدام کی زندگی بسر کرتی تھی اسوقت تیغ زبان "نہیں"

کا زخم لگانے کی عادی نہ تھی اور جراحت دل کے اندمال کرنے کے لئے "ہاں" کی حاجت نہ پڑتی تھی ہر شخص اپنی ذات و صفات و معاملات میں نور گار رب العزت کی ادا کی ہوئی آزادی کو کام میں لاتا تھا اور بہ محاظ مساوات دوسرے بنی نوع کے ساتھ بھی مثل اپنی ذات کے برتاؤ کرتا تھا اور "نہیں" اور "ہاں" ہی اخلاقی شریعت کے عملی رنگ میں رنگے ہوئے تھے مگر اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ دنیا بڑی جگہ ہے چند روز تک تو مساوات کا یہ عالم رہا۔ لاکن آخر نسل آدم میں اختلاف کا ایک طوفان اٹھا۔ یا یوں کہو کہ خیر و شر کی کشتی بیٹھنے والے تھے اور "نہیں" اور "ہاں" انکا ساتھ دئے بغیر کیسے باز رہ سکتے تھے اسلئے انمیں ایک غیر متناہی کشمکش کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ دراصل کفر و ایمان کی جنگ تھی جسمیں خیر و شر کی سپاہ برسر مقابلہ تھی "نہیں" اور "ہاں" کے ہتھیار چل رہے تھے۔ اگر قابیل کی زبان "نہیں" نہ کہتی تو ہابیل کا بیگناہ خون زمین پر نہ بہایا جاتا اور نوح کی تعلیم کو اگر انکی قوم ٹھنڈے دل سے "ہاں" کہکر قبول کر لیتی تو طوفان نوح دنیا کو زیر و زبر نہ کر دیتا۔ اور موسیٰ کی دعوت حق کو اگر فرعون اور اسکے ہم قوم قبطی اپنی جنبش لب سے "نہیں" کہہ کر رد نہ کر دیتے تو ان کا بیڑا کبھی غرق دریا نہ ہوتا۔

اگر "نہیں" اور "ہاں" بجائے خود مہمل الفاظ ہوتے اور انکے معنی میں کوئی خاص اہمیت نہ ہوتی تو حق و باطل کے امتیاز کرنے میں یہ رخنے نہ نکالتے۔ اسطرح نہ تو حامئ حق یحییٰ نبی کا سر مدیہ بائی ظلم ہیرودس کے سامنے طشت میں کہکلایا جاتا اور نہ ابن مریم عیسیٰ صلیب پر چڑھائے جاتے۔

لیکن اپنی رائے پر اصرار کرنے اور ہٹ سے باز نہ آنے کے لئے "نہیں" اور "ہاں" سے اچھے کوئی لفظ نہیں ملسکتے۔ یہی وجہ تھی جو خانہ کعبہ کے بتوں کی پرستش کرنے والوں نے علم الٰہی کو اپنا قبلہ بنانے کی بجائے احمد مرسل سے کہ چھڑایا بدر و اُحد میں رن ڈالے۔ سر کٹوائے ابوجہل کے ساتھی ہے "نہیں" پر ایسے اڑے کہ جاء الحق کی صدا پر بھی زبان سے "ہاں" نہ نکلنا تھا نہ نکلا۔

اس جد و جہد سے منشاء الٰہی یہ تھا کہ انبیاء و مرسلین اسکے فطرتی دین کی لوگوں کو تعلیم دیں

اور ایمان کفر پر غالب آکر نبی آدم کے اخلاق درست کرے۔ اور نسل آدم "نہیں" اور "ہاں" کے قولی و فعلی رنگ سے واقف نہ ہو جائے۔ چنانچہ خدا کی وسیع زمین پر فلسفۂ الٰہی کی منادی کرنے والوں کی پاکیزہ تعلیم کا اثر جا بجا پھیلا اور سمجھنے والوں نے سمجھا کہ ایمان و اخلاق درخت زندگی کی دو شاخیں ہیں جس طرح خلوص نیت بے ریائی اور یقین سے ایمان نشو و نما پاتا ہے اسی طرح اخلاق بھی بے غرضانہ حسن سلوک سے پرورش پاتا ہے اسلئے جن کے اخلاق بڑھے ہوئے ہونگے انکی زبان سے جب لفظ "نہیں" نکلے گا تو انکی راستبازی صداقت شعاری عدل و انصاف کا پتہ دے گا اور جب وہ "ہاں" کہینگے تو اس سے انکے رحم و مروت فیاضی و سخاوت کا ثبوت ملے گا۔ اس بے غرضانہ اخلاقی جوش کا اظہار ہی اگلے زمانہ میں "نہیں" اور "ہاں" سے ہوتا تھا۔ اور لوگوں کے اخلاق و ایمان کا ثبوت بھی انہیں الفاظ سے ملتا تھا۔

البتہ زمانۂ قدیم میں تجارت پیشہ اصحاب سوداگروں، دکانداروں نے خلاف اخلاق "نہیں" اور "ہاں" کو خود غرضی و نفس پرستی کی خاطر اپنی طمع کی جیبیں پر کرنے کے لئے ہنر سمجھ رکھا تھا یہ خرید و فروخت کے موقع پر "نہیں" اور "ہاں" کے زبانی جمع و خرچ سے اپنے مال کی قدر و قیمت بڑھاتے تھے اور ان نقیض الفاظ کی الٹ پھیر سے اپنا مطلب پورا کرتے تھے۔

لیکن جب سے قوی بازوؤں کے قہر و غلبہ نے محض کمزور و ناتوان اشخاص کے دلنے اور پیسنے کے لئے سلطنتوں کی بنیادیں رکھیں اور حکومتیں قایم کرلیں تو اب "نہیں" اور "ہاں" کا یکطرفہ تو ایمان و اخلاق کے عملی رنگ میں رنگ گئے اور دوسری جانب سلطنت و حکومت کی قوت اقتدار کا ثبوت بہم پہنچانے کا بہترین ذریعہ بن گئے اسطرح اولاد آدم جو اصل خلقت سے اور اپنی ذات و منافع ذات کی مالک تھی اب انقلاب کے ہاتھوں ان میں سے کوئی حاکم اور کوئی محکوم بنگیا۔ ارباب حکومت نے جہاں اور بہت سے قوانین جاری کئے وہیں یہ دستور بھی ٹھیرا دیا کہ آئندہ سے محکوم گروہ کی قسمت کا سود و زیان نفع و نقصان جو کچھ ہو وہ اسے "نہیں" اور "ہاں" کے مقررہ پیمانوں میں ناپ تول کر دیا جائے۔ افسوس ہے کہ انسان

جسے چند روزہ عمر میں بہت سی باتیں پیش آتی رہتی ہیں اُس نے اس آئین کو بندگی و بیچارگی کے خیال سے سر پر رکھا اور احتیاج نے اس اطاعت و سر افگندی کو بھی امید کی حمایت اور بھلائی کی عنایت سے سربلندی سمجھا آخر کار جو لوگ مطلب پرست تھے وہ بادشاہ پرست و حاکم پرست بن گئے اسطرح سے ایمان میں خلل آنے لگا جبر و استبداد کی آندھیاں چلنے لگیں مختصر یہ کہ "نہیں" اور "ہاں" اندھوں بے رحم ناخدا ترس، نفس پرست اشخاص کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے چکی کے دو پاٹ ہو گئے تھے جنکے بیچ میں یہ خدا ترس، ذی اخلاق، با مروت (دوسروں کی خاطر اپنی ذات کو خطرہ میں ڈالنے والے) لوگوں کو ڈالکر بیکسی و بے بسی کی حالت میں نہایت بے رحمی کیساتھ دلتے اور پیستے تھے اگر باور نہ آئے تو سرزمین کربلا پر ایک عبرت کی نظر ڈالو امام حسینؑ کی مظلومیت پر آنسو بہاؤ اور عرب کے فرعون یزید بے حیا کے اقتدار کا اندازہ لگاؤ اور اسکی ملعونیت کو دیکھو۔

خدا معلوم ابتدائے آفرینش عالم سے "نہیں" اور "ہاں" کیا کیا حالتیں بدلتے رہے ہیں اور اس کے عملی رنگ میں کیسے کیسے انقلاب آتے رہے ہیں لیکن اہل یورپ کی ترقی اور بین الاقوامی تجارت نے جب سے زور پکڑا ہے "نہیں" اور "ہاں" کی اخلاقی شان ہی بدلگئی ہے اور اب ان نقیض الفاظ نے خود غرضی و ریاکاری کا جامہ کچھ ایسا پہن لیا ہے کہ خدا کی ساری خدائی اس اختلاقی کے باعث اپنے مطلب میں محو نظر آتی ہے کاش "نہیں" اور "ہاں" کے خود غرضانہ اثرات صرف تجارتی دنیا تک ہی محدود رہتے تو چنداں قباحت نہ تھی مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے ملک میں بیرونی تجارت کو جس حد تک فروغ ہو رہا ہے اسی تک "نہیں" اور "ہاں" کی بدولت انسان کے اخلاقی و روحانی کمال میں زوال آرہا ہے۔ کہتے تو یہ حقداروں کا حق بھی کچھ نہ کچھ زور رکھتا ہے مگر نہ اسقدر جو خود غرضی کے طوفان کا مقابلہ کر سکے اور ضعیفانِ قسمت کی امیدیں ان اشخاص کے ہاتھوں (جنہوں نے "نہیں" اور "ہاں" کی اخلاقی شان کو اپنے جھوٹے فلسفہ سے بدلکر نفس پرستی کا آلہ بنا لیا ہے) برآئیں۔

مختصر یہ کہ "نہیں" اور "ہاں" کی مختلف عملی حالتوں اور اسکے انقلابات سے جنکا تعلق زندگی کی ظاہری حد تک محدود ہو سکتا ہے ان سے آپ کسیقدر واقف ہو چکے ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ میں تحقیق کا بندہ ہوں اور تفتیش کرنا میری طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ میں "نہیں" اور "ہاں" کا خیال دل سے دور کر دوں اور اس امر کا سُراغ نہ لگاؤں کہ ان نقیض الفاظ کی یہ گرم بازاری ہر زمانے میں کیوں ہوتی رہی ہے؟ سوچا اور غور کیا تو "نہیں" اور "ہاں" نے خود نقوش کے مرحلے طے کر دئے۔ ایک غلش تھی نکل گئی۔ سچ ہے انسان کو خود اسکی ہستی نے فریب میں ڈال رکھا ہے اور اسکے ضمیر کو دنیوی اسباب نے اخلاقی عیوب سے پاک نہیں رکھا ہے اسی وجہ سے دل ہر شئے کو جیسی کہ وہ حقیقت میں ہوتی ہے اصلی حالت میں کہنے کی بجائے خیالی اور وہمی صورتوں میں کہا تا رہتا ہے "نہیں" اور "ہاں" کے شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ذاتِ مطلق جو خود حقیقت الحقائق ہے (یعنے ہر شئے کی جو حقیقت ہے وہ بذاتہ اس حکیم مطلق کی مثال ہے) اسکا خیال ان نقیض الفاظ کی تفرقہ پردازی کے باعث ہمارے دماغ سے نکل جاتا ہے اور بجز اس چیز کے جو کہ انسان نے مشاہدہ کی بنا پر یقین کیا ہے اسے اور کوئی شئے نظر نہیں آتی جو اسکے ماسوا ہو۔

اسطرح قلب انسانی ہمیشہ اپنے اکتسابی علم کی بدولت متزلزل و مضطرب رہتا ہے اور مجاز عقلت خلق آدم مصور رہتا ہے کہ حقیقی مطالب کو ذہن نشین نہیں ہونے دیتا اسلئے اگر دل کو جمعیت خاطر نصیب ہو جائے تو ہماری ہستی خود اس ہستی مطلق کی شاہد بنجائے اور یقین کہنے لگے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

لوگوں نے "نہیں" اور "ہاں" کو نہ معلوم کیا سمجھ رکھا ہے حالانکہ عدم کے مسافر کے لئے زندگی کی پرخم اور پیچ در پیچ راہوں سے گزرنے کے لئے محافظ حقیقی نے جا بجا "نہیں" کے پاسبان اور "ہاں" کے

رہنما کھڑے کر دئے ہیں قانون الٰہی اور اطاعتی شریعت جہاں کا نام امر بالمعروف (ہاں) اور نہی عن المنکر (نہیں) رکھا گیا ہے تاکہ انسان ان کی ہدایتوں کے مطابق عمل پیرا ہو کر صحیح سلامت منزل مقصود پر پہنچ جائے اور راستہ بھٹک نہ جائے۔

کہنے والے تو یہ کہتے ہیں کہ انسان اس دار الامتحان دنیا میں آزمائش کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور در اصل ہے بھی ایسا ہی اسلئے وہ مختص حقیقی ہمارا امتحان "نہیں" کی عبارتوں اور "ہاں" کی اشاروں سے لے رہا ہے پس یہی وجہ ہے جو علماء ظاہری اسکی ہستی کی حقیقت کا سُراغ "نہیں" اور "ہاں" سے لگاتے ہیں اور اس کے بالمقابل انسے ہی اپنے مطلب کی کچھ راہ پاتے ہیں بظاہر انکار معلوم ہوتا ہے کہ اگر "نہیں" سے اس ذات مطلق کے نشان کی غایت مراد لیتے ہو تو "ہاں" سے اس بے نشان کی معرفت میں عجز و حیرانی کا اقرار اور صدق دل سے لا الہ الا اللہ کا ورد کرو اس سے "نہیں" اور "ہاں" کے تمام وسوسے اور شکوک جو نفس ناطقہ کے آثار حیوانیت سے مخلوط ہو کر تمہارے دل کیلئے موجب تشویش ہو رہے ہیں رفع ہو جائیں گے۔

میں عالم تخیل میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ "نہیں" اور "ہاں" میرے لئے سبق آموز ہوئے ہیں روحانی کشش کا بھلا ہو نحن اقرب کا اشارہ ذہن نشین ہو گیا ہے میں تجھ سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ میں اپنی خودی کو مٹا دوں ہاں میری نظر میں اتنا اثر پیدا کر دے کہ جس کو دیکھوں وہ میرا "نہیں" تیرا "ہاں"

ہر ذرہ پہ فضل کبریا ہوتا ہے — اِک چشم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے
اصنام دبی زباں سے یہ کہتے ہیں — وہ ہے تو تجھ بھی خدا ہوتا ہے

اجمد

خیالاتِ اعظم

از جناب منشی یاور علی صاحب اعظم ڈرامیٹسٹ

میں تماشا ہوں جہاں سارا تماشائی ہے — کیونکہ نیو لائٹ کی میڈم مرگھر آئی ہے
ساتھ موٹر کے چلا آتا ہے بجلی بن کر — ہم تو کیا آپ کا بلڈاگ بھی شیدائی ہے
ایمیٹیشن سے تو فیشن کے ہوا یہ حاصل — ہوم نیلام ہوا قید ہیں تنہائی ہے
وائن چھوتا نہیں کسطرح پلاؤں لاکر — انکا ارجنٹ ہے آرڈر کہ گھٹا چھائی ہے
ڈوئل کی ٹرن نہ آجائے کہیں ڈرتا ہوں — آپ کی کرنل و جنرل سے شناسائی ہے
اگر بیشن میں حسینوں کے ہی میڈم بھی شریک — نئی وضع نئی طرز کی رسوائی ہے
وٹ وے کی نہ پروانہ ہی کچھ واش کی فکر — راتدن آپ ہیں اور شوق خود آرائی ہے
اسپہ طرّہ یہ ہے رس کورس کا سین ہی فرنچ — میں سمجھتا ہوں قضا میرے قریب آئی ہے
نیلی آنکھو نہیں کہاں شرم ہی شیری کا خمار — شب وصل آنکھ تمہاری نہیں شرمائی ہے
دھجیاں سوٹ کی ہوں بوٹ گلے سے بندھے — پیسہ خبار میں لکھا ہے بہار آئی ہے
قیس و فرہاد کا ہم نام کریں گے زندہ — اپنی دیوانگی بھی پیشہ آبائی ہے
میر جب ملنے گئی ہم بھی گئے ناٹک کو — وہ جو ہرجائی ہے دل اپنا بھی ہرجائی ہے
بار سے ہو گئے جب آؤٹ تو یہ بیباک آیا — کیا کریں جیب میں اک ڈپٹن اک پائی ہے

ساتھ اس مس کے جو واکنگ کو اعظم نکلا
بدگماں ہو گئی خلقت کہ یہ عیسائی ہے

اصولِ اخلاق

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو تاج نمبر (۲)

موضوع اور ظہور موضوعِ علم اخلاق

موضوع علم اخلاق انسان کے ایسے افعالِ ارادی ہیں جنکا حالتِ مصاحبت و معاملت میں شخصی، اہلی یا نوعی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ یہ اثر اگر محض بقاء زیست کے لئے ہے تو معاملت میں اور اگر زندگی کی برتری کی غرض سے ہے تو معاونت میں اس سے بحث کیجاتی ہے۔ موضوع علم اخلاق اس وقت نمایاں ہوتا ہے۔ جب افراد انسانی کی ایک جماعت راحتکیساتھ زندگی بسر کرنے اور عمر طبعی پہنچنے کی غرض سے ایک جگہ جمع ہو کر مصاحبت، معاشرت، اور معاملت میں مصروف ہو۔

کسی شخص واحد کے دماغ میں صرف عمر طبعی کو راحت کیساتھ بسر کرنے کا خیال ہوتا ہے لیکن مصاحبت اور معاملت کی حالت میں ارباب صحبت کا پاس خاطر ملحوظ ہوتا ہے، معاملات لاحق ہوتے ہیں اور بقائے کی فکر ہوتی ہے۔ اس سے شخصی آزادی محدود ہو جاتی ہے اور انسان کی جسمانی، عقلی اور اخلاقی آزادی محدود پر ان دو شرطوں کا اضافہ ہو جاتا ہے جن کو ہم کسی موقعہ پر بیان کر چکے ہیں۔ ان شرائط کے بعد علم اخلاق کا کلیہ یہ قرار پاتا ہے کہ حیات سہ گانہ کی بقاء و برتری اور اس کے رقبہ کی وسعت کی غرض سے ہر شخص کے افعالِ ارادی کو مصاحبت اور معاملت کی حالت میں اس شرط کے ساتھ کہ کمال آزادی نصیب ہو کہ وہ خود دوسروں کی آزادی میں خلل انداز ہونے پائے اور ہر شخص کو ظلمہائے خفی و جلی سے پرہیز ہو ہر شخص کے ایسے افعال ارادی جن کا اثر فاعل کی ذات پر پڑتا ہے نافع للذات ہوتے ہیں اور وہی افعال جب دوسروں کے لئے مفید ہوں نافع للغیر کہے جاتے ہیں۔ انسان راحت پسند اور صحبت پسند

دونوں ہے اور اسی سبب سے اس میں استیثار اور ایثار دونوں طبعی طور پر موجود ہیں اس سبب سے کہ استیثار اور ایثار کا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے افعال ارادی کا انحصار ہے۔ معاشرت اور معاملت میں استیثار اور ایثار ایسے شریک ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہاں اس امر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ ایثار کو ترک کر کے استیثار مفرط سے کام لیتے ہیں وہ خود ورطۂ ہلاکت میں پڑ کر قوم کا مغز خالی کر رہے ہیں۔ اسی طرح جو اشخاص استیثار معتدل پر ایثار مفرط کو ترجیح دیتے ہیں وہ بھی اپنی ذات کو کمزور کرتے ہیں۔

سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ انسان کے افعال ارادی کا اثر بقا و ترقی زیست اور اس کے رتبہ پر پڑتا ہے۔ علم الاخلاق کا موضوع بھی انسان کے افعال ارادی ہیں اس علم کی علی غرض ایسے اصول کا وضع کرنا ہے جن میں افعال ارادی سے بحث کیجائے اور اس کی عملی غرض یہ ہے کہ انسان میں ایسا ملکہ راسخہ پیدا کیا جائے جس سے معاشرت و معاملت کی حالت میں طبعی طور پر اس سے مفید افعال ارادی صادر ہوں اور برے فعلوں سے پرہیز کرنے لگے اخلاق کو یوں بیان کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس علم سے غرض یہ ہے کہ انسان کو اپنے نفس کی حقیقت کا علم ہو اور اسبات کا کہ کس فعل سے نفس کو فائدہ پہنچتا ہے اور کس سے نقصان۔ نیز یہ کہ کن افعال ارادی کی نفس کو ضرورت ہے اور اسپر کیا واجب ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ انسان کے افعال ارادی کا اثر خود اس کی ذات پر یا دوسروں پر پڑتا ہے جب افعال انسانی کا تعلق خود اس کی ذات سے ہو تو ان کا نام علم اخلاق ہوگا اور جب دوسروں سے ہو تو افعال انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے جس حصہ کا تعلق ایک مکان سے رہنے والوں سے ہوگا اسے علم خانہ داری یا تدبیر منزل کہیں گے، اور جب تعلق ایک شہر، ایک ملک یا ایک مملکت سے ہوگا تو علم مملکت داری یا سیاست مدن سے تعبیر کریں گے شخصی، اہلی اور نوعی زندگی یہی ہے۔

حکماءِ مغرب نے علم اخلاق کو تین حصوں میں تقسیم کرکے علم الاعتدال، علم العدل اور علم الاحسان نام رکھا ہے۔ انہوں نے علم الاعتدال میں انسان کے ان افعالِ ارادی سے بحث کی ہے جن کا فاعل کی زندگی پر بلاواسطہ اور دوسروں پر بالواسطہ اثر پڑتا ہے۔ علم العدل میں وہ افعالِ ارادی مع عرض بحث میں لائے گئے ہیں جو حالت معاملت میں دوسروں کی زندگی پر بلاواسطہ اور فاعل کی زندگی پر بالواسطہ اثر ڈالتے ہیں۔ علم الاحسان میں بھی وہ افعالِ ارادی زیرِ بحث آئے ہیں جو دوسروں کی زندگی پر بلاواسطہ اور فاعل کی زندگی پر بالواسطہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک ایسی کتاب جس میں مشرقی اصول اخلاق بیان کئے گئے ہوں تمام و کمال مغربی اصول کی حامل نہیں ہوسکتی لیکن وہاں کے کلیات کا مختصر بیان کرنا ضروری ہے

علم الاعتدال (۱) انسان کی تندرستی کیلئے صاف ہوا، خالص پانی، اور طعام جلد ہضم غذا ضروری ہے

(۲) مکان، لباس، اور وضع کے باب میں انسان کو بہ نسبت زینت کے فائدہ کا خیال رہے۔ عورتوں کو زیور کی چنداں ضرورت نہیں۔

(۳) انسان کی زندگی رذائل سے پاک اور فضائل سے پر ہو۔ اس غرض کے حاصل کرنے کیلئے ان علوم کا اکتساب مستحسن ہے جو تقاویت اور اس کی برتری کے لئے ضروری اور قوائے ظاہری و باطنی کی ترتیب و اصلاح کے لئے لازمی ہوں۔

(۴) اچھی بی بی کے بغیر ازدواجی زندگی کا کوئی وجود نہیں۔ پس انسان وقت پر عاقلہ عالمہ اور عاملہ عورت کے ساتھ شادی کرے اور دونوں فرائض معاشرت کو کامل طور پر ادا کرتے رہیں بقاءِ نوعی کے لئے اولاد کی تعلیم والدین پر فرض عین ہے

علم العدل (۱) انسان کو ایسا کام نہ کرنا چاہئے جس سے دوسرے شخص کو روحانی یا جسمانی صدمہ پہنچے

(۲) انسان کو دوسرے کی نقل و حرکت اور اس کی آزادی میں خلل نہ ڈالنا چاہئے

(۳) انسان کو آب و ہوا روشنی اور دوسرے وسائل فطریہ کے حاصل کرنے میں کسی قسم کا خلل نہ ڈالنا چاہئے

(۴) انسانیت سے بعید ہے کہ کوئی شخص کسی کی منقولہ یا غیر منقولہ ملکیت پر اس کی رضامندی کے بغیر قابض و متصرف ہو۔

(۵) ہر شخص کو اس امر کی آزادی ہو کہ اپنے مال کے عوض جو طریق مناسب سمجھے کوئی شے حاصل کرے

(۶) ہر ایسے پیشہ اور ہنر کے حاصل کرنے میں انسان کو آزادی تامہ حاصل ہو جو اسے مفید معلوم ہو اور اس کے ساتھ زندگی بسر کرسکے (ہم اس شرط پر احکام مذہب کی رعایت کی جائے)

(۷) ہر شخص کو یہ آزادی ہو کہ اس کے اور خدا کے درمیان جس قسم کا تعلق ہے اور جو عقیدہ اسکے نزدیک صحیح ہے اس کے اختیار کرنے کا مجاز ہو۔

(۸) اس شرط کے ساتھ کہ دوسروں کی دل آزاری نہ ہو ہر شخص کو تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا حق ہو۔

(۹) عمر طبعی پر پہنچنے اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی غرض سے جن افعال کا مرد کو حق ہے عورتوں کو بھی حاصل ہو۔

(۱۰) والدین اولاد کے لئے ایسے اسباب فراہم کریں جن سے اس کے زندہ رہنے والے ممتاز کیلئے ضروری ہوں اور اس کو قوم کا مفید فرد بنائیں اسطرح اولاد پر واجب ہے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل کی غرض سے والدین پر اتنا بار نہ ڈالے کہ وقت سے پہلے انکی موت کا پیام ہو

(۱۱) آزادی محدود کیساتھ تمام افراد ملک کے حقوق مساوات حاصل ہوں۔

علم الاحسان

(۱) احسان سبلی کا تقاضا یہ ہے کہ کثرت سرمایہ یا وفور استعداد کے باعث آزاد کمزوروں سے مقابلہ نہ کیا جائے اور نہ اپنی اور اپنے متعلقین کی بہبودی کی خاطر بنی نوع کی بہبودی کو فراموش کر دیا جائے۔

(۲) ایسے اسباب کے پیدا ہونے پر جو معاہدہ کرنیوالوں میں سے کسی ایک فریق کے علم و اختیار سے

باہر ہوں اور وہ تکمیل معاہدہ سے فی الواقع معذور ہو جائے تو فریق ثانی پر لازم ہے کہ جو فائدہ اُسے حاصل ہوتا ہو اس سے دست بردار ہو جائے۔

(۳) نااہل کی مداخلت سے دفع کرنے کے برابر ہے۔

(۴) جب کسی مجلس میں ایسے لوگ جمع ہوں جنکی استعداد علمی و عملی میں فرق ہو تو صاحب کمال کی فضیلت کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ اپنی برتری کا اظہار کرکے دوسروں کی دل آزاری نہ کریں۔ اس قسم کے ناشائستہ تفاخر سے معاشرت متعدلہ میں فرق آتا ہے۔

(۵) انتقام سے بعید ہو کہ نسبتاً ہلکے گناہ کو گناہ کبیرہ کے اگر ادائے حق کی حاجت ہو تو بھی زیردستی کی دلآزاری نہ ہونے اور صدر اسطح اور اسے موقعہ کیجائے کہ زیردست مذنب اس فعل سے احتراز کرے اور اسکے نہ ہونے کی اصلاح ہو جائے

(۶) نکوکار کے اعمال کی تعریف اعتدال کیساتھ کیجائے اور اسپر حاشیے نہ چڑھائے جائیں کیونکہ خلاف واقعہ تعریف سے حق پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

(۷) مرد کا فرض ہے کہ عورت (بی بی) کی تمام فطرتی و عشرتی مشکلات میں اس کی امداد کرے اور جو کام اُس کے امکان میں ہو اس سے انکار نہ کرے۔ اسی طرح عورت کو بھی غیر مناسب ایثار سے پرہیز کرکے شوہر کی زندگی اور اسکے آرام کی خیر منانی چاہیئے۔ ان اغراض کی تکمیل میں جو کوشش اسکے امکان میں ہو اُس سے مضائقہ نہ کیجائے

(۸) ولادت کے بعد اولاد کی پرورش و تعلیم و تربیت والدین کے ذمہ ہوتی ہے لیکن فرط محبت سے اولاد کو اس قدر ناز پروردہ نہ بنا دیا جائے کہ اس کا شمار اوم کے افراد ناقصہ میں ہونے لگے۔

(۹) گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہو جائے یا اسپر کوئی مصیبت نازل ہو تو اسکا علاج و مداوا کرنا باقی لوگوں کا فرض ہے۔ تاکہ وہ پھر کام کرنے کے قابل ہو جائے لیکن بعض اور

آفت رسیدہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خاندان بھر کو اپنی ناز برداری پر مجبور کرکے دوسروں کی دولت، قوت اور وقت کو برباد کرے۔

(۱۰) اگر کوئی شخص کسی کمزور پر کسی قسم کا ظلم کرے تو مظلوم کی حمایت کیجائے اس اثر کے پیدا ہونے کے بغیر قوم کی حالت درست ہونا محال ہے۔

(۱۱) ایسے متعین کی مالی امداد کیجائے جن کا وجود قوم اور نوع انسانی کے لئے مفید ہو اور قرض بھی ایسے ہی لوگوں کو دیا جائے جو مفید کاموں میں صرف کرتے ہوں۔

(۱۲) خیرات جو احسان بتوتی کی ایک قسم ہے شخصی فعل کہی جاسکتی ہے یہ ایسے لوگوں کیساتھ کیجائے جو غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے اس کے محتاج ہوں اور اس کے ذریعہ سے قوم کے مفید افراد میں شمار کئے جانے کے خواہاں ہوں۔

(۱۳) ہر فرد معاشر پر اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ معاشرت میں فرحت کا مجموعہ اذیت کے مجموعہ سے زیادہ ہو۔ لیکن اس کو کوشش میں اسقدر مستغرق نہ ہو جانا چاہئے کہ رذالت کی کثرت ہو جائے۔

(۱۴) احتیاط سیاسی کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص راست گفتار اور راست کردار ہو اور فرقۂ حاکمہ کی راست کاری پر نگاہ رکھے۔ سید منظر علی اشہر

چند پند

زندگی وہ ہے جو صدق و راستی میں کٹ گئی — ہے غنیمت وہ گھڑی جو بندگی میں کٹ گئی
غور کر کیا فائدہ ہے ظلم و نخوت میں ذرا — سوچ غافل عمر سب تیری اسی میں کٹ گئی
دن وہی ہے جس میں خالق کی عبادت ہو مدام — رات وہ ہے رات جو نعت نبی میں کٹ گئی
کیا عبادت وقت پیری میں ہو ہم سے اے عزیز — حیف ساری عمر اپنی کاہلی میں کٹ گئی

سید عبدالعزیز عزیز نظامی

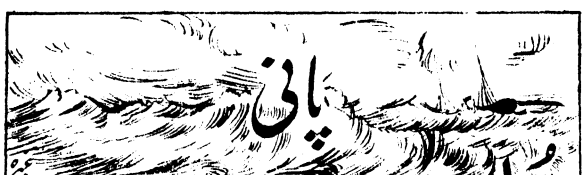

محلول

بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اگر پانی میں ڈالی جائیں تو گھل جاتی ہیں مثلاً شکر، نمک، سوڈا، سب کا سب، وہ اسمیں گھل جاتا ہے۔ پانی کو چکھکر دیکھتے ہیں تو اسکا ذائقہ شورہ کا سا معلوم ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ پانی کو چھولینے سے شورہ کے وجود پر تقسیم کا عمل جاری ہوجاتا ہے جسکی بنا پر اسکے اجزا اتنے چھوٹے ہوجاتے ہیں کہ نظر نہیں آسکتے شورہ جو نظر سے غائب ہوگیا وہ گیا کہاں؟ بہرصورت وہ پانی میں ہی موجود ہے اس سے باہر تو جا نہیں سکتا اگر یہ پانی میں نہ رہتا ہوتا تو پھر اس صورت میں پانی کا مزا شورہ کا سا ہرگز نہ ہوتا۔ جب یہ پانی ہی کے وجود میں موجود ہے تو پھر کس جگہ اور کہاں ہوگا؟ اسکے امتحان کے لئے ہم پانی کے تھوڑے تھوڑے حصے کو چکھکر دیکھ سکتے ہیں کہ آیا اسکے ہر حصہ کا ذائقہ ایسا ہی ہے یا صرف کسی ایک طرف کے حصہ کا ذائقہ شورہ کے مثل ہے۔ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ہر مقام کا حصہ شورہ سے متاثر ہوگیا اور شورے کا وجود تمام مائع میں یکساں ہے۔

شورہ ایک ایسی چیز ہے جو حجم بالحجم پانی کے مقابلہ میں بھاری ہے اسلئے اس کے سالمات کا یہ تقاضا ہونا چاہئے تھا کہ نیچے رہے۔ کیونکہ قوت جاذبہ کے اثر سے بھاری چیز ہمیشہ نیچے رہتی ہے اور ہلکی اوپر لیکن ہم کو شورہ کے اجزاء پانی کے اندر اس مقام پر بھی ملتے ہیں جو سطح پر ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ اوپر کیسے اٹھ گئے۔ پانی سے بھاری ہونے کی وجہ سے تو انکو نیچے رہنا چاہئے تھا۔

ہم جانتے ہیں کہ مادہ کے سالمات ہر وقت متحرک رہتے ہیں اسلئے اس بنا پر شورہ کے ذرات کو بھی حرکت میں رہنا چاہئے۔ شورہ پانی کو چھو کر سالمات کی حد تک تقسیم ہوجاتا ہے اور ان سالمات کی

حرکت کے لئے بھی وہی آسانی ہوتی ہے جو آسانی پانی کے آزاد سالمات کو حاصل ہے۔ جب کوئی چیز زمین کی مقابل سمت میں حرکت کرتی ہے تو ضرور ہے کہ اسکی اس حرکت کی قوت جاذبہ زمین کی قوت پر غالب رہتی ہو ورنہ اس جسم میں ہرگز حرکت پیدا نہیں ہو سکتی تو اسی طرح سے اسوقت بھی شوریدگی تحرک سالمات کی قوت حرکت جاذبہ زمین کی قوت پر غالب ہے جسکی وجہ سے وہ حرکت میں ہیں۔ انکی حرکت ایک ہی سمت میں نہیں ہوتی چونکہ ان کو پانی کے سالمات میں سے گذرنا ہوتا ہے اسلئے جس وضع کے پانی کے سالمات ہونگے اسی وضع کی انکی حرکت بھی ہوگی اسطور پر پانی کے تمام وجود میں شورے کے تمام سالمات پھیل جاتے ہیں دوران حرکت میں ان سالمات کے مابین ایک چپقلش سی پیدا ہوتی ہے جسکی وجہ سے یہ ایک دوسرے سے ٹکراتے بھی جاتے ہیں اور ٹکرا کر سمت حرکت بدل لیتے ہیں پس جب کوئی اسطرح کی چیز یعنے شورہ، شکر وغیرہ جب کسی مائع پانی وغیرہ میں ڈالنے سے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ اس مائع میں حل ہو گئے ہیں۔

حل ہونے کی خاصیت اسی پر منحصر نہیں کہ صرف ایک ٹھوس چیز ایک مائع چیز میں حل ہو جائے بلکہ مائع، مائع میں اور گیس مائع میں بھی حل ہو سکتے ہیں اور بعض ٹھوس اجسام تو ایسے بھی ہیں جو گیس کے اندر حل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کافور کی گولی تھوڑے ہی عرصہ میں اگر ہوا میں رکھی رہے تو نظر سے غائب ہو جاتی ہے ہمارے روزمرہ کے مشاہدے اسبات کے شاہد ہیں کہ مائع ٹھوس میں بھی حل ہو جاتے ہیں مثلاً جاذب اور روشنائی وغیرہ اور اسیطرح جب مصری کی ڈلی پانی کو چھوتی ہے تو اسکے سالمات میں کسیقدر پانی چڑھ آتا ہے چنانچہ ٹھوس اجسام میں بھی گیسیں حل ہو جاتی ہیں مثلاً کوئلہ پانی میں نہیں ڈوبتا لیکن جب گرم کیا جاتا ہے تو فوراً ڈوب جاتا ہے ہمنے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا ہے کہ ایک ٹھوس چیز دوسری ٹھوس چیز میں بھی حل ہو جایا کرتی ہے مثلاً سونا اور سیسہ جب ایک دوسرے کو چھوتے ہیں تو کسی قدر زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد نظر آتا ہے کہ سیسہ سونے میں حل ہو گیا ہے۔ مادہ کا اسطرح تقسیم ہو جانا حل کہلاتا ہے

جسمیں ایک مادہ دوسرے میں گھل جاتا ہے اب یہ حل ہونے کی خاصیت کسی مادہ میں زیادہ پائی جاتی ہو اور کسی میں کم اسکو قابلیت حل کہتے ہیں جو چیز کہ حل ہوتی ہے اسکو منحل کہتے ہیں اور جسمیں وہ چیز ملنے سے حل ہوتی ہے اسکو محل کہتے ہیں اور کسی منحل کے کسی محل میں حل ہوتے سے جو چیز تیار ہوتی ہے اسکو محلول کہتے ہیں۔

جب کسی ٹھوس چیز کو کسی مائع چیز میں حل کرتے ہیں یعنے جب شورہ پانی میں حل کیا جاتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ تھوڑے سے پانی میں ہم جسقدر شورہ چاہیں حل کرلیں یا یہ کہ اسکی کوئی حد بھی ہے اس بات کو سمجھنے کے لئے ضرور ہے کہ کسی ایک چیز کی مقدار کو مستقل کرلیا جائے اور دوسری چیز کی مقدار کو بدلتے جائیں اور پھر دیکھا جائے کہ اسکی مقدار کیلئے کوئی حد ہے کہ نہیں؟

تھوڑا سا شورہ لیکر دیکھئے کہ یہ پانی میں کس حد تک حل ہو سکتا ہے ایک گلاس میں پانی لیجئے اور یاد رہے کہ محل کی مقدار اس صورت میں مستقل ہے اور منحل کی مقدار میں اضافہ کرتے جاتے ہیں شورہ کی کچھ مقدار پانی میں ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ حل ہو جاتی ہے یا کچھ باقی بھی رہتی ہے۔ اگر شورہ کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اب پانی میں اس سے زیادہ شورہ کی مقدار سما نہیں سکتی اور اگر سب کا سب شورہ حل ہو گیا ہے تو ہم اسوقت یہ نہیں کہہ سکتے کہ پانی جتنے شورے کو اپنے اندر لے سکتا تھا اتنا لے چکا اب اور مزید نہیں لے سکتا۔ بہرکیف اسمیں شورہ کی کچھ اور مقدار شریک کرتے جائیے اور کچھ انتظار بھی کرتے جائیے ..... اور گلاس کو

اس دوران میں تکا ہی رہئے اور کافی وقت تک تجربہ کیجئے پھر دیکھئے اگر شورہ کلیتہً حل ہو گیا ہے تو پھر کچھ اور اضافہ کیجئے اب اگر زیادہ عرصہ تک ٹھیرنے کے بعد بھی ہم دیکھیں کہ شورہ کا کچھ حصہ بچ گیا ہے اور جسقدر مقدار شورہ کی پانی اپنے اندر لے سکتا تھا اسقدر لے چکا ہے اب اور زیادہ نہیں لے سکتا تو اس سے ذیل کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے ؎

روزمرہ کے عام مشاہدے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ مائع کو گرم کرنا حل کو اور وسعت دیتا ہے

اس آمیزہ کو بھی گرم کیجئے اور دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے جب محلول گرم ہوتا ہے تو اسکے اندر منحل کی اور مزید مقدار سما جاتی ہے۔ اس مقام پر یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی محلل کے اندر منحل کی مقدار نہیں سما سکتی تو اسوقت ہم کہتے ہیں کہ محلل سیر ہوگیا ہے اور اس آمیزہ کو سیر شدہ محلول کہتے ہیں۔ یعنے محلل منحل سے سیر ہوگیا ہے لیکن گرم کرنے سے منحل کی زیادہ مقدار اسمیں سما سکتی ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محلل کا سیر ہوجانا تپش پر بھی منحصر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ منحل کی ایک معین مقدار سے ہم اس محلل کو سیر کر دیتے ہیں اسکے لئے تپش کی بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اپنے کلام کو مفید تام بنانے کے لئے ہم کو کہنا چاہیئے کہ کس تپش پر محلول سیر ہوگیا ہے جسکی وجہ سے مطلبکل مل طور پر ظاہر ہوجائے اگر تپش کا ذکر نہ کیا تو اس سے یہ مراد ہوگی کہ وہ محلول معمولی ہوا کی تپش پر سیر ہوگیا ہے اور یہ ہم اسوقت کہہ سکتے ہیں جب منحل کا محلل میں حل ہونے کے بعد کچھ حصہ بچگیا ہو۔

جب مصری کی ڈلی پانی کے گلاس میں رکھی ہوئی ہوتی ہے تو اسکے سالمات حرکت کی بدولت تمام مائع میں دورہ کرتے رہتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرائے بھی جاتے ہیں اسمیں جب اسقدر چھلش ہو تو ممکن ہے کہ کچھ سالمات وہاں ہی پہنچ جاتے ہوں جہاں مصری کی ڈلی رکھی ہے یہ لوٹ کر آنے والے سالمات مصری کی ڈلی کی سطح کے قریب ہوتے ہیں تو باہم متجانس ہونیکی وجہ سے قوت اتصال کی بدولت ان میں کے کچھ سالمات پھر مصری کی ڈلی سے بھی چپٹ جائینگے لیکن اسقدر چھوٹ کر جانیوالے سالمات کی تعداد لوٹ کر آنیوالے سالمات کی تعداد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے جیسے مصری کی مقدار میں کمی واقع ہوتی جائے گی ویسے ویسے لوٹ کر مصری کی طرف آنے والے سالمات کی تعداد بھی کم ہوتی جائیگی۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے تو مصری جلد جلد گھل جاتی ہے اور بعد میں سستی کیساتھ اسکا عمل ہوتا ہے اور سب کی سب حل ہونے کے بعد قریب ہو تو ان سالمات کی حرکت بہت ہی سست ہوجاتی ہے۔ اب یہ کہنا چاہیئے کہ محلول کو سیر شدہ کس حالت میں کہتے ہیں اس موقع

جبکہ چھوٹنے والے سالمات کی تعداد آنے والے سالمات کے مساوی ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ محلول سیر ہوگیا ہے۔ اگر اسوقت اسکو گرم کرینگے تو اسکا تحرک اور بڑھ جائیگا یعنے سالمات کی حرکت اور تیز ہوجائیگی اور زیادہ تعداد میں سالمات ڈنڈی سے چھوٹ چھوٹ کر جائیں گے۔ اگرچہ اسوقت ٹوٹ کر آنے والے سالمات کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن چونکہ انمیں حرکت بہت تیزی سے ہوتی ہے اسلئے مصری کی ڈلی کی قوت اتصال ان سالمات کی قوت حرکت پر غالب نہیں آسکتی اسلئے وہ سب کے سب سالمات ٹوٹکر اس ڈلی کے ساتھ نہیں چمٹ سکتے بلکہ زور کے ساتھ اس سے ٹکرا کر دوسری جانب نکل جاتے ہیں۔

محلول کو سیر کرنیکی دوسری صورت یہ ہوگی کہ منحل کی مقدار کو تو مستقل رکھیں اور محلل کی تعداد کو زیادہ کرتے جائیں اس سے اثبات کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ اسوقت ہمارا محلول سیر ہوگیا ہے۔

اسکی تیسری صورت یہ ہے کہ تپش کو بڑھاتے جائیں یہانتک کہ محلول اچھی طرح سیر ہوجائے یہ تیسری حالت میں محلل کے نیچے تھوڑا سا منحل بچ رہیگا اس بچے ہوئے منحل کو مقطر کرکے فوراً محلول سے جدا کرسکتے ہیں۔ جب یہ سیر شدہ محلول ٹھنڈا ہوجائیگا تو تپش کے گھٹنے کی وجہ سے منحل کی کچھ مقدار اسکے وجود سے جدا ہوجاتی ہے اور بحکم عموم یہ ذرات ایک دوسرے کے ساتھ چمٹتے جاتے ہیں اور چمٹکر ایک خاص شکل اختیار کرتے جاتے ہیں انکی یہ شکل ہر حالت میں باقاعدہ اور ہندسی شکل پر محمول ہوتی ہے اور ایک ہی جنس کے سب ٹکڑوں کی ایک ہی شکل ہوتی ہے دوسرے الفاظ میں اسکی اسطرح تعریف ہوگی کہ جب منحل کی زاید مقدار سیر شدہ محلول سے جدا ہوتی ہے تو اس منحل کے سالمات باقاعدہ ہندسی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں ان ٹکڑوں کو کیمیا کی زبان میں قلم کہتے ہیں مختلف چیزوں کے قلموں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں لیکن سب کی سب باقاعدہ ہندسی ہوتی ہیں۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ مختلف نوعیتوں کی چیزوں کی قلمیں ایک ہی قسم کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ قلموں کے بنانے کے عمل کو قلمانا کہتے ہیں اور جو چیز قلموں کی شکل پر ہوگی اسکو قلمی یا قلمدار کہیں گے۔

قلموں کے بننے کا عمل اسطرح ہوتا ہے کہ ذرات ایک دوسرے کیساتھ خاص اندازسے چپٹتے جاتے ہیں اگر محلول کو جلدی جلدی ٹھنڈا کرتے ہیں تو یہ ذرات بھی ایک دوسرے کے ساتھ جلدی جلدی چپٹتے جاتے ہیں انکے جلدی جلدی ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کی وجہ سے جو قلمیں بنتی جاتی ہیں چونکہ یہ بنی اکٹھی بنتی ہیں اسلئے ضرور ہے کہ بہت چھوٹی چھوٹی بنتی ہوں اور اگر محلول آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو رہا ہے تو اس وقت جو قلمیں بنیں گی وہ بڑی بڑی ہونگی بڑی قلموں کو دیکھکر ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ انکی ہندسی شکل اسطرح کی ہے لیکن چھوٹے چھوٹے قلموں کی شکل کا اظہار کیقدر مشکل کام ہے۔

قلمانہ کے وقت جب بڑی بڑی قلمیں بنتی ہیں تو منحل کے سالمات چوطرف سے آآکر ایک دوسرے سے چپٹتے جاتے ہیں اغلب ہے کہ انکی لپیٹ میں کسی غیر چیز کے سالمات بھی آجاتے ہوں اور چھوٹی قلمیں چونکہ بہت تیزی کیساتھ بنتی ہیں اسلئے انکے ساتھ کوئی غیر جنس کی چیز نہیں ملنے پاتی پس اس لحاظ سے ہم چھوٹی قلموں کو خالص اور بڑوں کو غیر خالص کہتے ہیں۔

جب نمکوں کو قلمانہ کے عمل کے ذریعہ محلول سے جدا کیا جاتا ہے تو اس دوران میں منحل کے ذرات جب چوطرف سے آآکر ایک دوسرے سے ملتے اور قلموں کی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں تو انکے ساتھ پانی کے بھی کچھ ذرات ان قلموں کی ساخت میں انکے شریک بنجاتے ہیں مثلاً قلمدار سوڈیم کاربنیٹ کا ضابطہ $Na_2CO_3 10\,H_2O$ ہے اور بوراکس کا $Na_2B_4O_7 10\,H_2O$ اسیطرح سے کاپر سلفیٹ (نیلے توتے کا) $CuSO_4 5H_2O$ اس پانی کو جو اسطور پر قلمدار چیزوں کے سالمات کیساتھ موجود ہوتا ہے قلماؤ کا پانی کہتے ہیں اور یہ پانی ہر قلمدار چیز میں ضرور موجود ہوتا رہتا ہے جب کاپر سلفیٹ کو گرم کرتے ہیں تو یہ اپنا قلماؤ کا پانی کھو دیتا ہے اور اسکے ساتھ اس کب کا نیلا رنگ جاتا رہتا ہے اور اس کے بعد یہ ایک سفید رنگ کے سفوف کی شکل میں آجاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلماؤ کے پانی کے نکلنے کیساتھ اس قلم کا رنگ اور اسکی شکل بھی بدلجاتی ہے۔

نمک اپنے قلماؤ کے پانی کو اسوقت تک نہیں چھوڑتے جب تک کہ یہ ۱۰۰° سی تک گرم کئے جائیں اور ان میں سے بعض کا تو یہ حال ہے کہ انسے انکا قلماؤ کا پانی اسوقت تک نہیں چھوٹتا جب تک کہ خود نہ ٹوٹ جائیں۔ بعض نمکوں کا یہ حال ہے کہ انکے قلموں میں اسقدر قلماؤ کا پانی ہوتا ہے کہ گرم کرنے پر یہ نمک اپنے قلماؤ کے پانی ہی میں حل ہو جاتے ہیں چنانچہ جب قلمدار سوڈیم کاربنیٹ کو گرم کیا جاتا ہے تو وہ فوراً مائع کی حالت اختیار کر لیتا ہے حقیقت میں یہ اس نمک کی اماعت نہیں بلکہ یہ نمک اپنے ہی قلماؤ کے پانی میں حل ہو کر محلول کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ زیادہ گرم کرنے پر یہ پانی خارج ہو جاتا ہے اور ٹھوس سوڈیم کاربنیٹ سفل کے طور پر باقی رہ جاتا ہے جو اسوقت تک مائع کی حالت اختیار نہیں کرتا جب تک کہ اسکو سرخ چمکدار حرارت تک گرم نہ کیا جائے۔

مختلف قسم کی قلموں میں قلماؤ کے پانی کی مقدار مختلف ہوتی ہے اور یہ مقدار اس چیز کی اس پیش پر منحصر ہوتی ہے جو قلماؤ کے وقت ہوتی ہے مثلاً سوڈیم کاربنیٹ کی عام طور پر جو قلمیں بنتی ہیں وہ اسطرح کی ہوتی ہیں $Na_2C_3 10H_2O$ اور ۵۰° سی کی تپش کے قریب انکا یہ حال ہوتا ہے $Na_2C_3 7H_2O$ اسیطرح سے ۱۰۰° سی پر $Na_2C_3 H_2O$ کی صورت کے ہوتے ہیں یہی حال ہے سے اور دوسرے نمکوں کا ہے

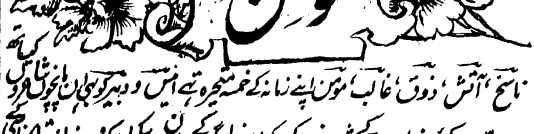

مرغوث الدین علی

ناسخ، آتش، ذوق، غالب، مومن اپنے زمانہ کے خمسہ متحیرہ تھے انیس و دبیر کو بھی ان پانچوں شاعروں میں شامل کر لیجئے تو سبعہ سیارہ کہئے۔ زبان اردو کے شعرا نے جو کچھ سیکھا انہیں لوگوں سے سیکھا ایک زمانہ تھا کہ فارسی کے دیوانوں سے طرز سخن کو اخذ کرکے اوسے اردو کا جامہ پہناتے تھے۔ ان لوگوں نے فارسی سے مستغنی کر دیا اور انہیں کے کلیات سے طرز تخیل کو سیکھا کرتے ہیں اور فارسی کو قطعاً خیرباد کہہ چکے۔ انہیں شعرا میں میر و سودا و درد بلند

پایہ رکھتے ہیں مگر ان کی زبان اب نہیں باقی رہی دو سو برس اودھ کی اردو ہی لامحالہ زبان بگھیہ کرنے متاخرین کے کلام کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

حکیم مومن خاں مرحوم کا دیوان منشی نولکشور کا چھاپا ہوا ایک مطالعہ میں ہے میں نے اس سے خط و افر حاصل کیا۔ چند اشعار جو میری سمجھ میں نہیں آتے پیش کرتا ہوں کہ ناظرین تاج طبع آزمائی کر کے اس سعی ناکسوں سے مجھے اور اہل ذوق کو ممنون فرمائیں۔

(۱) لذت جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی کیا اثر منتظر دعوت فرہاد رہا

اگر فرہاد کو سہو کا تب سمجھیں اور فرہاد پڑھیں تو معنی کچھ بن جاتے ہیں۔

(۲) ذکر اغیار سے ہوا معلوم صرف ناصح بُرا نہیں ہوتا

کیا ناصح نے اغیار کا ذکر بہتر کیا؟ یا اغیار نے کچھ ذکر کیا؟ یہ مہمل نہیں ہوتا۔

(۳) رحم پر خصم جاں غیر نہ ہو سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا

کیا غیر نے رحم کھایا ہے؟ اور پھر اس میں لطف کیا ہے؟

(۴) تجھے کوسنے یا گالی طعنوں کا جواب آخر لب تک غم غیر آتا گر دل میں بھر تو ہوتا

طعنے کس نے دیئے اور کس کو دیئے؟

(۵) ہے صلح عدو بے حظ تہی جنگ غلط بھی جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا

یہاں مرنے سے مرجانا مراد ہے یا عاشق ہونا مقصود ہے؟ بہرحال معنے نہیں بن پڑتے۔

(۶) روز جزا کیوں کیا خون کا میرے اتہام مہر عدو بگمان تجھکو مقیں ہے ہنوز

خون کا اتہام کس نے کیا اور کیسے؟ اتنا معلوم ہو جائے تو پھر شاید معنے نکل آئیں۔

(۷) گر نگاہ ناز کو شوق ستم منظور ہے دشمن اپنی نرگس تربت فلک کو کیوں کریں

اس شعر کے معنی ذہن سے بہت ہی دور ہیں۔

(۸) تھا بہت شوق وصل تو نے تو کی نہ اے من تا بگاہ کی

خدا جانے تا بگاہ سے کیا مراد ہے؟

(۹) نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لئے عبث میں خاک ہوا میل آسماں کے لئے

میل آسمان کا سرمہ شاید خاک ہو گئی ہے یا کچھ اور مقصود ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا ۴۳

دنیا

نوشتۂ ناظم الاطفال عالیجناب مولانا مولوی سید غلام مصطفےٰ صاحب ظلہٗ

دنیا میں دینا سب کو نہیں آتا اور پوری طرح دینا تو سوا خدا کے کسی بندۂ خدا سے ممکن ہی نہیں خدا کی دین کا شکر کس سے ادا ہو سکتا ہے کہ اس نے جان دی، عقل دی، نطق دیا، زبان دی، آنکھ، ناک، کان، دیئے۔ ہاتھ پاؤں دیئے، حواس عشرہ ظاہری دیئے۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ ان میں سے ایک نعمت بھی ایک انسان دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ جان سی چیز بجز جان آفریں کے کون دے سکتا ہے۔ اصلی آنکھ، ناک بنانا درکنار ہو سکتا ہے مصنوعی آنکھ، ناک، کوئی بنائے تو قوت باصرہ و شامہ کہاں سے لائے۔ وہ انسان ہی بدبخت ہے جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے جائز اور شایان شان انسانی حظ نہ اٹھائے اور اس کی شکر گزاری میں طب اللسان نہ ہو اگرچہ اسکی نعمتوں کا شکر پوری طرح ادا ہو ہی نہیں سکتا ؎

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لینا آسان ہے، اور دینا بہت مشکل ہے۔ لین دین کی صورت جدا گانہ ہے کہ ایک دوسرے کو اسے گریز نہیں مگر راہِ خدا میں دینا (جس کے مترادف سخا وجود و ایثار ہیں) آسان بات نہیں اسی طرح مفت ہوئی چیز کا نہ لینا بھی بڑے آن بان کی بات ہے۔ اوذری نے کیا خوب کہا ہے ؎

قوتِ دادن اگر نیست مرا بکے نیست طاقت ناستدن ہست و للہ الحمد

ابتغاءً لمرضاۃ اللہ کسی کو تھوڑا سا دینے کا نام سخا ہے، بہت دینے کو جود کہتے ہیں اور سب کا سب دیدینے اور اپنے لئے کچھ نہ بچا رکھنے کو ایثار کہا جاتا ہے۔

تیسری حالت محال نہیں مگر نہایت مشکل ہے، محال ہوتی تو کوئی انسان ایثار نہ کر سکتا لیکن دنیا میں بہت سے لوگ ایثار کر کے اس کی مثال قائم کر چکے ہیں انصار میں ایثار کا خاص وصف تھا کہ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ اُن کی تعریف فرماتا ہے اور انبیا۔ خلفاء و آئمہ سے بہت سے نفوس کریہ اس صفت سے متصف ہیں

چنانچہ تاریخیں اس کی شاہد ہیں افسوس ہے کہ اس زمانہ میں کوئی صاحب ایثار نظر نہیں آتا اور سخاوجود کے اہل بھی شاذ و نادر ہیں۔

معن، جعفر، فضل، حاتم، یہ آسمان سخاوت کے چار چاند تھے ان میں سے حاتم نے وہ شہرت حاصل کی کہ آجتک ایثار و سخا میں اسکی نظیر دیجاتی ہے۔ معن و جعفر و فضل نے دیا اور بہت دیا ان کا نام جود کی فہرست میں نمایاں نظر آتا ہے۔ لیکن حاتم نے تو ایثار پر کمر باندھی تھی اور لوگوں نے بھی اس کی سخاوت کی داد دینے میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہاں تک غلو کیا کہ حاتم طائی کا بعد از عقل لقب بنا گیا

کسی کو دل دینا، کسی پر جان دینا، بھی آسان نہیں۔ دنیا کی تاریخوں میں ڈھونڈیئے تو ایسے دلدادہ، جاں باز، آپکو بہت کم ملیں گے۔ قیس، وامق، فرہاد۔ بس یہ چند نام یا ان افراد میں ہیں جنہوں نے دل و جان سی عزیز چیزوں کے دینے میں دریغ نہیں کیا۔ ان کو جان دیئے سالہا سال گزر چکے مگر لوگ اب تک انکے واقعات دلچسپی سے سنتے اور ان کی جانبازی کی تعریف کرتے آرہے ہیں

دینے کا کام تو کچھ سلف صالحین ہی کے لئے تھا۔ اب دینے کے نام سے بھی لوگ گھبراتے ہیں ؎

ہوتا ہے خوش اللہ سے مانگو تو زمین — انسان سے مانگو تو خفا ہوتا ہے

بھیک مانگنے والے قبذل لوگوں کو پیسا دو۔ پیسے دیدینا اور بڑی مہر دی ہوئی تو کسی سے کچھ سلوک کر دینا جو اسکی حاجت کے لئے کافی نہ ہو، دیکھا اور سنا جاتا ہے۔ اس کا نام دینا نہیں ہے العطاء ما وافی الاحتیاج۔

لوگ اللہ کے نام پر دیتے اور اللہ کے کام کے لئے خرچ کرتے ہیں تو ایسی چیز جس کو اپنے لئے کارآمد نہیں سمجھتے۔ فقیر کو کپڑا دیتے ہیں تو پھٹا پرانا۔ اکثر لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے، قربانی نہیں دیتے اور وہ چیز خدا کی راہ میں نہیں دیتے جس سے محبت ہو۔ پھر وہ نیکی کس طرح حاصل کر سکتے ہیں لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

مال سے مدد دینے کے علاوہ اور طرح بھی مدد دے سکتے ہیں مگر اس سے بھی لوگ کوتاہی کرتے ہیں۔ دُعا رس دینا بھی لوگوں کو شاق ہوتا ہے۔ ملنے جلنے والوں کو اخلاق سے خوش کر دینا بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے اکثر لوگوں کے نزدیک برابر والوں سے ملکر ہنس دینا تو خوشی کی بات ہے مگر غریبوں سے ملکر مسکرا دینا بھی عار ہے

"دو" کہنے کو ایک لفظ ہے مگر ایک کے دینے سے دُونا ثواب ملنے پر دلالت کرتا ہے اور دینا عالی ہمت منعموں کا کام ہے۔ ایک گدا سے بنوا لینے کے سوا کیا دے سکتا ہے اُس کا دعا دینا ہی کافی ہے ؎

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے

اللہ والوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانیں دیں۔ اللہ والوں ہی کا کام تھا۔ اللہ اللہ کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں کیا کیا مصیبتیں جھیلیں **واقعۂ کربلا** کیسا دردانگیز واقعہ ہے ذرا خیال کر کے دیکھئے ایک شیر خوار بچہ ہے کہ اسکے حلق میں تیر لگا ہوا ہے، خون میں نہا گیا ہے تڑپ رہا ہے اور تڑپ کر جان دے رہا ہے

ایک حضرت کے شانے کٹے ہوئے ہیں اور لاش خون میں غرق ہے۔

ایک نوجوان خوش رُو جو اہی دولھا تھا۔ میدان کربلا میں پڑا ہوا ہے۔

سب سے بڑھکر غم افزا حالت اس جدِ مبارک کی ہے کہ تن پر سر نہیں بیکسی کا عالم ہے اور جلتی ریتی پر پڑا ہوا ہے

غرض بہتر خون آلود لاشوں کا دردناک نظارہ چشم تصور کو بھی خون رلائے بغیر نہ رہیگا جب اس غمناک واقعہ کے سننے سے ہم کو برداشت کی طاقت نہیں رہتی تو غور کیجئے اُن حضرات کی کیا حالت ہوگی جن کے سامنے ان کے بچوں اُن کے عزیزوں کی لاشیں خون میں آلودہ پڑی ہوئی ہونگی اور ایک دوسرے کو تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہوئے دیکھ رہے ہونگے۔

فریاد محبوس کربلا حضرت زین العبا رضؓ

کہتے تھے زین العابدین میں مفصل یہ صدر دو غم
قاصد نہ برگ نامہ بر اب تو ہی کر مجھ پر کرم

کینہ کٹا۔ خیمہ سجا۔ ہوں قیدی اہل ستم
اِن نلت یا ریح الصبا یوما الی ارض الحرم

بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْهَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمْ

کہنا پھرے اے بادصبا یا جلد تا دیکھو ذرا ہے کون مقبول خدا ہے کون مذبوح قضا
ہے خاک پر بے سر پڑا۔ راکب تمہارے دوش کا مَنْ وَجْهُهٗ شَمْسُ الضُّحٰی مَنْ خَدُّهٗ بَدْرُ الدُّجٰی

مَنْ ذَاتُهٗ نُوْرُ الْهُدٰی مَنْ كَفُّهٗ بَحْرُ الْهِمَمْ

بے دین و بخوا دین کو دنیا کی یہی ہے سفت تبلیغ کا یہ اجر تھا کیا خوب اہل شیطنت
کیا ان کی الفت کیلئے حق نے یہی کی موعظت ثُمَّ انْهُ بُرْهَانَنَا نَسْخًا لِّاَدْیَانٍ مَّضَتْ

اِذْ جَاءَنَا اَحْكَامُهٗ كُلُّ الصُّحُفِ صَارَ الْعَدَمْ

دل رنج و غم سے پھٹ گیا کلیجے کا کلیہ کٹ گیا اکبرؑ گئے۔ اصغرؑ مرے مارے گئے بابا چچا
جب سے مدینہ چھٹ گیا۔ کیا کیا ہوئی نازل بلا اَلْاَدْنَا مَجْرُوْحَۃٌ مِّنْ سَیْفِ هَجْرِ الْمُصْطَفٰی

طُوْبٰی لِاَهْلِ بَلْدَۃٍ فِیْهَا الرَّسُوْلُ الْمُحْتَشَمْ

ظلم و ستم پر ہیں تلے۔ اب شامیان اہل کیں گھر خانہ زنجیر ہے ہیں غم الم ہم سہتیں
فریاد ہے فریاد ہے اے داور دیں اے شاہ دیں یَا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ اَدْرِكْ لَنَا زَیْنَ الْعَابِدِیْنَ

حُبُوْسُ اَیْدِی الظّٰلِمِیْنَ فِی الْمَوْكَبِ وَالْمَرْدَمْ

تبلیغ ہے بیکس بنوا بے مونس و بے آشنا ناکارہ، ناکس، نا سزا، سر تا قدم جرم و خطا
بہر شہید کربلاؑ۔ بہر شہ زین العباؑ یَا مُصْطَفٰی یَا اَحْمَدُ اِرْحَمْ عَلٰی عِصْیَانَنَا

حَجُوْبُوْرَۃٌ اَعْمَالُنَا مُعَاوِدَتُنَا بِالظُّلَمْ

عصیاں سے ہوں اندوہگیں ہے خوف پرسش دلنشیں نازک ہے وقت واپسیں ہے گھات میں بولعیں
یا سرور دنیا و دیں یا بادشاہ مرسلیں یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَدْرِكْ لَنَا یَوْمَ الْحَرَمْ

اَنْتَ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْنَ شَمْسُ الْعَرَبِ بَدْرُ الْعَجَمْ فریدالدین بلتا

لہ اشارہ ہے اس قول کی طرف جو حضرت امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ ہر نماز کے بعد میں سید کونین پر درود پڑھتا ہوں

جلوۂ جانانہ

مغربی رادر نظر پیوستہ ایں دو دست ہر طرف بدرے و ہر جانب ہلالے دیگر است

جادو!

جادو!! کہ ہر کا جادو!!! کہاں کا جادو!!!! یہ سب سُنی سنائی باتیں ہیں میں نے تو کسی کی آنکھوں میں جادو، چہرے میں جادو، رفتار میں جادو، گفتار میں جادو، خدا معلوم کہاں کہاں جادو دیکھا۔ سرتا پا طلسم، مجسم سحر، کامل مسمریزم۔ وہ جادو جو سر پر چڑھ کے بولے ایسی نازنین اور گل اندام ہستی جسکے روئیں روئیں میں طلسمات ساری ہیں اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہی ہو سکتی ہے جسکے محراب ابرو، اور قربانگاہِ حُسن کے سامنے انسان ایک قیمتہ مطارہ میں دلکی قربانی کیلئے مستعد ہو جائے یا ایسا حواس فراموش ہو جائے کہ دین و دنیا کو خیرباد کہہ بیٹھے۔ دنیائے محبت کے پرستارانِ حسن نے اُس حُسن کے دیوتا کی صفا اور فراخ پیشانی کو آسمان محبت تصور کیا جسپر ایک نہیں بلکہ دو چاند ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے چمک اور ضیا پاشیوں سے دلوں کی دنیا میں روشنی پہنچا رہے تھے، وہ چمکتے تھے اور بار بار چمکتے تھے۔ روشنی ہر وقت نہ تھی اور کبھی گھٹتی تھی کیونکہ بعض اوقات موسم بارش کی اُمنڈ کر چھا جانیوالی تاریکی اور سیاہ بادلوں کا مجمع کسی کے مطلع حُسن کی تجلیات کے نمایاں ہونے میں غیر معمولی روک ہو جایا کرتا تھا مگر یہ تمام باتیں عارضی حیثیت رکھتی تھیں کیونکہ ہوا کے تیز و تند جھونکے دم بھر میں اس برآلود مطلع کی صفائی کا باعث ہو کر وہی منظر پیش نظر کر دیتے جسکے دیکھنے کیلئے مشتاق آنکھیں جم جاتیں۔ ہلال! آسمان حُسن کے اُبھرے ہوئے ہلال! جسکے کونے ایک دوسرے سے اسطرح پیوست کہ دیکھنے والوں کا یہ قیاس کہ یہ توام پیدا کئے گئے ہیں کسیطرح غلط نہیں اور ان حسین کو بھی گنجایش تھی کہ دو جنگجو نبرد آزما نوجوان دیارِ محبت میں لڑتے لڑتے تھک کر ایک ہی مقام پر اپنی کمانوں کو رکھ دیتے ایسے ایکدوسرے سے ملے اور چمکتے ہوئے ہلالوں کا نظارہ لطف اندوز ہونے کی خالی نہ تھا کسی حسین مصفا چہرہ پر ایسے کمانی دار پیوستہ ابرو جو وقت غضب اور زیادہ کمانی دار ہو جاتی ہوں بس غضب ہیں۔ غضب ہیں۔

بہتے ہوئے دریاؤں اور آبشاروں کا وہ نظارہ جسکو کہ چاند نے کہیں کیا ہو پانی پہاڑوں کی بلند چوٹیوں سے گر کر دریا میں لہر و نجی صورت بنکر بہہ نکلتا ہو۔ پانی کی لہروں کے ساتھ کبھی چاند بہتے ہوئے نظر آتے ہوں، پانی کی روانی سے محبت و الفت کی سیٹی نکل رہی ہو سوائے پانی کی مدہم آواز کے دنیا کی ہر شے پر عالم سکوت چھایا ہوا ہو۔ ستارے آسمان کی نیلگوں چادر پر جا بجا بکھر گئے ہوں۔ ایسے وقت اور ایسے عالم میں ایک نیچر سے دلچسپی رکھنے والے کو اگر کسی عالم فریب ہستی کی کمی محسوس ہو سکتی ہے تو وہ وہی ہوگی جسکو یہ قدرتی مناظر بھی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہونگے۔ دریا کا بہتا ہوا پانی کسی کی پابوسی کا ضرور متمنی ہوگا چاند کسی کی گود میں آجانا چاہتا ہوگا ستارے کسی پر نچھاور ہونا اپنی عین تمنا سمجھتے ہونگے۔ گو یہ چیزیں اپنے دل میں اس قسم کی آرزوئیں اور تمنائیں رکھتی ہونگی لیکن ایسی تکمیل امر محال ہوگی البتہ ہوا کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بار بار کسی کے جسم سے مس ہوتی اٹکھیلیاں کرتی اندموکو چومتی اور اپنی ہر لپیٹ کے ساتھ عطر بیز شمیم کا ایک ایسا جھونکا لیجاتی جو اکثر آشفتہ اور سودائی مزاجوں کے لئے تخلیہ کا کام دیتی کسی کی گہنی گہنی جٹی ہوئیں زلفوں کو عاشق نے آسمان حسن کا ہلال سمجھا، بہار و دل اور سورماؤں نے شمشیر آبدار خیال کیا شعرا نے مطلع سر دیوان قرار دیا۔ ابرو کے یار نہ ہوئے کبھی دل شاد رہے خوب مطلع ہے یہ اللہ کرے یاد رہے

گو برسات کا پہلا چھینٹا کہلائے ہوئے پودے کیلئے ایک چشمۂ جاری ایسے ہرن کے لئے جو دن بھر چوکڑیاں بھرتی ہوئی دھوپ میں مارا مارا پھرا ہو، فوید بہار پھل کے لئے، آم کا وہ پھول جسکی بھینی بھینی خوشبو پر کوئل جان دیتی ہے باعث تازگی و مسرت ضرور ہے لیکن ایک عشق کے پروانے اور سوز کے دیوانے کے لئے حسن و عشق کا ایک نورانی مجمعہ وہ کیفیات پیدا کر سکتا ہے جو ان چیزوں سے کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

قسمت ہے تو اُسکی ہے، آنکھیں ہیں تو اُسکی ہیں
جس نے تجھے دیکھا ہو، اے جلوۂ جانانہ

سید معجز حسین لکھنوی

انعامِ عصمت

ذیل کا خط اس افسانہ کے ایک خط کا ترجمہ ہے جو انگلستان کے ایک قابل مصنف سیموئل رچرڈسن کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے مصنف نے افسانہ لکھنے کے عام طریقہ تحریر سے بالکل جدا گانہ خطوط کے ذریعہ اس کی ترتیب کی ہے اس قصہ کا اصل نام اس کی ہیروئن کے نام کی رعایت سے "پامیلا" یا "انعامِ عصمت" ہے۔ مجھکو یہ قصہ جو فی الحقیقت ایک واقعہ ہے، دل سے عزیز ہے اور یہ صرف اسوجہ سے نہیں کہ اسکی تحریر میں فصیح ٹیریچر ہے اور ایک خاص قسم کی جدت سے کام لیا گیا ہے بلکہ اسلئے کہ جن واقعات کی ترتیب کی گئی ہے وہ میری ہی جنس کی ایک بدنصیب لڑکی کے سوانح عمری ہیں۔

مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اگر ابتدائی تربیت جسکو والدین کے شفیق آغوش میں حاصل کیا جاتا ہے باقاعدہ اور صحیح اصول پر مبنی ہو تو اولاد کی آئندہ نسل سے کیا کیا عمدہ ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں اسطرح یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ تعلیم کا صحیح منہج کیا ہونا چاہیے اور نسوانیت کے کن ضروری فرائض کی بجا آوری ہم کو زندگی کے بلند ترین مقاصد تک پہنچا سکتی ہے ملک میں آج جس زہریلے اور حیا سوز مطبوعات کی کثرت ہے جو خرافات اور فحش کی طرح بازاری طابع سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں بس سے ہیں، قطع نظر اس کے "رفیقان مصنف لطیف" نے مقرر کردہ اصول تعلیم نسواں سے جو شہر مناک نتائج مرتب ہوتے فضا میں ہی مغرب کی لائق تقلید تہذیب جلوہ ریز کا آئینہ افکار ہیں اسکے مقابلہ میں ایسے صحیح المعیار اور صحیح الاصول لٹریچر کی بکثرت اشاعت کی ضرورت ہے جو تمام نسواں کے لئے حیات بالغہ کا ایک کامیاب دستور العمل ہو۔ میں نے اسی خیال کو مدنظر رکھکر اس کتاب کا ترجمہ کیا مشکل کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ میری حقیر کوشش میری ہمدرد بہنوں کی اصلاح کا باعث ہو۔ اردو اسکولوں کے ساتھ پڑھ سکیں۔ جس میں میرا صرف اتنا ہی حصہ ہے جتنا ایک ادنیٰ ادیب مقرر یا مصنف کی ترجمانی میں کسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے ترجمہ میں انگریزی نام بدلدئے گئے ہیں تاکہ قصہ کے جزئیات سے اہمیت نہ رہے اور ہر جہانتک ممکن ہوا ہے اسکو اپنے ملک کی معاشرت کے مطابق بنانے کی کوشش کی گئی ہو تاہم اسکو مدنظر رکھا گیا ہے کہ اصل مصنف کے طرز بیان میں کسی ایسا تصرف نہ ہونے پائے کہ خیالات کا زور ٹوٹ جائے اور ترجمہ اصل قصہ سے بالکل مغائر معلوم ہو بحیثیت مجموعی اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ لفظی ہو اور سوا اسکے اصل عبارت کی لفظ بلفظ تبدیلی زبان ایک چیستان کا مصداق ہو جاتی ہے کوئی اور تصرف نہیں کیا گیا جو لوگ ترجمہ کی مشکلات سے واقف ہیں وہ اسکو نہ ترجمہ قابل معافی خیال فرمائیں گے خدا کے فضل اور وقت و فرصت کے ساتھ اسکی تکمیل ہے ورنہ میرا ارادہ ہے کہ اسی طرح ہر پرچہ میں ایک خط کا ترجمہ شائع ہوتا رہے تاکہ پرچہ میں گنجائش بھی نکل سکے اور مجھے بھی ترجمہ میں آسانی ہو۔ "ام الخامد" (اہلیہ علی اختر)

پہلا خط

اچھے ابا اور پیاری اماں! میں آپکو سخت پریشانی اور ساتھ ہی کچھ اطمینان کی اطلاع دیرہی ہوں

پریشانی یہ ہے کہ میری لائق ادب بیگم صاحبہ اسی مرض انتقال کی گیارہویں میں اس سے قبل اظہار کر چکی ہوں اور ہم کو اس سانحۂ جانگداز کے لئے چھوڑ گئیں کیونکہ وہ اپنے تمام نوکروں پر مہربان لائق محبت نیک بیگم تھیں۔

مجھ کو بڑا خوف یہ تھا کہ چونکہ حضور مرحومہ مجھ کو اپنی ملازمۂ خاص و نیک عزت سمجھتی تھیں میں بالکل تنہا رہ جاؤں گی اور مجھ کو آپ لوگوں کے پاس واپسی پر مجبور ہونا پڑے گا جو اپنی ہی معاشی ضروریات کا انتظام مشکل کر سکتے ہیں اور چونکہ بیگم صاحبہ کی توجہات عالیہ نے مجھ کو ترتیب و تحریر حسابات اور کشیدہ کاری کی تکمیل کا موقع دیا تھا۔ الفاظ دیگر مجھ کو بیسیوں مرتبہ سے زیادہ عزت بخشی گئی تھی۔ ہر خاندان میں کچھ نہ کچھ ایسی جائداد کی ہم رشتی ہوتی ہے جو آپس میں بانٹ لی جاتی ہے لیکن پروردگار حقیقی نے جس کے احسانات کا ہم کو متعدد اوقات تجربہ ہو چکا ہے۔ میری شریف بیگم صاحبہ کے دل میں یہ بات ڈالدی کہ وہ اپنے بستر مرگ پر مرنے سے ٹھیک ایک گھنٹہ قبل کہے یاد دگر۔ اپنے تمام نوکروں کی نسبت نوجوان آقا سے کردیں۔ جب میری باری آئی (کیونکہ میں اپنے یکہ پرشدت گریہ سے سنبھالے رہی تھی) تو صرف اسقدر کہہ سکیں "بیٹے" اسکے بعد غم کی وجہ سے ان کی آواز رک گئی۔ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا "میری غریب لقا کو یاد رکھنا" یہ انکے آخری الفاظ تھے۔ آپکا غمزدہ خاندان دھتوں کو دیکھ کر تعجب نہ کیجئے گا۔ آہ میری آنکھیں کس قدر امنڈ رہی ہیں! خیر خدا کی مرضی ہر حالت میں اعلیٰ ہے۔!!!

اطمینان کا یہ مفہوم ہے کہ میں اپنے پیارے والدین کی گرانباری کے لئے واپسی پر مجبور نہ ہونگی کیونکہ میرے مالک نے یہ فرمایا۔ بیبو! میں تم سب کی خبر گیری کرونگا" اور تمہارے لئے مدلقا (میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر) اپنی عزیز والدہ کے خیال سے میں تمہارے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھونگا۔ تم میرے لباس کی دیکھ ریکھ کرتی رہو" پیارے خدا کی برکت" پیارے والدین! آپ بھی میرے ساتھ اس دعا میں شریک ہو جائیے کہ "وہ خدا کے ظل حمایت میں رہیں" کیونکہ انہوں نے مرحومہ بیگم صاحبہ کے تمام ملازمین کو ماتمی کپڑے اور ایکسال کی تنخواہ تقسیم کردیں اور چونکہ میرے لئے کوئی معاوضہ خدمت مقرر نہ تھا۔ اسلئے کہ بیگم صاحبہ نے فرمایا تھا کہ وہ میرے لئے کچھ انتظام کرنے والی ہیں۔ انہوں نے خانساماں کو حکم دیا کہ کسبلئے مجھے بھی ماتمی لباس دیا جائے اور اپنے

ہاتھ سے چار اشرفیاں ہی عنایت فرمائیں اور کچھ روپیہ جو ہنگام رخصت بیگم صاحبہ کی جیب میں تھے اور فرمایا کہ اگر میں راستباز، وفادار اور ہوشیار ثابت ہوئی تو وہ اپنی والدہ محترمہ کے خیال سے میرے ساتھ برابری کا برتاؤ رکھیں گے اسلئے میں یہ چار اشرفیاں آپکی مہولت ضروریات کے لئے آپکے پاس روانہ کر رہی ہوں مینے اس سے قبل بھی کچھ قدرے قلیل جو مجھے بیگم صاحبہ کی فیاضی سے حاصل ہو سکا تھا آپکے پاس بھیجا تھا گو آپنے میری کسی چیز کے لینے کی کبھی درخواست نہیں کی لیکن اللہ میری ضرورتیں پوری فرماتا ہے۔ اور واردات اتفاقی کے خیال سے مینے اتنا جمع کر لیا ہے (ان روپیوں کے علاوہ جو مجھے آپ دے گئے ہیں) کہ مجھے قرض لینے پر مجبور نہ ہونا پڑا اور اپنے معاصر ملازمین کی نگاہوں میں سبکی نہ بیٹھوں بس آپکا سکا کچھ حصہ قرض دیرینہ میں ادا کر سکتے ہیں اور بقیہ اپنی ضروریات کی تکمیل فرما سکتے ہیں اگر مجھے زیادہ حاصل ہوا تو بلاشبہ یہ میرا فرض ہے کہ آپکی محبت کا احساس اور آپ کی ضروریات میں آسانی کی فکر رکھوں کیونکہ میں جب کسی قابل نہ تھی آپنے مجھے محبت کیساتھ پرورش کیا تھا۔

میں انکو کریم کے ہاتھ بھیج رہی ہوں جو ہمارے ہاں جوانوں میں ملازم ہے اور جو اس سے گذرا ہے لیکن وہ اپنی تحویل سے واقف نہیں ہے۔ کیونکہ میں انکو گولیوں کے چھوٹے بکس میں جو میری بیگم صاحبہ کا تھا کاغذ میں خوب لپیٹ کر کہ انکے کھنکھنانے کی آواز نہ پیدا ہو بند کر رہی ہوں اور بلاشبہ آپ بھی ان کو اس کے سامنے نہ کھولئے۔

پیارے والدین! میں جانتی ہوں کہ میرے آپکے لئے خوشی اور غم دونوں کا باعث ہو رہی ہوں اور صرف سقدر اور کہونگی کہ اپنی مہ لقا کے لئے دعا فرمائیے جو ہمیشہ آپ کی "فرمانبردار لڑکی" رہیگی۔

میرے حواس بجا نہ رہے تھے۔ کیونکہ ابھی میں اپنی مرحومہ بیگم صاحبہ کے تبدیل لباس کے کمرہ میں خط کو بند کر رہی تھی۔ میرے نوجوان آقا تشریف لے آئے۔ معزز والدین! میرے خوف کی کوئی انتہا نہ رہی میں نے خط کو اپنی بغل میں چھپانے کی کوشش کی انہوں نے مجھے کانپتا ہوا دیکھکر خندہ پیشانی فرمایا "مہ لقا تم یہ خط کسکو لکھ رہی تھیں" مینے گھبراہٹ میں کہا۔ حضور! مجھے معاف فرمائیں میں یہ خط اپنے والدین کو لکھ رہی ہوں" "میں دیکھوں تمہارا خط کیسا ہے" انہوں نے بغیر گفتگوئے مزید خط میرے ہاتھ سے لے لیا اور اول سے آخر تک

پڑھنے کے بعد مجھکو واپس کر دیا میں نے پھر عرض کیا کہ "حضور مجھے معاف فرمائیں تاہم میں یہ نہ سمجھ سکی کہ میں کس امر کی معافی مانگ رہی ہوں کیونکہ وہ خود اپنے والدین کی نافرمانبرداری کے عادی نہ تھے تو پھر مجھ سے ایسے کیوں ناخوش ہوئے کہ میں اپنے والدین کی فرمانبردار رہوں اور بالیقین وہ ناخوش نہیں ہوئے کیونکہ انہوں نے میرا کہنا تہہ تہام لیا اور فرمایا۔ اپنے والدین کے ساتھ اظہار محبت تمہاری شائستگی کی دلیل ہے۔ میں تم سے ایسے معصومانہ خیالات کی تحریر پر ناخوش نہیں ہوں اگرچہ مجھ کو اس کا امتیاز رکھنا چاہیئے کہ تم ایک خاندان کے کن قصوں کی اشاعت بیرونی دنیا میں کر رہی ہو۔ وفادار اور معاملہ فہمی کیساتھ کام میں مصروف رہو اور وہ کرو جو تم کو کرنا چاہیئے میں تمہارے ان خیالات کی قدر کرتا ہوں" اسکے بعد انہوں نے فرمایا "ہاں مدلقا تمہارا خط بہت اچھا ہے اور تمہارے تلفظ بھی صحیح ہوتے ہیں اسلئے تم اپنی وسعت استعداد کیلئے میری والدہ کی کتابوں میں سے جس کتاب کا چاہو مطالعہ کر سکتی ہو۔ اور اسلئے اسکی نگرانی تمہارے ذمہ کیجاتی ہے" میں انکی اس مہربانی پر سراپا اضطراب تھی اور سنت یہ تھی کہ اس احساس میں میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بلاشبہ وہ ایک زمانہ میں نا شائستہ سمجھے جاتے تھے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اب بہترین تہذیب یافتہ اشخاص میں ہیں لیکن میں پھر ایک طویل خط لکھنے لگی۔ اسلئے اسپر اس قدر اور اضافہ کر دونگی کہ میں ہمیشہ آپ کی فرمانبردار لڑکی رہونگی۔ مدلقا } مترجمہ ام محامد (اہلیہ علی احمد)

پھول

اک حسیں کل یاسمیں کے پھول مجھ کو دیگیا
جاتے جاتے آنکھ میں اک رنگ بسم بھر دیا

انکی خوشبو مسکراتے شوخیاں کرنے لگی
رقص میں موج ہوا بدمستیاں کرنے لگی

پھول کا عکس تبسم دل پہ میرے پڑ گیا
اس گرانباری سے دل بیتاب ہونے لگا

مشک زا جوڑا کہاں وہ کان کے بالے کہاں
میں ہوں محروم تمنا اور سرگرم فغاں

آہ سینے میں کسی کے ملکے آتی بو اگر
اس مہک کی مستیاں مجھکو بنا تیں بیخبر

اک جہاں مسرور مجھپر یہ اثر الٹا ہوا
بوئے گل نے آتش غم کو مری بھڑکا دیا

دل یہ کہتا ہے کہ سارے پھول چنکر پھینکدو
لطف کیا ہے جب پہننے والا پھولوں کا نہ ہو

حیدر کرارؓ سے پوچھے کوئی شانِ عمرؓ

از جناب مولوی حکیم نوازش علیخاں صاحب مست

ہے مسلّم محبتِ تکمیلِ ایمانِ عمرؓ — حکمِ حق، حکمِ نبیؐ ہوتا تھا فرمانِ عمرؓ
ہیں ابوبکرؓ اور عثمانؓ قدر دانانِ عمرؓ — حیدرِ کرارؓ سے پوچھے کوئی شانِ عمرؓ
اِنّما الاعمال بالنیات کے پابند تھے — کیوں نہ پورا ہو کے رہتا عہدِ پیمانِ عمرؓ
شانِ اسلام آج اتنی بھی جو آتی ہے نظر — بیگماں ہے اک نشانِ ہمتِ شانِ عمرؓ
جانِ تازہ جس سے آئی مذہبِ اسلام میں — ایک تھی روحِ ابوبکرؓ اور اک جانِ عمرؓ
ہیں حدیثیں انکی شاہد اور تاریخیں گواہ — بسکہ تھا فاروقؓ کذب و صدقِ ایمانِ عمرؓ
جو احادیث آپکے حق میں ہیں وارد مومنو! — انکو دیکھو تو ہو ظاہر شوکت و شانِ عمرؓ
اک زمانہ مانتا ہے اس کا لوہا آجتک — کام کیا کیا کر چکی ہے تیغ برّانِ عمرؓ
جو کئے کارنمایاں باقی اب تک ہے اثر — کیا زمانہ بھول بھی سکتا ہے احسانِ عمرؓ
اس زمانہ میں تھا کیسا دبدبہ اسلام کا — تھا سلاطینِ عجم پر رعبِ دربانِ عمرؓ
سب سے بڑھکر آپسے اسلام کو قوت ملی — ہیں بآسانی اسکے قائل متبدانِ عمرؓ
آپ ہوتے بعد خضرؑ کے نبی ہوتے اگر — اس سے ظاہر ہے کہ عالی کیسی ہے شانِ عمرؓ
اپنا حامی اپنا مونس جانتے تھے آپ کو — عاجز و مفلس ہوا کرتے تھے مہمانِ عمرؓ
سب کا سب و قفِ غربا مال بیت المال تھا — تھا گہر افشاں سروں پر ابرِ نیسانِ عمرؓ
اپنی ذات کے لئے، اپنی فراغت کے لئے — عام لوگوں سے بھی کم تھا گھر میں سامانِ عمرؓ
تھے خلیفہ خوانِ نعمت کے نہ تھے محتاج کچھ — اللہ اللہ پھر بھی تھی ان جیسی دکانِ عمرؓ

لیتے ہیں صبر و قناعت کے مزے شام و سحر — نعمتوں سے دسترخوان میں ہے آلِ عمرؓ
نائبِ خیر البشر تھے شر سے خالی تھے بشر — کین و شر سے محترز ہیں خیر خواہانِ عمرؓ
وردِ بدعت کو کبھی وہ منہ لگاتے ہی نہیں — بادۂ سنت سے ہیں مخمور مستانِ عمرؓ
شاہِ دو عالم کے پہلو میں ہیں وہ مسند نشیں — عرش سے بالا رہے شانِ ایوانِ عمرؓ
ہوں خدایا مومنیں فیضِ عمرؓ سے فیض یاب — ہو عیاں سب پر الٰہی شوکت و شانِ عمرؓ
ایک کیا دو دو عمر ہیں مست کے پیشوا — ایک فاروقؓ اور اک سید عمرؓ جانِ عمرؓ
جب تلک پینے مدام ایں ہو نہ جاوے کامیاب — مست تم کب چھوڑ بیٹھو آہ دامانِ عمرؓ
واسطہ ساقی کوثر کا خدایا مست کو — ہو میسر ساغر صہبائے عرفانِ عمرؓ

ترانۂ آزاد

اے دل میں ہم خدا کے سارا جہان ہمارا — یہ سب ہے میں ہماری یہ آسمان ہمارا
دنیا بھی ہے ہماری عقبےٰ بھی ہے ہماری — کون و مکاں ہمارا اور لامکان ہمارا
ہے خاک بھی ہماری آتش بھی ہے ہماری — بادِ وزاں ہماری آبِ رواں ہمارا
جنت ہے ناجیوں کی دوزخ ہے ناریوں کا — مدِ نظر ہمارے آرامِ جان ہمارا
جتنا جھکاؤ سر کو اتنی ہو سر فرازی — ہے عبدیت ہی اپنی یہ آستان ہمارا
ظاہر میں ہم ہیں فانی باطن میں ہم ہیں باقی — باقی رہے گا یوں ہی نام و نشان ہمارا
ہم کیا تھے؟ اور کیا ہیں؟ کیا ہو چکے ہیں آگے؟ — افشا ہوا نہ ہوگا یہ رازِ نہاں ہمارا
کتنا وسیع خوانِ رزّاقیت ہے اُس کا — ہم میہماں ہیں اُسکے وہ میزباں ہمارا

آزادؔ کا ترانہ دلچسپ و دلنشیں ہے
صاحبدلوں سے سُن تو اے دل بیاں ہمارا

لہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی منقبت میں یہ ظاہر ہے اور بعض مست حضرت شیخ عبدالقادر کو اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں اور بعض حضرت سید عبدالقادر جیلانی کو اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں اور بعض حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کو اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں

نیرنگ حیات

جنت مکانی

کرمی! تسلیم۔ چند پرانے کاغذات میں مجھے اپنے والد محترم جناب مولوی محمد یوسف صاحب مدوگار محکمۂ جنگلات وا سٹامپ کا رقعہ کی ایک نظم دستیاب ہوئی جو انہوں نے شاید ۲۵ سال پیشتر لکھی تھی میں چاہتا تو اُن سے اسکی نظر ثانی کرالیتا مجھے علم ہے کہ وہ اپنی ابتدائی عمر کی شاعری کو ایک حرکتِ طفلانہ اور نہایت تمسخرانہ انداز سے دیکھتے اصل یہ ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کو خیرباد کہدیا، فارسی سے ذوق ہے اور اکثر قصیدے جناب آقا سید علیصاحب شوشتری کی داد سخن سے مستند ہیں وہ اپنے کلام کو بیرونی نظر کے لئے تصنع وقت اور اسکے طبع کا خیال فعل عبث تصور فرماتے ہیں نظم ہذا بلا استجازت ناظرین تاج کے ذوقِ طبع کے لئے بخیہ روانہ خدمت ہے فقط والسلام خاکسار احسن

ہم کہاں تھے اور کہاں یہ عالم ویرانہ تھا — ہم کو اس وادی حیرت لایا وہ آب و دانہ تھا
ایک ہستی کی نمود دیں تھیں تصاویر خیال — واہمہ نے یا بنا رکھا تھا نمایش خانہ تھا
تھا ہر اک منظر طلسم صنعت صورت آفریں — ذرہ ذرہ روئے تمثال جلوۂ جانانہ تھا
سیر کرنے کو مگر کافی نہ تھا دور زمان — عقل حیراں تھی تخیل کا بھی کچھ یارانہ تھا
تھا ازل سے ساتھ آزار کم و بیش جہاں — ورنہ مرنے کی طرح جینا بھی آزادانہ تھا
اصل تو یہ ہے کہ تھے ایام طفلی مغتنم — زندگی کا کچھ بکھیڑا اپنے سر گویا نہ تھا
تھی بہشت آغوش مادر نخلۂ دوش پدر — اس سے بڑھکر کوئی عیش اپنے لئے اصلا نہ تھا
کھیلنے میں محو کھانے پر فدا سونے پہ غش — مال و دولت کی طرف کرتا بھی میں پروانہ تھا
فکر کچھ دنیا کی رہتی تھی نہ عقبیٰ کا خیال — شکوۂ امروز یا اندیشۂ فردا نہ تھا

معصیت کا حسن کچھ ترکِ فرائض کا تھا ۔۔۔ ہاں مکلف شرع کے امر و نواہی کا نہ تھا
سادہ خو تھے ہم نہ تھی کچھ دوست دشمن کی تمیز ۔۔۔ نیک و بد سب کے لئے دل اپنا مہماں خانہ تھا
عاشقی تھی وہ زمیں جسپر قدم رکھے نہ تھے ۔۔۔ دلبری تھی وہ ثمر جسکا مزا چکھا نہ تھا
کیا سمجھتے تھے کہ ہے فرہاد کس خلی کا نام ۔۔۔ جانتے بھی تھے نہ مجنوں کو سنا دیوانہ تھا
ہمنوں کا جس گھڑی ہوتا تھا مجمع کھیل میں ۔۔۔ پھر بڑے پیر مغاں کی بھی کوئی سنتا نہ تھا
ذہن میں آتا تھا جو وہ کر گذرتے بیخطر ۔۔۔ دل میں جو ہوتا وہ لب پر اپنے بیباکانہ تھا
اس گھڑی اس سے بنی تھی اس گھڑی اس سے بگاڑ ۔۔۔ آج اس سے دوستی تھی اس سے کل یارانہ تھا
گر لڑائی بھی ہوئی تو حل ہو جاتا ملاپ ۔۔۔ فکر سے ناآشنا تھا بغض سے بیگانہ تھا
گاہ ہم بنتے تھے سلطاں کوئی ہوتا تھا وزیر ۔۔۔ رندیوں کا ہاتھ میں کوئی لئے پروانہ تھا
ایک ہم میں تھا گرفتارِ عتابِ خسروی ۔۔۔ دوسرا منت کشِ لطفِ خداوندانہ تھا
نے سواروں کی کمر سے تھی بندھی شمشیر جو ۔۔۔ پیدلوں کے ہاتھ میں تیر و کماں کا نہ تھا
کچھ تھے راجہ کچھ تھے پرجہ کچھ مصاحب کچھ نقیب ۔۔۔ صحن اپنا اسطرح منزلگہ شاہانہ تھا
گاہ ہم بنتے فقیرِ باکمال و باخدا ۔۔۔ سر پہ عمامہ گلے میں سبحۂ صد دانہ تھا
بیٹھتے تھے آکے گرد اپنے مریدانِ طریق ۔۔۔ ناریدہ قامتوں پر خرقۂ پیرانہ تھا
پاس آتا جو کوئی دیتے اُسے کچھ خاک بتو ۔۔۔ وہ ادب سے لاکے رکھتا سامنے نذرانہ تھا
تھا وہی سب جسطرح دیکھی تھی ہم نے حال و قال ۔۔۔ کوئی اٹھا جھوما تا گرتا کوئی مستانہ تھا
مدعا یہ ہے کہ حاصل تھیں غضب بیفکریاں ۔۔۔ گو حقیقت میں یہ اک بازیچۂ طفلانہ تھا

چند سال اسطرح گذرے تھے کہ آپہنچا سبب
پھر تو یہ سب ماجرا بھولا ہوا افسانہ تھا

کیا ہی ننگ آنے لگا طفلی کے سب افعال سے
سوچکر میں جن کو ہنستا دلمیں محجوبانہ تھا

اب تو نقشا ہی دگرگوں تھا خیالات اور کچھ
میں بجائے خود نہایت قابل و فرزانہ تھا

طرز ماندو بود میں گفتار میں رفتار میں
شان خود بینی تھی اور انداز مغرورانہ تھا

زور بازو، حسن صورت، خوبی عادات پر
علم پر، دانش پر، کس کر پر مجھے نازانہ تھا

کام جو مشکل تھا وہ آساں تھا اپنے سامنے
ہیچ ہر دشوار، پیش ہمت مردانہ تھا

وقت آپڑتا تو گھبراتے نہ پل مت سے
بس کہ ہم کو اعتماد پنجۂ شیرانہ تھا

کیا ہنسی آتی نظر پڑتا، جو پیرشت خم
ہم سمجھتے تھے ہمیں ایسا کبھی ہونا نہ تھا

تھی بہت دلچسپ فکر زیست جسم و لباس
بہر ہن تبدل اب آئینہ تھا یا شانہ تھا

یہ تو سب تھا ہی کہ شور عشق سودا کار سے
میں بہت کچھ مائل افعال مجنونانہ تھا

بس بھنا جاتا تھا شور آتش ریزیاں میں دل
سینہ صد داغ تھا یا کوئی آتشخانہ تھا

گلرخوں کا ذکر اگر ہوتا تو بس بلبل تھا میں
نام آتا شمع رویوں کا تو میں پروانہ تھا

بستہ زلف دراز و خستہ چشم سیاہ
کشتہ طرز خرام و ناز معشوقانہ تھا

تھا تصور میں جو کیف نرگس مخمور و مست
رات دن میں سیر گلزار بادہ و پیمانہ تھا

پاس تھا جو آہ وہ کل کے لئے رکھنا تھا عیب
کس قدر دلدادہ انداز فیاضانہ تھا

ہم تھے اور تھا جلسۂ رنگیں مزاجان ظریف
عاشقی تھی شاعری تھی جذبۂ رندانہ تھا

فصل گل کے ولولے اور چاندنی راتوں کا لطف
نوجوانی کے نشے اور خواب خرگوشانہ تھا

ایک مدت تک کہا اس در بے نبود مجھے
کچھ خبر بھی تھی نہ یاں دنیا میں کیا تھا کیا

جب تلک سویا کئے تھا یہ سماں پیش نظر
آنکھ جب کھولی تو بس ویرانہ ہی ویرانہ تھا

اب وہ بزم نگاریں تھی نہ سامان نشاط
اب ساقی تھا نہ میکش تھے نہ وہ بتخانہ تھا

اگئی تھی کشت زار زندگانی پر خزاں
زرد پتے ہو چکے تھے خشک و بیدانہ تھا

صبح پیری تھی قوی ہونے لگے تھے مضمحل
دن بدن ہم پر ہجوم ضعف معذورانہ تھا

بیٹھ کر اٹھا نہ جاتا اٹھ کے مشکل بیٹھنا
گر کہیں جاتا تو پھر دشوار واں سے آنا تھا

اب وہ چستی تھی نہ چالاکی نہ وہ جوش و خروش
زندگی کاہے کو تھی اک فعل مجبورانہ تھا

بیدلی مونس تھی اپنی اور تنہائی رفیق
بس بجز دم کے کوئی آنا نہ تھا جانا تھا

اٹھ چکے تھے موتکے ہاتھوں جلیسان کہن
کس سے جا ملتے کہ ہم سے ہر کوئی بیگانہ تھا

جن گھروں میں صحبتیں رہتی تھیں یاروں کی وہاں
ڈھیر خاک و خس کے تھے یا منہدم کاشانہ تھا

نوجوانوں کی وہ ہلچل تھی نہ بچوں کی چہل
تھے مکیں باقی نہ اب وہ رونق چراغ خانہ تھا

یاد ایام گذشتہ سے امنڈ آتا تھا دل
گریہ ہری جو اب خندہ طفلانہ تھا

اپنی پیری تھی کہ دنیا ہو گئی تھی اجنبی
کچھ کسی شے میں وہ اگلا سا مزہ آتا نہ تھا

ڈھل چکا تھا دن لب بام آ گیا تھا آفتاب
شام رخصت سامنے تھی اور کچھ وقفہ نہ تھا

قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے ہم
یا مگر بر میں اپنی عمر کا سایہ نہ تھا

اگئی عبرت مآل زندگانی دیکھکر
فرض اب گویا ادائے سجدۂ شکرانہ تھا

کام تھا ہم کو نماز و روزہ و تسبیح سے
شغل کوئی غیر ذکر حق نہیں بھاتا نہ تھا

یاد خالق نے بتوں کا دل سے سب کھویا خیال
بن گیا کعبہ وہ گھر جو آج تک بتخانہ تھا

الغرض بچپن کٹا اک جہل و نادانی کیساتھ
جسکو کہیے اقتضائے وقت نا اہلانہ تھا

پھر جوانی کی بسر غفلت میں یا تقلید میں
کام جو کرتے رہے وہ فعل بیگانہ تھا

اب جو پیری تھی تو بس جینے کی فرصت تھی قلیل
دن نہیں ہو سکتا تھا اب وہ کام جو سالانہ تھا

خلق کی خدمت نہ خالق کی عبادت ہو سکی — خود تاسف اپنی حالت پر گنہگارانہ تھا
کھو چکے تھے پہلے جو، اِس سر تھا قسمت کا گلہ — اب جدا ہر سر گرم تھے یہ ہمایونا تھا
ہم انہیں جھگڑوں میں تھے الجھے ہوئے یا نا گہاں — آگیا وہ وقت جب کا مل چکا بیعانہ تھا
موت نے یوسف کی گھر ایہا نہ ڈھونڈھ کر — تھا یہ حملہ آخری اور سخت بے جا نہ تھا
پھر ملی مہلت نہ ہم کو دیکھنے کہنے کی آہ — وہ لبِ معجز بیاں وہ دیدۂ بینا نہ تھا
کچھ نہ اپنے ساتھ زادِ راہ تھا غیر از کفن — گو سفر تھا دائمی پر بے سر و سامانہ تھا
وہ تن آرام جو سونپا گیا زیرِ زمین — چند ساعت پیشتر زیبِ دوش و شانہ تھا
ہم کوئی رہرو تھے جو ٹھہرے ہوئے تھے رات بھر — اور یہ دارِ فنا گویا مسافر خانہ تھا
مرحلے ہستی کے طے ہو چکے قصہ تمام — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

فحش ناول

ترقی علم نے کی یاں تک اِس زمانے میں — کہ دیکھے جاتے ہیں ناول زنانخانے میں
بُرا نہ ماننا ناول نویس صاحب تم — جو فقرہ ہم کوئی کہہ بیٹھیں دوستانے میں
بنانا جانتے ہو بات کا بتنگڑ خوب — کمال رکھتے ہو تم حاشیہ چڑھانے میں
جو پڑھ کے اِن کو نہ بہکے قصور اُسکا — بھرا ہے تم نے تو جادو ہر اک فسانے میں
اُڑا کے لاتے تھے لوگ اگلے قاف سے پریاں — نہ چوکے پردہ نشینوں کو تم اڑانے میں
شریف زادیوں پر تم نے باندھے وہ طوفان — سُنے نہ دیکھے جو اب تک کسی گھرانے میں
حرم سرا سے بہو بیٹیوں کو تا بازار — کیا نہ تم نے تامل گھسیٹ لانے میں
تمہاری علم و لیاقت کے جائیے صدقے — دکھایا خوب ہنر مال و زر کمانے میں

تمہاری قوم جو رسوا ہوئی تو جوتی سے
تمہارا بک گیا ناول تو چار آنے میں

طلوعِ صبح

نشاطِ دل نے چھیڑا، سازِ آہنگِ مسرت کو
پیامِ شوق پہنچا، روح کے، وجدانِ فطرت کو

نمازِ رکار اِک، پہنے ہوئے کہنے مے نفس
اگر ہو دیکھنا اِک، زہرہ خشندہ طلعت کو

وہ جس کے جلوہ عارض سے ہو جا فضا روشن
وہ جس کی نکہت گیسو بسا دے صبحِ جنت کو

لبِ رنگیں پہ جس کے خندۂ بیتاب کی لہریں
تڑپتی بجلیاں ہوں خرمنِ سامانِ راحت کو

وہ جس کے ہر قدم پر جاگ اٹھیں سینکڑوں فتنے
وہ جس کی ہر ادا پوشیدہ رکھتی ہو قیامت کو

وہ پیشانی ہے جس کی پھوٹ نکلیں نور کے چشمے
وہ رخساروں پہ جس کے ناز ہو تا ہو صباحت کو

وہ جس کی نرمیٔ رخسارِ تاباں کا یہ عالم ہو
کہ شاعر بھولجائے چہرۂ گل کی لطافت کو

کسی کا مسکرا کر دیکھ لینا تم نے دیکھا ہے
حریمِ ناز کا پردہ ہٹا کر چند ساعت کو

جو اس صبر آزما نظارۂ رنگیں کی خواہش ہے
سحر کی روشنی میں دیکھئے انوارِ فطرت کو

وہ نغموں کا تلاطم، وہ وفورِ جلوۂ دلکش
وہ اک تحریکِ بیتابی شکیبائی کی قوت کو

وہ دھیمی چاندنی، وہ نور، اور وہ دو تارے
وہ شوقِ بے حجابی شاہدِ انوارِ قدرت کو

وہ جلووں کا تبسم، اور وہ ذرونی خشانی
وہ پیغامِ کشائش عقدۂ سرِ حقیقت کو

صبا کی عطر بیزی، اور وہ صحرا کی گلبنی
نشاطِ رقص کی آزادیاں اجزائے نکہت کو

وہ موجوں کا محیطِ آب میں اک گرد آبِ لینا
وہ اک خاموش حرکت حسن کی پوشیدہ قوت کو

وہ کچھ دلکش سرود نہیں، گنگنانا، آبشاروں کا
صبا کا چھیڑنا وہ نغمۂ سازِ مسرت کو

وہ کھیتوں کا لہکنا، رُوح کا بیدار ہو جانا — وہ شبنم کا بڑھانا، سبز تنّوں کی طراوت کو
وہ "دودِ آہ دہقاں" بادلوں کے منتشر ٹکڑے — کہ ہیں "موضوعِ فطرت" بارشِ باراں رحمت کو
کسی کا دفعتاً انہیں سے پیشِ راہ آجانا — دکھا دینا، وقوعِ اتصالِ نور و ظلمت کو

"عروسِ صبح" کا آخر نقابِ رُخ اُٹھا دینا — سراپا نور سے لبریز کر دینا، بصارت کو
یکایک ذرّہ ذرّہ سے نمایاں جوشِ تابانی — یکایک ذوقِ بیداری "سکونِ خوابِ راحت" کو
وہ پھر اک شورشِ پنہاں "سکوتِ بزمِ ہستی" میں — وہ پھر اک جنبشِ پیدا "لبِ ایجاد و فطرت" کو
طیورِ خوشنوا کا آشیانوں سے نکل آنا — وہ "عشقِ سیر" ان شیدائیانِ بزمِ فطرت کو
وہ دہقانوں کا ہل لے کر کھیتوں کی طرف چلنا — بنایا ہے شعارِ زیست جو لوگوں نے محنت کو
وہ بیلوں کے ہنکانے کی نہایت آوازِ رنگیں — مگر جو فعل کی تحریک کا باعث ہیں "قوت" کو
اُفق کا، سمتِ مشرق، نور سے لبریز ہو جانا — شکستِ فاش "شہزادیٔ شب" کی فوجِ ظلمت کو
وہ کرنوں کا تڑپ کر برگِ گل میں جذب ہو جانا — پیامِ وصل اک لمحی کشِ آشوبِ فرقت کو

کنوئیں کی سمت قریہ والیوں کی جادہ پیمائی — گھڑے سر پر لیے سمجھے ہوئے انجامِ غفلت کو
ابھی باقی ہے کچھ کچھ نیند کی تاثیر آنکھوں میں — ابھی بھولا نہیں ہے قلبِ شب کی اسرار حیت کو
ہوا سے اُڑنے والی ساریوں کو روکنا انکا — حیا سے دیکھنا پھر دیکھنے والوں کی صورت کو
سحر کے نور کی وہ ان کے چہروں پر دل آویزی — جو مثلِ آئینہ کرتی ہے ظاہر اس حقیقت کو
کہ گویا بھر دیا ہے صبح کی تازہ ہواؤں نے — سپیدی میں صباحت سانولے پن میں ملاحت کو
وہ اعضا کا تناسب اور وہ انکی قامتِ موزوں — کہ جو مسحور کر دیتے ہیں بینائی کی قوت کو

وہ انکی ہر ادا ڈوبی ہوئی انداز فطرت میں — وہ انکی ہر نگہ سمجھے ہوئے اعجاز قدرت کو
پرندوں کے وہ اک تاثیر میں ڈوبے ہوئے نغمے — وہ موجوں کا دکھانا منظر رقص مسرت کو
وہ لہراتے ہوئے سبزہ کے اوپر اوس کے قطرے — نمایاں کر رہے ہیں یوں طراز بزم فطرت کے
نشاط انگیز کیفیت لئے بکھرے ہوئے موتی — بڑھا دیتے ہیں جیسے فرش مخمل کی نفاست کو
سحر کے وقت یا فطری روانی موج دریا کی — کہ آخر جذب کر لیتی ہے تنویر بصارت کو
یہ جوش حسن اور پھر تم نہ آؤ یاد ذامن — یہ محفل اور میں بھولا رہوں اس خوش صحبت کو
ہجوم آرزوئے محشر ساماں کر دیا آخر — مرے خاموش اور بیخبر سے سینہ کی خلوت کو
ستارے ماہ تاباں پھول اور کہلتے ہوئے غنچے — انہیں میں ڈھونڈتا ہوں میں تمہارے حسن طلعت کو
سمجھتا ہوں یہ سب "ہمجولیاں" گویا تمہاری ہیں — اسی صورت سے بہلاتا ہوں میں اپنی طبیعت کو
جھلکتے ہیں مری آنکھوں میں آنسو پھول کھلتے ہیں — تڑپتا ہے مرا دل دیکھکر اس موج عشرت کو
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں میری تم کو تم کہاں چھپ کر — کبھی اے کاش تم اسوقت دیکھو میرے حالت کو
یہ شاعر ہوں مگر روح رواں شاعری تم ہو — تمہاری یاد اکساتی ہے دلمیں الفت کو
وہ ہلکے سے تبسم کی ضیا لب ہائے رنگیں پر — جو گویا صاعقہ خرمن نکہت و طاقت کو
وہی ہے میری "نظم زندگی" کا عنصر غالب — انہیں جلوؤں میں عریاں دیکھتا ہوں حسن فطرت کو
ستاروں کا تبسم اور ہوا کی نغمہ پیرائی — یہ گونج و جد میں لاتے ہیں جذبات طبیعت کو
تمہاری دلنشیں آواز ہے "موسیقی کامل" — مری رگ رگ میں بھر کاتی ہے جو سوز محبت کو
تمہارے ہی وہ جلوے تھے کہ جن کو دیکھکر آخر — یہ کہنا ہی پڑا اک "حامل اسرار فطرت" کو
کہ تم وہ "مجسم ناز" کہنا جسکو زیبا ہے — نہیں کچھ فوج کی حاجت تمہاری بادشاہت کو
تمہاری "فتح" ہی اک راز ہے ہستی انسان کا — جما دیتے ہو تم ہر قلب پر نقش حکومت کو
طلوع صبح ہے عریاں ہیں ہوس حسن کے جلوے — ہوا کی نرم رو بیدار کرتی ہے طبیعت کو

سہانا وقت ہے ایسے میں تم اے کاش آ جاتے
اور اپنے اختر بیتاب کی حسرت مٹا جاتے

روح ادب

مدیر مولوی سید کاظم علیصبا اعزاز اللہ ولد اعزاز اللہ

اصغر — مولوی محمد اصغر صاحب بیرسٹرایٹ لا

نہیں چھپتا ہمارا کوئی مرثیہ غم کی بھبوت کو — تراخم کہا رہا ہے پیتے ہمارے محبت کو
کبھی چاہا نہیں محبت کھیلنے کی زیادہ کو — سمجھا جانا ہوا اگر کوئی حقیقت کو
نہیں بیتھی کے چھوٹے دل اپنی تنگ کو — شب وقت میں کی گوارا نہیں فرقت کو
کبھی انکا الف ہو کبھی ترک محبت ہے — خدا نے دی ہیں چشم مرتبہ حیرت کو
مجھے ڈرہے خدا کی نظر شاید لگ جائے — چہرا رکھا ہے اپنے دلفریب اپنی چھپکے
اڑاتے ستے ہیں یہ دھیاں حیرت ٹپکا — خدا کرے سلامت یہ آیات و شوکت
کبھی نہیں مری آہ دیں کبھی ان کی جاتی ہے — یہ لفظ کے
وہ دیوانہ ہوں جو نہ رات پسند کمال ہے — جو ہنسی ہنسی ہے جو مرکر جھوٹ ترستے
پڑی ہوتی ہے یہ دنیا اس کے قابل کیا — اٹھا یا ہو کر اس نے اپنے پنی قیامت کے
یہ ان کیا یہ دل کیا، پھر بھی اسے دیوانہ ہونا کا — خدا کرے سلامت چلتی اسی طبیعت کو
زباں کی لیے نوایات کہ گئی ہے اضطر — کہیں ہو نہ نکلے آپنے دیدہ ساتھ کو

آلو ڈاکٹر مولوی میر مہدی حسین صاحب

کوئی آتا ہے کے مشورہ ہے دل مرتکا — جلادو جلے طالم بعض دوست کا
تمہیں ہے مشورہ عقل اس میں کیا ہے — جو فادار دوست ہے اسے کیا ہے
تراحسن ہے والفظ سے کوئی نہ سہرا ہے — جو صف سے نہ ہو تا کوئی نہ
نے حسن طلب وہ شے ہے تجھے کہتے — ہیں کاذب الامل اگر ہو کوئی نہ

یقیں ہا و گیا اکبر نہ یکا کیسا ہے — گئے وہ دن کہ ہم اکبر کو سمجھتے
تمہیں اس کو چاہئے جوش ایمان طاقت — لٹاتے رہتے ہیں اس کرم نوازی دل
مزہ ملتا ہے جو اسکی خلش میں کہیں سکتا — خدا کرے ہمیشہ میرے لبوں حسرت کو
نہ شوخی کہ لوگوں کو دکھائے گر مخمل — وہ بلکہ اپنے کو ہو یکھے صورت کو
بڑی بات ہے اگر یہ کرلیا وہ — جو یہ چاہا کہ فرہاد کا کہا کر تیا سکا
چاہے دیا جاتا ہے ہیں ہیں ہیں — ذرا تم آئینہ لیکر تو دیکھا ہی ہو تم
خدا شاہد الم کا میرے انیا دیکھا وہ نکا — اگر وہ آزمائیں اور فرہاد میری محبت کو

برقی — مولوی محمد نادر علیصاحب

بجھا نے جو نکر نظر دیا میں محبت کو — لگا کہا ہے چشم منظر خیال خلق کو
نسخہ لگا اجاد مارمضان محبت کو — ساکرتے مرد ہو دو کر تو ہو ذرت کو

اعزاز — مولوی سید کاظم علی صاحب میر مہدی

بابا یوں جو شب بھلا اس فتنہ ذات کی — ہاں ہی دشمنی تیری ان کی
لے تیہاں آغوش تو محسن تجاہت کی — بار کہا ہے تجھے نہ نیچی
انہیں دیکھ کر وہ کہتے ہیں ہے کا — مجھے دیکھ کر میں تمنا ہو شرمندگی
خدا نہ رہے جو تکلیف دیتی ہے بھلائی — تیرے آپ ہی بار کرنے اس کی
سر محشر وہ کا مدعا کہ کا شب عمر کا — دکھا دو گی قیامت کا سا ایک قیامت
مجھے دل دیکھے اکبر الہ بابا کی اداؤں — تاشا، میرا تماشا ہو تماشا ہے
خیال ایسا ہی دلبر حرف ایسے — رہے عرض تمنا کوئی دیکھے کیا

کہا ہاں ہے ایسا جو افسانہ ہو — نہیں کیسا سنا اور پوچھے
شبہ جنس کا ہو ہے خلق فرار — دکھا دی حسن کی صورت بنا کر تیری
تصویر میں بھی وہ آتے ہیں طرح — میری تجھ کو پردوں کے چھپا کر
نہیں جیسے تو بنے داغ بہ کیا کہ — رہے تو برسنا فرض ہی بنا کر

تصویر — منشی سید علی نواز صاحب صوفی

ہمالیسی ملی سوز کہ گداز الفت کو — بجی میں ہے تجھے نہ دوغ
چراغ بزم سخن ہے داغ کا صاحب — الٰہی اور گرمی کر عطا سوز محبت
صفائے عشق ہی سے حسن کی ہر جلوہ گاہ — میرا آئینہ ہوں کہیں ہی ہیرا
نگاہ لرزت اندوز تا ثنا حال ادا ہے — دل ہر ذرہ کی دنیا کرے قائم
ناتے کا محمد دوں کو افاظ کا — تصنع ۱۱۱ ۱۱۱ ۱۱۱

شعرا - مولوی حکیم معشوق علیخان صاحب

بل جب سے ہے ان بتاں نے غمزہ اٹھایا ۔۔۔ جگر کی نہیں ہے ہی ہی خوف قیامت کو
مدعی جو گذرے ہے تری اٹھا کے حسرت کو ۔۔۔ اڑا رہے ہیں وہ لیکر حکیم پھونک خاک تربت کو
تیغ کے ساتھ کو کر دیا بنا م زباں ۔۔۔ تھیں نے ملکے غمزوں سے کیا ہے شہادت کو
ری آہ و زاری کا نہ پر شکوہ کر و ہر گز ۔۔۔ ہمارا کی تجھ سے ہے تو ہی ہے تو ہی تو
ح نام قصر و کاخ کن دنیا میں باقی نہیں ۔۔۔ ہوئے کر دیا دل وحشت کے
چا جان عاشق کی بھلا کس کو ہے تسلی ۔۔۔ اگر یاس کی حماں کو بتا دیا کہ تیرے
بت کا مری نہ کچھ دو کیا مٹا ہے ۔۔۔ مٹا دو اک ذرا آئینہ داغ کدورت کو
بقی نہ آئینہ نظر رنگ بھاری تیرا ۔۔۔ پے نظارہ کہو تو دو چشم بصیرت کو

عالم - مولوی احمد سعید صاحب حیدرآبادی

بھائیں کے محشر میں ہی تصویر قامت کو ۔۔۔ مقابل کر کے دیکھیں خوبیاں قامت کی
ہر اعلان ہے نہ کوتاہ ۔۔۔ سری سودائیاں کافی ہیں ظالم تیری چوٹی کو
ہر سر شمع کے جیسے مثل مجنے کو سوچ ہے ۔۔۔ ترستے ہیں ترے کو چہیں کہ تیری ہو تو کو
ایسے مکھیاں نے شیخ جی کو کر دیا مفلس ۔۔۔ بچا یا اب ذرا مسلوخ و دنبہ ضیافت کے
کا عشق کیسا عشق بھی کہتے ہی ہاں ۔۔۔ جو سمجھ پوچھو تو ہم بالم کرتے محبت کو
ہر اتا ہیں شہر اعظم مختصر کر دے ۔۔۔ کوئی جا نیگا دوزخ کو کوئی جا نیگا کاب کو
نا ہے آج سمجھانے میں دو وعظ کر دیں ۔۔۔ بنے حالات تم میں کیا سمجھتے حضرت

ذہین - مولوی سید خواجہ مجی الدین صاحب حسینی

الفت رشید نے جو چہرہ اسا ذوق تو ۔۔۔ کیا خاموشی نکلے شوخ صورت کو
خلائی آئینہ کی وجہ شہر سکندر ہے ۔۔۔ جو شہرت چاہتا ہے فقر کر دل کو بنا کے
ہ آئے مجنوں ہو ہو مجھ کو ہوا سکتے ۔۔۔ بنا آئینہ حیرت جو دیکھا اپنی صورت کو
دھن سوختہ ساماں ۔۔۔ ترا اوں نار سے لیکر چلی گلزار جنت کو

ترک - مولوی علی احمد صاحب

شب فرقت نے موقع طوار روز قو ۔۔۔ ذرا لے شام غم کیسے ہوئے صبح قیامت کو
ارا ٹیکے نگاہوں سے جو ہم آفات دہشت کو ۔۔۔ ترے قامت کہ لگتے سرو بالا میں قیامت کو
محشر جھوٹے بنے گر اندازِ وحشت کو ۔۔۔ نہ مانے حیدر ان میں کیا قیامت کو
نہ کہ کر خدا کی اڑا ماہ سے خبر ۔۔۔ قیامت کا نشاں ہیں بھی تو دیکھا دل کھلا
نہ جا تو حشر میں مجنی کا نہ پانی دو ۔۔۔ تری محشر خرامی پیش لے گی قیامت
نہ مجھے دی کوئی بات سکی کہا تو بھی ۔۔۔ اڑا یا پھٹکیں پہ تیرے نقوش قیامت
مزا محشر خرامی کا تو جب آئے ۔۔۔ قیامت تک نہ چھپے اور وہ ہو قیامت کی

سلیم - مولوی سید وحید الدین صاحب

کہوں اس غنچہ سے کیسی بلبل شیدا دماغ قدت کو ۔۔۔ کہ غرقہ خون میں رہا ہو لوئی بلبل کو
نہ کیا ہے تو نے اسکا مات کے وار کو ہی ۔۔۔ چھوڑ دیا مرے شہ نے اکیلا ان رخ کو
نقاب رخ انور سے پر نہ کیا تقدیر ہی ۔۔۔ پھر اٹھا ہیں نگاہ نوش طرح رخسار کو
قیامت ترے در کے گدا کی جنس ارزد ۔۔۔ لرزتا دیکھتا ہوں میں شہا ہوں کا سلسلہ کو
منی ہے گرنا بجلی کی اڑی زاہد کی محفل ۔۔۔ ندامت دھو نہ دے تری چہرہ آرائی عرق کو
یہی وہ رنگ ہے جس سے ترے رخ کی ہے رونق ۔۔۔ ملا دے گلو کو کر کوئی صباحت میں لالحت کو
سوار ہاں کی حرمت کی کدر سے کیسے نکلے ۔۔۔ چڑا کہ ہر ہاں جا کا شک نہ امت کو
ہوں میں پھیلے ہیں ہاں آذر تری صورت کو ۔۔۔ تو کہ پہچان لیگا اس آذر تری صورت کو

سفیر - مولوی سید شاہ حسن صاحب

یہ وہ میدان ہے جس میں قدم ہر ہاں دل مقتل ۔۔۔ نہ پوچھو محمد سے ہر قدم پر کیا قیامت ہے
تم اس چہرہ کی سی کافی ہے جا دیکھو ۔۔۔ لگے ہیں پھر کی تیغی ہاتھوں میں لالحت کو
گر جانا ہے سایہ کی طرح آگے سے چلا ۔۔۔ نکلے دیکھا اس جب تو ہے قوت و حدت کو

شاکر - مولوی شاکر علی صاحب

نہ کہو اپنی محفل میں مرے سر کو جھکا ۔۔۔ کیا اندھیرے میں نہ ہوتا ہے کبھی اجالا کو
گلوز رنگوں سے ہے انداز اک کو ۔۔۔ ہر کہاں نہ تو اکیلے محبت کو
شب ہجراں جو آئی سایہ لائی یاد کا ۔۔۔ یہ خود کہا کہ بلا ہے جو لگا نی قیامت کو
ہم آج اول عشرت ابھی کی محو ہاری بار ۔۔۔ یہ ہو ہے میں محبت کے نہا جا جیں محبت کو
جنوں کی یاد میں مژگاں میں لطف خلش ۔۔۔ کہ رکھا آبلوں میں ہم نے کچھ خارِ دشت کو
تہدے دیں کہ بازیر حشر کا کیوں ۔۔۔ جعل کر تے ہو ناحق مصداق محبت کو
عدد کا ٹے بیٹے گئے یہ بھا لیکن ۔۔۔ ترا ہر وار قاتل جان تازہ اسکو بخشے ہے
تہا یا غیر کا دامن ہا تھ اپنے پلو کب ۔۔۔ مرے اشعار کی بندش جگر آپ ہی ہے

صدکنا اور زندہ انسان کی تو نہیں کل سے
سنا یا موت نے شاید گرفتاران وحشت کو

الٰہی شکر نعمت دے کہ تیرے ہم سے ہو سکے
خدا دیتا اگر مت خداوندان نعمت کو

شباب مولوی میر محمد معین الدین علیخاں صاحب نصاب

اگر انسان ذرا بھی عار ہی اپنے بعیت کو
تو ہر ظلمت کدہ میں چمکے گا نور تجدد کا

طریق تمکین اور عزت کی جانکے اپنے کیا مطلع
وہ ناشنیدہ ہے کوہ اپنے کو کہتا ہے کہ ہیں ہی

نرالی چال ہے اسکی نرالا رنگ ڈھنگ اسکا
جھکا تا ہو وہ گنوں کو اٹھاتا ہو تو قیا کو

تمہاری خود ستائی و خود آرائی نہیں جچتی
اگر انساں ہو لاکو کام میں کچھ تو مت کو

جو کہ کر شرما ئے سدھ عالم اگو دعا لگو
ہے بابا یہ کام جو ترے بس کا نہیں تو مت کو

عابد مولوی حکیم محمد عابد صاحب

ناچ رح وہ تشریف لے تو میں عیادت کو
مزاج ہے کہ مرہ آجائے بہانا چاہتے کو

کلیجہ تھام لو مرنے کو دیکھو وہ یاس بھری
نہ چھیڑو اس طرح کو یوں تم اس بیمار کو

طبیب آئے ہیں گھر میں کہ کوئی شام ہو کو
ہیں وہ دوا کیا بتا کوئی دیکھے جیلا عیسیٰ کو

ٹھہرا لے موت جلدی سے کہ تڑپی ہے بہانا تو
مخمل خود ہے نازک بے اضطراب روا نہا

نظر آئے میں مصطفیٰ کی نظر کا کیا مخمل
یا تو نام پر شیخ کے اناد ہو نکلتا ہے

نہ دیکھو میں آتا ہے یہ شکل کے اپنی آئینہ
غم دنیا نہ زاروں ہم کو لیکے کیا کرے عابد

عزیز مولوی عبد القادر احمد صاحب

مزدوں کا ہے یہ خدا ہے ان کو دو یہ ہے
کہو ایسا ہو عاشق اور ہے یہ جیل جا

عزیز ہیں آشکو نہ کرے اب کیا عالم
ہوں یا محبت نے خدا کے محبت کو

غیور مولوی حکیم سید عابد علیصاحب

علائق ترک تو ان ہی خاکی کی ثقلت کو
کیا ہے ایک جا جمع وطن اور شام غربت کو

کہا ہے سنے دیکھا جو شیر تو دو تا مت
قیامت ہے ہی دنیا میں لیکر حرص کو

زمیں پھرے ہی ہے واپس اپنی دھری کی طرح
وگرنہ ہم نے کیا خود یہ عابد دیر تک

جائے تو کی محبوب نہ آپس ایک تو سے
غم اور بڑھا دیتا ہے کوئی اگلی مصیبت

انگیٹھا اور پھر وہ دیکھتے ہیں پرنساں
کہ امنوں کی نظر لگ نظر لگ سکی چشم غضب

مورب علم کئے تھے اب خود بیٹھے ہیں
سنا جو خدا ہی چاہتا ہے اور چاہتا ہے

ادھر ہر لب پہ ہر تماشا کی گفتگو ہر
ندیم مٹھائی لیے ہے پڑھ رہا ہے

آہ سرد آہ اندھی ہوائیں ہیں
کہ جیسے کر دیا ہے آور شر نے عابد

مخمل تر روہ محبت کیسے ہیں ہر ہیں چھپا ہوا
کہا تک کر دیا عابد نے ان سے محبت کو

مرثیہ گو مولوی مرزا محمد ہادی صاحب

قوم کے تھی اس کی کہ دو گز زمین کو
یہ دو اعجاز ہے ذوالفقار حیدری کو

ہوا ہے ہوا ہے ہوا ہے ہوا ہے
ہوا ہے ہوا ہے ہوا ہے ہوا ہے

کاتب مولوی محمد عبد الرحیم صاحب

دل سنا ہیں انسان کو ذرا بھی خطا تک
اس دل سے لکھا تھا نقش کا چالیس کو

دو عالم کیوں نہ مصطفیٰ کی شان پر کھا
خدا نے آئینہ اپنا بنایا جسکی صورت کو

رسول اللہ کی الفت کا سودا ہے جسے
نہ ہو کر اور تو ہر وہ کہ کر دنیا کی دولت کو

نبی مصطفیٰ کے عشق کی جوش تصویر میں
تصدق کر دیا اس نے مہر اخ حشر

کرنا جرم کا ہے جرم ہی تو یا د کا ہے
یہاں چاہیے کہ مغفرت شاہ امم کو

ملعم مولوی منور علی صاحب

قوم کی ہم کیا جانیں کسی
طاقت کو جہاں سے دیکھا ہے یا ہاتھ

ہاتھ کو دیکھ کے دیکھے کوئی اس قابل کے
کہ شعلے کو اعلیٰ کی شوخی کو شرارہ

پکڑے دیکھے بجوبی نہ دیکھے
خدا نے دیکھ کیا کیا ہوتا ہے

بنے کے حسن صورت پر شرم حسن سیرت کو
نہ دیکھ کر دی کو دیکھا ہے کی قدرت کو

تماشے کر دیکھوں ہر کسی بزم عشرت کی
پر یہاں جانا ہوں کہ تا کیا یا اللہ

نہ تھی محبت کو خبر انسوں اس انجام کی پہلے
کیا کہ تا ہوں کی یاد آغاز محبت کو

جہاں میں ایسی ہوتی ہے کسی کی شوخی کیلا
پڑتا ہے لال ہو جاتا ہے کالا کی قیمت کو

دکھا دے یا الٰہی پھر وہ کون بن ٹھن
وہ پھر کھیل آئینہ دیکھوں میں ہنسی کی جگہ

گئے گل نہ لیکن نہ کانٹے پاؤں سے نکلے
جن کو بچھ نہ ہو سکے ہیں وہ دشت

تصنیف اسے روزانہ اخبار نویسی ہے
کیا مشہور عالم میں سر راز محبت کو

گئے وہ دن کہ ہم بیٹھے رہتے تھے محو
کہاں ہم جا کے اب اے شمعہ ہوا ہیں طبیعت کو

قادر مولوی سید قادر حسین صاحب

تری ٹھوکر کے کشتے ہیں آرام پاتے
کچھ ایسے سوئے ہیں مٹکے پہ رونہ

مصیبت پر مصیبت دیکھتا ہوں صبر کیا
خدا جانے اٹھاتو دیکھ کر کیا

سکوں بیوفا نا آشنا نکا غارگر
کہوں کیا اور میں ایسے سوا اس

وہ آہ اسے میں زم نہ غیر کو جب
ہم اکیلے میں دو رو جاتے ہیں

نظر بد دور سی دلبر کی دولت پر
میں یا رب یا محبت سے سدا طالبی

عدم کے جانے والو بھے ہم بھی
بہت ہوا ساعد گیا

پڑے پھرتے ہیں رہ آثار سے جو
اڑایا ہے بہت کچھ ہو تو

عبث ہے تجھ کو ہو تجھا ہے نہ او ظالم محبت کو
ہو کس تو تجھا ہے نہ او ظالم محبت کو

دور رنگی ہی نا کی عجب دیکھ قابل
کوئی ہے شادومست پر کوئی روتا

کاتب مولوی محمد عبد الرحیم صاحب

دل سنا ہیں انسان کو ذرا بھی خطا تک
اس دل سے لکھا تھا نقش کا چالیس کو

دو عالم کیوں نہ مصطفیٰ کی شان پر کھا
خدا نے آئینہ اپنا بنایا جسکی صورت کو

رسول اللہ کی الفت کا سودا ہے جسے
نہ ہو کر اور تو ہر وہ کہ کر دنیا کی دولت کو

نبی مصطفیٰ کے عشق کی جوش تصویر میں
تصدق کر دیا اس نے مہر اخ حشر

کرنا جرم کا ہے جرم ہی تو یا د کا ہے
یہاں چاہیے کہ مغفرت شاہ امم کو

ملعم مولوی منور علی صاحب

قوم کی ہم کیا جانیں کسی
طاقت کو جہاں سے دیکھا ہے یا ہاتھ

ہاتھ کو دیکھ کے دیکھے کوئی اس قابل کے
کہ شعلے کو اعلیٰ کی شوخی کو شرارہ

پکڑے دیکھے بجوبی نہ دیکھے
خدا نے دیکھ کیا کیا ہوتا ہے

بنے کے حسن صورت پر شرم حسن سیرت کو
نہ دیکھ کر دی کو دیکھا ہے کی قدرت کو

تماشے کر دیکھوں ہر کسی بزم عشرت کی
پر یہاں جانا ہوں کہ تا کیا یا اللہ

نہ تھی محبت کو خبر انسوں اس انجام کی پہلے
کیا کہ تا ہوں کی یاد آغاز محبت کو

جہاں میں ایسی ہوتی ہے کسی کی شوخی کیلا
پڑتا ہے لال ہو جاتا ہے کالا کی قیمت کو

دکھا دے یا الٰہی پھر وہ کون بن ٹھن
وہ پھر کھیل آئینہ دیکھوں میں ہنسی کی جگہ

گئے گل نہ لیکن نہ کانٹے پاؤں سے نکلے
جن کو بچھ نہ ہو سکے ہیں وہ دشت

تصنیف اسے روزانہ اخبار نویسی ہے
کیا مشہور عالم میں سر راز محبت کو

گئے وہ دن کہ ہم بیٹھے رہتے تھے محو
کہاں ہم جا کے اب اے شمعہ ہوا ہیں طبیعت کو

مرثیہ گو مولوی مرزا محمد ہادی صاحب

قوم کے تھی اس کی کہ دو گز زمین کو
یہ دو اعجاز ہے ذوالفقار حیدری کو

ہوا ہے ہوا ہے ہوا ہے ہوا ہے
ہوا ہے ہوا ہے ہوا ہے ہوا ہے

ال علم سمجھے جو اپنا حیثیت کو
تمہارے وعدہ فردا کی ہے اعتبار کیا

سی سلسلہ ٹوٹا ہی میری آرزوؤں کا
ے دل کی بھڑ سے یا الٰہی یہ آئینہ ٹوٹے

طاس شمس میں ہے اپنی ہی ذات کا خاکی
ہر ذرہ آفتاب ہو جو عین کائنات ہے

یہ وضع غیر عاشق ہوں کو اچھی نہیں لگتی
بھی دامن قاتل ہی ست شوخی ہوتی

غزالی ہی کی مژہ تکوار کی سی تیز ہوتی ہیں

مسرور۔ مولوی میر محمد علی صاحب

عوام از سیلاب فتنہ نا سمجھی ہیں تب تک
امید بیدل کی کم افزا تمنا اسکی حاسد

تو ظلم و جور پر کیا دل فدا ہے دل والوں کا
ہے تاج ہے اے رہنے والو دار خاکی کے

سحر کو بال کھولے یاد میں کس کی تجلی میں
دل کش تو صفحہ ہستی پہ تیرا جلوہ ہے لیکن

ہے صحبتی ہی زاہد کام نہ دے دور محبت کا
کہاں ہے اور کیا کیا تماشا کی فروشی

کہ کیا کہنا دنوں کا ہے جو ہر شب ہے شب قدر
ہے کیا ہے کیا ہے کیا ہے کیا ہے کیا ہے

نسیم موج پرور ہو تو ہستی ہی ہے شبنم کو
بھلا کیا پاتی ہے شورش سے محبت کی

ہوا ہے آنکھ کی صیقل لالی ابر رحمت کا
وہ بادہ لایا ہے کیا خوب تجھے یہ الفت کا

وہ اک ہیں ہوں تر تا ہوا ہے ہر ذرہ کو
دکھایا آئینہ جمع و طرز تسلم غیب کو

خدا کا کا ترجب موجود ہو موجود حیات

عجاور

بھی ہوش پر ہے کیف جنابی کی چرچا
تقاضا کی ہر ہی ہوتی ہے جب پانی ہوتی

ہے حسن کی ٹھوکر ہے دونوں جہاں کی
جاور چلے ہم بھی آزمائش ہی تھی

نیسان۔ مولوی ثامن علی صاحب

رم آخر ہی کیوں ہے بلایا یا وفا تم نے
ہم قیامت ہی کی آفت ابھی ہوئی نہ تھی

علم فرمائے آیا ہے فرمائے قیامت
ذرا خاطر میں لاؤ تم ہو کیا ہو

تسلی ہوئی ہو کچھ بسمل تو شمشیر

نہ دیتے تم آزار دل میں جگہ گر درد
تو پھر ہم کہو نے کیونکر نہ آہ

کہا تھا آنکھ تو دیکھا اور شرمندگی

بیت کہہ بار رہتے ہیں خود کو
ابھی ہو نیلے ہوں گے آپ

واضحی مولوی محمد عبد الصمد صاحب

دیا جب جس خالق نے ازل میں
بنایا اور پھر ایسا بنایا

شبیہ یار کو آنکھوں پہ کیونکر
دکھا کر نمونہ خدا را اس

دنیوں کا جوش ہی ہے
کیا اظہار منت

وصال اس کا اسے ہیں
تقاضا جلوہ ہے وہ

اہانے جانے ہیں ہر دو
شانے سیکڑوں بت

شراب عشق کے اس
ہو ابھی ہی محبت کو

یسین مولوی امین خان صاحب

مری تھیں ہی روز اول
کبھی یہ چھپ کر
لبھی آباد رہتا ہے
بہت دھوکا کھایا ہے
دکھا کر بے رخی
ہوا دل پھر فریفتہ
نہ آئے زندگی میں وہ
سلام اس محبت کو

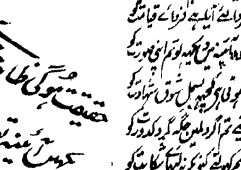

فہرستِ مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
فہمِ فارابی	شمس العلماء خان بہادر مولوی حکیم شمس اللہ قادری صاحب ایم۔اے۔ آر۔ایس	۱
غزل	حضرت کیفی حیدرآبادی مرحوم	۲۴
رباعیات	ہز اکسی لنسی راجہ اجیت پرتاپ سنگھ صاحب بہادر سی۔ایس۔آئی	۲۴
تخمیس	عالیجناب خان بہادر سلطان احمد خاں صاحب مدظلہ	۲۵
سلام	عالیجناب نواب محمد کاظم علیخاں بہادر دام اقبالہٗ	۳۰
ہلالِ عید	عالیجناب مولانا محمد عبدالحمید صاحب قدیر پروفیسر عثمانیہ کالج	۳۱
سلام	عالیجناب نواب محمد حسن صاحب	۳۴
غیر مسلم علماء کیا رائے قائم کرتے ہیں اسلام کا	عالیجناب نصیر الدین صاحب ہاشمی نشی کاظم	۳۵
غزل	عالیجناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل مدظلہ	۴۲
جذباتِ شباب	مولوی محمد عبدالرزاق صاحب بسمل	۴۳
ہاتھ (قصہ)	جناب شیدا محمد صاحب حیدرآبادی	۴۷
انوارِ عصمت	جناب اُم المحامد صاحبہ	۶۱
نامنتا	خاکسار وفا مدیر تاج	۶۳
برسات کی بہار	مولانا عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی دام ظلہٗ	۶۵
موسمِ بہار	مولوی قاضی محمد غوث صاحب فضا	۶۶
تیر باراں	سخن آفرینِ لامساید فرید الدین صاحب بیتاب	۶۸
رعشۂ پیری	مولوی سید علی اشرف صاحب اختر	۶۹
اشتہارات		

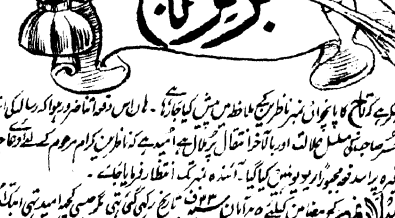

جدید نیا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تاج کا پانچواں نمبر ناظرین کے ملاحظہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس دفعہ اتنا عرصہ ہو گیا کہ رسالہ کی اشاعت میں ایک مقطعہ کی تاخیر اس کی وجہ سے ہوئی کہ خسرو صاحب مسلسل علالت اور بالآخر انتقالِ پُر ملال سے دوچار ہوئے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام مرحوم کے لئے دعائے خیر کرتے ہوئے معاف فرمائیں گے۔

رسائل و کتب

وغیرہ جو رسالہ خود بھیجا گیا ہو یا نہیں کیا گیا۔ آئندہ نمبر کے انتظار فرمایا جائے۔

گزشتہ نمبر میں پیدا ہونے والی غلطیاں

اب بجائے ۲۵ مہ آبان کے ۲۵ مہ آبان ۱۳۳۳ف تاریخ رکھی گئی تھی مگر صبی کچھ امید نہیں اب تک کتنا مضامین موصول ہوئے ہیں اور نظم و نثر آئندہ نمبر کے لئے کتنا مواد ہے اس لئے تاریخ مقرر کرنا مشکل ہے۔ امید ہے کہ ۲۰ دسمبر تک ہر حالت میں تاج شائع ہو جائے گا۔ خصوصاً اردو کانفرنس کے ناظم الاخلاق حضرت زین یار جنگ بہادر مدظلہ۔ علامہ مولانا سید عبداللہ العلوی صاحب جلیل القدر مدیر الحسنات۔ شمس العلماء مولوی سید شمس اللہ قادری صاحب ایم۔اے۔ آر۔ایس۔ مولانا سید ریاض حسین صاحب بیتاب۔ مولانا سید علی اشرف صاحب اختر۔ مولانا سید احمد حسین صاحب امجد۔ مولانا سید کاظم علی صاحب بیتاب۔ مولوی سید علی اشرف صاحب اختر۔ مولوی محمد مرتضیٰ صاحب۔ مولوی محمد مظہر حسین صاحب۔ مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی پروفیسر عثمانیہ کالج۔ مولانا عبدالحمید صاحب پروفیسر عثمانیہ کالج۔ مولانا مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب وغیرہ خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ تاج کی توسیع اشاعت میں جن حضرات نے ایک سرگرم کوشش کی ہے ان کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے حضرات کی خدمت میں توسیع اشاعت کی گزارش ہے۔

اس نمبر میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں امید ہے کہ ناظرین کرام پسند فرمائیں گے۔ اتفاق سے اصل مضامین کو پہلے ملاحظہ ہونگے۔

فہمِ فارابی شمس العلماء مولانا سید شمس اللہ قادری صاحب ایم۔اے۔ آر۔ایس۔ نے جو محققانہ و محنت کیا ہے یہ عالماً و فاضلاً مسلم ہے۔ ہم اس کی داد دیتے ہیں۔ فی الحقیقت خاجہ موج آسمان تاج کے درخشندہ آفتاب ہیں۔

غزل حضرت کیفی مرحوم نے تاج کے دوسرے اول میں یہ غزل ترنم فرمائی تھی مگر افسوس تاج کے ہوتے بندوبست کی وجہ سے اس غزل کی اشاعت وقت پر نہ ہو سکی۔ حضرت کیفی ہندوستان کے شعرا بالکمال کی صف اول میں ہے۔ کیفی حیدرآبادی نہیں الہ آباد کو ملک مشکل نظر آتا ہے۔ ہم اس غزل کی

نسبت کیا لکھیں۔ اسکا ایک ایک شعر غرور نقاد ان سخن سے خراج تحسین حاصل کرے گا۔

رباعیات ۔ حضرت شاد عظیم آبادی بالقابہ کا فارسی کلام ہے۔ آپ کا نام ہی آپکے معنی آفرین کلام کے لئے کافی ہے۔

آنکھیں ۔ یہ مضمون خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کا ہے جو ہمارے دوست ابو المکارم مولوی سید انوار اللہ صاحب۔ بیرسٹر علیہ خان بہادر صاحب ادبی دنیا میں کافی سے زیادہ شہرت حاصل فرما چکے ہیں آپ ہماری تعریف سے مستغنی ہیں آپنے اور مضامین ہی بالا ترہیں ہمت فرمائیے میں۔ آئندہ نمبروں میں ناظرین ملاحظہ فرمائینگے۔

سلام ۔ حیدر آباد کے مشہور سیر و نواب شوکت جنگ حسام الدولہ بہادر کے بڑے صاحبزادے نواب سید محمد کاظم علیخاں بہادر نے یہ سلام نوحہ اشاعت کیلئے عنایت فرمایا ہے جہان آل سید کے سکوٹر کرتا ثر ہوئے بغیر نہ رہینگے۔ سلام گوئی ایک خاص فن ہے الحمد للہ کہ نواب صاحب کو اسمیں کمال حاصل ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہمیشہ تاج پر فرمائش فرماکر اپنے مضامین (نظم و نثر) علمائیت فرماتے رہیں گے۔

علم موسیقی ۔ مولانا محمد عبد القادر صاحب صابری حضرت پروفیسر عثمانیہ کالج کا یہ بہترین مضمون آپکی اعلیٰ قابلیتوں کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

سلام ۔ سلام نواب آغا صفدر حسین صاحبا کا عطیہ ہے طبیعت اچھی پائی ہے اور خوب فرماتے ہیں آپ نژاد ممتاز علیگڑھ پرنس آف حیدر آباد کالج سے ہیں۔ آپ کے والد نواب آغا حسن جان نائٹ آف دی ایمپائر و نائٹ آف دی آرڈر آف ریلیجس مائس اینڈ مس کے لائق صاحبزادے اور نواب حیدر جنگ صاحب کے بطن سے ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے جو نواب بیت النساء بیگم صاحبہ بنت اورنگ زیب کی اولاد سے ہیں۔

اسماء الرجال ۔ تعلیم آپنے چیف کالج انبالہ میں حاصل کی اسکے بعد سید احمد خان صاحب نے علیگڑھ بلایا۔ آپ کی شادی نواب ذوالفقار الدولہ بہادر ممتاز الملک بہادر شاہ دہلی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ مصارف شادی کیلئے حکومت انگریزی نے چھبیس ہزار روپیہ دیا۔ سرکار انگریزی نے تقرل گزارہ ایک مدت تک قطار خوجید وجوہ سے بند ہوگیا۔ زمانہ کی نامواقفت سے متاثر ہوکر آپنے حضرت شاہ علی حسین صاحب کچھوچھوی کے ہاتھ پر بیعت کی اور شاہ صاحب موصوف سے بندگانی اور خطاب ولی اللہ شاہ عطا ہوا۔ ناول نویسی کا بہت شوق رہا ہے اور ایام جوانی میں بہت ساری نظمیں کہی ہیں۔ قصائد، نظم و نثر، اور کئی ڈرامے لکھے ہیں۔ اس زمانے میں صاحبزادہ وغیرہ کہتے ہیں یہ سلاما نہ ہی ہوا جانبی یا ہل کہا ہے۔

غیر مسلم علمائے کیا تھہ خلفائے عباسیہ کا سلوک ۔ منشی فاضل یضیر الدین صاحب بی اے کا یہ مضمون قابل تاکید ہے۔

غزل ۔ جلیل القدر حافظ جلیل حسن صاحب المخاطب نواب مہاصحت جنگ بہادر جلیل الہندی ہیں فیوضہ کی یہ غزل ہو خاص تاج کے لئے لکھی گئی ہے ولی سکہ ہے۔ صفحہ تاج پر زیب تاج ہی ہے۔ آپ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد ہیں اور مسلم الثبوت استاد ہیں آپ کی ادبی توصیف کیلئے اوراق تاج ناکافی ہیں اسلئے ہم صرف آپکا اتنا کہکر تسلیم کرتے ہیں کہ سعدی نمائے تو شد شیخ نمائے تو شد شمائے تو شد خاموشی از نمائے تو شد

آپ کے بزرگانہ اوصاف سے ہمیں قوی امید ہے کہ آپ تاج پر حسب نظر عنایات مبذول فرمائینگے۔

جذبات شباب ۔ اپنی نوعیت کا عمدہ مضمون ہے جناب اسلم صاحب کی جدت طرازی کا ایک نمونہ ہے

ہاتھ ۔ نفیات کے متعلق یہ تصر جو غالباً مرجع جناب شیدا صاحب شیدا صاحب شیدا رقمطراز فرمایا ہے۔ قصہ کا لطف جدید ملاحظہ سے دوبالا ہوگا۔ ناظرین کرام

انعام عصمت ۔ یہ دوسری قسط ہے جو بڑی ہی آبدار ہے۔

برسات کی بہار ۔ یہ نظم جناب مولانا عبد الخالق صاحب خلیق دہلوی نے باوجود علیل ہونے کے خاص تاج کیلئے لکھ بھیجی ہے اور آئندہ کی وعدہ فرمایا ہے جس کے ہم شکر گزار ہیں۔ آسمان نظم کے آپ ایک درخشندہ ستارے ہیں۔ اور متہور ہونے کے لحاظ سے ہمکو فخر ہے تعریف کیا ہے

موسم بہار ۔ یہ بھی اچھی نظم ہے۔

تمہارا کیا ۔ سخن آفرین مولانا کیما صاحب کی یہ بھی نظم ہے۔ آپکے تعارف کی کچھ ضرورت نہیں کہ آپ کے کلام سے ناظرین بخوبی واقف ہیں

رعشۂ پیری ۔ یہ نظم مولوی اختر صاحب نے لکھا ہے اور جس رنگ میں لکھا ہے خوب لکھا ہے۔

اکثر ۔ تاج کے نئے خریدار صاحبان تاج کے پورے سرنامہ طلب فرماتے ہیں۔ اب دفتر میں پہلے نمبر موجود نہیں ہیں جو ملا میں خواست خریدار آئیگی اسی ماہ سے پرچہ جاری ہوگا۔ پچھلے نمبروں کو براہ کرم آئندہ کے لئے تکلف نہ فرمایا جائے۔

روح ادب ۔ بوجہ احترام ماہ محرم جانبیاب تاج صاحب مدیر مسئولہ کے مضمون کو جسکا شاعرہ کہ مسالہ قرار دیا تھا مگر بسبب درد و مراسم عزائی و تشیع مرحوم ہمسوگی کا عزم نہ ہو سکا اسلئے اب کی دفعہ روح ادب کی اشاعت میں مجبوری رہی۔

مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاج

ظہیر فاریابی

صدر الحکما ظہیر الدین ابو الفضل طاہر بن محمد فاریابی

(از شمس المورخین مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب ایم۔ آر۔ اے۔ ایس) ——— [1]

کے علاقۂ جوزجان میں بلخ کے قریب دریائے جیحون کے مغرب میں ایک شہر فاریاب واقع ہے، ظہیر اسی شہر کا باشندہ تھا۔ چنانچہ اپنے ایک قطعہ میں لکھتا ہے۔ قصائد ص۱۴۸

چونکہ از فاریاب' مسکن خود ۔۔۔ سوئے ایں مرتفع جناب رسم

[1] بعض تذکرہ نویسوں نے فاریاب کو ترکستان کا شہر سمجھا ہے اور اس کی اتباع زمانہ حال کے ایک مشہور مصنف نے بھی کی ہے (شعر العجم جلد پنجم ص۳۔) لیکن یہ صحیح غلطی ہے۔ امام عبد الکریم محمد السمعانی الروزی المتوفی ۵۶۲ھ کی کتاب الانساب اور شیخ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت الحموی المتوفی ۶۲۶ھ کی معجم البلدان سے ثابت ہوتا ہے کہ فاریاب اور فاراب دو علیحدہ علیحدہ شہر ہیں۔ فاراب ترکستان میں دریائے جیحون کے اور پشاش کے قریب بالا جور میں آباد ہے۔ مشہور فیلسوف حکیم ابو نصر محمد بن محمد الفارابی المتوفی ۳۳۹ھ اور مشہور لغت نویس ابو نصر اسمٰعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ اسی شہر کے باشندے تھے (کتاب الانساب طبع لیڈن ورق ۴۱۵ صفحہ دوم معجم البلدان طبع یورپ جلد سوم ص۲۴۳) فاریاب علاقہ جوزجان میں بلخ کے قریب دریائے جیحون کے مغرب میں واقع ہے (کتاب الانساب ورق ۴۱۶ صفحہ دوم معجم البلدان جلد سوم ص۸۴۳) صاحب برہان قاطع (طبع کلکتہ ص۶۲۷) فاریاب اور فاراب دونوں کو ایک ہی شہر سمجھا ہے اور فاریاب کو فاریاب کا مخفف بیان کیا ہے۔ لیکن یہ ایک خطائے عظیم ہے۔

فاریاب کی نواح میں چکچکتو اور یمنہ نام دو ناحیے قریب قریب آباد ہیں ان میں سے پہلے ناحیہ میں ظہیر کی ولادت ہوئی ہے۔ [1]

ظہیر کو زمانہ شاعر کی حیثیت سے جانتا تھا۔ اور شاعری نے اسکے دیگر کمالات پر پردہ ڈالدیا ہے لیکن حقیقت میں وہ علوم حکمت و فلسفہ کا زبردست عالم تھا۔ خاصکر علم ہیئت و نجوم میں کمال رکھتا تھا اور اسی مناسبت سے اس کا لقب صدر الحکما مشہور ہوگیا تھا۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ ظہیر رشیدی سمرقندی کا شاگرد تھا اس کا نام رشید الدین ابو محمد عبداللہ [2] ہے۔ رضا قلی خاں نے مجمع الفصحا میں رشدی کے نام سے اسکا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ رشدی تخلص کے ساتھ فارسی میں کوئی شاعر مشہور نہیں ہے۔ نظامی عروضی سمرقندی نے چہار مقالہ میں رشیدی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ خاقان خضر خان [3] کا درباری شاعر تھا اور خاقان نے اُسے سید الشعراء کا خطاب دیا تھا۔ خاقان کی وفات کے بعد بخارا سے نکلا اور سلطان جلال الدین ابو الفتح ملکشا سلجوقی (۴۶۵ھ ۴۸۵ھ) کے دربار میں چلا آیا۔ اور اسکی عمر کا اخیر زمانہ یہیں بسر ہوا۔ رشیدی اور عمق بخاری دونوں معاصر تھے۔ ان میں مناظرات و مشاعرات ہوا کرتے تھے مسعود سعد سلمان اور امیر معزی کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات تھے۔ اور ان دونوں نے رشیدی کی مدح میں متعدد قصائد نظم کیے تھے رشیدی نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جسکا نام مہر و وفا ہے۔ لیکن اس کے دوسرے کلام کی طرح یہ بھی

---

[1] ہفت اقلیم آتشکدہ صدا چکچکتو ایک مقام ہے بلخ کے قریب اور اس راستہ پر واقع ہے جو بلخ سے ہرات کو جاتا ہے دیکھو بابر نامہ ترکی طبع نکسی ورق ۱۸۴ صفحہ دوم۔

[2] رشیدی کے حالات دیکھو کتب ذیل میں۔ چہار مقالہ صدا مجمع الفصحا جلد ۱ صدا خزانہ عامرہ صدا آتشکدہ صدا لطائف الطوائف صدا۔

[3] خضر خان۔ ترکستان کے خاندان ایلک خانیہ سے ہے۔ اس خاندان کو آل خاقان اور آل افراسیاب بھی کہتے ہیں خضر خاں جگاناد خضر بن ابراہیم طغاج بن نصر ایلک بن علی بن موسیٰ بھائی شمس الملک نصر بن ابراہیم کی وفات کے بعد ۴۶۰ھ میں تخت نشین ہوا اور چند سال حکومت کر کے فوت ہوگیا۔ (ابن اثیر واقعات ۴۶۰ھ)

اسوقت کمیاب بلکہ ناپید ہے۔

ظہیر اپنے وطن فاریاب سے نکلنے کے بعد نیشاپور میں آیا اور یہاں کے حاکم عضد الدین طغانشاہ کے دربار میں رسائی پیدا کی۔ طغانشاہ کا باپ مؤید سلطان معز الدین سنجر ۵۵۲ھ کا غلام تھا اور اسے سلطان نے نیشاپور کا حاکم مقرر کیا تھا [1]

۵۵۶ھ میں ملک مؤید کا انتقال ہوگیا تو اسکے بجائے طغانشاہ برسر حکومت ہوا [2] اور کم و بیش تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۶۸ھ میں انتقال کیا [3] طغانشاہ علم دوست اور سخن پرور بادشاہ تھا۔ مولانا نظامی گنجوی نے اپنی مثنوی خسرو شیریں میں اس کی مدح بھی لکھی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

بدولت خانۂ خاقان و نفغور — سخن را تازہ تر دارند منشور

طغان شاہ سخن بر ملک شہ خیر — قراخان قلم را دادہ شمشیر

ظہیر نے چھ سال طغانشاہ کے دربار میں گذارے۔ اور اس عرصہ میں علاوہ دربار داری کے تحصیل علم کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ چنانچہ ایک قطعہ میں کہتا ہے۔ (قصائد) ص ۱۷۱

مرا مدت شش سال حرص علم و ادب — بخاکدان نشاپور کرد زندانی

بہر ہنر کہ کسے نام بردور عالم — چناں شدم کہ ندارم بہیچ خود ثانی

اس زمانہ میں متعدد قصیدے طغانشاہ کی مدح میں لکھے ایک مرتبہ طغانشاہ فیروزہ کی کان دیکھنے گیا تو ظہیر بھی ہمرکاب تھا۔ بادشاہ کی فرمائش سے فی البدیہہ ایک قصیدہ لکھا جسکا مطلع یہ ہے۔ (قصائد) ص ۴۰

سحر چو تافت زدریائے خاوراں گوہر — زمانہ کرد بہ رسم فلک نہاں گوہر

ظہیر نیشاپور سے نکلنے کے بعد اصفہان میں آیا۔ یہاں کے رؤساء میں آل مجد کا خاندان ذی وجاہت

---

[1] ریوزٹی ترجمہ طبقات ناصری جلد اول ص ۱۰۰

[2] ابوالفدا جلد سوم ص ۵۳ دول الاسلام ذہبی جلد دوم ص ۵۹

[3] ریوزٹی جلد اول ص ۱۲۸

اور صاحب جاہ و جلال مانا جاتا تھا۔ ایک مدت سے اس شہر کا منصب قضا اس خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ امام ابوبکر محمد بن ثابت خجندی شہر خجند کے رہنے والے تھے جو بلاد ماوراء النہر کا ایک مشہور شہر ہے۔ اور ان کا سلسلہ نسب مہلب بن صفرہ تک پہونچتا ہے۔ جو خلفائے بنی امیہ کا ایک مشہور امیر ہے۔ امام ابوبکر مرو میں رہا کرتے تھے۔ خواجہ نظام الملک طوسی کی وجہ سے اصفہان کی سکونت اختیار کی۔ اس زمانہ سے یہ خاندان اصفہان میں آباد ہوا۔ امام ابوبکر کی تیسری پشت میں شیخ صدر الدین عبداللطیف بن محمد بن عبداللطیف بن محمد بن ثابت الخجندی نہایت ذی علم اور صاحب ثروت گزرے ہیں۔ سلاطین سلجوقیہ نے انہیں عراق کا قاضی القضات مقرر کیا تھا ۵۹۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے عربی فارسی دونوں زبانوں میں شعر خوب کہتے تھے۔ انکی بہت سی رباعیاں عوفی نے اپنے تذکرہ میں نقل کی ہیں۔

ظہیر نے اصفہان میں آکر خواجہ عبداللطیف کے یہاں توسل پیدا کرنا چاہا اسی غرض سے کئی قصیدے لکھے لیکن خواجہ نے ظہیر کی جانب حسب ارادہ التفات نہیں کیا ایسی حالت میں ظہیر نے دو سال اصفہان میں گزارے۔ (قصائد ص ۸۴)

خدایگان صدور زمانہ صدر الدین — کہ قامت فلک از بار شکر اوست نگون

دو سال شد کہ بریں فرخ آستانہ مرا — شد است دست تفکر بزیر پائے ستون

آخر ظہیر مجبور ہو کر اصفہان سے نکلا اور ایک قطعہ لکھکر خواجہ کی خدمت میں پیش کیا اور اس میں علم و فضل کی شکایت کی۔

بزرگ وارا دنیا ندارد آن عظمت — کہ ہیچ کس را زیبد اں سر افرازی

شرف بفضل و ہنر باشد و ترا ہمہ ہست — بدیں نعیم مزور چرا ہمی نازی

لہ ابن اثیر جلد اول ص ۲۶۲ لہ ابالایثار جلد اول ص ۲۶۹ ابن اثیر جلد یازدہم ص ۱۲ و ص ۲۲۶ تحفۃ الکرام جلد دوم ص ۲۲۳ ہفت اقلیم ورق

زہیست کاہل ہنر را نمی کنی تمییز — تو نیز ہم بہنر در زمانہ ممتازی
بمن نگر تو بہ بازی کہ من ازانکہ بہ فضل — دلم بہ گیسوئے حوراں نمی کند بازی
اگرچہ نیست خوشت یک سخن زمن بشنو — چنانکہ آں را بدستور حال خود سازی
تو ایں سپہر کز و نیا کشیدہ ٔ در رُو — بروز عرض مظالم چناں مبیدازی
کہ از جواب سلامی کہ خلق را برتست — بہیچ مظلمۂ دیگرے نپردازی

ظہیر اصفہان سے مازندران میں آیا۔[1] مازندران کے ایک علاقہ میں جس کو کوہستان فیروز کہتے ہیں مدت سے آل باوند کی حکومت تھی۔[2] اور اس زمانہ میں اس خاندان کا ایک فرمانروا حسام الدولہ اردشیر بن حسن حکمراں تھا۔ انہی اپنے باپ علاء الدولہ حسن کی وفات سے بعد ۵۵۸ھ سے ۵۹۲ھ تک تقریباً چونتیس سال حکومت کی ہے۔[3]

اردشیر کے دربار میں ظہیر نے کم و بیش دو سال بسر کئے اور اس عرصہ میں تین چار قصیدے اسکی مدح میں لکھے جو اس کے دیوان میں موجود ہیں منجملہ ایک قصیدہ کے بعض اشعار یہ ہیں۔ قصائد ص۹۱

زخواب خوش چو برانگیخت عزم میدانش — مہ دو ہفتہ پدید آمد از گریبانش
اگر بحضرت خسرو نمی رسد زانست — کہ از سپہر بریں برتراست ایوانش
حسام دولت و دیں شاہ اردشیر حسن — کہ ہست رونق عالم ز عدل و احسانش

ظہیر نے مازنداں سے نکلنے کے بعد شیروان شاہ کے دربار کا رخ کیا یہ خاندان بہرام چوبین کی

---

[1] منتخب التواریخ — [2] سید ظہیر الدین بن نصیر الدین مرعشی نے اپنی تاریخ مازندران میں اس خاندان کے مفصل حالات لکھے ہیں اس کتاب کو پروفیسر ڈارن نے ۱۹۰۶ء میں بمقام سینٹ پیٹرزبرگ چھپوایا ہے اس میں حسام الدولہ اردشیر کے حالات ص۲۵۱ سے شروع ہوتے ہیں۔ خوندمیر نے جیسا کہ ظہیر الدین مرعشی کی تمام کتاب کا انتخاب نقل کیا ہے جو جلد دوم کے جز چہارم میں صفحہ ۴۴ پر درج ہے اور اسی صفحہ ۴۶ پر اردشیر کے حالات مذکور ہیں۔
[3] تاریخ مازندران ص۳۲۴ و ص۳۲۵ خوندمیر نے لکھا ہے کہ ۶۰۲ھ میں اردشیر کا انتقال ہوا۔

نسل سے تھا اور اسوقت شیروان میں خاقان کبیر جلال الدین اخستان شاہ کی حکومت تھی اس کو شعر و سخن سے کمال دلچسپی تھی۔ مولانا نظامی گنجوی سے فرمایش کرکے لیلی مجنوں لکھوایا تھا اس عہد کے بڑے بڑے شعراء ابوالعلاء فلکی خاقانی وغیرہ اس کے دربار میں جمع تھے۔ ابوالعلا کو ملک الشعراء اور خاقانی کو افضل الشعرا کا خطاب دیا تھا اور انکے بڑے بڑے وظیفے مقرر کئے تھے۔

ظہیر نے دربار میں رسوخ پیدا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس بار میں کامیابی نہیں ہوئی اور دلشکستہ خاطر ہوکر عراق چلا گیا۔

ظہیر نے اخستان شاہ کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اسکے بعض اشعار یہ ہیں۔ قصائد صہ ۴

اے جہاں را بہ تیغ دادہ قرار	کردہ شاہاں بہ بندگیت اقرار
شاہ آفاق اخستان توئی آنکہ	خواہد از حضرت اجل زنہار
نیک دانی کہ من دریں مدت	کہ جدا ماندہ ام ز خویش و تبار
پیش ازیں آرزو نداشتہ ام	گر بیایم بر آستان تو بار
وقت آنست کیں سعادت را	ہم چو جاں تنگ در کشم بہ کنار
بس شکرانہ بر درت ریزم	درج ہا پر ز لولوئے شہوار
گرچہ پیشت نہ کرد کس تعریف	کہ مرا چیست مایہ و مقدار
سخن خود معرف ہنر است	چوں نسیمے کہ آید از گلزار
گرچہ یک شخص از رہ صورت	دارم از علم لشکر جرار
رکنہائے سریر دانش من	ہم چو ارکان عالمست چہار
تازی و پارسی و حکمت و شرع	ایں دو اشعار دارم آں دو شمار
بلکہ از حد مبخ تا در مصر	گرم کردست نظم من بازار

من یکے گوہرم فتادہ بہ خاک از رہِ تربیت مرا بردار
گرچہ باشد بہ نزد ہمت تو گوہر از خاک برگرفتن عار

حقیقت یہ ہے کہ ظہیر عراق میں آنے کے بعد آل ایلدگز کے دربار میں رسائی پیدا کی سلاطین آل ایلدگز آذربائیجان کے حاکم تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سلاطین سلجوقی نے انہیں اپنے دربار کا امیر الامراء و نائب السلطنت بنا لیا تھا۔ سلطان غیاث الدین ارسلان ۵۵۶ھ سے ۵۷۳ھ کے زمانہ میں اس منصب پر سب سے پہلے جہان پہلوان شمس الدین محمد بن ایلدگز مقرر ہوا تھا۔ ۵۷۳ھ میں جب غیاث الدین ارسلان نے انتقال کیا تو محمد بن ایلدگز نے سلطان رکن الدین طغرل ۵۷۳ھ سے ۵۹۰ھ کو تخت نشین کیا اس وقت طغرل نہایت کم سن تھا۔ اس لئے سلطنت کے تمام کاروبار محمد بن ایلدگز سے وابستہ ہو گئے اور اس کے باعث جبل، ہمدان، رے، اصفہان، آذربائیجان، اران وغیرہ میں اس نے خود مختارانہ اقتدار حاصل کر لیا۔[1]

محمد بن ایلدگز سلطنتِ سلجوقیہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے عراق میں رہا کرتا تھا اور اس کا بھائی مظفر الدین عثمان قزل ارسلان اس کا نائب ہونے کی حیثیت سے آذربائیجان میں حکمران تھا۔ ۵۸۱ھ میں جب محمد بن ایلدگز کا انتقال ہوا[2] تو قزل ارسلان نائب السلطنت مقرر ہو کر عراق میں چلا آیا اور اپنے بھتیجے نصرت الدین ابوبکر بن محمد بن ایلدگز کو آذربائیجان میں اپنا نائب مقرر کیا۔ قزل ارسلان کچھ عرصہ بحیثیت نائب ہونے کے عراق میں سلطنت کے کاروبار انجام دیتا رہا اسی دوران میں حکومت کا سودا سر میں سمایا اور سلطان طغرل کو محبوس کر کے سلطنت پر قبضہ کرنا چاہا لیکن ۵۸۷ھ میں علاحدہ کے اشارے سے فدائیوں نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا[3] اور طغرل نے آزاد ہو کر اقتدار حاصل کر لیا

---

[1] ابو الفدا جلد سوم صہ ۶۴ [2] دول الاسلام جلد دوم صہ ۶۰ حبیب السیر جلد دوم جز چہارم صہ ۱۱۱ ابو الفدا نے ۵۸۲ھ میں محمد بن ایلدگز کی وفات لکھی ہے جلد سوم صہ

[3] ابو الفدا جلد سوم صہ ۸۱ حبیب السیر جلد دوم جز چہارم صہ ۱۱۳ و صہ ۱۲۷

تذکرہ نویسوں نے ظہیر کو محمد بن ایلدگز کے مداحوں میں شمار کیا ہے لیکن اس کے دیوان میں کوئی قصیدہ محمد بن ایلدگز کی مدح کا موجود نہیں ہے۔ اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ اسکو محمد بن ایلدگز کے دربار سے کوئی تعلق نہیں تھا

محمد بن ایلدگز نے ۵۸۱ھ میں انتقال کیا ہے اور ظہیر اس واقعہ سے چند ماہ پیشتر ۵۸۰ھ کے اخیر ایام میں قزل ارسلان کے دربار میں آیا اور کئی سال اسکے یہاں گزارے۔ ظہیر کے دیوان میں قزل ارسلان کی مدح میں متعدد قصیدے موجود ہیں۔ منجملہ انکے ایک قصیدہ کا یہ بیت بہت مشہور ہے۔ قصائد

نہ کرسیٔ فلک نہد اندیشہ زیر پائے تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

۵۸۱ھ کے ماہ رجب میں برج میزان میں سات سیاروں کا اجتماع ہوا[1]۔ ظہیر اس زمانہ میں قزل ارسلان کے دربار میں تھا۔ اس نے ایک قطعہ بادشاہ کی مدح میں لکھا اور اسمیں اقتران سیارگان کا اسطرح ذکر کیا ہے[2]۔

اقتران اختراں دانی کہ در میزاں چراست خود نکو دانی کہ ایں خدمت چہ نیکو کردہ اند

از برائے تہنیت یکدرہ خاک پائے تو نقد ہفت اقلیم عالم در ترازو کردہ اند

نجومیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ اجتماع کے روز اس سے ہوا کا طوفان آئے گا کہ اُس کے صدمے سے پہاڑ ہل جائیں گے، زمین اُدھڑ جائیگی، مکان گر جائیں گے، دنیا تباہ ہو جائیگی۔ اس وحشتناک خبر کے سننے سے خلائق بے حد پریشان و سراسیمہ ہو گئی۔ ظہیر نے اسکے ابطال میں ایک رسالہ لکھا اور

---

[1] زبدۃ القلوب طبع بمبئی صفحہ ۲۳۔ نگارستان صفحہ ۱۹۰ حبیب السیر جلد دوم جزو چہارم صفحہ ۱۱۱۔ ہفت اقلیم ذکر اولوی تحت ہفتہ در اقلیم رابع۔ جرباذقانی نے ترجمہ یمینی میں اجتماع سیارگاں کو ۵۸۲ھ کا واقعہ لکھا ہے۔

[2] نگارستان صفحہ ۱۹۰ یہ اشعار خفیف خلاف کیساتھ ظہیر کے دیوان میں صفحہ ۱۶۵ پر موجود ہیں۔

اوسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ قصائد صـ۱۶۱

رسانے کہ زانشائے خود فرستادم　　مجلس تو در ابطال حکم طوفانی
اگر دراں سخنم پشتیبانی ہست　　کہ از جریدۂ ایام نیز بر خوانی
مرا چناں کہ بود ہم معیشتے باید　　کہ بے غذا نتواں داشت رنج حیوانی

اجتماع کا۔ وزگذر گیا۔ اتنی ہوا بھی نہ چلی کہ چراغ گل ہوتا۔ ظہیر کو جب اس پیشین گوئی کے ابطال میں کامیابی حاصل ہوئی تو اس نے ایک قطعہ قزل ارسلان کی خدمت میں پیش کیا جسکا مفہوم مدعا جہاں پناہ! جس شخص نے طوفان کی پیشین گوئی کی اور خبر دی کہ ہوا سے دنیا تباہ ہوجائیگی اُسے تو آپنے انعام واکرام سے سرفراز کیا اور اس پر ذرا بھی التفات نہیں فرمایا کہ وہ سچ کہتا ہے یا جھوٹ برخلاف اس کے جسنے اس پیشین گوئی کا ابطال کیا لیکن آپنے اس کے خلاف میرے ساتھ سلوک فرمایا آپ کے دربار میں میری تباہ زندگی کے نو مہینے گذر چکے ہیں اسی طرح اور تین مہینے بھی گزر جائیں گے لیکن عرض یہ ہے کہ میں روٹی کے لئے محتاج اور فاقے کر رہا ہوں۔ قصائد صـ۱۶۴

شاہا زکوتہ گوش زباں رازدی نقط　　بشنو زمن سوال و تشریف دہ جواب
آنکس کہ حکم کردہ بطوفان و باد گفت　　کاسیب آں عمارت گیتی کند خراب
تشریف یافت از تو و اقبال دید و جاہ　　در بند آں نشد کہ خطا گفت یا صواب
من بندہ چوں خطاے و ابطال کردہ ام　　با من چرا بوجہ دگرمی رود خطاب
بر من وبال شد ہنر من کہ صد بلا　　ہر سا عتے کہ من بہنر کرد اکتساب
گونیت شوز مانہ وگونیست شو فلک　　بر من بہ نیم جو کہ فگندم دریں عذاب
طوفان من گزشت کہ نہ ماہ ساختم　　از آب دیدہ شہر متد و ز خون دل شہر آب
سہل است آں تہ ماہ دگر نیز ہم چنیں　　تن در دہم بدانکہ نہ نانم بود نہ آب

لیکن بدست فاقہ بترسم کہ عافیت ہم من زجان برآیم وہم خسرواز ثواب

مشہور شاعر حکیم اوحدالدین انوری اس زمانہ میں موجود تہا اور اسنے بہی اس پیشین گوئی کے صحیح ہونے کا ادعا کیا تہا[1] لیکن جب طوفان کا روز گزر گیا اور اسکے بعد ایک مدت تک کسی قسم کے طوفانی آثار ظاہر نہیں ہوئے تو ظہیر نے انوری کی نسبت ایک قطعہ لکہا اور اسکی غلط بیانی کا مضحکہ اڑایا[2] قصائد ۱۴۵

سیگفت انوری کہ شود باد ہا چنانک کوہ گراں زپائے درآید چہ سنگری

سالے گزشت و برگ نجنبید از درخت یا مرسل الریاح تو دانی و انوری

جسکا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ظہیر نے کئی سال قزل ارسلان کے دربار میں بسر کیے لیکن قزل ارسلان نے اسکی جانب کوئی التفات نہیں کیا۔ چنانچہ ایک قطعہ میں لکہتا ہے

قصائد ص ۱۶۵

خدایگانہ سالی زیادت کہ من پائے حرص بگرد عراق می بدوم

بچشم جز اثر عدل تو نمی بینم بگوش جز صفت جود تو نمی شنوم

قصیدہ دوکنوں نظم کردہ ام حالی اگر بدست دگر نیک وہم بد و گر دم

نشستہ منتظرم تا کہ فرصتے باشد کہ آں بسمع مبارک رسانم و بروم

ایک قصیدے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہیر نے تین سال تک امیدواری کی لیکن قزل ارسلان نے اسے کوئی صلہ نہیں دیا بلکہ اس عرصہ میں حسام الدولہ اردشیر نے اپنی فیاضی سے اسکی تمام ضرورتیں پوری کیے تہے

[1] دولت شاہ سمرقندی اور لطف علی آذر نے اپنے تذکروں میں لکہا ہے کہ سات یاروں کا اتفاق سلطان سنجر کے زمانہ میں ہوا تہا۔ اور انوری نے طوفان یاد کی پیشین گوئی کی تہی جب روز مقررہ گزر گیا اور طوفان نہ آیا تو سلطان سنجر نے انوری پر عتاب کیا (تذکرہ دولت شاہ ص ۴۲ آتشکدہ ص ۵۵ ۔ ہمارے زمانے کے ایک مشہور مصنف نے بہی اس واقعہ کے نقل کرنے میں اسی روایت کی اتباع کی ہے شعر العجم جلد اول ص ۲۶۶ طبع علیگڈہ ۱۹۱۰ء) لیکن حقیقت میں ایک قسم کی تاریخی غلطی ہے کیونکہ سلطان سنجر نے ۲۵ ربیع الاول ۵۵۲ھ کو انتقال کیا ہے (ابوالفدا جلد سوم ص ۳۳ دول الاسلام جلد دوم ص ۲۹ حبیب السیر جلد دوم جز چہارم ص ۱۰۰ اور اسکی وفات کے تیس سال بعد ۵۸۱ ہجری میں کواکب کا اقتران ہوا ہے۔

شاید کہ بہ خدمت سہ سالہ در عراق نامم منہ خسرو اژدہا زدای دہد

اسی زمانہ میں ظہیر نے ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی ہے اور اسمیں قزل ارسلان کی بے توجہی اور اپنی محرومی کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی کے بعض اشعار یہ ہیں۔ قصائد ۱۴۵

برجہاں شکرہائے بسیاراست کہ قزل ارسلان جہاندار است

عالم از جود او توانگر شد بوستاں در لباس شستر شد

نرگس از زر نہاد بر سر تاج لالہ از لعل بر فگند دواج

شاخ سوسن کشید خنجر سیم آب بر آب ریخت در تیم

من مسکیں و مستمند ہنوز ہم چناں بر قرار اول روز

تیر محنت نجست سینۂ من پر شد از نیستی خزینۂ من

عالمی برفراز منبر گفت کہ چو پیدا شود سرائے نہفت

ریشہائے سپید را زگناہ بخشد ایزد بہ ریش ہائے سیاہ

باز ریش سیاہ روز امید باشد اندر پناہ ریش سپید

مرد کے سرخ ریش حاضر بود دست بر ریش زد چو ایں بشنود

گفت اخود ازیں شمار نہ ایم در دو گیتی بہیچ کار نہ ایم

بندہ آں سرخ ریش مظلوم است کہ ز انعام شاہ محروم است

قزل ارسلان کے دربار میں ظہیر عرصہ تک محروم و ناکام رہا تو آزردہ خاطر ہو کر اتابک نصرت الدین ابوبکر بن محمد بن ایلدگز ۵۷۰ھ میں اتابک کے دربار میں چلا آیا۔ اتابک ابوبکر اپنے باپ اور چچا جہان پہلوان اور قزل ارسلان سے زیادہ عالم نواز اور شعر دوست بادشاہ ہوا ہے اس کے دربار میں کئی نامی گرامی شاعر جمع تھے مولانا نظامی نے اپنی مشہور مثنوی شرف نامہ اسکندری اسی کے نام پر لکھی ہے ظہیر کی

زندگی کا اخیر زمانہ اسی کے دربار میں بسر ہوا ہے اور اسکے دیوان کا ایک ثلث حصہ اس بادشاہ کی مدح وثنا سے مملو ومشحون ہے۔

اتابک ابوبکر ظہیر کے ساتھ نہایت فیاضی و دریا دلی سے سلوک کیا کرتا تھا ایک دفعہ مجلس طرب میں ظہیر نے فی البدیہہ یہ رباعی پیش کی۔

اے در و ملائکہ دعائے سر تو ۔۔۔ سرنیست زمانہ را بجائے سر تو

با دشمن تو نیام شمشیر تو گفت ۔۔۔ تا دل من باد فدائے سر تو

اتابک نے ہزار دینار فی سخ ظہیر پر نثار کرائے اسکے شکریہ میں ظہیر نے اوسی وقت ایک دوسری رباعی موزوں کی

شاہا ز تو ملک و دیں ہمہ با نسق است ۔۔۔ وز عدل تو جان ظلم و فتنہ رمق است

در عہد تو را فضی و سنی باہم ۔۔۔ کردند موافقت کہ بو بکر حق است

ایک مرتبہ ظہیر بحد مقروض ہوگیا اور قرضخواہوں کے تقاضہ سے تنگ آگیا تو حسب ذیل قطعہ لکھکر اتابک کی خدمت میں پیش کیا۔ قصائد ص ۱۵۰

حال من بندہ ہست معلومت ۔۔۔ کہ ز عصمت گرفتہ ام تعلیم

قدرے وام کردہ ام لیکن ۔۔۔ وجہ یک جو ندارم از زر و سیم

بر در من غریم کردہ مقام ۔۔۔ ہم چو اقبال بر در تو مقیم

از برائے دوام آں اقبال ۔۔۔ بازکن از سرم بلائے غریم

اتابک نے شاہی خزانہ سے قرضہ ادا کرادیا۔

اس زمانے میں مغربی ایشیا کی دو سلطنتیں نہایت عروج پر تھیں اور ان کے فرمانرواؤں نے خوب اقتدار حاصل کرلیا تھا انمیں سے ایک سلطنت اتابکان موصل کی تھی۔ اس کے فرمانروا عماد الدین آق سنقر کی اولاد سے تھے۔ دوسری سلطنت کو آل سلجوق نے قایم کیا تھا اور اسکے فرمانروا ملک شاہ ۱۰۷۲ء سے ۱۰۹۲ء تک

اس علاقہ میں حکمراں تھے۔

ظہیر ۵۸۰ھ کے حدود میں آاتابک ابوبکر سے دربار سے نکلا اور سیاحت کرتا ہوا بلاد روم تک چلا گیا۔ دوران سفر میں کچھ عرصہ موصل میں مقیم رہا اس زمانہ میں آاتابک نورالدین ارسلان بن عزالدین مسعود (۵۸۹ھ سے ۶۰۷ھ) کی حکومت تھی۔ ظہیر نے ایک قصیدہ اسکی مدح میں لکھا اور اسکے صلہ میں انعام کثیر حاصل کیا۔ قصائد ص ۹۲

ہر کجا تازہ بخندد لب گل رخساری — بر زخم بشگفد از خون جگر گلزارے
قبلہ و قدوہ شاہان جہاں نورالدین — کہ ندارد دو جہاں پیش کفش مقدارے
ایکہ حفظش بہ پئے دفع حوادث ہر روز — گرد معمورۂ اسلام کشد دیوارے

ظہیر موصل سے نکلکر بلاد روم میں آیا۔ اسوقت سلاجقہ روم کے پانچویں بادشاہ سلطان عزالدین قلیج ارسلان بن مسعود (۵۸۸ھ سے ۶۰۱ھ) کا انتقال ہو چکا تھا اور اس نے انتقال سے پہلے اپنے دس لڑکوں میں تمام مقبوضات تقسیم کر دئے تھے بڑے لڑکے ملک غیاث الدین کیخسرو کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اس انتظام پر شاہزادوں نے چند روز عمل کیا۔ پھر سلطنت کے لئے باہمی لڑائیاں شروع ہوگئیں رکن الدین سلیمان کو سب میں زیادہ قوت حاصل تھی اسلئے کئی لڑائیوں کے بعد کیخسرو پر فتح حاصل کی اور مغلوب شاہزادہ فرار ہو کر شام میں پناہ گیر ہوا[۲]

ظہیر جس وقت سلاجقہ روم کے دارالحکومت میں پہنچا تو سلیمان شاہ کو برسر حکومت ہو کر چند ماہ گزرے تھے اور وہ اپنی داد و دہش سے خلائق کو مسخر کر رہا تھا۔ ایسے موقع میں ظہیر بھی دربار میں پہنچ گیا اور ایک قصیدہ عز الکہا جسکے صلہ میں بادشاہ نے رقم کثیر عنایت کی۔ قصیدے کی بعض ابیات یہ ہیں قصائد ص ۹۰

---

[۱] ابوالفدا جلد سوم ص ۸۰۰ حبیب السیر جلد دوم جز چہارم ص ۱۲۵

[۲] ابوالفدا جلد سوم ص ۸۴۰ حبیب السیر جلد دوم جز چہارم ص ۱۱۵ ص ۱۱۶

ظل حق سلطانِ اعظم شہ سلیماں گزیں آنکہ گردونش خطاب اسکندر ثانی کند
آنکہ در دیوان او قیصر بخدمت دم زند وانکہ بر درگاہ او فغفور دربانی کند
صف کشد دیو و پری ہر لحظہ بر تخت ملک شاہ رکن الدین والدنیا سلیمانی کند
اوج جاہ تو ثنا اگر و عزت اختیار تا دریں حضرت مدح تو ثنا خوانی کند

ظہیر نے اس سفر میں تین سال گذارے۔ ۵۹۰ھ کے اوائل میں تبریز میں واپس آیا اور اتابک اعظم کے دربار میں باریاب ہو کر ایک قطعہ پیش کیا اور اسمیں اس سالہ غیر حاضری کی معذرت چاہی۔ قصائد ۱۶۶

دریں سہ سال کہ از درگہ تو بودم دور ہیچ صنعت و شغلم کسے نداند نام
بہر مقام کہ خواہی مرا فرود آور کہ من نہ ساز سفر دارم و نہ برگ مقام

ظہیر نے اتابک ابوبکر کے دربار میں کم و بیش دس سال گزارے۔ قصائد ص ۱۶۰

پناہ ملت و راعی خلق نصرۃ الدین توئی کہ ہست ضمیر تو با قضا ہم راز
خدایگانا زاں پس کہ روزگار مرا بتاخت مدت دہ سال در شیب و فراز
عزیمتم ہمہ ایں بود و پس کہ یک چندے کنم خباب ترا قبلۂ دعا و نماز
چہ موجب است کہ از خدمت تو محروم نہ تو بخیل و نہ من جاہل و نہ راہ دراز

دولت شاہ کا بیان ہے کہ ظہیر اخیر عمر میں ترک دنیا کر کے تبریز میں گوشہ نشین ہو گیا۔

سنہ وفات میں اختلاف ہے موضح نے دو تاریخیں بتائی ہیں۔ امین رازی نے ہفت اقلیم میں ۵۹۲ھ لکھا ہے اور صاحب نتائج الافکار نے اسکی اتباع کی ہے۔ لیکن یہ تاریخ غلط ہے کیونکہ خود ظہیر کے ایک قطعہ سے پایا جاتا ہے کہ ظہیر نے اتابک ابوبکر کے دربار میں دس سال گزارے اتابک ابوبکر ۵۸۸ھ میں برسر حکومت ہوا ہے اس اعتبار سے ۵۹۸ھ تک ظہیر کا بقید حیات رہنا ثابت ہوتا ہے حمداللہ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں لکھا ہے کہ ۵۹۸ھ کے ماہ ربیع الاول میں ظہیر کا انتقال ہوا ہے۔ اور یہی تاریخ محل تصحیح

تذکرہ دولت شاہ حبیب السیر۔ خزانہ عامرہ۔ مدیہ بیضا۔ ریاض الشعرا۔ صحف ابراہیم وغیرہ میں تحریر ہے
تبریز میں سرخاب کے نام سے ایک قریہ واقع ہے۔ اسکے ایک قبرستان میں فلکی خاقانی
شمس الدین حاسی۔ شاہ مفور وغیرہ شعراء مدفون ہیں اور اسی مناسبت سے اسکا نام مقبرۃ الشعرا
رکھدیا ہے اور اسی مقبرہ میں خاقانی کی قبر کے قریب ظہیر مدفون ہوا ہے۔

تمام نقادان سخن نے ظہیر کو استاد فن تسلیم کیا ہے اور اس کے لطافت بیان اور سلاست زبان کو
معیار کمال قرار دیا ہے۔ مولانا جامی نے اسکی شیریں کلامی اور صفائی زبان کی بڑی تعریف کی ہے
خواجہ جمال الدین سلمان جیسے استاد فن نے اسکے متعدد قصائد کا جواب لکھا ہے منجملہ انکے ذیل کے دو
قصیدے بہت مشہور ہیں

ظہیر	سلمان
تا غمزہ تو تیر خطا در کماں نہاد	درج دُر عقیق لبت نقد جاں نہاد
چشم تو رسم خیرہ کشی در جہاں نہاد [1]	جنسے عزیز یافت بجائے نہاں نہاد [2]
شرح غم تو لذت شادی نجاں دہد	باد سحر گہے بہوائے تو جاں دہد
ذکر لب تو طعم شکر در دہاں دہد [3]	آب حیات را لب تو علت رواں دہد [4]

سیف الدین اسفرنگی نے بھی جو ظہیر کا معاصر ہے اس قصیدے کا جواب لکھا ہے اور اس کا
مطلع یہ ہے۔

آنرا کہ غمزۂ تو زکشتن اماں دہد این ست خوں بہا کہ بیا تو جاں دہد

---

[1] قصائد ظہیر طبع لکھنؤ ص ۲۷ [2] دیوان سلمان طبع بمبئی ص ۴۲
[3] قصائد ظہیر ص ۲۵ [4] دیوان سلمان طبع بمبئی ص ۴۹
[5] تذکرہ دولت شاہ طبع بمبئی ص ۹۰ طبع لاہور ص ۸۰ طبع یورپ ص ۱۲۷

ظہیر کا ظہور ایسے زمانہ میں ہوا ہے جبکہ مثنوی ماند پڑ گئی تھی۔ غزل آغوش مادر میں تھی اور ان کے مقابلہ میں قصیدے کا عالم شباب تھا اور اس عہد کے تمام شعرا اسی کے ذریعہ اپنے کمال شاعری کا اظہار کیا کرتے تھے۔

امیر معزی ۵۴۲ھ ادیب صابر ۵۴۶ھ عبدالواسع جبلی ۵۵۵ھ اثیرالدین اخسیکتی ۵۶۲ھ مجیرالدین بیلقانی ۵۷۰ھ رشیدالدین وطواط ۵۷۳ھ۔ اوحدالدین انوری ۵۸۵ھ خاقانی شیروانی ۵۹۲ھ ظہیر فاریابی ۵۹۸ھ اس دور کے ممتاز شاعر تھے۔

اور انہوں نے قصیدہ گوئی کے دو مسلک اختیار کئے تھے۔

بعض نے صنائع لفظی۔ شوکت الفاظ اور پیچیدہ خیالات کو معیار کمال قرار دیا تھا جیسے عبدالواسع جبلی۔ رشید وطواط وغیرہ

بعض نے اسکے خلاف روش اختیار کی تھی اور تکلف اور مبالغہ کو چھوڑ کر صاف و سادہ زبان میں اپنے خیالات ادا کر دیا کرتے تھے۔ اس طرز کو سب سے پہلے اثیر اخسیکتی نے نمایاں کیا اور ظہیر نے معراج پر پہنچا دیا اور مضمون آفرینی اور خیال بندی کے ایسے لطیف اور نازک پیرائے اختیار کئے کہ وہ آئندہ نسلوں کے لئے نقش راہ بن گئے اور اس خصوصیت نے ظہیر کو اپنے معاصرین میں ممتاز کر دیا ہے۔

خوندمیر اور قاضی نوراللہ شوستری نے تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے لکھا ہے[1] کہ ۶۷۴ھ میں جبکہ ابقاخان کی حکومت تھی۔ اہل کاشان میں ظہیر اور انوری کی نسبت ایک تنازعہ پیدا ہوا بعض نے ظہیر کو اور بعض نے انوری کو ترجیح دی اور جب اس کا تصفیہ نہ ہوا تو دونوں نے مجدالدین بغدادی کو حکم قرار دیا اور اس بارے میں ایک منظوم قصہ لکھکر اسکے یہاں روانہ کیا۔

زیں دو قارکہ بر آسمان فضل ماہ مخستہ منظر و خورشید انوری

---

[1] جزو اول صفحہ ۶۸ مجالس المومنین طبع طہران ۱۲۹۹ھ صفحہ ۵۱۲

جمعے ز ناقدان سخن گفتہ ظہیر ترجیح می نہند بر اشعار انوری
جمعے دگر بریں سخن انکار می کنند فی الجملہ در محل نزاع اند داوری
جہان یک طرف تو بدیشاں نگاہ ہست زیرنگیں طبع تو ملک سخنوری

مجدالدین ہمگر اسکے جواب میں ایک قطعہ لکھا۔ اور اسمیں ظہیر پر انوری کو ترجیح دی۔

جمعے زاہل خطۂ کاشاں کہ بردہ اند ز ارباب فضل و دانش وگوئے سخنوری
کردند بحث در سخن نیشان نظم تا خود کہ سفتہ بہ دُرِ دُرِّ سخن وری
در انوری مناظرہ شاں رفت در ظہیر تا مرکراست پایۂ برتر ز شاعری
ترجیح می نہادیکے مہر بر سر تفضیل می نمودیکے حور بر پری
اضاف چوں نیافت گروہ از دگر گروہ من بندہ را گزید نظر شاہ بداوری
در کان طبع آں چو بگشتم گراں کراں در قعر بحر ایں چو نمودم شناوری
شعر یکے برآمدہ چوں دُرِ شاہوار نظم دگر برآمدہ چوں مہر خاوری
شعر ظہیر اگرچہ برآمد ز جنس نظم باطرز انوری نزند لاف ہمسری
بر اوج مشتری نرسد تیر نظم او خاصہ کہ در ثنا گری و مدح گستری
طعم رطب اگرچہ لذیذ است و خوش مذاق کے بہ بود بخاصیت از قند عسکری
بیدار چہ سبز و نغز و لطیف ست و آبدار چوں در چمن بجلوہ کند بید عسگری
ہر چند لالہ صحن چمن را دہد فروغ پہلو کجا زند بہ بہی با گل طری
ایں است اعتقاد بہے خوش قبول کن گر تو مقلد سخن مجد ہمگری

زادایں نتیجہ نیم شب از آخر رجب در خاوعین و دال زہجرت ہزار و ۶۷۴ بی

امامی ہروی نے بھی جو ایک مشہور شاعر گذرا ہے اسبارے میں ایک قطعہ لکھا ہے اور اسمیں مجد ہمگر کی

رائے سے اتفاق کیا ہے۔[1]

اے سالکِ مسالک فکرت دریں سوال	معذور نیستی بحقیقت چو بنگری
تمییز راز بہر تناسب دریں دو طور	ہیچ احتیاج نیست بایں شمع گستری
ایں معجز است وآں سحر ایں شمع وآں چراغ	ایں ماہ وآں ستارہ و ایں حور وآں پری

لیکن اس رائے سے جمہور بہت کم اتفاق کیا ہے۔ درمایۂ ثامن میں اوحدی کے بعد اکثر شعرا نے ظہیر کے کلام کو سلاست زبان و لطافت بیان کے اعتبار سے انوری کے کلام پر فوقیت دی ہے[2]۔ اور اس دور میں ظہیر کا کلام سند مقبول ہوا ہے اور اسکے کمالات نے اس درجہ شہرت حاصل کی ہے کہ اسکا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کا مشہور و معروف شعر کافی ہے۔

دیوان ظہیر فاریابی درکعبہ بدزد اگر بیابی

آزاد بلگرامی نے ظہیر کو انوری پر ترجیح دی ہے دونوں کے کلام سے ماہ نو کی ایک تشبیب کو نقل کرکے مقابلہ کیا ہے اور محاسن کلام کو بیان کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ ظہیر کی تشبیب زیادہ لطیف دلاویز ہے ظہیر کے کلیات میں جن سلاطین اور وزراء و امراء کے مدحیہ قصائد موجود ہیں انکی تفصیل یہ ہے۔

(ممدوحین)

(۱) عضد الدین طغانشاہ بن مؤید ملک الشرق[3] (۸) قصائد (۱) قطعہ صفحات ۶-۱۲-۴۷-۴۹-۵۱-۹۰-۱۰۲-۱۰۵-۱۵۵-

(۲) سلطان شاہ محمود بن ایل ارسلان[4] (۱) قصیدہ صفحہ ۱۲۸

---

[1] امامی ہروی کے ان اشعار کو مولانا جامی نے بہلی پنی کتاب بہارستان میں نقل کیا ہے دیکھو کتاب مذکور طبع دہلی صفحہ ۹۰

[2] حاصل الحیات تصنیف درویش علی بن قاسم ہروی ندیم میر علی شیر وریر۔

[3] نیشاپور کا حاکم تھا۔ ملک مؤید کی وفات کے بعد ۵۶۸ھ میں برسر حکومت ہوا (ابوالفدا جلد ۳۔ صفحہ ۵۳) اور محرم ۵۸۱ھ میں انتقال کیا (روضۃ الصفا طبع طہران جلد ۴ صفحہ ۱۵۰)

[4] خاندان خوارزم شاہیہ کا پانچواں فرمانروا ہے۔ اکمل رسلان کے بعد ۵۷۶ھ میں تخت نشین ہوا (روضۃ الصفا جلد ۴ صفحہ ۱۴۲) اور ۵۸۹ھ میں وفات پائی (روضۃ الصفا جلد ۴ صفحہ ۱۴۵)

(۳) حسام الدولہ اردشیر بن علاء الدولہ حسن خسرو ماژندراں[1] (۳)، قصائد صفحات ۵۶-۹۷-۱۲۲-

(۴) خاقان کبیر جلال الدین انصاف شاہ بن شیروان شاہ[2] (۱)، قصیدہ صفحہ ۴۱

(۵) سلطان رکن الدین طغرل[3] (۱)، قصیدہ صفحہ ۴۹

(۶) اتابک اعظم مظفر الدین عثمان قزل ارسلان بن ایلدگز[4] (۱۱)، قصائد صفحات ۲۵-۲۷-۳۰-۳۲-۶۸-۸۳-۸۶-۸۸-۹۸-۱۲۳-۱۴۴-

(۷) اتابک اعظم نصرت الدین ابوبکر بن محمد بن ایلدگز[5] (۳۰)، قصائد (۷)، قطعات صفحات ۲-۴-۸-۹-۱۴-۱۵-۱۷-۲۳-۳۵-۴۶-۵۲-۵۴-۵۵-۶۴-۶۶-۷۰-۷۱-۷۳-۷۵-۷۷-۷۸-۷۹-۸۱-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۹-۱۲۵-۱۲۶-۱۳۰-۱۳۱-۱۵۸-۱۶۰-۱۶۱-۱۷۲-۱۷۷-۱۸۰-۱۸۶-

(۸) نور الدین ارسلان بن غرالدین مسعود[6] (۱)، قصیدہ صفحہ ۹۲

(۹) سلطان رکن الدین سلیمان شاہ بن غرالدین قلج ارسلان[7] (۱)، قصیدہ صفحہ ۶۰

---

[1] ماژندراں کا بادشاہ تھا ۵۵۵ھ میں برسر حکومت ہوا (تاریخ ماژندراں صـ۷) اور ۵۹۳ھ میں وفات پائی (تاریخ ماژندراں صـ۳۲۴)

[2] شیروان کا بادشاہ اور حکیم افضل الدین خاقانی شیروانی کا ممدوح تھا۔ خاقان اعظم فخر الدین شیروان شاہ کی وفات کے بعد ۵۸۰ھ میں حکمراں ہوا (تاریخ ابن اثیر واقعات ۵۸۰ھ) سنہ وفات معلوم نہیں ہوا۔

[3] سلطنت سلجوقیہ کا آخری فرمانروا ہے ۵۷۱ھ میں برسر حکومت ہوا (ابوالفدا جلد ۳ صـ۱۰) اور ۵۹۰ھ میں علاء الدین تکش خوارزم شاہ کے معرکہ میں مارا گیا۔ (ابوالفدا جلد ۳ صـ۹)

[4] آذربائیجان کا اتابک ہے۔ اپنے جہاں مطاع الدین محمد جہان پہلوان کی وفات کے بعد ۵۸۱ھ میں حکمراں ہوا (دول الاسلام جلد ۲ صـ۶۰) اور ۵۸۷ھ میں ملاحدہ اسمٰعیلیہ کے اشارے سے قتل ہوا۔ (ابوالفدا جلد ۳ صـ۱۵)

[5] شمس الدین محمد جہان پہلوان کا لڑکا ہے۔ قزل ارسلان کے بعد برسر حکومت ہوا۔ اور ۶۰۷ھ میں انتقال کیا (حبیب السیر جلد ۲ جزو چہارم صـ۱۱۵)

[6] عماد الدین آقسنقر کا پوتا اور موصل کا اتابک ہے ۵۸۹ھ میں برسر حکومت ہوا اور ۶۰۶ھ میں انتقال کیا (حبیب السیر جلد ۲ - جزو چہارم صـ۱۲۵ و صـ۱۳۶)

[7] روم کی سلطنت سلجوقیہ کا پانچواں بادشاہ ہے ۵۸۶ھ میں تخت نشین ہوا اور ۶۰۰ھ میں وفات پائی (حبیب السیر جلد ۲ جزو چہارم صـ۱۱۵ سـ۱۱۶)

(وزراء اور امراء وغیرہ)

(۱۰) بدرالدین وزیر (۱) قطعہ صفحہ ۱۷۹

(۱۱) بہاء الدین ابوبکر قوام الملک سید الرؤساء (۲) قصائد (۴) قطعات صفحہ ۹۱ - ۱۱۵ - ۱۵۷ - ۱۷۶ - ۱۷۸ - ۱۹۲ -

(۱۲) تاج الدین ابراہیم شرف الملک صدر جہاں[1] (۲) قصائد صفحہ (۹۴) - ۱۱۲ -

(۱۳) امیر جلال الدین - (۱) قطعہ صفحہ ۱۵۴ -

(۱۴) جمال الدین حسن (۳) قطعات صفحہ ۱۵۲ - ۱۵۸ - ۱۷۴ -

(۱۵) رضی الدین تبریزی (۳) قطعات صفحہ ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۸۷ -

(۱۶) رکن الدین مسعود صدر جہاں - ۲ قصائد صفحات ۱۰۹ - ۱۳۴ -

(۱۷) سعد الدین مخلص - صدر جہاں - ۱ قصیدہ صفحہ ۳۷

(۱۸) سیف الدین صدر - ۱ - قصیدہ صفحہ ۶۲ -

(۱۹) امیر شرف شاہ - ۱ قصیدہ صفحہ ۱۰۴ -

(۲۰) امیر شمس الدین وزیر (۳) قطعات صفحہ ۱۵۴ - ۱۵۵ - ۱۸۳ -

(۲۱) صدر الدین عبداللطیف بن محمد المخجندی رئیس اصفہان[2] - ۳ قصائد ۲ قطعات صفحات ۴۲ - ۸۵ - ۱۳۹ - ۱۷۰ - ۱۸۱ -

(۲۲) خواجہ صفی الدین اردبیلی ۳ قطعات صفحات ۱۷۹ - ۱۸۲ - ۱۸۵ -

(۲۳) ضیاء الدین عبدالرشید صدر کبیر (۱) قصیدہ صفحہ ۱۳۳ -

(۲۴) عزالدین یحییٰ وزیر - ۱ قطعہ صفحہ ۱۷۴ -

---

[1] انوری نے بھی اس کی مدح میں قصائد لکھے ہیں - ۹۲

[2] انتقام کے رئیس مذہب شافعی کے قاضی القضاۃ تھے - امیر فلک الدین سنجر نے خلیفہ کے ایما سے قتل کرا دیا - (الفخری جلد ۳ صفحہ

(۲۵) عماد الدین صدر عراق ۲ قطعات صفحہ ۱۹۷ - ۱۹۸ -

(۲۶) فخر الدین وزیر (۱) قطعہ صفحہ ۱۷۲ -

(۲۷) مجد الدین صدر عراق ۱ قصیدہ ۱ قطعہ صفحہ ۱۳۸ -

(۲۸) مجد الدین علی نظام الملک ۱ قطعہ صفحہ ۱۷۳

(۲۹) مجد الدین محمد بن علی اشعث صاحب الشرع - ۲ - قصائد صفحات ۳۴ - ۱۲۹

(۳۰) امام محی الدین محمد بن یحییٰ[1] - (۱) قطعہ صفحہ ۱۵۸ -

(۳۱) اجل کبیر نظام الدین - صدر الصدور (۱) قطعہ صفحہ ۱۷۹ -

ظہیر کا مجموعہ کلام ۱۲۴۵ھ میں کلکتہ میں چھپا ہے جس میں زیادہ تر قصائد و قطعات ہیں اسکی نقل ۱۲۹۴ھ میں منشی نولکشور نے لکھنؤ سے شائع کی اور اسے قصائد ظہیر فاریابی کے نام سے موسوم کیا اسکے ایسا ایڈیشن ۱۲۹۵ھ میں نواب محمد افضل خاں رئیس ٹرپلیکین کے یہاں سے غزلیات کا ایک مجموعہ حاصل کیا اور اسے دیوان ظہیر فاریابی کے نام سے چھپوایا اسکے بعد ۱۳۰۰ھ میں اسی مطبع سے کلیات ظہیر فاریابی کا ایک ایڈیشن شائع ہوا اور اسمیں دونوں مجموعوں کو یکجا کر دیا گیا

کلام ظہیر کی اشاعت میں نولکشور پریس سے ایک فاحش غلطی سرزد ہو گئی ہے - غزلیات کے مجموعہ کو جو دیوان ظہیر فاریابی کے نام سے موسوم ہے ظہیر فاریابی سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرے ظہیر کا کلام ہے - جو شیراز کا باشندہ ہے اور مرزا صائب کا شاگرد ہے - اور اسکا ثبوت دیوان مطبوعہ کے صفحہ ۵۱ پر موجود ہے[2] -

بشعر فخر ازاں میکند ظہیر کہ سر چو خامہ برخط تعلیم صائب دارد

ظہیر شیرازی کا حال ریاض الشعرا - نشتر عشق - یدبیضا - روز روشن وغیرہ میں تحریر ہے اور ان کتابوں میں کلام کا جو انتخاب درج ہے وہ سب مطبوعہ دیوان میں موجود ہے -

---

[1] امام موصوف کے شاگرد ابو الفضائل نیشاپور کے رہنے والے تھے ۱۲ جنہوں نے ۵۰۰ھ میں نیشاپور پر قبضہ کیا تو امام صاحب کو شحنہ مقرر کیا یہ بڑے عالم تھے جہاں جاتے ہوگے (راحۃ الصدور ورق ۱۰۱) ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۲ خاقانی شیرانی نے انکا مرثیہ لکھا ہے جو اسکے دیوان میں صفحہ ۲۰۲ پر موجود ہے

[2] یہ بیت کلیات ظہیر مطبوعہ ۱۲۹۴ھ کے صفحہ ۲۶۴ پر ہے -

ماخذ تالیف

ظہیر کے حالات مفصلۂ ذیل کتابوں سے ماخوذ ہیں اور ہر کتاب کیا ہے وہ صفحات بھی لکھدیے ہیں جنمیں ظہیر کے حالات تحریر ہیں انکے علاوہ کہیں کہیں دوسرے ماخذات سے بھی ضمنی حالات اضافہ کئے ہیں اور ایسے موقعہ پر انکا حوالہ لکھدیا ہے۔

آتشکدہ ۱۲۹۹ھ	مرزا لطف علی آذر	طبع بمبئی	صہ ۳۲۷
بہارستان	مولانا عبدالرحمن جامی	طبع دہلی	صہ ۸۹
تاریخ گزیدہ	حمداللہ مستوفی قزوینی	طبع یورپ	صہ ۸۲۲
تحفۃ الکرام	علی شیر قانع	طبع دہلی	صہ ۱۷۴ صہ ۳۲۵
تذکرۂ حسینی	میر حسین دوست سنبھلی	طبع لکھنؤ ۱۹۰۹ء	صہ ۲۰۰
تذکرۃ الشعرا	امیر دولت شاہ سمرقندی	طبع بمبئی ۱۳۰۱ھ طبع یورپ لاہور ۱۹۲۶ء	صہ ۶۹
حبیب السیر	خواجہ غیاث الدین خندمیر	طبع بمبئی جلد دوم خرچہارم	صہ ۱۴۰
خزانۂ عامرہ	میر غلام علی آزاد بلگرامی	طبع کانپور	صہ ۳۰۳
خلاصۃ الاشعار	میر تقی الدین کاشی	فہرست ڈاکٹر اسپرنگر	صہ ۱۶
ریاض الشعرا	واله داغستانی	قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ	صہ ۳۳۰
لباب الالباب	نورالدین محمد عوفی	طبع یورپ جلد دوم	صہ ۲۹۰
لطائف الطوائف	مولانا فخرالدین علی بن حسین واعظ	طبع بمبئی۔	صہ ۱۲۰
مجمع الفصحا	امیر شیر علی خاں لودھی	طبع طہران جلد اول	صہ ۳۳۰
مراۃ الخیال	شیر خاں لودھی	طبع بمبئی	صہ ۲۵
مفتاح التواریخ	طامس ولیم بیل	طبع لکھنؤ	صہ ۵۰
نتایج الافکار	قدرت اللہ گویاموی	طبع مدراس	صہ ۲۷۵
ہفت اقلیم	امین احمد رازی	قلمی	صہ

E The. H. Catalogue of Persian Mss. in the Library of the India office, 1903 N° 562

Ouseley, Sir Gore. Biographical Notices of Persian Poets. PP. 154.

Rieu. Ch. Catalogue of the Persian, Mss. in the Britsh Museum. Val. I. PP 112.

Shefer. C. Chrestam thie des Persan Val. I. 112.

Sprenger. A Catalogue Libraries of the King of Oudh. P.P 579.

غزل

از حضرت لیفی حیدرآبادی

کس قیامت کی ہے بارش یہ کیا آفت جھڑی
ابر کھلتا ہے نہ تھمتی ہے کسی ساعت جھڑی

دل دکھا آنسو نکل آئے یہ پلکیں کیوں جھڑیں
یا الٰہی عین بارش میں ہے کس کی پت جھڑی

میرے دل کا حال کوئی تجھ سے کیونکر کہہ سکے
آنکھ کا حال آبرو لے اُنکی حالت جھڑی

عاشق مہجور کے آنسو نہ پانی پھیر دیں
کیوں لگی ہے آج بے ہنگام مدقت جھڑی

بے ترے دل کو مرے برباد ہے ایک آہ و فغاں
ورنہ کیا کہئے کہ کیا کرتی تھی کیفیت جھڑی

خوب جھاڑا میکشوں نے شیخ صاحب آپکو
گرد کلفت پھر بھی دامن سے نہ حضرت جھڑی

چھیڑ کر اُسکو کوئی بے طور صلواتیں سُنے
پھول منہ سے جھڑتے ہیں ایسے کہ جیسے پت جھڑی

کون اس برسات میں آتا ہے۔ کیسا انتظار
سو ہو لیفی کہ آدھی رات کی نوبت جھڑی

رباعیات

از نتیجۂ فکر حضرت شاد صوفی مدظلہ

اے شاد معینی و نظامی ہستی — در ملک دکن وزیر نامی ہستی
صد شکر کہ در حلقۂ اہل توحید — درویشی و چشتی گرامی ہستی

کافر تو مگو مرا کہ بہتان ست این — در دل ببریں گمان مسلمان ست این
من صوفی صافیم موحد اے شاد — عارف تو بگو مرا کہ عرفان ست این

اللہ یکے ہست و ہمیں ایمانم — احوال دگر مذہب و ملت دانم
توحید بود مرکز ایمانم شاد — کافر تو مگو مرا موحد خوانم

مسلم گوید کہ من نہ ایماں دارم — ہندو داند خوئے مسلماں دارم
اے شاد موحدم نمی داند کس — ہم سیرت و ہم صورت انساں دارم

کافر چو کسے گفت مرا نیست الم — مسلم اگرم خواند نمی دارم غم
چوں جلوہ کند یار بہر شاں اے شاد — من نیز یکے منظہرم از ذات اتم

آنکھیں

از جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب

آنکھیں بھی حواس ہی ہیں۔ حاسہ حاسہ میں فرق ہے اور ہر حاسہ کی قوتیں جدا جدا ہیں یا یوں کہو کہ ہر قوت اور ہر حواس کی فطرت بجائے خود الگ الگ ہوتی ہے۔ انسان ایک مجموعی فطرت رکھتا ہے اور اسکے ساتھ ہی فطرت افرادی بھی، فطرت مجموعی فطرت افرادی کی تابع ہے۔ اور ہر فردی فطرت بطور خود اپنا اپنا کام کرتی ہے۔

آنکھ جو کام دیتی ہے وہ کان اور ناک سے نہیں لیا جا سکتا کیونکہ قدرت نے ہر عضو اور ہر حس کا کام جدا جدا رکھا ہے انہیں جداگانہ کاموں سے پتہ لگتا ہے کہ افرادی فطرتیں جداگانہ ہیں قوت باصرہ وہ قوت ہے جو انسان کے اکثر معلومات اور کمالات کا سرچشمہ ہے۔ حس بصر تمام دوسری حسوں سے تیز اور صحیح ہے اپنی حدود میں آنکھوں کی فطرت کا ادراک بہت بڑا ہے۔ تمام مناظر قدرت کا تماشا اسی بصارت یا قوت باصرہ کے ذریعہ ہوتا یا ہو سکتا ہے، دوسرے حواس لامسہ ذائقہ وغیرہ کی فطرت فردی، بہت تھوڑا کام رہ کہتی ہے۔ آنکھ کی قوت احساس زمین پر ہی کام نہیں دیتی اسکا ادراک بصارت آسمانوں، تاروں، اور سیاروں کو بھی محتوی ہے۔ دیکھو رات کے وقت لاکھوں کروڑوں میل تک بھی آنکھ اجرام سماوی کا تماشا کرتی ہے۔ قدرت خدا ہے کہ آنکھ ایک میل یا دو میل تک بھی نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن سماوی اجرام کو اسی طرح دیکھتی ہے۔ جیسے زمین کی چیزیں قریب سے دیکھتی ہے ہم صرف آنکھوں کے سامنے کے حصے دیکھتے ہیں۔ جسے قرنیہ کہتے ہیں اور ایک پردہ کا نام عنبیہ بھی ہے اس پردہ کے مرکز میں ایک سیاہ نقطہ ہوتا ہے جسے پتلی کہتے ہیں۔ اور اس پتلی میں سے

چیزوں کا عکس ہوتا ہے اور شبکیہ میں جو ایک جھلی سی ہوتی ہے جس میں چیزوں کی تصویر اترتی ہے نظر کا مرکز دماغ ہے آنکھ ایک عصب کے ذریعہ سے دماغ سے مربوط ہوتی ہے۔ روشنی کی شعاع جب قرنیہ اور پتلی میں سے گزر کر آنکھ کے زجاجہ پر عمل کرتی ہے تو بصارت چشم کے کام دینے لگتی ہے اگر دماغ اور آنکھوں کا رشتہ عصب جوڑے تو انسان دیکھ نہیں سکتا۔ اگرچہ شبکیہ پر چیزوں کی تصویریں کیوں نہ بنتی رہیں۔

یہ بات زیر بحث رہی ہے کہ

"آنکھ میں سے روشنی نکلتی ہے"

"یا باہر کی روشنی سے بصارت حاصل ہوتی ہے"

قدیم زمانہ میں حکمائے متقدمین کا یہ مذہب تھا کہ "آنکھوں سے شعاعیں بہیئت مخروطی نکلتی ہیں جس کا مرکز بصر ہوتا ہے اور اسکا قاعدہ اُس شئے کی سطح کے نزدیک ہوتا ہے جو دکھائی دیتی ہے" مطلب یہ کہ آنکھوں میں سے ہی کوئی چیز نکلتی ہے جس سے روشنی منعکس ہوکر بینائی عمل پذیر ہوتی ہے۔ مگر متاخرین کا یہ مذہب ہے کہ خارج میں کوئی چیز ہے جو آنکھوں کو ان کرنوں سے ٹکر کھاتی ہے اور اس سے بینائی پیدا ہوتی ہے۔

متاخرین کے مذہب سے یہ بات نکلتی ہے کہ آنکھوں میں ذاتی روشنی یا نور تو کوئی نہیں ہے البتہ اس میں ایک طاقت یا ایک مرکز ایسا رکھا گیا ہے جس پر باہر کی روشنی پڑتی ہے اور اس سے آنکھوں میں بینائی پیدا ہوجاتی ہے اور آنکھ دیکھتی ہے۔

اگرچہ متاخرین کا اب یہ مذہب ہے لیکن اب تک یہ فیصلہ قول فیصل نہیں قرار پاسکا متقدمین کے مذہب پر اب بھی کچھ نہ کچھ دلائل لائے جاسکتے ہیں۔ اور دونوں مذاہب کی رائے سے یہ ماننا پڑیگا کہ آنکھوں میں قدرت نے اس قسم کی طاقت دی ہے کہ وہ باہر کی روشنی اور شعاعوں کو قبول

کرتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ طاقت مثل آئینہ کے ہے کہ جو عکس قبول کرتی ہے اگر آئینہ بذاتہ غیر منور ہو تو وہ کس طرح عکس قبول کر سکتا ہے۔ اوسکی شفافیت انعکاس کا موجب ہوتی ہے اسطرح یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آنکھوں میں ایسی شفافیت رکھی گئی ہے جو شعاعوں سے مستفید ہوتی ہیں اور اس سے وہ دیکھتی ہیں۔

سوچو کہ یہ آنکھیں قدرت نے تمہیں کیوں دی ہیں اور انکی مدد کے واسطے یہ روشنی کیوں بنائی ہے نہ صرف اس واسطے کہ تم اپنے ارد گرد کی چیزیں اور مناظر دیکھ کر اپنے اپنے گھر کا راستہ تلاش کر سکو یا ایک دوسرے کو شناخت کر سکو یہ بھی ایک غرض ہے۔ مگر ابتدائی اور جزوی اصل غرض ہے کہ تم اس جہان کا اُن دوسری آنکھوں سے تماشا اور نظارہ کرو جو ان آنکھوں کے علاوہ ہیں حیران ہوگے کہ وہ دوسری آنکھیں کونسی ہیں اور اُن کے محل کونسے ہیں؟ وہ دوسری آنکھیں وہ ہیں جن ان آنکھوں کے معلومات سے ان نتائج تک پہنچتی ہیں جو تصدیقی نتائج کا حکم رکھتی ہیں اور جن کی بدولت دولت روحانیت نصیب ہوتی ہے۔ یہ ظاہری آنکھیں بند کرکے بھی اُن آنکھوں کے ذریعہ سے تم ایسا ہی دیکھ سکتے ہو اور یہ معلوم کر سکتے ہو کہ قدرت نے دماغ اور آنکھوں سے شعاعوں اور آنکھوں کا جو ربط اور جو واسطہ رکھا ہے وہ کہاں تک ایک صانع کی صنعت کا اظہار کر رہا ہے اور کس خوبصورتی سے صانع حقیقی کا ثبوت دے رہا ہے۔

دیکھو تو سہی تمام نظام جسم بجائے خود گوشت اور ہڈیوں اور اعصاب کا مجموعہ یا چرخہ ہے اور وہ صانع کی حکمت سے وہ کام دے رہا ہے جو بڑے بڑے سائنس دانوں اور فلاسفروں کی سمجھ میں بھی نہیں آتا اور باوجود کچھ نہ کچھ جاننے کے جاننے والے بھی حیران ہیں اور بجان کر بھی کہتے ہیں کہ کچھ نہ جانا

ہماری آنکھیں بیداری میں ہی کام نہیں دیتیں بلکہ نیند اور خواب میں بھی کام دیتی ہیں اگرچہ ظاہری آنکھیں بند ہوتی ہیں لیکن باطنی آنکھیں یا دوسری آنکھیں برابر کام کرتی ہیں انسان گہری نیند سوتا

ظواہر سے غافل اور بے خبر ہوتا ہے خواب میں ایک تعجب خیز سماں دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ عالم خواب میں ہے یا کسی ایسے مقام سے تعلق ہوتا ہے جو کوئی دوسری کیفیت رکھتا ہے۔

خواب میں قوت حافظہ بھی کام دیتی ہے اور دیگر قوتیں اور حواس بھی۔ لیکن قوت حافظہ عالم بیداری کی یاد نہیں کراتی۔ کیونکہ ہم خواب میں عموماً یہ نہیں تمیز کر سکتے کہ ہم کسی اور عالم سے بھی واسطہ رکھتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ عالم خواب میں بھی عالم بیداری کا علم کبھی کبھی ہو جاتا ہے اگر ہم چند گھنٹے عالم خواب میں رہ کر ایک رویا دیکھیں تو ہم اون چند گھنٹوں میں یہ نہیں خیال کر سکتے کہ ہم کوئی عالم بیداری بھی رکھتے تھے اور بیدار ہو کر پھر اوس عالم میں جاتا ہے اور یہ عالم خواب یا عالم رویا ہے کیا یہ کیفیت عالم خواب اس بات پر روشنی نہیں ڈالتی کہ اس زندگی کے بعد ایک اور عالم بھی ہے جو اس عالم سے کچھ اور کیفیت رکھے گا۔ کیونکہ جب ہم اسی زندگی میں ایک دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتے ہیں یا ہو سکتے ہیں تو اس زندگی کے خاتمہ پر کوئی دوسرا عالم کیوں اسطرح نہ مل سکے جب ہماری زندگی خواب میں بھی ایک دوسرا عالم پاتی ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ زندگی دوسرا عالم منتقل بھی رکھتی ہے کیونکہ اس عارضی انتقال سے اسکی ضرورت ثابت ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس زندگی کے واسطے کوئی دوسرا منتقل عالم بھی ہے اور یہ وہی دوسرا عالم ہے جسے اہل اہب یا مذہبی فلسفہ "یوم الحشر" یا "یوم الدین" اور "قیامت" کے نام سے تعبیر اور موسوم کرتا ہے خواب کا عالم بھی دراصل ایک قسم کا حشر ہی ہے۔ حشر وہی ہے جو عالم بیداری یا عالم اول سے کوئی دوسری کیفیت رکھتا ہو اور جس میں انسان یا محشور کے جذبات اور قوتیں بدستور باقی رہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حشر ثانی یا قیامت میں انسان کی قوتیں اور جذبات اسی طرح رہیں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ ترصاف اور مزکے ہوں گے دیکھو خواب میں بھی بعض وقت ہماری قوتیں اور ہمارے جذبات کیسے مزکے ہوتے ہیں۔

بعض خواب جو ہم دیکھتے ہیں وہ کبھی کبھی پورے بھی ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان

ایک ایسا ملکہ بھی رکھتا ہے جو بعض وقت حقیقات پر بھی حاوی ہو سکتا ہے اگرچہ حقیقات پر فائز ہونا انسان کا براہ راست مشکل ہے مگر جب قدرت اسکے واسطے ایسے سامان اور ذرائع مہیا کر دیتی ہے تو یہ بات حاصل ہو سکتی ہے دیکھو خواب میں انسان بعض ذرائع مخفی سے کبھی کبھی قبل از وقت کچھ معلوم کر ہی لیتا ہے چنانچہ بعض فلاسفروں نے بھی یہ مان لیا ہے کہ غیب پر اطلاع پانا بیداری اور خواب میں ممکن ہے کیونکہ صور جذبات اور جو کچھ عالم میں سرزد ہوتا ہے وہ سب کچھ عالم عقل میں منقوش ہے۔

یہ ملکہ دو طرح پر ہوتا ہے:۔

(الف) وہبی جیسے کہ نبیوں کو ملا ہوتا ہے۔

(ب) بذریعہ ریاضت و مجاہدہ۔ جیسے کہ نبیوں کے ماتحت اور لوگ بھی پیدا کر لیتے ہیں اگر آنکھیں دوربین اور خوردبین کے ذریعہ سے بصارت اور ادراک میں ترقی کر سکتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بذریعہ ملکہ وہبی اور ریاضت کے انسان روحانی رنگ میں ترقی نہ کر سکے۔

تزکیۂ دماغ اور بعض قوتوں سے انسان بہت سے قیاسات اور اجتہادات میں پورا اترتا ہے اور ہو بہو نتیجہ نکلتا ہے روحانیت کا تزکیہ بھی ایک قوت اور ایک ملکہ رکھتا ہے اور اس سے بھی انسان کے دل و دماغ میں ایک قسم کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس سے انسان مختلف واقعات کی نسبت رائے لگا سکتا ہے آنکھوں اور دماغ میں ایک مضبوط نسبت رکھی گئی ہے دیکھو! جب انسان کوئی چیز اور کوئی شکل دیکھتا ہے تو اسکے ساتھ ہی دماغ میں تخیل متوجہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ گویا آنکھوں اور دماغ میں ایک قسم کا لازمی واسطہ ہے اور ایک موقع پر جا کر دونوں کا کام مشترکہ ہو جاتا ہے اور اسکی کیفیت ایک ہی نوعیت کی سی ہو جاتی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ آنکھ کس قدر دماغ کے ساتھ وابستگی رکھتی ہے اور کس خوبصورتی سے اپنی فطرت کا فرض پورا کرتی ہے۔ دیکھو حواس اور قدرت انسانی کس متانت اور کس خوبی سے اپنے اپنے فرائض پورا کرتے ہیں۔

انسان کا یہ فرض ہے کہ قدرت کے نظام پر غور کرکے سوچے کہ اس نظام عالم کا صانع کیسا یکتا اور کیسا حاوی اور کیسا مقتدر ہے۔ اور ان مراحل کو طے کرتا ہوا مختلف علوم اور فنون کی دماغ پیمائی کرتا ہوا اور مشاہداتی آنکھوں سے توحیدی منظر کا تماشا کرکے راست بازی سے اپنے صانع کا علی رنگ میں اعتراف کرے آنکھ کی اصلی کیفیت اسی صورت میں صورت پذیر ہو سکتی ہے۔ قادر۔

سلام

از جناب نواب سید محمد کاظم علیخاں بہادر بی۔ اے سپتیر فرزند اکبر نواب شوکت جنگ حسام الدولہ بہادر

تشنہ لب جب احمد مختار کا جانی رہے
ہائے پھر کس کام کا دنیا میں گر پانی رہے

مدحت شاہ شہیداں میں دُر افشانی رہے
جب تلک زندہ رہوں سچ کی ثنا خوانی رہے

ماتم شبیر میں غم کی فراوانی رہے
جوش گریہ سے سدا آنسوؤں کی طغیانی رہے

بے زباں بچہ تلک ہمراہ لائے حسینؑ
کربلا میں دیکھئے کس کس کی قربانی رہے

واقعہ کرب بلا کا خوں رُلائیگا ضرور
کفر کا عالم ہو یا پاس مسلمانی رہے

پارہائے دل پہ لکھا ہوں شہادت کا بیان
اے قلم تجھ میں بھی جوش خوں فشانی رہے

دیکھے مشکیزہ سکینہؑ نے کہا اچھے چچا
پیاس کی شدت میں کچھ تو مشک میں پانی رہے

سب کی عورتیں پردہ میں ہوں اور بے آفتاب
فاطمہ کی بیٹیوں کی سر کی عریانی رہے

ماتم شبیر میں طوفاں اٹھا اے اشک غم
قیمتی ہوتا ہے موتی جسقدر پانی رہے

مدح کہتا ہے شبیر کی ایسا شرف مجھکو ملا
جس پہ صدقہ حشمت فغفور و خاقانی رہے

بڑھ اب اے کاظم پئے تسخیر اقلیم سخن
فضل مولیٰ چاہیئے تائید یزدانی رہے

علم موسیقی

(از جناب مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی پروفیسر عثمانیہ کالج)

اردو میں علم موسیقی پر جتنی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ انمیں اکثر سرگم بتادی جاتی ہے اس کی توجیہ فلسفیانہ اصول پر نہیں کی جاتی۔ الفلسفۃ الطبیعیہ علم طبیعیات کی عربی میں ایک کتاب ہے، مس الن جکس اس کی مصنفہ ہے۔ سمعیات کے بیان میں موسیقی سے بھی بحث کی ہے۔ استدلال و توجیہ اس قدر بہتر ہے کہ دل نے اس کے ایک حصہ کو اردو میں لانے پر مجبور کیا تاکہ اس اساس پر دوسرے حضرات جو اس فن کے ماہر ہیں اپنی تحقیقات کی تقسیم کریں۔

سلم موسیقی

جب ہم مختلف آوازیں سنتے ہیں تو صرف تناہی نہیں ہوتا کہ یہ نیچی اونچی آوازیں۔ اترے چڑھے سُر (عالی و سافل صوت) سنتے ہیں۔ بلکہ سُروں کی لرزشوں (اہتزازات) کے اعداد میں جو نسبت ہوتی ہے اس کو بھی دریافت کر لیتے ہیں۔ صرف نسبت ہی کو نہیں جان لیتے بلکہ یہ سُر جن کی لرزشوں میں یہ نسبتیں پائی جاتی ہیں پے در پے ہمارے کان میں پہنچتے ہیں تو ہم کو لذت یا کراہت پیدا ہوتی ہے اور طبع سلیم اور فہم مستقیم حکم لگاتا ہے کہ یہ نسبت ذوق کے مطابق ہے یا نہیں۔

مختلف آوازوں کے مجموعے کو سلم موسیقی کہتے ہیں "سلم موسیقی" کئی درجات میں منقسم ہوتی ہے ہر درجے کو سرگم (دیوان) کہتے ہیں۔ سرگم (دیوان) میں سات سُر (برج) یا پردے ہوتے ہیں۔ سات سر (برج) یہ ہیں۔

عربی نام دو ری می فا سول لا سی دو

اردو نام سُر رکھب گندھار مدھم پنچم دھیوت نکھاد سُر

عربی میں علامت ج د ہ و ز ا ب ج²

اردو میں علامت سا رے گا ما پا دھا نی سا²

اس طرح ایک سلو میں کئی (دیوان یا) سرگم ہوتے ہیں جس سرگم کا سُر قائم رہتا ہے اس کو (دیوان قرار) اصل سرگم کہتے ہیں اور دوسرے سرگم (دیوان) کو جوابی سرگم (دیوانِ جواب) اصل سرگم (دیوان قرار) پر ایک کا ہندسہ لکھتے ہیں۔ اس طرح ج د اور جوابی سرگم (دیوان جواب) پر ۲ کا ہندسہ۔ اس طرح ج² د² علیٰ ہذا القیاس جس درجے کا سرگم (دیوان) اونچا ہوگا۔ اُس پر اسی درجے کا ہندسہ ہوگا۔ مثلاً پانچویں گم (دیوان) کے سُر (بُرج ج) کو اس طرح لکھیں گے۔ ج⁵ سا اور نیچے کے سرگم کے سروں پر منفی کی علامت لکھیں گے۔ مثلاً ج⁻¹² سا۔ سے یہ مراد ہے کہ ۲ درجے نیچے کے سرگم کا سُر ہے۔

عدد اہتزازات

یعنے سُروں کی لرزشوں کے اعداد

جب ایک تار طول میں لرزش کرتا ہے تو اس کی آواز دوسرے اونچے سرگموں (سلو اعلیٰ) کے لئے اصل (قرار) ہے اور اونچا سرگم (سلو اعلیٰ) اسکا جواب۔

فرض کرو اصل سُر کا طول ایک ہے تو دوسرے سُروں کا طول حسب ذیل نسبت سے ہوگا۔

ج	د	ہ	و	ز	ا	ب	ج²
سا	رے	گا	ما	پا	دھا	نی	سا²
۱	۸/۹	۴/۵	۳/۴	۲/۳	۳/۵	۸/۱۵	۱/۲

یہ تو تحتانی سُر کو فوقانی سُر سے نسبت ہے۔ فوقانی سُر کی تحتانی سے نسبت اس نسبت کا قلب وعکس ہوگی۔

۱ ، $\frac{9}{8}$ ، $\frac{5}{4}$ ، $\frac{4}{3}$ ، $\frac{3}{2}$ ، $\frac{5}{3}$ ، $\frac{15}{2}$ ، ۲

ان کسور کو عدد صحیح میں تحویل کریں تو لرزشوں میں یہ نسبت ہوگی۔

ج ۱ ، ر ے ، گا ، ما ، پا ، ذھا ، نی ، ب ، سا ۲

۲۴ ۲۷ ۳۰ ۳۲ ۳۶ ۴۰ ۴۵ ۴۸

اول و دوم اور دوم و سوم اور ہفتم و ہشتم میں ۳ کا فرق ہے سوم و چہارم میں ۲ کا فرق ہے۔ پنجم و ششم میں ۴ ، ششم و ہفتم میں ۵ کا فرق ہے۔ پس اگر (سا) کو ۲۴ فرض کریں تو (ھا) کو ۳۲ ماننا پڑے گا۔

یہ تو سُروں کی لرزشوں کے اعتبار سے باہمی نسبت ہے ہر ہر سُر میں فی نفسہٖ کتنی لرزشیں ہیں سیرین کی مدد سے دریافت ہو سکتی ہیں۔ سیرین ایک آلہ ہے جو لرزشوں کے دریافت کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ آلات کے ذریعے سے یہ امر تحقیق کو پہنچا ہے۔ کہ سُروں میں حسب تفصیل ذیل لرزشیں فی ثانیہ ہوتی ہیں

ج ، د ، ہ ، و ، ز ، ا ، ب ، ج

سا ے گا ما پا دھا نی سا ۲

۱۲۸ ، ۱۴۴ ، ۱۶۰ ، ۱۷۰ ، ۱۹۲ ، ۲۱۴ ، ۲۴۰ ، ۲۵۶

توافق اصوات و تعانق

یعنے سُروں میں موافقت و ناموافقت

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ سُروں کی آوازیں جب کان پر پے در پے پڑتی ہیں تو کانوں کو اچھا اور لذت معلوم ہوتی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو دو تین سُر پے در پے آواز دیں تو خواہ مخواہ اچھا ہی معلوم اور لذت پیدا ہو۔ بلکہ بعض سُروں کا اجتماع مکروہ معلوم ہوتا ہے اور بعض کا مرغوب، بات یہ ہے کہ جن سُروں میں توافق ہوتا ہے۔ انکا پیہم سنائی دینا مرغوب معلوم ہوتا ہے اور جن میں توافق نہیں ان کا معًا سنائی دینا مکروہ معلوم ہوتا ہے سب سے زیادہ توافق ایک سُر کے

ایک سُر میں ہے۔ کیونکہ ان کی لرزشیں احد ہیں۔ یعنے سب سے بہتر نسبت وحدت ہے پھر دو سُرگموں میں کے ایک سر میں مثلاً ج سا سا کیونکہ دوسرے سرگم (دیوان جواب) کے سُر کی لرزشیں پہلے سرگم (دیوان قرار) کے سُر کی لرزشوں کی دوچند ہوتی ہیں یعنے نسبت وحدت کے بعد نسبت ضعفیت ہے۔ یعنے نسبت ۲ : ۱ پھر نسبت ۴ : ۳ پھر ۵ : ۴۔ تین سُروں میں سے بہتر ۴ : ۵ : ۶ کی نسبت ہے جو سا : مَا : پا میں ہے حاصل کہ یہ بہترین نسبت نسبت وحدت ہے۔ اصلی لذت اسی میں ہے جسقدر اس سے بُعد ہوگا کراہت پیدا ہوگی۔

سلام

ازغالیجاہ نواب آغا صفدر حسن صاحب ابن مرحوم مغفرت مآب آغا باقر حسن صاحب جہان نما آف دی آرڈر آف دی ڈرافی ایمپائر وائٹ آف دی آرڈر آف پرشین لائن اینڈ سن

اے سلامی سرورِ ہے شہ نے اُمت کیلئے
دکھ سہے سارے یہ ہم لوگوں کی راحت کے لئے

جب زمین کربلا میں شاہ نے رکھا قدم
تب قدم اس خاک نے اس پاک طینت کیلئے

دست بستہ ہو کے شہ سے کی شہادت عرض
میں بھی حاضر ہوں شہادت کی شہادت کیلئے

پہلے ہی معلوم تھا شاہ شہیداں کو۔ کہ ہے
واسطے میرے شہادت میں شہادت کے لئے

کیا کہوں کیا شور و غل تھا خیمہ شبیر میں
آئے جب اہل حرم سے شاہ رخصت کے لئے

عرض کی زین العبا نے اسکھڑی رو رو کے
جب بلایا انکو سرور نے وصیت کے لئے

آپ تو تشریف فرما ہوویں گے فردوس میں
میں رہا تنہا یہاں رنج و مصیبت کے لئے

تب لکھا دیکر دلاسا شاہ نے سجاد سے
ہے خدا حافظ وہ ہے کافی حفاظت کے لئے

ساقی کوثر کا بیٹا اور ہو محتاج آب
تھا سوال آب شہ اتمام حجت کے لئے

اسلئے سدا کئے بارہ بروج آسمان
منتخب حق نے کئے بارہ امامت کے لئے

خوف تجھ کو روز محشر کا بھلا آغا ہے کیا
ہیں ہاں آل عبا تیری شفاعت کے لئے

آل احمد کے محبو جنتی ہو لا کلام
ہے تمہارے واسطے وہ تم ہو جنت کیلئے

غیر مسلم علماء کیساتھ خلفائے عباسیہ کا سلوک

خاندان عباسیہ اسلام میں نہ صرف بلحاظ فتوحات وطویل مدت سلطنت کے ممتاز رہا ہے بلکہ ترقی علوم وفنون میں بھی اس خاندان نے جس قدر سعی بلیغ کی ہے کسی اور خاندان نے نہیں کی جس کے صفحات میں شاہد ہیں پہلے پہل اسی خاندان نے دیگر اقوام کے علوم کو عربی قالب میں لانے کیجانب توجہ فرمائی اور بیش قرار رقم اس کوشش میں صرف کی خصوصاً ہارون ومامون کا زمانہ جسکے عہد حکومت میں علوم وفنون کی ہر شاخ میں ترقی ہوئی انہوں نے یونانیوں، مجوسیوں، پنڈتوں، اور عیسائی فاضلوں کو بڑے بڑے مشاہرے پر ملازم رکھا تھا۔ جو اپنی اپنی زبان کی علمی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے اور نہ صرف ان عالموں کو اُن کی مقررہ ماہوار ملا کرتی تھی بلکہ اکثر موقعوں پر انہیں بڑی بڑی رقمیں بطور انعام سرفراز ہوا کرتی تھیں۔ ان عالموں کا درجہ وزراء سلطنت کے مساوی ہوا کرتا تھا بلکہ اکثر اوقات ان سے بھی زیادہ قدر کی جاتی تھی

امریکہ کا مشہور مورخ ڈریپر لکھتا ہے کہ "خلفاء کے زمانہ میں اگلے مسلمانوں نے نسطوری عیسائی اور یہودی عالموں کا صرف معمولی اعزاز واحترام ہی مدنظر نہیں رکھا تھا بلکہ انہوں نے بہت سے اہم اور بڑے کام انکے تفویض کئے تھے اور اپنی سلطنت کے معزز عہدوں سے سرفراز کیا تھا۔ یہاں تک کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے تمام مدرسوں کا نگران (ڈائرکٹر جنرل) ایک مشہور عیسائی عالم کو بنایا تھا باوجودیکہ خلفاء خود بڑے ذہین، صائب الرائے، اور بلند نظر تھے لیکن انہوں نے اپنے مدارس کا اہم انتظام کبھی نسطوری المذہب علماء کے ہاتھوں میں رکھا اور گاہے علماء یہود کو تفویض کیا وہ اسبات کو کبھی نہیں دیکھتے تھے کہ عالم کا دین ومذہب کیا ہے بلکہ وہ صرف انکے علم اور معرفت کا مرتبہ دیکھتے تھے"

میں اب چند علماء کا ذکر کرونگا تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ خلفائے عباسیہ نے کس طرح غیر مسلم علماء

کی عزت اور قدر افزائی کی ہے اور اُنکا کیا درجہ قرار دیا تھا۔

"جیورجیس بن بختیشوع" یہ منصور عباسی کا طبیب خاص تھا خلیفہ کی نظر میں اسکی لیاقت اور قابلیت کے باعث نہایت عظمت تھی اکثر موقعوں پر انعامات سرفراز ہوتے تھے چنانچہ ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ خلیفہ نے یہ سنکر کہ اُس کی بی بی نہایت سن رسیدہ ہے تین خوبصورت لونڈیاں بھیجدیں جنکو طبیب نے یہ کہکر واپس کر دیں کہ مجھے میرا مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ جب تک میری بی بی زندہ ہے کوئی اور شادی کروں خلیفہ نے اسکی مذہبی پابندی دیکھکر اسکا مرتبہ اپنے وزیروں سے بھی بالا کر دیا اور یہاں تک عزت دی کہ جب وہ بیمار ہوا تو خود اسکی عیادت کو گیا۔

منصور کو بخل اور کفایت شعاری کیساتھ بدنام کیا جاتا ہے۔ تاہم اُس نے جیورجیس کے ساتھ جو سلوک اسکے وطن جاتے وقت کیا قابل ذکر ہے۔ کہتے ہیں اس نے خلیفہ سے اپنے وطن جانے کی اجازت مانگی تاکہ اگر مرجائے تو اپنے آبائی قبرستان میں اپنے باپ دادا کے ساتھ دفن ہو سکے خلیفہ نے حکم دیا کہ دس ہزار اشرفیاں بطور امداد و انعام عطا ہوں نیز ان لوگوں کو جو اس طبیب کے ساتھ جانے والے تھے ہدایت کی کہ اگر وہ راستہ میں مرجائے تو حسب وصیت اُسکے آبائی قبرستان میں دفن کیا جائے۔

منصور نے نہ صرف جیورجیس کے ساتھ یہ فیاضانہ سلوک کیا بلکہ اس کے حسب وصیت عیسیٰ بن شملا کو اسکا جانشین مقرر کیا۔

"نوبخت" اسی خلیفہ کے دربار میں یہ اور اسکا بیٹا ابو سہل باوجود آتش پرست ہونے کے شاہی منجم کے منصب پر فائز تھے۔

"بختیشوع" ہارون رشید کا طبیب خاص تھا جس پر خلیفہ کی خاص عنایت تھی۔

"جبریل" یہ بختیشوع (یونانی) کا بیٹا رشید کا مشہور طبیب تھا اسکے علاج کے بڑے بڑے معرکے مشہور ہیں ۱۸۷ھ میں جب جعفر برمکی سخت بیمار ہوا تو خلیفہ نے اسی کو علاج کے لئے مقرر کیا تھا جب

جعفر کو صحت ہوئی تو رشید نے بیس قرار رقم بطور انعام کے عطا کی۔

تیرہ سال اس نے رشید کی خدمت کی رشید کے دربار میں اس کا مرتبہ وزارت سے کم نہ تھا۔ اسی سبب امین کے دربار میں عزت تھی۔ امین اسکے بغیر اجازت پانی تک نہ پیتا تھا۔

مامون کے عہد حکومت ۲۱۳ھ میں اس کا بمقام مدائن انتقال ہوا طب کے علاوہ دیگر فنون میں بھی اسکی تصانیف ہیں۔

جبریل کے متعلق ایک دلچسپ قصہ سننے کے قابل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہارون رشید ایک ضیافت میں شریک تھا منجملہ نفیس کھانوں کے ایک قاب مچھلی بھی تھی جبریل نے خلیفہ کو اس کے کھانے سے منع کر دیا مگر صاحب خانہ کو اشارے سے اپنے لئے کہدیا۔ اتفاقاً خلیفہ نے بھی اسکو دیکھ پایا اور ایک ملازم اسکی اطلاع کے لئے مامور کر دیا۔ کسی طرح سے جبریل کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی اُسنے تین پیالے منگوائے اور اسی مچھلی سے تین برابر کے ٹکڑے ان پیالوں میں ڈالے۔ ایک پیالے میں شراب ڈالی اور کہا یہ جبریل کی خوراک ہے دوسرے میں بجائے شراب کے برف کا پانی ڈالا اور کہا یہ امیر المومنین کی خوراک ہے۔ تیسری میں مختلف قسم کے گوشت کی بوٹیاں ترکاری اور مٹھائی وغیرہ ڈالی اور پھر ان سب پر برف کا پانی ڈالا اور کہا یہ بھی امیر المومنین کی خوراک ہے بشرطیکہ وہ مچھلی کے علاوہ اور کچھ کھانا چاہیں۔ جب خلیفہ کو اس تمام واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے وہ تینوں پیالے طلب کئے۔ پہلا پیالہ (جسمیں شراب ڈالی گئی تھی اور جبریل نے اپنی خوراک سمجھ کر سوم کیا تھا۔) بالکل نگلکر منجمد ہو گیا تھا۔ دوسرے پیالہ کا گوشت پھول گیا تھا۔ اور تیسرا بالکل سڑ گیا تھا جبریل کی یہ چھوٹی سی تدبیر کارگر ہو گئی۔ اور خلیفہ نے زر نقد کی ایک کثیر التعداد رقم انعام میں مرحمت فرمائی۔ اسی طرح کے بیسیوں واقعات ہیں جس کے باعث جبریل نہایت مالدار ہو گیا تھا۔

علامہ ابن ابی صیبعہ نے اپنی تاریخ میں جبریل کی آمدنی اور مصارف کا نقشہ نقل کیا ہے جو اسکے

مرنے پر اس کے خزانے سے برآمد ہوا تھا اسکی آمدنی کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خاندان عباسیہ نے کس بے نظیر فیاضی سے غیر مسلموں کی قدر کی تھی۔

جبریل کی آمدنی یہ تھی۔ عام صیغہ سے ماہوار دس ہزار درہم۔ صیغۂ خاص سے پچاس ہزار درہم ماہوار لباس کے لئے پچاس ہزار درہم، خوراک کے لئے پانچ ہزار درہم ماہوار، روزہ کے آغاز میں پچاس ہزار درہم، فطرہ کے دن پچاس ہزار درہم۔ خلیفہ کے فصد کے دن ہر دفعہ پچاس ہزار درہم، دوا ملانے کے لئے سال میں دو بار پچاس ہزار درہم یہ انواب تو خاص شاہی ہوئے اس کے علاوہ خاندان شاہی اور دربار وزارت سے حسب ذیل آمدنی ہوا کرتی تھی۔

زبیدہ خاتون کی جانب سے سالانہ پچاس ہزار درہم، عباسہ خاتون پچاس ہزار درہم سالانہ فاطمہ سترہ ہزار درہم سالانہ، عیسیٰ بن جعفر پچاس ہزار درہم سالانہ، ابراہیم بن عثمان تیس ہزار درہم، یحییٰ بن خالد چھ لاکھ درہم سالانہ، جعفر برمکی بارہ لاکھ درہم سالانہ، فضل بن یحییٰ چھ لاکھ درہم سالانہ، فضل ابن الربیع پچاس ہزار درہم۔ علاوہ ان رقومات کے جاگیرات بھی تھیں۔ آج کل کے حساب سے تقریباً دس لاکھ روپیہ سالانہ ہوتے ہیں۔

جبریل کو علاوہ دیگر اعزاز کے یہ عزت بھی دی گئی تھی کہ دربار میں اگر کسی کو کوئی درخواست پیش کرنی ہو تو پہلے جبریل کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔

یوحنا بن ماسویہ۔ اسکو رشید نے علم طب اور دیگر فنون کی قدیم کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا تھا جو متوکل کے عہد حکومت تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا۔ اس کے مکان پر درس اور مناظرہ کی مجالس منعقد ہوتی تھیں جس طرح کی مجلس مذاکرہ ہر علم و فن اور ہر ایک زبان کے علم ادب پر بحث کرنے کے لئے

ے ممکن ہے ناظرین کو اس پر یقین نہ ہو اور وہ غلط تصور کریں مگر یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ علامہ کی تحریر کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ کسی موقعہ پر خلفائے عباسیہ کی سالانہ آمدنی کی کیفیت قلمبند کی جائیگی جس سے یہ معلوم ہوا کے گا کہ آمدنی کے لحاظ سے اتنا کسی کو دینا غلط نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

یوحنا کے مکان میں منعقد ہوتی تھی۔ اس قسم کی اور کوئی مجلس شہر بغداد تو کجا شائد تمام اسلامی قلمرو میں نہیں ہوتی تھی اس کی سب سے بڑی وجہ خلافت کی سرپرستی تھی۔

منکہ ۔ یہ رشید کے عہد حکومت کا نامور ہندو طبیب تھا جسکے کثیر تصنیفات ہیں علاوہ علم طب کے فلسفہ وغیرہ کا بھی ماہر تھا اسکے علاج کے کئی ایک مشہور واقعات ہیں اسکی تنخواہ پندرہ سو روپیہ ماہوار تھی

کنکہ ۔ دربار رشید کا دوسرا سربرآوردہ اور نامور طبیب تھا۔ علم طب کے علاوہ علم ہیئت اور فلکیات میں بھی اپنے زمانہ کا ایک مجید عالم تھا۔ چھ سات تصنیفات مشہور ہیں۔

شاناق ۔ فلسفہ حکمت اور علم نجوم کا وحید العصر تھا اور علاوہ اسکے خوش بیان بھی اس کی متعدد تصنیفات ہیں۔

جودر ۔ یہ بھی ایک ممتاز حکیم اور علوم حکمیہ کا ماہر تھا۔

انکے علاوہ حسب ذیل اور ہندوستانی علماء رشید کے دربار میں شرف ملازمت سے ممتاز تھے

پاکھر ۔ داہر ۔ زنکل ۔ اندی ۔ سسہ ۔ ارنکل ۔ وغیرہ

مامون کے زمانہ میں حسب ذیل غیر مسلم علماء مشہور تھے جن میں سے اکثروں کی ماہوار آمد کے حساب سے ڈھائی ہزار روپیہ ہوتی ہے۔

عبدالمسیح بن اسحاق ۔ عیسائی **میسوع ۔ فسطائن لوقا ۔ یوحنا بن ماسویہ ابن البطریق ۔ یعقوب کندی ۔ ماشاء اللہ یہودی ۔ دوبان ہندو**

یوحنا ۔ جو ایک عیسائی فاضل علم فلسفہ اور طب کا ترجمہ کرنے کے لئے مامور تھا اسکی حیثیت ملازم کی نہ تھی بلکہ مامون کے گہرے دوست کی حیثیت رکھتا تھا۔

میسوع ۔ یہ زمانہ مامون خراسان کے کالج کا پرنسپل تھا۔

عبدالمسیح بن اسحاق - کندی عیسائی عالم معزز ملکی عہدہ پر ممتاز تھا - ایک مرتبہ مامون کے ایک عزیز نے اس کو ایک دوستانہ خط نہایت نرم الفاظ میں لکھکر اسلام کی دعوت دی اس کے جواب میں عبدالمسیح نے آنحضرتؐ، قرآن مجید، اور صحابہ کی نسبت ایسے سخت الفاظ لکھے کہ سکر دال کا بیچا ناہی غرضکہ یہ خط مامون کے سامنے پیش ہوا - مامون نے اسکی گستاخی کو معاف کرکے فرمایا - جو مذہب صرف دنیا کے کام آسکتا ہے وہ مذہب زشت ہے - اور جو محض آخرت کے لئے مفید ہوسکتا ہے وہ عیسائی مذہب ہے - مگر دین اور دنیا کے لئے جو مذہب مفید اور موزوں ہے وہ صرف اسلام ہے -

مولانا شبلی لکھتے ہیں" میں نے یہ خط دیکھا ہے جو بتمام لندن طبع ہو چکا ہے اگر آجکل عبدالمسیح زندہ ہوتا تو وہ تحریرات مہذب کے اثر سے کبھی نہ بچ سکتا"

قسطا بن لوقا - یہ ایک عیسائی فلاسفر تھا جس نے اپنے شوق سے روما سے فنون حکمت کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائی تھیں - جب مامون کو یہ معلوم ہوا تو اس کو بلوا بھیجا اور بیت الحکمہ میں ترجمے کے لئے مامور کیا -

دوبان - ایک ہندوستانی راجہ نے خلیفہ مامون کی خدمت میں اسکو روانہ کیا تھا اور خط میں لکھا تھا - جو ہدیہ میں نے آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے - دنیا میں اس سے بڑھکر مفید، نامور اور معزز تحفہ نہیں ہوسکتا -

سہیل بن شاپور - یہ بھی ایک عیسائی تھا جسکی بہت کچھ قدر و منزلت کیجاتی تھی اس کا لڑکا جندشاپور کے شفاخانہ کا اعلیٰ طبیب مقرر کیا گیا تھا -

غرضکہ مامون کے عہد میں بھی غیر مسلم فضلا کی ایک کثیر جماعت اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھی یہانتک کہ شاہ یونان کو لکھا گیا تھا کہ حکیم اسکو اجازت دیجائے کہ وہ بغداد آکر خلیفہ کو فلسفہ پڑھا جائے - جسکے عوض صلح دائمی کا اقرار منظور کیا گیا تھا -

سلمویہ بن بنان خلیفہ معتصم کا نہایت ہی تگ و دو اپنے امیدوں کے حصول کا میاب خلیفہ نے سخت مانع کیا اور حکم دیا کہ عیسائیوں کے طریقہ پس چپا چپا پھر رہا ہے۔ یہ سے مقابلہ آنے سے عطا فرمائے گئے۔ ہ کرنے کی وجہ؟ وہ نہیں یہ بھی

بختیشوع بن جبرئیل متوکل کا شاہی طبیب تھا۔ جبر کو خلیفہ اپنے پہلو پر آتا اور اپنی مہری

حنین بن اسحاق خلیفہ متوکل کے زمانہ میں اسطو وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا کرتا تھا۔ جبکہ جب اسکی صداقت کے امتحان کے بعد معلوم ہوا کہ یہ نہایت اولوالعزم اور مشکلات سے گھبرانا نہیں تھا تو اسکے صلہ میں بجائے عطا فرمائی یہی نہیں بلکہ جسقدر وہ ترجمہ کرتا اسیقدر وزن کرکے سونا دیا جاتا

متمان بن یونس عیسائی خلیفہ راضی باللہ کے عہد حکومت میں تمام خاص و عام میں عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا علم منطق کا زبردست عالم ہونے کے علاوہ جملہ علوم عقلیہ کا جید ماہر تھا ابونصر فارابی علوم عقلیہ میں اسی کا شاگرد تھا۔

ثابت بن مرہ صابی مذہب پابند خلیفہ معتضد باللہ کے دربار میں ایک باعزت عالم تھا خلیفہ کے دربار میں جہاں تمام وزراء اور امراء دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیر اعظم اور ثابت ہی بیٹھ سکتے تھے معتضد اسکی نہایت توقیر کیا کرتا ایک دفعہ خلیفہ اور ثابت راہ میں تھے کہ تھکنے سے پہلے قدمی کر رہے تھے دفعتاً خلیفہ نے کہ تھ کھینچ لیا۔ ثابت خوف زدہ ہو گیا خلیفہ نے کہا ڈرو نہیں۔ چونکہ میرا ہاتھ اوپر تھا اسلئے مینے یہ گستاخی پسند نہ کی کیونکہ اہل علم کا ہاتھ اوپر ہونا چاہیے۔

مضمون طوالت کے خوف سے ختم کیا جاتا ہے مگر اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہو سکتا ہے کہ خلفا کس طرح علوم و علماء کی قدر کرتے اور انہیں اعلیٰ اعلیٰ خدمات سے سرفراز کرتے تھے اور ہر وقت انعامات سے سربلند فرماتے تھے جہاں خلفا کی قدردانی معلوم ہوتی ہے وہ اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو مذہب کی کیسی آزادی تھی اور وہ بلا خوف اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ کیا آج بیسویں صدی میں دنیا کی کوئی مہذب سے مہذب گورنمنٹ اس قسم کی نظیر پیش کر سکتی ہے فقط

نصیر الدین ہاشمی فاضل

غزل

از جناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل مانکپوری

مزا ہو تو جو چلے کاٹ کر گلو میرا
اچھل کے تھامے دامن ترا لہو میرا

گلے پہ رکھ کے اٹھانا ستم ہے خنجر کا
نہ کر خدا کے لئے خون آرزو میرا

وہی اثر ہے جو اگتے ہیں ورگل بوٹے
بہا تھا خاک چمن پر کبھی لہو میرا

چمن کی سیر کو کہئے تو عذر کرتے ہیں
کہ گل ہیں چور اڑا لیں گے رنگ و بو میرا

وہ بادہ کش ہوں کہ ساقی دل صفا ہو پے در
کریں گے دھوم سے ماتم خم و سبو میرا

عروس تیغ سے کہدو کہ میان سے نکلے
کہلائے دیر سے آغوش آرزو میرا

چلا تھا نشے میں سوئے حرم حجالت سے
عرق عرق جو ہوا ہو گیا وضو میرا

پس فنا بھی ہے اس پر دہیں تلاش اسکی
صبا غبار اڑاتی ہے کو بکو میرا

میں لڑکھڑا کے سر بزم مے گرا ہوتا
جو ہاتھ تھام نہ لیتے خم و سبو میرا

فلک سے خون کسی بیگنہ کا کیا چھپتا
شفق کے بھیس میں ظاہر ہوا لہو میرا

نسیم لطف الٰہی کے میں نثار جلیل
کہ پھول پھل کے رہا نخل آرزو میرا

جذباتِ محبت

ہوئی کہ میں حیاتِ انسانی کے اُن منازل کو قطع کر۔

مدت میں پہنچ چکی تھی کہ جسکا تصور ہی خیال کے آگے ایک نئی دنیا پیش لرد۔

نہنی تمنائیں جو کبھی پہلوئے طفلانہ میں نرم و نازک ہاتھوں کے ملکی تھپکیوں سے خوابیدہ تھیں اب عالمِ شباب میں کسی کی پذیرائی کے لئے ہمہ تن استقبال :۔ کہ کوئی پکارے ۔ اور یہ لبیک کہے کوئی دیکھے اور یہ اپنے حسن کی کارفرمائیوں کی نمایش کرے ۔ کوئی سُنے اور یہ اپنی داستانِ شوق سے کانوں کی تواضع کرے۔

یہ نئی دنیا اور اُسکے نت نئے نظارے مجھے آٹھ پہر اپنی جانب مائل رکھنے لگے اور میرا شباب فتنہ زا انہیں نظاروں میں پرورش پانے لگا اور زمانۂ ماضی کی وہ مسرتیں جو غنچہ کی طرح کبھی منہ بند تھیں اب پھول کی شگفتگی کو بھی مات کر رہی تھیں لا کہہ چاہوں کہ وہ اُسی طرح میرے آغوشِ معصوم میں حوادثِ راحت کے مزے لوٹیں جو مدت سے عادی ہیں لیکن انہیں بھی میرے گہوارۂ طفلی میں پہلا کر سونے میں تکلیف محسوس ہونے لگی اور وہ بھی میرے شباب سے فائدہ ' میری مسرتوں سے لطف اندوز ہونے ہی میں لطف سمجھنے لگے اسلئے اسکی روک تھام بے ضرورت خیال کر کے اپنے دربارِ حسن میں بے روک ٹوک داخل ہونے کی اجازت عطا کر دی ۔ کہ آؤ میری ہم نوائی کرو ۔ آؤ میرے بزمِ عیش کے شریک و سہیم بنو اور یہی میری منتہائے مسرت اور یہی مدعائے دلی ہے۔

پھر کیا تھا کہ انکی شرکت ' انکی مشورتنے وہ وہ صائب مشورے دیئے کہ وہ طاقتیں جو میرے ہاتھ میں پوشیدہ اور وہ شرارگیزیاں جو میری نگاہوں میں پنہاں اور وہ ادائیں جو میری فطرت میں ودیعت تھیں کسی کو تختۂ مشق بنانے کے لئے متلاشی ہوئیں۔

یا نہ کو تلاش کر لیتی ہے؛ بجلی چمکتی ہے مگر چمکنے سے آگے
ناوک اندازی کیجاتی ہے۔ لیکن ناوک اندازی سے پہلے شاخ
پیش رم ہو تو خالی نہ جائے زد پر کوئی نہ کوئی ہدف سہام ہو۔ کیونکہ
وہ حال۔ برق جاں سوز کا پتہ اسی سے چلتا ہے۔ ورنہ کمان محض لکڑائی۔ تیر ایک
وہ طویل برق خندۂ پر ضیا سے زیادہ وقیع نہ ہوگا۔

میرے مطمح نظر کوئی تنہا ہی نہیں اور میرا اپنی قوتوں سے واقف اور آگاہ۔ کہ اس آزمایش میں پورا
اترنے کے لئے کوئی ایسا ہی جیلا ہو۔ جو انہیں برداشت کرے اور میرے مقابلہ میں آئے۔ کیونکہ یہ
حسن کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے مقابل کو بھی حسین ہی دھونڈتا ہے۔ اسلئے میں نے اس بات کو مدنظر
ڈالدیا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ کوئی میرا حریف نبرد ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر دماغ کو ان الجھنوں کے
مذبذب کرنے میں میرے غرور حسن نے مجھے اجازت نہیں دی۔

اب میں نے ارادہ کر لیا کہ لاؤ اپنی قوتوں کا آپ امتحان کروں دیکھوں کہ وہ کہاں تک
اس میں کامیاب ہوتے ہیں۔

بارہا ایسا ہوا کہ آئینہ اٹھالیا اور گھنٹوں محو نظارہ منتظر تکلم رہی لیکن آئینہ ساکت
اور گویا اپنی مقصود اسلئے کہ یہ بھی میرے حرکات کا نقال۔ اور میری ہی اداؤں کا مقلد تھا۔
جھلاتی اور یہ سمجھکر کہ پھولوں کی نکہت سے اپنے وحشت زا ارمانوں کا علاج کروں
اس ارادہ سے جب کبھی ہاتھ دراز کیا یہ دیکھکر حیرت و تعجب ہوتا کہ پھول منفعل و شرمندہ نکہت پراگندہ
اکثر اوقات پائین باغ سے ملے ہوئے کمرے میں جہاں میری نشست و برخاست رہتی۔ زردش
پر نگاہ ڈالتی اور یہی دیکھا کہ چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی امواج نور صحن گلستاں میں
ذوجوانان چمن کو بطور تحفہ بھیج رہا ہے اور میں اس تمنا سے کہ انکے ذریعہ اپنا کوئی پیام اس تک پہنچاؤں

اور اس سے دریافت کروں کہ تیری تلاش و جستجو۔ تیری تگ و دو، اپنے امیدوں کے حصول کا میاب ہوئی کہ نہیں؟ جہاں میں نے روش پر قدم رکھا، چاند بدلی میں چھپا چھپا پھر رہا ہے۔ میرے مقابل آتے ہوئے شرماتا ہے۔ میں پہر منتظر کہ حجاب برطرف ہو۔ مجھ سے پردہ کرنے کی وجہ؟ وہ نہیں یہی اپنے قاصد نور ہی کو مجھ تک بھیجے لیکن اُسکے انفعال کا وہی عالم۔ مجبوراً واپس آتی اور اپنی مہر پر دراز ہو کر ان واقعات کے حل کرنے میں غلطاں و پیچاں مجھے اپنی وہ تاریک راتیں بھی یاد آتیں جبکہ پریشانیوں سے اکتا کر کچھ دیر کے لئے باغ میں چلی جاتی تو کیا دیکھتی ہوں کہ اپنے اطراف باغ کی روشوں پر روشنی کی ہلکی شعاعیں موجود ہوتیں اور مجھے خرام ناز میں کوئی تکلیف و دقت کا سامنا نہ ہوتا۔ میری طبیعت یہاں بھی مضمحل دکھائی دیتی اور دل کی تڑپ اب بھی باقی۔ بادل ناکام واپس آکر اپنے تکیہ سے لپٹ جاتی۔ اور گھنٹوں اس میں میرا وقت گزر جاتا لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھتی تھی کہ تکیہ بھی میرے فراق آغوش سے کچھ گھبرایا سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس عرصہ قلیل میں وہ لاغر و نحیف نظر آتا۔ کبھی صبحیں ایسی بھی دیکھنے میں آئیں کہ میں نے اپنے تاریک کمرہ سے شمع اٹھا دی تھی۔ کیونکہ مجھے اس سے نفرت تھی کہ وہ ناحق پروانوں کا خون اپنے گردن پر لیتی ہے اس لئے اسکے روشن کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن میری عزیز خادمہ جب صبح کمرہ صاف کرنے آتی تو نہایت حیرت کے ساتھ مستفسر ہوتی کہ رات یہاں شمع نہ تھی پھر اسقدر پروانوں کا ڈھیر کیا؟ اُس کے اس سوال کا جواب خندۂ زیر لب سے یہی دیدیتی کہ پروانے بھی بیوقوف ہیں شمع کا امتیاز نہیں کر سکتے۔ عجیب بات تھی کہ میں کبھی باغ میں ہنس دوں تو پھول بھی بے اختیار شگفتہ ہو جاتے اور بلبلوں کی یورش شروع ہو جاتی جنکی چہک سے مجھے سخت اذیت اٹھانی پڑتی اسلئے اب ہنسنے میں بھی مجھے احتیاط کرنی پڑتی کہ کوئی مفت کی دردسری مول لے۔ صبحیں میرے رخسار صبح کے آگے منفعل ہو کر شام میرے زلف دراز کے مقابل شرمندہ۔ کیونکہ شام اپنی حریف مقابل سے گریز کر کے صبحیں ہو جاتیں تو صبحیں باوجود روشنی کے

اپنی صورت کو شب تار کے پردہ میں پوشیدہ کر دیتیں۔

میرا شباب میرے لئے ایک ہنگامہ عظیم تھا جس سے رستگاری دست اختیار سے باہر تھی اور دل محشر تمنا و آرزو تھا کہ دنیا کی تمام تمنائیں سمیٹ کر ایک محدود رقبہ میں محصور تھیں اور اُن کی یورش ایک جان ناتواں کے لئے عذاب الیم۔ اگر دنیا ہی شباب کی دلدادہ ہے تو وہ اللہ میرا شباب لے لے کیونکہ میں اس سے اُکتا چلی تھی۔

اب یہ حالت تھی کہ میں خود اپنے لئے یکسر تلاش و جستجو تھی لیکن پھر بھی اپنے آپ کو نہ پا سکی ہمیشہ دھوکا کھایا کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میں اپنے مقصود کو پا کر اُس سے لپٹ گئی ہوں اور اس مسرت میں کہ میری مسرتیں اپنے دھاؤں سے ہم آغوش ہیں آنکھیں بند کر لیں اور جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ آہ! وہ میں ہی تھی جس سے اتنی دیر ہم آغوش رہی! بعض اوقات یوں بھی ہوا ہے کہ شباب کے احکام کی تعمیل میں جذبات کے اقتضاء کی تکمیل میں بیسیوں قسم کے آرٹس کے انتہائی نکتہ نظر سے تیار کئے کہ شاید اس میں میرا کوئی مثیل نکل آئے۔ اور ان کے رخسار آتشیں میں وہی رنگ شفقی بہرا جس کے لئے شفق ہی سیر مشق رہی کرم ہے۔ جب مرقعے تیار ہو گئے تو میں نے دیکھا کہ وہ تو ایک کاغذی پیرہن ہیں میری ہی کارفرمائیوں کے زیر اثر۔

میں تو یہی چاہتی تھی کہ کوئی اور کارفرما بنے، اور مجھ سے اپنے احکامات کی تعمیل کرائے کیونکہ وہ ہونٹ جو عقیق میں ہیں۔ اور وہ رخسار جس سے ستارہ ٹوٹے تابش حاصل کی ہے۔ اور وہ بیاض گردن جس پر مہ کی گردنیں نثار ہیں اور وہ آنکھیں جن کی دید کے لئے غزالاں ختن بیتاب کہانی دیتے ہیں اور وہ بازو جسکے مقابل شاخ بلور پارہ پارہ ہیں نیچا دکھائے میرے شباب کو جسطرح منظور ہو نہ دے مجھے اپنا اسیر و گرویدہ کرے۔ آخر دیکھوں کہ اس اسیری میں بھی کوئی لذت ہے کہ نہیں؟

محمد عبدالرزاق بسمل

خانۂ طلسم!

(قصہ)

بنے سر الیور لاج جیسے علامۂ سائنس کی کتاب "روحانیات" Spiritualism پڑھنے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحوں کی بھی صداقت سے مگر ڈاکٹر برنسے جو اعتراضات اپنی کتاب "روحانیات اور سر الیور لاج" میں کئے ہیں ان کی بھی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔ ایک تو سائنس کا علم ہے اور ایک مطلق نفسیات کا ان دونوں فاضل اجل عالموں کی کتابیں پڑھنے کے بعد انسان متذبذب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر برنس کی تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ روحانی تجربات "ابھی بار یک بینی کے ساتھ نہیں کئے جاتے جیسے طبیعی یا کیمیاوی تجربات کئے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے تجربوں میں فریب کھا رہے ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب "روحانی تجربات" میں جو "روحانیات" اور سر الیور لاج" کے بعد کی تصنیف ہے روحانیات کا ڈھکوسلا اڑایا ہے وہ لکھتے ہیں میرے لئے ایک میڈیم[1] عورت (مردہ روحوں کی پیامبر) نے ایک مردہ دوست کی روح کو بلایا تھا اور اس سے بات چیت کرائی تھی میرے دوست نے میڈیم کے ذریعہ سے اسوقت کچھ قرضہ مجھ سے لیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ تین چار روز میں تم کو دے دونگا۔ مگر ایک ہفتہ گزر گیا اور دوست کی روح اس میڈیم میں وارد نہ ہوئی میں نے لندن کی ایک دوسری مشہور میڈیم کو لکھا کہ میں تم سے آج شام کو ملونگا شام کو اور اس سے اپنا حال کہا۔ اسنے صرف گفتگو کے لئے دو پاؤنڈ مانگے اور روح کا مقام پوچھا یاد رہے کہ یہ مردہ روحیں بڑے بڑے شہروں میں ہی ہوتی ہیں جہاں بڑے بڑے محلے اور بازار ہوتے ہیں۔ مجھے پتہ تو پورا معلوم تھا

[1] میڈیم اپنے اوپر مردہ روحوں کو وارد کر لیتے ہیں جو وقت روح وارد ہوتی ہے روحانیات والوں کا خیال ہے کہ میڈیم کو اپنا ہوش نہیں رہتا وہ مُردے کی آواز سے گفتگو کرتے ہیں روح کو میڈیم، وقت بلاتے ہیں میڈیم جو مانگتے ہیں ہم ادا کرتے ہیں، مردہ روحوں کی

مگر پہلے میڈیم نے دوست کے کپڑونکی وضع قطع بیان کی تھی۔ انہیں کپڑونکی میں نے اب شناخت کی میڈیم نے اپنے اوپر روحوں کو بلانے کی حالت وارد کرلی۔ میڈیم بالذات روحوں کو نہیں بلا سکتے ان کے بھی سوکل ہوتے ہیں۔ اس عورت کی ایک لڑکی سوکل تھی۔ اس لڑکی نے جا کر دوست کو خبر دی کہ آپ کو فلاں دوست نے یاد کیا ہے۔ میڈیم کی آواز لب ولہجہ اپنی خورد سال سوکل لڑکی کا ہو گیا تھا میڈیم نے مجھ سے کہا کہ تمہارے دوست مجھ سے کہتے ہیں کہ میں اس وقت مصروف ہوں پھر کبھی ملونگا میں نے کہا اُن سے کہنا کہ اگر تم آؤ گے تو میں تمہیں ایک پاؤنڈ دوں گا۔ میڈیم نے لڑکی کی آواز میں کہا وہ کہتے ہیں دو پاؤنڈ دیتے ہو تو میں آتا ہوں۔ لڑکی نے خود ہی چاکلیٹ کے لئے مانگا میں نے گزشتہ وقت ایک پاؤنڈ بے احتیاطی سے میڈیم کو دوست کے قرضہ طلب کرنے پر دے دیا تھا اسلئے میں نے اپنے دوست کے دو پاؤنڈ اور لڑکی کا آدھ پاؤنڈ بڑی احتیاط سے اپنے سامنے میز پر اس نیت سے رکھے کہ دیکھوں یہ کیسے غائب ہوتے ہیں میں نے ادھر پاؤنڈ رکھے اور ادھر میڈیم نے مردانی آواز سے پوچھا کیوں مسٹر خیریت۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ مگر تم نے ابتک میرا قرضہ نہیں دیا۔

دوست (کچھ خجالت سے) ہاں گزشتہ موقعہ تم نے دیکھا ہوگا کہ مجھے یہاں کے چوکیدار نے کتنی دیر کی اس خوف سے میں تم سے پھر مل نہ سکا۔

میں - اچھا تو پھر اب کیسے آئے۔

دوست چوکیدار کہیں گیا ہوا ہے۔ اسکو دھوکا دے کر آیا ہوں۔ اگر تم کہو تو میں جسمانی حالت میں بھی تمہیں نظر آؤں۔

میں - یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میری تمام خواہشیں یہی ہیں کہ تمہیں دیکھوں۔

دوست میں تمہارے سامنے اس شرط پر آؤنگا کہ مجھے چھ پاؤنڈ اور دو۔

میں آخر تم انہیں لے کر کروگے کیا؟

دُوست ۔ میں یہاں قرضدار ہو گیا ہوں ۔ قرض میں دونگا ۔

میں ۔ کہنے کی باتیں ہیں ۔ تم شراب میں اُڑا دوگے ۔

دُوست ۔ یہاں شراب نہیں ملتی ۔

میں نے ان چھ پاؤنڈ کو بھی پہلے کے ڈھائی پاؤنڈ کے ساتھ میز پر اپنے سامنے ہی رکھا ۔ مینے دیکھا ایک ہاتھ نے گھنٹی دی اور گھنٹی کے ساتھ ہی نیچے کے دالان میں کچھ حرکت معلوم ہوئی اب میرے سامنے کمرے کے دروازے کے پاس ایک دھواں سا اٹھا اور اس دھوئیں میں سے ایک شکل نمودار ہوئی یہ یاد رہے کہ میڈیم کا کمرہ جہاں مُردوں سے گفتگو کرائی جاتی ہے بالکل تیرہ و تار ہوتا ہے صرف ایک لیمپ کچھ کچھ روشن رہتا ہے ۔ میرے سامنے جو شکل موجود ہوئی وہ ایک چھ سالہ انسان کی تھی اور میرے دوست کی صورت سے ذرا بھی مشابہت نہ رکھتی تھی مینے کہا ۔ ایں ! بولٹن !! تم زیادہ بوڑھے نہیں حالانکہ تمہیں انتقال کئے چالیس سال ہوتے ہیں ۔ اُسوقت تمہاری عمر تیس برس کی تھی ۔

بولٹن ۔ یہاں جلد بوڑھے نہیں ہوتے ۔

میں ۔ ارے لیسا ۔ یہ تمہاری صورت کیوں بدلگئی ۔ اور تمہاری رسولی کہاں گئی ۔

بولٹن (خفت کی مسکراہٹ سے) مینے اپنے یہاں آنے کے بعد رسولی کا آپریشن کرایا ۔ (اوہو) چوکیدار آگیا ہوگا اور میری نسبت کچھ پوچھ گچھ ہو رہی ہوگی ۔ خدا حافظ

میں چنچیار رہا کہ بولٹن تھوڑی دیر ٹھہرو ۔ میں ایکبات اور تم سے پوچھونگا ۔ مگر وہ شکل غائب ہو گئی اب جو مینے پلٹ کر اپنے پاؤنڈ دیکھے تو وہ غائب تھے ۔ میڈیم اپنی روحانی کیفیت میں کرسی پر لیٹی ہوئی تھی اسنے مجھ سے دریافت کیا کہ " اور کچھ پوچھنا تو نہیں ۔ آپکا ایک گھنٹہ قریب الختم ہے ۔ دوسرے گھنٹے پر آپ کو دوپاؤنڈ اور فیس دینی ہوگی " تقریباً میرے نو پاؤنڈ خرچ ہو گئے تھے ۔ اور پھر دو پاؤنڈ نذر کرنا میں نہیں چاہتا تھا مینے کہا " مجھے کچھ بھی پوچھنا نہیں ہے " میڈم اُٹھ بیٹھی ۔ ہم دونوں نے گمشدہ پاؤنڈ کی تلاش کی مگر پتہ کہاں چلتا ۔

مینے اپنے گھر کا راستہ لیا۔

دیکھا ساندرس اس قصے سے میڈیم عورتوں کی عیاری ظاہر ہو رہی ہے۔ مرنجیر اپنے ایک ایک تجربہ کا جا
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانیات ایک دھوکے کی ٹٹی ہے جس کی آڑ میں عیار لوگ شکار کھیلتے ہیں مگر پھر دیکھتے
تو روحانیات پر اُن قابل احترام ہستیوں نے ایمان لایا، جن پر عیاری کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ سر آلیور لاج اور
"ریویو آف ریویوز" کے جدت پسند ایڈیٹر ڈبلیو ٹی اسٹیڈ اور کئی معتبر نام اس فہرست میں نظر آتے ہیں ساندرس
آخر تم بھی تو کہو کہ روحانیات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

ساندرس ۔ اس فن میں میری معلومات کم ہیں۔ مگر میرا خیال تو یہ ہے کہ روحوں کی واپسی حقیقت ہوتی ہے
جانسٹن ۔ (ساندرس کے کلام پر کان نہ دیکر) بہت سے لوگ ایسے نکلے ہیں جو مُردہ روحوں کے ہاتھ سے لکھتے
اور روز بروز ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان تحریرات سے بعض دُور دُور کے شہروں میں رہنے والے دوستوں
کی خبریں معلوم ہوئی ہیں اور آئندہ ہونے والی باتوں سے بھی پیش از پیش خبردار ہو گئے ہیں۔ تھیوبالڈ نامی کسی
تھامسن نامی متوفی کے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ تھامسن جب لکھنا چاہتا تو تھیوبالڈ کا ہاتھ ایک دم حرکت کرتا تھا
اسوقت وہ دوات قلم لیتا اور ہاتھ کے اشارے پر لکھا جاتا۔ ہمارے ماموں فریزر بھی اسی قسم کی تحریریں لکھتے ہیں
اور ان کے کئی ایک ہاتھ موکل ہیں۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ روح دراصل کوئی چیز ہے۔

جانسٹن اور ساندرس دونوں یونیورسٹی کے دوست تھے۔ انہوں نے آکسفورڈ سے ۱۹۱۲ء میں بی اے
کا امتحان کامیاب کیا تھا۔ جانسٹن کا باپ بہت کچھ جائداد چھوڑ کر مرا تھا۔ جبکہ جانسٹن ہی تنہا مالک تھا
اس نے ساندرس کو پرائیویٹ سکرٹری کے طور پر رکھا تھا۔

ساندرس ۔ روحانیات میں تمہارے ماموں کا کیا خیال ہے۔

جانسٹن ۔ ابھی تمہیں معلوم ہی نہیں انہیں علم روحانیات میں بڑی دستگاہ ہے اور وہ اس فن میں ایک کتاب بھی
لکھ رہے ہیں۔ چند روز پہلے میں نے انسے ملاقات کی تو وہ یہ کہہ رہے تھے، کہ اب کتاب مکمل ہو جاتی اس سے پہلے ہی مینے ان سے

ایک وقت ملاقات کی تھی تو وہ اُسوقت ہی یہی کہہ رہے تھے معلوم نہیں وہ کب ختم ہوگی دراصل ضعیفی کی وجہ سے اب سخت نہیں ہو سکتی انجکل وہ علیل ہیں۔

فرنریز اپنے علم وفضل کے لحاظ سے بہت شہرہ رکھتا تھا۔ لوگ اکثر زیارت کے لئے دور دور سے آتے تھے آخر عمر میں اسکی بینائی جاتی رہی تھی۔ مگر اسپر بھی وہ خط وکتابت کر لیتا تھا۔

جانسٹن اپنے ماموں کی علالت میں روزانہ انکی بیمار پرسی کے لئے جاتا تھا۔ اسکے ماموں نے شادی نہیں کی تھی اور جانسٹن کو اپنے ہی وارث ہونے کی اُمید تھی۔ علالت میں ایک وقت جانسٹن نے بڈھے کو دیکھا کہ کوچ پر سو رہے ہے اور سیدھا ہاتھ کچھ حرکت کر رہا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ کسی کاغذ پر کچھ لکھنا چاہتا ہے۔ اُس نے فرنریز کے ہاتھ میں پنسل دیدی۔ اُسنے جو کچھ لکھا وہ یہ تھا "از جمیکب۔ فرنریز! تمہارا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تم چند ہی دن میں دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے" جانسٹن نے ماموں کو دیکھا تو وہ ویسا ہی بے خبر سو رہا تھا۔ فرنریز تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہوا۔ مگر اپنے بھانجے سے کچھ گفتگو نہ کر سکا۔

واقعات کچھ ایسے پیش آئے کہ فرنریز کے انتقال کے وقت جانسٹن اٹلی میں تھا۔ فرنریز کے انتقال کے بعد اسکی وصیت معلوم ہوئی۔ فرنریز نے اپنی جائداد میں سے صرف اپنا بستر بہا کتب خانہ وصیت کی رو سے اپنے بھانجے کے لئے چھوڑا تھا۔ جانسٹن کو گھر لوٹنے کے بعد معلوم ہوا کہ اسکے ماموں نے اپنے انتقال کے چار روز پہلے اپنا سیدھا ہاتھ اپنے جسم سے علیحدہ کر لیا تھا اور اپنے خانساماں کو یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد میرے تمام جسم پر عطر مل کر دفن کریں۔ سانڈرس نے اسکو اطلاع دی کہ تمہارے نام کئی ایکبنج کے خطوط میں اور ایک پارسل بھی ہے آج مجھے کپتان سڈنہم نے دعوت دی ہے میں جا رہا ہوں۔ گیارہ بجے رات تک واپس ہونگا۔

جانسٹن - کیا پیدل ہی جا رہے ہو۔ اتنی دُور کیسے جا رہے ہو۔

سانڈرس - نہیں تمہاری گاڑی میں جا رہا ہوں۔

سانڈرس کے جانے کے بعد جانسٹن نے اپنے خطوط دیکھنے شروع کئے ایک خط اسے ایسا ملا جو درج ہے۔

عزیز من! جیکب نے اطلاع دی ہے کہ میری چار روز میں وفات ہوگی۔ اس نے مجھے یہ لکھا ہے کہ میں اپنا سیدھا ہاتھ قطع کرکے تم کو دوں۔ یہ پارسل اسی نے تمہیں روانہ کیا ہے۔ تم خود اپنے ہاتھ سے ٹٹولو۔

تمہارا ماموں فریزر

جانسٹن نے خیال کیا کہ ماموں کو یہ کیا سوجھی کہ ایک روح کے کہنے پر اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ بڑی ہی حفاظت سے بند کیا گیا تھا۔ جانسٹن نے بکس کو لاتو اندر سے کسی چیز کی حرکت کی آواز آئی۔ وہ حیران تھا کہ اگر ہے تو یہ حرکت کیسی۔ یہ کسی جانور کی حرکت اور بیقراری معلوم ہوتی ہے۔ کوئی خرگوش یا چوہا ہوتو کسی نے بند کرکے دل لگی سے ماموں کے نام سے یہ خط تو نہیں لکھا۔ غرض مختلف خیالات اسکے دل میں آرہے تھے اور جس جو چیز ہی اندر حرکت کر رہی تھی جانسٹن نے اس خیال سے کہ اپنے کسی دوست کیطرف محمول کیا اور چونکہ کام جلد کرکے پنجرہ لانے کے لئے باہر گیا۔ پنجرہ لاکر دیکھا تو بکس کھلا ہوا ہے اور جانور غائب ہے۔ وہ سخت متحیر تھا کہ آخر یہ جانور گیا کدھر۔ تلاش کرنے پر اسکو معلوم ہوا کہ وہ چوہا یا خرگوش نہ تھا بلکہ ایک انسان کا ہاتھ تھا جو لائبریری کی کتابوں میں چھپا پھر رہا تھا۔ جانسٹن کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے۔ اسنے ہاتھ پکڑنے کی بہت کچھ کوشش کی مگر ہاتھ کتابوں میں پھدکتا ہوا اسکے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ جا رہا تھا۔ ہاتھ کی یہ حرکتیں دیکھ کر جانسٹن کا خوف بڑھتا چلا گیا آخر وہ تھک کر بیٹھ گیا اور اپنے حظوظ دیکھنے شروع کئے۔ ہاتھ اب تختے پر سے کتابوں کو گرانے لگا جانسٹن خاموش دیکھ رہا تھا۔ گیارہ بجنے کو ابھی پندرہ منٹ باقی تھے مگر وہ بڑبڑانے لگا کہ سانڈرس ابتک کیوں نہیں آیا حالانکہ اُسنے گیارہ کا وعدہ کیا تھا۔ اب وہ کیا آئیگا۔ مارٹن بھی دریچے بند کرنے کے لئے ابتک نہیں آیا (کسی کی آہٹ سنکر) مارٹن مارٹن تم ہو

مارٹن۔ جی حضور میں ہی ہوں۔

جانسٹن۔ سانڈرس ابتک نہیں آئے۔

مارٹن۔ ابھی گیارہ نہیں بجے۔

جانسٹن ۔ اِس بکس میں کیا چیز تھی ؟

مارٹن ۔ نہیں معلوم کیا چیز تھی ۔ ڈاکخانے میں دو دن تک یہ بکس پڑا رہا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جانور ہے اِس لئے بھیجا تھا اُس نے ہوائی آمد و رفت کے لئے سوراخ بھی نہیں کئے تھے ۔ ڈاکخانے والوں نے بیچارے جانور کی تڑپ اور بیقراری سنکر اس میں سوراخ کئے اور کچھ دانہ بھی ڈالا ۔

جانسٹن ۔ مگر میں کھولتے ہی وہ بھاگ نکلا اور کتابوں کو الٹ پلٹ کر رہا ہے ۔

مارٹن ۔ گاڑی کی آواز آ رہی ہے ۔ سانڈرس صاحب آئے ہونگے ۔

جانسٹن ۔ اُنکو یہاں جلد بلا لاؤ ۔

مارٹن ایک منٹ کے لئے گیا ہوگا مگر جانسٹن کو اتنا بھی وقفہ زیادہ معلوم ہوا اس عرصے میں اسکی نگاہ ہاتھ کی طرف لگی رہی ۔ سانڈرس آگیا ۔ جانسٹن نے مارٹن کو چلے جانے کا اشارہ کیا ۔

جانسٹن ۔ تم نے دیکھا بکس میں کیا چیز تھی ؟

سانڈرس ۔ مجھے کیا معلوم ؟

جانسٹن ۔ یہ ماموں فریزر کا خط پہلے پڑھو ۔ پھر بعد میں تم سے تمام واقعہ بیان کرونگا ۔

سانڈرس ۔ عجیب و غریب خط ہے ! اسمیں وہ اپنے ہاتھ کے متعلق لکھتے ہیں ۔

جانسٹن ۔ میں نے جب خط پڑھکر بکس کھولا تو کوئی چیز اندر حرکت کرنے لگی ۔ میں تو اسکو بالکل غیر معمولی اور کوئی جانور سمجھکر چیز نکالنے کے لئے باہر گیا ۔ مگر جب پنجرہ لایا تو دیکھتا کیا ہوں کہ بکس کھلا پڑا ہے اور جانور غائب ۔ تلاش کی تو وہ ایک بھدا کتا ہوا ہاتھ نظر آیا ۔ میں نے اسکو پکڑنے کی بہت کچھ کوشش کی مگر وہ ہاتھ نہ لگا اور کتابوں کو تختے سے گرایا چلا جا رہا ہے ۔

سانڈرس ۔ نہیں کوئی جانور ہوگا ۔

جانسٹن ۔ تم خود اب دیکھ لوگے وہ اسوقت بڑی کتابوں میں دبا بیٹھا ہے ۔ ہاتھ ڈالکر نکالو ۔

(جانسٹن سے) **سانڈرس** نے آستین چڑھا کر اس کو کتابوں میں سے نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر پھر ڈر کر ہاتھ نکال لیا۔ یہ تو کچھ عجیب معاملہ ہے۔ مجھے انگلیاں تو محسوس ہو رہی ہیں جو میرے ہاتھ کو دبا رہی ہیں۔ تھوڑی میں شراب ہو گئی۔

جانسٹن۔ ہمیں کرنا یہ چاہیے کہ تختوں کو نکال کر اسکے بھاگنے کا راستہ روک دیں اور پھر دو بڑی بڑی کتابوں میں اسکو دبا کر باہر لائیں اور بکس میں ڈال کر مقفل کر دیں۔

جانسٹن کی اسوقت یہ حالت ہو رہی تھی کہ لہو خشک ہو گیا تھا اور بالکل مبہوت بنا کھڑا ہوا تھا۔ سانڈرس بھی حیرت زدہ ہو گیا تھا۔

ان دونوں نے پہلے تمام کتابیں تختوں سے نکالیں اور ہاتھ جسطرف چھپا ہوا بیٹھا تھا اسطرف دو تین تختے راستہ روکنے کے لئے لگا دئے اس اہتمام سے فارغ ہو کر انہوں نے ایک ایک کتاب لی اور ہاتھ کو اپنی کتابوں سے دبوچ کر باہر نکالا۔ اور بکس میں بند کر کے مقفل ڈالدیا۔

جانسٹن کی طبیعت اب کچھ ٹھکانے لگی اسنے سانڈرس سے کہا کہ اب آخر اسکا تصفیہ کیا ہو گا یہ آفت تو کچھ عجیب ہے۔ میں نے اسکو کتابیں پھینکتے وقت اپنی انگلیوں سے لفظوں کو چھوتے ہوئے دیکھا ہے شائد وہ پڑھ رہا تھا میں تو اس ہاتھ کی طرف سے بڑا پریشان ہوں۔ سانڈرس بھی مضطرب تھا اسنے کہا "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ہاتھ میں جان کیسے آئی اور یہ بھید کیا کر سطرح ہے"؟

وہ دونوں تو اسوقت اپنے اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلے گئے صبح ہوئی تو ناشتہ کے وقت وہی تذکرہ تھا۔ جانسٹن کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اسنے رات کو سویا نہیں۔ اسنے سانڈرس سے دریافت کیا کہ اب ہمیں اس ہاتھ کو کیا کرنا چاہیئے۔؟

سانڈرس۔ ہوش کے ناخن لو اس بیسویں صدی میں ایسی باتیں ایک مہنسی اور مذاق ہیں ہم اس بکس کو جا بکر پھر اس ہاتھ کا اچھی طرح سے اطمینان کر لیں گے۔ اور اسکے بھاگنے کا سراغ لگائیں گے۔

مارٹن ناشتے سے فارغ ہو کر وہ لائبریری میں آئے۔ جانسٹن کو اتنی ہمت کہاں کہ بکس کھولتا سانڈرس نے

کیس کھولا اور ہاتھ کو ہاتھ میں لیکر دیکھا۔

جانسٹن ۔ کیا بالکل ٹھنڈا ہے ؟

سانڈرس ۔ نہیں اتنا ٹھنڈا نہیں ہے ۔ کچھ کچھ حرارت ہے ۔ ہاتھ پر کوئی روغن ملا ہوا ہے۔

جانسٹن ۔ روغن کو جہنم میں ڈالو ۔ وہ کہیں پھر پھدک نہ چل دے ۔ کیس میں اسکو جلد ڈالدو اور قفل ڈالکر ڈسک میں رکھدو اور پھر ڈسک کو مقفل کردو ۔ ڈسک کو اگر میں نے ہاتھ لگایا تو کوئی مجھ سے بڑھکر پاگل نہیں۔

اب کی دفعہ ہاتھ نے کوئی شرارت نہیں کی ۔ سانڈرس نے ہاتھ کو کیس میں اور کیس کو ڈسک میں رکھکے قفل ڈالدیا۔

جانسٹن ۔ سانڈرس ۔ چند روز کے لئے ہم کو ہوا خوری کرنی چاہیئے ۔ تمہارا بخار بھی تبدیل مقام سے دور ہوجائیگا ۔ میرا خیال ہے کہ اسد فعہ ایڈنبرا جائیں۔

سانڈرس ۔ جو تمہاری مرضی ۔

دونوں اُسی روز کچھ سامان کیساتھ ایڈنبرا روانہ ہوگئے وہاں انکو رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ گھر سے صدر ملازمہ کا ایک خط آیا جو درج ذیل ہے۔

"**حضور والا** ! آداب بندگی کے بعد عرض ہے کہ آپ جب سے تشریف لیگئے ہیں گھر بالکل نکہیں نظر آرہا ہے آپ کے جانے کے چوتھے روز بعد ہی امی اور روزی مجھ سے اجازت لیکر چلی گئیں ان لڑکیوں کے جانے کے بعد میں اور آپ کا بٹلر مارٹن گھر میں اکیلے ہیں ۔ امی اور روزی کے نکلنے کا سبب آپ سے کیا عرض کروں امی کا بیان ہے کہ وہ شام کو کوٹھے پر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ انکا پاؤں کسی سرد چیز پر پڑا جو ردی کی وجہ سے نم مُردہ ہوگئی تھی اور دیکھنے میں مینڈک معلوم ہوتی تھی ۔ مگر رنگت سفید تھی اُسی رات روزی کا بابا دھوکہ اپنے ہاتھ ہوا میں خشک کر رہی تھی کہ اُسکی آستین پر ایک ہاتھ کی شکل کی چیز بھیگی ہوئی خود بخود اپنے کو خشک

کر رہی تھی روزنے آستین کو جھٹکا یا تو وہ چیز چلتے ہوئے جانے لگی۔ روزی چیخ مار کر بیہوش ہوگئی حضور جسے میں پریشان ہوں۔ اور مینے ارادہ کر لیا ہے کہ ابا یسے گھر کو دور سے سلام کروں میں ایک مہینہ اور رہونگی۔ اس عرصے میں آپ کسی ملازمہ کا بندوبست فرما لیجئے۔ بہوت پریت کو نہ میرے والدین مانتے اور نہ میں مانتی ہوں۔ مگر پھر بھی میں رہنا نہیں چاہتی۔

سانڈرس جب کا مزاج اب اچھا ہو گیا ہوگا۔ میری طرف سے انکی خدمت میں آداب بندگی۔

آپکی خادمہ مسز میڈ

جانسٹن۔ سانڈرس یہ تو بری ہوئی۔ قدیم ملازمہ گھر چھوڑ رہی ہے۔

سانڈرس۔ میں اسکو خط لکھتا ہوں۔

جانسٹن۔ خط سے وہ کیا مانے گی؟ آج یہاں سے چلے چلیں۔ اب تم اچھے بھی ہو گئے ہو۔

وہ پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ یہ سب فتنہ گری ہاتھ کی ہے گھر آنے کے بعد سانڈرس نے میڈ کی بہت مذمت ساجت کی۔ میڈ نے کہا "آپ جو کچھ حکم فرمائینگے قبول ہے مگر میں اس گھر میں ایک ماہ سے زیادہ نہ رہونگی جانسٹن مارٹن سے جب وہ لائبریری میں اسکے لئے چاء لایا۔ دریافت کیا کہ آخر گھر میں ہوا کیا ہے جو لڑکیاں بھی بھاگ گئیں اور میڈ بھی جانے کو ہے۔

مارٹن۔ سرکار جب آپکی مجھے چٹھی ملی کہ ڈسک توڑ کر بکس نکالو اور چوہے کو دانہ پانی ڈالو تو میں نے آپکے حکم کی تعمیل کی۔

جانسٹن (حیرت سے) میری چٹھی؟ مینے تم کو کب چٹھی لکھی؟

مارٹن۔ آپ کی چٹھی موجود ہے۔

جانسٹن نے چٹھی دیکھی تو اسی کا خط تھا اور لکھا ہوا تھا "مارٹن! ہتھوڑے سے ڈسک توڑ ڈالو اور چوہے کو دانہ پانی ڈالو"۔

مارٹن ۔ حضور میں نے ڈسک توڑ کر بکس کو باہر نکالا اور چوہے کے لئے پنجرے کا انتظام کیا تھا کہ چوہا لائبریری میں گرفتار ہو گیا ۔ چوہے کے پکڑنے کے لئے میں نے چوہے دان لگا کر چوہا ہوا تھا ۔

جانسٹن ۔ پھر کیا تھا ؟

مارٹن ۔ جناب سکو دم مطلق نہ تھی ۔ وہ کوئی پانچ انگلیوں والا جانور معلوم ہوتا تھا اور کچھ ایسا زمین پر چلتا تھا کہ ہنسی آئے ۔

جانسٹن ۔ پھر ہوا کیا ؟

مارٹن ۔ ایک وقت میں سب سے رات کو لائبریری کیطرف دریچے بند کرنے کے لئے گیا تو دیکھا کیا ہوں کہ بجلی کے گولے روشن ہیں ۔ برقی پنکھا چل رہا ہے ۔ کتاب میز پر کھلی رکھی ہوئی ہے ۔ اور حضرت امریکہ بیٹھے ہوئے اپنی انگلیوں سے سطروں کو چھو رہے ہیں ۔ یہ دیکھکر میرے جسم میں کپکپی سی ہوئی اور میں چلا آیا ۔ دوسرے وقت جو دریچے بند کرنے گیا تو دریچے اپنے سے ہی بند تھے حالانکہ کسی نے بھی انہیں بند نہیں کیا تھا ۔ گھنٹی دینے کی آواز آئی تھی اور جب جا کر دیکھتا تھا تو گھنٹی کے پاس کوئی بھی نہیں نظر آتا تھا ۔ لڑکیاں اسی وجہ سے ڈر کر چلی گئیں ۔ اور مسز میڈ بھی پریشان ہیں ۔

جانسٹن ۔ مارٹن تم کیا خیال کرتے ہو ۔

مارٹن ۔ حضور میرا تو کچھ بھی خیال نہیں ۔ مسز میڈ کو میں نے کہا بھی کہ مسٹر جانسٹن عجیب و غریب چیزیں پالتے ہیں اور یہ حرکتیں انکے کوئی پالتو بندر کی ہوں ۔ مگر نظر میں تو وہ ایک ہاتھ معلوم ہوتا ہے ۔

جانسٹن ۔ اچھا مارٹن اب تم جا سکتے ہو ۔

سانڈرس ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکو پنسل اور کاغذ کہاں سے ملگیا ۔ اور وہ بکس سے ڈسک میں کیسے آیا ؟

جانسٹن ۔ یہ صاف ہے ۔ ہم نے بکس کو اچھی طرح سے باندھا اور بند تو نہیں کیا تھا وہ انگلیوں کی مدد سے بکس سے باہر نکلگیا ۔ ڈسک میں سے یہ سادہ کاغذات ہیں ۔ پنسل بھی موجود تھی ایک پرچے پر لکھ کر اسکو ڈسک کی

درز سے باہر پھینکدینا آسان کام تھا۔ مجھے ایک تدبیر سوجھی ہے۔ اس پر کتے چھوڑیں۔

انہوں نے اپنے تین کتوں کو جو باہر رہتے تھے۔ ہاتھ کے شکار کے لئے گھر میں رکھنا شروع کیا تھا دو دن تک کہیں نظر نہ آیا۔ تیسرے روز سانڈرس سر شام ٹہلتے ہوئے آرہا تھا کہ اسکو سیزر ہیوں کے ستون پر بیٹھا ہوا دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے وہ ہکا بکا رہگیا مگر جب اپنے آپ میں آیا اور ہاتھ کو پکڑنے کے لیے دوڑا تو وہ غائب تھا۔ اس واقعہ کے ایک روز بعد جانسٹن رائ کو لائبریری میں بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا کہ اس نے اسکو لائبریری کے اخیر حصے پر ایک کھلی کتاب پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ جانسٹن نے زور سے گھنٹی بجائی اور اسکو پکڑنے کے لئے لپکا مگر اب کے بھی وہ رفوچکر تھا۔ جانسٹن کو اس رات نیند نہ آئی دوسرے روز جانسٹن لائبریری میں لکھتا بیٹھا تھا۔ مسز میڈ کا طوطا پنجرے میں سے نکلکر لائبریری کے پردے پر بیٹھا اپنے رہا ہونے کی خوشیاں منا رہا تھا۔ پیر کی عادت تھی کہ جب قید سے نکلا جاتا تو پنجرے کو کسی نہ کسی طریقہ سے توڑ ڈالتا اور دو تین روز تک گھر میں ادھر ادھر اڑا پھرتا۔ اسوقت بھی وہ مسلسل چھ ہفتوں کی قید کے بعد باہر آیا تھا اور بک بک کر رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ پیر کا سر کھجاؤ۔ پیارے پیر کا سر کھجاؤ۔ ادھر پیارے پیر کا سر کھجاؤ!!!

جانسٹن (تنگ آکر) اگر مجھے ملو تو تمہارا گلا بھی دابدوں۔

اُسنے نظر اٹھاکر پیر کو دیکھا تو اسکے اوسان خطا ہوگئے کیونکہ ہاتھ اپنی تین انگلیوں سے پردے کی لکڑی کا سہارا لئے ہوئے چوتھی انگلی سے پیر کا آہستہ آہستہ سر کھجا رہا تھا۔ جانسٹن نے سب کے سانڈرس کو پکارا اور زور سے دریچہ اور دروازہ بند کیا کہ ہاتھ کہیں نکل نہ بھاگے۔ پیر نے اُڑنے کے لیے اپنے پر کھجائے۔ ہاتھ اسکو لپٹا ہوا تھا۔ پیر نے چیخ رسید کی مگر ہاتھ ویسا ہی لپٹا رہا۔ پیر اُڑا بھی تو ہاتھ اسکو دبائے ہوئے تھا۔

اڑنے کے بعد کچھ دیر تک ان میں جنگ ہوتی رہی۔ آخر ہاتھ نے طوطے کو زمین پر گرا دیا اور اسکا

ٹیٹوا دبا ڈالا۔ جانسٹن بچارے طوطے کو بچانے کے لئے پہنچا۔ مگر اسکا کام تمام ہو چکا تھا۔ اسنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس کو زور سے دبا کر پکڑ لیا سانڈرس اتنے میں برسر موقع پہنچ چکا تھا۔ جانسٹن نے اسکو ایک موٹا سوٹا ایک لکڑی کا تختہ اور چند لمبے کیلے جلد لانے کے لئے دوڑایا۔ ٹھہر تک رو

جانسٹن (سانڈرس کے سامان لانے کے بعد) اب سانڈرس کیلے کے ذریعے سے ہاتھ کو تختے میں

سانڈرس ۔ یہ کام تم خود ہی کرو۔ یاد رکھو کہ ہاتھ اس بیرحمی کا بدلہ ضرور لیگا۔

جانسٹن (غصے سے) تم مجھ سے کنارہ کشی کر رہے ہو۔ میں اس بات کو کبھی نہ بھولوں گا۔

جانسٹن نے ہاتھ کو تختے میں ٹھونک دیا۔ ہاتھ کی تکلیف قابل نہیں تھی اسکی انگلیاں سکڑے سمٹے جارہی تھیں

جانسٹن ۔ سانڈرس اسپر جلد سے کوئی کپڑا ڈالدو۔

سانڈرس نے کپڑا لپیٹ کر ہاتھ کو ڈاک میں ڈالدیا۔ حسب سابق

جانسٹن کو ہاتھ سے اب آرام ملا۔ اور دن جیسے گزرتے گئے جانسٹن بھی ہاتھ کو بھولتا گیا اسکی زندگی اطمینان اور بے فکری سے گزرنے لگی۔ مگر تقدیر میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ چھ ماہ گزر رہے تھے کہ گھر میں چوری ہوئی کہانے پینے کا اسباب بھی زیادہ چوری گیا۔ چوروں کا ارادہ تو بہت کچھ لوٹنے کا تھا۔ انہوں نے ڈسک کے اسمیں نقد وجنس تھوکا خیال کرکے توڑا تھا۔ مگر ڈسک سے سوائے ایک ہاتھ لگے ہوئے تختے کے انہیں کچھ نہ ملا ہاتھ اس عرصے میں بہت بدلگیا تھا اور وہ توانائی اسمیں نہ تھی۔ چور حیرت زدہ تھے انہوں نے تحقیقات کے لئے ہاتھ کو تختے سے جدا کیا تختے سے جدا کرنا تھا کہ ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر اپنی رہی سہی طاقت سے چلنے لگا۔ چوروں کے اوسان خطا ہوگئے اور جو کچھ ہاتھ لگ چکا تھا لیکر چلتے بنے۔

جانسٹن کو ہاتھ کی طرف سے پھر فکر ہوئی۔ سانڈرس نے کہا کہ ہاتھ چھ ماہ کی قید سے لنگڑا لولا اندھا ہوگیا ہے اور وہ کچھ کر نہیں سکتا مگر جانسٹن نے گھر چھوڑ دینے کی ٹھان لی انہوں نے برامنگھم میں ایک مکان لیا۔ جانسٹن فی الفور نئے مکان میں چلا گیا۔ سانڈرس بھی مع اسباب لیا ہوا آیا وہ اپنا اسباب کھول

رہا تھا کہ جانسٹن نے کہا "سانڈرس آج کچھ سردی معلوم ہوتی ہے۔ اول میرے دستانے پہنا دو"۔
سانڈرس نے جانسٹن کی طرف دستانے پھینکے۔ جانسٹن کو دستانے کے اندر کوئی چیز معلوم ہوئی وہ دستانے کو الٹ رہا تھا۔ کہ ہاتھ نظر آیا اس نے ایک چیخ مار کر دستانے کو پھینکدیا۔ جانسٹن کی حالت اب نازک تھی۔ وہ بیہوش زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اور اسکے منہ سے کف جاری تھا۔ سانڈرس دوڑ کر گئے لئے دوڑا ڈاکٹر آیا تو قلبی صدمے کی تشخیص کی۔ اس نے کہا مریض کی حالت خطرناک ہے۔ اچھی تیمارداری کے لئے اسپتال کا واقف کار آدمی مناسب ہوگا" جانسٹن کو اب ہوش آگیا تھا اسنے کہا" اسپتال کے آدمی کی ضرورت نہیں سانڈرس کافی ہیں" ڈاکٹر چلا گیا تو جانسٹن نے کہا" سانڈرس۔ ہاتھ کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کرنا اور میرے کمرے کے تمام دریچے اور دروازے ہمیشہ بند رکھنا۔ اور میرے کمرے میں کوئی سامان نہ رکھنا۔
سانڈرس ۔ اچھا۔ اچھا جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔ اب تم آرام کرو۔ تم جلد اچھے ہو جاؤ گے اور ہم یہاں سے بھاگ جائیں گے۔
جانسٹن ۔ ہاں اور صرف جسم کے کپڑوں کے سوا اور کوئی چیز نہ لیجائیں گے۔ کوئی پارسل بھیجے تو نہ لیں گے
سانڈرس تھکا ہوا تھا۔ جلد سو گیا۔ بارہ بجے رات کو ایک وحشتناک چیخ سے وہ اٹھ بیٹھا۔ جانسٹن کے کمرے میں جا کر دیکھا تو وہ ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں مضبوط دابے ہوئے تھا۔ اسنے جانسٹن۔ جانسٹن پکارا بھی مگر جانسٹن نے جواب دیا۔ سانڈرس نے ڈاکٹر کو لایا تو ڈاکٹر نے کہا کہ قلبی صدمے سے ابھی موت واقع ہوئی ہے۔
یوں تو سانڈرس نے باہر کے دریچے اور دروازے سب بند کئے تھے مگر ہاتھ کے نشانات سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حمام خانے کے روشندان سے حمام خانے میں اور حمام خانے سے جانسٹن کے کمرہ میں حمام خانے کے بالکل بازو ہی تھا گھس آیا تھا۔ بڑی مشکل سے ہاتھ کو جانسٹن کے ہاتھ سے نکالا گیا مگر اسمیں بھی زندگی کے آثار باقی نہ تھے

شبیر احمد (حیدرآبادی)

پیاری بیٹی! کچھ شک نہیں کہ تمہارا خط میرے اور تمہاری خستہ حال والدہ کیلئے سخت پریشانی اور کوفت کا باعث ہوا۔ مگر بفضلہٖ تعالیٰ تمہارے لائق اور ہم مذاق خاوند کے انتقال سے صدمہ ہوا جگہ تمہارا اسعد خیال تھا اور جو خوش قسمتی کہ تم نے اور گزشتہ تین چار سال تک برابر تمہاری ہر چیز اور لباس کا اسطور پر اہتمام رکھا جگہ جگہ ایک شریف عورت کیلئے اعتماد کی کمی ہوتی ہے مگر تمہاری جو پریشانی جو لاپرواہ نہایت شدید ہے اس خوف سے ہے کہ کہیں تمہاری "ترقی درجات" کسی قسم کی تنزلی کا سبب نہ ہو۔ گو میں نہ تمہارا امتحان اور تمہاری نیک اطوار کے تذکرے ہیں اور جھکو خیال ہے کہ تم نہایت فضول اور لاپرواہ نہیں ہو۔ اب یہ بات قابل غور ہے جب تم نے آخر مرتبہ لاہور۔ اگر تمہاری بیٹی ہوتیں تو میں بھی ایسا ہی خیال کرتا۔ لیکن باایں ہم اس سے کیا حاصل اگر تم اور غلطکاری کی بات کہی ہو تو ہو۔ فی الحقیقت پیاری مدت تھا ہم کو تمہاری جانب سے بڑا خوف شروع ہو گیا ہے کیونکہ تم نے کچھ عرصہ سے اور ذلت انسان کے تو ہم دنیا کی دولت کیا مال ہے صحیح ہے کہ ہم نہایت غریب ہیں اور بڑی مشکل سے بسر اوقات کر سکتے ہیں اگر چہ کبھی کبھی اہم جانتی ہو تمہارے بھی بھیجتے تھے۔ لیکن بہت ایسی تو شحال زندگی بسر کرنے کے جسکی قیمت ہماری جان کی تباہی ہو ہم کو تامل پانی اور بصورت امان ان اگر ہوں کی مٹی پر جسکی میں سبز کیا ہے کہو تا ہو۔ اگر آپ ہم کو امید کرا دیتے کہ تم کبھی واپس آؤ گی۔ لیکن جتنا کہ تم کو اقرار وہ کبھی ایک گونہ تاسا رہتے اور چونکہ ہو نہ تم کو استقدر پیسہ بھیجتے اور تم سے استقدر مہربانی کی گفتگو کی اور تمہاری خوبی اوصاف کی تعریف کرتے ہیں اور آہ! انکا یہ تو فقرا جملہ کہ اگر تم وہ کرو گی جو تم کو کرنا چاہیے "تو وہ تم پر مہربان رہینگے" یہ باتیں ہم کو تمہاری غرض نفس کی جانب سے سخت مردد کرتی ہیں

میں اسکا تذکرہ شریف بیوہ سمیدہ خانم سے کیا جو تم جانتی ہو کہ اب پہلے اچھے خاندان میں پیدا ہوئی

انہوں نے ہم کو یہ اطمینان دلایا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جب کسی ہلاکت کا احتمال ہوتا ہے تو مرحومہ کی چیزوں کا اسکی ملازمہ خاص کو اسکو جو ہماری ہی طرح پیار کرتی ہو۔ دیدینا کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے۔ لیکن پھر تمہارے ساتھ اسقدر خندہ پیشانی سے پیش آنے کے کیا معنی؟ انہوں نے کیوں تم سے غریب کی کا نام تھا؟ جیسا کہ تمہارے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دو مرتبہ یہ حرکت کی کیوں تمہارے اس خط کے پڑھنے اور اسکے لفظ اور طرز تحریر کی تعریف کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جو تم نے ہم کو لکھا تھا بے شک عزیز من! تمہارے خیال سے ہمارے دل میں درد ہوتا ہے۔ مزید برآں تم انکی مہربانی پر اس قدر لبریز مسرت اور ایسے الفاظ سے اسقدر مسحور معلوم ہوتی ہو (جو یقیناً غیر معمولی احساسات میں اگر انکا موضوع بھی صحیح ہو) کہ ہم کو خوف ہوتا ہے، ہاں پیاری بیٹی! ہم کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں جوش احساسمندی میں تم وہ لعل بیش بہا عزت نفس اپنی نذر نہ کر دو جسکی کوئی دولت یا احسان اس دنیا کی کوئی چیز تلافی نہیں کر سکتی۔

میرا خط بھی بہت طویل ہو گیا تاہم مجھے ایک بات اور لکھنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس ہجوم مشغولیت و اضطراب میں بھی ہم نے ہمیشہ کی طرح پر بہروسہ کہا ہے اور راستباز رہے ہیں اور ہم کو اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ اگر ہمارا یہی طریق عمل رہے تو اسکے بہت آثار خوشی پیدا ہونگے۔ اگرچہ ہماری موجودہ زندگی پر آلام ہے لیکن اپنی پیاری بچی کی عصمت کی قربانی ایک ایسا صدمہ ہوگا جو ہمارے عمل سے اونچا ہے اور جو بہت جلد ہمارے سفید بالوں کو گور کے کنارے لگا دے گا۔

اس لئے اگر تم کو ہم سے محبت ہے اگر تم کو اقبال الٰہی اور اپنی آئندہ شادمانی کی تمنا ہے تو ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی حفاظت پر مستعد رہو اور اگر تم کو بوجہ اقلیت بھی کوئی ایسی بات نظر آئے جس سے تمہاری عصمت کے خلاف نمائش کا احتمال ہو تو تم جہیز وہیں چھوڑ کر ہمارے پاس چلی آؤ گو یونہی ہم کو چیتھڑے وہیں لپٹا ہوا، اور دفن ہوتا ہوا دیکھ سکتے ہیں بنسبت اسکے کہ تمہیں کیا معلوم کہ ہماری بچی نے آسائش دنیا کو اپنے اغراض نفس پر ترجیح دی۔

ہم عجوبی تمہارے فرمانبردار تھے کو قبول کرتے ہیں لیکن تاوقتیکہ ہم کو اطمینان نہ ہو جائے۔ اسکو ہم نہیں سکتے اس خوف سے کہ کہیں اپنی بچی کی بے غیرتی کی قیمت میں ہم بھی شریک نہ ہو جائیں اسلئے فی الحال چوری کے ڈر سے ہم نے اسکو کوٹھری کے اوپر والے طاق میں رکھ دیا ہے۔ بھی خواہیوں اور دلی دعاؤں کے ساتھ تمہارا خیر اندیش لیکن تم کو دل عزیز کہنے والا ہے

"والدین"

نامتا

ترجمہ

بچوں کا پیارا کھیلتے ہوئے دور نکل گیا ہے۔ اس کی دلفریب خوش صحبت طرح طرح کے خیالات اور جذبات میں جذبۂ اتم مرئی ہوتا ہے

کیا سہانا وقت ہے۔ گلہائے رنگیں ہیں کھلے — بوئے خوش مہکی ہوئی ہے چلتی ہے ٹھنڈی ہوا
وہ ترنم خیز نغمے۔ اور سریلے چہچہے — حوض کا شفاف پانی مثل قلب باصفا

ہیں خوشی کے آج ساماں جا بجا

جھونکے اب باد صبا کے آئے ہیں اٹھکھیلیاں — جس سے فوارے کا پانی منتشر ہے ہو رہا
ہیں پرندوں کی نہایت دلربا خوش قولیاں — اپنے بچے کے لئے ماں دے رہی ہے یہ صدا

ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

دوڑ دھوپ اچھی نہیں میرے پیارے لال — یہ سماں تجھ پر تصدق میرے بیٹے میری جاں
آؤ میری گود میں۔ دھوکا کھلائے یہ جہاں — چھین لیجائے نہ مجھ سے تجھ کو ظالم آسماں

ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

تو دُر نایاب ہے۔ دنیا دُوں ہے پُر حسد — رشک ہے حالت پہ میری اسکو ناحق ناروا
وہ تجھے پر چاہتی ہے۔ اسکی کوشش ہے یہ بد — ہو نہ جا مفتوں تو اُسپر میرے بچے ٹھیر جا

ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

پھول ہیں اس باغ کے۔ رنگیں معطر بے شمار — ان میں تو بھی ہو گا گر شامل تو ہو گا غم فزا
پھول میرا میں کہاں پاؤنگی ہونڈونگی ہزار — آ میرے بچے تو آجا۔ یہ ہیں تیرے سب کہا

ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

دیکھ چلتی ہے بہت باد مخالف زور سے — جسم تیرا برگ گل سا ہے نہ اڑ جائے کہیں
کام نکلے گا نہیں میرے فغان و شور سے — جان ناشاد پھر مجھے ہرگز ملیگا تو نہیں
ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

حوض شفاف پانی تک نہ جا اے گلبدن — عکس اپنا دیکھکر تو محو خود ہو جائیگا
سیر کو پاتال کی تو میں نہ جا اے نونہال — بخت جو بیدار ہے ایکدم سو جائیگا
ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

بلبلے پانی پہ اب جسطرح آتے ہیں نظر — موج کے آنے سے مٹ جاتا ہے نام و نشاں
بلبلہ ہے تو بھی دریائے جہاں کا بے خبر — ہو نہ ایسا تو بھی مٹ جائے کہیں ہے ہے کہاں
ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

ہے سہانا وقت چلتی ہے نسیم خوشگوار — جس سے تو بھی شاد ہے پھولوں نہیں جا کر چھپ جا
فرش مخمل سے ہے بڑھ کر نرم یہ سبزہ زار — گود ماں کی بڑھکے ان سب سے ہے میرے مہ لقا
ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

نغمہ زن سارے پرندے اور گل آزاد ہیں — ہو کے تو ہمرنگ ان کا اڑ نہ جانا دور دور
صرف تجھ کو دیکھکر ارماں مرا آباد ہیں — دل نہ ہو دار المحن میرا جو ہے دار السرور
ٹھیر جا اے میرے بچے ٹھیر جا

صبح کے سورج کی کرنیں تجھپہ ہیں جلوہ فگن — تجھپہ صدقے ہونے اکر گر رہی ہیں حور و جن
حافظ و ناصر نگہباں تیرا رب ذوالمنن — تو ہے قدرت کا کھلونا تجھکو ان سب سے ہے حق
حق کرے عمر خضر تجھ کو عطا

تیرے تتلانے سے ہوئے الفاظ گو مہمل سہی — سارے نغموں سے ہیں دلکش روح پرور جانفزا

حمد کر اپنے خدا کی ہے زباں یہ قدرتی　　خوب گونجے گی ہوا میں یہ تری پیاری صدا
جس سے خوش ہو جائے گا تیرا خدا

(از جناب مولانا عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی)

موتی برسانے کو آئی ہے گھٹا ساون کی　　ابر دُر بانے باندھی ہے ہوا ساون کی
زیب بر سبزۂ تر کے ہے قبا ساون کی　　رُوئے گلشن سے برستی ہے فضا ساون کی
جلوۂ رحمتِ حق بن کے بہار آئی ہے
فصلِ گل ساتھ لئے پھولوں کے ہار آئی ہے

گلشنِ دہر پہ ہے سایۂ دامانِ بہار　　پردۂ غیب سے ظاہر ہوئے سامانِ بہار
چشمِ بد دُور۔ دوبالا نہ ہو کیوں شانِ بہار　　بارشِ ابر کرم بن گئی ہے جانِ بہار
غیرتِ دامنِ گلزار بیابان ہوئے
یعنے جنگل میں بھی منگل کے ہیں سامان ہوئے

ابرِ رحمت کے جو چھینٹوں سے زمیں ہے سیراب　　کہیں کھیتی ہے ہری ہیں کہیں جنگل شاداب
ہیں بصد جوش کہیں آپ سے باہر تالاب　　لبِ دریا ہیں کہیں پھول کنول کے خوش آب
جھولتے ہیں سمن اندام کہیں جھولوں میں
ڈالیاں نخل کی تلتی ہیں کہیں پھولوں میں

جس طرف دیکھئے آتی ہے نظر ہریالی　　پتہ پتہ ہے ہرا سبزہ ہے ڈالی ڈالی
پھول کی بادۂ شبنم سے بھری ہے پیالی　　چشمِ نرگس بھی اسی دور کی ہے متوالی

مستی حسن کے ہیں ناز بہار گل میں
نشہ مے کے ہیں انداز بہار گل میں

دست مشاطۂ قدرت نے کیا ہے جو سنگار — آب آئینہ سے بڑھ کر ہے رخ گل کا نکھار
قابل دید ہے غنچوں کے تبسم کی بہار — سیر گلشن ہے خلیق ہوئی ہر آنکھیں سرشار

موسم گل میں ہیں ہر سمت غضب کے جلوے
حق تو یہ ہے کہ یہ ہیں قدرت رب کے جلوے

آہ! یہ برسات پھر یہ سبزہ زار — رت نئی، موسم نیا، تازہ بہار
دلربا سبزی و دلکش آبشار — جذب مقناطیس سب سے آشکار
آن پر قدرت کی دل لوٹے نہ کیوں — جان ہے سو جان سے اس پر نثار
پیلے پیلے پھول، پتے سبز سبز — رنگ رلیوں میں عروسان بہار
کالی کالی ہیں گھٹائیں صبح پر — سرزمین باغ میں لطف خمار
ہے کہیں لالہ، کہیں نرگس کے پھول — یا دل پرداغ و چشم انتظار
بھر رہے ہیں چوکڑی یکسو ہرن — رقص طاؤسی ہے یک سو آشکار
لطف اس موسم کا اسکے دل سے پوچھ — جس کے پہلو میں ہو کوئی گلعذار

دیکھ کر سبزے کی کیفیت فضا
چھا گیا ہے اپنی آنکھوں میں خمار

از سخن آفرین جناب مولانا سید فرید الدین صاحب بلتا

کیا ترے عہد میں مخلوق تھی حیراں گرمی
پیاس سے آدم و حیواں تھے پریشاں ۔ گرمی
جلتے تھے قلب و جگر جانتھی سوزاں گرمی
شکر صد شکر ہوئی اب تو گریزاں گرمی

للہ الحمد کہ اب آئی ہے پیاری برسات
قہر گرمی تھی تو ہے رحمتِ باری برسات

قہر کے قہر سے تھا ہر متنفس نالاں
حضرتِ حق سے طلب کرتی تھی مخلوق اماں
جوش پر رحمتِ رب آئی ہوا یہ فرماں
جائزہ گرمی کا لیلے ہوا بھی رعد و دخاں

تیر بارش کا بھی لے، برق کا درّہ لیلے
مہر محبوس ہو یا اس سے مچلکہ لیلے

اُٹھا کہسار سے کیا جھوم کے کالا بادل
برقِ خاطف کا لئے ہاتھ میں تیغا بادل
حدّتِ شمس پہ کرنے لگا دھاوا بادل
کہیں چمکا، کہیں گرجا، کہیں برسا، بادل

بحر جاری ہوئے، تالاب بھی پر آب ہوئے
کوہ بھی، دشت بھی، گلزار بھی شاداب ہوئے

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوا اور وہ گھٹا گھور گھٹا
ننھی ننھی وہ پھواریں وہ سہانا بارش کا
دیکھتے ہی دلِ رندانِ ازل لوٹ گیا
یوں لگے کہنے۔ عجب آج ہے فکر فردا

تند و پرشور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشان مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

شاہد گل نے گلستاں میں ہے ڈیرا ڈالا سرو آزاد ہے گلزار میں پھریرے پہ کھڑا
سنبل تر لب جو کھولے ہے گیسو دوتا نونہالان چمن نکلے ہیں کھانے کو ہوا
آنکھ کس سے لڑی کیا بھید ہے کیا مطلب ہے
نکلی بن ٹھن کے سر شام عروس شب ہے[1]

کیاریوں میں گل خوش رنگ کا تختہ ہے کھلا کہیں لجوہی کہیں شبو ہے کہیں ہے بیلا
گل صد برگ کہیں اور کہیں ہے لالا کہیں سوسن کہیں چمپا ہے کہیں کیوڑا
توبہ تڑواتی ہیں نرگس کی نشیلی آنکھیں
سحر کرتی ہیں ستاروں پہ رسیلی آنکھیں

روش باغ میں پھولوں کی فضا دلکش صحن گلشن میں صبا کی ہے ادا دلکش
شاخ شمشاد پہ قمری کی صدا دلکش شجر گل پہ عنادل کی نوا دلکش
دیس[2] کے راگ میں ہر دل کو لبھا لیتی ہے
جان عشاق کی دیپک[3] میں جلا دیتی ہے

تخم ریزی کے لئے کھیت میں غلے لائے نیچے مٹی کے کسانوں نے انھیں دبائے
آب حیواں لئے ہمراہ خضر[4] بھی آئے چند قطرے دہن خشک میں پھر ٹپکائے
زندگی پانی سے پائی تو ہوا کہنے لگے
کونپلیں بنکے بہار اپنی وہ دکھلانے لگے

ساعت نیک میں پروان چڑھ لوئے سبز دلوں سے نظر آنے لگے کھیت ہرے
آب باراں سے نہا دھو کے تر و تازہ ہوئے نکلے بن ٹھن کے وہ پہنے ہوئے دھانی جوڑے

[1] عروس رات کی رانی [2] دیس ۔ راگنی کا نام [3] دیپک ۔ ایک راگ کا نام [4] خضر ۔ مراد از ابر

کیاریوں میں جو ہوا کھانے سے وہ ملتے ہیں
لوگ کہتے ہیں پریزاد گلے ملتے ہیں

کالی کالی ہے گھٹا پانی برستا بھی ہے جوشِ پر نالے ہیں گنگا بھی ہے جمنا بھی ہے
باغ سرسبز ہے گلرو بھی ہیں جھولا بھی ہے جھولنے والیو کے لب پہ ترانا بھی ہے
کھیلتی کجری ہیں اور تان بھی ہے کجری کی
دھن منڈولے کی بھی ہے لے بھی ہے برسات کی

وطن آوارہ پھرا پھرتا ہوں مارا مارا کوئی ہمدرد نہ ہمدم ہے نہ ہمراز اپنا
دور ہوں اپنے محبوں سے اغزہ سے جدا لطف برسات کا کیا خاک ملے اے یکتا
جھومتا ابر سیہ رو جو کہیں آتا ہے
یاد آتا ہے وطن قلب تڑپ جاتا ہے

چٹکیوں سے دل غمیدہ کو ہے ملتی مسل تازگی بخش گلستاں کے ترو تازہ پھل
سیب شفتالو بہی سنترے جامن کٹھل آم انجیر اناس شریفہ بڑھل
پھل ہیں سب زہر جو یاران وطن سات نہیں
تیر بارش کا مرے حق میں ہے برسات نہیں

رعشۂ پیری

یہ جسم اک کاروان ہی مشتمل تعداد اعضا پر قیام عارضی ہے زندگی اس دہر فانی کی
سحر پیری ہے جنبش ہے سفر کی رعشۂ پیری یہی تعبیر ہے خواب شام جوانی کی

سید علی اختر اختر

دکن کا ہر دلعزیز اور پابند وقت روزنامہ
رہبر دکن

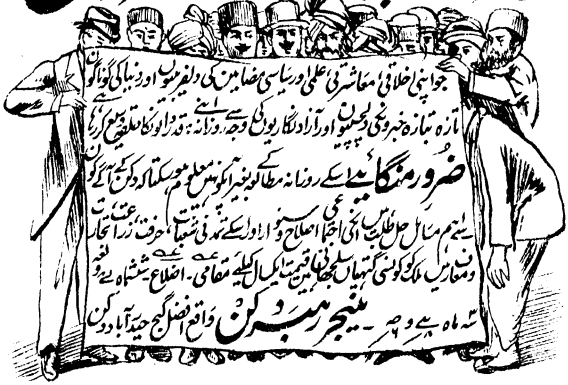

جو اپنی اخلاقی، معاشرتی علمی و سیاسی مضامین کی دلفریبی اور زبان کی گونا گونی
تازہ بتازہ خبروں کی دلچسپیوں اور آزاد نگاری کی وجہ سے روز بروز اپنے
ضرور منگائیے

سے ہم مسائل حال طلب میں اپنی اجتماعی اصلاح سے اور اسکے مفید مشورے
و معاریف ملک کو کسی کہاں سلجھانے میں یکساں کیلئے مفید۔ اشتہارات بے

سہ ماہہ ہے وجہ۔ منیجر رہبر دکن واقع افضل گنج حیدرآباد دکن

لسان الملک

زبان اردو کا ایک تاریخی علمی رسالہ ہے جو زبان اردو کے ایک نامور شاعر و القلم

مولانا سید محمد ضامن صاحب ضامن کنتوری

کی ایڈیٹری میں ایکسال سے نکل رہا ہے اور اپنے علمی
مضامین کے باعث قبولیت عام حاصل کرلیا ہے

قیمت سالانہ مع محصولڈاک صہ ششماہی ہے فی پرچہ

منیجر لسان الملک دلاور گنج حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے

جلد ۱ نمبر ۶ صفر ۱۳۴۳ھ فہرست مضامین مطابق آبان ۳۳ م ستمبر ۱۹۲۴ء

مضمون	مضمون نگار	صفحہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
خیالات	مدیر	۲	غزل	عالیجناب نواب میر کاظم علیخاں بہادر	۶۲
دلی زبان کا تفوق	مولانا سید ہلال صاحب مہدوی	۱۳	مرغ سحر آہنگ	مولوی سید علی اختر صاحب	۶۳
ہست و نیست	مولوی ابوالفیض صاحب فیاض حیدرآبادی	۳۰	وقت	سخن آفرین مولانا سید مایل مہدی صاحب بھوپالی	۶۵
تفسیر عشق و حسن	خواجہ محمد شمعون صاحب شبنم لکھنوی	۴۴	شیخ سہتی	مولوی سید عبدالحق صاحب عیشی	۶۶
مون	شمس العلماء حضرت مولوی شمس اللہ صاحب قادری ایم آر اے ٹی	۴۵	روح ادب	بزم مشاعرہ۔	۶۰
انعام عصمت	جناب ام الحامد صاحبہ (اہلیہ سید علی اختر صاحب)	۶۱	اشتہارات		

بزم تاج

اللہ جلشانہ کا شکر ہے کہ تاج کا چوتھا نمبر زیر ناظرین کیا جاتا ہے۔ مرض طاعون کے سبب عام طور پر سرکار وقت پر کام نہ چلا۔ دنیا اس بلا کا تصور لا رہا تھا کہ اس کی تاریخی اور دفعہ غیر معمولی تعوق ظہور ہوگی مگر ہمارے نتیجہ خاطر دل سے ممنون ہیں کہ بعض ایسی انتہائی مشغولیتوں ہی کا نتیجہ ہے جو اس وقت بھی تاج کے لئے مضامین حاضر ہے۔ اس نمبر میں تین اہل جو مضامین شامل ہوئے ہیں انکی نسبت ہماری مختصر رائے یہ ہے کہ:-

عربی زبان کا تفوق اور اسکی مزیت دوسری زبانوں پر۔ یہ یادگار مضمون مولانا سید ہلال صاحب مہدوی کا جسکی ہم نے تاج نمبر میں وعدہ کیا تھا پہلی قسط ہے یا اسکا باقی حصہ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ علمی حلقہ میں اس مضمون کی خاص طور پر قدر کیجائیگی۔ اور ہم کو توقع ہے کہ آپ ہمیشہ تاج پر نظر عنایت رکھینگے اور اپنے مفید علمانہ مضامین سے اوراق تاج کو زینت بخشیں گے۔

ہست و نیست۔ یہ مقدمی مضمون مولوی ابوالفیض صاحب فیاض حیدرآبادی نے عنایت کیا ہے۔ رسالہ تاج کی نسبت آپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اسکا ہم شکریہ ادا کرتے ہوئے آپکی اس رائے سے متفق ہیں کہ ہر کام ہی ابتدا میں نامکمل ہوتا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ جناب شمس العلماء حضرت مولوی شمس اللہ صاحب قادری ضرور اپنے اس قابل قدر مضمون کو مکمل فرمائیں گے۔ دوسرے رسائل کی نسبت ہم جناب فیاض صاحب کی رائے کا دوسرا پہلو کو تاج کی جلد کے فیصلہ پر چھوڑتے ہیں۔

تفسیر حسن و عشق۔ ہم جناب خواجہ محمد شمعون صاحب شبنم لکھنوی کے ممنون ہیں کہ آپ نے حسن و عشق کی سچی تفسیر سے تاج کو زینت فرمایا ہمیں توقع ہے کہ آپ آئندہ بھی اپنے حسن تخیل سے تاج کو دلچسپ بنائیں گے۔

مون۔ شمس العلماء حضرت مولوی سید شمس اللہ صاحب قادری ایم۔ آر۔ اے۔ ایس ؤ بی پر تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ سے ہر ایک کا ہر ایک تسلیم یافتہ شخص اچھی طرح واقف ہے۔ ابتک آپکے جسقدر مضامین شایع ہوچکے ہیں وہ ناظرین تاج سے جامع تر، حال کے بھی ہیں مونی ہند کے طلائی پیکے یعنے مون سے متعلق یہ تاریخی مضمون بھی آپکے معلومات علمی کا نتیجہ ہے۔ ہم حکیم صاحب کے مبتا ممنون ہوں گے اگر آپ اس کا بل قدر وکا آمد سلسلہ کو ہمیشہ قائم رکھیں گے۔

انعام عصمت۔ اس سے پہلے دو خط ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ یہ تیسرا خط ہے جو ہر طرح سبق آموز ہے۔ ہم جناب ام الحامد صاحبہ کی بدل شکر ہوں کہ آپنے اپنے معلومات سے مستفید فرمایا ہے۔

غزل - عالیجناب میر ناظر علیخاں بہادر کے زورِ طبع کا اچھا نتیجہ ہے - ہم ممنون ہیں کہ آپ تاج پر نظر کرم ہمیشہ مبذول فرماتے ہیں -

مرغِ شب آہنگ - یہ نظر جناب مولوی سید علی اختر صاحب اختر کے اعلیٰ تخیل کا عمدہ نمونہ ہے -

وقت - سخن آفرین مولانا نیکلا صاحب سے ناظرین تاج ناواقف نہیں ہیں اس نظم میں آپنے بے ثباتی عالم کا جو خاکہ کھینچا ہے وہ قابل داد ہے -

شمع ہستی یہ نظم جناب سید عبدالحق صاحب حقیشی نے لکھی ہے اور اچھی لکھی ہے -

روح ادب - اس ماہواری مشاعرہ کی غزلیں جو شاعران نازک خیال کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہیں قابل ملاحظہ واقع ہوئی ہیں اور ہر ایک بوجہ شروع وشدت طاعون امید فرغہ کامیاب نہ رہے -

میلاد نمبر کا کام شروع ہوگیا ہے چند مضامین ایسے معرکۃ الآرا اپنے فراہم کئے ہیں جو ہمعصرین ہونے کے علاوہ بہت بڑے بڑے رسائل میں اپنی عقیدت سے یہ نمبر زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ صفحات کا شائع کرسکتا ہوں مگر یہ مضامین جو ہمکو وصول ہوئے ہیں اس سے بہت زیادہ صفحات لیں گے - اور ان مضامین کو میں عدم گنجائش کا حیلہ کرکے رد کرنا بھی نہیں چاہتا اسلئے مجبوراً اخبار ان مفید مضامین کو دو مستقل نمبروں میں نکالنا پڑیگا - میرا اندازہ ہے کہ غالباً یہ نمبر تخمیناً ۵۰ صفحات کا ہوگا اور غیر معمولی کاغذ کے اس نمبر کی قیمت ۱۰ ہوگی -

جن جن شائقین خریدار اصحاب کا چندہ اس نمبر کے وصول ہونے پر ختم ہوجاتا ہے - اگر ان کو آئندہ تاج کی خریداری منظور نہ ہو تو وہ فوراً مطلع فرادیں ورنہ نیلا نمبر جو جلد ۲ کا پہلا اور دوسرا نمبر ہوگا بذریعہ وی پی سالانہ للہ ۱۲ اُنکے نام موجودہ پتہ پر بھیجا جائیگا -

اور ماہ بہمن کا تاج جسمیں چند لاجواب مضامین ہونگے انشاء اللہ تعالیٰ ماہ بہمن کے اواسط میں شائع کردیا جائیگا -

رسید رسائل و کتب

- حسب ذیل رسائل و اخبارات اور کتب ہمارے پاس بغرض ریویو وصول ہوئے ہیں مگر افسوس کہ موجودہ طاعونی پریشانیوں کی وجہ سے ہم مجبوراً ان پر ریویو نہیں لکھ سکے - انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ضرور معاصرانہ خدمت پوری کیجائیگی - میں اُن معاصرین کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے تاج کے تبادلے میں اپنے قیمتی پرچے مرحمت فرمائے -

(۱) معارف اعظم گڑھ (۲) سوز و ساز دہلی (۳) دین و دنیا دہلی (۴) اتالیق حیدرآباد دکن (۵) ارتقا بونہ پلی (۶) تحفہ سرور نگر (۷) نونہال حیدرآباد دکن (۸) النور حیدرآباد دکن (۹) نیرنگ خیال لاہور (۱۰) لسان الملک حیدرآباد دکن (۱۱) واعظ حیدرآباد دکن (۱۲) کشاف امرتسر (۱۳) پیمانہ اکبرآباد (۱۴) مسلمانِ عام دہلی (۱۵) شباب اردو لاہور (۱۶) اخبار نجات بجنور (۱۷) اخبار مرغہ بجنور (۱۸) اخبار اودھ پنچ دہلی (۱۹) اخبار رہبر دکن (روزنامہ) حیدرآباد دکن (۲۰) آفتاب اجمال یار (۲۱) (کتاب) سخن رنگین -

مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیند آئی جو کبھی زلف کے دیوانے کو چونک اٹھا خواب پریشاں سے پریشاں ہو کر

بیدار ہونے سے غرض یہ ہے کہ ایک عرصہ کے بعد میں اپنے دردِ دل کا اظہار آپ سے کر رہا ہوں میری حالت تو آپ یوں سمجھیں کہ "طفل بکتب نمی رود و لے بر ندش" اگر آپنے مجھے آج بھی اِن اُمور کے اظہار پر آمادہ نہ کیا ہوتا تو نہ معلوم میں اور کتنے روز خاموش رہتا۔ دردِ دل کے اظہار کے لئے جب تک سننے والے دلچسپی نہ لیں میں تو اُس کو ایک بے ضرورت چیز سمجھتا ہوں۔ جب آپ آمادہ ہوں تو پھر میرا خاموش رہنا فضول ہے جذبات کو اُبھارنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی وجہ درکار ہے۔ میری زبان اگر مجھی سے مخاطب ہو کر بولنا شروع کرے تو یہ ہمدردی ہے۔ لطف تو جب ہی آتا ہے کہ کوئی دوسرا والا ہو اور اُس سے متاثر بھی ہوتا جائے۔

یہ ظاہر ہے کہ ایک بے بضاعت شخص کا اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کو زبانِ اُردو میں ظاہر کرنا لہو لگا کے شہیدوں میں نام لکھوانا ہے۔ اور مجھ جیسے مُردہ دل کے لئے (جسکا شمار چند اُن زندوں میں ہے جن

زبانِ اُردو کے عاشقوں میں نام گنواتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مفلسی کی عاشقی کسی کام کی نہیں۔ لیکن جی کڑا کرکے دردِ دل کا اظہار مینے آج سے شروع تو کر دیا ہے۔ خدا راس لائے۔

رُسوائیوں کے خوف سے آفت میں جان تھی — اچھا کیا جو آپ نے دیوانہ کر دیا

دریں دیرے بے پایاں دریں طوفانِ موج افزا — دِل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا

سنتا ہوں کہ فلسفۂ محبت بڑا کٹھن ہے۔ احباب حوصلہ شکن حکایات سُنا کر مجھے اس خیال سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عاشقی کا مدار جب جنون پر ہے۔ اور دل صدمے سہنے کے تیار تو پھر میرا عذر ہی بیکار ہے۔ گو میرا یہ دعوے ایک حد تک چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق ہے۔ مگر جنون میں جو کچھ بھی ہو وہ تھوڑا ہے۔ سمندر کی تہ سے ایک بڑی چٹان کا کھینچ لانا آسان ہے مگر ایک سچے عاشق کے دِل سے صداقت کا جذبہ دُور کرنا۔ جوئے شیر کا لانا ہے۔

اب علاجِ دلِ بیتاب بہت مشکل ہے — وہ بھی کہتے ہیں مرے بس کا نہیں دل تیرا

یوں تو سب کچھ ہے محبت کے خریداروں کو — حُسن یوسف بھی ہے اور مصر کا بازار بھی ہے

بازارِ مصر میں جہاں حضرت یوسفؑ کی خریداری کے لئے بڑے بڑے ملکی التجار جمع ہوئے تھے کہتے ہیں کہ اسمیں ایک غریب بڑھیا بھی تھی جسکے خندہ بجا پر اُس نے یہ جواب دیا تھا "مانتی ہوں کہ حضرتِ یوسفؑ کی خریداری کی مجھ میں قدرت نہیں۔ مگر کم از کم نام تو خریداروں کی فہرست میں داخل رہے گا" زبانِ اُردو کی عاشقی (خدمت) کی نسبت میرا بھی یہی حال ہے۔ کبھی کبھی غبارِ کشتہ اُڑ کر چیونٹی ہی رفعت کی سیر کر لیتی ہے تو جنونِ عاشقی میں کیا عجب عالی ہمتی سے ایک دن مجھے بھی کامیابی نصیب ہو۔

در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بسے — شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

دردِ منّت کشِ دوا نہ ہوا ۔ میں اچھا ہوا برا نہ ہوا

انسان جب تک شراب نہیں پیتا وہ لوگوں کو شراب پیتے دیکھکر تعجب کرتا ہے ۔ مگر جب اُسکے منہ سے لگ جاتی ہے تو بغیر پیئے رہا نہیں جاتا ۔ غرض چسکا بری بلا ہے ۔ تازہ زخم میں اوّلاً کم درد محسوس کیا جاتا ہے وہ جوں جوں ہوا کھاتا ہے ۔ تکلیف میں زیادتی ہوجاتی ہے ۔ جب یہ زخم مدت تک اچھا نہیں ہوتا تو طبیعت بھی ایک حد تک اس تکلیف کی خوگر ہوجاتی ہے ۔ رسالۂ تاج کے متعلق میرا بھی یہی حال ہے ۔ دو رگزشتہ میں چار سال برقرار رہنے ہزاروں تکالیف جھیلیں اور کثیر نقصان برداشت کیا مگر وہ چسکا جو میرے دل و دماغ کو ہے مجھے خاموش رہنے نہیں دیتا آخر ناچار پھر اُس بھولی ہوئی محبت کو تازہ کرنا پڑا ۔

جنوں کے ہاتھ سے گو ناتواں ہوں ۔ گریباں تک تو میرا دست رس ہے

کاش رویا ہی میں ہو وصل نصیب عاشق ۔ قسمت اچھی نہ سہی خواب تو اچھا دیکھے

جب درخت کٹ کر اور چاند گہٹ کر ہی بڑھتا ہے ۔ تو پست ہمتی انسان کے کیا شایان شان ہے ۔ رسالۂ تاج کے اجرا سے میرا مقصد نفع حاصل کرنا نہیں ہے اور نہ پہلے تھا ۔

الحمدللہ کہ باوجود نقصانوں اور ہزاروں مخالفتوں اور بیسیوں رکاوٹوں کے رسالۂ تاج کامیابی کے ساتھ اپنے اس ششماہی دور کو ختم کر رہا ہے جس میں مجھے اُمید سے زیادہ کامیابی ہوئی اسکا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اب تاج کے گزشتہ نمبر میرے پاس نام کو بھی باقی نہیں ہیں اور متواتر درخواستیں چلی آرہی ہیں کہ میں کسی طرح گزشتہ نمبروں کی تکمیل کردوں ۔ مگر افسوس ہے کہ تاج کے گزشتہ نمبر کر طبع کرادینے سے میں معذور ہوں ۔ اس کے ظاہر کرنے سے میرا یہ مطلب ہے کہ تاج کو ملک نے کس حد تک پسند کیا ہے اور اسکی آئے دن مانگ کہاں تک ہو رہی ہے ۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں

جوں جوں تاج کو ترقی ہو رہی ہے ویسے ہی میری مشکلات میں اضافہ ہوتا چلا ہے۔

کٹھن ہے راہِ عشق چلوں یہ ڈر مجھے پھٹیں کہیں آبلے ٹوٹیں کہیں نہ خار

ترقی خود ہماری باعثِ آزار جاں ٹھہری فلک کو کیا غرض جو در پئے بیداد کو میں ہوں

تاج جس پیمانہ پر شائع ہو رہا ہے اسمیں تائید ایزدی کے جلوے ضرور ہیں سخت مشکلات میں بھی ہمت کی زیادتی۔ یہ بھی منجانب اللہ سمجھئے۔ امکان بہر میری تمام کوششیں اسی میں مصروف رہتی ہیں کہ تاج ملک کا بہترین رسالہ شمار کیا جا سکے۔ یوں تو برائی کرنے والوں کی زبان گاڑی کے چاک کے مانند ہے اور سننے والوں کے کان اس چاک کو تیل پہنچا کر اور زیادہ تیز کر دیتے ہیں ایک مضمون دیکھنے کے بعد اگر کوئی کہے کہ اسمیں ایسا اور ایسا ہونا چاہئے تھا تو بسم اللہ وہ قلم ہاتھ میں لیں اور اس سے اچھا مضمون لکھیں۔ زبانی جمع و خرچ سے ہوائی قلعے تعمیر کرنا میں تو اچھا نہیں سمجھتا۔ آپ کو اس درخت کے پھل کی طرف خیال کرنا چاہئے جو ٹوٹنے کے بعد ایک اور درخت پیدا کر لیتا ہے۔ جب تاج ایک دنگل مضامین کا ٹھہرا تو جس کا جی چاہے جس کو بہترین مضامین لگاری کا دعوے ہو۔ اپنی زبان کی خوبیوں اور اپنی خیال آرائیوں کی داد لے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مضمون نویس کے چند اصحاب حامی ہوتے ہیں اور چند مخالف۔ اور خواہ مخواہ زبانی جنگ و جدال تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ احاطۂ تحریر میں اسی کو سمجھونگا کہ اپنا بھی مضمون کوئی اسی عنوان پر جسمیں تمام خوبیاں بھری ہوئی ہوں کسی پرچہ میں سہی شائع کرا کے قدردانانِ قلم سے تحسین حاصل کیا جائے

محبت ہو کسی سے یا عداوت مزا دیجائیگی گر دل سے ہو گی

ایک کہتا ہے کہ کمبخت خدا کے گھر چل ایک کہتا ہے کہ کر قصد صنم خانے کا

مشورہ کرنے اور اس سے اچھی باتوں کو انتخاب کرنے میں مجھے کوئی عذر تو نہیں مگر جو بات

میرے بس کی نہ ہوا سکے متعلق رائے دینا بیفائدہ ہے اگر یہ کہا جائے کہ میں جنت کی تصویر اپنے رسالہ میں شائع کروں تو اسمیں بھی مجھے دلچسپی کے اسباب نظر نہیں آتے اور نہ میں اُس سے بخت بیزار ہوں اگر کل یہ کہا جائے کہ اسمیں یہ بات ہونی چاہیئے تھی تو میری ساری محنتیں اور تلاش و جستجو بیکار جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی تو مجھے رائے دے کہ میں اپنے رسالہ کو الٰہیات کے حوالے کردوں کوئی مشورہ دے کہ میں ٹھیٹ فلسفہ کیلئے اپنا رسالہ نذر کردوں۔ کوئی کہے کہ محض شعر و سخن کیلئے وقف کردوں یا منطق، ہندسہ کے مضامین شائع کرتا رہوں تو یہ باتیں میری قدرت سے باہر ہیں۔ جنابِ طرزِ تاج مختلف مذاق رکھتے ہیں اور جب مجھے سب کی تواضع منظور ہے تو کسی ایک کی دلچسپی کے لئے ہزار دل طبیعتوں کے مذاق پر پانی پھیرنا مجھے منظور نہیں۔ آپ اس کو ضخیم سمجھیں کہ سال بھر میں آپکی طبیعت کے موافق تاج نے آپ کے اصلی مذاق کو کس حد تک پورا کیا۔ موسم بہار میں گلستاں کی دید کا لطف اہل ذوق سے پوچھیئے۔ طرز بیان میں سلاست اور سنجیدگی بُری نہیں۔ مجنونانہ طرز بیان کے ساتھ اگر آپ از خود ہو کر کپڑے پھاڑنے لگیں تو یہ دیوانگی آپ کے حق میں مفید نہیں ہو سکتی۔ لوگ آپ کی طرف پتھر پھینکنے لگیں گے۔ جنون اُسی حد تک چاہیے جسمیں دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔

پاس ہے رازِ محبت کا جو خاموش ہوں میں ورنہ لب پر مرے نالہ بھی ہے فریاد بھی ہے

اِک ہستیِ موہوم سے ہے صورتِ اشیاء ہے دیدہ تحقیق میں جز نامِ خدا ہیچ

جب دنیا میں کسی چیز کو بقا نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی ہستی کو عمر موت کے انتظار میں وقف کردیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں خلاق عالم نے جب ہر ایک چیز کو فانی بنایا ہے تو پھر اسکی نسبت بقا کا خیال کس طرح جائز ہو سکتا ہے اس حالت میں جب استقبال دم بھر کو بھی باقی نہ رہے تو ہم "دنیا با مید قائم" والی مثل سے کیا کام لے سکتے ہیں۔ جب ہم میں اسقدر سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں کہ کل کیا ہوگا۔ تو پھر کسی قسم کا اندیشہ اور فکر بے سود ہے۔ دنیا کے تمام کام تھوڑی ہی رہنے میں بلاشبہ

خواہ زندگی ہو یا موت نزول رحمتِ الٰہی میں کلام نہیں۔ اکثر احباب مجھے خط لکھتے ہیں کہ اگر تاج کے استقلال اور زندگی کا یقین ہو جائے تو ہم اسکے جاں و دل سے خریدار ہو جائیں۔ حضرات! میں ایک اچھی چیز دنیا کے آگے پیش کر رہا ہوں اگر آپ کے پسند آجائے تو آپ خریدیں اور لطف اٹھائیں ورنہ آپ کا یہ دعدہ قیامت تک آپکے ساتھ رہے گا۔ جبر تو ہے نہیں۔ آپ کی جیسی مرضی۔

دل تو کہتا ہے غمِ عشق کا اظہار نہ ہو درد دل کا یہ تقاضا ہے کہ فریاد کروں

آسماں دشمنِ ارباب ہنر ہوتا ہے شکر صد شکر کہ آتا نہیں کچھ کام مجھے

حضرت سعدی کا قول ہے کہ "انسان کا علم و فضل تو ایک ہی دن میں معلوم ہو جاتا ہے لیکن اخلاقِ نفس کے علم کے لئے ایک عرصہ درکار ہے" آدمی کا سچا حال اسکی زندگی کے بعد اسکے حاسدوں سے ظاہر ہوتا ہے جب یہ میدانِ حسد خالی پاتے ہیں تو اُسوقت حقیقت خود بخود اُنکی زبان سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ حسد وہ دبی ہوئی آگ ہے۔ جو حاسد کے دل کو اندر ہی اندر خاکِ سیاہ کر دیتی ہے۔ جس شخص کی آنکھیں کمزور ہوں وہ چراغ دیکھنے کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔ جب دنیا کے انقلاب کا یہی ایک شعبہ ٹھہرا۔ تو پھر میں اور تاج ہی اسے مستثنےٰ نہیں ہو سکتے۔ جب طرح سچی محبت بے اثر نہیں رہتی اسی طرح اگر میں سچی خدمت کر رہا ہوں تو کبھی نہ کبھی دن مجھے اپنے مقاصد میں کامیابی ہوگی۔ جب زبانِ خلق کو کسی پہلو چین نہیں آتا تو اسکے متعلق ہیر لگانا عبث ہے۔ جب علمی دنیا مجھ سے اور میری خدمات سے بخوبی آشنا ہو گئی ہے تو حاسدوں کے طعن و تشنیع اور بُرا بھلا کہنے سے میرا دل متاثر کیوں ہو۔

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا گر نہیں ہے مرے اشعار میں معنی نہ سہی

ضبطِ الفت کی قسم کھاتا ہوں لیکن کیا کروں جان کہا جاتے ہیں میری پوچھنے والے مرے

دنیا بھر کے اتفاقات ہوتے ہیں کہ میں تاج کی قلمی خدمت میں حصہ نہیں لیتا۔ اسمیں شک نہیں کہ اسکے پیشتر دو رگزشتہ میں بہت کچھ حصہ لیتا تھا۔ جب پرچہ میں اچھے اچھے مضامین نگار حصہ لے رہے

اور میرے پاس مضامین کا ذخیرہ اتنا جمع ہوگیا ہے۔ جسکے لئے برسوں چاہئیں تو پھر مجھے استغنا کیوں نہ ہو۔ "یار زندہ صحبت باقی" جب مضامین کی کمی دیکھونگا تو میری بھی باری آئیگی۔ مضامین زیادہ وصول ہوتے جاتے ہیں اور جوابات دیتے دیتے مجھے فرصت ہی نہیں ملتی۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ میرا مضمون اسی نمبر میں چھپ جائے۔ کہیے یہ نادری حکم پہنچتا ہے کہ آپنے اس مہینے ہمارا مضمون نہیں چھاپا واپس کردیجئے۔ کسی جگہ یہ تذکرہ ہوتا ہے کہ تاج میں مضامین دیر سے شایع ہوتے ہیں۔ اسلئے اسکو مضامین نہ دئیے جائیں۔ غرضکہ ہزاروں خیالات، بیسیوں استفسارات، جب اچھے مضامین آپ کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں تو میرے مضامین کا بھی ہونا اسمیں کیا سُرخاب کے پر لگا دینگا۔ آپکو جب اچھے مضامین دیکھنے میں آجاتے ہیں۔ تو للہ مجھپر، میری مصروفیتوں، اور میری پریشانیوں پر رحم فرمائیے۔ مجھے اپنے مضامین سے زیادہ دوسرے حضرات کے بہترین مضامین زیادہ عزیز ہیں مجھے جتنی بھی فرصت ملیگی وہ آپکے تفنن طبع کی خدمت میں صرف کرتا رہوں گا۔

ہر چند چاہتا ہوں کروں بندگی حق لیکن جو اتنا وقت نہ پاؤں تو کیا کروں

باغ دنیا کی ہے حریف خزاں کس بھروسے پہ آشیاں کیجے

دنیا ایک آئینہ ہے اگر کوئی ہنسے تو یہ بھی ہنستی ہے۔ اگر کوئی روئے تو یہ بھی رونا سا تھ دیتی ہے جب دنیا میں ہم کو اپنی عمر کا بقیہ حصہ گزارنا ہی ہے۔ تو پریشانیوں کا کیا گلہ۔ اپنی پریشانیوں کا علاج پریشان دلوں ہی سے ممکن ہے۔ جب دوسری بڑی پریشانیاں آپ سنیں گے تو اپنی پریشانی خود بھول جائینگے جسطرح روشنی ہونے کو تاریکی اور دھوپ ہونے کو سایہ کہتے ہیں اسیطرح دل کو سکون نہ ہونے کو پریشانی اور نزول مصائب کو غم کہا جاتا ہے۔ تو پھر سچی خوشی کا جلوہ شاید عمر بھر میں بھی قسمت والے ہی کو ایک آدھ دفعہ نظر آتا ہوتو یہ کوئی چیز نہیں۔ دنیا میں جب ہم آگئے تو مقدر میں جو کچھ ہو اس پر صبر و شکر کرنا چاہئے۔ جب روزانہ لاکھوں آرزوؤں اور حسرتوں کا خون ہوتا ہے، سچا بیگناہ مارا جاتا ہے جھوٹا دغا باز

چیز سے بسر کرتا ہے" محنتی کو ولیہ یا کھنڈی کو پلاؤ" کی مثل ہی جب بقول زمانہ کے کرشمے کی جان ٹھہری تو ہمیں تو اسمیں ہمارا کیا اجارا جب ہم انسان اشرف المخلوقات مانے گئے۔ اور ہم کو عقل اور گویائی عطا کر کے وعدے سے خوش کیا گیا اور وعید سے ڈرایا گیا تو یہ بڑا غنیمت ہے۔ مگر اُن جانوروں کو بھی تو کچھ ہیں جنکی پیدائش ہی پہلے سے اُنکے لئے وبالِ جان۔ دوسرے مرنے کے بعد آپ ہی فرمائیے انکو کیا ملے گا جب مرنے کے بعد ہم کو جنت ملے گی تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ ملنا چاہیئے تھا۔ اللہ بس باقی ہوس کہیئے اور خاموش رہیئے۔ بولنے سے زیادہ جب خاموشی میں لطف آئے تو ایسی بے فائدہ ادھیڑبن سے زندگی وبال کیلئے کوئی عقلمندی نہیں۔

باقی کوئی رہے نہ رہے اُس کو کیا غرض موسےٰ جلے کہ طور جلے اس کو کیا غرض
منظور تھا جمال دکھانا دکھا دیا

رات دن زیر زمیں لوگ چلے جاتے ہیں نہیں معلوم تہ خاک تماشا کیا ہے

یہ بھی محبوب پر آشوب زمانہ ہے اگر مرگِ انبوہ جشنے دارد کی مثل پوری ہوتی تو دل کو چین بھی آتا۔ مگر یہ تو الا امتحان ہے کہ فرداً فرداً موتیں واقع ہوں۔ مُردہ بدست زندہ سنتے تھے مگر زندہ بدست مُردہ۔ آج کے امتحان کا پرچہ ہے۔ جہاں تمام امثال الٹی ہوتی جارہی ہیں وہاں جو کچھ آنکھیں دیکھتی ہیں وہ کم ہے۔ چراغ تلے اندھیرا۔ سنتے تھے۔ روشنیٔ برق (الکٹرکٹی) سے چراغ اور پر اندھیرا ہو گیا نیکی کر دریا میں ڈال مشہور مثل تھی۔ مگر یہ آجکل الٹا رنگ دکھا رہی ہے اگر "نیکی کر جلدی مر" مثل ہوتی تو ٹھیک بھی تھا۔ طاعونی اموات کی زیادتی نے اچھے اچھوں کے اس زمانے میں چھکے چھڑا دیئے ہیں تو ہم غریبوں کا کیا ٹھکانا۔ طاعون سے بھاگ کر جنگل میں پناہ لیتے ہیں تو زمین پر سانپ بچھو ڈستے اور آسمان سے مینہ برستا ہے "مرتے کو ماریں شاہ مدار" سردی الگ انتہا دیتی ہے۔ غرضکہ ایک سو ہزار سودا۔ لاکھوں صدمے ایک جان ناتواں پر۔ سچ پوچھئے تو جتنی آفات ارضی وسماوی کا نشانہ جیسے

انسان بننے میں اسے زیادہ جانور بننے کا اثر ہوتا ہے۔ اگر طاعون کا اثر ہوتا ہے تو پہلے بچاپے چوہے بلیوں پر۔ فاخ البالی میں مصیبت آئے تو اتنی جان لیوا اور وبال جان نہیں ہوتی جتنی غربت اور مفلسی کی مصیبت میں عذاب ہوتا ہے۔ تپ وہی اچھی جو طاقت کے ساتھ ہو ضعف کی تپ پر کپکپی نہ کوئی خوبی نہیں۔ کہنا کچھ بھی ہو دونوں میں تعمیل حکم خداوندی ضرور شامل ہے۔

اسوقت طاعون کے شیوع سے حیدرآباد کی جو حالت ہوتی جارہی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ ایک سناٹے کا عالم نظر آتا ہے۔ تمام محلے سونے پڑے جیسلو دیکھئے جنگلوں میں جھونپڑیاں ڈالے پڑا ہے آبادی سے بہوت دیکا کر لیا ہے ہر ایک کام میں ہزار دقتیں دشواریاں لاحق ہو رہی ہیں۔ پریس کی مشکلات بڑی سخت ہوتی ہیں۔ چھاپنے والے آدمی بروقت ملتے نہیں تو ایسی صورت میں اگر تاج کی اشاعت میں کچھ دیر ہو جائے تو آپ کو ذرا صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ جانتے بوجھتے اگر آپ کے علمی مذاق میں رکاوٹ پیدا کر دیجائے تو اسکا گناہ میرے ذمہ اس پرچہ کی اشاعت میں کیا کیا مصائب اور پریشانیوں نے مجھے دق کیا میں اسکا ذکر تو نہیں کرتا مگر ہر انسان کا فرض ہے کہ جب ایسی کوئی تڑپ کی وجہ دیکھے ذرا صبر و رحم سے کام لے۔ دنیا کے کاروبار رکنے والے نہیں مشیت الٰہی ہر حالت میں واجب التعمیل ہے۔

مجھے منظور ہر دونوں ہی وفا ہو کہ جفا سر تسلیم ہے خم حکم بجا لانے میں

تمنائے زباں محو سپاس بے زبانی ہے مٹا جس سے تقاضا شکوہ بیدست و پا ئی کا

رسالہ تاج کو وجود میں لاکر میں نے دیدہ و دانستہ اپنے آپ کو مصائب کا شکار بنا دیا ہے۔ غالب نے تقریباً پچیس سال ہوئے "یک انار و صد بیمار" سی رہی ہے اور اسپر طرہ یہ ہے کہ "سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے" کا مصداق خدا نے دل بنا دیا ہے تو پھر میں اسکے برخلاف کیونکر عمل کرتا۔ میری داستان طلسم ہوشربا کی جلدوں سے بھی زیادہ ضخیم ہے "برکریاں کارہا دشوار نیست" اگر خریدار اصحاب تاج سے میں لیتدا عاکرون کہ

بغیر آپ کی توجہ کے رسالہ ترقی نہیں کر سکتا۔ تو چاہیئے ہے۔ جب آپ کی ایک چیز فائدہ پہنچانے والی کی توسیع اشاعت میں انتہک کوشش آپ کا پہلا فرض ہونا چاہیئے۔ اگر میں ان حضرات کا سپاسگزار نہ ہوں تو یہ تقاضائے شرافت نہیں۔ جن جن حضرات نے تاج کو عروج میں لانے کے لئے اپنی مساعی جمیلہ سے مدد دی۔ یہ انکی عالی حوصلگی ہے۔ علی ہذا القیاس مضامین نگار حضرات کا بھی شکریہ میں ایک بڑا حصہ ہے جو تاج کو دلچسپ بنانے میں سرمایہ تہنیت ہیں اور وہ اخبارات و رسائل بھی قابل شکر گزاری ہیں جنہوں نے تاج کی نسبتاً اپنی زریں رائے لکھنے میں دریغ نہیں کیا اور اپنے قیمتی رسائل و اخبارات تبادلے میں روانہ فرمائے۔ الغرض اس شش ماہی عرصہ کی رپورٹ میں چند اہم امور جو میرے پیش نظر تھے۔ جلوہ میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے ابتک آپ پر ظاہر کرنے سے قاصر تھا اسے آج بکدوشی حاصل کر لی۔ بارگراں تو اب میری جان ہی کے ساتھ رہا۔ مگر یہ سمجھئے کہ دل کی بھڑاس نکل گئی۔ جی آہ کرنے سے کچھ منٹ آرام ملتا ہے۔ تو ایسی بھڑاس کو آہ کے دوسرے درجہ پر رکھئے جب علم کسی کی میراث نہیں سمجھی جاتی تو پھر ایک علمی پرچے کو آپ مجھ سے کیوں منسوب کرتے ہیں۔ یہ تمام علم دوست حضرات کا پرچہ ہے۔ آپ اس کو کامیاب بنانے میں جو طریقہ مناسب سمجھیں اس سے گریز نہ کریں آئندہ ہر چہ مرضئ مولے از ہمہ اولے۔

میں نے تو دردِ محبت کو چھپا رکھا تھا — تو نے بدنام کیا اے دلِ مضطر مجھکو

مدیر

دل سے نکالدو ترقی کی اب ہوس — ہاتھوں میں اپنے بل ہے نہ کچھ پاؤں میں کس

ملکی کے ہند سو سے عیاں ہے زوال — چالیس تیس بیس ہیں پہرے بعد دس

محمد عبدالمقتدر صدیقی فضل

م ل ک ی
۴۰ ۳۰ ۲۰ ۱۰

عربی زبان کا تفوق اور اسکی دوسری زبانوں پر مزیت

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو تاج ماہ امرداد جلد انمبر ۳)

(۵)

جو بیان زبان عرب کی وسعت کے متعلق پہلے کیا گیا ہے وہ صرف لحاظ ترکیب مواد کلمات کی تعداد اور انکی حرکات و سکون سے متعلق تھا جن سے کہ مواد مرکب ہوتے اور ایک خاص قوام کی شکل و صورت پیدا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ کسی حال میں اپنی معینہ حد اور مقدار سے بڑھنے نہیں پاتے جو انکے لئے خالق (خدا) زبان نے مقرر کر دی ہے۔

اب ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مشتقات کا بیان شروع کریں اور مشتقات کے اقسام میں سے سب سے اول ہم افعال کو انتخاب کرتے ہیں کیونکہ بنسبت اسم کے اسمیں تصریف (یعنے گردان متصاریف) زیادہ ہوتی ہے ہر ایک فعل کے فاعل کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ غیبت[1]۔ حضور[2]۔ مظہر فعل[3] (متکلم) اور بلحاظ نوعیت کے اسکی اور بھی دو قسمیں ہیں مذکر یا مؤنث[4] مفرد یا عورت اور پھر بلحاظ تعدد کے فاعل ایک ہوگا یا دو ہونگے یا دو سے زیادہ ہونگے۔ پہلے کو واحد[1] اور دوسرے کو تثنیہ[2] اور تیسرے کو جمع[3] کہتے ہیں پھر اس سے معلوم ہوگا کہ ہر فعل کے (خواہ وہ ماضی ہو یا حال و استقبال[3]) اٹھارہ صیغہ ہوتے ہیں جنکی تفصیل و تعداد ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

صیغہ ہائے ماضی معروف

فتح[1] - فتحا[2] - فتحوا[3] - فتحت[4] - فتحتا[5] - فتحن[6] - فتحت[7] - فتحتما[8] - فتحتم[9] - فتحت[10] - فتحتما[11] - فتحتن[12] - فتحت[13] - فتحنا[14] - فتحنا[15] - فتحت[16] - فتحتما[17] - فتحنا[18]

ان صیغوں میں گیارہویں اور پندرہویں اور سولہویں اور سترہویں اور اٹھارہویں صیغہ کی شکل صورت

آٹھویں اور تیرھویں اور چودھویں صیغہ سے بالکل مشابہ ہے اسلئے اس تعداد میں سے پانچ صیغہ گھٹا دیئے جائیں تو تیرہ صیغہ باقی رہتے ہیں لیکن بلحاظ عمل و معنے کے اٹھارہ[۱۸] صیغہ موجود و بحال سمجھنا چاہیئے اور اسی تعداد میں ماضی مجہول کے بھی اٹھارہ[۱۸] صیغہ موجود و مستعمل ہیں۔ ماضی منفی معروف و مجہول کے بھی اٹھارہ[۱۸] صیغہ مستعمل ہوتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے صرف ماضی مطلق کے بہتر[۷۲] صیغہ ہوتے ہیں اگر اسمیں ماضی قریب۔ بعید۔ استمراری۔ احتمالی۔ اور تمنائی کے صیغہ بھی شریک کئے جائیں (جو ضرور شریک ہونے کے قابل ہیں) تو جملہ اقسام ماضی کے چار سو بتیس[۴۳۲] صیغہ ہوتے ہیں۔

صیغہ ہائے مضارع معروف

یَفْتَحُ[۱] یَفْتَحَانِ[۲] یَفْتَحُوْنَ[۳] تَفْتَحُ[۴] تَفْتَحَانِ[۵] یَفْتَحْنَ[۶] تَفْتَحُ[۷] تَفْتَحَانِ[۸] تَفْتَحُوْنَ[۹] تَفْتَحِیْنَ[۱۰] تَفْتَحَانِ[۱۱] تَفْتَحْنَ[۱۲] اَفْتَحُ[۱۳] نَفْتَحُ[۱۴] اَفْتَحُ[۱۵] نَفْتَحُ[۱۶]

تعداد مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ چوتھا[۴] اور ساتواں[۷] صیغہ ہم شکل ہے اور پانچواں[۵] اٹھواں[۸] اور گیارھواں[۱۱] ہم شکل ہے اور پندرھویں[۱۵] صیغہ تک شکل صورت میں برابر ہیں اسلئے انمیں سے سات صیغہ صورتاً قابل اخراج ہیں اور مختلف الصورت گیارہ صیغہ باقی رہتے ہیں لیکن حقیقت میں معنے کے لحاظ سے پورے اٹھارہ صیغے مستعمل سمجھنا لازم ہے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ عربی میں حال و استقبال کے لئے ایک ہی صیغہ موضوع ہے صرف قرینہ سے حال و استقبال سمجھا جاتا ہے۔ البتہ جب مضارع کے صیغہ پر لام مفتوح لایا جاتا ہے تو اس صورت میں صیغہ زمانۂ حال کے معنے کا فائدہ دیتا ہے استقبال کا تصور نہیں باقی نہیں رہتا۔

جب مضارع کے صیغہ پر لم یا لما داخل ہوتا ہے تو اسکے معنے ماضی منفی کے ہو جاتے ہیں حال و استقبال کے معنے باقی نہیں رہتے اور اس نظر سے ماضی کے صیغوں میں اور ایک سو چوالیس صیغوں کا اضافہ ہو کر ماضی کے کل پانچسو چھتر[۵۷۶] صیغہ ہوتے ہیں!

اسی طرح اگر مضارع کے صیغہ پر شروع میں حرف سین یا سوف آتا ہے یا اُسکے شروع میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید ثقیلہ یا خفیفہ آتا ہے تو اسکے معنے خاصۃً استقبال کے ہوجاتے ہیں اور نیز اُسکے شروع میں حرف لن آتا ہے تو اسکے معنے مستقبل منفی کے ہوجاتے ہیں۔

مذکورہ بالا صیغہ حرف مضارع معروف کے ہیں اور یہی صیغہ بہ تبدیل حرکات مجہول کے ہوتے ہیں اور منفی معروف و مجہول کے صیغہ بھی سیقدر ہیں پس اس حساب سے مضارع کے کل صیغے بہتر ہوئے اگر اس تعداد پر لام حالیہ اور سین وسوف و لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ کے معروف و مجہول اور لام تاکید با نون تاکید خفیفہ کے معروف و مجہول کے آٹھ صیغہ داخل کئے جائیں تو مضارع کے کل صیغہ دو سو آٹھ ہوتے ہیں۔ صیغہ ہائے امر معروف

یَفْتَحُ - یَفْتَحَا - یَفْتَحُوْا - تَفْتَحُ - تَفْتَحَا - یَفْتَحْنَ - اِفْتَحْ - اِفْتَحَا اِفْتَحُوْا - اِفْتَحِیْ - اِفْتَحَا - اِفْتَحْنَ - لِاَفْتَحْ - لِنَفْتَحْ - لِتَفْتَحْ - لِتَفْتَحَا لِتَفْتَحُوْا

دوسرا اور پانچوان صیغہ ہمشکل ہے اسلئے ان میں ایک باقی رہا اسی طرح سے آخر کے چاروں صیغے ہمشکل ہونے کی وجہ ساقط ہوئے۔ پس امر کے تیرہ صیغہ مختلف الصور باقی رہے لیکن بلحاظ معنے کے وہ بھی ثابت اور قائم ہیں۔

صیغہ ہائے امر مجہول

یُفْتَحُ - یُفْتَحَا - یُفْتَحُوْا - لِتُفْتَحْ - لِتُفْتَحَا - لِیُفْتَحْنَ - لِتُفْتَحِیْ - لِتُفْتَحَا - لِتُفْتَحْنَ - لِاُفْتَحْ - لِنُفْتَحْ - لِتُفْتَحْ - لِتُفْتَحَا - لِتُفْتَحُوْا

ے یہ یاد رہے کہ مضارع کے وہ صیغہ جنمیں لام تاکید اور نون تاکید خفیف آتا ہے بسقاط صیغے ہمشکل صورتاً صرف آٹھ صیغے مستعمل ہوتے ہیں۔ کیونکہ چاروں تثنیہ اور دونوں جمع مؤنث کے صیغوں میں نون خفیفہ نہیں آتا۔

ٹ امر کے تمام صیغہ درج کرنا اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ امر میں زیادہ اقسام نہیں ہیں۔ امر میں صرف نون تاکید ثقیلہ آتا ہے اسلئے اسکی چھ قسمیں یعنی صیغہ کے امر میں درج ہوا یہی حال نہی کا ہے۔ پہر امر کے کل صیغہ چھیانوے اور نہی کے کل صیغے چھیانوے ہوتے ہیں۔

صیغہ ہائے امر معروف بانون تاکید ثقیلہ

لَيَفْتَحَنَّ ۱ - لَيَفْتَحَانِّ ۲ - لَيَفْتَحُنَّ ۳ - لَتَفْتَحَنَّ ۴ - لَتَفْتَحَانِّ ۵ - لَيَفْتَحْنَانِّ ۶ - اِفْتَحَنَّ ۷
اِفْتَحَانِّ ۸ - اِفْتَحُنَّ ۹ - اِفْتَحِنَّ ۱۰ - اِفْتَحَانِّ ۱۱ - لَاَفْتَحَنَّ ۱۲ - لَنَفْتَحَنَّ ۱۳ - لَاَفْتَحَنَّ ۱۴
لَنَفْتَحَنَّ ۱۵

صیغہ ہائے امر مجہول بانون تاکید ثقیلہ

لَيُفْتَحَنَّ ۱ - لَيُفْتَحَانِّ ۲ - لَيُفْتَحُنَّ ۳ - لَتُفْتَحَنَّ ۴ - لَتُفْتَحَانِّ ۵ - لَيُفْتَحْنَانِّ ۶ - لَتُفْتَحَنَّ ۷ - لَتُفْتَحَانِّ ۸
لَتُفْتَحُنَّ ۹ - لَتُفْتَحِنَّ ۱۰ - لَتُفْتَحَانِّ ۱۱ - لَاُفْتَحَنَّ ۱۲ - لَنُفْتَحَنَّ ۱۳ - لَاُفْتَحَنَّ ۱۴ - لَنُفْتَحَنَّ ۱۵

صیغہ ہائے امر معروف بانون تاکید خفیفہ

لَيَفْتَحَنْ ۱ - لَيَفْتَحُنْ ۲ - لَيَفْتَحُنَّ ۳ - اِفْتَحَنْ ۴ - اِفْتَحُنْ ۵ - اِفْتَحِنَّ ۶ - لَاَفْتَحَنْ ۷ - لَنَفْتَحَنْ ۸
لَاَفْتَحَنْ ۹ - لَنَفْتَحَنْ ۱۰ - لَنَفْتَحَنْ ۱۱

صیغہ ہائے امر مجہول بانون تاکید خفیفہ

لَيُفْتَحَنْ ۱ - لَيُفْتَحُنْ ۲ - لَيُفْتَحُنَّ ۳ - لَتُفْتَحَنْ ۴ - لَتُفْتَحُنْ ۵ - لَتُفْتَحِنَّ ۶ - لَاُفْتَحَنْ ۷ - لَنُفْتَحَنْ ۸
لَاُفْتَحَنْ ۹ - لَنُفْتَحَنْ ۱۰ - لَنُفْتَحَنْ ۱۱

صیغہ ہائے نہی معروف

لَا يَفْتَحْ ۱ - لَا يَفْتَحَا ۲ - لَا يَفْتَحُوا ۳ - لَا تَفْتَحْ ۴ - لَا تَفْتَحَا ۵ - لَا يَفْتَحْنَ ۶ - لَا تَفْتَحِي ۷ - لَا تَفْتَحَا ۸ - لَا تَفْتَحُوا ۹
لَا تَفْتَحْنَ ۱۰ - لَا تَفْتَحَا ۱۱ - لَا تَفْتَحْنَ ۱۲ - لَا اَفْتَحْ ۱۳ - لَا نَفْتَحْ ۱۴ - لَا اَفْتَحْ ۱۵ - لَا نَفْتَحْ ۱۶ - لَا نَفْتَحْ ۱۷

صیغہ ہائے نہی مجہول

لَا يُفْتَحْ ۱ - لَا يُفْتَحَا ۲ - لَا يُفْتَحُوا ۳ - لَا تُفْتَحْ ۴ - لَا تُفْتَحَا ۵ - لَا يُفْتَحْنَ ۶ - لَا تُفْتَحِي ۷ - لَا تُفْتَحَا ۸ - لَا تُفْتَحُوا ۹
لَا تُفْتَحْنَ ۱۰ - لَا تُفْتَحَا ۱۱ - لَا تُفْتَحْنَ ۱۲ - لَا اُفْتَحْ ۱۳ - لَا نُفْتَحْ ۱۴ - لَا اُفْتَحْ ۱۵ - لَا نُفْتَحْ ۱۶ - لَا نُفْتَحْ ۱۷

صیغہ ھا ھی معروف بانون تاکید ثقیلہ

لَا یَفْتَحَنَّ ۱ - لَا تَفْتَحَانِّ ۲ - لَا یَفْتَحَنَّ ۳ - لَا تَفْتَحَنَّ ۴ - لَا یَفْتَحَانِّ ۵ - لَا تَفْتَحْنَانِّ ۶
لَا تَفْتَحَانِّ ۷ - لَا تَفْتَحُنَّ ۸ - لَا تَفْتَحِنَّ ۹ - لَا تَفْتَحَانِّ ۱۰ - لَا تَفْتَحْنَانِّ ۱۱ - لَا أَفْتَحَنَّ ۱۲ - لَا نَفْتَحَنَّ ۱۳
لَا نَفْتَحَنَّ ۱۴ - لَا أَفْتَحَنَّ ۱۵ - لَا نَفْتَحَنَّ ۱۶ - لَا نَفْتَحَنَّ ۱۷

صیغہ ھا ھی مجہول بانون تاکید ثقیلہ

لَا یُفْتَحَنَّ ۱ - لَا یُفْتَحَانِّ ۲ - لَا تُفْتَحَنَّ ۳ - لَا تُفْتَحَانِّ ۴ - لَا یُفْتَحَانِّ ۵ - لَا تُفْتَحْنَانِّ ۶
لَا تُفْتَحَانِّ ۷ - لَا تُفْتَحُنَّ ۸ - لَا تُفْتَحِنَّ ۹ - لَا تُفْتَحَانِّ ۱۰ - لَا تُفْتَحْنَانِّ ۱۱ - لَا أُفْتَحَنَّ ۱۲ - لَا نُفْتَحَنَّ ۱۳
لَا نُفْتَحَنَّ ۱۴ - لَا أُفْتَحَنَّ ۱۵ - لَا نُفْتَحَنَّ ۱۶ - لَا نُفْتَحَنَّ ۱۷

صیغہ ھا ھی معروف بانون تاکید خفیفہ

لَا یَفْتَحَنْ ۱ - لَا یَفْتَحَانِ ۲ - لَا تَفْتَحَنْ ۳ - لَا تَفْتَحَانِ ۴ - لَا یَفْتَحَانِ ۵ - لَا تَفْتَحْنَانِ ۶ - لَا أَفْتَحَنْ ۷ - لَا نَفْتَحَنْ ۸
لَا نَفْتَحَنْ ۹ - لَا أَفْتَحَنْ ۱۰ - لَا نَفْتَحَنْ ۱۱ - لَا نَفْتَحَنْ ۱۲

صیغہ ھا ھی مجہول بانون تاکید خفیفہ

لَا یُفْتَحَنْ ۱ - لَا یُفْتَحَانِ ۲ - لَا تُفْتَحَنْ ۳ - لَا تُفْتَحَانِ ۴ - لَا یُفْتَحَانِ ۵ - لَا تُفْتَحْنَانِ ۶ - لَا أُفْتَحَنْ ۷ - لَا نُفْتَحَنْ ۸
لَا نُفْتَحَنْ ۹ - لَا أُفْتَحَنْ ۱۰ - لَا نُفْتَحَنْ ۱۱ - لَا نُفْتَحَنْ ۱۲

(۶)

مشتقات کا بیان ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُم المشتقات یعنے مصادر کا بیان کیا جائے۔ ثلاثی مجرد کے مصادر اکثر و بیشتر حسب ذیل اوزان پر آتے ہیں۔

فَعْلٌ ۱ - فَتْلٌ - فِعْلٌ ۲ - فِسْقٌ - فُعْلٌ ۳ - شُغْلٌ - فَعْلَةٌ ۴ - رَحْمَةٌ - فِعْلَةٌ ۵
نِسْبَةٌ - فُعْلَةٌ ۶ - لُدْرَةٌ - فَعَلٌ ۷ - طَلَبٌ - فَعِلٌ ۸ - خَرَقٌ - فَعْلَةٌ ۹ - غَلَبَةٌ
فِعْلَةٌ ۱۰ - سَرِقَةٌ فِعَلٌ ۱۱ - صِغَرٌ - فُعَلٌ ۱۲ - هُدًى - اصل میں هُدَیٌ ہے - فَعَالٌ ۱۳

ذَهَابٌ ۔ فِعَالٌ ۔ صِرَافٌ فُعَالٌ ۔ سُؤَالٌ ۔ فُعَالَةٌ ۔ زَهَادَةٌ
فِعَالَةٌ ۔ دِرَايَةٌ ۔ فُعَالَةٌ بُغَايَةٌ ۔ فَعِيلٌ ۔ وَمِيضٌ ۔ فَعِيلَةٌ ۔ قَطِيعَةٌ
فُعُولٌ ۔ دُخُولٌ ۔ فُعُولَةٌ ۔ صُهُوبَةٌ ۔ مَفْعَلٌ ۔ مَدْخَلٌ ۔ مَفْعِلٌ مَيْسِرٌ
مَفْعَلَةٌ ۔ مسعاۃ اصل میں مَسْعَيَةٌ تھا ۔ مَفْعَلَةٌ مَحْمَاةٌ ۔ فَعْلَى دَعْوَى
فِعْلَى ۔ ذِكْرَى ۔ فُعْلَى ۔ بُشْرَى ۔ فَعْلَانُ ۔ لَيَانُ اصل میں لَيْيَانٌ تھا
فِعْلَانٌ جِرْمَانٌ ۔ فُعْلَانٌ غُفْرَانٌ ۔ فَعَلَانٌ نَزَوَانٌ ۔ فَعَالِيَةٌ
كَرَاهِيَةٌ ۔ فَعْلُولَةٌ ۔ قَيْلُولَةٌ ۔

اگرچہ مصادر ثلاثی مجرد کے اور بھی چند وزن ہیں لیکن بسبب اسکے وہ قلیل الاستعمال ہیں اور نیز بسبب اسکے کہ مضمون میں طوالت حد سے بڑھ جاتی ہے انکو ترک کر دیا گیا۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ افعال صرف مواد ثلاثی مجرد و مزید اور رباعی مجرد و مزید سے آتے ہیں خماسی سے کوئی فعل نہیں آتا اور نیز سو جہ سے کہ اُن مصادر کے اوزان بہ نسبت مصادر ثلاثی مجرد کے قلیل ہیں اسلئے ذیل میں انکی تفصیل و تعداد بھی درج کر دیجاتی ہے۔

ثلاثی مزید میں مصادر کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک قسم یہ ہے کہ رباعی کے وزن سے ملحق نہیں ہے اور اسکی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے کہ اسکے شروع میں الف وصل آتا ہے دوسری قسم وہ ہے کہ اسکے شروع میں حرف وصل نہیں آتا جیسے کہ الف وصل آتا ہے اسکے اوزان حسب ذیل ہیں۔

(۱) اِفْعَالٌ ۔ اِجْتِنَابٌ ۔ (۲) اِسْتِفْعَالٌ ۔ اِسْتِغْفَارٌ (۳) اِنْفِعَالٌ
اِنْقِلَابٌ (۴) اِفْعِلَالٌ ۔ اِحْمِرَارٌ (۵) اِفْعِيلَالٌ ۔ اِدْهِيمَامٌ (۶) اِفْعِيعَالٌ

ثلاثی مجرد کے مذکورہ مصادر اگرچہ تعداد میں ۳۵ ہیں لیکن حقیقت میں یہ بیسیادر جملہ بابوں میں منقسم ہیں جنکی نَصَرَ یَنْصُرُ ۔ ضَرَبَ ۔ یَضْرِبُ ۔ سَمِعَ ۔ یَسْمَعُ اصول ہیں اور فَتَحَ ۔ یَفْتَحُ ۔ حَسِبَ ۔ یَحْسِبُ اور کَرُمَ ۔ یَکْرُمُ فروع کے نام سے موسوم ہیں ۱۲

اِحْشِيشَانٌ (۷) اِفْعِوَالٌ ۔ اِجْلِوَاذٌ (۸) اِفَّاعَلٌ ۔ اِثَّاقَلَ (۹) اِقْعَلَّ اِطْمَرَّ (۱۰) اِفْعَالٌ ۔ اِكْرَاوٌ

وہ مصادر ثلاثی جنمیں الف وصل نہیں آتا انکے مصادر حسب ذیل ہیں۔

(۱) تَفْعِيلٌ ۔ تَعْظِيمٌ (۲) تَفَعُّلٌ ۔ تَقَبُّلٌ (۳) تَعَلُّمٌ ۔ مُشَاهَدَةٌ (۴) تَفَاعُلٌ ۔ تَقَابُلٌ

ثلاثی منسب جو رباعی کے ساتھ ملحق ہے اسکی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ رباعی مجرد سے ملحق ہے اسکے ابواب حسب ذیل ہیں۔

(۱) فَعْلَلَةٌ ۔ جَلْبَبَةٌ ۔ (۲) فَعْلَنَةٌ ۔ قَلْنَسَةٌ (۳) فَوْعَلَةٌ ۔ حَوْقَلَةٌ (۴) فَعْوَلَةٌ ۔ سَرْوَلَةٌ (۵) فَيْعَلَةٌ ۔ خَيْعَلَةٌ (۶) فَعْيَلَةٌ ۔ سَرْيَفَةٌ (۷) فَعْلَاةٌ اصل میں فَعْلَايَةٌ تھا۔ جیسے قَلْسَاةٌ۔

جو ثلاثی مزید رباعی منسب سے ملحق ہے اسکی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو تجرج سے ملحق ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو احرنجم سے ملحق ہے۔ جو قسم کہ تدحرج سے ملحق ہے اس کے ابواب کی تفصیل و تعداد حسب ذیل ہے۔

(۱) تَفَعْلُلٌ ۔ تَجَلْبُبٌ (۲) تَفَعْنُلٌ ۔ تَقَلْنُسٌ (۳) تَمَفْعُلٌ ۔ تَمَسْكُنٌ (۴) تَفَعْلُلَةٌ ۔ تَعَقْرُبَةٌ (۵) تَفَوْعُلٌ ۔ تَجَوْرُبٌ (۶) تَفَعْوُلٌ ۔ تَسَرْوُلٌ (۷) تَفَيْعُلٌ ۔ تَحَيْعُلٌ (۸) تَفَعْلٍ اصل میں تَفَعْلَيٌ تھا۔ تَقَلْسٍ۔

لیکن وہ ثلاثی جو منسب رباعی کے اُس باب سے ملحق ہے جسکے شروع میں ہمزہ وصل آتا ہے اسکے دو ہی باب ہیں۔ (۱) اِفْعِنْلَالٌ ۔ اِقْعِنْسَاسٌ (۲) اِفْعِنْلَاءٌ ۔ اِسْلِنْقَاءٌ

مصادر رباعی کی دو قسمیں ہیں اول مجرد اس کا ایک ہی باب ہے (۱) بَعْثَرَةٌ ۔ فَعْلَلَةٌ

مصادر رباعی منسب کی ہر دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اسمیں الف وصل آتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے

جس میں الف وصل نہیں ہوتا جس میں الف وصل نہیں آتا اسکا ایک ہی باب ہے (۱) تَفَعْلُلٌ تَجَخْتُرٌ وہ رباعی مزید جسمیں الف وصل آتا ہے اسکے دو باب ہیں۔ (۱) اِفْعِنْلَالٌ اِبْرِنْشَاقٌ (۲) اِفْعِلَّالٌ اِقْشِعْرَارٌ

پس اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ ثلاثی مجرد کے چھ ابواب ہیں اور اسی کے مزید کے تیئس باب اور رباعی مجرد کا ایک باب اور اسکی مزید کے تین باب ہیں پس ثلاثی و رباعی مجرد و مزید کے جملہ تراسی باب ہوئے۔

(۷)

اب پہر ہم مشتقات کا بیان شروع کرتے ہیں۔ اسکے مشتقہ تیرہ ہیں ایک اسم فاعل ہی ہے ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کا صیغہ اکثر و بیشتر ان اوزان پر آتا ہے۔ فَاعِلٌ۔ فَاعِلَانِ۔ فَاعِلُوْنَ فَاعِلَةٌ۔ فَاعِلَتَانِ۔ فَاعِلَاتٌ۔ فَعِلَةٌ۔ فِعَالٌ۔ فُعَّلٌ۔ فَوَاعِلُ فُعَيْلَةٌ۔ فُعَيْلَتَانِ۔ فُعَيْلَاتٌ۔ فُعَلَةٌ جیسے طالب۔ طالبان۔ طالبوں۔ طالبہ۔ طالبتان۔ طالبات۔ طَلَبَةٌ۔ طِلَابٌ۔ طُلَّبٌ۔ طوالب۔ کرام کریمتان۔ کریمات۔ ضُحَكَةٌ۔ فَعُلٌ۔ فَعَالَةٌ۔ فُعَلَةٌ۔ فِعَالَةٌ فُعْلَانٌ۔ اَفْعَالٌ۔ اَفَاعِيْلُ۔ فَعَالِيَاتٌ۔ مَفْعُوْلٌ۔ مفعولة جیسے صحب۔ صحابۃ۔ صحبۃ۔ صحابۃ۔ صحبان۔ اصحاب۔ اصحاب صحابیا۔ ماتیا قولہ تعالیٰ کان وعدہ ماتیا یعنے آتیا۔ مؤخرۃ قولہ تعالیٰ اذا الموؤدۃ سئلت یعنے وائدہ۔ مُقَيِّسٌ۔ مُسْتَفْسِرٌ۔ مُنْشَعِبٌ۔ مُحْمَرٌّ اصل میں مُحْمَرِرٌ ہے۔ مُدْهَامَّةٌ اصل میں مُدْهَامِمَةٌ ہے مَخْشُوْشِنٌ۔ مُحْرَوْطٌ۔ مُدَّارِكٌ۔ مُطَهَّرٌ

مُکرِمٌ۔ مُقدِّرٌ۔ مُتاجِرٌ۔ مُبارِکٌ۔ مُجلِبٌ۔ مُفلِسٌ۔ مُجوِّرٌ۔ مُسرِّلٌ۔ مُخیِّلٌ۔ مُسرِّفٌ۔ مُفلِسٌ اصل میں مُفلِسِیٌ ہے مُتجلِّبٌ۔ مُتقلِّسٌ۔ مُتمسِّکٌ۔ مُتعفِّرٌ۔ مُتجوِّرٌ۔ مُسرِّلٌ مُتقلِّسٌ اصل میں مُتقلِّسِیٌ ہے مُتعنِّسٌ۔ مُسلِّقٌ۔ اصل میں مُسلِّقِیٌ ہے مُعسِّرٌ مُتبخِّرٌ۔ مُبرِّشٌ۔ مُقشِّعرٌ۔ اصل میں مُقشعِرٌّ ہے۔

صفت مشبہ کے صیغہ (اوزان) ثلاثی مجرد سے حسب ذیل ہیں۔

فَعلٌ۔ فِعلٌ۔ فُعلٌ۔ فَعَلٌ۔ فُعَلٌ۔ فِعَلٌ۔ فَعِلٌ۔ فِعلٌ۔ فَعلٌ۔ فَعِیلٌ۔ اَفعَلُ۔ فَعلٌ۔ فَعلانٌ۔ فُعلانٌ۔ فَعلانٌ۔ فَعالٌ۔ فُعالٌ۔ فِعالٌ۔ فَعُولٌ۔ فُعلیٰ۔ فَعلاءُ۔ جیسے صعب۔ صفر (خلو حور۔ عِینٌ اصل میں عَیِنٌ) حسن۔ جنب۔ ایدٌ۔ فرِحٌ۔ بلِغٌ۔ ندُسٌ۔ سلیم۔ (اسود۔ احور۔ اعین) سید اصل میں سیود ہے رحمان۔ عریان۔ حیوان۔ جواد۔ شجاع۔ ہیجان ذلول۔ سکری۔ حمراء۔

اسم تفضیل کے صیغہ (اوزان) حسب ذیل ہیں۔

اَفعَلُ۔ اَفعَلانِ۔ اَفعَلُونَ۔ اَفاعِلُ۔ فُعلیٰ۔ فُعلَیانِ۔ فُعلَیاتٌ فُعلٌ جیسے۔ اکبر۔ اکبران۔ اکبرون۔ اکابر۔ کبریٰ۔ کبریان۔ کبریات۔ کبر۔

اسم فاعل کے مبالغہ کے صیغہ (اوزان) حسب ذیل ہیں۔

فَعِلٌ۔ فَعلانٌ۔ مِفعالٌ۔ مِفعِیلٌ۔ تِفعالٌ۔ فُعَلٌ۔ فَعَّلٌ۔ فَعُلٌ۔ فَعِیلٌ۔ مِفعَلٌ۔ فُعلَةٌ۔ فَعُولٌ۔ فُعُولَةٌ۔ فِعِّیلٌ۔ فُعالٌ۔ فُعّالٌ۔ فُعالٌ۔ فَعّالَةٌ۔ فُعُّولٌ۔ فَعُّولٌ۔ فاعِلَةٌ۔ فاعُولٌ۔ مِفعالَةٌ جیسے۔ حذر۔ ہیبان

(مفضال - معطار) (منطیق - معطیر) تلعاب - فُلّب - هَیّب - جَزُع (رحیم - علیم) (مقول - محرب) ضحکة - (صَبور - شَکور) (صدیق - شریب) عُجاب - کُبّار - علام - علامة - قُدوس - قَیوم - کافیة - فاروق مجزامة۔

اسم مفعول کے صیغۂ ثلاثی مجرد کے حسب ذیل ہیں :-

مَفْعُولٌ - مَفْعُولَانِ - مَفْعُولُونَ - مَفْعُولَةٌ - مَفْعُولَتَانِ - مَفْعُولَاتٌ
فُعْلَةٌ - فُعَلَةٌ - فُعَالٌ - فُعَالَةٌ - فَعِیلٌ - فُعُولٌ - فَعَلٌ - فِعَالٌ
فَعِیلَةٌ - فَاعِلَةٌ جیسے منصور - منصوران - منصورون - منصورة - منصورتان - منصورات - (ضُحَکَةٌ - لُعَنَةٌ - لُقَمَةٌ بمعنی ملقومة) (لُقْطَةٌ - تُحَفَةٌ - وتُحْفَةٌ) (جُذاذ - فُتات - رُفات) (قُراضة - کُساحة - رُذالة - عُصارة) (حکیم بمعنی محکَم - عَتیق بمعنی معتَق - وَکیل بمعنی موکّل - غدیر بمعنی مغادر - شهید بمعنی مستشهَد) حَلوب بمعنی محلوب - رَکوب بمعنی مرکوب) (رسول بمعنی مُرسَل - وَجود بمعنی موجَد) لَحین بمعنی مُسَخَّن - خَلقٌ - بمعنی مخلوق - مَاءٌ مامُوذِیحة - مذبوحة - راضیة بمعنی مرضیة۔

مُقْتَبَسٌ - مُسْتَفْسَرٌ - مُنْشَعَبٌ - مُحَمَّرٌ اصل میں مُحْمَرٌ ہے
مُدْهَامٌّ اصل میں مُدْهَامِمٌ ہے - مُخْشَوْشَنٌ - مُخْرَوْطٌ - مُدْلَاكٌّ
مُطَهَّرٌ - مُکَرَّمٌ - مُقَدَّمٌ - مُتَأَخَّرٌ - مُبَارَکٌ - مُجَلْبَبٌ - مُقَلْنَسٌ
مُجَوْرَبٌ - مُسَرْوَلٌ - مُخَیْعَلٌ - مُشَرْیَفٌ - مُقَلْسَاً اصل میں مُقَلْسَیٌ ہے
مُتَجَلْبِبٌ - مُتَقَلْنِسٌ - مُتَمَسْکِنٌ - مُتَعَفْرِتٌ - مُتَجَوْرِبٌ -
مُتَسَرْوِلٌ - مُتَقَلْسَاً - اصل میں مُتَقَلْسَیٌ - مُقَعْنَسَسٌ - مُسْلَنْقَاً

اصل میں مُسْلَنْقَیٌ ہے۔

مُعْسَکَرٌ - مُنْدَحَرَجٌ - مُبَرْنَشَقٌ - مُقْشَعِرٌّ[۱]

اسم ظرف کے یہ صیغے ہیں:-

مَفْعَلٌ[۱] - مَفْعَلَةٌ[۲] - مَفْعِلٌ[۳] - مَفْعَلٌ[۴] - مَفْعِلٌ[۵] - مَفَاعِلُ[۶]

جیسے مسلخ - مقبرۃ - مشرق - مقتلان - مشرقان - (مشارق - مغارب - مساجد ثلاثی مزید سے اُسی کے مفعول کے وزن پر ظرف کے صیغہ آتے ہیں۔ مگر بہت کم جیسے مستقر بمعنی قرارگاہ - مستودع جائے ودیعت۔

اسم آلہ کے صیغہ (اوزان) ثلاثی مجرد سے حسب ذیل ہیں۔

مِفْعَلٌ[۱] - مِفْعَلَةٌ[۲] - مِفْعَالٌ[۳] - مِفْعَلٌ[۴] - مِفْعَلَتَانِ[۵] - مِفْعَالَانِ[۶]

مَفَاعِلُ[۷] - مَفَاعِيلُ[۸] - مُفْعُلٌ[۹] - فَعُولٌ[۱۰] - مُفْعَلَةٌ[۱۱] - فِعَالٌ[۱۲] - فَعَائِلُ[۱۳]

جیسے مِخْيَطٌ - مِروحة (معراج - مفتاح) مِفْتَحَانِ - مِروحتان - (مفاتیح مکانس) مَفَاتِيحُ - مُنْخُلٌ - پروزن - وَقُود - کوڑا کرکٹ جس سے آگ سلگائی جائے مُلْعَلَةٌ - سرمہ دان، خیاط سوزن - سرائیل - زرہ بُننے کا آلہ۔

(۸)

اسمائے مشتقہ کے اوزان کے بعد مناسب ہے کہ کچھ تصوراً اسا بیان تذکیر و تانیث تصغیر و نسبت کا بھی کیا جائے۔ مذکر و مؤنث میں فرق یہ ہے کہ بمقابلہ مذکر کے مؤنث کے لئے تانیث کی علامتیں تین مقرر ہیں۔

حرف (تْ) جیسے ناصر مدد کرنے والا - ناصرۃ مدد کرنے والی۔ الف مقصورہ[۲]

---

[۱] نمبر ۱ سے ۱۲ تک ثلاثی مجرد اسم مفعول کے صیغہ ہیں اور نمبر ۱۳ سے ۴۵ تک اسم مفعول ثلاثی مزید کے صیغہ ہیں اور نمبر ۴۶ کا صیغہ اسم مفعول رباعی مجرد کا آخر کے تین صیغہ اسم مفعول رباعی مزید کے ہیں۔

جیسے حُبلیٰ۔ الف ممدودہ جیسے حمراء۔

اسماء میں تصغیر بھی کی جاتی ہے اور اس سے دو غرضیں ہوتی ہیں۔ ایک اظہار محبت کی نظر سے اور دوسری تحقیر اور ذلت کی راہ سے۔ اس کے وزن تین ہیں فُعَیْلٌ فُعَیْعِیْلٌ۔ فُعَیْلِیْلٌ۔ پہلا وزن ثلاثی کے لئے ہے۔ اور دوسرا و تیسرا مافوق رباعی کے لئے۔ جیسے عبد اور رجل اور حسن کی تصغیر عبید۔ رجیل حسین ہے۔ حدیث میں ہے یا اباعُمَیْرٍ ما فعل النُّغَیْرُ۔ پیارے ابوعمیر تمہاری بلبل کا کیا حال ہے۔ درہم اور جعفر کی تصغیر دریہم اور جعیفر آتی ہے۔ اسم خماسی کی تصغیر میں حرف خامس گر جاتا ہے پس سفرجل کی تصغیر سفیرج آتی تصغیر کے بیان میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ تصغیر کے صیغوں میں جو تغیر از قبیل زیادتی ہوتا ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہوتا پس اُن کے متعلق تو اعداد اصول کا بیان کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ چند مثالوں پر اکتفا مناسب اور کافی معلوم ہوتا ہے طلحۃ کی تصغیر طُلَیْحَۃ۔ حبلی کی حُبَیْلیٰ۔ حمراء کی حُمَیْرَاء۔ ہندات کی ھُنَیْدَات ہندی کی ھُنَیْدِیٌّ۔ رجلان کی رُجَیْلَانِ۔ زیدون کی زُیَیْدُوْنَ۔ مُنطلق کی مُطَیْلِقٌ بحذف نون زائد۔ قرطاس کی قُرَیْطِیْسٌ۔ سکران کی سُکَیْرَانٌ۔ عثمان کی عُثَیْمَانٌ۔ شیطان اور شیاطین کی شُنَیْطِیْنٌ۔ ضارب کی ضُوَیْرِبٌ۔ غلام کی غُلَیِّمٌ۔ میزان کی مُوَیْزِیْنٌ۔ دینار یا دنار کی دُنَیْنِیْرٌ۔ مارکی مُوَیْهَۃٌ۔ شمس کی شُمَیْسَۃٌ۔

نسبت کا بیان۔ ایک شخص یا چیز کو جب کسی دوسری چیز یا جگہ وغیرہ سے نسبت کرتے ہیں نسبت کے متعلق اصول و قواعد کی بجائے مثالیں کافی سمجھی گئیں:۔

لہ تانیث معنوی کا بیان اور اوسکی تعداد و تفصیل بہت طول طویل ہے اسکا بالاستیعاب بیان بہت شرح بسط کے ساتھ ایک مستقل کتاب میں ہو سکتا ہے اسلئے بصد اختصار ذکر کیا جاتا ہے کتاب مبسوط التذکیر و التانیث والمذکر والمؤنث وغیرہ کتابیں دیکھی جائیں

رومی رُوْمِیٌّ - عرفات عَرَفِیٌّ - قِنَّسْرِیْنُ - قِنَّسْرِیٌّ - مکہ - مَکِّیٌّ - امریکہ اَمْرِیْکِیٌّ - اگر مؤنث ہو تو مَکِّیَّۃٌ - حنیفہ - حَنَفِیٌّ - رشید - رَشِیْدِیٌّ - علی عَلَوِیَّۃٌ - امیۃ - اُمَوِیٌّ - جھینۃ - جُھَنِیٌّ - رُدَیْنَۃٌ - (رُدَیْنِیٌّ - رُدَیْنِیٌّ) قریش (قُرَیْشِیٌّ - قُرَشِیٌّ) رضا - رَضَوِیٌّ - عیسیٰ - (عِیْسَوِیٌّ - عِیْسَائِیٌّ) مصطفےٰ (مُصْطَفَوِیٌّ - مُصْطَفَائِیٌّ - مُصْطَفَائِیٌّ) - مُرْتَضیٰ - (مُرْتَضَوِیٌّ مُرْتَضَائِیٌّ) فرائض - فَرَضِیٌّ یعنے علم فرائض جاننے والا - فرار - فَرَّارِیٌّ - بیضاء - بَیْضَاوِیٌّ - کساء (کِسَاءِیٌّ - کِسَاوِیٌّ) - ماء - مَاءِیٌّ - دم - دَمَوِیٌّ - اخ - اَخَوِیٌّ - بدو (بَدَوِیٌّ - بَدَائِیٌّ) - یمن - یَمَنِیٌّ - یَمَانِیٌّ) مرو - مَرْوَزِیٌّ طی - طَائِیٌّ - ری رَازِیٌّ - روح جسم - نور سے رُوْحَانِیٌّ - نُوْرَانِیٌّ - سنۃ سُنِّیٌّ - شیعۃ - شِیْعِیٌّ - سماء سَمَاوِیٌّ - رحی - رَحَوِیٌّ - سادہ - سَاذَجِیٌّ - وغیرہ

اظہار تعجب کے لئے دو صیغے مستعمل ہیں جن کو افعال التعجب کہتے ہیں اور اس کے دو ہی صیغے ہیں - مَا اَحْسَنَہٗ - وَ اَحْسِنْ بِہٖ [1]

اس موقع پر جمع کے صیغوں کا بیان بھی ضروری ہے اس لئے اُس کا بھی تھوڑا سا ذکر کیا جاتا ہے۔

جمع کی دو قسمیں ہیں جمع سالم اور جمع مکسر - جمع سالم کے اوزان حسب ذیل ہیں

مُسْلِمُوْنَ - مُسْلِمِیْنَ - فَائِزُوْنَ - فَائِزِیْنَ - مُسْلِمَاتٌ - فَائِزَاتٌ مَنْصُوْرُوْنَ - مَنْصُوْرَاتٌ - جُمَلِیَّاتٌ - حُمَرِیَّاتٌ - اَنْصَارُوْنَ -

[1] یعنے کس چیز نے اُس کو حسین (خوبصورت) بنایا اور وہ کس قدر حسین ہے۔ صیغہ تو دو ہی ہیں - مگر جب ضمائر کے ساتھ ان کا استعمال کیا جاتا ہے تو ہر ایک صیغہ کے لحاظ ضمائر کے اٹھارہ اٹھارہ صیغے ہوتے ہیں اور مجموعی طور پر چھتیس صیغے ہوتے ہیں ۱۲

غرض ہر باب کے اسم فاعل اور اسم مفعول کے جمع مذکر اور جمع مؤنث کے تمام صیغے اور تفضیل کا صیغہ جمع مذکر سب جمع سالم ہیں۔

جمع مکسر کی دو قسمیں ہیں۔ جمع قلت[1] اور جمع کثرت۔ جمع قلت جس کے اوزان تتبع سے صرف چار پائے گئے ہیں۔ اور جس کا اطلاق دس پر یا دو سے زیادہ اور دس سے کم افراد جمع پر ہوتا ہے اور وہ چاروں یہ ہیں۔ اَفْعُلٌ۔ اَفْعُلَۃٌ۔ اَیْعِلٌ۔ اصل میں اَیْدُیٌ۔ اَذْرُعٌ (وجہ۔ یدٌ) اصل میں یَدَیٌ ہے ذراع) اَفْعَالٌ۔ اقفال۔ اوراق۔ اشرار۔ اعیاد۔ ابناء۔ اکتاف۔ اعناب۔ اعضاد اعناق۔ اعداء۔ اصحاب (قفل۔ ورق۔ شریر۔ عید۔ ابن اصل میں بَنَوٌ ہے کتف عنب۔ عضد۔ عنق۔ عدو۔ صاحب)۔ اَفْعِلَۃٌ۔ اطعمۃ۔ ارغفۃ۔ اجنحۃ ادویۃ۔ اودیۃ (طعام۔ رغیف۔ جناح۔ دواء۔ واد اصل میں وادی ہے) فِعْلَۃٌ۔ خاتمۃ۔ حبیبۃ۔ فتیۃ۔ اخوۃ (غلام جمعی)۔ فتی۔ اخ اصل میں اَخَوٌ ہے)

جمع کثرت کے اوزان جن کی تعداد زیادہ ہے اور جس کا اطلاق دس اور دس سے زیادہ افراد پر ہوتا ہے وہ کسی قاعدہ کے تحت میں نہیں آتے بعض الفاظ کا وزن جو واحد کے لئے ہوتا ہے دوسرے لفظ میں وہ وزن ایک اور لفظ کے لئے جمع کا وزن ہو جاتا ہے۔ مثلاً فِعَال کا وزن لفظ کتاب کے لئے واحد ہے جس کی جمع کتب ہے لیکن یہی فعال کا وزن۔ الفاظ "جبل۔ حبل اور عقل" کے لئے جمع کا وزن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان الفاظ کی جمع جبال۔ حبال اور عقال ہے۔ پس جمع کثرت کے

[1] اوزان جموع کے بیان کرنے میں میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے وزن جمع اور اس کے بعد اس وزن کے متعدد الفاظ جمع لکھے ہیں اور قوسین میں سلسلہ وار اُن کے واحد کے الفاظ درج کئے ۱۲

اوزان کا کوئی خاص قاعدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے ذیل میں چند اوزان درج کئے گئے ہیں جن کا استعمال اکثر و بیشتر ہوتا ہے۔

۱ فُعُولٌ - فُرُوعٌ - ہیوت - جسوم - برود - اسود - شہود - صخور (فَوْعٌ بیت - جسم - بُرد - اسد - شاہد صفۃ) ۲ فُعُلٌ - حُمُرٌ - سود - اُسُدٌ - فُلُكٌ ۳ بِيدٌ (اصل میں بُيْدٌ ہے) (احمر و حمراء - اسود - اَسَدٌ - فُلْكٌ - بیدار) ۴ فَعَلٌ فرق - حکم - اِبْرٌ (فرقۃ - حکمۃ - اِبْرَۃٌ) ۵ فِعَالٌ - کلاب - حیاض - صحاب - رقاب شفاء - اماء - ذئاب - رماح - نقاط - قباب - اناث - کرام - خیار - عطاش - خماص - سباع - جلال - نیاع - جمام (کلب - حوض - صعب - رَقَبَةٌ - شقفۃ - امۃ ذئب - رمح - نقطۃ - قبۃ - انثی - کریمۃ - کریم - خَيِّرٌ - عطشان - عطشی - خمصان خمصانۃ - سَبُعٌ - جَلٌّ - نائع - نُجبۃ) ۶ فُعَلٌ - قاذل - کتب - نذر - صحف - سفن (قَذَال - کتاب - نذیر - صحیفۃ - سفینۃ) ۷ مُفَعَّلٌ - صور - کبر - قریٌ - اصل میں قُرَیٌ ہے) (صورۃ - کبری - قریۃ) ۸ فَعَلَةٌ - لبنۃ - ظلمۃ - سادۃ (طالب - ظالم - سید) ۹ فُعَلَةٌ - قضاۃ - ہداۃ - کماۃ (قاضی - ہادی - کمی) ۱۰ فِعَلَةٌ - قِرَدَةٌ (قرد) ۱۱ فُعَّلٌ - ضرب (ضارب - ضاربۃ) ۱۲ فُعَّالٌ - حکام (حاکم) ۱۳ فِعْلَانٌ - بعران ذکران - شبان (بعیر - ذکر - شاب) ۱۴ فِعْلَانٌ - نیران - جیران - کیران - اخوان غلمان - شجعان - حتیان - غزلان - قنوان (نار - جار - کور - اخ اصل میں اخوہے - غلام - شجاع - حوت - غزال - قنو و قنوۃ) ۱۵ اَفْعِلَاءٌ - اشداء - اقویاء شدید - قوی ۱۶ فَعَالَى قتلى - صرعى - مرضى - موتى - (قتیل - صریع - مریض - میت) ۱۷ فَعَالِيٌ صحاری عذاری - مہاری - ذراری - اراضی - الہالی - (صحراء - عذراء - مہری - مہریۃ)

ذریۃ - ارض - اہل) فُعَالِیٌ[۱۴] - دعاوی - صحاری - غدارتی - حبالی - حیاری - ندامی - تیامی - ایامی (دعوی - صحرا - غدار - حبلی - حیران - ندامۃ - یتیم - ایم) فُعَالِیٌ[۱۸] - فرادی - اسارٰی - کسالی - (فرد - اسیر - کسلان) فَعَالِیٌّ[۱۹] - کراسی - اناسی (کرسی - انسان) فُعَادِیٌ[۲۰] - صلحار - حمار - قدمار - حکمار - خلفار (صالح رحیم - قدیم - حکیم - خلیفۃ) فَعَائِلُ[۲۱] - صحائف - نفائس - رکائب - سحائب - رسائل ذوائب - شمائل - فرائض - ظعائن - ملائک - عجائز - حوائج - فسیتہ - رکوبۃ - سحابۃ - رسالۃ - ذوابۃ - شَمَائِلُ - فریضۃ - ظعینۃ - ملک - عجوز - حاجۃ) فَوَاعِلُ[۲۲] نواشر - عواتق - صواہل - ضوارب - کواکب - جواہر - صوامع - خواتم - شواہد - فوارس - نواصف (ناشرۃ - عاتق - صاہل - ضاربۃ - کوکب - جوہر - صومعۃ - خاتم - شاہد - فارس - ناصفۃ - فَوَاعِیلُ[۲۳] - نوامیس - قوانین - طوامیر - طواویس (ناموس - قانون - طومار - طاؤس - مَفَاعِلُ[۲۴] - مساجد - مکارم - ممالک - (مسجد - کرمۃ - ملک) مَفَاعِیلُ[۲۵] مصابیح - ملاعین - مراجیح - مناشیر - مساکین (مصباح - ملعون - مرجوع - منشار - مسکین) یفاعیل[۲۶] - ینابیع (ینبوع) افاعیل[۲۷] - اضابع - انامل - اکارم - اکارع اثافی بالتشدید (اصبع - انملۃ - اکرم - کراع - انفیۃ) افاعیل[۲۸] - اقالیم - احادیث اباطیل - اقانیم - اساریع - اہابیل - احالیل (اقلیم - حدیث - باطل - اقنوم - اسرع اِبَوْلٌ - یا ابیل - بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابابیل بمعنی جمع مستعمل ہوتا ہے مگر اس کے واحد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے - اجلیل) فُعَالِلُ[۲۹] - قناقر - قنافر - فَعَالِین[۳۰] سلاطین ضیاغین - میادین (سلطان - ضیغم - میدان) آفَاعِلَۃ[۳۱] - اشاعرۃ (اشعری) فَعَالِلَۃ[۳۲] - فراعنۃ (فرعون) فَعَالِل[۳۳] - دراہم - قراد - زعافر - حمامر (درہم - قرد

زعفران (جمرش) فعالیل[۳۴] - دنانیر - جلابیب - غرانیق - قناویل - شیاطین (دینار جلباب - غرنوق بروزن عصفور و فردوس - قندیل - شیطان) -

(۹)

مشتقات کے ذیل میں اس امر کا بیان بھی بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان کے مادّے واضع نے اس خوش ترتیبی اور عمدہ صورت پر وضع کئے ہیں کہ ایک مادّہ کے مشتقات میں کتنے ہی تغیرات اور تقلیبات واقع ہوں مگر مادہ کے حروف کی ترتیب اُس کے کسی مشتق میں مقدم و موخر نہیں ہونے پاتی - ایک مادہ (مشتق منہ) کے مشتقات خواہ ماضی کے ہوں یا مضارع کے یا امر و نہی کے ہوں یا اسم فاعل و مفعول کے ہوں یا اسم تفضیل کے یا ظرف و آلہ کے ہوں اور نیز وہ مشتقات خواہ مجرد کے ہوں یا مزید کے اُس کے حروف اپنی مقامی ترتیب سے کبھی مقدم و موخر نہیں ہوتے مثلاً علم کے مادّہ کے جتنے مشتقات ہوں گے وہ ہر ایک مشتق میں خواہ وہ مجرد کا ہو یا مزید کا حرف عین شروع ہی میں ہوگا اور حرف لام وسط میں اور حرف میم آخر میں یہ ناممکن ہے کہ حرف عین حرف لام یا کسی جگہ پر آجائے یا لام اور میم عین کی جگہ پر آگئے ہوں البتہ ناواقف کو زوائد کی شناخت کسیقدر پریشان کرتی ہے لیکن زوائد کی شناخت کے اصول اور قواعد ایسے صاف اور آسان ہیں کہ اُن کا معلوم کرنا زیادہ دقت اور دشواری کا باعث نہیں ہو سکتا -

اب ہم ذیل میں ایک مادہ علم کی صرف صغیر درج کرتے ہیں جس سے دیکھنے والے کو ہمارے بیان کی پورے طور پر تصدیق ہو جائیگی -

عَلَمَ[۱] - یَعْلَمُ[۲] - عِلْمًا[۳] - عَالِمًا[۴] - عُلِمَ[۵] - یُعْلَمُ[۶] - عِلْمًا[۷] - مَعْلُوم[۸] - اِعْلَمْ[۹] - لَا تَعْلَمْ[۱۰] - مُعَلَّم[۱۱] - مِعْلَمَ[۱۲] - مِعْلَمَہ[۱۳] - مِعْلَام[۱۴] - مُعَلَّمَان[۱۵] - مَعَالِم[۱۶] - مَعَالِیم[۱۷] - اَعْلَم[۱۸] - عَلْمَی[۱۹] - اعلمان[۲۰] - علمیان[۲۱] - اعلمون[۲۲] - اعالم[۲۳] - علمیات[۲۴] - عُلَمٌ[۲۵] - .

پہلے اور تیرے اور پانچویں اور ساتویں اور چھبیسویں میں صورتاً کوئی فرق نہیں۔ دوسرے اور چھٹے میں بھی صورتاً کوئی فرق نہیں البتہ لحاظ اعراب فرق ہے۔ آٹھویں کے شروع میں میم اور ماقبل آخر میں واؤ زیادہ ہے۔ نویں کے شروع میں الف اور دسویں کے شروع میں حرف تا زائد ہے۔ گیارھویں اور بارھویں کے شروع میں میم زائد اور صورتاً اتحاد تیرھویں کے شروع میں میم اور آخر میں حرف تا زائد ہے اور چودھویں کے شروع میں میم اور ماقبل آخر میں الف زائد ہے۔ پندرھویں اور سولھویں کے شروع میں میم اور آخر میں الف دونو زائد ہیں اور صورتاً اتحاد۔ سترھویں کے شروع میں میم اور تیسرا حرف الف زائد ہے۔ اور اٹھارھویں میں پہلا اور تیسرا اور پانچواں حرف زائد ہے۔ اُنیسویں کے شروع میں الف اور بیسویں کے آخر میں الف مقصورہ زائد ہے اکیسویں کے شروع میں الف اور آخر میں الف دونو زائد ہیں۔ اور بائیسویں میں آخر کے تین حرف زائد ہیں اور تیئیسویں کے شروع میں ایک اور آخر میں دو حرف زائد ہیں چوبیسویں کا پہلا اور تیسرا حرف زائد ہے اور پچیسویں کے آخر میں تین حرف زائد ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان زوائد کو حذف کرنے کے بعد اصل مادہ علم کا باقی رہ جاتا ہے اور پھر خوبی یہ ہے کہ مادہ کا پہلا حرف عین اور دوسرا لام اور تیسرا میم ہر ایک مشتق میں اس کی جگہ رکھا ہوا ہے جہاں کہ واضع نے اُسکو رکھا ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ عین میم اور لام کی جگہ پر آگیا ہو یا لام اور میم عین کی جگہ پر آگئے ہوں۔

اب ہم مشتقات کی بحث کو اسی قدر بیان پر ختم کرتے ہیں۔ اور اس امر کو بتانا چاہتے ہیں کہ عربی زبان میں ایک چیز کے مختلف حالات اور کیفیات وغیرہ کے بنا پر اُس کے کتنے نام رکھے جاتے ہیں جس سے عربی زبان کی وسعت اور اُس کے الفاظ کی کثرت اور بہتات کا اندازہ ہو سکتا ہے اس کے نظائر اور شواہد میں ہزاروں الفاظ ہیں لیکن ہم دو چار لفظوں کے بیان پر کفایت کرتے ہیں

بہت بکواس کرنے والے کو مسہب کہتے ہیں اور مہذار بھی اس سے زیادہ بکواسی ہو تو اُس کو شنار اور دعواع کہتے ہیں۔ اور پھر بقباق اور پھر فقفاق کہتے ہیں اور اس سے زیادہ بکواس کرنے والے کو لقاعہ اور تلقاعہ کہتے ہیں۔

اوائل کا بیان۔ دن کے اوّل حصّہ کو صبح کہتے ہیں اور رات کے اوّل حصّہ کو غسق کہتے ہیں۔ اوّل بارش یا موسم بہار کی بارش کا نام وسمی ہے۔ اوّل روئیدگی کا نام بارض ہے۔ اوّل زراعت کا نام تعاع ہے۔ دودھ دوہنے میں جو دودھ اوّل میں نکلتا ہے اوس کا نام لبا ہے۔ جو چیز نچوڑی جاتی ہے اس کے اوّل کو عصیر کہتے ہیں۔ میوہ جو پہلے لگتا ہے اُس کا نام باکورہ ہے۔ پہلے بچے کو بکر کہتے ہیں۔ فوج کے ابتدائی حصّہ کو طلیعہ کہتے ہیں۔ پنگھٹ پر پہلے جو پانی پیتے ہیں اُس کا نام نہل ہے۔ ابتداے سکر (نشہ) کا نام نشوہ ہے۔ بڑھاپے کے آغاز کا نام وخط ہے۔ آغاز نیند کا نام نعاس (اونگھ ہے) کام کے آغاز کا نام حافرہ ہے۔ پنگھٹ پر جو پہلے آئے اوس کو وراد کہتے ہیں۔ رات کی ابتدائی گھڑیوں کا نام زلف ہے۔ واحد اس کا زلفہ ہے۔ گدھے کی آواز کے ابتدا کو زفیر اور اُس کی آخری آواز کو شہیق کہتے ہیں۔ مرض خارش میں جو چیز پہلے ظاہر ہوتی ہے اُس کا نام نقبہ ہے۔ سب سے پہلے بچے کے لئے جو کپڑا استعمال میں لاتے ہیں اُس کا نام علقہ ہے۔ نومولود بچے کی پہلی آواز کا نام استہلال ہے۔ نومولود کے پیٹ سے پہلے جو چیز خارج ہوتی ہے اوس کا نام عقی ہے۔ کنواں جب کھودا جائے تو اُس سے پہلے جو پانی نکلتا ہے اُس کو نبط کہتے ہیں۔ بخار میں جو پہلے حالت لاحق ہوتی ہے اُس کا نام رس اور رئیس ہے۔ اونٹنی جو پہلے بچہ جنتی ہے اُس کا نام فرع ہے۔

ہر چیز کے اوّل کو صدر اور غرہ کہتے ہیں۔ کتاب کے آغاز کا نام فاتحہ ہے۔ شراب کے آغاز کو شمخ۔ ریعان۔ عنفوان۔ میعہ۔ فلوا کہتے ہیں۔ ریق اور ریق بھی اوّل شباب کا

نام ہے۔ بارش کی پہلی بہار کو بھی ریق کہتے ہیں کسی چیز یا کچ غاز کا نام حدثان ہے۔ آفتاب کے اوّل ظہور کا نام قرن الشمس ہے۔ ہوا کے آغاز کا نام عنفوان الریح ہے۔ وقت چاشت کے آغاز کا نام غزالہ ہے۔ عورت جب بالغ ہوتی ہے تو اُس کے اوّل بلوغ کا نام عروس آتا ہے۔ گھوڑے کی ابتدائی چال یادوڑ کا نام سرعان الخیل ہے۔ پوچھنے کے آغاز کا نام تباشیر الصبح ہے۔

جو عورت زیادہ شرمیلی ہوتی ہے اُس کو حیینہ کہتے ہیں اگر اوس کی آواز پست ہو تو اُس کا نام رخیمہ ہے۔ اگر وہ اپنے شوہر پر محبت کرتی ہو اور شوہر بھی اوس سے محبت کرتا ہو تو اُس کا نام عروب ہے۔ اگر وہ نفرت کرتی ہو تو اوس کا نام نوار ہے۔ اگر وہ نجاسات سے بچتی اور پاکیزگی پسند کرتی ہو تو اُس کا نام قذور ہے۔ اگر پارسا ہو تو اُس کو حصان کہتے ہیں۔ اگر وہ ہاتھ کا کام (سینا پرونا وغیرہ) جانتی ہو تو اُس کو صناع کہتے ہیں۔ اگر وہ کاتنے میں تیز دست ہے تو اُس کا نام ذراع ہے۔ بہت بچے جننے والی کو نشور کہتے ہیں۔ اور کم جننے والی کو نزور کہتے ہیں۔ اگر اُس کا بیٹا جوان ہو اور وہ دوسرا شوہر کرے تو اُس کو برو ک کہتے ہیں۔ اگر وہ بیٹے ہی بیٹے جنتی ہو تو اُس کا نام مذکار ہے۔ اور اگر وہ بیٹیاں ہی جنتی ہو تو مناث ہے اور اگر وہ ایک بیٹا اور ایک بیٹی جنتی ہو تو اُس کو مقاب کہتے ہیں۔ اگر عورت کا بچہ زندہ نہ رہتا ہو تو اُس کا نام مقلات ہے۔ اگر وہ توام بچے جنتی ہو تو اُس کا نام متآم ہے۔ اگر وہ شریف عادات و اطوار کے بچے جنتی ہو تو اس کو منجاب کہتے ہیں۔ اگر احمق اولاد جنتی ہو تو اُس کو محماق کہتے ہیں۔ اگر کسی عورت کے شوہر کی پہلے کی دو عورتیں ہوں اور یہ تیسری عورت ہو تو اُس کا نام متفاۃ ہے۔ اثافی قدر کی تشبیہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ چولھے کے پتھر بھی تین ہوتے ہیں۔ اگر کسی عورت کا

بچہ مرجائے تو وہ ثکول ہے۔ اگر کوئی عورت موٹی اور تنومند ہو تو اُس کو قیعلہ کہتے ہیں۔ اگر وہ بڑے پیٹ کی ہو اور اس کا گوشت چھوٹا ہوا ہو تو مفضاج اور مفاضہ اُس کا نام ہے۔

بلحاظ مختلف صفات اور حالات کے عورت کے اور بہت سے نام ہیں جن کا ذکر بلحاظ مقام کے (کیونکہ مضمون اُس کا طالب نہیں ہے) میں نے ترک کر دیا ہے۔

گھڑ دوڑ (جسکو عربی میں حلب۔ رہان۔ سبق۔ سباق۔ مضمار کہتے ہیں) کے میدان میں جو گھوڑے دوڑتے ہیں اہل عرب نے اُن کی تعداد دس مقرر کی ہے اور ہر ایک گھوڑے کا نام بھی جداگانہ رکھا ہے۔ اہل عرب میں گھوڑ دوڑ میں بازی لے جانے کا یہ طریقہ اور عمل رہا ہے کہ میدان حلب کے ایک خاص مقام پر ایک نیزہ یا بھالا گاڑ دیا جاتا ہے اور جس کا گھوڑا سب سے آگے نکل کر بڑھ جاتا ہے اُس کا سوار اُس نیزہ کو اُکھاڑ لے جاتا ہے۔ اس نیزہ کا نام قصب السبق۔ قصب المضمار ہے یعنے نیزہ میدان گھوڑ دوڑ اور اس بازی لے جانے والے یعنے نیزہ لینے والے کو سباق غایات السبق کہتے ہیں۔ بازی جیتنے کا حصہ جس حد تک قرار پایا ہے اُن گھوڑوں کی تعداد اور نام بلحاظ تقدم اور اوّلیت کے دس ہے۔ جن کی تعداد اور نام ذیل کی تصاویر میں بتائے گئے ہیں:—

(۱) عجمی
(۲) عبرانی
(۳) سریانی
(۴) حبشی
(۵) رومی
(۶) یونانی
(۷) مصری
(۸) قبطی
(۹) بربری
(۱۰) عربی

(۱) اسپ نخستین رہوان (گھوڑا دوڑ) مجلّی ۔ سابق
(۲) اسپ دومین " " مصلّی
(۳) اسپ سومین " " مسلّی ۔ بالسین ۔ بروزن مصلی ۔
(۴) اسپ چہارمین " " تالی
(۵) اسپ پنجمین " " مرتاح
(۶) اسپ ششمین " " عاطف
(۷) اسپ ہفتمین " " حظی
(۸) اسپ ہشتمین " " مؤمل
(۹) اسپ نہمین " " لطیم
(۱۰) اسپ دہمین " " لبکل ۔ (فسکل ۔ فسکل ۔ فسکول ۔ فشکول) سکیت (قاشر ۔ قاشورہ ۔ قاشور ۔

تصاویر اور تعداد صدر سے ظاہر ہے کہ پہلے گھوڑے کے دو نام ہیں ۔ اور دوسرے گھوڑے کے چار نام ہیں لیکن لحاظ اختلاف حرکات اور زیادتی حروف کے چار نام تعداد میں نو تصور کئے جا سکتے ہیں ۔

(۱۰)

اس کے بعد مختصر طور پر چند سطروں میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جس طرح اور زبانوں میں جو ادبی اور علمی کہلاتی ہیں یا کہلانے کے مستحق ہیں) استعارات اور تشبیہات اور ضرب الامثال اور مصطلحات علوم کا باب کھلا ہوا ہے اسی طرح ان امور میں عربی زبان کسی اور زبان سے پیچھے نہیں ہے بلکہ سابق القدم ہے ۔

ضرب الامثال میں خاص خاص کتابیں مدون ہیں منجملہ اُن کے جمہرۃ الامثال ابوہلال

حسن بن عبداللہ العسکری المتوفی ۳۹۵ھ کی مشہور کتاب ہے اور دوسری مجمع الامثال ابوالفضل احمد بن محمد النیسابوری المعروف بہ میدانی المتوفی ۵۱۸ھ کی ایک مشہور اور جامع کتاب ہے اس آخری کتاب میں چھ ہزار سے زیادہ ضرب الامثال متقدمین اور محدثین کی بصراحت درج ہیں

مصطلحات علوم منقول (صرف۔ نحو۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ تجوید۔ عروض قوافی سیر و رجال۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ کلام۔ تصوف۔ وغیرہ) ومعقول (منطق۔ حساب ہیئت۔ نجوم۔ طب۔ رمل۔ جفر۔ فلسفہ۔ طبعیات۔ موسیقی وغیرہ) اس قدر ہیں کہ ان کی صراحت کئی ضخیم ضخیم جلدوں میں بھی دشوار ہے۔ ان کی تعداد بھی لاکھوں سے متجاوز سمجھنی چاہیے

(۱۱)

اب کہ ہم نے جو کچھ بیان کیا وہ عربی زبان کے الفاظ سے متعلق تھا لیکن اب ہم عربی زبان کی معنوی خوبی کا بیان چند ہی جملے لکھ کر ختم کرتے ہیں اور دعوے سے کہتے ہیں کہ اہل عالم کی تمام زبانیں خواہ وہ علمی ہوں یا غیر علمی اس خاص معنوی وصف سے بمقابلہ عربی زبان کے معرا اور بے بہرہ ہیں۔

جاءَ زیدٌ۔ رایتُ زیدًا۔ مررتُ بزیدٍ۔ جاءَ ابوکَ۔ رایتُ اباکَ۔ مررتُ بابیکَ

انَّ زیدًا قائمٌ۔ کانَّ زیدٌ قائمٌ جاءَ عثمانُ۔ رایتُ عثمانَ۔ مررتُ بعثمانَ

اگر مذکورۂ بالا جملوں کو دنیا کی کسی بھی زبان میں ادا کیا جائیگا تو الفاظ اب اور قائم اور عثمان اُسی صورت اور اُسی اعراب پر قائم رہیں گے جو اُس زبان میں اُن کیلیے معین اور مقرر ہیں لیکن عربی زبان میں ان الفاظ کے اعراب مذکورہ جملوں میں ایک صورت پر نہیں کہیں رفع مع تنوین ہے کہیں نصب مع تنوین ہے۔ اور کہیں جر مع تنوین ہے۔ اور کہیں رفع و نصب بلا تنوین اور کہیں نہ رفع ہے اور نہ نصب وجر ہے بلکہ اُن میں بجائے اعراب کے حروف قائم ہیں اور یہ عربی زبان کی ایسی خصوصیت اور اُس کا ایسا خاص وصف ہے جو اُسی کے ساتھ مخصوص ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واسلم۔

سید جلال غفرلہ ولابویہ

ہست و نیست

بقلم جناب مولوی ابوالفضل صاحب فیاض حیدرآبادی

(۱) **عہد عثمانی** میں جو علمی ترقیاں ہوئی ہیں ان کے لحاظ سے اسکو تاریخ دکن کا عہد زریں کہیں تو کسی طرح نامو زوں نہ ہوگا۔ اس مبارک عہد میں اشاعت تعلیم کیلئے یونیورسٹی قائم کیگئی۔ نقل علوم کے لئے دارالترجمہ کا افتتاح کیا گیا۔ سررشتۂ تعلیمات کو وسعت دیگئی۔ مصنفین و مولفین کیلئے وظائف مقرر کئے گئے۔ غرضکہ نشر علم کے جتنے ذرائع تھے۔ اُن سے اس مبارک عہد میں اعلیحضرت ظل سبحانی نے کام لیا اور کم و بیش چودہ سال کے قلیل عرصہ میں وہ تمام باتیں مہیا ہوگئیں جنکے باعث حیدرآباد رشک بغداد و قرطبہ بنگیا۔

---

(۲) گزشتہ دو سال میں حیدرآباد سے بہت سے رسالے جاری ہوئے جو اپنی نوعیت اور علمی حیثیت کے لحاظ سے بلند پایہ رکھتے ہیں اور بہ اعتبار اپنے اعلیٰ مضامین کے اُردو رسالوں کی صف اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں اور انہوں نے ملک میں ایسے مضامین نگار پیدا کئے ہیں کہ اُنکی ذات سے ہماری بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ ہوگئی ہیں۔

---

(۳) **ترقی** کے قابل اڈیٹر نے نہایت قابلیت کیساتھ رسالہ کو جاری کیا اور اسمیں ایسے مضامین شائع کئے جن سے اردو لٹریچر میں بعض نئی معلومات کا اضافہ ہوگیا اگر ایک ناگوار مناقشہ کے باعث یہ رسالہ بند نہ ہوجاتا تو اس سے اُردو زبان کی خدمت کی ہمیں بہت بڑی توقع تھی۔

---

(۴) **ترقی** کے بعد مولانا ضامن کنتوری نے **لسان الملک** کو جاری کیا جس کا سرورق کئی ایڈیٹروں کے نام نامی سے مزین رہتا تھا۔ مولانا ضامن اُردو کے مشہور شاعر اور ایک کہنہ مشق مضمون نویس ہیں اس لئے اِن سے ہمیں بہت کچھ توقعات وابستہ تھے۔ پرچہ جاری ہونے کے بعد

ہم نے اس رسالہ میں کوئی نمایاں خصوصیت نہیں دیکھی۔ اس کے ابتدائی نمبر ایسے ہی نکلے جیسے اُردو زبان میں اکثر رسالے نکلتے ہیں۔ اسکے بعد بتدریج ترقی کے زینہ پر قدم رکھنا شروع کیا۔ خواجوئے کرمانی جلد ۱ نمبر ۴ ص ۵۵ فریدالدین عطار جلد ۱ نمبر ۶ ص ۳ غلافِ کعبہ جلد ۲ نمبر ۱ ص ۱۲۹ حجرِ اسود جلد ۳ نمبر ۲ ص ۶۹ علاء الدین جوینی۔ جلد ۲ نمبر ۵ و ۶ ص ۲۲ جیسے تحقیقاتی مضامین کی اشاعت سے یہ اُمید بندھ گئی کہ اسکا مستقبل امید افزا ہے۔ فاضل ایڈیٹر کے قلم نے بھی ایک سال تک گہری نیند لینے کے بعد بیداری حاصل کی۔ سب سے پہلے پروفیسر جادوناتھ سرکار کے ایک گرانقدر مضمون "محاصرہ گولکنڈہ" کو ترجمہ کرکے مقامی تاریخ کے ایک تاریک حصہ کو روشنی میں لایا (جلد ۳ نمبر ۱، ص ۳) اسکے بعد یورپ کے ایک مشہور مستشرق "ہنری ہارٹ" کے مضمون "سلاطین آلِ فراسیاب" کے ترجمہ کو شائع کرکے مسلمانوں کی ایک بھولی ہوئی سلطنت کی یاد کو نہ صرف تازہ کردیا بلکہ اہل ہندوستان کو تاریخ مشرق کے ایک ایسے باب سے روشناس کرایا جس کا ذکر سوائے اس رسالہ کے عربی۔ فارسی اور اُردو کی کسی کتاب میں نہیں ملتا ہے (جلد ۳ نمبر ۳ ص ۳) لیکن ساتھ ہی اسکے ہمیں یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ لائق مترجم نے ترجمہ کرنے میں جیسی کہ چاہئے سعی و کوشش سے کام نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسمیں بعض اسماء و اعلام غلط ہوگئے ہیں۔ یہ غلطیاں ایسی نہیں ہیں کہ جن کے باعث مضمون میں کوئی نقص آسکے لیکن اغلاط کے ہونے سے انکا نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔

(۵) تاج نجوحیدرآباد کا پہلا اخبار رسالہ ہے۔ کئی سال کے بعد پھر جنم لیا ہے۔ لیکن اسکا عہد جدید دورِ قدیم پر نمایاں فوقیت رکھتا ہے۔ پانچ ماہ کے عرصہ میں اس نے سات غیر معمولی مضامین شائع کئے ہیں جو زبان اردو میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ فقہ و اسلامیہ جلد ۱ نمبر ۲ ص ۱۰ عربی زبان کا تفوق جلد ۱ نمبر ۳ ص ۱ سائنس کی ماہیت۔ جلد ۱ نمبر ۴ ص ۱ ظہیر فاریابی جلد ۱ نمبر ۵ ص ۱ دکنیات۔ معاشیات کے مفہوم کی تعریف۔ پانی

نقوش اسلامیہ میں جب ہم چار سو پانسو تولہ کی اشرفیوں کا حال پڑھتے ہیں اور اُنکے چربوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نہ صرف حیرت ہی ہوتی ہے بلکہ سلاطین مغلیہ کی گزشتہ پر عظمت شان و شوکت اور اُنکی دولت و ثروت ہمارے دلپر نقش ہو جاتی ہے۔ دوسرے مضمون سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ عربی زبان دنیا کی دوسری زبانوں پر بہت بڑی فوقیت رکھتی ہے۔ سائنس کی ماہیت والا مضمون ایک اہمیت رکھنے والا مضمون ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی ناتمام ہے اور ابھی اس کا بہت سا حصہ ضبط تحریر میں آنے سے رہگیا ہے ظہیر فاریابی والا مضمون اگرچہ بہت بڑی قابلیت سے لکھا گیا ہے اور اسمیں تحقیقات کی داد دیگئی ہے لیکن وہ ظہیر کی یکرخی تصویر ہے۔ اور فاضل مضمون نویس نے کلام کی نسبت کوئی اپنی رائے ظاہر نہیں کی ہے اور نہ اس کے حسن و قبح کو بیان کیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ نمبروں میں اسکی ضرور تلافی کیجائیگی اور ظہیر کی شاعرانہ نکتہ سنجیوں پر قلم اٹھا کر مضمون مکمل کیا جائے گا۔

(۶) انجمن ترقی اردو کا نامور رسالہ "اردو" ہمارے پیش نظر ہے۔ حال کے دو نمبر گزشتہ ہی مہینوں میں شائع ہوئے ہیں باعتبار مضامین کے گزشتہ نمبروں پر کوئی فوقیت نہیں کہتے ہیں **تنقید شعر العجم** "گارساں دتاسی کے خطبات" **مسلمانان ہندوستان کی علمی تاریخ**" یہ ایسے مضامین ہیں جنکا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے، اور انکی بدولت اردو لٹریچر میں گرانقدر معلومات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے (جو سر اقبال سے ایک جداگانہ شخص ہیں) شعر العجم کی تنقید لکھنے میں محمد شیرانی کے ساتھ شرکت کر لی ہے۔ اور ایک مضمون "عمر خیام" کے متعلق لکھا ہے جو محمد بن عبدالوہاب قزوینی کی تعلیقات سے ماخوذ ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فاضل مضمون نویس مضمون کی ترتیب میں بہت عجلت سے کام لیا ہے۔ اسی واسطے اسمیں بعض غلط وار دہو گئے ہیں۔ فاضل مضمون نویس لکھتے ہیں:-

"رشید الدین فضل اللہ صاحب جامع التواریخ جو کہ ۷۱۸ھ میں مقتول ہوا۔ اپنی کتاب "عمر خیام" حسن بن صباح" اور نظام الملک کی رفاقت اور ہم مکتبی کے زمانہ میں"

عہد وفا باندھنے کی حکایت بیان کی ہے۔ یہ حکایت رشید الدین کے اپنے بیان کے مطابق اس کتاب "سرگزشت سیدنا" سے اخذ کی ہے۔ جو کہ حسن بن صباح کے حالات میں لکھی گئی تھی۔ اور جو اسماعیلی فرقے کے مشہور قلعہ الموت کے کتاب خانے میں تھی ہلاکو خاں تاتاری نے جب اس قلعہ کو سر کیا تو علاء الدین اتا ملک جوینی۔ صاحب تاریخ جہاں کشا کو یہ امر کیا کہ وہ قلعہ کے اندر جا کر کتاب خانے کا ملاحظہ کرے اور جس کتاب کو وہ اپنی دانست میں محفوظ رکھنے کے قابل سمجھے۔ رکھے اور باقی کو جلا دے۔ منجملہ اُن کتابوں کے جو علاء الدین نے محفوظ کر لیں۔ یہ کتاب بھی تھی لیکن تعجب ہے کہ خود علاء الدین نے جس نے اپنی تاریخ جہاں کشا کا ایک مستقل حصہ اسماعیلیوں اور قلعہ الموت کی تاریخ میں لکھا ہے اس کتاب کا کہیں ذکر نہیں کیا" (اردو جلد ۳ صفحہ ۴۰۰)

فاضل مضمون نویس نے سطور بالا میں یہ ادعا کیا ہے کہ "جہان کشا میں "سرگزشت سیدنا" کا نام ہی نہیں ہے" لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جہاں کشا میں نہ صرف اس کتاب کا نام آیا ہے بلکہ علاء الدین نے کتاب کی اخیر جلد میں اسماعیلیوں کی تاریخ کو بیان کرتے ہوئے اس کتاب کا خلاصہ بھی درج کیا ہے جو آٹھ صفحات پر تمام ہوا ہے۔ (دیکھو سان الملک جلد ۲ نمبر ۵ و ۶ صفحہ ۲۳۹)

نگارستان دنا سی کے پانچویں خطبہ میں بعض ناموں کا تلفظ غلط ہو گیا ہے۔ تابی[1] کا تلفظ طبعی اور عزیز کا تلفظ عاجز صحیح ہے اور یہ آخر الذکر تخلص بعل دگوہر کے مصنف کا ہے۔

(۷) **النور** اگرچہ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ لیکن حیدرآباد کے قابل ذکر رسالوں میں شامل ہو گیا ہے اور اسکے صوفیانہ مضامین جن میں منقولات تکیا تھے معقولات بھی شامل رہتے ہیں اردو لٹریچر میں ایک خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مولانا عبد القدیر صاحب حسرت پروفیسر عثمانیہ کالج کے خاص مضامین جن میں تصوف کے ساتھ ساتھ فلسفہ کی بھی آمیزش رہتی ہے۔ خاص اعتنا کے محتاج ہیں۔

[1] اردو جلد سوم صفحہ ۵۴۲ [2] اردو جلد ۳ صفحہ ۵۲۶

(۸) انجمن ارباب اردو نے جس کا مقصد اردو لٹریچر کو علمی تصنیفات سے معمور کرنا ہے حال میں "تحفہ" کے نام سے ایک رسالہ نہایت اعلیٰ پیمانہ پر جاری کیا ہے۔ رسالہ کی بڑی تقطیع لکھائی چھپائی کی نفاست کاغذ کی عمدگی یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اراکین انجمن ارباب اردو رسالہ کی نشر و اشاعت میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ اب تک اسکے دو نمبر شائع ہوئے ہیں جن میں سے زیادہ نظم و نثر مضامین شامل ہیں ان میں عندلیب کا مشہور فسانہ ایک نہایت دلچسپ اور ناول نویسی کے جملہ اصول کو لئے ہوئے لکھا گیا ہے "دولت اخیدیہ" کے حالات اگرچہ اسقدر مختصر ہیں کہ انہیں فرمانرواؤں کے مسلسل نامہ ہی شمار میں آنے سے رہگئے ہیں چونکہ یہ مضمون ایک ایسے خاندان کے متعلق لکھا گیا ہے جسکے حالات سے اہل ہندوستان بہت کم واقف ہیں۔ اسلئے بہت غنیمت ہے اور اس سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور حاصل ہوجاتی ہے "اصول مقناطیس" ایک ایسا مضمون ہے کہ جسکے مطالعہ سے انسان کی قوت مطالعہ کو بہت کچھ تقویت پہنچ سکتی ہے۔ "بنجلکری کا کرشمہ" حضرت کیفی مرحوم کی یہ چھوٹی سی نظم جو بصور لطائف آغا حیدر حسن دہلوی کی تمہید کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی اسکی اشاعت ہوچکی ہے (صحیفہ سلسلہ جدید جلد ۳ نمبر ۴ صفحہ ۱۱۵) "ماہ نقابانی" کے متعلق تحقیقات کرنے میں مولوی ظفریاب خان نے جس نکتہ سنجی سے کام فرمایا ہے۔ کاش یہی کوشش بجائے اس طوائف کسی مقامی امیر یا عالم کی نسبت صرف کرتے تو اس سے ملک کو زیادہ فائدہ پہنچتا۔ اب دو سال پہلے اسی کوشش کو گوہر مرحوم نے کی تھی اور اسکے حالات میں گلزار مہ لقا کے نام سے ایک رسالہ "مہ نامہ" سے اخذ کرکے شائع کیا تھا اور اسکے ساتھ اسکی نظمیات کا ایک ذخیرہ بھی چھپوایا تھا لیکن اسکے ساتھ پبلک نے کوئی اعتنا نہیں کیا اور ان کتابوں کے بنڈل اکشن میں ردو و آنہ میں رواج ہوگئے اور اسکے بعد اس طرح معدوم ہوگئے کہ ان کا میسر آنا بھی دشوار ہوگیا۔ "نئی زبان" کا کوئی نیا مضمون نہیں ہے بلکہ کئی ماہ پہلے

---

۱ تحفہ نمبر ۱ صفحہ ۳ ۲ تحفہ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ ۳ تحفہ نمبر ۱ صفحہ ۳۵ ۴ تحفہ نمبر ۲ صفحہ ۹ ۵ تحفہ نمبر ۲ صفحہ ۱۰ ۶ تحفہ نمبر ۲ صفحہ ۶۲

ابھی حال ہی میں ہندوستان کے ایک مشہور پریس میں چھپ چکا ہے۔ خوارج کا مضمون جنکے حالات کو بقول اڈیٹر کے عرب مورخین نے تشنہ چھوڑ دیا۔ اور نہ کسی ایشیائی زبان نے یکجا فراہم کیا۔ بلکہ صرف جرمن اور فرنچ مصنفین کی تصنیفات میں یکجا ملتا ہے اور جسکو فاضل مضمون نویس نے تاریکی سے اُجالے میں لاکر اردو کا جامہ پہنایا ہے جسقدر کہ مضمون شایع ہوا ہے، وہ ابھی ناتمام ہے تاہم اسکے آنے والے مباحث کا بھی ایک حد تک اندازہ ہو جاتا ہے۔ مضمون نویس اس مضمون کے لکھنے میں عربی تصنیفات سے فائدہ اٹھانے کے عوض ایسی تصنیفات سے استفادہ حاصل کیا ہے جنکو غیر مسلم جماعت نے ضبط تحریر میں لایا ہے اور بظاہر یہی وجہ ہے کہ اسمیں جسقدر خیالات نظر آتے ہیں وہ ایک مسلم کے نہیں بلکہ ایک غیر مسلم کے خیالات معلوم ہوتے ہیں۔ قابل مضمون نگار نے نہایت بیباکی کیساتھ خلیفہ سوم (حضرت عثمانؓ) کی شان میں ایسے نامناسب و ناملائم الفاظ استعمال کئے ہیں جسکی توقع ایک مسلمان کی ذات سے ناممکن ہے۔ کیا یہ الفاظ ایک سنیدار کے قلم سے نکلسکتے ہیں؟:۔

"سچ پوچھو تو حضرت عثمانؓ کی سیاسی کمزوریاں اس فرقہ کی ذمہ دار ہیں۔ بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بحیثیت ایک مسلم کے نہیں بلکہ بحیثیت ایک اموی کے خلافت کی قابلیت کے اعتبار سے حکومت کی باگ امویوں کے ہاتھ میں دینا! چہ ضرور تھا کہ جہاں نا قابلیت اور ناانصافی کی صدا بلند ہوتی تھی وہاں شورائی مصر رہتا۔ اس لئے دہندہ طرفداری نے یوں تو ہر صوبہ میں بھینی پیدا کردی تھی لیکن مصر کی شورش سب میں بڑھ گئی۔ اسپر خلافت نے کوئی توجہ نہ کی"

مندرجہ بالا سطور میں فاضل مضمون نویس نے اس امر کو بتایا ہے کہ (۱) حضرت عثمانؓ میں سیاسی کمزوریاں تھیں (۲) انہوں نے جو خلافت کی تھی وہ مسلمان کی حیثیت سے نہیں تھی بلکہ ایک اموی کی حیثیت سے تھی (۳) حضرت عثمانؓ نے حکومت کی باگ امویوں کے ہاتھ میں دی تو اسکے خلاف

ناقابلیت اور ناانصافی کی صدا بلند ہوئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے انکی جانب کچھ بھی توجہ نہیں کی بلکہ اندھا دھند طرفداری سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ملک میں شورش پیدا ہوگئی۔

فاضل مضمون نویس نے حضرت عثمانؓ کی خلافت اور پالیسی کی نسبت جو تین اعتراض کئے ہیں وہ نئے نہیں ہیں بلکہ شیعوں کی تصنیفات میں بصورت مطاعن صدیوں سے چلے آرہے ہیں اور ان مطاعن کو علمائے اہل سنت نے تاریخ اور حدیث سے غلط اور لغو ثابت کر دیا ہے اور یہ مباحث شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی ازالۃ الخفا اور انکے نامور فرزند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے تحفہ اثنا عشریہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ تحریر ہیں۔ اڈیٹر کا یہ ادعا کہ عرب مورخین نے خوارج کے حالات کو تشنہ چھوڑ دیا اور کسی ایشیائی زبان میں انکو لکھا نہیں گیا حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ خارجیوں کی نشوونما اور انکی ترقی و تباہی کے سلسل واقعات ابن اثیر نے کمال شرح وبسط کیا تھا اپنی تاریخ میں لکھے ہیں جسکا اختصار ابوالفدا اور ابن خلدون کی تاریخوں میں موجود ہے اُن تمام مصنفین نے جنہوں نے ملل اسلامیہ کی تاریخ لکھی ہے اپنی کتابوں میں اس فرقہ کے متعلق ایک مستقل باب باندھا ہے مولوی نجم الغنی نے اپنی کتاب تاریخ مذاہب اسلام میں اس فرقہ کے حالات شرح وبسط سے قلمبند کئے ہیں جو تیس سے زیادہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور اُن میں جسقدر حالات جمع ہیں اس تحفہ کا لائق مضمون نویس کسی نئی بات کا بمشکل تمام اضافہ کر سکتا ہے۔ خارجیوں کا فرقہ اس لحاظ سے کہ وہ اخیر دو خلفاء کے خلاف رہا ہے اسلام میں ایک مذموم فرقہ سمجھا جاتا ہے لیکن تحفہ کا مضمون نویس اُن سے ایک مبارک فرقہ قرار دیتا ہے۔ "بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

اگر تحفہ میں ایسے مضامین شایع ہوں تو سوائے اسکے ہمیں اور کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اسکی وجہ سے مسلمانوں میں ایک شورش پیدا ہوگی۔ اسکے سوائے کوئی اور فائدہ نظر نہیں آتا۔

تفسیرِ عشق و حُسن

(از جناب خواجہ محمد شمعون صاحب شبنم لکھنوی)

عشق کیا ہے؟

محبت کے طوفانی سمندر کی سب سے اونچی موج۔ سوز و گداز کی نے کا سب سے بلند نغمہ۔ خارستانِ اضطراب و کشمکش کا سب سے بڑا کانٹا۔ چھالوں تک کا جوہر۔ سوز و گداز کی رُوح۔ سوزش و شورش کا جنوں کی ارگنی کا گرجتا ہوا نالہ۔ زہرِ ہلاہل کا چھلکتا ہوا پیالہ۔ تکلیف میں جہنم کے ساتویں طبقہ صدر آتش دان۔ راحت میں فردوسِ بریں کا بہترین چشمہ۔ کتابِ فنا کا پہلا ورق۔ دفترِ حیاتِ ابدی کا آخری باب۔ خودداریاں سلب کرنیوالا آلہ۔ نظامِ ہستی بدلا دینے والا انقلاب۔ پہاڑ اکھاڑ دینے والی بادِ رو۔ دل و دماغ کو تلاطم میں لانیوالا زلزلہ۔ فراغت کی مشتِ خاک کو اڑا دینے والی آندھی دنیائے عافیت کی وبا۔ سکھ کے امن کا رہزن۔ بحرِ غم کا سفید طوفانی کف۔ محشرستانِ آرزو کا شاہد۔ حقیقی دنیائے تمنا کا فرمانروا۔ آسمانو پر چڑھا دینے والا زینہ۔ قبر و بین اُتار دینے والا رشتہ۔ استقلال کا حاکم۔ دربارِ حُسن کا گدا۔ دل کا غنی، بات کا دھنی، قول کا پورا، دُھن کا پکا، ارادوں کا مضبوط۔ روحانی اثرات کی تہری تشریح۔ حُسن کے سوالات کا پورا پورا جواب۔

حُسن کیا ہے؟

انسانی پیکر میں جلوہ روح کی جھلک۔ فانی پگھڑی پر سرمدی نقاشی۔ تاریکی پر قندیلِ حقیقت کی پھوٹ۔ صحرائے ہستی کے ریشو میں روحانی نغمہ۔ پہاڑ کو پگھلا دینے والی لو۔ روح کو تڑپا دینے والا جذبہ فولاد کو پانی کر کے بہا دینے والی حرارت۔ سکون کو اضطراب سے بدل دینے والا پرتو۔ چلتی ہوئی تلوار لپکتا ہوا کوندا۔ بھڑکتا ہوا شعلہ۔ تڑپتی ہوئی بجلی۔

مسکوکات قدیمہ
جنوبی ہند کے طلائی
ہون

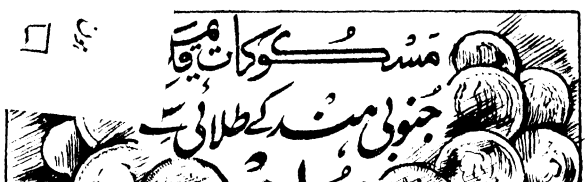

جنکو ہاں میں وَراہا اور یورپین ہانو میں پیگوڈا کہتے ہیں

(نوشتۂ)
شمس المورخین حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم۔ آر۔ اے۔ ایس کارسپانڈنگ ممبر آف دی مسماک سوسائٹی

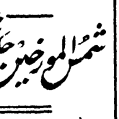

کے وسط میں مشرق سے مغرب کو ہمالیہ کا ایک ایسا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جو وندھیاچل کہلاتا ہے اور اس کی وجہ سے ملک کے قدرتاً دو حصے ہو گئے ہیں شمالی حصہ ہندوستان کے نام سے موسوم ہے اور دوسرا حصہ ملک اس کے جنوب میں واقع ہوا ہے۔ اُسے دکن کہتے ہیں۔

دکن کے **سکہ جات قدیم** اگر تاریخ کی روشنی میں لائے جائیں اور ان کا مطالعہ اوزار وزن کے لحاظ سے کیا جائے تو حضرت مسیح سے صدیوں پہلے دکن میں انکا مروج ہونا ثابت ہوتا ہے مہاوفس میں مختلف مقامات پر مختلف سکوں کا تذکرہ آیا ہے۔ یہ کتاب جزیرہ لنکا کی تاریخ اور بودھی لٹریچر کی ایک قدیم تصنیف ہے اسمیں جو سوانحات و حوادثات جمع ہیں وہ بنی ابتدا حضرت مسیح سے پانسو سال پہلے ہوئی اور اسی تحریر کے موافق یہاں کا بانی سلطنت **سری ویجایا** ۴۴۳ ق۔م میں برسر حکومت ہوا۔

سری ویجایا کی اولاد میں کئی راجاؤں نے دکن کے جنوبی مقطعات کو کئی بار تسخیر کیا۔ اور یہاں کے راجاؤں کو مطیع و منقاد بنایا۔ ان تعلقات کے باعث جنوبی دکن کے بہت سے واقعات اس کتاب میں

آگئے ہیں اوران کے ضمن میں بعض مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ دکن میں حضرت مسیح سے تین چار سو سال پہلے سونے، چاندی، اور تانبے کے سکے رائج تھے۔ لیکن اس امر کا پتہ چلانا نہایت دشوار ہے کہ یہ سکے کس نام سے مشہور تھے۔ مسٹر والٹر الیٹ کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور حضرت عیسیٰ سے پہلے اہل دکن سونے کے سکوں کو گوٹیکہ کہا کرتے تھے ایک عرصہ کے بعد یہ نام تحریف ہوکر گولر وہا ہوگیا اور اسکا یہ بگڑا ہوا تلفظ کئی صدیوں تک دکن میں مستعمل رہا ہے[1]۔

چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں طلائی سکوں کے لئے ایک دوسرا نام ویراہا ایجاد ہوا ویراہا تامل زبان کا ایک عام لفظ ہے اور اسکے معنی خنزیر کے ہیں چلوکیا راجاؤں کے طلائی سکوں پر ویراہا (خنزیر) کی صورت نقش ہوا کرتی تھی۔ اسی مناسبت سے ان سکوں کا نام ویراہا مشہور ہوگیا اور رفتہ رفتہ اسقدر شہرت پایا کہ سونے کے تمام سکوں پر اسکا اطلاق ہونے لگا چلوکیا خاندان کی تباہی کے بعد مدت دراز تک اس نام کا رواج باقی رہا چنانچہ رایان بیجانگر کے سکے (جن کو چلوکیا خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا) اسی نام سے نامزد تھے۔ ملا عبدالرزاق سمرقندی ۱۴۴۱ء میں سلطان ابوسعید بہادر خاں والی خراسان کی طرف سے سفیر ہوکر بیجانگر میں آیا تھا اس نے اپنی تاریخ مطلع السعدین ومجمع البحرین میں بیجانگر کے مفصل حالات لکھے ہیں اور اسکے ضمن میں وہاں کے سکہ جات کا بھی تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ بیجانگر کے دارالضرب میں جو سکے مضروب ہوتے ہیں ان میں سے طلائی سکہ ویراہا کہلاتا ہے اور اس کا وزن ایک مثقال کے مساوی ہوتا ہے۔ مسٹر نارائن راؤ نے اپنی تاریخ بیجانگر میں اسکی قیمت چار روپیہ کلدار بتائی ہے۔

ویراہا کا ایک دوسرا نام ہون ہے۔ ہون کنڑی زبان کا لفظ ہے۔ یہ زبان دکن کے اس خطہ میں بولی جاتی ہے جو مغربی ساحل پر کوکن کے نیچے میسور تک پھیلا ہوا ہے اور عام طور پر کرناٹک کہلاتا ہے۔ ہون کا کنڑی لفظ ہُن یا ہونو ہے اور اسکے معنی "سونا" ہیں۔ کنڑی اور

[1] رسالہ مدراس لٹریری سوسائٹی بابتہ ۱۸۵۰ء جلد ۱۶ صفحہ ۴۸

رنگلی تصنیفات سے کسی کتاب میں بھی ہون کا لفظ سکہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ نام ان فارسی تاریخوں اور لغت کی کتابوں میں آیا ہے جو بارھویں صدی عیسوی کے بعد دکن میں لکھے گئے علاوہ ان کے سلطنت مغلیہ کے درباری مورخین نے بھی سلاطین دکن کے حالات میں کہیں کہیں ہون کا ذکر کیا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ نام بارھویں صدی کے بعد استعمال میں آیا اور عہد حکومت اسلامیہ میں ایجاد ہوا ہے۔

یورپین سیاحوں نے ویراٹا اور ہون کا نام پگوڈا لکھا ہے۔ پگوڈا اصل میں چینی زبان کا لفظ اور سترھویں صدی عیسوی میں فریر (۱۶۷۸ء) نے جو ہندوستان کا مشہور سیاح ہے اس لفظ کو معبد کے معنی میں استعمال کیا۔ اور کعبہ کو پگوڈا آف مکہ لکھا ہے۔

پرتگیزوں نے جب دکن میں دخل پایا تو انھوں نے بعض سکوں پر ہندو معابد کی تصویریں دیکھیں تو ان کا نام بھی پگوڈا رکھدیا۔ اور ایم اسمتھ مورخ عام ہوگیا کہ دکن کے تمام طلائی سکوں پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

ہون یا ویراٹا صرف جنوبی دکن کی مندر راجاؤں کے سکے تھے اور ملک میں ان کا رواج عام ہوگیا تھا اور ان کے مقابلہ میں دوسرے سکے بہت کم مستعمل تھے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کے مسلمان بادشاہ جب اس کثیف سکہ کو دیکھا تو مجبور ہوکر انھیں سکوں کی اپنی لسانوں میں مضروب کرانا شروع کیا اور ان بادشاہوں کی اجازت لیکر پرتگیزوں اور انگریزوں نے بھی اپنے تھانوں میں یہی سکے بنالئے۔ انیسویں صدی میں میسور کے بادشاہ حیدر علی اور اسکے نامور فرزند ٹیپو سلطان نے بھی ہون مضروب کرائے تھے جو سلطانی ہون کہلاتے تھے یہ سب سکے گذشتہ صدی کے آغاز تک ہندوستان میں برابر بجاری تھے

۱؎ یہ لفظ پول Pool اور برمل Barmal کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی بندر کے ہیں۔ یہ لفظ سب سے پہلے بارتھولومیو Barthelo mee نے جو ۱۵۹۰ء سے ۱۶۶۰ء تک ہندوستان میں سیاحت فرما رہا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ یہاں کے بعض سکوں پر بگلہ کی مورت بنائی جاتی تھی جسکے باعث اسے بگلوں کا آقا کہتے ہیں۔ پرتگیز تو دار والوں نے اس لفظ کو بگلو ڈی یا پیلو ڈی یا پیلو آ بنالیا۔ بگلوں میدانوں کا مشہور دیوی ہے اور گاؤں اور بستی کی حامی کہا جاتا ہے

۱۸۱۹ء میں گورنمنٹ انگریزی نے جب تمام ہندوستان میں روپیہ کو سکۂ رائج الوقت قرار دیا تو وراہا۔ ہون۔ پیگوڈا وغیرہ کا رواج متروک ہوگیا اور انکے نام صرف صفحاتِ تاریخ میں باقی رہگئے۔

سلطان محمد قطب شاہ والی گولکنڈہ کے حکم سے ۱۶۱۲ء میں تاریخ قطب شاہی لکھی گئی ہے اور اسمیں ایک موقعہ تحریر ہے کہ چار لاکھ ہون چالیس ہزار تومان کے مساوی ہیں۔ اس اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۱۲ء میں جبکہ شہنشاہ نورالدین جہانگیر کا زمانہ تھا۔ دس ہون ایک تومان کے مساوی تھے۔

تومان۔ قدیم مغلیہ زبان کا لفظ ہے اور طلائی سکے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ آل چنگیز کے درباری مورخوں نے ایک تومان کو دس ہزار دینار کے مساوی بتایا کیا ہے۔ لیکن زمانہ بعد میں اسکی قیمت تدریج کم ہوتی گئی۔ شہاب الدین دمشقی نے (جو ۱۴۲۷ء میں گذرا ہے) اپنی کتاب مسالک الابصار میں ۲۰ تومان کو دس ہزار دینار کے مساوی بتایا ہے۔ ابوالفضل علامی وزیر شہنشاہ اکبر نے آئین اکبری میں سرکار قندھار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک تومان اٹھارہ دینار یا سولہ سو دام کے مساوی ہے" اور قیمت تومان خراسانی کی تیس روپیہ اور تومان عراقی کی چالیس روپیہ مقرر ہے۔

مورخ قطب شاہی نے اگر تومان سے تومان عراقی مراد لیا ہے تو ایک ہون چار روپیہ مغلیہ کے مساوی ہوتا ہے اور اگر تومان خراسانی فرض کیا جائے تو ایک ہون کی قیمت تین روپیہ قرار پاتی ہے۔

فرانسیسی سیاح موسیو تھیونو نے شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں ۱۶۵۵ء سے ۱۶۶۰ء تک ہندوستان میں سفر کیا ہے۔ اور اپنے سفرنامہ میں گولکنڈہ کے سکوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ہون کی نسبت لکھا ہے کہ "پرانے ہون کی قیمت ساڑھے پانچ روپیہ تھی جو قریب قریب ۲۱ فرانسیسی لیور کے ہے۔ کیونکہ اسوقت وہ کمیاب ہوگئے تھے اور نئے کی قیمت چار روپیہ تھی جو چھ لیور کے مساوی ہے"۔

۱۸۱۸ء میں مدراس میں حسب ذیل سکے رائج تھے۔

کاس ۔ فنم ۔ پگوڈا۔ اور تبادلہ کے لیے انکا حسب ذیل نرخ مقرر تھا۔

۸۰ کاس کا ایک فنم ۴۲ فنم کا ایک پگوڈا

۱۸۱۹ء ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا روپیہ جاری کیا تو ایک روپیہ ۱۲ فنم کے مساوی قرار پایا اور اس حساب سے ۴۲ فنم یا ایک پگوڈا ۳½ روپیہ کے مساوی ہوئے۔

بمبئی ہائیکورٹ کے ایک فیصلہ میں جو ۲۷ جنوری ۱۸۶۰ء کو صادر ہوا تھا یہ طے ہوا کہ ہون (۱۸) ۲۰ روپیہ کے مساوی ہوں۔

کرنل برگ نے تاریخ فرشتہ کے ترجمہ میں ایک ہون کو چار روپیہ کے مساوی قرار دیا ہے۔

راقم الحروف نے مدراس کے گورنمنٹ میوزیم میں مختلف اقسام کے ہون اور ویرا ہائے سکے دیکھے انمیں سے بعض پر منومان کی صورت بنی ہوئی ہے بعض پر شیو اور پاربتی بعض پر رام لچھمن بعض پر لکشمی وغیرہ کی مورتیں بنی ہوئی ہیں بعض پر خنزیر۔ بعض پر نیل کنٹھ بعض پر مناور بنے ہوئے ہیں انکی دوسری جانب بعض پر گلکاریاں اور بعض پر کنڑی تلنگی۔ یا ناگری خط میں عبارتیں کندہ ہیں انکا وزن باعتبار قیمت کے ۴ ماشہ مقرر ہے لیکن اسوقت جو سکے دستیاب ہوئے ہیں اُن کے اور اُن کے ۵۰ سے ۶۰ گرین دیکھے گئے ہیں۔ اور ان میں جو سکے زیادہ قدیم ہیں انکا وزن کثرت استعمال سے گھس جانے کے باعث کم ہو گیا ہے۔

مضمون کے آخر میں ہم نے تین پلیٹیں شامل کی ہیں جن میں مختلف اقسام کے (۳۴) ہون اور ویرا ہائے سکوں کے نقوش بنے ہوئے ہیں اور باعتبار تاریخ کے انکا تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

بودھوں کے ہون

بودھ مذہب نے جو جنوبی ہندوستان میں راجہ اشوکا کے زمانہ سے رواج پایا ہے اس راجہ نے

اپنے جلوس کے ستر ہویں سال حضرت مسیح سے دو سو چھیالیس سال پہلے بودہ مذہب کی تبلیغ کونسل منعقد کی اور اسکے ایماء سے تبلیغ مذہب کیلئے میسور کنارا اور دکن میں واعظین روانہ کئے اور انکی کوشش سے بودہ مذہب نے بہت جلد اشاعت حاصل کی ساتویں صدی عیسوی میں مشہور چینی سیاح ہوانگ شیانگ جب اس علاقہ میں آیا تو اُسنے بودہ مذہب کو عام طور پر مروج پایا۔ پلاوا خاندان کے قدیم راجہ جو اس سرزمین میں مدت سے حکمراں تھے بودہ مذہب قبول کر لئے تھے۔ ضلع گنٹور کے مقام امراوتی میں اسٹوپ کے جو آثار موجود ہیں وہ انہیں راجاؤں کے تعمیر کردہ ہیں۔ اور اُن سے ان راجاؤں کا معتقد مذہب بودہ ہونا ظاہر ہوتا ہے مختلف شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں بودہ مذہب کو دکن میں کمال عروج حاصل ہو گیا تھا۔

سکہ جات ۵ ببس و ۵ ببس کو بودہ مذہب کے پلاوا راجاؤں نے مضروب کرایا ہے اگرچہ یہ سکے کا نام ہے اور اگر ٹیکل سکے نہیں ہیں

چلوکیا خاندان کے ہون

چلوکیا خاندان چوتھی صدی میں اودھ سے آکر جنوبی ہند میں برسر حکومت ہوا ہے کلیانہ جو ممالک محروسہ سکندر عالی میں واقع ہے اسکا دارالحکومت تھا۔ اور اس خاندان کے راجہ ویراہ (خنزیر) کی صورت بطور علامتا استعمال کیا کرتے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں چلوکیا خاندان کے دو شاخ ہو گئے کلیانہ مغربی خاندان کا اور وینگی مشرقی خاندان کا صدر مقام قرار پایا۔ بارھویں صدی تک دولو خاندان حکمراں رہے۔ ممالک محروسہ سکندر عالی کا بہت بڑا علاقہ اور کرشنا کے نیچے میسور تک تمام ملک انکے قبض و تصرف میں تھا۔

سکہ جات ۵ ببس (۳ و ۴ و ۵) کو اسی خاندان کے راجاؤں نے مضروب کرایا ہے اپنے ایک جانب وارا (خنزیر) کی صورت بنی ہوئی ہے دوسری جانب گل بوٹے مسکوک ہیں۔ پہلا سکہ ساتویں صدی کا ہے۔ دوسرا و تیسرا سکہ نویں صدی میں مضروب ہوا ہے۔

نونم باواڈی ہُون

نونم باواڈی اُن تیس ہزار علاقوں کا نام ہے جو موجودہ زمانہ میں اضلاع چتلدرگ اور بلاری کے نام سے مشہور ہیں اور اس علاقہ میں پلاوا خاندان کی حکومت تھی۔ جسکے مقبوضات شمال میں کرشنا ندی سے شروع ہوکر جنوب میں مدراس تک پھیلے ہوئے تھے۔ راجگان پلاوا نے بودہ مذہب کو قبول کرلیا تھا۔ اور امراوتی کے اسٹوپ جو بودہ مذہب کے آثار باقیہ سے ہیں انہیں راجاؤں نے تعمیر کرائے تھے سکہ نمبر (۶) پلاوا خاندان کے راجہ نے دسویں صدی میں سکوک کرایا تھا اسپر ایک جانب ہری ہر کی صورت کندہ ہے۔ جسمیں شیو اور وشنو دونوں ایک جانے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب کنڑی زبان کی تین سطروں میں (نو) نم باواڈی لکھا ہوا ہے۔

پچھتی ہُون

گچپتی خاندان ایک شاخ ہے چیرہ خاندان کی جو ملابار کمبا تور وغیرہ میں حکمران تھے اور میسور کا مغربی علاقہ بھی ان ہی کے قبضہ میں تھا۔ پہلے زمانہ میں اسکندا پورم انکا دارالحکومت تھا لیکن تیسری صدی میں ٹالکڈ میں منتقل ہوگیا جو کاویری کے کنارے آباد ہے۔ نویں صدی عیسوی میں چولا خاندان نے ٹالکڈ کو فتح کرلیا تو چیرہ خاندان اوریسہ میں چلا آیا اور یہاں خاندان گنگا داسا کی بنیاد ڈالی جو بعد میں خاندانِ گچپتی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اور گیارہویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی عیسوی تک اوریسہ میں برسرحکومت رہا۔

سکہ نمبر (۷) کو جو گچپتی ہون کہلاتا ہے۔ اسی خاندان کے کسی راجہ نے بارہویں صدی میں مضروب کرایا ہے اسپر ایک جانب ہاتھی کی صورت اور دوسری جانب طاؤس کی دُم بنی ہوئی ہے۔

لنگایتی ہُون

لنگایت۔ ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے۔ جسکو کلیانہ میں بزمانہ حکومت راجگان کالاچوری

بیجاپور کے وزیر پنڈت بستوانے ۱۶۱۰ء کے قریب قائم کیا تھا اس فرقہ کے معتقد شیو کے لنگ کی پرستش کیا کرتے تھے اور ایک چھوٹے سے سیاہ پتھر کو چاندی کی ڈبیہ میں رکھہ کر بطور علامت لنگ اوسے گلے میں حمائل کر لیا کرتے تھے۔

سکہ نمبر ۸ کو لنگایت فرقہ کے ایک معتقد نے بیجاپور میں بزمانۂ حکومت یوسف عادل شاہ کو کرایا تھا اسپر ایک جانب لنگ کی صورت اور دوسری جانب یونی اور لنگا دونوں ملے ہوئے کندہ ہیں۔

بیجانگر کے ہون

بیجانگر کی عظیم الشان سلطنت جنوبی ہند کے ہندوؤں کی اخیر سلطنت تھی اسکا دارالحکومت بیجانگر دریائے تنگ بھدرا کے جنوبی کنارے ایک وسیع کوہستان کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اسے ۱۳۳۶ء میں دو بھائی بھاکا اور ہری ہر نے ملکر آباد کیا تھا۔ پچاس سال کے اندر اندر بیجانگر کی حکومت تمام علاقوں میں پھیل گئی تھی۔ دریائے کرشنا سے ساحل سمندر تک سارا ملک اسکے قبضہ و تصرف میں آگیا تھا راجگان بیجانگر نے کم و بیش دو سو سال نہایت شان و شوکت کیساتھ حکومت کی ہے۔ ۲۵ جنوری ۱۵۶۵ء کو دکن کے مسلمان بادشاہوں نے باہم اتفاق کرکے بمقام تالی کوٹہ رامراج کو قتل کر دیا جسکے باعث سلطنت بیجانگر کا خاتمہ ہوگیا۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد نرسل راج نے جو رامراج کا بھائی تھا بیجانگر کو مکرر آباد کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے کامیابی نہیں ہوئی نا اُمید ہوکر نیکنڈہ چلا گیا لیکن یہاں بھی اُسے مسلمانوں کے حملوں سے امن نہیں ملا۔ مجبور ہوکر چندراگری میں چلا آیا اور یہاں ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی۔ جو ٹیپو سلطان کے زمانہ تک موجود تھی۔ اسی خاندان کے ایک رکن سری رنگا نے ۱۶۴۴ء میں انگریزوں کو وہ خطہ زمین عطا کیا تھا جہاں اسوقت قلعہ سینٹ جارج اور موجودہ شہر مدراس آباد ہے۔

سکہ جات نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، کو

راجگان بیجانگر نے مضروب کرایا ہے ان میں سکہ نمبر (۹) غیر معمولی دلچسپی رکھتا ہے اسوجہ سے کہ وہ بہاکا راے کے زمانہ میں مضروب ہوا ہے جو سلطنت بیجانگر کا بانی ہے اور ۱۳۵۶ء سے ۱۳۷۹ء تک حکمراں رہا ہے۔ اس پر ایک جانب ہنومان کی صورت اور دوسری جانب راجہ کا نام بھاکا کندہ ہے سکہ نمبر ۱۰ کا کرنل مورے نے ذکر کیا ہے۔ کرنل موصوف نے اسے ٹیپو سلطان کے خزانہ میں مقام سری رنگاپٹنم دیکھا تھا۔ یہ سکہ دیوراے (۱۴۰۶ء تا ۱۴۲۲ء) کے زمانہ میں مسکوک ہوا ہے جو تاریخ بیجانگر میں ایک نامور راجہ گزرا ہے۔ اسی کے زمانہ میں سلطان ابوسعید مرزا کا سفیر ملا عبدالرزاق سمرقندی خراسان سے بیجانگر میں آیا تھا اسکے اور فیروز شاہ بہمنی کے مابین پرتھال کے لئے جو زرگری دختر ہی بمقام مدگل ایک عظیم الشان لڑائی ہوئی تھی۔ سکہ پر ایک جانب دو نیل کنٹھ بنے ہوئے ہیں جنکے چونچوں میں ہاتھی لٹک رہے ہیں۔ دوسری جانب راجہ کا نام "سری پرتاپا دیوارایا" کندہ ہے۔

سکہ نمبر (۱۱) یہ بھی دیوراے کا ہے اور اسے بیدنور کے نایک نے مسکوک کرایا ہے۔ اسپر ایک جانب شیو اور پاربتی کی صورتیں بنی ہیں دوسری جانب راجہ کا نام "سری پرتاپا دیوارایا" کندہ ہے۔

سکہ جات نمبر ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ "ڈرگی ہون" کہلاتے ہیں اور کرشن راے (۱۵۰۹ء تا ۱۵۴۲ء) کے زمانہ میں مسکوک ہوئے ہیں۔ ان پر ایک جانب وشنو کی صورت اور دوسری جانب راجہ کا نام "سری پرتاپا کرشنا رایا" کندہ ہے۔

سکہ نمبر ۱۵ سدا سیو (۱۵۴۲ء تا ۱۵۷۳ء) کے زمانہ میں مسکوک ہوا ہے اسپر ایک جانب شیو اور پاربتی بنے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب راجہ کا نام "سدا سیوا" لکھا ہوا ہے۔

سکہ نمبر (۱۶) اسکو رامراج کے بھائی تریل راج (۱۵۶۳ء تا ۱۵۷۵ء) نے چند راگری میں اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد مضروب کرایا تھا۔ اس پر ایک جانب شیو اور پاربتی بنے ہوئے ہیں دوسری جانب "سری ترملا راجا" کندہ ہے۔

سکہ جات نمبر ۱۷ و ۱۸ یہ سکے چندراگری کے راجہ وینکٹ پتی (۱۵۶۰ء تا ۱۶۱۴ء) نے مضروب کرائے تھے۔ اور اسی کے نام سے موسوم ہو کر وینکٹ پتی ہون کہلاتے تھے۔ ان پر ایک جانب وشنو کی مورت ہے دوسری جانب راجہ کا نام "سری وینکٹ سیوا رایانا" لکھا ہے۔

گنڈی کوٹہ کے ہون

گنڈی کوٹہ ضلع کڑپہ میں ایک پہاڑی قلعہ ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں سلطان محمد قلی قطب شاہ والی گولکنڈہ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۲ء) نے پہلے اسے فتح کیا تھا۔ یہاں زمیندار تیانا ید و پرتانے قطب شاہ کی فتح سے پہلے سکہ نمبر ۱۹ کو مسکوک کرایا تھا اسی زمانہ میں زمیندار مذکور سلطنت بیجانگر کا تابع فرمان تھا اور اسی لئے سکہ پر بیجانگر کے اخیر راجہ رامراج کا نام کندہ کرایا تھا اسکے ایک رخ پر وشنو کی صورت بنی ہوئی ہے دوسری جانب ناگری خط کی تین سطریں حسب ذیل عبارت تحریر ہے سطر اول "سری رام" سطر دوم "راجہ رام" سطر سوم "رام راجہ"

درگی ہون

درگا ہندوؤں کی ایک مشہور دیوی کا نام ہے جسے بعض وقت صرف دیوی یا مہادیوی کے نام سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ شیوجی کی بیوی ہے اسکے مختلف اوصاف و افعال کے لحاظ سے پورانوں میں اسکے مختلف نام آئے ہیں مثلاً درگا بھوانی پاربتی بھگوتی وغیرہ اور ان سے ہر ایک نام اسکی مختلف حالتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ درگا اور بھوانی اسکی غضبناک اور خونخوار حالت کو ظاہر کرتے ہیں پاربتی سے اسکی نرم دلی اور شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔ بھگوتی شیوجی کا رکھا ہوا نام ہے۔

زوال سلطنت بیجانگر کے بعد ۱۶۵۰ء کے قریب تمیناناک نے بمقام چنلپٹ رکاس ہون کو مضروب کرایا ہے۔ اسکے ایک جانب درگا کی صورت بنی ہوئی ہے دوسری جانب ناگری خط میں کچھ عبارت کندہ ہے لیکن اسقدر محو ہو گئی ہے کہ اسکا پڑھا جانا دشوار ہے۔ اسکی شکل نمبر ۲۰ پر بنی ہوئی ہے۔

ٹراون کور کے ہون

ان کو مہاراجہ ٹراون کور نے مضروب کرایا ہے۔ انہیں سکہ نمبر ۲۶ قدیم ہے اسپر ایک جانب وشنو کی مورت اور دوسری جانب نقطہ دار مطلعے بنے ہوئے ہیں۔ سکہ نمبر (۱۸) کو راجہ راما ورما نے مضروب کرایا ہے اسمیں ایک جانب گل بوٹے بنے ہوئے ہیں دوسری جانب حاشیہ پر انگریزی ٹائل میں زبانوں میں ٹراونکور۔ اور ان کے بیچ میں (R.V. 1877) لکھا ہوا ہے۔

قطب شاہی ہون

سلطان عبداللہ شاہ قطب شاہ والی گولکنڈہ نے ۱۶۴۳ء میں چندراگری کو فتح کیا تو یہاں کے راجہ نے سکہ نمبر (۲۴) مضروب کرایا تھا۔ اسکے ایک جانب وینکٹیشور اور اسکی دو بیویوں کی صورتیں بنی ہوئی ہیں دوسری جانب نقطہ دار حلقوں میں حرف "ع" کندہ ہے جو عبداللہ قطب شاہ کے اختصار کی علامت ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہون

قدیم زمانہ میں انگریزوں نے اپنی ٹکسالوں میں جو سکے مضروب کرائے تھے انہیں انگلش سکوں سے کوئی مشابہت نہیں تھی بلکہ جن علاقوں میں جاکر اپنے کاروبار شروع کرتے وہاں کے حکام سے اجازت لیکر اور انہی کے سکے اپنی ٹکسالوں میں بنایا کرتے تھے۔

۱۶۳۹ء میں چندراگری کے راجہ سری رنگا نے سینٹ تھامس کے قریب ساحل کارومنڈل انگریزوں کو تھوڑی سی زمین عنایت کی تو وہاں قلعہ سینٹ جارج تعمیر کیا اور جنوبی ہند میں مدراس کو اپنے کاروبار کا مرکز قرار دیکر راجہ سری رنگا سے سکے مضروب کرانے کی اجازت حاصل کی اولسی زمانہ میں سکہ نمبر ۲۳ کو سکوک کرایا جسپر ایک جانب وینکٹیشور اور اسکی دو بیویوں کی مورتیں اور دوسری جانب نقطہ دار حلقے بنے ہوئے ہیں۔

سکہ نمبر (۲۵) ۔ یہ سکہ پورتو نووو Porto Novo یا اسکاٹ پگوڈا Scott Pagoda

کہلاتا ہے اسکو پہلے پہل ڈچوں نے اپنے قلعہ سینٹ ڈیوڈ میں ضرب کرایا تھا۔ اسکے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ نے اپنی ٹکسال میں اسکی نقل مضروب کی اور اسکی اجازت حاصل کرنے کے لئے ۲۱ جولائی ۱۶۹۱ء کو مدراس کونسل نے قلعہ سینٹ ڈیوڈ کے ڈپٹی گورنر کو ایک مراسلہ لکھا۔ سکہ پر ایک جانب وشنو کی مورت اور دوسری جانب نقطہ دار خطوط بنے ہوئے ہیں۔

سکہ نمبر ۲۷ "اسٹار پگوڈا" کہلاتا ہے۔ اہل مدراس اسکو کمپنی کا وایرا ہا کہا کرتے تھے سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں مضروب ہوا ہے۔ اسپر ایک جانب وشنو کی مورت کندہ ہے۔ دوسری جانب پانچ حلقوں کے نقطہ دار ہلال میں ستارہ بنا ہوا ہے اور اسی ستارے کے باعث اسکو اسٹار پگوڈا کہا کرتے ہیں

سکہ نمبر (۲۸) یہ بھی "اسٹار پگوڈا" کہلاتا ہے۔ اس سکہ کے مضروب ہونے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سکوں کی اصلاحی ترقی کا آغاز ہوتا ہے یہ سکہ ۱۶۸۶ء کے بعد مضروب ہوا ہے جبکہ کمپنی نے اپنے آزادانہ انتظامات شروع کر دئے تھے اور مدراس میں انکی قوت زور آور ہو کر خود مختار حکومت کی صورت پیدا کر رہی تھی۔ اس سکہ پر ایک جانب ستاروں کے بیچ میں ہندو معبد کا "گوپر" بنا ہوا ہے اور اسکے اطراف حاشیہ میں TWO PAGODA اور دوہون کندہ ہے۔ دوسری جانب نقطہ دار حلقوں میں وشنو کی صورت اور اسکے اطراف تلنگی اور ٹامل بانوں میں "دو پگوڈا" لکھا ہوا ہے۔

کمپنی کے ایجنٹ نے اسی نقش اور نمونے پر مختلف قیمتوں کے پگوڈا مضروب کرائے تھے ایک ہون سونے کا تھا۔ اسسے کم قیمت نصف و ربع ہون چاندی کے تھے۔ ان پر انگریزی میں HALF PAGODA (QUARTER PAGODA) اردو زبان میں "نیم ہون پہوے" یا "پاؤ ہون پہوے" لکھا گیا تھا انکے اشکال نمبر (۲۶ و ۲۷) صفحہ ۶۱ پر درج ہیں۔

مغلیہ ہون

دریائے تنگ بھدرا کے نیچے ضلع بلاری میں ادونی ایک تاریخی مقام ہے۔ پہلے زمانہ میں بجانگر

کی عملداری میں تھا ۱۵۶۵ء میں بیجانگر تباہ ہوگئی تو بیجاپور کے عادلشاہی بادشاہوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ ۱۶۹۰ء میں جب اورنگزیب عالمگیر نے بیجاپور فتح کیا تو اسکے ساتھ یہ مقام بھی سلطنت مغلیہ کے مقبوضات میں شامل ہوگیا۔ اور بادشاہ اسکا نام امتیاز گڑھ رکھا۔ اور یہاں ایک دارالضرب بھی قائم کیا جسمیں عالمگیر ثانی کے زمانہ تک سکے مضروب ہوئے ہیں۔

اس دارالضرب میں محمد شاہ بادشاہ نے نادرشاہ کے حملے سے پہلے اپنے جلوس کے تیسرے سال ۱۷۲۲ء کے قریب سکہ نمبر مضروب کرایا تھا۔ جو محمد شاہی ہون کے نام سے مشہور ہے۔ اسپر ایک جانب "محمد شاہ بادشاہ" اور دوسری جانب "ضرب امتیاز گڑھ" لکھا ہوا ہے۔

حیدری ہون

بیجانگر کی تباہی کے بعد جنوبی ہند میں ہندوؤں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلی تھیں جنکے فرمانروا نایک اور زمیندار کے لقب سے مشہور تھے ان میں میسور کے نایک زیادہ طاقتور تھے ۱۷۶۳ء میں حیدر علیخاں نے جو فوج کا سپہ سالار تھا۔ راجہ کو قید کرکے ملک پر قبضہ کرلیا جسکے باعث میسور کی ہندو ریاست کا خاتمہ ہوگیا۔

ہندوؤں کے زمانہ میں میسور میں راجگان بیجانگر کے وہ ہون رائج تھے جنہیں حیدر نے نایک نے مضروب کرایا تھا۔ حیدر علی نے ملک پر تسلط حاصل کرنے کے بعد قدیم سکے کے عوض ایک نیا سکہ جاری کیا جسپر ایک جانب شیو اور پاربتی کی مورت ہے اور دوسری جانب نستعلیق خط میں "ح" لکھا ہوا ہے جو حیدر علی کی علامت اختصار ہے اور اسکی شکل نمبر (۳۰) پر بنی ہوئی ہے۔

سلطانی ہون

حیدر علی کی وفات کے بعد ۱۷۸۲ء میں جب ٹیپو سلطان نے سلطنت حاصل کی تو انہوں نے ہون کے مضروب کرانیمیں ہندوانی طرز کو بالکل ترک کردیا۔ اور بجائے اس کے اسلامی طرز اسکے دونوں جانب عبارتیں نقش کرائیں

ٹیپو سلطان کے ہون دو قسم کے تھے۔ پہلی قسم کا ہون غرّہ ۱۱۹۷ھ سے ۱۱۹۸ھ اور سنہ ۱۲۰۰ھ میں مضروب ہوا تھا اسپر ایک جانب ہو السلطان العادل سنہ ۱۲۰۰ھ لکھا ہوا ہے اور دوسری جانب ہج نگر مسکوک تھا۔

دوسری قسم کے ہون سنہ ۱۲۰۱ھ اور سنہ ۱۲۰۲ھ مولودی پٹن اور نگر میں مسکوک ہوئے ایک جانب محمد ہو السلطان العادل سنہ ۱۲۰۱ھ اور دوسری جانب ح فاروقی پٹن سنہ ۱۲۰۲ھ لکھا ہوا ہے ح - حیدر علی کا اختصار ہے۔

پٹن - سے سری رنگا پٹنم اور نگر سے حیدر نگر مراد ہے۔ حیدر علی نے بیدنور کا نام حیدر نگر کہا تھا

فاروقی ہون کا نام ہے۔ جسکو ٹیپو سلطان نے تجویز کیا تھا۔

سنہ مولودی - اسکو ٹیپو سلطان نے قائم کیا تھا اور اسکا حساب ولادت جناب رسالتمآب صلعم سے شروع کیا تھا اور اسکے اعداد سیدھے جانب سے بائیں جانب کو لکھے جاتے اگر ۱۲۰۶ھ لکھنا منظور ہو تو اسے طور لکھتے ہیں ۶۰۱

ماخذ تالیف

آئین اکبری — شیخ ابو الفضل علامی — طبع کلکتہ جلد اول صفحہ ۵۸۶

حدیقۃ العالم — میر عالم مرحوم — طبع حیدر آباد جلد اول صفحہ ۲۱۶

روضۃ الصفا — محمد بن خاوند شاہ بلخی — طبع بمبئی جلد ہفتم صفحہ ۴۳

سیاحت موسیو ٹیورنیر — طبع آگرہ صفحہ ۱۲۵

سیاحت موسیو تھیونو — " صفحہ ۹۱

MARSDEN Numismata Orientalia Vol II PP 355-383.

PRINSEP Useful Tables. PP. 11-18-43-44..

Rice Mysore Inscriptions PP LXXXVIII 47-53-58-

Rice Gazetteer of Mysore Vol. I. 197-198-202-205-210

228 - 229 - 230 Vol. II - 355-383 - Suppl. 3.

ELLIOT. Coins of Southern India.

ELLIOT. Numismatic Gleanings Journal

Madras Literary Society Vol X. 181

Vol XIX. 226

ZIEGENBOLG South Indian Gods PP. 6. 14 8

ASIATIC RESEARCHES. Vol XVII 590.

CAVE TEMPLES of INDIA PP. 17-19-64-110

GLOSSARY of COLLOQUIAL ANGLO INDIAN

WORDS, PP 425. 662-928.

ہُون یعنے سکہ جات قدیم نقرئی

۳۲

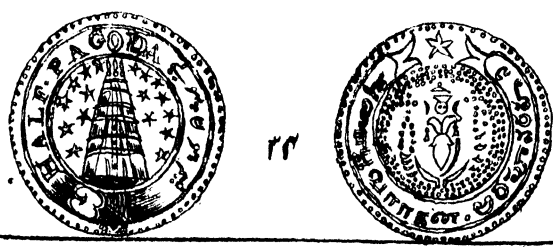

۳۳

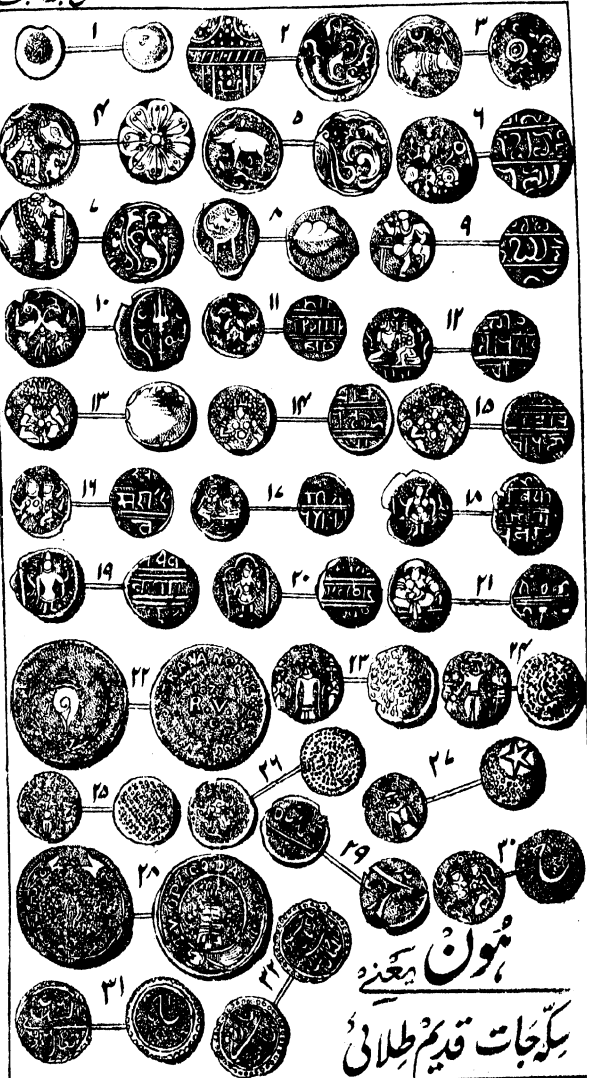

ہُون یعنے
سکّہ جات قدیم طلائی

انعامِ عصمت

تیسرا خط

میں یہ کہنے کی ضرورت سمجھتی ہوں، پیارے ابّا! کہ آپ کے خط نے مجھکو پریشانی سے محفوظ کر دیا، کیونکہ اس سے میرا دل جو اپنے آقا کے احسانات کی وجہ سے لبریز وفاداری تھا مسکرا اور خوفزدہ سا ہو گیا۔ انہم مجھے امید ہے کہ میں کوئی ایسا کام کرتے نہ پاؤنگی جو انکے شایانِ شان نہ ہو اسلئے کہ انکو مجھ ایسی غریب لڑکی کی تباہی کیا ملیگا لیکن میں جس بہت مختصر طریقہ پر ہوں وہ یہ ہے، کہ آپ اپنی بیٹی کی شرافت نفس کو ناقابل اطمینان سمجھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں نہیں۔ پیارے والد! یہ تصور کیجئے کہ اگر خدا کا فضل شریک حال ہو تو مجھ سے کوئی ایسی حرکت کبھی نہ ہوگی جسکا غم آخر عمر میں آپکو گورکنارے لگا دے میں کسی طریقہ پر ذلیل ہونے سے ہزار مرتبہ مرنے کو ترجیح دونگی اسکا بالکل یقین کیجئے، اور اپنے قلوب مطمئن رکھئے کیونکہ اگرچہ پچھلے دنوں کچھ روز میں اپنی حیثیت سے بلند رہی ہوں تاہم خواہ مخواہ کوئی کیوں نہ ہو بہ نسبت اسکے کہ میں اپنی شکمپائی کو بٹہ لگاؤں میں تکلیف افلاس پھٹے پرانے کپڑوں روٹی اور پانی پر قانع رہ سکتی ہوں اور انکو خوشی گوارا کر سکتی ہوں برا نہ مانئے۔ آپ ہر طرف سے مطمئن رہئے اور گمان نیک فرمائیے۔ آپکی فرمانبردار مہ لقا

میرے آقا کی مہربانیوں کا سلسلہ جاری ہے اور اسوقت تک میں کسی چیز سے خوف کی کوئی وجہ نہیں پاتی نیز خواجہ بھی جو گھر کی منتظمہ میں مجھ سے اچھا برتاؤ کرتی ہیں یہ یقین کیجئے، محض بوجہ اسکے کہ مجھ سے بیتکلف ہیں آتے ہیں میرے متعلق بُرے خیالات نہ رکھتے ہونگے؟ میرا امید کرتی ہوں کہ مجھکو کوئی اس زائد نقصان نہیں پہنچا سکتا جسکا کہ مجھے یقین ہے کہ میں انکو پہنچا سکتی ہوں اور میرا اپنا یہی طریق عمل ہمیشہ رہیگا تاکہ لوگ میری غربت کریں کیونکہ اکثر انکی جانب سے گزرتا ہے میں اسکو ہمیشہ اپنے ملنے کی ہدایت کر دونگی تاکہ آپ کو یہ حالات معلوم رہیں خواہ بذریعہ تحریر (کیونکہ اس سے مجھکو تھوڑی بہت مسرت حاصل ہو جاتی ہے) خواہ زبانی۔

مترجمہ اُمّ الحامد (اہلیہ سید علی اختر)

غزل

(از عالیجناب نواب میر کاظم علیخاں بہادر خلف اکبر نواب شوکت جنگ حسام الدولہ بہادر)

سر برہنہ جسم عریاں آبلے پھوٹے ہوئے
آئے ہیں صحرا نوردی کا مزا لوٹے ہوئے

حال دل کیا پوچھتا ہے دیکھ خود آنکھ سے
وہ نگاہیں جا رہی ہیں دل مرا لوٹے ہوئے

تیرے آنے سے بہار لمبی بہا آئی مرے
داغ ہائے حسرت و غم کھل کے گل بوٹے ہوئے

طائر جاں کو چہ جاناں میں پہنچے کس طرح
ہیں غم فرقت اسکے بال و پر ٹوٹے ہوئے

کر کے وعدہ وصل کا انکار تو کیا
یہ خیال آیا نہ سب کے سامنے جھوٹے ہوئے

اے جنوں کچھ تو دکھا پھر سیر دشت و کوہ کی
آئے ہیں ہم قید زنداں سے ابھی چھوٹے ہوئے

چلگئی ہے میکشی میں کیا کسی مدت سے
ساقیا ساغر ترے ہیں آج کیوں ٹوٹے ہوئے

کاوش مژگاں کے اے کاظم بہت ممنون ہیں
وہ پھپھولے جو تھے سینہ میں پھوٹے ہوئے

مرغ شب آہنگ

گرچہ میں ظاہر میں اک طائر یک مشت پر
قدر میری جانتے ہیں کچھ مگر اہل نظر

ہوں نوا سنج فغاں ہی زمزمہ پرداز بھی
میرے نغموں کی صدا میں سوز بھی ہے ساز بھی

غیرت صحن چمن ہے تنگ دامانی مری
نغمہ پردازی بھی ہے گویا گل افشانی مری

کھینچ لیتی ہے دلوں کو زمزمہ سانی مری
وجد میں لاتی ہے طرز نغمہ پردازی مری

سحر پنہاں ہے مری آواز میں ڈوبا ہوا
ہے مری طرز نغمہ میں جادو وہ اک جلتا ہوا

ہے مرا حسن ترنم جلوہ آرائے چمن
ہے ہر ذرہ میں پوشیدہ مری سوز کی لگن

میرے پر تو سے ادھر اور اس طرف فانی بہار
ہے مری جنبش میں راز گردش لیل و نہار

میرے نغمے اور بہار جلوہ حسن چمن
تازہ کر دیتے ہیں دلمیں یاد "ایام کہن"

عشرت دیرینہ کا خواب پریشاں دیکھنا
اس طرف بھی اک ذرا او چشم گریاں دیکھنا

شب کو جب نیند آتی ہے ہر ہو خامشی چھائی ہوئی
صحن گلشن میں بہا پھرتی ہے اترائی ہوئی

ذرہ ذرہ خواب سے لبریز ہو جاتا ہے جب
جلوہ انجم تبسم ریز ہو جاتا ہے جب

وسعت عالم پہ چھا جاتا ہے ہر جانب سکوت
ہر نفس دیتا ہے دل کو اس راحت کا ثبوت

جب ترنم آفریں ہوتی ہے موج آبشار
ہر طرف ہوتی ہے عطر افشاں ہوائے خوشگوار

نخل جھک جاتے ہیں ذوق خواب آرام سے
روح ہو جاتی ہے بیخود تلخی ایام سے

ہلکی ہلکی ابر کے ٹکڑوں سے پڑتی ہے پھوار
بھینی بھینی بوئے گل دیتی ہے پیغام بہار

شوق پنہاں چٹکیاں لیکر جگاتا ہے مجھے
چپکے چپکے داستانِ گل سناتا ہے مجھے

بیخودی میں آشیانے سے نکل آتا ہوں میں
سازِ گلشن میں نئی اک روح دوڑاتا ہوں میں

پھول کھل جاتے ہیں پھر میرے ہنسانے کے لئے
بادِ نرم آتی ہے مجھکو گدگدانے کے لئے

جھومتے ہیں غنچہ و نورس مری آواز پر
رقص کرتی ہیں کچھ پریاں صدائے ساز پر

وجد کرتے ہیں شجر جھلتی ہے رک رک کر ہوا
بربطِ موجِ رواں سے اب نہیں آتی صدا

محفلِ انجم میں رک جاتا ہے سازِ سرمدی
میرے نغمے ہیں نوا پروازِ رازِ سرمدی

چاند لینا چاہتا ہے مجھ کو پھر آغوش میں
میں سراپا شوق ہوتا ہوں نورِ جوش میں

میں اسی عالم میں ہوتا ہوں نوا پرداز شوق
نغمۂ الفت سے پر ہوتا ہے میرا ساز شوق

یک بیک برباد ہو جاتا ہے، سامانِ طرب
آہ، وہ کیفیت سرشار، وہ شانِ طرب

وہ شبابِ آرزو، آشوبِ پیری بن گیا
میرا نغمہ بھی مری وجہِ اسیری بن گیا

کیا خبر تھی قصرِ دل ہو جائیگا برباد بھی
دام پھیلائے ہوئے ہے تاک میں صیاد بھی

اب وہ میرے جوں نہ وہ حسنِ بہارِ فصلِ گل
میری آنکھیں ہیں مگر نوحہ گزارِ فصلِ گل

اب نہ وہ جوشِ ترنم ہی نہ وہ آزادیاں
بن گیا ہوں میں سراپا سازِ آہنگِ فغاں

ہائے حسرت ہے میرا شغل ہے بیکاری مجھے
بند رکھتی ہے قفس کی چار دیواری مجھے

ہوں سراپا غم قفس میں آشیانے کیلئے
فکر ہوتی ہے مجھے کب آب و دانے کے لئے

اضطرابِ زندگی سے برسرِ پیکار ہوں
کنجِ ہستی سے نکلنے کے لئے تیار ہوں

ہم اگر سمجھیں تو ہے ایسا ہی اس دنیا کا حال
ابتدا سے چاہئے انساں کو احساسِ مآل

چاہئے اس بزم میں ہر شارعشرت ہو بہم — کشمکش گاہ جہاں میں محو غفلت ہوں نہ ہم
کام زائد، وقت کم، سرگرم، بیداد اجل — تاک میں آٹھوں پہر رہتا ہے صیاد اجل

گر کوشش ہو خیال مرگ سے ترساں نہو — جادہ پیما تو خلاف عقل ہے انساں نہو
"جسم" پابند فنا ہے، اور فنا ہے لازمی — اور کہہ ہے "روح" کو حاصل حیات دائمی"
"روح" بھی لیکن وہ مردہ ہے جو احساس سے — تجھ کو اس آئین فطرت کا اگر کچھ پاس ہے

یادگاریں چھوڑ جا، اس دار فانی کے لئے
کام کچھ کر جا حیات جاودانی کے لئے

سید علی اختر

ہے سال نو کی آمد ہر شخص کو خوشی ہے — کیا رنگ لائیگا یہ اسکی نہیں خبر کچھ
میں جانتا ہوں ظالم تیری دل لگی ہے — دلمیں نہیں کسی کے جو موت کا خطر کچھ

اے وقت بے مروت اے وقت بے مروت

کل تک تو سن رہا تھا آباں کا ہے مہینا — اب ڈھونڈھ کر اُسے میں ہے کہاں لاؤں
سکہ جما دیا ہے آذر نے آکے اپنا — غم کھاؤں کسکی خاطر کسکی خوشی مناؤں

اے وقت بے مروت اے وقت بے مروت

کہنا کسی "گھڑی" کو اپنا غلط سراسر — کہتے ہیں جسکو عالم التعسیر کا ہے مخزن
تجھکو اگر میں سمجھوں "ٹھہرا" غلط سراسر — تجھ میں لگا ہوا ہے ظالم بلا کا انجن

اے وقت بے مروت اے وقت بے مروت

ہر اک گھڑی میں عالم کا حال کیا سے کیا ہے — مفلس ابھی تھا کوئی مسند نشیں ابھی ہے
زندہ کوئی ابھی تھا۔ اب دفن ہو رہا ہے — بتلا کبھی رفاقت تو نے کسی سے کی ہے
اے وقت بے مروت اے وقت بے مروت

تھے خار زار جس جا۔ ہے بلبلو نکا مسکن — اللہ کس غضب کے ہر آن میں یہ پھیرے
تھیں مخملیں جہاں پر ہے بکسو نکا مدفن — یہ ہتھکنڈے ہیں تیرے یہ ہتھکنڈے تیرے
اے وقت بے مروت اے وقت بے مروت

فرید الدین بلتا

تارا فلک سے جیسے گرے کوئی ٹوٹ کر — اور گرتے ہی نظر سے ہو غائب زمین پر
یا جیسے گرم سرعت پرواز ہو عقاب — یا موسم بہار کا اٹھا ہوا شباب
یا جیسے گل پہ صبح کو شبنم ہو قطرہ ریز — یا جیسے باد تند ہو طوفاں میں موج خیز
یا جیسے سطح آب پہ ابھرے کوئی حباب — یوں ہیں بشر ہے دہر میں تصویر انقلاب
آیا ادھر نسیم کا جھونکا ادھر نہ تھا — پانی میں بلبلہ ادھر ابھرا ادھر نہ تھا
شبنم اڑی نظر جو پڑی آفتاب کی — پرواز تھی نہ چشم زدن میں عقاب کی
آئی خزاں تو موسم گل کا نشان تھا — تارا گرا تو گر کے تجلی فشاں نہ تھا
آئی قضا نمود وجود بشر نہ تھی — تھی اک طلسم ہستی بود بشر نہ تھی

بزم فنا میں عیشیا ہستی کی شمع حیف
جل تو رہی تھی رات کو وقت سحر نہ تھی

عبد العیشی

منعقدہ مکان عالیجناب مولوی نابینا صاحب
مدرسہ واقع بیدیانہ نزد کاری

روح ادب یعنی بزم مشاعرہ

ادا ۔ ابوالاحسان حکیم مولوی الطاف احمد صاحب انصاری

نو مدراحت جاں ہو مراد و شوق بیتاب ہو
وہ دل کہ قصد پرواز الاماں آرزو کرے
خوشا وہ دیدہ کہ تیری اور اپنے سر کی بلا عرش ہو
جو الفت تو ہی کہ مشکل سے آسان ہو
جو وعدہ تو ہو ایسا کہ ہر ملاقی ناتواں ہو
یہ کیا رنگ ہے شاید ابھی پیدا ابھی پنہاں ہو
جو پیدا ہو تو پیدا ہو جو پنہاں ہو تو پنہاں ہو
غلط نکلا بھروسا جس پہ کہنا تھا غلط نکلا
خدا شاہد خدا کی ہر ادا میں ہر ستم میں ہاں
اگر امید آتی ہو تو بیشک صبر لازم ہے
گر جب کوئی پامال جو ہو اور دم نہ ہو تو
جسے دیکھو وہ دعا ہے بیٹے بڑھو وہ تو
بہار باغ ہستی ہو فروغ برم امکاں ہو
نہ وہ آنکھیں نہ وہ دل ہے نہ وہ جلوے نہ وہ تیور
ابھی آنکھوں کے آگے تھے ابھی کھوئے ہوئے کیا ہو
نہ ابیات سے میری باقی نہ حالت کی ہوئی باقی
فقط اس رہ گئے ہیں اس میں جو کچھ ہیں سو کیا ہو
لوی دونوں جہاں نے ہتھیا ہتھیا کو کیا روئی
تو ان لوگوں سے تو بہتر ہیں جو ہیں ہاں ہاں کیا ہو
بھی آؤ ہم کو بھی دعا سے یاد فرمانا
کہ مقبول خدا تم ہو دعا تم ہو ثنا تم ہو

باغ ۔ مولوی کاظم علیصاحب ۔ میرمشاعرہ

تصور میں ہمارے کل جو حسن عریاں جلوہ فرما تھا
تقاضا ہے یہی ہر جذبۂ شوق بیتابی کا
وہ تصویر ان جو دیکھی ہو تو اللہ رے کیا کہنا
وہ دل ہو جس میں حسن بے حجاب آرام پنہاں ہو
وہی انداز جانبازی ہے آداب سر بسجدہ
گئے تو حشر کو آئے جو ہو تیرے در پہ ارماں ہو
جو ہاں میں ہاں ملاتا ہو تو میرا کیا کمال اس میں
سر خلاف ہو پھر وہ گل شگفتہ گل فشاں ہو
تراشے تو بتوں کو پوجنے کی نظر نے سیکھا ہو
اگر دل ہو تو دل میں حسن کے اصنام پنہاں ہو
وہ دل جو حسن کے اصنام سے معمور ہو یارب
اگر خاکی کرے سجدہ ہر ذرہ آستاں ہو
جلوں پروانہ ہو تو تیری فرقت کا یہ عالم ہو
غم یہاں بتا دے مجھ کو کہ آئینہ حقیقت کا
مری حسرت سے یہ کہتا ہے کہ ہاں ہاں کیا ہو

تصور کھینچ کر باغ اُن پر گزشتہ کا
کہ جس کو دیکھ کر ہر دیکھنے والا یہ کہتا ہو

بتر قرۃ ۔ مولوی نادر علی صاحب نشیں ظہیر ۔ یادگار غالب

حجاب چشم ما ہو جو ترحم جاں ستاں ہو
تو ہر بات پہ تیری گاہ عرفاں ہو
یہ کیسی بزم ہے رونائے حسن جاناں ہو
گلے آ جا کہ اب فاصلہ ہم دونوں کا
نہ کر کوتاہ اپنے دور میں نظر کر
مری صبح وطن ہو شام غربت شام غربت ہو
کہاں یاد خوش خوبی یہ پہنچے
کہ ہو صبح قیامت بھی شب ہجراں ہو
یہ ہے غفلت جدید طرح ہے تاثر قدیم
تیرے بیگانے بھی ہیں ہم پر مہرباں کیسے کیسے
وہی صید مذبوح نگاہ چشم فتاں ہو
اسی کی دو میں قسمت احسن کی
کہ ہو مری گردن پر بار احساں اس کا
تغافل گستری یارب تغافل آشنا کب تک
عجب کیا گر کہے کوئی کہ ہو جاں فشاں ہو
جو ہو عشق کے بعد عشق کی ابتدا کہاں ہو
بنا یا ہے حلم بردار دل نے محو کرنے
حجاب ناز میں گل ہو فسانہ وہ بیگانہ
خلش خار میں گل ہو فسانہ وہ بیگانہ
خموشی ہے خطا کس کے قانون پر
کہ ہو تسلیم ما الانصاف ہو

زنرل ۔ مولوی علی احمد صاحب

جنوں پر جو نہ ہو ہر ایک انتہا کیا ہو
عجب کیا گر نگاہ قہر ہو رحم کرم کی ہو
دوا کیا گر نہ ہو بیمار اگر نہ نگاہ ہو
جنوں تھا تو بہار آئی تو دامن تار تار ہوا
جنوں ہو جب سراپا بیقراری کا سماں ہو
گلا اپنا ہے منہ پر تیرے خنجر کا ہو
جو ہو شہادت کیوں نہ تیغ خونخوار کا ہو
ہمیں ان بلاؤں سے کیا ہمارا کوئی ہو
رگ گردن پر بھی خنجر قاتل کا ہو
فروغ افزائی داغ دل ہو سوز اگر ہو
خیال یار میں ہے کاش کہ ہو
نہ کیجے الحذا ہی سے محرا نور دی ہو

سنہی ہے تیرے لبوں پر کہ کچھ کہا ہو
ہو ہر بات تیری مہر تسلی گاہ عرفاں ہو
گلے آ جا کہ اب فاصلہ ہم دونوں کا
مری صبح وطن ہو شام غربت شام غربت ہو
کہاں یاد خوش خوبی یہ پہنچے
کہ ہو صبح قیامت بھی شب ہجراں ہو
وہی صید مذبوح نگاہ چشم فتاں ہو
اسی کی دو میں قسمت احسن کی
کہ ہو مری گردن پر بار احساں اس کا
عجب کیا گر کہے کوئی کہ ہو جاں فشاں ہو
جو ہو عشق کے بعد عشق کی ابتدا کہاں ہو
بنا یا ہے حلم بردار دل نے محو کرنے
حجاب ناز میں گل ہو فسانہ وہ بیگانہ
خلش خار میں گل ہو فسانہ وہ بیگانہ
خموشی ہے خطا کس کے قانون پر
کہ ہو تسلیم ما الانصاف ہو

شاکر - مولوی شاکر علی صاحب

اشکِ غم

سوگوار اختر

چون مسکن آن مطلع انوار خدا ست — نور ست عیاں از در و دیوار مدینہ
یک نفحہ عنبر بدہ ما غم بر سان زود — اے باد صبا زاں گل بیخار مدینہ
اے شیخ ترا جنت فردوس مبارک — باشم من شوریدہ و گلزار مدینہ
از بہر خریداری رحمت ملک آیند — پا ساختہ از سر سوے بازار مدینہ
اے ساقی کوثر ز فیوض تو بخواہد — ایں تشنہ دہن شربت دیدار مدینہ
از عرش بہر شام و سحر بہر زیارت — افواج ملائک شدہ حضار مدینہ
عمریست کہ ہستم دل و جاں جامن شیدا — جوئندہ و مشتاق و طلبگار مدینہ
باشد چہ فلک عرش برین نیست ساویش — اے اصل علی رفعت و انوار مدینہ
ہر خاک نشیں تخت نشیں است در آنجا — چتر است بہ سر سایہ اشجار مدینہ

قطع

از لطف عمیم شہ لولاک عجب نیست
بر سی گر تو بہ دربار مدینہ

عاشق

نعت محبوب خدا

ہوا جب طرف نعرہ بلند اللہ اکبر کا
جہاں پر آشکارا ہو گیا رتبہ پیمبر کا

کوئی سلطان ابراہیم ادہم کا جگر دیکھے
نہیں شاہی کا خواہاں جو گدا ہے آپکے در کا

تھی اک خلق خدا گمرہ نہ تھی توحید سے آگہ
دکھایا دین کا رستہ یہ احساں ہے پیمبر کا

عجب تھا خلق حضرت کا عجب لب کی ادا بھی تھی
بنے وہ موم جو کہتے تھے دل سینہ میں پتھر کا

جو محبوب خدا بھی ہیں شفیع عاصیاں بھی ہیں
وہی اپنے نبی ہیں خوف پھر کیا ہم کو محشر کا

خدا کا نور جس میں وہ اہل اللہ کا دل ہے
نہ ایسا جام تھا جم کا نہ آئینہ سکندر کا

دل بے مدعا دیتا ہے تیری دین کے قرباں
گدا کو تیرے در کے بے طلب ہے لال و گوہر کا

پشیماں سے دل حاضر ہیں داغ معصیت اپنے
الٰہی کیوں نہ احساں مانوں دیدۂ تر کا

بجز اس کے نہیں مخلوق میں کوئی بھی حضرت سے
خدا کے بعد ہے بس رتبہ عالی پیمبر کا

سید غلام مصطفےٰ دہلوی

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

بھوکا

کھانا طلب کرتا ہے۔ اور اُس کو کھا کر اپنی اشتہا پوری کرتا ہے۔ پیاسا پانی ڈھونڈتا ہے، اور پانی پیکر اپنا دِل ٹھنڈا کرتا ہے اِس طلب میں کوئی اس کو ملامت نہیں کرتا۔ سُنتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ کان سنتے ہیں۔ مگر کوئی نہیں پوچھتا۔ ایسا کیوں کرتے ہو؟

اِسی طرح ہر دل میں خدا کی جستجو ہے۔ ہر دماغ میں اس کی تلاش ہے۔ یہ کیوں؟ یہ انسان کی فطرت ہے۔

اِس پیاس کے بجھانے کو ایمان کا آبِ حیات دیکر خدا نے پیغمبر بھیجے۔ خدا تو ایک ہے الآن کما کان ہے۔ اس کے متعلق جو کہیگا ایک ہی بات کہیگا۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر وما کنا معذبین حتی نبعث فیھم رسولا

پیغمبروں کے زمانے سے بعد ہوتا گیا، تو عقلی تفسیرات اور غیر معصوم الہامات کی وجہ سے پیغمبروں کی تعلیم مسخ ہوتی گئی۔ بزرگانِ مذہب کو خدا ماننے لگے۔ گھر گھر جدا جدا خدا پُجنے لگا۔

مذہب جو روح کی راحت، اور دِل کے اطمینان کے لئے تھا۔ وہی بگڑ کر باعثِ زحمت، اور موجبِ نقمان ہوتا گیا۔ الٰہی سلسلہ میں شامل ہونے کے عوض لوگ جنگ و جدل میں داخل ہو گئے۔

زمانہ کے رفع کا ورق اُلٹا گیا۔ مقتداؤں کی تصویریں بدلتی گئیں۔ آخر طفلی عالم علما اول، وجود آخر۔ صندوقِ قدرت کی مکمل تصویر رکھنے میں پہلے نکالنے میں بعد فضائے ہستی میں نمودار ہوئی گئی۔ کون؟ وہ جو الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا سے مخاطب تھا۔ اس کی سراپا اعجاز کتاب قائم۔ اس کا نیز دستور دین دائم۔ اس نے عالم کو سکھایا۔ کسی قوت کو ضائع مت کرو۔ تمام قوتیں اعتدال قائم رکھو۔ ہر شے کے اقتضاء کو دیکھو۔ اور مستحق کو اسکا حق ادا کرو۔ دنیا میں کوئی شے بیکار نہیں۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا ہر شے سے استعمال سے فائدہ اٹھاؤ۔ خاندان کی نخوت۔ نسل کی عصبیت چھوڑ دو۔ الٰہی رشتہ جوڑ دو واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ اس نے کبھی دعوے خدائی نہیں کیا۔ بندگی میں شادوں نہ لگنے

میں دھاں ۔ وہ دنیا کو بتاتا ہے ۔ انانیت میں خواری ہے ۔ فرعونیت میں زیان کاری ہے ۔ اپنی ہستی مٹاؤ ۔ اور خدا کی بندگی کا لطف اٹھاؤ ۔

قرب و معیت میں اپنی بندگی کو نہ بھولنا ۔ اس کا شیوہ ہے ۔ مستی محبت میں ہوشیار رہنا ۔ بیخودی میں خوددار رہنا اس کا خاصہ ہے ۔ لا فیھا غول ولا ھم عنھا ینزفون ۔

وہ تمام کتب سماویہ کی تصدیق کرتا ہے ۔ اور تمام کتب سماویہ اس کی تصدیق کرتے ہیں ۔ وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم ولا تکونوا اول کافر بہ ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا وایای فاتقون ۔

اسلام کے کلمۂ طیبہ کے دو جز ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں ہر ایک جزو کی سند میں مذہبی کتابوں سے شہادتیں دکھاؤنگا ۔ اور بھولی بسری باتیں یاد دلاؤنگا ۔

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا ایاہ ولا نشرک بہ شیئا ۔

اے اہل کتاب آؤ ایک سیدھی بات کی طرف ہمارے تمہارے درمیان کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس سے شرک نہ کریں ۔

لا الہ الا اللہ

ہندو مذہب

صرف ایک بقیہ دوسرے کے

چاند و گیا اپانی شت ۱۰۲۰۶

اس وقت نہ کوئی موجود تھا نہ معدوم ۔ وہ بالذات ہی تھا ۔ اسکے سوا کچھ نہ تھا ۔

رگوید ۱۰

وہ نظر نہیں آتا مگر سب کو دیکھتا ہے ۔ اس کی آواز سنائی نہیں دیتی اور وہ سب کچھ سنتا ہے اس کو کوئی خیال نہیں کر سکتا ۔ اور وہ سب کو خیال کرتا ہے ۔ اس کا کسی کو علم نہیں ۔ سب کا اسکو علم ہے ۔ وہی بصیر ہے ۔ وہی سمیع ہے ۔ وہی خبیر ہے ۔ وہی علیم ہے ۔ وہ بالذات ہے ۔ وہ باطنی حاکم ہے ۔ وہ باقی ہے ۔ اس کا غیر فانی ہے ۔

بڑھ ڈانی لا ۔ ابانی شت

جب تاریکی نہ تھی ۔ جب نہ دن تھا نہ رات ۔ نہ کوئی موجود تھا ۔ نہ معدوم ۔ اس وقت غیر محض تنہا ۔ اور وہ بھی تنہا ۔ اسے کوئی ادراک نہیں کر سکتا ۔ نہ عالم علوی میں ۔ نہ سفلی میں نہ ان دونوں

کے درمیان۔ اس کے لئے جلال وعظمت ہے۔ جس کا نام غیر محدود ہے۔ اور اس کا کوئی شبیہ نہیں۔ نہ نظر میں اس کی صورت قائم ہوتی ہے۔ نہ کوئی اُس کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ جو کچھ جانتے ہیں کہ وہ نفوس میں موجود ہے محبت وعقل کے ذریعے سے۔ وہ بھی باقی ہو جاتے ہیں۔

شوی تاش وتارا اپانی شت۔

ظاہر۔ قریب۔ دل میں یقیناً رہنے والا مقصد اعظم ہے۔ اسی پر قایم ہیں۔ تمام حرکت کرنے والے سانس لینے والے، آنکھیں بند کرنے والے۔ وہی محبت کے لائق ہے۔ جو مخلوقات کے ادراک سے باہر ہے وہ نور ہے۔ حکمت والوں سے زیادہ حکمت والا جس پر عوالم قائم ہیں اور جو عوالم میں ہیں۔

من دوکا اپانی شت

مجوسی مذہب

اہور امزدا کے لئے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ میں عظمت کا راگ گاتا ہوں۔

یس نا - ۲۸ - ۶۔

وہ ازلی ابدی ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ ضد۔ نہ شبیہ۔ نہ باپ۔ نہ ماں۔ نہ بیوی نہ بچہ۔ نہ مکان۔ نہ وضع۔ نہ جسم۔ نہ کوئی مواد۔ نہ رنگ۔ نہ بُو۔

وہ حی ہے۔ حکیم ہے۔ قوی ہے۔ خود مختار ہے۔ حق وعدل ہے۔ اس کا علم محیط ہے۔ اُس کو جو سنا گیا۔ یا دیکھا گیا۔ یا موجود ہوا۔

تمام موجودات اس کو معلوم ہیں بغیر زمانے کے اور اس سے کوئی شئے مخفی نہیں۔

دساتر - ۴ - ۸۔

یہودی مذہب

رب اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔

ڈیوٹرانمی - ۴ - ۲۵۔

سُن اے اسرائیل۔ ہمارا رب اللہ ایک ہی رب ہے۔

ایضاً

کون معبود ہے بجز اللہ کے۔

مزامیر

خدا کی آنکھیں ہر جگہ ہیں۔ نیک وبد کو دیکھتی۔ امثال - ۱۵ - ۳۔

میں اول ہوں میں آخر ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اشعیا - ۴۴ - ۶

وہ ہے۔ اللہ حی۔ قائم و دائم۔ اس کی سلطنت نابود نہیں کی جا سکتی۔ اس کی مملکت ابد میں بھی نہ ہوگی۔

دانیال ۶ - ۲۶

تو جان لیگا کہ کوئی معبود نہیں بجز میرے۔ کیونکہ میرے سوا کوئی نجات دہندہ نہیں۔

عیسائی مذہب

ہمارا تو ایک ہی خدا ہے۔ باپ۔ جس سے سب چیزیں ہیں۔ اور ہم اُسی میں ہیں۔

کارنتھی انس۔ باب ۸ - ۶

الاعلام ہے ان مقولات کا ترجمہ انی سنٹ صاحبہ کے یونیورسل ٹمٹ بک آف ریلی جس انسٹرکٹر سے کیا ہے۔ لہٰذا ان کا ممنون ہوں۔

محمد رسول اللہ

اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دونگا۔ اور اسے برومند کرونگا۔ اور اُسے بہت بڑھاؤنگا۔ اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور میں اُسے بڑی قوم بناؤں گا۔

پیدائش باب ۱۵ - ۲۰

میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا۔ وہ سب اُن سے کہے گا اور ایسا ہوگا جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہیگا نہ سنے گا۔ تو میں اس کا حساب اُس سے لوں گا۔

استثنا۔ باب ۱۸۔ آیت ۱۸ تا ۲۰

اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی۔ اور اس نے کہا کہ (کلام) خداوند سینا سے (موسیٰ) آیا۔ اور ساعیر سے (عیسیٰ) ان پر طلوع ہوا۔ فاران (مکہ) ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ (فتح مکہ کے وقت) آیا۔ اور اس کے دہنے ہاتھ ایک دین شریعت (قرآن) ان کے لئے تھی۔ (استثنا و باب ۳۳۔ درس۔ آیت ۲)

میرا حبیب سُرخ و سپید ہے۔ دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کے مانند کھڑا ہوتا ہے۔ اس کا سر ایسا ہے جیسا چوکھا سونا۔ اس کی زلفیں پیچ در پیچ ہیں اور کوے کی سی کالی ہیں۔ اُس کی آنکھیں ان کبوتروں کے مانند ہیں۔ جو لبِ دریا دودھ میں نہا کے کمنت سے بیٹھے ہیں۔ اُس کے رخسارے پھولوں کے چمن اور بلسان کی اُبھری ہوئی کیاری کی مانند ہیں۔ اس کے لب سوسن ہیں جن سے بہتا مُر ٹپکتا ہے۔ اُس کے ہاتھ ایسے ہیں جیسے سونے کی کڑیاں جن میں ترسیس کے جواہر جڑے گئے۔ اُسکا پیٹ ہاتھی دانت کا سا کام ہے جس پر نیلم کے سے گل بنے ہوئے ہیں۔ اُس کے پیر ایسے ہیں جیسے سنگِ مرمر کے ستون جو سونے کے پایوں پر کھڑے کئے جائیں۔ اُس کی قامت کوہ لبنان کی سی (بلند) و ۃ جوان رشک سرو ہے۔ اُس کا کلام شیریں ہے وہ سراپا مرغوب (ستودہ) ہے۔ اے یروشلیم کی بیٹیو! یہ میرا حبیب ہے۔ یہ میرا خلیل ہے۔

غزل الغزلات باب ۵۔ آیت ۱۰ تا ۱۶۔

خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہِ فاران (مکہ) سے آیا۔ سلاہ۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔ اُس کی جگمگاہٹ نور کے مانند تھی۔ اُس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔

حبقوق۔ باب ۳۔ ورس ۳ تا ۵۔

رب الافواج فرماتا ہے۔ کہ ہنوز ایک مرتبہ اور تھوڑی سی مدت بعد میں آسمان زمین اور تری خشکی کو ہلا دونگا۔ بلکہ میں ساری قوموں کو ہلا دوں گا۔ اور ساری قوموں کا حدث (احمد) آئے گا۔ اور میں اس گھر کو جلال سے بھر دوں گا۔

حجی۔ باب ۲۔ ورس ۶۔ ۷

اور میں باپ سے درخواست کروں گا۔ تو وہ تمہیں احمد (فارقلیط) دیگا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے (خاتم الرسل)

یوحنا۔ باب ۱۴۔ ورس ۱۱۔

میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہکر تم سے کہیں، لیکن احمد (فارقلیط) جس کو باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمہیں سب باتیں سکھائیگا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، وہ سب تمہیں یاد دلائے گا میں تمہیں اطمینان دے جاتا ہوں۔

یوحنا۔ ورس ۲۵ تا ۲۰۔

اطلاع ان پشین گوئیوں کی تحقیق خطباتِ احمدیہ۔ پیارے نبیؐ کے پیارے حالات میں دیکھو۔

کوہِ کیلاس پر مہادیو جی۔ پارتی جی سے کہتے ہیں۔

چھ ہزار سال کے بعد مندر (مکہ) کے ملک میں کہ دریا کے درمیان (جزیرہ نمائے عرب میں) وہ زمین واقع ہے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں پیدا کریگا۔ وہ زمین لائق بش کے (بیت اللہ) ہوگی۔ جس عورت کے پیٹ سے پیدا ہوگا اس کا نام سانک رکھیا (آمنہ) ہوگا۔ وہ مخلوق سے نہیں ڈریگا اور نہایت شجاعت اور عمدہ فان والا ہوگا۔ اور اس کا نام محامت ہوگا۔

اتر کھنڈ مصنفہ شپت جی

آئندہ زمانے میں محامت پیدا ہونگے ان کے سر پر بدلی سایہ کریگی اور انکے جسم کا سایہ نہ ہوگا اور کبھی جسم پر نہ بیٹھے گی۔

بھوتک اوتر پران بیاس جی

راج سینت بہو پریت دکھائے — آپن مت سب کا سمجھائے
مستگم اگم موئے تیج اوپارا — پتی ابا اونت مجھارا
تب لگ سندرم مچھے کوئے — بنا محامت پار نہ ہوے

رامائن۔ بالکنڈ مصنفہ تلسی جی

ان پشین گوئیوں کی مزید تحقیق۔ بشارت احمدیہ۔ تصدیق الہنود۔ کشف الاستار سے ہوسکتی ہے۔

اطلاع۔ اس مضمون میں رسالہ واعظ سے بڑی مدد ملی۔ لہٰذا مدیر صاحب کا شکریہ۔

شے ہیبت و عز و شانِ محمد — کہ روح الامین پاسبانِ محمد
چہ جود و سخاوت چہ لطف و عنایت — کہ عالم ہمہ میہمانِ محمد
نہ ذکر قیامت نہ فکر معیشت — خوشا حال دار فغانِ محمد
دلِ مضطرب مضطرب تر بنالد — خدایا ز سوزِ نہانِ محمد
نہ باشد چرا لطف قند مکرر — کلامِ خدا و زبانِ محمد
گر حسرتی سوختہ دل نباشد — بشب می شنیدم فغانِ محمد

محمد عبدالقدیر صدیقی پروفیسر عثمانیہ کالج

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

ہم نے زمین و آسمانوں پر اپنی امانت پیش کی (کہ اسکے اٹھانے کی کس میں ہمت ہے) سب نے ڈر کر اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور جاہل ظالم انسان نے اس کو قبول کر لیا۔ اس بات کو بخانا کہ کس کی امانت ہے۔ اور کیا چیز ہے۔ اور یہ نہ سمجھا کہ حامل امانت الٰہی ہونے کے بعد تمام شیاطین و اجنہ و ملائکہ دشمن اور مخالف ہو جائیں گے تو کن مصیبتوں کا سامنا ہوگا۔ خواہ مخواہ ناتوان و ضعیف انسان نے خود کو ان آفتوں میں ڈالکر اپنے آپ پر ظلم کیا۔ ۱۲

وہ خدا کی امانت کیا چیز ہے؟ اسکو بعض عشق کہتے ہیں اور بعض تکلیف شرع۔ مختلف آدمی مختلف خیال ظاہر کرتے ہیں۔

خدا تعالےٰ فرماتا ہے كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ۔ میں چھپا خزانہ تھا اس اس امر کو محبوب سمجھا کہ میرا جاننے والا بھی ہو۔ عارف کی محبت پیدا ہوتے ہی مقام واحدیت سے ایک نور آموجود ہوا۔ اور ہزار ہا سال باری تعالیٰ سبحانہ کے آگے تسبیح تحمید قیام رکوع و سجود میں مشغول رہا پھر مشیت ہوئی کہ اور مخلوق پیدا ہو تا میرا اور اس نور کا عرفان حاصل کرے اور عارف نوری ہو غیر عارف ناری لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اس نور مبارک سے آسمان، زمین، ملائکہ جن انس، جنت و دوزخ، اور تمام مخلوق کا ظہور ہوا اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنْ نُوْرِيْ تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں تیار فرمادیا اور پھر ارشاد فرماتا ہے اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۵ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ ملائک خوش ہیں کہ ہم نوری ہیں اور پیدا ہونے والا بشر خاکی ہوگا۔ پھر حق سبحانہ تعالےٰ نے آدم کی مٹی کو چالیس روز خمیر وَاَخَمَّرْتُ طِيْنَةَ اٰدَمَ بِيَدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا۔ اللہ اکبر آدم کی بھی کیا شان ہے کہ ساری دنیا چھ دن میں بنی اور چالیس روز میں آدم کا خمیر اٹھا اور خاص بید قدرت سے اور احسن تقویم میں کالبد انسانی تیار ہوا اور روح نور

پاک جو باعث ایجاد خلق ہوا قلب آدم میں پوشیدہ بطور امانت رکھدیا گیا۔ ابھی قالب آدم زمین پر پڑا ہوا ہی ہے کہ تمام ملائک اور معلم الملکوت اسکے دیکھنے کو آئے اور معلم الملکوت بدنِ آدم کے اطراف گھومنے لگا کہ کہیں اندر جانے کا راستہ ملجائے تو گھس جائے۔ منہ کھلا ہوا جو دیکھا تو گھس گیا اور سارے بدن میں چکر لگا کر باہر نکل آیا۔ اور ملائکہ سے کہنے لگا کہ اس خاکی پُتلے میں غصہ ہے، حسد ہے، کینہ ہے، شہوت ہے طرح طرح کے فاسد مادے جمع ہیں۔ لیکن قلب میں خدا جانے کیا ہے۔ اسکے حوالی میں تک گذر نہ ہوسکا وہاں سخت انتظام ہے۔ پھر کہنے لگا کہ غالباً یہ ہمیشہ تابع کردیا جائیگا۔ اگر میں اس کا تابع کردیا گیا تو خدائے تعالیٰ کی عزت وجلال کی قسم۔ میں کبھی اس کی اطاعت نہ کرونگا۔ اور جب پوری طرح بنانے کے بعد کالبدِ آدم میں رُوح پھونکی گئی اور تمام ملائکہ کو سجدہ کرنے کا فرمان صادر ہُوا۔ حکم کے ساتھ ہی تمام ملائکہ سجدے میں گرگئے۔ سوا ابلیس کے کہ وہ اپنے غرور میں اکڑا کھڑا تھا۔ سجدہ نہ کیا۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ارشاد باری تعالیٰ غرامہ ہُوا کہ جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہو۔ اسکو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے رُوکا۔ تو نے تکبر کیا یا تو ہی بڑا رتبہ والا ہے۔ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ اس نادان ابلیس نے قالب آدم پر نگاہ کی اور تعلیم آدم کا خیال نہ کیا کہ اس میں کیا چیز ودیعت رکھی گئی اور کس نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا اور کس نے سجدے کا حکم فرمایا۔ اس جہالت میں کہدیا میں ان سے بہتر ہوں۔ کیونکہ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو کیچڑ سے قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ فرمان خداوندی کی تعمیل نہ کرنے اور نورِ مبارک کی جانب سر نہ جھکانے زمین پر نہ رکھنے کی وجہ سے مردود کردیا گیا۔ وہ نورِ مبارک کا صلب آدم سے منتقل ہوتے ہوئے نوح کے صلب میں آیا۔ پھر ہوتے ہوئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے صلب مبارک میں آیا یہاں نور اور نار کا مقابلہ ہوا۔ اور نورِ نار کو گلزار بنا دیا۔ پھر اصلاب طاہرہ سے ارحام زکیہ فاخرہ میں منتقل ہوتا ہُوا عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم کے صلب میں آگیا جس کے انوار پیشانی سے نمایاں ہونے لگے۔ یہ دیکھ دیکھ ہر ایک عورت بیبی عبداللہ کی دیوانی ہوگئی سب کا یہی مقصد تھا کہ اس نورِ مبارک کے حاملہ ہونے کا شرف حاصل ہو۔ یہ شرف اور یہ عزت تو حضرت آمنہ ؓ کی تقدیر میں لکھا تھا۔ بعد نکاح شب جمعہ صلب حضرت عبداللہ سے نورِ مبارک بطن مطہر آمنہ میں منتقل ہُوا۔ اس وقت عالم ارواح میں ایک دھوم تھی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتا تھا

سید الانبیاء کے ظہور کی خوشخبری سناتا تھا۔ سیدہ آمنہ کے خواب میں اول ماہ میں سیدنا آدم صفی اللہ اور ماہ دوم میں ادریس نبی اللہ ماہ سوم میں نوح نبی اللہ ماہ چہارم میں ابراہیم خلیل اللہ ماہ پنجم میں اسمٰعیل ذبیح اللہ ماہ ششم میں موسیٰ کلیم اللہ ماہ ہفتم میں داؤد رسول اللہ ماہ ہشتم میں سلیمان ولی اللہ ماہ نہم میں عیسیٰ روح اللہ تشریف لاتے اور حبیب اللہ کے تولد ہونے۔ اور دنیا میں خیر الانبیاء اور سید الاصفیا ہو کر ظہور فرمانے کی مبارکباد دیتے تھے۔ اور ہر ایک نبی سید الانبیاء کے فضائل بیان کر کے تاکید فرماتے کہ آمنہ جب ہدایت کے چراغ مدینہ کے چاند تولد فرمائیں تو صاحبزادے کا نام مبارک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا۔

جب نو مہینے ہو چکتے ہیں اور شب دوشنبہ میلاد کی رات آتی ہے تو تمام عالم منور ہو جاتا ہے پرندے اپنے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں۔ ہر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ آج سید المرسلین کا ظہور ہے۔ کوئی خوش خبری سناتا ہے شفیع المذنبین آج دنیا میں ظہور فرمائیں گے کوئی کہتا ہے کہ آج رحمۃ للعالمین کے ظہور سے عالم منور ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ آج صاحب لولاک تشریف فرما ہوگا۔ آج صاحب قاب قوسین او ادنیٰ کا ظہور ہوگا آج اللہ کی امانت بشکل انسان کامل و مکمل بنام محمد و احمد ظاہر ہوگی (صلی اللہ علیہ وسلم) سیدتی آمنہ ملاحظہ فرماتی ہیں کہ پرندوں میں یہ دھوم ہے۔ اور ملائکہ صف بستہ حبیب اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیج رہے ہیں۔ رضوان (داروغۂ جنت) کو جنت آراستہ کرنے کا حکم ہو رہا ہے اور مالک (داروغۂ دوزخ) جہنم کے دروازے بند کرنے کا فرمان ہے۔ خانہ کعبہ پر ایک علم سبز مغرب میں ایک شرق میں ایک جنوب و شمال میں ایک ایک علم سبز نصب کیا جا رہا ہے تمام عالم میں ایک عجیب مسرت کی لہر دوڑ رہی ہے اور ایک عجیب سنسنی پھیل رہی ہے سبحان اللہ ماشاء اللہ۔ سیدتی آمنہ کے گھر میں خدمت کے لئے حوریں اور بی بی آسیہ و بی بی مریم کمربستہ حاضر ہیں۔ سارا گھر منور ہو گیا ہے۔ ایک نورانی پرندہ سیدتی آمنہ کے شکم مبارک پر پہونچ جاتا ہے۔ اظہر یا رسول اللہ۔ اظہر یا نبی اللہ۔ اظہر یا حبیب اللہ ساتھ ہی اللہ کا نور بشکل انسانی ظہور کرتا ہے اور ہم عاصیوں کی شفاعت کا ذریعہ بنتا ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ ؎

شئے مست کہ الجنس الی الجنس یمیل بہر دل بردن من صورت انسان واری

اللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ بِجَاہِ ھٰذَا النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی وَاٰلِہٖ اَھْلِ الصِّدْقِ وَالْوَفَا اَنْ لَّا مُعِیْنًا وَّمُسْعِفًا وَّنُوْعًا مِّنَ الْجَنَّۃِ عُرَفًا وَّاَرْزُقَنَا بِجَاھِہٖ عِنْدَکَ شَفُوْلًا وَّعِزًّا وَّشَرَفًا۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ الْمُخْتَارِ وَاٰلِہِ الْاَطْھَارِ وَاَصْحَابِہِ الْاَخْیَارِ اَنْ تَغْفِرَ عَنَّا الذُّنُوْبَ وَالْاَوْزَارَ وَاَحْرِسَنَا مِنْ جَمِیْعِ الْمَخَاوِفِ وَالْاَخْطَارِ وَاجْمَعْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ فِیْ دَارِ الْقَرَارِ۔ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

محمد عبد المقتدر صدیقی فضل

رکھو مرے پیار مجھے اپنے ہمراہ گر پاس ہو تم مجھے کس کی پروا
بے یار کے رہنا بھی کوئی جینا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

مانا ہے مرا نامۂ اعمال سیاہ اسکی رحمت ہے اس سے بڑھکر واللہ
قطرہ بھی سمندر سے کہیں بڑھتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

محمد عبد المقتدر صدیقی فضل

نقش است بدل ولائے امی لقبی جانم شدہ تبلائے امی لقبی
جز امتی امتی وراذکر نبود امی و ابی فدائے امی لقبی

سید احمد حسین امجد

دیدارِ یار آٹھ پہر اپنا کام ہے
نعتِ حبیبِ پاک ہمارا کلام ہے

ہم جن کو چاہتے تھے وہ دنیا چل بسے
دنیائے دوں تجھے بھی ہمارا سلام ہے

اٹھو رہو گے خواب میں غفلت کے کب تلک
اپنے خدا کے سامنے اک دن قیام ہے

دیر و حرم میں کیا ہے کہو شیخ و برہمن
اپنے ہی دل میں دیکھئے بیت الحرام ہے

جس نے شرابِ عالمِ دنیا کیا ہے نوش
اسپر شرابِ عالمِ عقبےٰ حرام ہے

آمد ہے میرے دل میں رسولِ کریم کی
ساقی پلائے جب نبی کا جو جام ہے

محشر بپا ہے حور و ملائک ہیں کہ کھڑے
پیغمبروں میں ایک طرف اژدحام ہے

رضوان دست بستہ ہے کر و بیاں ہیں مست
اور عاشقوں کی ایک طرف دھوم دھام ہے

آراستہ ہے خلد جہنم ہے آج سرد
آتا ہے کون آج یہ کیا انتظام ہے

کس کی امید میں ہیں کھڑے سب گناہ گار
عرشِ بریں کے پاس یہ کس کا مقام ہے

وہ آئے کون فخرِ رسل سیدِ عرب
ہر ہر ادا پہ جن کی فدا روم و شام ہے

مقبول سب ہے سید کونین ہے وہی
محبوبِ حق ہے اور شفیع الانام ہے

یوسف بھی جنکے سامنے ہوں منفعل کھڑے
بقدر جنکے سامنے ماہ تمام ہے

تشریف لاؤ بہرِ خدا وقت نزع میں
نکلے گا میرا کام تمہارا ہی نام ہے

کیسے ملوں نبی سے خدایا حشر میں
میں ہوں گناہ گار وہ عالی مقام ہے

بجلی کیطرح جائیں گے ہم پل صراط سے
شکرِ خدا کہ غوث ہمارا امام ہے

فضلِ رسول مجھ کو مجسم بنا خدا
جس طرح میرا عالمِ دنیا میں نام ہے

محمد عبد المقتدر صدیقی فضل

رشکِ فردوس ہے بے شبہ دیارِ یثرب
ہے نہیں جسکو خزاں وہ ہے بہارِ یثرب

سُرمۂ دیدۂ گریاں میں بناؤں گا اُسے
ہاتھ آجائے اگر مجھ کو غبارِ یثرب

جو ہیں محبوبِ خدا اُن کا یہیں ہے مسکن
زہے اعزاز و خوشے عز و وقارِ یثرب

کون ہم پایہ ہے میدانِ شرف میں اسکا
ہے شجاعِ قرشی شاہسوارِ یثرب

حق کے محبوب کا مسکن ہو کیونکر محبوب
جان ہے میری فدا دل ہے نثارِ یثرب

اس کا خالق ہے محب اُسکی زلیخا تحسیں
ماہِ کنعاں سے بھی بڑھکر ہے نگارِ یثرب

قابلِ دید ہے یہ داغِ محبت کی بہار
باغ یہ سینے میں ہے سینہ فگارِ یثرب

یاں کی ایذا میں بھی ہے درد محبت کا مزہ
پھول کیا ہوں گے جو ہوں پھول سے خارِ یثرب

سینہ صافی سے جو ہو نورِ بصیرت حاصل
بقعۂ نور نظر آئیں منارِ یثرب

ہے عجب عشرتِ تسکین دل و فرحتِ روح
زمزمہ سنجیٔ طوطی و ھزارِ یثرب

غیرتِ طرۂ لیلیٰ شبِ یلدا اس کی
رونقِ شمس و قمر لیل و نہارِ یثرب

دلِ پژمردہ کا احوال سناؤں گا اُسے
اس طرف آئے اگر بادِ بہارِ یثرب

راحتِ اس دارِ محن میں ہے کسے اے فیاضؔ
امن ملجائے جو مسکن ہو دیارِ یثرب

ابوالفیض فیاضؔ حسین آبادی

ثبوت خاتم النبیین

اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ وَنَتَوَسَّلُ بِرَسُوْلِکَ ھُوَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفُ الرَّحِیْمُ وَاُصَلِّیْ وَاُسَلِّمُ عَلَیْہِ اُلُوْفَ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ فَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اس کے قبل کہ نفس مسئلہ کی طرف توجہ کی جائے ضرورت اس امر کی ہے کہ مختصر طور پر تین امور پہلے سمجھ لئے جائیں تاکہ نفس مسئلہ میں کسی طرح کی پیچیدگی باقی نہ رہ جائے۔

(۱) سب سے اول یہ کہ نبوت کیا ہے (۲) ثانیاً نبوت و رسالت کی طرف بنی آدم کا احتیاج (۳) ثالثاً اُس حاجت کا بدرجۂ اتم پورا ہو جانا۔

تمہید یا مقدمہ متعلق نبوت

مسئلۂ نبوت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے پہلے اس مقدمہ کو سمجھئے کہ سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی بالاتفاق بنی آدم ہے لیکن جب یہ عدم سے وجود میں آتا ہے تو ہر طرح کے وہ سامان و لوازم جو حیات کے لئے یا اپنے ماسوا سے بہرہ مند ہونے کے لئے اسے چاہئیں اُن میں سے ایک بھی اُسکے پاس نہیں ہوتا۔ ہر شے کے حصول کے لئے اُسے ایک زمانہ اور مدت معینہ درکار ہے پھر یہ کہ قدم قدم پر ایک معلّم کی تعلیم بھی اس کی دستگیر ہو۔ انسان میں پانچ حواس ودیعت کئے گئے ہیں جن کا اس عالم کون و فساد میں کام آہستہ آہستہ کے بعد دیگرے عمل شروع ہوتا ہے۔ جب یہ حواس اپنا عمل شروع کر دیتے ہیں تو جانچ ترقی و قوت میں کمال پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اور جب انسان کی عمر تقریباً سات برس کی ہوتی ہے تو اس میں ایک اور قوت خاصہ پیدا ہوتا ہے جسے تمیز کہتے ہیں۔ اب حواس خمسہ اور تمیز ملکر اپنا کام کرنا شروع کرتے ہیں اور کچھ دنوں بعد ان سب سے ایک زبردست قوت کا ظہور ہوتا ہے جسے عقل کہتے ہیں۔ بائیس برس کی عمر میں حواس خمسہ تمیز اور عقل سب اپنے مرتبۂ کمال پر پہونچ جاتے ہیں لیکن اگر معلّم کی تعلیم و دستگیری نہ کرے تو یہ ساری قوتیں اپنے اُس اعلیٰ منصب کے حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں جس اعلیٰ منصب کے لیئے کارخانۂ نوع انسان میں آکر حق تعالیٰ نے خرد بین۔ دوربین۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف۔ موٹر۔ ریل۔ جہاز کے اقسام جنگوں و قلعہ کے انواع۔ اسلحۂ جنگ کے

اصناف۔ ان سب پر اگر ایک دقیق نظر ڈالی جائے تو عیاناً یہ امر روشن ہو جائیگا کہ یہ سب کی سب حواس کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ انسان نے اپنی اُس بے مایگی وضعف کو تعلیم کی وساطت سے اس طرح نہ صرف پورا کیا بلکہ مشاعر وحواس کو وہ رتبہ عطا کیا جو انہیں انسان اشرف المخلوقات کے پاس آکر ملنا تھا۔ یہی حال تمدن و معاشرتی زندگی کا ہے تاکل ومشارب میں تنوعات۔ ملابس ومساکن میں بوقلمونی یہ بھی اپنی اُسی کمی کا تکملہ ہے جو تعلیم کے ہاتھوں سے کیا گیا ہے۔

جہاں کہیں سحاب تعلیم کی فیض رساں بارش نہیں ہوئی وہاں انہیں مشاعر وحواس کو دیکھئے کہ کس حالت میں ہیں ظاہری شکل وصورت میں کوئی فرق نہیں کہیں آثار وعمل کے اعتبار سے پژمردہ وافسردہ بلکہ مردہ نہ رہتے کے لئے مکان۔ نہ کھانے کے لئے اجناس واقسام۔ نہ ستر پوشی کے لئے لباس۔ نہ محافظت کے سامان۔ نہ اندفاع کے آلات۔ یہ تفاوت صرف تعلیم وتوائے دماغی کی تربیت کا ہے۔ جہاں کہیں تعلیم کی آبیاری ہوگئی تو وہاں انسان اپنے صحیح معنوں میں انسان کہلائے جانے کا مستحق ٹھہرا اور اُس کے مشاعر وحواس انسانی مشاعر وحواس بنے لیکن جہاں تعلیم کی آبِ حیات نے سیرابی نہیں کی وہاں انسان اور حیوان میں فرقِ سہمی کے سوا کچھ نہیں پایا جاتا۔

لیکن انسان کی ترقی اس جگہ ختم نہیں ہو جاتی کہ وہ اپنے ملابس ومساکن۔ تاکل ومشارب۔ محافظت و اندفاع وغیرہ میں ایک حد تک کمال پیدا کرلے۔ اسلئے کہ سطور بالا میں یہ کہا جا چکا کہ یہ سب حواس مادی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں لیکن غایتِ انسانی صرف انہیں امور کی ترقی پر اکتفا کرنے سے ابا کرتی ہے۔ یہ جزو حیوانیت کے مقتضیات تھے جو افرادِ نوعی میں آکر بن سنور گئے۔ جزو ناطق کی پرواز ایک خاص اوج کی طرف جایا چاہتی ہے جسے مولانا رومی نے اشعار ذیل میں بیان کیا ہے ؎

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس — آں چو زر سرخ و ایں حس ہا چو مس
آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک — نقش ہا بینی بروں از آب و خاک

اگر انسان کے ان حواس کی جن کی طرف اشعار مذکورہ میں اشارہ ہے تعلیم سے تربیت نہیں کی گئی تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان حواس کے لئے تعلیم سے بے بہرہ رہنا اُسی طرح کی مصیبت عظمیٰ ہے جیسا کہ اُن حواس مذکورہ کے لئے تعلیم سے بے خبری جفا وستم تھا۔ جب تک اقتضاے جزو ناطق کا تکملہ نہ ہو اُس وقت تک انسان حقیقت میں انسانی کمال سے بالکل محروم ہے تمدن ومعاشرت قوت وشوکت میں چاہے جس قدر بھی ترقی کیوں نہ ہو جائے لیکن ہنوز وہ اصلی معنوں میں انسان کہے جانے کا مستحق نہیں۔ پس اس حصہ کے تکملہ کے لئے بھی انسان کو ایک خاص تعلیم اور ایک خاص معلم کی حاجت ہے۔

حقیقت نبوت کمال انسانیت کا یہ عظیم الشان حصہ اس طرح کمال پذیر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے

کسی ایک کو منتخب فرماتا ہے اور اسے علاوہ عام حواس کے ایک زبردست وقوی حاسّہ عطا فرماتا ہے جسکی بدولت وہ براہِ راست وحی الٰہی کے خطاب ونزول کا تحمل ہوتا ہے۔ تعلیم الٰہی کے قبول کرنے اور سمجھنے کی اُس میں استعداد ہوتی ہے۔ وحی الٰہی اور تعلیم ربّانی چونکہ اس حاسّہ کی معلم ومربی ہوتی ہے اس لئے نہ اس میں خطا کا امکان نہ شبہ کی گنجایش۔ اس قوت وحاسّہ کے سامنے تمام حواس عامہ دست طلب پھیلائے معاونت کے خواستگار رہیں۔ یہ ہر ایک شخص کے حواس خمسۂ ظاہری تمیز اور عقل کے اغلاط کو پہچاننا ہے۔ خطا کار یوں کو جانتا ہے اُن کے مواقع زلات سے آگاہ ہوتا ہے۔ جہاں یہ مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں یا تھک کر رہ جاتے ہیں تو وہ شخص جسے منجانب اللہ وہ حاسہ عطا ہوا ہے اپنی اُسی قوت کی وجہ سے انہیں مغالطات سے آگاہ کرتا ہے اور اُن کے تاریک راستوں میں ایک شمع ہدایت رکھتا ہے۔ منزل کو ان پر آسان اور مطلوب کو ان سے قریب کر دیتا ہے اس حاسّہ وقوت کا نام نبوت ورسالت ہے اور جسے یہ عطا کیا جاتا ہے اُسے نبی اور رسول کہتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ جب اُسے نبوت ورسالت عطا فرماتا ہے تو پھر وہ اُن چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو ہماری آنکھیں کسی طرح نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ وہ آوازیں سنتا ہے جن کو سننے سے ہمارے کان عاجز ہیں ایسے مضامین سمجھتا ہے جن کے تعقل سے ہماری عقول بے بہرہ ہیں وہ اعلیٰ علوم اپنی نسبت قانونی کے ذریعہ اللہ تعالےٰ سے سیکھتا ہے اور خلق کو پھر وہ باتیں بتاتا ہے اور ایسے راہ وصراط مستقیم کی دکھاتا ہے جن کے سمجھنے سے اور جس راہ کے پانے سے انسان بغیر اُس کی تعلیم وتلقین کے بجبور ودرماندہ ہے۔ اہل اگر اُس کے نور نبوت سے انسان اُسی کے بتائے ہوئے اُصول اور اُسی کے سکھائے ہوئے علوم کے بموجب اپنے اُن حواس خمسہ کو جن کا اشارہ مولانا رومی نے فرمایا ہے مستنیر بنالے تو پھر وہ اسی وسیعی انسانوں سے اُسی قدر بلند ہو جاتا ہے جس قدر بصیر نابینا سے ارفع ہے اور یہی وہ بلندی ہے جو مقتضائے انسانیت ہے اور یہی وہ کمال ہے جو انسان کو صحیح منصب انسانیت عطا کرتا ہے۔ یہ مسئلہ [illegible] کا انکار ایک منصف کر نہیں سکتا۔ لہٰذا اب ہم دوسرے پہلو سے اس بحث کو سمجھاتے ہیں۔

تعلیم نبوت اور بنی آدم کی حاجت

انسان کی طبیعت تمدن کی مقتضی ہے اور چونکہ تمدن اقتضائے طبع ہے اسلئے ہر وہ اصول جس کا تعلق تمدن سے ہو اور تمام وہ علوم جو تمدن کے بار و نق بنانے ہوں انسان بالطبع اُن کی طرف راغب ومائل ہوتا ہے۔ یہ تمدن کے اقتضائے طبعی ہونے کا نتیجہ ہے جو علم انسان کے لئے ناگزیر اور ضروری ہو گیا۔ اب یہاں پر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ متمدن زندگی ایک زبردست اور کامل دستور العمل چاہتی ہے تاکہ معاملات باہمی میں ایک دوسرے کے حقوق کی محافظت رہے۔ توازن وتعدیل سے ہر ایک کمال وفضل اور صنعت وحرفت اپنے اپنے مقام میں ترقی پذیر ہوتے رہیں۔ ایک کی صنعت وحرفت اور

کمال سے دوسرا انبیاء اس کے کہ جانبین میں سے کسی پر زیادتی ہو آپس میں متمتع ہوتے رہیں۔ انسانی بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات کو اعتدال پر قائم نہیں رکھ سکتا اور نہ عرض و معاوضہ اور انتقام میں تعین مقدار وحدود کو قائم کر سکتا۔ اور سچ تو یوں ہے کہ جذبات پر قدرت قائل کرنا اور نہیں افراط و تفریط سے بچانا کٹھن نہایت ہی دشوار ہے۔ انسان کا اس حال میں ہمیشہ نفس کا اس پر سخت حملہ ہوتا ہے عدل و انصاف پر قائم رہنا ابنیاء ہی سے ہو سکتا ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں جبکہ اسے یہ معلوم ہو کہ واقعہ کی نگاہ اسے دیکھ رہی ہے اور عرض لینے والا یا تو اس کے جبروت و قدرت تک پہونچنے سے کوتاہ ہے یا ایسی صورت میں مسلمہ جماعت کو اپنے جادۂ اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے ایک کامل و جمیع اصول کا دستور العمل چاہئے لیکن دستور العمل سے استثناء و استعفاضہ کی وقت پوری طرح قائل کیا جا سکتا ہے جبکہ ایک ایسی ذات بھی موجود ہو جو اپنی عملی زندگی سے ہر ضابطہ و قانون کی تفسیر کر دے جس سے ہر شخص دستور العمل کا قابل العمل ہونا معلوم ہو اور اس کا عمل کی جو اس دستور العمل کا نمونہ دار ہے پاکیزہ وصاف و ستھری زندگی ایک ادنیٰ سی لغزش سے بھی مبرا ہو۔

دستور العمل کی صفت اور اس کا واضح

اب سوال یہ ہے کہ وہ دستور العمل کیسا ہو۔ اور اس کا بنانے والا کون ہو ایک کامل دستور العمل میں حسب ذیل باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) تو اعد ایسے ہوں کہ جن پر عمل کرنا ممکن ہو اور اس پر عمل کا لازمی نتیجہ فلاح و بہبود ہو۔

(۲) اس دستور العمل کی واضع وہ ذات ہو جس کی نسبت تمام مخاطبین سے یکساں ہو نہ کہ اس سے کسی جماعت یا فرد کی رعایت قرابت یا ہم وطن یا ہم قوم یا اور کسی خاص علاقہ کے سبب سے کوئی بات ہو۔

(۳) واضع قانون کا علم جوائح مخاطبین پر ایسا طاری ہوا ہو کہ کسی حالت میں انہیں دوسری جانب التفات کی ضرورت باقی نہ رہے۔ رکھتا ہو ہمران خبر

(۴) بعد اشاعت دستور العمل اس کا علم عمل کرنے والوں کے حالات سے اور تعمیل کرنے والوں کے خیالات سے

(۵) اس کا دائرہ حکومت اس قدر وسیع ہو کہ جس سے نکلکر بھاگ جانا محال ہو۔

(۶) اس میں سزا و جزا کی قوت تامہ ہو۔

(۷) سہو و نسیان کو قصد و عزم سے جدا رکھ سکتا ہو۔

(۸) اطاعت و عدم اطاعت کا اثر اس کی ذات یا سلطنت پر نہ پڑتا ہو۔

(۹) کوئی دوسرا اس کا کسی امر جزئی میں بھی شریک نہ ہو۔

(۱۰) سزا و جزا کا مدار اطاعت و نافرمانی ہو اور اس میں ایسی مساوات ہو کہ ایک فقیر و شہنشاہ دونوں پر ایک ہی جرم کی ایک ہی سزا اور ایک ہی مقدار میں ہو خصوصیات شخصی کا ذرا شائبہ بھی نہ ہو۔

کیا ایسا دستور العمل بنانا امکان بشر میں ہے؟ نہیں کبھی نہیں ہرگز نہیں۔ کیا کوئی طاقت عالم مبدء عالم برزخ اور عالم معاد تک سوائے قدرت خداوندی کے چھائی ہوئی ہے؟ کیا کوئی سلطان بہ یا بدار سلطنت یا فیلسوف زماں یا متقن رمی فنون سراً و علانیۃً یہاں تک کہ افعال قلوب پر بحکم علام الغیوب کے محیط ہے؟ کیا کوئی قوت ایسی ہے جس کا مقابلہ ہر حال اور ہر وقت محال ہو؟

بس اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو میں بانگ دہل یہ کہوں گا کہ اُس جل مجدہ نے جس نے انسان کو پیدا کیا اُس میں جذبات عطا کئے اُس کی طبیعت میں تمدن کا اقتضا خلق فرمایا اُسی نے اُس کے لئے ایک کامل دستور العمل اپنے رسول کی معرفت بھیجا جس کو اصطلاح شرع میں وحی و کتاب اللہ کہتے ہیں اور وہ ذات جس پر یہ کتاب نازل ہوئی اور جس نے اپنی مقدس ذات سے اُن قوانین الٰہیہ کی پابندی کر کے تعلیم کو عملی صورت میں پیش کر کے دکھا دیا وہ نبی اور رسول ہے اب ہم اس مسئلہ کے خط و خال ایک اور مصقل و مصفی آئینہ میں دکھاتے ہیں۔

مسئلہ سیاق کی ایک دوسری تقریر

عالم میں جس قدر اشیا کہ پائی جاتی ہیں جہاں ان کا وجود ان کے موجد کی طرف رہبری کرتا ہے وہاں اس امر کا بھی سراغ لگتا ہے کہ یہ تمام اشیا کسی ایک مربی کی تربیت کے موافق اپنی حقیقت کی غایت کو پوری کر رہی ہیں کائنات کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو اپنے فاطر کے الہام سے بے بہرہ و محروم ہو ایسی کوئی ہستی نہیں جس کی خلقت اپنی ذات میں کوئی مقصد مضمر نہ رکھتی ہو اور اپنے وجود کے فرائض کما حقہٗ ادا نہ کر رہی ہو انہیں موالید ثلاثہ کو دیکھو ان میں جماد کا یہ فرض و مقصد ہے کہ ایک خاص چیز و مکان میں ثابت قدم رہ کر اپنے وجود کو اپنے سے بالا تر کے لئے راحت و حیات کا موجب بنائیں۔ پس ہر وہ شے جو مصداق جمادیت ہے اپنی اس خدمت کو انجام دینے میں ہمہ تن سرگرم پائی جاتی ہے۔ مثلاً پہاڑ اپنے سکون و وقار کے ساتھ ایک جگہ تادم جمائے ہوئے چشموں کو رواں اور معدنی اشیا کی پرورش کر رہا ہے اور کبھی اپنے اجزا سے سڑکوں اور مکانوں کے استحکام کا پشت پناہ اور اُن کے تزئین کا زیور بنتا ہے زمین فرش خدمت میں بچھی ہوئی ہے پانی سیرابی میں مصروف ہے آگ اپنی حرارت سے جلا رہی ہے گرما رہی ہے۔ اسی طرح نبات غذا حاصل کرنے اور نشو و نما میں مصروف رہ کر اپنے پھول پھل اور سبزہ تک سے نگاہوں کو خنک دماغ کو معطر کام و زبان کو لذت دے رہے ہیں۔ کہیں غذا بنتے ہیں اور کہیں دوا ہو کر درد و الم کھوتے ہیں۔ اب ایک قدم آگے بڑھاؤ حیوان لاالعقل یا بالفاظ دیگر غیر ناطق اُن کو دیکھو یا اپنی حرکت ارادی اور احساس کے فرض ہیں سراپا محو ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں راحت کی زندگی تلاش

کرتے ہیں سکونت کے لئے مکان کے جویا ہیں دوست و دشمن میں تمیز کرتے ہیں۔ غرض حس وارادہ کے جو لازمی نتائج ہیں ان سب کا صدور ان سے برابر ہو رہا ہے۔ الحاصل جماد سکون و قرار۔ نبات اغتذا اور نشو و نما اور حیوان احساس وارادہ کی منازل کے راہرو ہیں اور ان سب کا رہبر مخفی طور پر وہی الہام خاطر ہے۔ پس انسان جو سلسلۂ کائنات میں اپنا خصوصی امتیاز رکھتا ہے کیا اُس کی ذات میں کوئی مقصد مضمر نہ ہوگا کیا یہ ہے خصوصیت کا مرتبہ پاکر تعلیم الٰہی اور الہام ربانی سے بے نصیب رہیگا نہیں بلکہ اس کا الہام سب کے الہاموں سے زیادہ واضح و اعلیٰ ہوگا اور اُس کے الہام میں وہ خصوصیت خاصہ ہوگی جس کا کوئی حصہ دیگر اجناسوں کے الہام میں نہ تھا۔

اسی ذیل میں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ معتقانہ نگاہ ارتقا کی پر بہار جھلملیوں سے جس وقت چھنتی ہوی گذرتی ہے تو اسے صاف طور پر دکھائی دے جاتا ہے کہ سلسلۂ ارتقا کے ساتھ یہ تعلق بھی برابر مسلسل چلا آرہا ہے کہ ادون و اسفل جنس اپنے سے اعلیٰ کی خدمت میں سرگرم رہتی ہے اپنے وجود کو باقی رکھنا اور محتاج کا حاصل کرنا اُس کے مقصد کا ایک جز ہے اور اپنے سے بلند ہستی کے سامنے نہایت فیاضی سے اپنے آپ کو پیش کر دینا اُس کے مقصد کا دوسرا جز ہے۔

اب انسان کو کون بتائے کہ کائنات میں اُس کا کیا منصب و مقام ہے اُن کے باہمی افراد و نوع میں کیا نسبت قائم ہے اور انسان سے بلند وہ کون ہستی ہے جس کے آگے بچون وچرا اُسے اطاعت گذار ہونا چاہئے یہ وہ اہم معلومات ہیں کہ انسانی حیات کا دارومدار انہیں سے وابستہ ہے اقوام وملل کی کھلی ہی وگمراہی انہیں معلومات سے تجاہل و تغافل کا نتیجہ ہے مخلوق پرستی۔ تاکل و مشارب میں بے احتیاطی۔ معاشرت میں بیہائی۔ وحی الٰہی سے اپنے کو بے نصیب رکھنے کا ثمرہ ہے۔

پس انسان کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے الہام و وحی کی حاجت تھی اگر ان کا بید اکنندہ انہیں تعلیمات کا فیض نہ پہنچاتا تو ہزاروں برس میں بھی اس صحت کے ساتھ اپنے حقیقی مقصد کو نہ پاتے اور بفرض محال صدیوں بعد اگر انہیں معلوم بھی ہوتا تو جس قدر نسلیں دوران تجربہ میں قید حیات سے فضائے موت میں پہنچتیں وہ دنیا سے بغیر اپنا مقصد پورا کئے بے نصیب و محروم گذر جاتیں اسلئے آفرینش انسان کی ابتدا نبی ہی کی ذات سے کی گئی یعنی سب سے پہلے فرد انسان جو دنیا میں بھیجا گیا وہ نبی آدم علیہ السلام تھے۔

بعثت نبی کے مقصد کا تعین آیات قرآن کریم سے

یہاں تک دلیل عقلی اور فراست کی رہنمائی سے تقریر کی گئی لیکن اس بحث کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں

بھی یہی بتلاتی ہیں کہ بعثت نبی کا مقصد ہدایت ہے حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں اس سے پہلے کی تلاوت کیجئے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اس سے آگے چار مختلف مقامات پر بعثت رسول کے مقصد کو خود حق جل مجدہ نے نہایت روشن الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے

(۱) هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

(۲) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

(۳) كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

(۴) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ

آیات مذکورہ بالا اس باب میں نص صریح ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے فرائض چار ہیں۔ اوّلاً آیات الٰہیہ کا پڑھ کر سنانا۔ ثانیاً بندگان خدا کے قوائے روحانی اور جذبات ایمانی میں نشو ونما پیدا کرنا۔ ثالثاً انہیں کتاب سکھلانا۔ رابعاً اتباع وحی اور اطاعت الٰہی کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بتلانا۔ انہیں باتوں کو تعلیم دینے کیلئے ہر ایک نبی اپنے زمانہ میں خلق کی طرف مبعوث ہوئے لیکن اس سلسلۂ انبیائی کا ہر ایک نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا اور اپنی اُس قوم کے لئے ایک شریعت لاتا۔ کوئی معجزہ بھی اُس کے پاس ہوتا جسے اپنی اُمت وقوم کے سامنے پیش کرتا لیکن اُس نبی کی تعلیم میں علاوہ اُصول دین واُمہات مسائل مثل توحید والٰہیت نبوت ورسالت ومعاد ومحشر جن میں کبھی تغیر وتبدل نہیں ہوتا کچھ ایسی باتیں بھی شامل ہوتیں جو خصوص مقتضیات قومی اور وقتی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ چنانچہ زمانہ کے نوٹ پھیر اور چند نسلوں کے گزر جانے کے بعد اب جو دوسرا نبی آتا تو اس کی تعلیم میں بجائے گذشتہ مقتضیات کے موجودہ اقتضا کی تعلیم ہوتی۔ مثلاً موسیٰ اور عیسےٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام دونوں انبیاء مرسل اور دونوں قبیلوں کی بعثت ودعوت وتبلیغ ایک ہی قوم بنی اسرائیل کی طرف لیکن دونوں کے معجزے عیسےٰ بوجہ زمانی وحالی تقاضا وتعلیم میں موجود ہونے علیہ السلام کا معجزہ مصا کا اژدہا بننا اور ید بیضا تھا کما قال اللہ تعالیٰ (۱) فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (۲) وَنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ لیکن عیسےٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ ہوتا ہے کہ اندھا مادر زاد اچھا ہو کر بینا وبصیر ہوتا ہے کوڑھی شفا پا کر صحت یاب ہوتا ہے۔ مردہ زندہ ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ

اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ - اسی طرح قدرت کی تعلیم حمیت و غیرت کے جذبات کو بھڑکاتی ہے شجاعت و مردانگی کی طرف للکارتی ہے لیکن تمثیل عجز و نیاز تواضع و تحمل کا درس بلیغ دیتی ہے - معجزوں میں تغائر تعلیم میں تفاوت یہ سب اپنے اپنے وقت کے مقتضیات و مناسبات ہیں الغرض صرف انہیں دو مثالوں سے امور ذیل کے مستنبط کیے جاتے ہیں - (۱) ہر نبی کی اُمّت ایک قوم متعین و مشخص تھی - (۲) اُس کی تعلیم میں ایسے عناصر بھی تھے جن کی تمثیل ایک خاص زمانہ کی مقتضی تھی (۳) ہر نبی کا معجزہ اُسی اُمّت کے لئے معجزہ تھا لیکن مرور ایام کے بعد وہ ایک صحیح و سچی روایت کے ذیل میں تھا -

انہیں تین امور کی جانب اگر اعمان نظر سے کام لیا جائے تو یہ مسئلہ روشن ہو جاتا ہے کہ جس نبی کی نبوت ان قیودات و خصوصیات سے مطلق و عام ہوگی وہ نبی خاتم النبیین ہوگا - ہم دیکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے تا عیسٰے علیہ السلام کوئی نبی اس کا مدعی نہیں کہ میری شریعت تمام عالم کے لئے ہے ہمیشہ کے لئے ہے میرے بعد کوئی نبی نہ آئیگا نہ خود اُن کتب ہائے آسمانی کو اس کا دعوٰے -

قرآن کریم کا باقی اور محفوظ رہنا پہلی دلیل ختم نبوت ہے

لیکن ان تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد ایک ایسا نبی مرسل مبعوث کیا جاتا ہے جس کی ہر ایک شان کا دامن ابد کی دامن سے پیوستہ ہے صاحب وحی و کتاب ہے لیکن کتاب اس خاص فضل و رحمت کے ساتھ اسے دی جاتی ہے کہ اُس کی محافظت کا خود ہی اُس کا اُتارنے والا وعدہ فرماتا ہے - اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ دوسری جگہ اسی وعدہ کو ایک محبوب جذبہ نوازی کے الفاظ میں یوں ادا فرماتا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ - یہ ظاہر ہے کہ عطا ہبہ ان سب میں روا و روا بھی ممکن لیکن وراثت کا وارث سے لیا جانا ناممکن پس اس کتاب کا جب کہ اُمّت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو وارث قرار دیا تو یہ کھلا ہوا وعدہ ہے کہ مثل اُمم سابقہ یہ کتاب تم سے چھینی نہ جائیگی جس طرح اُن کی کتابیں محرف متغیر ہو کر کلام الٰہی کی حیثیت سے اُن کے پاس باقی نہ رہیں - اُس طرح اس کتاب کا جو تمہیں دی گئی ہے حال نہ ہوگا - پھر اسی امر کی طرف ان آیات مبارکہ میں بھی اشارہ ہے (۱) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (۲) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۳) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ - ان تمام آیات پر اگر غور کیا جائے تو یہ مسئلہ بداہتہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابقاء و حفاظت قرآن پاک کسی جدید کتاب کے نزول کو بے ضرورت ثابت کرتی ہے یہ وہ خاص وعدہ ہے کہ جو فرقان حمید کے ساتھ مخصوص ہے - انبیاء سابقین علیہم السلام کی کتابوں

کے لئے کوئی اس طرح کا شوہ نہیں سنایا گیا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ کتاب یعنی قرآن مجید جبکہ خاتم الکتاب تو اس کا مبلغ خاتم الانبیاء و خاتم الرسل ہے تعلیم الٰہی اور وحی ربانی کی جو غایت تھی وہ جب پوری ہوگئی تو پھر انبیاء علیہم السلام کیوں مبعوث ہوں۔ الحاصل قرآن کریم کا باقی و محفوظ رہنا پہلی دلیل ختم نبوت ہے۔

قرآن کریم کا عالم بنی آدم کے لئے ہدایت ہونا دوسری دلیل ختم نبوت کی ہے

قرآن کریم مثل کتب و صحف سابقہ کسی خاص قوم کے مصالح پر مقتصر نہیں بلکہ اس میں تمام عالم کے مصالح اور الی یوم القیامۃ تک کے اصلاحات موجود اس کا افادہ نہ ایک خاص زمانہ کے لئے نہ خاص قوم کیلئے نہ ایک خاص وقت کیلئے بلکہ ہر شعبۂ عام واطلاق۔ اس لئے جہاں کہیں قرآن کریم اپنی نصیحت، ہدایت اور مصلح ہونے کا ذکر کرتا ہے وہاں لفظ عالمین یا بشر یا انسان کا فرماتا ہے جس کی دلالت عموم و اطلاق پر ہے۔ (۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲) وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ (۳) وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (۴) لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ سارے عالم کی ہدایت کے لئے جو کتاب کہ اس عالم میں آئی اور جس نے سارے بنی آدم کی رہبری کا ذمہ لیا وہ ایک ہی دین کتاب قرآن مجید ہے پس قرآن کریم کی یہ دعوت عامہ دوسری دلیل ختم نبوت ہے۔

کمال دین و اتمام نعمت تیسری دلیل ختم نبوت ہے

کتاب آسمانی کا ہر طرح کے تغیر و تحریف سے محفوظ رہنا اور اس کا تمام عالم کے لئے ہدایت ہونا جیسا کہ اس قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے ویسے ہی یہ خصوصیت بھی اس میں ہے کہ دین کا اکمال اسی کتاب سے ہوا۔ ہر وہ امور جن کا بیان کرنا وحی الٰہی کے ذمہ تھا اُن سب کی حامل یہی آخری وحی ہے۔ حیات دنیا کے اب جتنے ادوار ہونگے اور انقلاب و تغیر کی جس قدر صورتیں ہونگی اُن سب کی رہنمائی اسی آخری تعلیم سے ہوگی۔ (۱) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (۲) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۳) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ یہ آیات بینات اس پر شاہد ہیں کہ بیان کئے جانے کے قابل جو باتیں تھیں وہ سب بیان کر دی گئیں ارشاد ہوتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ دین کامل کر دیا گیا اور نعمتیں تمام کر دی گئیں اب اگر نبوت ختم نہیں ہوتی ہے تو پھر یہ کیا اتمام و اکمال تھا کہ جس کے تتمہ و تکملہ کی حاجت رہ گئی اور کیسی خبر تھی جو نعوذ باللہ صادق نہیں آئی۔ پس اگر تمام کے بعد تمام اور کمال کے بعد کمال محال ہے تو اب کسی اور نبی کا آنا بھی محال ہے۔ الحاصل اکمال دین اتمام نعمت اور تبیان کل شیٔ پختم نبوت کی تیسری دلیل ہے۔

سارے عالم کے لئے ایک ہی وجود کا مبلغ ہونا چوتھی دلیل ختم نبوت ہے

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ہر نبی و رسول کی بعثت ایک خاص قوم کی طرف ہوئی چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ

هُوْدًا (۲) وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (۳) وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا (۴) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ یہاں تک کہ عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق یوں ارشاد ہوتا ہے وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ۔ دوسری جگہ اس سے بھی واضح بیان ہے وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ لیکن جبکہ دنیا میں ایک شریعت عامّہ و مطلقہ بھیجی گئی تو پھر اُس شریعت کا لانے والا زمان و قوم کی خصوصیات کا کیوں مقید ہوتا اس لئے قرآن کریم اُس ہبطِ وحی الٰہی کے متعلق یوں ارشاد فرماتا ہے (۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۲) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (۳) قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (۴) تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ ذرا تدبر صحیح سے کام لینا چاہیئے۔ کتاب مجید اپنے متعلق یوں کہے کہ میں تمام عالم کے لئے ہوں دین ہی مکمل ہوں نعمتوں کی متمم ہوں۔ ہر شئے کی بیّن ہوں۔ صاحبِ کتاب کی شان بھی اسی ہمہ گیری و عمومیت کے ساتھ بیان کرے تو کیا یہ کھلا اعلان اس امر کا نہیں کہ نبوت ختم اور صاحب شریعت خاتم النبیین یہ ختم نبوت کی حقیقی دلیل ہے۔

اخلاق خاتم النبیین کی جامعیت پانچویں دلیل ختم نبوت ہے

خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ دوسرے مقام پر اٹھارہ انبیاء و رسل علیہم السلام کا ذکر فرما کر سب کے بارہ میں یوں ارشاد ہوتا ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اور یہ ظاہر کہ اقتدا و تقلید ایمان و اعتقاد میں جب کہ عوام تک کے لئے ناروا تو پھر اس کا حکم انبیاء اور پھر انبیاء میں خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کو کیوں کر دیا جائے گا۔ پس لامحالہ جیسا کہ تمام اکابر علمائے اہل سنت کا محکم علیہ مسئلہ ہے وہی حق ہے یعنی اقتدا کا حکم اُن فضائل جزئیہ مخصوصہ میں تھا جو ہر نبیا علیہ السلام میں خاص خاص تھے تاکہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و جذبات میں وہ تمام محمودی خوبیاں یکجا جمع ہو جائیں جو اپنے اپنے وقتوں میں علےٰ سبیل الانفراد انبیا علیہم السلام میں تھیں اور اس طرح خلق خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاؤں کے اخلاق کا مجموعہ بن جائے۔ ولنعم ما قیل ؎

حسن یوسف دم عیسےٰ ید بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

رحمۃ اللہ و رضوانہ علےٰ من قال ؎

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ ۔۔۔ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

مجموعہ اخلاق انبیاء کا ایک ذات میں اجتماع یا پانچوں دلیل ختم نبوت ہے۔

خاتم النبیین کا معجزہ چھٹی دلیل ختم نبوت ہے

ہر ایک پیغمبر کا معجزہ اُس کے عہد میں معجزہ تھا اور بعد میں قصّہ و سمع روایت لیکن خاتم النبیین کا معجزہ جس طرح کہ ظہور ختم الرسلین کے وقت میں معجزہ تھا آج بھی اُسی تازگی و رونق اُسی ہیبت و شوکت اُسی زور و قوت کے ساتھ معجزہ ہے اور ابد تک اسی حشمت و جبروت کے ساتھ معجزہ رہیگا یعنی خود قرآن مجید اُس کا معجزہ تھا اور ہے۔ اہل عرب کو اپنی زبان پر ناز تھا۔ اپنے بیان پر گھمنڈ تھا۔ فصاحت کی موجیں اُن کی زبان سے لہریں مارتی تھیں۔ بلاغت اُن کے بیان کا ایک بہاؤ دریا تھا اُن کے پاس ایک اَن پڑھ رسُول آتا ہے اور کہتا ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اُن کے عرق غیرت کو یوں جوش میں لاتا ہے وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اب بھی بس نہیں کرتا بلکہ اس پر ایک تازیانہ کی ضرب اور لگاتا ہے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عرب کی غیور قوم اس کو سنتی ہے اور عجز کے ہاتھوں ناکامیابی کا جام پی جاتی ہے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا فرض بار بار انھیں غیرت دلائی جاتی ہے بوں میں للکارا جاتا ہے طرح طرح سے ابھارا جاتا ہے لیکن حروف کا جواب سیوف سے دیتے ہیں مگر صرف ایک سورۂ کوثر کا بھی جو تین آیات پر مشتمل ہے مقابل بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ الحاصل خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ آج سے چودہ سو برس جس طرح کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کا اعلان پکار پکار کر منکرین کو غائب و حاضر کر رہا تھا آج بھی اُسی طرح منکرین کو سرگوں کرنے میں سرگرم ہے پس اسد رہنے والا معجزہ جس پیغمبر کو عطا کیا گیا اور باقی رہنے والی شریعت جسے بخشی فرمائی گئی وہ نبی بے شک خاتم النبیین ہے۔ نظم قابل ؎

مُردوں کو جلاتی ہے تری تازہ آواز — آواز کی آواز ہے اعجاز کا اعجاز
میں خار ہے تیرے کلام کے مِل بول تو کس کو زباں نہیں — وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

پس بقائے معجزہ چھٹی دلیل ختم نبوت ہے۔

اس امت کی ایک خاص فضیلت ساتویں دلیل ختم نبوت ہے

اس اُمت مرحومہ کے حق میں ربّی تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا اگر یہ فرض ہو کہ نبوت ختم نہ ہوئی جائے تو اب جو نبی آئے گا اُس کی اُمت کون ہوگی۔ پیغمبر پچھلی اُمم سابقہ کی شہید قرار دی گئی اور اس رسالت کا پیغمبر شہید بنایا گیا۔ شہادت کی یہ ترتیب کھلے طور پر بتا رہی ہے کہ نبوت ختم ہو گئی۔

ورنہ اب جو نبی آتا اُس کی اُمت اس اُمت پر شہید ہوتی اور اُن کا نبی اپنی اُمت پر۔ لیکن جب کہ سلسلہ شہادت یہ فرما کر ختم کر دیا گیا کہ گزشتہ اُمتوں کی شہید یہ پچھلی اُمت اور اس کا شہید اس کا نبی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ دروازہ نبوت کا بند اور یہ ساتویں دلیل ختم نبوت ہے

ختم المرسلین کے بعض فضائل آٹھویں دلیل ختم نبوت ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ قرآن کریم کا یہ محاورہ ظاہر ہے کہ حذف مفعول وہاں سے ہوتا ہے جہاں اطلاق و عموم مراد ہو۔ اسی محاورہ کے بموجب یہاں فتح مطلق و عام سمجھی جائے گی جس کی دلالت فتوحات گوناگوں اور کشود و تنوعیہ پر محیط۔ صرف اسی آیت پاک نے یہ بتا دیا کہ جسے تمام عالم کا جاتی دنیا تک کیلئے مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا اور جس کی صدائے تبلیغ فضائے عالم میں گونج کر فنا ہونے والی نہ تھی اس کے لئے فتح بھی عام عطا کر دی گئی۔ تاکہ سارے عقوفل کھل جائیں اور کسی طرح کی کوئی گرہ باقی نہ رہ جائے۔ فتح کا عام و مطلق ہونا دلیل ختم نبوت ہے۔ دوسری فضیلت وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اس آیت شریفہ میں رحمت کو ہر شے پر محیط و وسیع فرمایا۔ دوسری جگہ اس رحمت کی تفسیر فرمادی وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ پس معلوم ہوا کہ کائنات کا کوئی ذرہ اور عالم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں رحمۃ اللعالمین کی رحمت نہ پہنچی ہو۔ شریعت کامل مبلغ کامل تبلیغ پہنچنے کے لئے راہیں مفتوح مشکلات کی گرہیں کشادہ پھر اُس کے سحاب رحمت کے پھیلے تمام اکناف عالم میں فیض رساں۔ یہ سب امر کا ثبوت کہ حجۃ الٰہیہ کا اتمام ہوا اور نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا اور یہ آٹھویں دلیل ختم نبوت کی ہے۔

خاتم النبیین کی کامل سوانح و سیرت کا پایا جانا نویں دلیل ختم نبوت ہے

ہر ایک چیز کا انحصار اُس کی ضرورت پر ہے۔ نبوت کی بعثت اور نزول شریعت کی جب تک ضرورت باقی رہی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے اور شریعت نازل ہوتی رہی لیکن جب کہ شریعت کا کمال و دین کا اتمام اعلیٰ وجہ الکمال کر دیا گیا تو پھر ضرورت باقی نہ رہی اور یہ پچھلا نبی صاحب شریعت جامعہ منصف باوصاف کمالیہ جس کے صحیفۂ زندگانی کا ایک ایک صفحہ بلکہ ایک ایک لفظ اور ایک حرف باقی رکھا گیا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ دنیا میں کس قدر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے اُن کی صحیح تعداد تو اُن کا بھیجنے والا رب العلمین ہی جانتا ہے لیکن جن انبیاء علیہم السلام کا نام معلوم اگر انہیں کے حالات زندگی اور واقعات نبوت کی جستجو کی جائے تو مشکل سے کچھ باتیں معلوم ہو سکیں ہیں۔ قرآن کریم [illegible] آسانی ہے وہی کچھ اُن کی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ لیکن خاتم النبیین کی زندگی [illegible]

اُس کی زندگی کا وہ حصہ جو ازواج مطہرات کے ساتھ گزرتا تھا وہ بھی معلوم و مشہود۔ اُس خاتم النبیین کی حالت میں اس قدر جامعیت کہ حیات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی مثال اُس کی عملی زندگی میں نہ پائی جائے مظلومیت و بیکسی سے اُس کی تبلیغی زندگی شروع ہوتی ہے اور شاہنشاہی پر آکر ختم ہوتی ہے۔ ان دونوں حالتوں کے بیچ میں جتنے مراتب ہیں اور جس طرح طے کئے جا سکتے ہیں وہ سب موجود۔ الصاف شرط ہے جس ذات کو ختم المرسلین بنانا تھا اُس کے تمام حالات زندگی اگر محفوظ نہ رکھے جاتے تو تعلیم کا وہ حصہ جو عمل دیکھنے سے ہی پورا ہوتا ہے کیوں کر کمال پذیر ہوتا۔ پس خاتم النبیین کی پوری اور کامل سوانح و سیرت کا محفوظ رہنا یہ نویں دلیل ختم نبوت ہے۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ یعنی دسویں دلیل ختم نبوت

ان دلائل کے بعد آخر میں اُس آیت پاک کی تلاوت کروں جو اثبات مدعا میں نص صریح اور جس میں خاتم النبیین کے اسم مقدس کی تصریح

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

نبی اور رسول میں نسبت عام خاص مطلق ہے ہر رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں پس جو رسول خاتم النبیین ہوگا وہ خاتم المرسلین بھی ہوگا۔ نفی عام نفی خاص کو لازم۔ مثلاً اگر حیوان کا وجود باقی نہ رہے تو انسان کا فنا لازم۔ دوسرے یہ مسلمہ قاعدہ قابل لحاظ کہ جمع محلی بالف ولام فائدہ استغراق و عموم کا دیا کرتا ہے لفظ (النبیین) کہ جمع محلی باللام ہے صیغہ عموم و استغراق کا ہے۔ اس قاعدہ کو تسلیم کرتے ہوئے خاتم النبیین کا یہی مفہوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک اُن نفوس کے لئے جن پر لفظ نبی صادق آسکتا ہے خاتم قرار پائے۔ اب اگر خاتم النبیین کے بعد کوئی شخص بالفرض محال نبی تسلیم کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ کہنا نعوذ باللہ صادق ہیں اور مالانکہ نَحْنُ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا اس کے صدق کو واجب و ضروری بتا رہا ہے۔ خدا کی پناہ اگر ارشاد رب العلمین میں مومن کو جھلک بھی شب کی آجائے تو ایمان غائب غرض خاتم النبیین پر ختم نبوت کا تسلیم کرنا مستلزم کذب باری جو خود کفر صریح اور بہت سے دیگر کفریات صریحہ کو متضمن اور یہ تمام خرابی اس سے پیدا ہوئی کہ خاتم النبیین کو خاتم النبیین تسلیم نہ کیا گیا پھر یہ بھی ظاہر کر جو مستلزم محال ہو وہ بھی محال پس خاتم النبیین کا خاتم النبیین نہ ہونا محال و دعوی المدعی تفصیل اس اجمال کی اس طرح ہے کہ نعوت و صفات کمالیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں ذاتی ہیں اور [illegible] اور اُسی ذات اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں مثلاً اسلام و ایمان نبوت

[illegible]

اور کسی اور میں پائے بھی نہ جاتے ہوں۔ اس کی پھر دو قسمیں ہوں گی ایک تو وہ کہ اگر کسی اور میں ان کا پایا جانا فرض کر لیا جائے تو اس سے کوئی محال لازم نہ آئے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات مختصہ میں سے ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔

(۲) فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ اس طرح کی صفتیں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی مختص ہیں لیکن ان میں اشتراک بین اثنین کی صلاحیت ہے۔ یہ متعدد پر منقسم ہونے سے ابا نہیں کرتیں یعنی ان صفات سے متصف اگر متعدد نفوس فرض کر لئے جائیں تو اس سے کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا۔ لیکن ایک دوسری قسم وہ ہے کہ وہ صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور اس میں اشتراک بین اثنین کی صلاحیت نہیں یعنی متعدد پر منقسم ہونے سے ابا کرتی ہے۔ دو یا اس سے زیادہ نفوس اگر اس صفت سے متصف فرض کر لئے جائیں تو اس سے محال عقلی لازم آئے یہ وہ صفات ہیں کہ ان کا ثبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی وقت ہوگا جب کہ جملہ ماسوا و ماعدا سے ان صفات کا سلب ہو۔ اگر کسی اور کے لئے وہ ثابت ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سلب لازم آئے۔ انھیں صفات میں سے ایک صفت خاتم النبیین کی ہے۔ وصف خاتمیت کسی کیلئے اسی وقت ثابت ہوگا جب کہ جملہ ماسوا اور اس کے سارے ماسوا سے اس کا سلب ثابت ہو۔ پس جب کہ قرآن پاک نے یہ فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین بھی ہیں تو سوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمیت سب سے سلب ہو گئی اور صرف اسی ذات مقدس صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت و مبرہن و مدلل ہو گئی۔ اگر کوئی اس کے خلاف تسلیم کرے تو سراسر عقل و نقل سب کا مخالف ہے۔ کتاب قدیم یعنی قرآن کریم سے دس شہادتیں پیش کی جا چکیں اب احادیث لاحظہ ہوں جس سے یہ امر ثابت ہو جائے گا کہ آیات الٰہیہ کا طرز بیان یہی مطلب ہے جو میاں ہوا۔ اگر ان تمام احادیث شریفہ کا بیان کروں جن کی دلالت ختم نبوت پر ہے تو مضمون بڑھکر رسالہ یا کتاب بن جائے۔ اس لئے صرف مرفوع حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نوع اوّل خصوص نصوص ختم نبوت

(صحیح مسلم شریف) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضلت علی الانبیاء بست

(ترجمہ) حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تمام انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دیا گیا ہوں۔ مجھے جامع باتیں عطا ہوئیں اور مخالفوں کے

اعطیت جوامع الکلام ونصرت بالرعب
واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض
مسجدا وطھورا وارسلت الی الخلق
کافۃ وختم بی النبیون ۵

دل میں میرا رعب ڈالنے سے میری مدد کیگئی اور
میرے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں اور میرے لئے زمین
پاک کرنے والی اور نماز کی جگہ قرار دی گئی اور میں تمام جہان
کیلئے اللہ کا رسول ہوا اور مجھ سے انبیا ختم کئے گئے

(۲) دارمی سنن میں بسند صحیح اور بخاری تاریخ۔ طبرانی اوسط اور بیہقی سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم انا قائد المرسلین ولا فخر
وانا خاتم النبیین ولا فخر ۵

(ترجمہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام پیغمبروں کا
پیشوا ہوں اور کچھ براہ فخر نہیں کہتا اور میں تمام پیغمبروں کا
خاتم ہوں اور بطور فخر نہیں ارشاد فرماتا۔

(۳) احمد و حاکم و بیہقی و ابن حبان عباس بن سارید رضی اللہ عنہ سے راوی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم انی عند اللہ
فی ام الکتاب لخاتم النبیین
وان آدم لمنجدل فی طینتہ ۵

(ترجمہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک بالیقین
میں اللہ کے حضور لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا
اور ہنوز آدم اپنی مٹی میں پڑے تھے والمعنی ما قال ۹
آدم سرفتن باب گل داشت ۵ کو حکم ملک جان دوان داشت۔

(۴) بخاری و مسلم و ترمذی و احمد حضرت جابر بن عبداللہ سے اور احمد شیخین حضرت ابوہریرہ سے اور احمد و مسلم حضرت ابوسعید خدری سے اور احمد ترمذی حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر حسن
بنیانہ ترک منہ موضع لبنۃ فطاف
بہ النظارۃ یعجبون من حسن بنیانہ الا
موضع تلک اللبنۃ فکنت انا سددت
موضع اللبنۃ ختم بی البنیان وختم بی الرسل
وفی لفظ للشیخین فانا اللبنۃ وانا
خاتم النبیین ۵ ٭ ٭ ٭ ٭

(ترجمہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری
اور تمام انبیا کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک محل تھا
عمدہ بنایا گیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے
دیکھنے والے اس کے آس پاس پھرتے اور اسکی خوبی تعمیر
سے تعجب کرتے مگر وہی ایک اینٹ کی جگہ کہ لگا ہوں میں
کھٹکتی ہے میں نے تشریف لاکر وہ جگہ بند کی۔ مجھ سے
یہ عمارت پوری کیگئی مجھ سے رسولوں کی انتہا ہوئی میں عمارت
نبوت کی وہ پچھلی اینٹ ہوں میں تمام انبیا کا خاتم ہوں۔
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٭ ٭ ٭ ٭

(۵) امام ترمذی حکیم عارف باللہ محمد ابن علی فواد الاصول میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے راوی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ (ترجمہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب سبحانہ نے سب رسولوں میں پہلے آدم
علیہ وسلم اول الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور سب میں پچھلے محمد رسول اللہ صلی اللہ
آدم واخرھم محمد ۵ علیہ وسلم ہیں۔

(۶) طبرانی معجم اوسط و معجم صغیر میں ابن عدی اور حاکم کتاب المبعث میں بیہقی اور ابونعیم دلائل النبوۃ اور ابن عساکر تاریخ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے راوی۔ ایک بار دیہ نشین قبیلہ بنی سُلیم کا سوسمار شکار کر کے لاتا ہے وہ حیوان خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے رو بارو پہلے اپنی لغت پھر حق جل و علا کی الوہیت بیان کر کے یوں عرض کرتا ہے۔

انت رسول رب العلمین (ترجمہ) حضور پروردگار عالم کے رسول اور رسولوں کے خاتم ہیں جسنے
وخاتم النبیین قد افلح من صدقک حضور کی تصدیق کی وہ مراد کو پہنچا اور جس نے نہ مانا وہ نامراد رہا اسنے
وقد خاب من کذبک ۵ بعد وہ اعرابی بھی کلمہ طیبہ پڑھکر ایمان و اسلام کی دولت پا کر مختصراً

نوع انسانی تو بوت سے منقطع ہوئی جب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی نہ تو کسی سے کوئی ملسکتی نہ کسی کو ملی

(۱) صحیح بخاری شریف میں روایت موجود ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء (ترجمہ) انبیاء بنی اسرائیل کی سیاست فرماتے جب ایک نبی
کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی تشریف لیجاتا دوسرا اسکے بعد آتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے

(۲) احمد و ترمذی و حاکم بسند صحیح بشرط صحیح مسلم کما قال الحاکم و اقرہ الناقدون حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرسالۃ (ترجمہ) بیشک رسالت ختم ہوگئی اب میرے بعد نہ کوئی
والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی رسول نہ کوئی نبی۔

(۳) صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احمد و ابن ماجہ و نسائی و حبان میں حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا سے بسند حسن طبرانی معجم کبیر میں حضرت حذیفہ ابن اسید رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح اور صحیح مسلم ابی داؤد و نسائی ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ متقاربہ و معانی متقاربہ روایت موجود۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ترجمہ) اے لوگو نبوت کی بشارتوں سے کچھ نہ رہا مگر اچھا

یا ایھا الناس انہ لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرویا یراھا المسلم او تری لہ

خواب کہ مسلمان دیکھے یا اس کیلئے دوسرے کو دکھایا جائے کہیں یہ الفاظ ذھبت النبوۃ فلا نبوۃ بعدی یعنے نبوت گئی اب میرے بعد نبوت نہیں۔

نوع ثالث

(۱) الطبرانی معجم کبیر میں اور حاکم باسناد تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے راوی حضرت آدم علیہ السلام کا مغفرت طلب کرنا اور بہت سے فوائد جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

صدقت یا آدم انہ لاحب الخلق الی واذ سالتنی بجقھم فقد غفرت لک ولولا محمد ما خلقتک وزاد الطبرانی وھو اخر الانبیاء من ذریتک

(ترجمہ) اے آدم تو نے سچ کہا بیشک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے اور جب تو نے مجھسے اُس کا واسطہ دیکر سوال کیا تو میں نے تیری مغفرت فرمائی اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا نبی ہے۔

(۲) ان موسیٰ لما انزلت علیہ التوراۃ وقرأھا وجد فیھا ذکر ھذہ الامۃ فقال یارب انی اجد فی الالواح امۃ ھم الاخرون السابقون فاجعلھا امتی قال تلک امۃ احمد

(ترجمہ) جب موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پر توریت اُتری اُسے پڑھا تو اس میں اس امت کا ذکر پایا عرض کی اے رب میرے میں ان لوحوں میں ایک اُمت پاتا ہوں کہ وہ زمانہ میں سب سے پچھلے اور مرتبہ میں سب سے اگلی تو یہ اُمت میری کر فرما کہ یہ اُمت احمد کی ہے۔

(۳) ابن عساکر حضرت ابوہریرہ سے راوی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خلق اللہ آدم وحوا بیدہ جعل یری فضائل بعضھم علی بعض فرأی نورا ساطعا فی اسفلھم فقال یارب من ھذا قال ابنک احمد ھو الاول وھو الاخر

(ترجمہ) جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کیا اور انہیں ان کے بیٹوں پر مطلع فرمایا وہ ان میں ایک کی دوسرے پر فضیلتیں دیکھا کئے مجھے ان سب کے آخر میں بلند نور روشن دیکھا عرض کی الٰہی یہ کون ہے فرمایا تیرا بیٹا احمد ہے یہی اول ہے یہی آخر ہے۔

(۴) ابن مسعود نامر شعبی سے راوی۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے صحیفوں میں ارشاد ہوا۔

انہ کائن من ولدک شعوب وتلعو

(ترجمہ) بیشک تیری اولاد میں قبائل اور قبائل ہوں گے

حتی یاتی النبی الامی خاتم الانبیا — یہاں تک کہ نبی اُمّی خاتم الانبیا جلوہ فرما ہو صلے اللہ علیہ وسلم

(۵) ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔

قال ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یسمی فی الکتب القدیمۃ احمد ومحمد والمقفی ونبی الملاحم ومطایا وفارقلیطا ومَاذ مَاذہ

(ترجمہ) اگلی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ نام تھے احمد محمد۔ ماحی یعنی کفر وشرک کو مٹانے والے۔ مقفی سب پیغمبروں سے پیچھے تشریف لانے والے۔ نبی الملاحم جہادوں کے پیغمبر۔ مطایا حرم الٰہی کے حمایتی فارقلیطا حق کو باطل سے جدا کرنے والے ماذ ماذ ستھرے پاکیزہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) خطیب بغدادی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لما اسری بی قربنی ربی حتی کان بینی وبینہ کقاب قوسین او ادنی فقال لی یا محمد هل علمت ان جعلتک اخر النبیین فقلت لا قال فهل علمت ان جعلتهم اخرا لامم قلت لا الی آخر الحدیث ۱۲

(ترجمہ) شب اسریٰ مجھے میرے رب نے نزدیک کیا یہاں تک کہ مجھ میں اور اس میں دو کمان بلکہ کم کا فاصلہ رہا اور مجھے فرمایا کہ اے محمد کیا تجھے کچھ اس کا غم ہوا کہ میں نے تجھے سب پیغمبروں سے پیچھے بھیجا میں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا کیا تیری امت کے اس کا غم ہوا کہ میں نے انھیں سب امتوں کے پیچھے رکھا میں نے عرض کی نہیں۔

(۷) ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و بزار و ابو یعلی و بیہقی بطریق ابو العالیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث طویل اسریٰ میں راوی۔ ثم لقی الارواح الانبیاء فاثنو اعلی ربهم فقال ابراهیم ثم موسیٰ۔ ثم داود۔ ثم سلیمان۔ ثم عیسےٰ۔ ثم ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم اثنی علی ربہ فقال کلکم اثنی علی ربہ وانی مثن علی ربی الحمد للہ الذی ارسلنی رحمۃ للعلمین وکافۃ للناس بشیرا ونذیرا وانزل علی الفرقان بتبیان لکل شیٔ وجعلنی فاتحا وخاتما فاتح الی السدرۃ فکلمہ تعالیٰ عند ذالک فقال جعلتک اول النبیین خلقا واخرهم بعثا وجعلتک فاتحا وخاتما هذا محفوظ ومنتظر

نوع رابع بعد طلوع آفتاب عالمتاب خاتمیت صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ الکرام وصحابہ العظام جو ادعائے نبوت کرے وہ دجال کذاب مستحق لعنت ہے

(۱) امام بخاری حضرت ابو ہریرہ سے اور احمد و مسلم و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ حضرت ثوبان سے

راوی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین ولا نبی بعدی ولفظ البخاری دجالون کذابون قریبًا من ثلثین (ترجمہ) عنقریب اس امت میں قریب تیس کے دجال وکذاب نکلیں گے ہر ایک ادعا کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی بھی نہیں۔

جس طرح آیات قرآن مجید کی تفسیر احادیث مصطفوی سے کیگئی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کے لئے چند اقوال ائمہ مجتہدین وعلمائے دین متین کے بھی نقل کر دئے جائیں تاکہ دلیل اپنے ہر ارکان اربعہ سے حجت قاطع ہو جائے۔

(۱) امام ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان میں فرماتے ہیں۔ تنبأ فی زمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجل قال انا ھلوتی حتی اتی بعلامۃ فقال من طلب علامۃ کفر لانہ بطلبہ ذالک مکذب لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نبی بعدی (ترجمہ) امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک مدعی نبوت نے کہا مجھے ہلاتو کہ کوئی نشانی دکھاؤں امام ہمام نے فرمایا جو اوس سے نشانی مانگے گا وہ کافر ہو جائے گا کہ وہ اس مانگنے کے سبب مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تکذیب کرتا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۲) فتاوی خلاصہ وفصول عمادیہ وجامع الفصولین وفتاوی ہندیہ وغیرہا میں ہے۔ واللفظ للعمادی قال قال انا رسول اللہ او قال بالفارسیہ من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر ولو انہ حین قال ھذہ المقالۃ لطلب غیرہ من المعجزۃ قیل یکفر الطالب والمتاخرون من المشائخ قالوا ان کان غرض الطالب تعجیزہ وافتضاحہ لا یکفر اھ (ترجمہ) اگر کوئی شخص کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یا فارسی میں کہے میں پیغمبر ہوں کافر ہو جائے گا اگرچہ مراد یہ ہے کہ میں کسی کا پیغام پہونچانے والا یا ملہم ہوں اور اگر اس کہنے والے سے کوئی معجزہ مانگے تو کہا گیا یہ بھی مطلقاً کافر ہے اور مشائخ متاخرین نے فرمایا کہ اگر اوسے عاجز ورسوا کرنے کی غرض سے معجزہ طلب کیا گیا تو کافر نہ ہوگا۔

(۳) تتمۃ الدہر پھر ہندیہ میں بعض ائمہ حنیفہ سے اور اشباہ والنظائر وغیرہا میں ہے (واللفظ لھا) اذا لم یعرف ان محمدا صلے اللہ علیہ وسلم اخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات (ترجمہ) جب نہ پہچانے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پچھلے نبی ہیں تو مسلمان نہیں کہ یہ ضروریات دین سے ہے۔

(۴) تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے رجل قال لآخر من فرشتہ توام فی موضع کذا اعینک علی امرک فقد قیل انہ لا یکفر وکذا اذا قیل مطلقاً انا ملک بخلاف ما اذا قال انا نبی (ترجمہ) ایک نے دوسرے سے کہا میں تیرا فرشتہ ہوں فلاں جگہ تیرے کام میں مدد کروں گا اس پر تو بعض نے بیشک کہا کافر نہ ہوگا یونہی اگر مطلقاً کہا میں فرشتہ ہوں بخلاف اس کے جبکہ اوس نے کہا کہ میں نبی ہوں

(۵) شفا شریف امام قاضی عیاض مالکی اور اوس کی شرح نسیم الریاض للعلامۃ الشہاب الخفاجی میں ہے وکذالک یکفر من ادعیٰ بنوۃ احد مع نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔ ای فی زمنہ کمسیلمۃ الکذاب والاسود العنسی اوادعیٰ بنوۃ احد بعدہ فانہ خاتم النبیین بنص القرآن والحدیث فھذا تکذیب اللہ ورسولہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم (ترجمہ) اسی طرح وہ بھی کافر ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کی نبوت کا ادعا کرے جیسے مسیلمہ کذاب واسود عنسی یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی نبوت مانے اسلئے کہ قرآن وحدیث میں حضور کے خاتم النبیین ہونے کی تصریح ہے تو یہ شخص اللہ ورسول کو جھٹلاتا ہے۔

(۶) امام غزالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں۔ ان الامۃ فھمت من ھذا اللفظ انہ اشعر عدم نبی بعدہ ابدا وعدم رسول بعدہ ابدا وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص ومن ادلہ بتخصیص کلامہ من انواع الھذیان لا یمنع الحکم بتکفیرہ لانہ مکذب لھذا النص الذی اجمعت الامۃ علی انہ غیر مؤول ولا مخصوص یعنی تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا۔ حضور کے بعد کبھی کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام اُمت نے یہی سمجھا کہ اس لفظ میں نہ کوئی تاویل ہے کہ آخر النبیین کے سوا خاتم النبیین کے کچھ اور معنی گھڑے نہ اس عموم میں کچھ تخصیص ہے کہ حضور کی ختم نبوت کو کسی زمانہ یا زمین کے کسی قطعے سے خاص کیجئے اور جو اس میں تاویل وتخصیص کرے وہ اُس کی بات جنون یا نشہ یا سرسام سے بکنے بڑانے کے قبیل سے ہے اُسے کافر کہنے سے کچھ مانعت نہیں کہ وہ آیت قرآن کی تکذیب کر رہا ہے جس میں اصلاً تاویل وتخصیص نہ ہونے پر اُمت مرحومہ کا اجماع ہو چکا ہے۔

احادیث مبارکہ کی طرف غور فرمائیے ختم نبوت کے مسئلہ کو کس طرح بار بار متعدد ومختلف حالات ومقامات میں سمجھایا گیا۔ خاتم النبیین کی تفسیر کہیں آخر الانبیاء سے کی ہے اور یہ مسلمہ کہ صیغہ تفضیل جب مضاف ہو

مضاف الیہ کے جمیع افراد پر فضیلت مضاف سمجھی جائے گی "اخر" صیغہ تفضیل ہے "الانبیاء" اس کا مضاف الیہ تو ہر وہ ہستی جو الانبیا کے افراد میں شامل ہے چاہے کسی جگہ ہو اور کسی وقت میں ہو اس کیلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آخر الانبیاء۔

آدم علیہ السلام نے ختم نبوت کی گواہی دی صیغہ ابراہیم نے خاتمیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اعلان فرمایا تو رمیت مشریف نے اس امت مرحومہ کو پچھلی امت بتایا خود نصوص صریحہ نے خاتمیت کے معانی بانواع واقسام مختلف اوقات میں بالفاظ گوناگوں سمجھا دئے۔ کہیں خاتم النبیین فرمایا کہیں آخر الانبیا ارشاد ہوا۔ کہیں لانبی بعدی فرمایا کہیں نبوت کا انقطاع کہیں اس کا ذہاب ارشاد ہوا۔ غرض ہر حدیث منقولہ بالا ایک طرز خاص سے ختم نبوت ظاہر کر رہی ہے۔ اسلئے احادیث مکررہ سے قطع نظر کر کے انہیں نصوص خصوص پر اکتفا کیا گیا آخر میں وہ حدیث جلیل نقل کر دی گئی جس میں ارشاد صریح کہ بعد آنحضرت کے جو دعوی نبوت کرے وہ کذاب و دجال ہے قیام قیامت تک انہیں جھوٹے دجالوں کے ادعاے باطل دفعتاً فوقتاً طرح طرح کے تاویلات باطلہ سے ختم نبوت مٹانا چاہیں گے اور انشاء اللہ کہ خائب وخاسر رہیں گے۔ پھر علمائے امت کی محررین دیکھئے کس کس پہلو سے اس مسئلہ کو واضح کیا ہے اور ہر طرح کا تاویل وتشکیک کی کس طرح بیخ کنی کی ہے۔ اگر احادیث منقولہ کی طرف ذرا لعمق نگاہ وامعان نظر سے دیکھا جائے تو ایک ایک حدیث کے ذیل میں دلائل وبراہین قاطعہ بے شمار۔ والحمد للہ العزیز الجبار والصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار۔ اب میں اس مضمون کو صرف دو حدیثیں لکھ کر ختم کرتا ہوں۔

(۱) حج کا موسم ہے خدا کا آخری پیغمبر حجۃ الوداع کے لئے آیا ہوا ہے میدان عرفات بر سر جبل کہ ہزارہا موحدین ومومنین کا مجمع ہے آیۃ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ نازل ہوتی ہے ان کا پیغمبر خطبہ دیتا ہے اُن نصائح میں اشارہ اپنی رحلت کا بھی کرتا جاتا ہے۔ اکمال دین واتمام نعمت بتا رہی ہے کہ جو کچھ دین کے متعلق اس خاکدان عالم میں ہدایت وتبلیغ ہونے والی تھی وہ ہو چکی آخر میں وہ پوچھتا ہے الا ھل بلغت سارا میدان اللھم نعم کی صدا سے گونج اٹھتا ہے پیغمبر پھر پوچھتا ہے اور پھر دوسری مرتبہ اللھم نعم کی آواز زادی ہیں گونج جاتی ہے۔ پھر پوچھتا ہے اور پھر سارے فضا میں اللھم نعم کی صدا پھیل جاتی ہے۔ اس دنیا میں یہ نظارہ تو بس ایک ہی مرتبہ اور یہ وہ دلکش ایمان افروز نظارہ تھا جس کا دنیا کو انتظار اپنی یوم آفرینش سے تھا۔ وہ امر اہم جس کی ہدایت آدم علیہ السلام سے کی گئی تھی مختلف قرنوں میں

بے شمار نفوس قدسیہ انبیائے کرام علی سبیل الانفراد اور سے اکناف عالم میں انجام دیتے رہے تھے آج اُس کا ایک جوان عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے زبردست ہاتھوں سے تکملہ کرایا جارہا ہے وہ اپنے اولی فرض کی تصدیق چاہتا ہے اور اُس کے غلام بار بار اللھم نعم کہتے ہیں۔ اب وہ دوسری حدیث سنئے جس میں اُس آخری خطبہ کا ذکر جس کی بعد امت کو پھر کوئی خطبہ اُس زبانِ مقدس سے سننا نصیب نہوا۔ افسوس جس قدر نصائح جامعہ ارشاد ہوئیں ان میں ایک کا انبی بعدی بھی ہے اس سے اہمیت اس مسئلہ کی نمایش تبلیغ کی بہت اچھی طرح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آخری خطبہ میں جو آخری نصیحت و تبلیغ ہو وہ کیوں کر اہم نہوگی۔

(۲) امام اجل فقیہ محدث ابواللیث سمرقندی تنبیہ الغافلین میں فرماتے ہیں۔ حدثنا ابوبکر محمد ابن احمد ثنا ابوعمر ان ثنا عبد الرحمٰن ثنا واؤد ثنا عباس ابن الکثیر عن عبد خیر عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جب سورۂ اذا جاء نصر اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال شریف میں نازل ہوئی حضور فوراً برآمد ہوئے پنجشنبہ کا دن تھا منبر پر جلوس فرمایا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مدینہ میں ندا کردو لوگو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت سننے چلو یہ آواز سنتے ہی سب چھوٹے بڑے جمع ہوئے گھروں کے دروازہ ویسے ہی کھلے چھوڑ دئے یہاں تک کہ کنواریاں پردوں سے نکل آئیں یہاں تک کہ مسجد شریف حاضرین پر تنگ ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں اپنے پچھلوں کیلئے جگہ وسیع کرو پھر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قیام فرماکر حمد و ثنائے الٰہی بجالا کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجی پھر ارشاد فرمایا انا محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب بن ھاشم العربی الحرمی المکی لا نبی بعدی الحدیث میں محمد ابن عبداللہ بن المطلب بن ہاشم عربی صاحب حرم محترم و مکہ معظمہ ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ھذا مختصراً۔ اللہ اللہ ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے زمین و آسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں خوشی و شادمانی ہے کہ در و دیوار سے ہنسی پڑتی ہے مدینہ کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار ہورہا ہے یا پھیں کھلی جاتی ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے سینوں پر جامے تنگ جاموں میں قبائے گل کا رنگ۔ نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے فرش سے عرش تک نور کا بچھونا بنا ہے پردہ نشین کنواریاں شوق دیدار محبوب کردگار میں گلی ہوئی باہر آئی ہیں کہ ؎

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ۔۔۔ وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

نبی النجار کی لڑکیاں کوچے کوچے محو نغمہ سرائی ہیں کہ ؎

نحن جواریٍ من بنی النجار یا حبذا محمد من جارٍ

ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے۔ مجلس آخری وصیت ہے، مجمع تو آج بھی وہی ہے بچوں سے بوڑھوں تک مردوں سے پردہ نشینوں تک سب کا ہجوم ہے، مدائح بلال سننے ہی سینوں سے دل کی طرح بٹنا بابنہ نکلے ہیں۔ شہر بھر نے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیئے ہیں دل کملائے چہرہ مرجھائے۔ دن کی روشنی دھیمی پڑ گئی ہے کہ آفتاب جہاں تاب کی وداع نزدیک ہے۔ آسمان پژمردہ زمین افسردہ جدھر دیکھو سناٹے کا عالم اتنا ازدحام اور ہو کا مقام آخری نگاہیں اس محبوب کے رخ تاباں تک کس حسرت و یاس کے ساتھ جاتی اور ضعف نومیدی سے ہلکان ہو کر بیخود انہ قدموں پر گر جاتی ہیں۔ خاطر سے لب بند نگاہوں کے دھندلکوں سے یہ صدا بلند ؎

کنت سواد الناظری فعمی علیک الناظر
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

اللہ کا محبوب امت کا راعی کس پیار کی نظر سے اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا اور محبت بھرے دل سے انھیں حافظ حقیقی کے سپرد کر رہا ہے۔ شان رحمت کو اپنی جدائی کا غم بھی ہے اور فوج فوج امت کے ہوئے آنے کی خوشی بھی کہ محنت ٹھکانے لگی۔ جس خدمت کو ملک العرش نے بھیجا تھا باحسن الوجوہ انجام کو پہنچی۔ یہ مجلس وصیت ہے تبلیغ کی آخری ساعت ہے۔ اس میں ارشاد ہو رہا ہے لا نبی بعدی۔

الا هو اول الانام خلقا الا هو للنبیین الختام
محمد الشفیع لکل اثم بعاقبه العقوبة والاثام
ملاذ مفزع هو مفزع للورى اذ هال افزاع عظام
حباه الله اوصافا ابت ان یکون لها اشتراك وانفصام
رسالته التی عمت وتمت کمال للرسول به انتظام
به تم المکارم والمعالی وهل بعد التمام لها تمام
قسیم لا یجوز له قسیم به تم المحاسن وانقسام
فدیت محمد اخیر البرایا علیه صلوة ربی والسلام

غلام غوث متعلم علیگڑھ

رُخ مہر ہے۔ قدخط سعی کیطرح ہے نکلہ اُمت میں وہ رائی کیطرح
اُس خاتمِ انبیاء کا آخر میں ظہور ہے مصرعہ آخر رُباعی کیطرح

معبود کی شان عبد میں پاتا ہوں تنزیہ سے تشبیہ کی ہمت آتا ہوں
کلمہ میں احد کے بعد ہے نامِ نبی کعبے سے مدینے کی طرف جاتا ہوں

ہیں خاتمِ عشق کا نگینہ آنکھیں ہیں بحرِ محبت کا سفینہ آنکھیں
ہے گنبدِ پُرنور کی صورت بالکل کعبہ ہے اگر دل تو مدینہ آنکھیں

سیّد احمد حسین امجد

مجھے عشقِ رسولِ دوجہاں ہے
مری رفعت سے بھی کم آسماں ہے

زباں بھی میری واللہ کیا زباں ہے
ثنائے رب میں جب رطب اللساں ہے

زمیں بھی واں کی رشکِ آسماں ہے
مزارِ اقدسِ احمد جہاں ہے

نہیں ہے سفر کا خوف ہرگز
رسولِ پاک جب خود پاسباں ہے

ہمارا مشغلہ ہے رات دن
کہ نامِ پنجتن ورد زباں ہے

جسے ہو صدق دل سے حبِ احمد
وہ اہلِ خلد بیشک میہماں ہے

اگر عصیاں ہمارے ہیں بہت بھی
تری رحمت کا پلہ بھی گراں ہے

فنا فی اللہ کرنا اپنی ہستی
یہی بس سخت سے سخت امتحاں ہے

ثناخوانِ محمد مصطفےٰ ہے
نہ کہ تسلیم رسوائے جہاں ہے

تسلیم حیدرآبادی

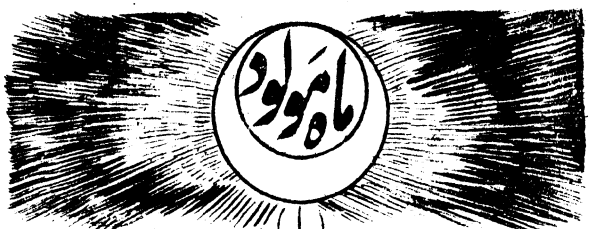

(۱)

پھر دہر میں دورِ حشن مسعود آیا
سرتاج شہور ماہِ محمود آیا
ہے وقفِ درود قدسیوں تک کی زباں
اے اصلِ علیٰ کہ "ماہِ مولود" آیا

(۲)

ایمان سے پھر دلوں میں قوت آئی
پھر آدمیوں میں آدمیت آئی
آیا مہِ عرفاں مہ مولود آیا
رحمت آئی خدا کی رحمت آئی

(۳)

کیوں فخر کرے نہ تیری اُمت تجھ پر
حق کی ہے سوا سب سے عنایت تجھ پر
اوروں نے نبوت سے شرف پایا ہے
نازاں ہے مگر ذاتِ نبوت تجھ پر

(۴)

ہے خاتم مرسلین رسالت تیری
ہے شافع مذنبین شفاعت تیری
اللہ کا ساجھی ہے ترا شیدائی
ایمان سے بڑھکر ہے محبت تیری

خاکسار
میر قطب الدین علی تسلی

مصر میں میلاد النبیؐ

عموماً انسان ممالک غیر کے حالات معلوم کرنے کا شایق ہے اور اس مروہ پسند کو بنسبت واقعات موجودہ کے گزشتہ حالات زیادہ مرغوب ہیں۔ یہی اصول ملحوظ رکھکر میں اس اوور ڈو لیم لین صاحب کی کتاب ماڈرن ایجپشی انز (موجودہ اہل مصر) سے ایک صدی قبل کے حالات جشن میلاد النبیؐ ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین "تاج" کرتا ہوں۔ ربیع الاول ۱۲۵۰ھ میں جس طرح یہ جشن قاہرہ میں منایا گیا تھا اُسکے چشم دید حالات ولیم لین صاحب نے قلمبند کئے ہیں۔

اس ڈیڑھ سال کی مدت میں باعتبار رسم و رواج بہت کچھ رد و بدل کی توقع کیجا سکتی ہے اس لئے دل چاہتا تھا کہ یہ مضمون زیادہ مکمل صورت میں پیش کیا جاتا اور اس عرصہ میں جو تغیرات اس مبارک تقریب میں ہوئے ان کی تفصیل اور جو رسوم اسوقت مصر میں میلاد النبیؐ کے موقعہ پر انجام دیجاتی ہیں انکی کامل تشریح کیجاتی ہے مگر مجھے اپنے ارادہ میں ناکامی ہوئی میں نے متعدد ہندوستانی سیاحان مصر کے سفرنامے بڑے شوق سے کھولے اور نہایت مایوسی کے ساتھ فاتحہ پڑھکر بند کر دئے۔ میلاد النبیؐ کا ذکر تو کہاں بعض صاحبوں نے تو اسکے متعلق ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ البتہ مولوی شبلی نعمانی مرحوم اور حافظ عبد الرحمٰن صاحب امرتسری کے سفرنامجات میں کچھ حالات موجود ہیں جن کا ضروری اقتباس موقعہ بموقعہ حاشیہ میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ مجھے نہایت رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اہل مصر نے میلاد نبی جیسی مبارک تقریب میں بہت سی لغویات اور خلاف شرع امور کو شریک رسم کر لیا ہے جو مصریوں کے ضعف ایمانی اور فرمانروایان مصر کے تغافل دینی کے شاہد ہیں۔ اس موقعہ پر غالباً میری یہ استدعا بیجا نہ ہوگی کہ حامی دین و ملت و نامی بدعت و ضلالت ہمارے بادشاہ ظل اللہ نے میلاد مبارک کے متعلق حال میں جو فرامین ہدایت آئین نافذ فرما کر بعض مکروہات و منہیات تبرع امور کا انسداد فرما دیا اُس پر بطور اظہار شکر و سپاس ہم حضرت اقدس والا ملی کو

آنریبل جواد پاشا ایم او ایم ممالک مصر مرحوم۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی اور حاجی عبد الرحیم اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بگلور کے سفرنامجات اور بعض دوسرے صاحبوں کے سفرنامے۔

بقائے عمر و اقبال صحت و سلامتی کیلئے حق تعالیٰ سے دعا کریں۔ اگر ہمارے حاکم الشریعت و حکیم السیاست سلطان دکن کی نظر کیمیا اثر اس جانب ملتفت نہوتی تو اندیشہ تھا کہ بعض غیر شرعی حرکات جو اس وقت بظاہر خفیف معلوم ہو رہی تھیں اور اظہار شوکت اسلامی کا ایک ذریعہ نظر آرہی تھیں آئندہ چلکر وہ سخت بدعات اور دینی و دنیوی فسادات کا پیش خیمہ ثابت ہوتیں۔

اے بیش از انکہ در قلم آید ثنائے تو
واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو

اب میں اصل مضمون شروع کرتا ہوں۔ ولیم لین صاحب کہتے ہیں۔

ربیع الاول کا چاند ہوتے ہی قاہرہ میں جشن میلاد النبیؐ کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ تہوار بالخصوص شہر قاہرہ کے جنوب مغرب کی جانب محلہ برکۃ الازبکیہ کے ایک بڑے میدان میں منایا جاتا ہے۔ برسات کے دنوں میں یہ جگہ پورا تالاب بن جاتی ہے۔ جس کے کنارے میلاد کے جلسے منعقد ہوتے ہیں جب بارش نہ ہو تو خشک تالاب میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ تماشائیوں اور خصوصاً درویشوں کے لئے یہاں کئی بڑے بڑے ڈیرے اور شامیانے نصب کر دئے جاتے ہیں اور بارھویں ربیع الاول تک ذکر و شغل کے لئے ان میں درویش آتے جاتے رہتے ہیں شامیانوں کے بیچ میں ایک مستول رسیوں سے باندھ کر کھڑا کر دیتے ہیں اور اس مستول پر بارہ چپو لٹکا دئے جاتے ہیں۔ اس مستول کے چاروں طرف پچاس ساٹھ درویش حلقہ باندھ کر ذکر کرتے ہیں اسی کے قریب چار مستولوں کی ایک اور قطار بناتے ہیں جسے قائم کہتے ہیں۔ ہر مستول کے بیچ میں

۱؎ مصر میں اس کو مولد النبی کہتے ہیں۔ مولد کے معنی مکان ولادت اور زمان ولادت دونوں ہیں۔ ۱۲ ۲؎ برکۃ حوض یا تالاب کو کہتے ہیں ازبک تاتاری ترکوں کے ایک مستعد لڑاکا نام ہے۔ آجکل محلہ ازبکیہ میں ایک بڑا بازار اور خوشنما چمن ہے۔ ایک جمعیل کوئی سات گہری ہے جو چمن کو سیراب کرتی ہے۔ شام کو اس چمن میں بڑا مجمع رہتا ہے ۳؎ حافظ عبدالرحمن جبارتی اور ترسی جنہوں نے ۱۸۰۰ء میں مصر کا سفر کیا ہے اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ میدان ہمایہ میں جلسہ ہائے میلاد منعقد ہوتے ہیں (سفرنامہ صفحہ ۵۹) مولوی شبلی نعمانی جن کا سفر ۱۹۱۰ء میں ہوا وہ فرماتے ہیں کہ شہر سے باہر ایک وسیع خطۂ زمین ہے جس کو ایک مخیر خاتون نے اسی کام کے لئے وقف کر دیا ہے اس میدان میں جشن میلاد ہوتا ہے۔ اس میدان کا کل رقبہ دونوں صاحبوں نے نہیں لکھا ۴؎ بقول حافظ عبدالرحمن جبارتی بیشمار قندیلیں نصب کئے جاتے ہیں۔ ارکان دولت۔ مفتی بلاد مصر۔ شیخ الازہر علما اور قاضیوں کے خیمے علم و علمی وہ ہوتے ہیں بعد ازیں ایک عالیشان خیمہ ہوتا ہے جس میں کی طرف سے ایک نائب رہتا ہے ان خیموں کی قطاریں بیضوی شکل کی ہوتی ہیں بیچ میں ایک وسیع میدان خالی رکھا جاتا ہے۔ چاروں طرف قندیلیں لگائی جاتی ہیں جنکے پہریہ بڑے خوشنما اور رنگین ہوتے ہیں ۱۲

کہیں کہیں گزرنا فاصلہ رہتا ہے۔ ان قمقموں پر بہت ساری رسیاں پھیلا دیجاتی ہیں اور بہت سی زمین پر بھی لٹکتی رہتی ہیں۔ گویا رسیوں کا ایک جال سا بنا دیتے ہیں اور بہت سے چراغ ان میں اس طرح پر لٹکاتے ہیں کہ کہیں ان سے پھول بیل اور کہیں شیر وغیرہ۔ کسی جانور کی تصویر کہیں کلمہ یا خدا کا نام بنجاتا ہے کہیں محض خوشنما طریقہ سے چراغ لٹکا دیتے ہیں[1]۔ میلاد النبی کے لئے روشنی و فرش و فروش کی ساری تیاریاں دوسری ربیع الاول تک ختم ہوجاتی ہیں اور تیسری تاریخ سے خوشی اور تقاریب شروع ہوجاتی ہیں جو عشرۂ ازدہم دن رات ہوتی رہتی ہیں۔ ان دس دنوں میں قاہرہ والوں کا محلۂ اذکیہ میں مستقل مجمع رہتا ہے۔ دن کے وقت جولوگ یہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اُن کی دل لگی کے لئے شاعر[2]۔ داستان گو[3]۔ بازیگر[4] اور مسخرے اپنے کمال دکھاتے ہیں۔ آجکل طوائفوں کو حکم دیدیا گیا ہے کہ وہ تائب ہوکر ناچنے گانے کا پیشہ ترک کردیں اسلئے کسی طوائف کی صورت یہاں نظر نہیں آتی[5]۔ محلۂ اذکیہ کی آس پاس کی گلیوں میں

---

[1] مولوی شبلی لکھتے ہیں کہ شامیانے چوکھونٹا شامیانوں کے ہوتے ہیں نہایت تکلف اور نفاست سے باندھا جاتا ہے۔ ہر شامیانہ اور امیرانہ خیمہ جداگانہ طرز سے آراستہ کرتا ہے۔ جھاڑ فانوس کی روشنی ہوتی ہے اور کثرت سے ہوتی ہے (صفحہ ۱۴۳ سفرنامہ) خواجہ نظامی جو ۱۹۱۰ء میں مصر گئے تھے اگرچہ انہوں نے میلاد کے متعلق اپنے سفرنامہ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ تاہم ایک علمی تصویر "مصر میں جشن میلاد شریف" کے عنوان سے شریک سفرنامہ کی ہے جس سے ظاہر ہے کہ عالیشان شامیانوں کی قطار دور تک چلی گئی ہے جھنڈیاں لہرا رہی ہیں اور شیشہ آلات دبتی روشنی سے عجب بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ ۱۲

[2] مصر میں شاعر ایک اہم کی سارنگی پر جسے رباب الشاعر کہتے ہیں شعر خوانی کرتے ہیں بعض وقت ان کا کوئی ساتھی بھی رباب بجاتا ہے

[3] مصر میں داستان گو بھی بہت ہیں جو سارنگی بجا کر داستان بیان کرتے ہیں۔ یہ داستانیں ڈراما کے طور پر بیان کیجاتی ہیں جن میں نظم و نثر دونوں ملی رہتی ہیں۔ ۱۲

[4] ہندوستان کی طرح مصر میں بھی بازیگر۔ بہان متی اور مداری ہوتے ہیں اور عموماً رفاعی یا سعدیہ سلسلہ کے درویش یہ کرتب دکھاتے ہیں یہ لوگ سپیرے کا پیشہ کرتے ہیں۔ اپنی ٹوپیوں میں بچھو بٹھائے پھرتے ہیں اور انواع واقسام کے شعبدے اور چھو منتر دکھاتے ہیں

[5] یہ ۱۹۳۲ء کی کیفیت ہے اس کے بعد ۱۹۹۲ء میں مولوی شبلی لکھتے ہیں "دو تین باتیں قابل اعتراض ہیں اول یہ کہ گیارھویں بارھویں کو آتشبازی ہوتی ہے۔ اور یہ امرا کی رسم کے شایاں ہیں۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کا اجتماع دیکھکر اس مجمع کے قریب کوئی پرتھیٹر وغیرہ قائم ہوجاتے ہیں اسکے بعد ۱۹۵۶ء میں اور ترقی ملاحظہ ہو۔

حافظ عبدالرحمن فرماتے ہیں "مصر میں آزادی اس درجہ ترقی کرگئی ہے کہ اس متبرک جلسہ کے موقع پر بھی شاہان بازاری اپنے خیمے لگاتے ہیں اور محفل رقص سرود گرم رکھتے ہیں اور شائقین ٹکٹ لیکر شریک محفل ہوتے ہیں شراب کی دکانیں بھی ہوتی ہیں" ۱۲

جھولے ہنڈولے نصب کر دئے جاتے ہیں اور مٹھائی وغیرہ کی بہت سی دوکانیں لگا دی جاتی ہیں[1] کہیں کہیں نٹ بھی اپنی قلابازیاں دکھلاتے ہیں۔ ان گلیوں میں بھی بڑی روشنی ہوتی ہے اور بہت سے چراغ لکڑی کی قندیلوں میں آویزاں کر دئے جاتے ہیں۔ حلوائیوں کی دوکانیں اور وہ اسٹال جس میں خورد و نوش کا سامان ہوتا ہے ساری رات کھلی رہتی ہیں اور قہوہ خانے بھی رات بھر گرم رہتے ہیں۔ کسی کسی قہوہ خانے میں داستان گو جنکو یہاں محدث کہتے ہیں قصے کہانیاں سنا کر لوگوں کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ ہر رات کو اس محلے سے آدھی رات گئے درویشوں کے جلوس گزرتے ہیں۔ دن کے وقت عموماً یہ لوگ جھنڈے لیکر نکلتے ہیں لیکن رات کو بجائے جھنڈوں کے ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی لکڑیاں ہوتی ہیں جنکے اوپر کے سرے میں کئی کئی چراغ لگا دیتے ہیں۔ ان لکڑیوں کو قاہرہ میں منور کہتے ہیں۔ درویشوں کے غول کو (خواہ دن میں وہ جھنڈے لیکر نکلے یا رات کو منور کے ساتھ گزرے) اشارۂ فرقہ کہتے ہیں یعنے علم سلسلہ۔ بعض اوقات اشارہ سے مراد جلوس بھی لیجاتی ہے۔ یہ درویش عموماً ادنے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں اور ان کا کوئی خاص لباس نہیں ہوتا[2] ان میں کے بہت سے معمولی عمامے باندھے رہتے ہیں یا بعض کے سروں پر ٹوپی یا روئی بھری ہوئی ٹوپیاں ہوتی ہیں اور جسم میں سوتی۔ اونی یا سن کے کپڑے کی نیلی قمیص غرض کہ اسوقت بھی ان کا وہی لباس ہوتا ہے جو وہ اپنی دوکانوں پر پہنکر بیٹھتے ہیں یا اپنے کام کاج کے وقت پہنے رہتے ہیں۔

بمقابلہ ابتدائی راتوں کے آخری دو راتوں کو اس جشن میں بڑی دھوم دھام اور گھما گھمی ہو جاتی ہے اور لوگوں کے جمگھٹ بھی بہت ہوتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ محلہ سیوتی[3] لکڑی میں

---

[1] حافظ صاحب کہتے ہیں۔ مولود خوانی کے جلسوں کے احاطہ کے باہر دوکانیں لگجاتی ہیں نہایت خوبی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور درخت کا سامان ان میں موجود رہتا ہے ایک طرف ہنڈولے ہوتے ہیں۔ تماشے نصب ہیں بھی فروخت کرتے ہیں۔ بیرونی اجماع بادی النظر میں میلوں کا مشابہ معلوم ہوتا ہے۔

[2] مولوی شبلی فرماتے ہیں۔ ہر جگہ میں خاص خاص گروہ کے فقرا اور صوفیہ جمع ہوتے ہیں۔ درویشان رفاعی کا لباس بھی ایک خاص وضع کا ہوتا ہے۔ پوری ہیئت تو خیال میں نہیں لیکن اسقدر یاد ہے کہ پیجامہ اور کرتہ میں سفید ہوتا ہے۔ "آگے چلکر مولوی صاحب فرماتے ہیں ایک اور گروہ تھا ان لوگوں کے جامے اونچے اور زیادہ گھیر دار تھے فرماتے ہیں گھاگرا والی درویش

[3] سوق بازار کو کہتے ہیں۔ مصر کے شیخ المشائخ جو قبیلۂ بکر سے متعلق رکھتے ہیں اسی جگہ رہتے ہیں اس وجہ سے اس بازار کا نام سوق البکری ہو گیا ہے۔ ۱۲

جو بر کسۃ لالاذ بکیہ کے جنوب میں ہے ذکر و تمثیل سب جگہ سے اچھا ہوتا ہے چنانچہ گیارھویں تاریخ میں اُدھو گیا یہاں کی سڑکوں پر تماشائیوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے اور آج بغیر لالٹن کے بھی چلنے پھرنے کی اجازت تھی۔ یہاں رات کے وقت عموماً عورتیں باہر نہیں نکلتیں چنانچہ آج بھی راہگیروں میں کوئی اکا دکا ہی عورت نظر آرہی تھی۔ سوق السکری میں جس جگہ ذکر ہو رہا تھا اور جہاں سب سے زیادہ بھیڑ تھی ایک بہت بڑا بلوری جھاڑ لٹکایا گیا تھا اصل میں تھے تو وہ کئی جھاڑ مگر ایک کے نیچے ایک اس طرح لٹکا دئے گئے تھے کہ وہ سب ملکر ایک ہی جھاڑ معلوم ہو رہا تھا جس میں شیشے کے کوئی دو تین سو گلاس تھے۔ اس جھاڑ کے چاروں طرف لکڑی کے چہل چراغ زمین میں گڑے ہوئے تھے یہاں یہ روشنی صرف میلاد النبیؐ ہی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ آج شیخ درویش العثمادی کا بھی میسلا[1] دتھا۔ یہ بزرگ اسی محلہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں دفن ہیں۔ یوں تو ہر جمعرات کو یہاں ذکر ہوا کرتا ہے مگر اس وقت میلاد النبی اور شیخ العثمادی کے میلاد کی وجہ سے دھوم دھام زائد کر دی گئی تھی۔ میں نے یہاں بہت سے عیسائیوں کو بھی دیکھا دوسری سڑکوں پر یہ لوگ نظر نہیں آئے تھے۔ اس جگہ میں نے متواتر یہ آواز بھی سُنی:-

"آنحضرت پر جو دُرود نہ پڑھے اسکی آنکھوں میں خاک جھونکدو"

مسلمان مٹھائی فروش وغیرہ جن کا جوش ایسے موقعوں پر غیر معمولی ہو جاتا ہے عیسائیوں اور یہودیوں کو چھیڑنے کیلئے یہ آواز کس رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہاں اس ذکر میں بکثرت قبطی عیسائیوں کے آنے کا کیا باعث ہے تو معلوم ہوا کہ ایک عیسائی برضا و رغبت مسلمان ہو گیا ہے اور اُس نے شیخ درویش کے میلاد کے کل اخراجات اپنے ذمہ لے لئے ہیں (گو یہ عیسائی اپنے ایک بھائی کی دو یا دل کے کرشمے دیکھنے آئے تھے) شیخ عثمادی کوئی مجذوب تھے۔ انکی وفات کو آٹھ برس گزرے ہیں۔ یہاں والے انکے بہت معتقد ہیں۔ اس مسجد کے قریب سڑک پر ایک طرف بوریا بچھا دیا گیا تھا اور کوئی تیس پینتیس درویش آلتی پالتی مارے ہوئے ایک مستطیل حلقے کی شکل میں ذکر کے واسطے بیٹھے تھے۔ حلقے کے بیچ میں تین بڑی بڑی موم بتیاں کوئی چار چار فٹ اونچی روشن تھیں۔ ذاکر[2] زیادہ تر ادنیٰ طبقے کے احمدی[3] درویش تھے۔ یہ موٹے جھوٹے کپڑے

---

[1] مصر میں درویشوں اور صوفیوں کے عرس کو بھی میلاد کہتے ہیں [2] مصر میں ذاکر کو ذکیر کہتے ہیں۔ ۱۲

[3] سید احمد بدوی کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے درویش احمدی کہلاتے ہیں سید احمد بدوی کا مرتبہ بلاد مصر میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے مثل مانا جاتا ہے۔ ان کا مزار قاہرہ سے کوئی آٹھ دس کوس کے مقام طنطہ میں ہے۔ موجودہ شیخ سنوسی بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۲

پہنے ہوئے تھے۔ اکثروں کے سر پر سبز عمامہ تھا۔ حلقے کے ایک طرف چار نشد (قوال[1]) بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ ایک بانسری بجانے والا بھی تھا۔ میں اولاً ایک قہوہ خانہ میں تاک گیا۔ اور پھر تھوڑی سی دیکھا پیلی کے بعد اپنے ملازم کی مدد سے ان منشدوں کے برابر جا بیٹھا۔ داخلین نے استفتاح الذکر یعنے فاتحہ اور درود وغیرہ پڑھا۔ پھر ذکر[2] شروع ہوا۔ درویشوں نے اولاً آہستہ آواز سے لا الٰہ الا اللہ کہنا اور اس کو دہرانا شروع کیا۔ کلمہ کی تکرار کے ساتھ انکا سر و جسم بھی دو مرتبہ جھکتا تھا[3]۔ کوئی پانچ منٹ کے بعد انہوں نے تیزی کے ساتھ کلمے کی ضرب لگانی شروع کی۔ اسی اثنا میں منشد کلمہ گاتے ہے۔ کبھی کبھی وہ نعتیہ قصائد بھی گاتے تھے۔ ذکر میں تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے جب کبھی وقفہ ہوجاتا تھا تو اس وقت منشد قصیدے گانے لگتے تھے[4]۔ وقتاً فوقتاً یہ لوگ "مدد" کے نعرے لگاتے تھے جس سے روحانی مدد یا تائید غیبی طلب کی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ذاکروں نے پھر کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ مگر اب کی دفعہ کے بدل وہی پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اول آہستہ آہستہ ذکر کیا پھر جلدی جلدی جس میں لگانے لگے اس کے بعد جس ترتیب سے وہ بیٹھے تھے اسی ترتیب سے کھڑے ہوگئے اور اب ایک اور قوم میں وہی الفاظ بولنے لگے اس وقت ان کے ساتھ ایک عمدہ لباس پہنے لمبے قد والا حبشی غلام شریک ہوگیا۔ اس کی حرکات و سکنات نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس کی نسبت دریافت کروں۔ معلوم ہوا کہ وہ پاشا کا خواجہ سرا تھا۔ درویش کھڑے ہوئے ایک کرخت اور گہرے لہجے میں کلمہ دہرا رہے تھے اور لا الٰہ الا اللہ کی ضرب

---

[1] عدد کے قوال مختلف بلاد میں مختلف ہیں۔ رباب، عود، دف وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور نشدین کے معنے شعر پڑھنے والے کے ہیں عموماً ایسے موقعوں پر صرف ایک نے سے کام لیتے ہیں۔ ۱۲

[2] مولوی شبلی نعمانی اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ ہر فرقہ اپنے طریقے کے موافق ذکر کرتا ہے۔ ذکر کا طریقہ ہندوستان کے فقراء سے بالکل جدا ہے۔ ۱۲

[3] اسکے متعلق مولوی شبلی لکھتے ہیں کہ سب لوگ حلقہ باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ذکر کے خاص الفاظ ایک ساتھ بلند بلند آواز سے کہتے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ رکوع کے قریب جھک کر کمر اور گردن کو عجیب طور پر حرکت دیتے ہیں، اگر کوئی شخص دور سے دیکھے تو اس کو ورزش کا دھوکہ ہو۔

[4] ولیم لین صاحب نے مولود خوانی کا کچھ ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے۔ ممکن ہے کہ قصائد خوانی کو مولود خوانی پر حاوی سمجھا ہو۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ "علماء اور خوش بیان قاری ہر روز شام کو مولود پڑھتے ہیں آخری دن کا جلسہ بڑا عظیم الشان ہوتا ہے۔ ایک جید عالم جناب سرور کائنات کی ولادت باسعادت کے حالات نہایت فصاحت و بلاغت سے پڑھتا ہے۔ اس وقت سب لوگ جب سمول کھڑے ہوجاتے ہیں اور دعائے نہایت مسرت کے ساتھ دلی توجہ سے سنتے ہیں ۱۲

لگا رہے تھے وہ ایسی آواز نکال رہے تھے جیسی کہ طنبورہ کے کنارہ پر مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لاالہ الا اللہ کو دوھرا تے وقت ہر شاغل وذاکر اپنا سر دائیں طرف ہلاتا تھا۔ اب جنتی غلام ملبوس ہوگیا یعنی اس کیفیت طاری ہوگئی اُس نے اپنے ہتیار پٹک دئے اور جلدی جلدی لمبی لمبی آوازیں نکالکر یا عمی عشمانی[1] یا عثمانوی پکارنے لگا۔ رفتہ رفتہ اُس کی آواز دھیمی پڑتی گئی اور یہی الفاظ کہتا ہوا لوگوں کے سنبھالتے سنبھالتے زمین پر گر پڑا۔ اُس کے منہ میں جھاگ آگئے آنکھیں اوپر چڑھ گئیں۔ ہاتھ پاؤں اکڑ گئے اور ٹھیاں شیشے سے بند ہوگئیں۔ اسکے حال آنے پر کسی کو حیرت نہوئی اس قسم کے واقعات ذکر میں اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ اب دوسرے درویش بھی زیادہ جوش میں آگئے اور نہایت تیزی کیساتھ سروں کو ہلا ہلا کر زور زور سے ذکر کرنے اور جھومنے لگے بعض وقت وہ اُچھلنے کودنے بھی لگتے تھے۔ اُس خواجہ سرا پر کئی مرتبہ حالت طاری ہوئی۔ اس کو خصوصاً اسوقت وجد آتا تھا جب نشد دو ایک شعر گانے کے بعد خوب زور لگا کر سامعین کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے یا یوں کہو کہ عُرفی کے اس مقولہ پر عمل کرتے تھے[2]۔

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
خدائے را تیز تر میخواں چو محفل را گراں بینی

اُسوقت کا راگ بہت اچھا اور میرے مذاق کا تھا۔ ذکر کے دوران میں ایک سپاہی بھی جو شریک محفل ہوگیا تھا کئی مرتبہ ملبوس ہوا۔ یہ بُری طرح چیختا تھا اور بڑے زور سے اپنا سر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ہلاتا تھا۔ ذکر کے ابتدا میں درویشوں کی سنجیدگی و متانت اور ختم کے وقت یہ ہوش قابل دید تھی۔ ختم کے بعد منشدوں کے لئے کچھ چندہ کیا گیا ذکر کرنے والوں کو کچھ نہیں دیا جاتا۔

ذکر رات بھر ہوتا رہتا ہے۔ درمیان میں ٹھہر ٹھہر کر قہوہ اور حقہ پیتے رہتے ہیں[3]۔ اس وقت رات کے گیارہ بج گئے تھے۔ میں یہاں سے برکتہ الاذبکیہ کو گیا۔ چاندنی اور چراغوں کی روشنی

---

[1] لے میرے چچا عثمانوی۔ اے عثمانوی یہ وہی شیخ عثمانوی ہیں جن کا یہاں مولد ہورہا تھا۔

[2] ولیم لین صاحب نے عرفی کا شعر نہیں لکھا ہے۔ اس فقیر نے موقع کے لحاظ سے اس مقام پر چسپاں کردیا۔ ۱۲

[3] مولوی شبلی لکھتے ہیں:۔ ہر شیعے میں چائے شربت یا اور کسی قسم کی چیز ہر وقت موجود رہتی ہے جسوقت کوئی شخص اگرچہ تماشائی ہو شیعے میں داخل ہوتا ہے فوراً اوسکی توضع شربت چائے سے کیجاتی ہے۔ یہ امراء کے خیموں کی کیفیت ہے۔ ولیم لین صاحب نے اُن خیموں کا ذکر کیا ہے جس میں درویش ذکر کرتے ہیں۔ ۱۲

دل پر وجدانی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ڈیروں کے بہت سے چراغ خاموش ہو گئے اور بہت سے آدمی جنبیوں اور شامیانوں میں پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ درویشوں کا ذکر ختم ہو چکا تھا اس لئے یہاں کی کیفیت اگلی رات کے حالات میں بیان کروں گا۔

دوسرے دن جس کی رات شب میلاد تھی میں کوئی گیارہ بجے دن کے بھر محلہ برکۃ الازبکیہ کو گیا۔ ابھی تک یہاں زیادہ رونق نہیں ہوا تھا اور نہ یہاں کچھ زیادہ دیکھنے کا سامان تھا۔ صرف دو تین بازیگر کچھ سحر کے اور شعبدے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے گرد تماشائیوں کا چھوٹا چھوٹا سا حلقہ تھا لیکن آج یہاں جگہ جگہ ایک ایسا تماشا ہونے والا تھا جس کے دیکھنے کے لئے بڑا مجمع اکٹھا ہوتا ہے۔ اس لئے تھوڑی دیر میں تماشائیوں کے لئے ٹھٹ لگ گئے۔ یہ تماشا یا کرامات سعدیہ درویشوں کے مرشد سید محمد النسر کی دکھایا کرتے ہیں۔ آج جمعہ تھا۔ شیخ ممدوح مسجد حسینی میں خطیب ہیں یہاں سے بعد نماز جمعہ و خطبہ شیخ گھوڑے پر سوار ہو کر شیخ الکبری کے مکان کو گئے جو شیخ المشائخ اور تمام مشائخ مصر کا خواہ وہ کسی سلسلہ کے ہوں۔ مرکز ہیں۔ شیخ الکبری کا مکان برکۃ الازبکیہ کے جنوبی جانب ہے۔ راستہ میں سعدیہ درویشوں کی بہت سی ٹکڑیاں جو قاہرہ کے مختلف اضلاع سے آئی ہوئی تھیں ان کے ساتھ ہو گئیں۔ ہر فرقہ کا غول اپنے اپنے جھنڈے علم لے کر چل رہا تھا۔ سید محمد النسر ابی ایک نورانی صورت کے بزرگ ہیں اور وہ ہاشمی ہونے کے آثار اُن کے چہرہ سے ظاہر تھے۔ اس وقت یہ عبا قبا پہنے ایک متوسط قد و قامت کے گھوڑے پر سوار چلے آتے تھے۔ شیخ برکۃ الازبکیہ میں سعدیہ درویشوں کے ایک بڑے ہجوم کے ساتھ داخل ہوئے اس جگہ شیخ الکبری کے مکان سے تھوڑے فاصلہ پر جلوس ٹھہر گیا۔ اس جگہ کوئی سو ڈیڑھ سو درویش زمین پر برابر برابر اوندھے لیٹ گئے۔ اُنکی ٹانگیں پوری طرح پھیلی ہوئی تھیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ پیٹھوں کے نیچے رکھ لئے تھے یہ اوگ اللہ اللہ اللہ رہے تھے۔ اب کوئی بارہ تیرہ آدمی ہر ہم میں سے اکثر ننگے پاؤں تھے۔ اور بعض کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے نقارے تھے اللہ اللہ کہتے نقارے بجاتے اپنے اوندھے پڑے ہوئے ساتھیوں سے ٹانگیں بچاتے ہوئے گزرے۔ ان سب کے بعد شیخ تشریف لائے۔ اول تو ان کا گھوڑا آدمیوں کی پیٹھ پر چلنے سے جھجکتا

لہ مصر کے میسر فاطمی خلیفہ المؤید باللہ نے جس کی سلطنت ۴۴۷ھ سے ۴۸۷ھ تک رہی جب شاہ قسطنطنیہ کا حامل کر لیا تو دمشق سے امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک قاہرہ منگوایا اور ایک عظیم الشان مقبرہ تیار کرا کے اُس میں دفن کیا۔ اس مقبرہ کے پہلو میں ایک نہایت عالیشان مسجد ہے جو مسجد حسینی کہلاتی ہے اگرچہ مقبرے اور مسجد کا انتظام اور نگرانی اعلیٰ درجہ کے سید حسینی خلیفہ علیہ السلام کے سپرد کے متعلق اور بھی کئی روایتیں ہیں ایک یہ کہ جب جامع الازہر کے ساتھ دفن کر دیا ایک یہ کہ جنت البقیع میں دفن ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ دمشق کے مسجد اموی کے متصل ایک بڑی مسجد ہے جسے مسجد الرأس کہتے ہیں اس میں سر مبارک دفن ہے۔

گرسانے سے کھسٹنے اور پیچھے سے ڈھیلنے پر پہلے شخص پر قدم رکھا اور پھر بے دھڑک تیزی کے ساتھ چلنے لگا۔ دو آدمی جو اسکی باگیں پکڑے چل رہے تھے وہ بھی آدمیوں پر سے گزرے ان میں سے ایک شخص لوگوں کی ٹانگوں پر قدم رکھتا تھا اور دوسرا سروں پر۔ تماشائیوں نے یہ کیفیت دیکھکر بڑے زور سے اللہ کا نعرہ لگایا۔ جن پر گھوڑا گزرا اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچی جس پر سے گھوڑا گزر جاتا تھا وہ لپک کر کھڑا ہو جاتا تھا اور آگے جا بیٹھتا تھا تاکہ پھر اُس پر سے گھوڑا گزر جائے۔ ہر شخص کو گھوڑے نے دو دو مرتبہ کھُندلا اولاً اگلے پاؤں سے پھر پچھلے پاؤں سے۔ کہتے ہیں کہ کسی کو ایذا نہ پہونچنے کے خیال سے شیخ ساری رات عبادت میں گزارتے ہیں اور خاص دعائیں مانگتے ہیں اور مرید بھی کچھ دعائیں پڑھتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جو لوگ دعا و عزیمت سے تیار نہ ہو کر آئے ان کو سخت صدمہ پہونچا یا مر ہی گئے۔ بعضے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر گھوڑے کے نعل نکال ڈالے جاتے ہیں مگر میں نے خود دیکھا کہ اُس کے نعل بندھے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ فرقۂ سعدیہ کے بانی گھوڑے پر سوار ہو کر شیشوں پر چلا کرتے تھے اور کوئی شیشہ ٹوٹتا نہ تھا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ گھوڑا پہلے سے سدھا ہوا رہتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو گھوڑا پہلے پہل آدمی پر قدم رکھنے میں بدکتا نہیں۔ کئی برس ہوئے موجودہ شیخ نے یہ رسم جو رِجلہ یعنی پاؤں سے روندنا کہلاتی ہے انجام دینے سے انکار کر دیا تھا مگر مریدوں کے اصرار سے اپنے ایک مرید کو جو اندھا تھا یہ کرامات دکھانے کی اجازت دیدی تھی لیکن تھوڑے دن بعد وہ بھی مر گیا اور شیخ نے اپنے مریدوں کے کہنے سُننے سے پھر یہ عمل شروع کر دیا۔ یہ رسم نہایت خیر و خوبی کے ساتھ انجام دینے کے بعد شیخ اسی گھوڑے پر سوار ایک باغ میں گئے اور وہاں سے شیخ اسکری کے مکان پہونچ گئے۔ اسوقت ان کے ساتھ بہت کم درویش تھے جن کے پیچھے پیچھے میں بھی ہو لیا تھا۔ دربان نے مجھے اندر جانے دیا۔ شیخ گھوڑے سے اترے اور ایک جانماز پر جو دالان میں بچھی ہوئی تھی۔ اخیر دہ شکل بنائے آہستہ جھک کر بیٹھ گئے اور کچھ پڑھنے لگے۔ میں شیخ کے بالکل قریب کھڑا تھا سات آٹھ آدمی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور بیس بائیس درویش جو ان کے ساتھ آئے تھے وہ نصف دائرے کی شکل میں ان کے سامنے کھڑے تھے۔ اس حلقے میں سے چھ آدمی آگے بڑھے اور ذکر شروع کیا۔ ہر شخص اللہ ہو حی کے نعرے لگا رہا تھا اور ایک چھوٹا سا نقارہ جو ہر ایک کے ہاتھ میں تھا ایک تسمے سے پیٹتا جاتا تھا۔ چند منٹ تک یہ ہوتا رہا۔ اتنے میں ایک حبشی غلام کو وجد آ گیا۔ یہ درویشوں کی طرف جھپٹا اور اپنے تئیں پھینک کر بآوازِ بلند۔ اللہ اللہ کی ضربیں لگانے لگا۔ کچھ دیر بعد اسکو ہوش آ گیا۔ پھر دوسرا ذاکر شروع ہوا۔ اس میں ایک آدمی اللہ ہو حی کہتا تھا دوسرے اُس کے جواب میں یا حی کہتے تھے اور ہر نعرے کے ساتھ

یہ لوگ دائیں بائیں جھکتے تھے۔ دس منٹ تک یہ ہوتا رہا پھر دم اور یا دائم کا ذکر شروع ہوا۔ اسوقت میرا دل بھی چاہنے لگا کہ ان میں شریک ہو جاؤں چنانچہ درویشوں میں گھسکر میں نے بھی ہو حق کی اور الحمد للہ کہ کسی کی نظر میں کھٹکا نہیں۔ کچھ دیر تک ذکر ہوتا رہا پھر درویشوں نے شیخ کی دست بوسی کی اور وہ آرام کیلئے بالا خانہ میں چلے گئے۔

سعدیہ درویشوں کا پہلے یہ بھی طریقہ تھا کہ وسعہ کے بعد شیخ البکری کے مکان میں وہ خاص خاص آدمیوں کے سامنے سانپ بچھو کھانے کی کرامات دکھایا کرتے تھے مگر موجودہ شیخ نے اس خیال سے کہ مذہبًا سانپ حرام ہے اسکی ممانعت کر دی ہے۔ یہ لوگ سانپوں کے زہریلے دانت اکھاڑ ڈالتے تھے یا اوپر نیچے کے ہونٹ ملا کر سی دیتے تھے تاکہ کاٹ نہ سکیں بعض وقت یہ لوگ وسعہ کے مجلس میں بھی سانپ لیکر نکلا کرتے تھے اور ان کے ہونٹوں میں چاندی کے دو چھلے ڈال دیتے تھے۔ جسوقت کوئی سعدی درویش سانپ کھانے کو تیار ہوتا تو اسکو اسوقت ایک قسم کا جذبہ یا جنون چڑھ جاتا تھا۔ وہ اپنے انگوٹھے سے سانپ کا پھن بڑے زور کیساتھ سر سے کوئی انچ کے حصلہ پر کچل دیتا تھا اور دونوں نوالوں میں سانپ کا پھن بچا جاتا تھا جسم کا باقی حصہ پھینکدیتا تھا۔

شب دوازدہم کو جو خصوصًا شب میلاد کہلاتی ہے میں پھر میلے کے مقام پر گیا۔ یہاں کوئی ساڑھے ستر درویش ایک شامیانے میں ذکر کر رہے تھے۔ اس حلقہ میں مختلف سلسلوں کے درویش شریک تھے مگر ذکر جو اسوقت ہو رہا تھا وہ خصوصًا سلسلہ بیومیہ کا تھا جسمیں ذاکر یا اللہ کے نعرے لگاتے ہیں اور ہر نعرے کیساتھ اپنا سر جھکاتے ہیں اور اسکے ساتھ ہی اپنے ہاتھ چابیہ کی شکل میں سینہ کے سامنے کرتے ہیں پھر سر اٹھاتے ہیں اور سب ملکر ایک مقرا اپنے چہرہ کے سامنے تالی بجاتے ہیں۔

حلقے کے باہر بہت سے تماشائی زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ درویش کوئی آدھ گھنٹہ تک ذکر کرتے رہے اس کے بعد انہوں نے پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں کی ایک ایک ٹکڑی بڑے بڑے حلقوں کی شکل میں اس طرح بنائی کہ ہر شخص نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے قریب والے کی پیٹھ پر اور اپنا بچہ اُس کے کندھے پر رکھا۔ ان سب کے چہرے حلقے کے باہر حاضرین کی جانب تھے۔ یہ لوگ نہایت کرخت لہجہ میں لفظ اللہ اللہ اپنے حلق سے ادا کر رہے تھے[1]۔ اور ہر نعرے کے ساتھ ایک قدم پہلے آگے اور پھر پیچھے رکھتے تھے اور ہر دفعہ قدم آگے اٹھاتے وقت اپنے دائیں جانب ذرا ہٹتے جاتے تھے اور اس طرح نہایت آہستگی کیساتھ ہر حلقہ گردش کر رہا تھا[2]۔ ہر ذاکر اپنا سیدھا ہاتھ اٹھا کر تماشائیوں کو جو حلقے کے باہر تھے سلام بھی کرتا جاتا تھا۔ بہت سے لوگ

---

[1] اس تکے درویشوں کو بعض سیاحوں نے بھونکنے والے یا دھاڑنے والے درویش لکھا ہے۔

[2] اکثر سیاحان معتبر شلا مسٹر لطفیہ وغیرہ نے درویشان رفاعی یا عال قال والے درویشوں کا ذکر کیا ہے اس وقت ان درویشوں کا صرف اس قدر ذکر کافی معلوم ہوتا ہے جو مولوی شبلی نعمانی نے میلاد النبیؐ کے حالات میں تماشا دیکھنے والے درویشوں کی نسبت تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو سفرنامہ (۳۰۵) بقیہ حاشیہ ۔

جب یہ درویش ان کے قریب پہونچتے تھے تو اِن کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں سے مصافحہ اور دست بوسی بھی کر رہے تھے۔ اِس قسم کے ذکر کوئی تین بجے رات تک ہوتے رہے۔ دوسرے تماشے صبح کی نماز کے وقت ختم ہوئے اور ڈیرے صبح دن نکلے اٹھا دئے گئے۔"

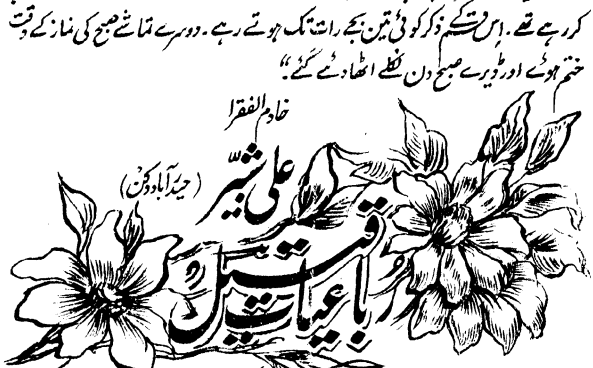

تو آیا نظر جلوۂ رب دیکھ لیا — جو کچھ مجھے دیکھنا تھا سب دیکھ لیا
بنکر ہمہ عین اپنی آنکھوں سے آج — میں نے تجھے یا شاہِ عرب دیکھ لیا
اِس طرح ہو مورد مرا حسم عطا غیر منقوص لکھ مدح رسولِ دوسرا مدح سرا
مسرور ہو دل اگر ہو سرگرم درود لو آؤ کہو اہلِ ولا صلِّ علےٰ

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۲) "وہ لکھتے ہیں" درویشان رفاعی کا طریقہ ادا بھی عجیب ہے اور سچ یہ ہے کہ فقر و تصوف کی تضحیک و توہین ہے۔ ان کا لباس ایک خاص وضع کا ہوتا ہے۔ پوری ہیئت تو خیال میں نہیں آتی لیکن اسقدر یاد ہے کہ پیچیدہ اور کریند میں سبز پگڑی ہوتا ہے۔ یہ لوگ صف باندھکر بیٹھتے ہیں اور ان میں جو شخص ذکر کرنا چاہتا ہے وہ وسط محفل میں جاکر ناچنا شروع کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پانچ سو تک تمام اہول اور اکٹھے جاتے ہیں لیکن میں نے جو دیکھا وہ اسقدر تھا کہ وہ شخص ایک جگہ کھڑا ہو کر پھرکی کی طرح چکر لگاتا تھا۔ قریباً ایک گھنٹے تک ناچتا رہا لیکن ہاتھ یا اور کسی عضو کو حرکت نہیں ہوتی تھی۔ ایک دوسرا گروہ تھا جسکا طریقہ اس سے کسیقدر مختلف تھا۔ ان لوگوں سے جامے اونچے اور زیادہ گھیردار تھے۔ قریباً جسطرح گھاگرا اولی پیٹس۔ ناچنے کے وقت یہ لوگ دونوں ہاتھ پھیلا کر ناچتے تھے۔ مجھکو سخت افسوس ہوا کہ اس بیہودہ طریقہ کو یہ لوگ عبادت سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگ غوث قطب۔ ابدال اور اوتاد کے رتبہ تک ترقی کرتے ہیں۔"
(سفرنامہ صفحہ ۲۱۲)

رباعیاتِ امجد

پہنچا ہے سرِ عرش مقدر میرا — مرکز پہ ہوا ہے تم چکر میرا
ہے سارے جہاں کا سر ترے قدموں پر — تیرے قدموں پہ جب سے ہے سر میرا

سو مرتبہ در پر ترے آنے والا — آنکھیں تری راہ میں بچھانے والا
اے عرش نشیں کیا تو مجھے بھول گیا — میں ہوں وہی نعلیں اٹھانے والا

مشتاقِ قدم ہے آستانِ دیدہ — خالی ہے ترے لئے مکانِ دیدہ
اے چشم و چراغِ جانِ امجد آجا — نادیدہ ہیں تیرے پیر و مانِ دیدہ

بھولی بندے کی بندہ پرور بھر دے — کشکول میں مقصود کے گوہر بھر دے
صدقہ ترے میخوار کا میخانے کے — اے ساقیٔ کوثر مرا ساغر بھر دے

سید احمد حسین امجد

نیلے آسمان میں افق مغرب پر جو چیز کرکھائی دیرہی ہے اور جیسے ڈیانگ رہی ہے وہ چاند ہے اور اہ میلاد النبی ﷺ کا چاند ہے یہ چاند تو سب کا چاند ہے مگر میرا چاند مدینے کا چاند ہے، ہوسٹن ۵ میں ہمسفر عرب کے پیاری زمین مکہ مکرمہ پر بڑی شان کیساتھ چمکا تھا آسوقت آسمانی فضا چترکی ہوئی فضائے بسیط کہر کی ہوئی تھی نور و انوار کی بارش رحمتوں کا مینھ برس رہا تھا ہرے بھرے باغ نہر پر سے گذرتے تھے کلیاں چٹک رہی تھیں پھول مہک رہے تھے ٹھنڈا ٹھنڈا معطر معطر ہوا چلتی تھی پھر بڑی تھی سمندر کی لہریں اٹھ اٹھ کے دف ساجاتی تھیں پانی لہرا رہا تھا نغمے سنا رہا تھا اور یہ آسمانی چاند ستاروں کے ساتھ سواحی آسمان پر رہا تھا اسے مہم ہستیاں خوشی کا گیت گا رہی تھیں نورانی صورتیں مسرت کا راگ الاپ رہی تھیں عرش سے لیکر فرش تک ایک دھوم تھی اور نیچے اپنے میں ہی اپنی تھیں نہیں عالم عرشستان ہیگستان ہے اور مدینہ بھی ٹیلا دیا ہے جو عربی دیار کا سہرا ہے سہرے کے لاکھ پھول دخیلے رنگ برنگی نرس ہیں جنہوں نے اطراف عجیب بہار دے رکھی ہے کچھ مدت میرے چاند کے بارگاہ قدس کے لیے کھڑے ہوئے ہیں جو خادم کھڑے ہوئے ہیں اس چاند کی رکابی کالی کالی ہے عرب کا چاند ذرا پیلا دکھائی دیتا ہے جیسے دودھی رات میں آسمان پر کالے بادل مدینے کا آنکھ اور آنکھ کی پتلیوں میں ہے سینہ اور دل میں ہے جس کا فوٹو کیمرہ دل لیتا رہتا ہے مجھ جیسے بدنام رٹنے اسی کا مالا جپتے ہیں اور چاند کے چاہنے والے ہر خطہ میں ضرور ملیں گے اس کی مت اسلامی دنیا پر ہے اس کا سکہ زمانے بھر میں چلتا ہے اس کے نام کا خطبہ ہر جا پڑھا جاتا ہے ڈاڑھے تیرہ سو برس گزرے رنیا کیا سے کیا ہوگئی مگر اس کی یاد اب تک دلوں میں تازہ ہے پس مدینے کے چاند کا پلہ اس آسمانی چاند سے بھاری ہے مدینے کا چاند آنکھوں کو کافی نور دل کو واقعی سرور بخشتے۔ آسمانی چاند چوٹ پایا ہوا داغ کھایا ہوا ہے اسنے داغدار ہے نور و منت کیش ہے اسکی لیاقت جو مدینہ کی چاند کی برابری یا ہمسری کرے کیونکہ اس نے اس چاند کا معجزہ حسن دیکھ لیا۔

میرے چاند کا خبر رساں ہے۔ ہر قوم کا ایک چاند ضرور ہے مگر ہم مسلمانوں کا چاند مدینے کا چاند ہے زمانہ لاکھ رنگ بدلے یا بھلا دے مگر اس چاند کا نام تاریخ عالم کے صفحوں میں سنہرے حرفوں سے لکھا ہوا ہے اس نے اپنی زندگی میں اس جاہلیت کے زمانہ میں جو کام کئے جسطرح پر سکندر کی جیسا حکمرانی کا حق ادا کیا وہ مدینے کے چاند کا ہی حصہ تھا۔

مدینے کے چاند اور اس کے تاروں کے مقابل ہو کر آسمان عرب پر کفار مکہ اکثر بادل بنکر گرجے بجلیوں سا کوندے چمکے اسلامیوں کے خرمن جلائے اندھیوں سا آئے بگولوں سا پلٹے آخر خدا کے فضل سے عرب کا یہ اکیس سالہ غبار آلود مطلع صاف ہو گیا یعنے ۸ھ کو مکہ فتح ہو گیا اس قصہ اس چاند نے ظالم کفار مکہ کے ساتھ جس طرز سے اپنی حکمرانی کو چار چاند لگا کر چمکائے اسکی مثال دنیا بھر کی تاریخ میں نہ مل سکتی ہے نہ ملے گی۔ پس مدینے کا چاند شاہوں کا شاہ دنیا کا سرتاج خاندان آفتاب ہے بانکا رسیلا ہریالا متوالا ہے جس کی کرنوں سے اک خوبیوں کا سمندر اُبلتا ہے خیر و برکت کا دریا بہتا ہے اور یہ آسمانی چاند راتوں اور سورج دن میں روزانہ میرے چاند مدینے کے چاند کا تصدق ہوتا رہتا ہے۔ آہ ہم کدھر اور مدینے کا چاند کدھر اپنی غفلت نصیبی بدقسمتی سے کالے ملک میں پڑے ہوئے ہیں۔ عزت پایا دولت ملی سب کچھ دیکھ لیا گوری حکومت سے دل سیر ہو گیا۔ اب دل و جان ایمان سے لکھتا ہوں اور شام کے وقت یہ آسمانی چاند کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری نظریں سب سے بہتر مدینے کا چاند ہے۔ پس میرے اندھیرے گھر کے اُجالے آنکھوں کے تارے اسلامیوں کے چاند ہے مدینے کے چاند ہے

تو اگر عہد وفا بندہ کے میرا ہو جائے گورے ملکوں کے اُجالے میں اندھیرا ہو جائے

سلیم الدین وکیل پرنور (دکن)

رباعیات

اک پیکر ان مدح تری لکھے کیا محمود ہے تو اور ترا حامد ہے خدا
کہتے ہیں بشر تجھے مگر تجھ سا بشر آنکھوں نے کبھی دیکھا نہ کانوں نے سنا

اے رہبر کل فداک امی وابی اے شمع سبل فداک امی وابی
پہنچایا فضیل کو خدا تک تو نے یا شاہ رسل فداک امی وابی

فضیل عبدالحق

کیست دردکش این سلسلہ یارب کز دوش
قبلۂ حاجت و محراب دعا می بینم
(حافظ)

السنۂ ملل میں شیکسپیر نیا و سیر محمدی اکور ان کے ہیرو۔

شیکسپیر کی خوشہ چینی میں۔ اسکے کلام کی تحقیق میں۔ اسکی سوانحنگاری میں۔ اور اس کی حقیقی یا موہوم ہستی کو آفتاب بناکر چمکانے میں۔

غرض یہ کہ 'شیکسپیر نیا' کو مرتب کرنے میں جس وسعت و عظمت سے کام لیا گیا ہے اسکی کوئی دوسری نظیر مغربی ادبیات کے دائرہ میں نظر نہیں آتی! البتہ ادبیات عالم میں سیر محمدی کا ایک ایسا سدا بہار گلدستہ موجود ہے جس کے مقابل 'شیکسپیر نیا' کی یہ بہار خزاں سے بدل جاتی ہے۔ لیکن اسکے باوجود یہ نہایت تعجب خیز امر ہے کہ موجودہ مادی تہذیب کے عام پرستار 'شیکسپیر نیا' کی اس ہار۔ اور 'سیر محمدی' کی اس جیت کو بالکل معکوس اور متضاد نگاہوں سے مطالعہ کرتے ہیں اگر اُن کے پاس 'شیکسپیر نیا' تحقیقات کا سرچشمہ ہے تو 'سیر محمدی' خرافات کی دلدل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ 'شیکسپیر نیا' 'حقیقت' کا منبع اور احتجاج و مسرت کا گنج سمجھا جاتا ہے تو 'سیر محمدی' توہش اعتقاد کی داستان اور سنہ پندرہ سو تاریخ کی دلچسپیوں کا مشغلہ خیال کیجاتی ہے۔ شیکسپیر نیا کا ایک ایک لفظ الہام کی کیفیت پیش کرتا ہے تو سیر محمدی کے مستندات بھی نقائص سے مملو تصور کئے جاتے ہیں۔ شیکسپیر نیا کا ہیرو ذہنی فنی حیثیت سے دنیا کا عظیم الشان انسان۔ اہل تخیل کا سرتاج۔ فطرت انسانی کا ترجمان اعظم بنا ہوا ایک ایسی جلوہ نمائی کرتا ہے کہ اسکی عظمت کا راز دریافت کرلینا عقل کی پرواز سے باہر نظر آتا ہے۔ احرار مادیت نہ صرف اسکو صحیح کا مدمقابل بنانے میں بلکہ صحیح پر اسکو ترجیح دینے میں بھی خود کو حق بجانب تصور کرتے ہیں۔ اسکے برخلاف 'سیر محمدی' کا ہیرو یا تو ہر قسم کے اخلاقی۔ سیاسی۔ اور معاشرتی عیوب کے ایک مجسمہ کی شکل میں یا افتقاد پسندی کی یہ عدیم المثال صورت

نمایاں کیا جاتا ہے۔ اسکی ہستی ایک پیمبرانہ قرار دی جاتی ہے۔ اور ہیرو پیمبر کر اگر کچھ عقدہ کشائی کیجاتی ہے تو وہ یہ کہ نماز جمعہ میں روحانی کیفیات سے سرور حاصل کرتے وقت دماغ پر جنون کا ایک ایسا اثر پڑا کہ مرتے دم تک اس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اور اسیطرح پیغمبری کا خود فریب نشہ جو سر چڑھا وہ کبھی دور نہ ہوا نعوذ باللہ من ذالک

حقیقتِ محمدی

ذات وحیاتِ محمدی کے متعلق پرستارانِ تہذیب کا یہ عام رجحان اگر سچ پوچھا جائے تو اس متعصبانہ کلیسائی حکمتِ عملی کا باقیماندہ اثر ہے جو قرونِ وسطیٰ میں صلیبی تفوق کیلئے قصداً اختیار کی گئی تھی۔ لیکن کلیسائی گھٹا جب نشاۃِ جدیدہ کی شعاعوں سے دور ہو جاتی ہے اور تحقیقات کا ذوق آفتاب بنکر چمکنے لگتا ہے تو تہذیب سائرہ کے ہر مرکز میں گبن جیسے مستند محقق اور آرنلڈ جیسے انصاف شعار 'حقیقتِ محمدی' کو بھی دریافت کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر یہ سمجھتے اور سمجھاتے ہیں کہ وہ ایک لاینحل راز ہے۔

عظمتِ محمدی

'حقیقتِ محمدی' بے شک ایک لاینحل راز ہے۔ اور اسوقت تک صحیح طور پر اس راز کی عقدہ کشائی ناممکن سمجھی جائے جب تک کہ عقل اپنے معراجِ کمال پر نہ پہنچ جائے یا بالفاظِ دیگر مذہب اور سائنس کی معرکہ آرائی ختم نہ ہو لے۔ لیکن پھر بھی سوانح نگاری کے موجودہ رجحان کو نیا اور سائنٹفک اصولِ تنقید کو رہبر سمجھکر حیاتِ محمدی پر اگر نظر ڈالی جائے تو حق پرست نگاہیں کسی حجاب کے بغیر یہ مشاہدہ کر سکتی ہیں کہ تاریخِ عالم میں ابتدا سے اسوقت تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو سیرِ محمدی کے ہیرو کا مدِ مقابل قرار دیا جا سکے۔ اور تمام بنی نوعِ بشر میں عظمت کا تاج اگر کسی سر پر رکھا جا سکتا ہے تو یہ صرف اسی کا مبارک سر ہے۔ اور دوسرا کوئی نہیں۔ شیکسپیر جسکی عظمت صرف ترجمانی فطرت اور ڈراما نویسی کے دائرہ میں محدود ہے ایک طرف۔ بکل القیین کنفیکس جسکو دنیا کا سب سے زیادہ عظیم الشان انسانی ثابت کرنے میں مسٹر پارکر نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے۔ ہمارے اس ہیرو کے روبرو طفلِ دبستاں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

قبل ازیں کہ قرار دادہ مسلک پر نگاہ ڈالی جائے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ایک انسان کے مقابل دوسرے انسان کو اور ایک سوسائٹی کے توازن میں دوسری سوسائٹی کو مجموعی طور پر اگر فوقیت دی جا سکتی ہے تو اس کا حقیقی معیار کیا ہے۔ اور 'عظمت' کی جانچ کس طرح ہو سکتی ہے۔

عظمت کا معیار اور مفہوم۔

انسان خواہ وہ آدم و حوا کا فرزند ہو یا انڈے سے نکلا ہوا چوزہ۔ دو تاڑوں کی غیر جنسی مواصلت کا ثمرہ ہو یا دو مریدہ بندر۔ بہرحال کائنات میں اس کے رتبہ کے متعلق سائنٹفک دنیا کی یہ تھیوری ایک مسلمہ حیثیت رکھتی ہے کہ وہ تغیر یاب۔ اور شکل پذیر مادہ کی آخری بہترین شکل ہے۔ اور اس کا مکمل ترین نمونہ 'متمدن انسان'۔ تو گویا یہ ایک بدیہی امر ہے کہ انسانی 'قوت اور عظمت' کا حقیقی معیار صرف مدنیت ہے۔ رہا مدنیت کا حقیقی مفہوم تو وہ زیادہ صراحت طلب نہیں ہے۔ دنیا میں اسوقت بھی متمدن اور غیر متمدن دونوں طرح کے انسان موجود ہیں اور دونو میں اصلی تفاوت بس یہی ہے کہ بقاء حیات کے لئے غیر متمدن انسان کے مقابل متمدن انسان کی جدّ و جہد اور کد و کاوش بدرجہا زیادہ ہوا کرتی ہے۔ ابتدائے مدنیت سے اسوقت تک تہذیب و توحش کے مابین یہی جدّ و جہد حدِ فاصل اور درجۂ تمیزی بنی رہی اور جب تک انسان دنیا میں موجود ہے اسکی یہ دونوں جنسوں میں یہی جدّ و جہد فرق مراتب کا کام دیتی رہیگی۔ بقاء حیات کی اسی جدّ و جہد اور کشمکش میں ابتداہی سے ایک ایسی چیز کی تلاش شروع ہوتی ہے جو آب حیات کا کام دے سکے اور 'فنا' کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دے۔ اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ 'آب حیات' کا چشمہ اگر کہیں دستیاب ہو سکتا ہے تو وہ صرف 'حقیقت کائنات' کی قلمرو میں چنانچہ اس قلمرو میں چھان بین ہونے لگتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اچھی طرح یہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ تمدن کا رجحان تمدن کی بنیاد۔ غرض یہ کہ مجسم تمدن اسی 'حقیقت کائنات' کی بادیہ پیمائی رہی ہے۔ اب اس بادیہ پیمائی میں جس شخص نے حقیقی طور پر بنی نوع انسان کی رہبری کی ہو اور انھیں چشمۂ آبحیات پر پہنچانے میں راستہ کی تمام صعوبتوں کو دور کر دیا ہو وہی امام تمدن کہلانے کا مستحق ہے۔ وہ کون ہے! اسکا جواب خود تاریخ تمدن اچھی طرح دے سکتی ہے۔

تاریخ تمدن کا ایک سرسری نظارہ

تاریخ کی تدوین میں جسقدر سائنٹفک تحقیقات اور موشگافیوں سے کام لیا جا رہا ہے اسی قدر یہ بات زیادہ واضح ہوتی جاتی ہے کہ ابتداء سے اسوقت تک تمدن کے تمام مراحل و مدارج میں 'حقیقت کائنات' کے متعلق جو عقیدہ یا خیال مشترکہ طور پر ہمیشہ تسلیم کیا جاتا رہا ہے وہ یہ کہ کائنات صرف ایک قادر علی الاطلاق کی تیرنگی قدرت کا پیچ در پیچ طلسم ہے۔ اور مقررہ

قوانینِ فطرت کے دائرہ میں پابہ زنجیر حقیقت کی یہ عقدہ کشائی انسانی جذبۂ صداقت کا کام رہی۔ لیکن عقل جو ہزار ہا سال کے تجربوں اور بلند پروازیوں کے باوجود ابتک فضا میں کرۂ ہوائی سے پار نہ جا سکی ہو بھلا عہدِ طفولیت اور ایامِ جہالت میں کہاں یہ قابلیت اور استعداد رکھتی ہوگی جو جذبۂ صداقت کی اس تلقین کو سمجھتی۔ چنانچہ جذبہ کو گمراہ کرنے اور منزلِ مقصود سے بھٹکانے میں اُسنے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور حقیقت کو مسخ حالت میں پیش کرنے کے لئے اُس نے وہ وہ روپ بنائے کہ بس یہ اسی کا حق تھا۔ سب سے پہلے مصر۔ عراق۔ ہند اور چین میں جہاں مدنیت تقریباً ایک ہی زمانہ میں جنم لیتی ہے اور بن مانس۔ مانس بنکر متمدن حالت میں نظر آتا ہے عقل کہیں تو انبیاء پرستی میں حیاتِ جاوید کا مژدہ سناتی ہے اور کہیں بت پرستی میں آبِ حیات کا پتہ بتاتی ہے۔ کہیں برہمنی اور بدھ مذہبی شکل میں "نروانا" کی خوش خبری دیتی ہے تو کہیں بھوتوں کی پرستش میں نقاءِ دوام کی تلقین کرتی ہے۔ لیکن عقلی ہدایت کی یہ گوناگوں شکلیں چونکہ اُن قوانینِ فطرت کے بالکل متضاد ہوتی ہیں جن کے دائرہ میں کائنات کا یہ طلسم پابہ زنجیر ہے جذبۂ صداقت کی پیاس نہیں بجھتی اور آخر میں وہ اُن کو غول بیابانی سمجھ کر لاحول بھیجنے لگتا ہے۔ عقل اب اُس کو مجوسیت کی شکل میں نور و نار اور اہرمن و یزدان کا دورنگی جلوہ دکھا کر کچھ عرصہ کے لئے پھر اپنا فریفتہ کر لیتی ہے۔ مگر پھر وہی قوانینِ فطرت کی عدم مطابقت عقل کو کسی نیا روپ بدلنے پر مجبور کرتے ہیں اور وہ یونانی دیوتاؤں کی شکل میں خضر طریقت بنکر اسکندر کو چشمۂ حیات تک پہنچا دینے کا بیڑہ اٹھاتی ہے۔ مگر پھر بھی جب یہ آبِ حیات زہرِ ہلاہل ثابت ہوتا ہے تو رومی کی صورت میں تمدنِ روم پیش کیا جاتا ہے۔ وہ بھی جب کسی طرح جاں بلب مریض کی تسکین میں کارگر ثابت نہیں ہوتا تو پھر مسیحائی مسیحا کے بابِ شفا پر مریض جذبہ کا بستر لگا دیا جاتا ہے اور یہ تشفی دیتا ہے کہ مسیحا نے خود اپنے خون کا تریاق تیار کیا ہے۔ مگر پھر بھی نسخہ کچھ مفید نظر

نہ آیا تمدن کی آخری مکمل ترین شکل یعنی اسلام کا ظہور

اس مرحلہ پر تاریخ تمدن میں وہ عظیم الشان انقلاب رونما ہوتا ہے جو ہمیشہ جذبہ پر غالب اور تمدن رہنے والی عقل کو دائمی طور پر مغلوب بنا دیتا ہے۔ یعنی سامان حجاز سے لا الٰہ الا اللہ کی گونج دنیا میں اس سرے سے اُس سرے تک

IGNORANCE ۱

یہ اعلان کر دیتی ہے کہ چشمۂ حیات کا سُراغ لگ گیا۔ فطرت اسکی شاہراہ ہے۔ بیدھے چلے آؤ اور جہاد و محنت میں بسر کر اس آبِ حیات کو نوش کرو اور حیاتِ جاوید کے مزے لوٹو۔ یہ فیضانِ حیات کیلئے یہ صدا جان بخش ثابت ہوتی ہے۔ اور کشاں کشاں اُن کو اپنی طرف کھینچ لاتی ہے قوافل کا ایک ایسا تانتا لگ جاتا ہے کہ جسکا سلسلہ نہ کبھی منقطع ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔

جذبہ کی اس عظیم الشان کامیابی کو ناکامیاب بنانے میں عقل جب سے اٹک بیسیوں طرح اپنے کیل کانٹے درست کرتی رہی۔ ہر مرتبہ زیادہ زور قوت کے ساتھ مقابلہ کیلئے تیار ہوئی۔ جدوجہد کا اُس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا یہانتک کہ اب دخانی اور برقی موٹروں کو سخر کر لینے کے بعد مادہ پرستی کے میدان میں سائنٹفک دیوتا منکر برسرپیکار ہے لیکن گذشتہ تاریخ اور موجودہ حالات ڈنکے کی چوٹ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ عقلی بیاڑی پڑ کوئی گو جذبہ کے توحیدی قلعہ پر اثر نہیں کر سکا۔ عقلی شین کے جسقدر بھی کل پرزے ہیں وہ دشمن ہی کی جے بلند کرتے رہے ہیں اور ضرور وہ دن آنیوالا ہے جبکہ عقل اپنی ہار مانکر تہیار ڈالدے اور لا الہ الا اللہ کی دہائی میں اپنی خیر سمجھے۔

بانیٔ اسلام

عالم مدنیت کا یہ عظیم الشان کارنامہ اُس ذاتِ قدسی صفات کی رہبری کا نتیجہ ہے جسکو متعصبانہ چالبازیوں نے (نعوذ باللہ) کاہن۔ ساحر۔ شاعر۔ افتد اور پسند۔ شہوت پرست یا مجنوں قرار دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اگر یہ تعصبی سے کام نہ لیا تو ایک لاینحل ہستی سمجھا اور سمجھایا۔ لیکن عارف شناس اذعان و یہ پکار اٹھتے ہیں کہ ؎

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا۔ اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
کون کملی والا! روحی فداہ "محمدؐ"!! (صلی اللہ علیہ وسلم) ؎
زباں پہ بارِ خدایا! یہ کس کا نام آیا۔
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

ولادت اور ماحول

مسیح کی وفات کے پانسو ستر سال بعد یہ امام تمدن۔ مکہ۔ مرکز جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ تثلیثی تمدن روم امپائر کی فضا میں ملوک الملک کا نقارہ بجا رہا ہے اور لگاتار اس امر کی

کوشش کر رہا ہے کہ مدنیت کی اُس سابق ہیئت کو جو موسیت کی شکل میں مکمل فرما ہی تھی نیست و نابود کر دے۔ جزیرہ نمائے عرب کے شمال مغرب۔ شمال مشرق اور جنوب میں غسّان۔ لخم۔ اور حمیر اگرچہ مدنیت کی اسی ارتقائی حالت میں شامل نظر آتے ہیں۔ لیکن جزیرہ نما کی عام فضا اور خاص کر ارضِ حجاز میں (جو آنحضرت کی نشو و نما اور تبلیغ کا مرکز ہے) اس ارتقاء کا کوئی نشان نہیں ہے۔ عرب توحش اور جہالت کے میدان میں خون آشامی اور خانہ بدوشی سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ البتہ بعض بعض حلقوں میں مدنیت کا ابتدائی سین نظر آتا ہے لیکن وہ بھی جہالت و توحش کا لگ بھگ بلکہ اس کا عکس انداز۔ آنحضرت کا مولدہ مکّہ انہیں جہالت اثر۔ متمدن حلقوں میں شامل تھا اور سالانہ تیوہار عکاظ (حج) اور معبد ہبل (کعبہ) کے لحاظ سے اسکو ان سب حلقوں پر مرکزیت کا رتبہ بھی حاصل تھا۔ اس مذہبی مرکزیت کے علاوہ تجارتی حیثیت سے بھی وہ ممتاز تھا کیونکہ شمال مشرق اور شمال مغرب کی جو تجارت جنوبی اور جنوب مشرقی علاقوں سے ہوا کرتی تھی اسکی منڈی یہی مکّہ تھا۔ اسی قسم کا ایک اور متمدن حلقہ یثرب بھی تھا جو مکّہ سے جانب شمالی تقریباً ڈھائی سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مکّہ کیطرح گو یثرب کو مذہبی مرکزیت حاصل نہ تھی مگر تجارتی لحاظ سے وہ بھی ضرور ممتاز تھا۔ یثرب کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہاں یہودی مدنیت کا عنصر شامل تھا۔ تثلیث کیطرح یہ بھی توحیدی تمدن کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے اور پھر ایسی بگڑی ہوئی کہ غیر تبلیغی حیثیت اختیار کر لینے کے باعث اس پر مدنیت کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا۔

یہ اس ماحول کا ایک سرسری خاکہ ہے جس میں آنحضرت کی ولادت ہوئی۔ آپ نے نشو و نما پائی اور اپنا وہ عظیم الشان کام انجام دیا جو دُنیا کا ایک حیرت انگیز کارنامہ شمار ہوتا رہا ہے۔ اس حیرت انگیز کارنامہ کے متعلق مخالفانہ کاہ پرواز یوں اور عقلی پرواز نے جہاں نت نئے شگوفے چھوڑے ہیں انہیں ایک یہ بھی ہے کہ اسی ماحول کے اثرات اور اسکے مطالعہ نے آنحضرت کے جوہر قابلیت کو اسلام سازی پر اُبھارا۔ لیکن حالات و واقعات خود اس خیال آرائی کی تردید کر رہے ہیں۔

طفولیت

ابھی آپ کو حرم مادر ہی میں رہتے دو ماہ کا عرصہ نہ گذرا تھا کہ آپ کے والد عبد اللہ دُنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ ولادت کے چھٹے سال ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ جاتا ہے۔ اور آپ کے دادا عبد المطلب آپ کو پرورش کرنے میں

آٹھویں سال دادا ابھی مل بسے اور چچا ابوطالب کی سرپرستی میں آپ داخل ہوتے ہیں۔ عبدالمطلب اور ابوطالب نہ صرف قبیلہ بنی ہاشم کے رئیس ہی تھے بلکہ تجوبار عکاظ اور معبد جبل کے منتظمین کی حیثیت سے قوم کے سربرآوردہ افراد بھی شمار کئے جاتے تھے۔ لیکن وہ دونوں نہ صرف کثیر العیال ہی تھے بلکہ انکی مالی حالت بھی چنداں متمول نہ تھی۔ ایسی صورت میں یہ ایک لازمی امر ہے کہ یتیم پیسر پوتے اور بھتیجے کی پرورش اور پرداخت میں کثیر العیال اور تنگدست دادا یا چچا کی وہ توجہ مبذول نہیں ہو سکتی تھی جو والدین اپنا فریضہ تصور کرتے ہیں۔ اسطرح کی پدرانہ اور مادرانہ شفقت سے محروم یتیم کی عمر کے ابتدائی چار پانچ سال بنی سعد کی چراگاہ میں بسر ہوتے ہیں اور چھٹے سال کچھ دن کیلئے ماں کے ہمراہ یثرب میں ننھیال کے پاس پھر مکہ واپسی عمل میں آتی ہے اور اس کے بعد بارھویں سال تک کسی اہم واقعہ کے بغیر مکہ میں زندگی بسر ہوتی ہے۔

بعض یورپین قلم برداروں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسی دوازدہ سالہ عمر میں آنحضرت نے مطالعۂ ماحول سے اسلام کی داغ بیل اپنے میدان خیال میں ڈالدی تھی تو اس عقیدہ کی ہمنوائی کرنے میں گو ہمیں کوئی پس وپیش نہ ہو لیکن عقل ہرگز یہ باور نہیں کرتی کہ اس طرح کی تبدیل پذیر سرپرستی میں اور پھر ایسے اسکول میں جو چراگاہ ہو اور جسکا نصاب اونٹ بکریاں رہیں اور سب پر طرہ جہاں مدنیت ابھی توحش وجہالت کی عکس انداز ہی ہو ایک دوازدہ سالہ ان پڑھ لڑکے نے نہ صرف مذاہب عالم۔ اور تاریخ وفلسفۂ مذہب سے پوری پوری واقفیت پیدا کرلی ہوگی بلکہ غور وخوض کے بعد ایک مرکب مذہب کی جدید اسکیم بھی اپنے ذہن میں ترتیب دیدی ہوگی۔ وزارت انگلستان کی عدیم المثال تاریخ میں کوچک پٹ سے زیادہ نوخیز نظیر مشکل دستیاب ہوگی پچیس سالہ عمر میں وزارت انگلستان جیسی عظیم الاقتدار ذمہ داری اسکے دست قدرت میں آجاتی ہے۔ اور پھر وہ پٹ جولندن جیسے مرکز تہذیب کا باشندہ رہے۔ گھر سے امیر ہو۔ چاہتھام جیسے باپ کی نگرانی میں تربیت پائے۔ اور کیمبرج کا تعلیم یافتہ بنے۔ لیکن ان تمام خصوصیتوں کے باوجود اگر اسکی سوانحعمری میں یہ دیکھا جائے کہ دوازدہ سالہ عمر میں اس نے اپنی شہرت کے میدان یعنی سیاست میں کسقدر استعداد حاصل کرلی تھی تو یہ واضح ہوگا کہ ابھی وہ اسکی سے بھی واقف نہ تھا۔ بہرحال عمر کے ساتھ ماحول کی مناسبت کے لحاظ سے پٹ کہاں دنیا کے جسقدر بھی مشاہیر ہیں الکتابات میں ان

سب کی یہی کیفیت نظر آئیگی۔ اب اگر آنحضرت نے اسی دوارزہ سالہ عمر اور اسکے ماحول میں اپنی تبلیغ اور اسکے دائرۂ عمل کا تشیب و فراز سمجھ لیا تھا تو بے شک یہ ایک مافوق الفطرت واقعہ ہے

عہد شباب اور ماقبل تبلیغ

بارھویں سال آپ کو ابوطالب کے ساتھ جو خالص تجارتی اغراض سے شام روانہ ہو رہے تھے پہلی مرتبہ حجاز سے باہر نکلنے کا ایک موقع ملا۔ لیکن سرحدی موضع بصری سے ابوطالب واپس چلے آتے ہیں۔ اس واپسی کے بعد پچیس سالہ عمر تک کسی اہم واقعہ کے بغیر مکہ ہی میں زندگی بسر ہوتی ہے۔ اور پچیسویں سال دوسری مرتبہ ایک اور تجارتی سیاحت عمل میں آئی۔ پہلے سفر کی طرح اس مرتبہ بھی آپ بصری ہی سے واپس چلے آتے ہیں۔ اُن دونوں سیاحتوں کی مجموعی مدت چند مہینوں سے زیادہ نہ رہی اور پچیس سالہ عمر یعنی آغاز تبلیغ تک نہ تو آپ نے کبھی مکہ چھوڑا اور نہ آپ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جسکے متعلق مطالعۂ ماحول کا دعویٰ کیا جا سکے۔ اڈمنڈ برک موجودہ فلسفۂ سیاست کا ارسطو۔ اور یورپ کا نجات دہندہ مانا جاتا ہے۔ اسکی یہ عظمت اُن اور اکات کا ثمرہ ہے جو انقلاب فرانس میں اُس نے مطالعہ کئے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اُس نے صرف فرانس بلکہ تمام یورپ کا کسقدر وسیع مطالعہ کیا ہوگا۔ اور اگر سچ پوچھا جائے تو عملاً اُس نے نہایت وسیع مطالعہ کیا بھی ہے۔ لیکن بایں ہمہ اسکے دعویٰ ہے کہ برک کا مطالعہ ناقص تھا۔ جب برک جیسے امام سیاست کے مطالعہ کی یہ حالت رہی ہو تو غور کا مقام ہے کہ دو چند روزہ خالص تجارتی سیاحتوں میں جو سرحد ہی پر ختم ہو گئی ہوں آنحضرت کو مطالعۂ ماحول کا کیا موقع ملا ہوگا اور تبلیغ اسلام جیسے حیرت انگیز کارنامے کے لئے کیا مواد فراہم ہو سکتا تھا۔

بہرحال آنحضرت کی ان دونوں تجارتی سیاحتوں کی بنیاد پر مطالعۂ ماحول کا دعویٰ خواہ وہ بنفسہ کیسا ہی مدلل کیوں نہ ہو ہرگز قائم نہیں رہ سکتا البتہ یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ خود مکہ ہی میں ایسے اثرات اور اسباب موجود ہونگے جنھوں نے آپ کو تبلیغ اسلام پر ابھارا مگر جسقدر بھی شہادتیں موجود ہیں وہ سب اس احتمال کی مخالف ہی ہیں۔ موافق کوئی بھی نہیں۔ چنانچہ آغاز تبلیغ تک آنحضرت اپنے کیرکٹر کے لحاظ سے سوسائٹی میں سب سے اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں اور اسکے ثبوت میں اس سے بڑھکر اور کیا دلیل پیش کیجا سکتی ہے۔

کہ آپ کی تمیں سالہ عمر میں جب ایک سیلاب کے اثر سے معبد بیل (کعبہ) منہدم ہو جاتا ہے اور اسکی دوبارہ تعمیر میں معبد کا نشانِ امتیاز حجر اسود نصب کرنے کے لئے اکابر قوم مار نے مرنے پر تل جاتے ہیں تو اسوقت آنحضرت ہی کا فیصلہ اس نازک حالت کو دور کرتا ہے اور پھر حجر اسود کو نصب کرنے کا قابل فخر امتیاز بھی آپ ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ لیکن یہی آنحضرت ہیں کہ بعد میں صرف تبلیغ اسلام کے جرم پر سینکڑوں قسم کے ناگفتہ بہ مصائب برداشت کرنیکے علاوہ جلاوطنی پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسطرح کی زبردست شخصیت کے بعد صرف تبلیغ اسلام کے جرم پر جلاوطن ہونا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ مکہ میں ہرگز اسطرح کے کوئی اثرات یا اسباب موجود نہ تھے جو سوسائٹی کو اسلام فہمی پر مائل کر سکیں۔ ایسی حالت میں پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ تبلیغ اسلام مطالعۂ ماحول کا نتیجہ ہو سکے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب مطالعۂ احول کی یہ من گھڑت کچھ کارگر نہیں ثابت ہوتی تو جنون کی تلمع سازی سے کام لینے کی کوشش کیجاتی ہے۔ مگر یہاں بھی واقعات قلعی کھول دیتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی جس دوسری تجارتی سیاحت کا پیشتر ذکر کیا گیا ہے وہ ایک نہایت متمول خاتون (خدیجہ رضی اللہ عنہا) کے ایجنٹ کی حیثیت سے عمل میں آئی تھی۔ اگر آنحضرت پر جنون کا کچھ بھی اثر ہوتا تو ہرگز اسطرح کی مالی ذمہ داری پر آپ کا تقرر نہ کیا جاتا۔ اور اسپر طرّہ سفر سے واپسی کے بعد یہ متمول خاتون۔ جو اپنے حسب و نسب۔ حسن و جمال اور مال و دولت کے باعث نہ صرف سوسائٹی میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتی تھی بلکہ جسنے سوسائٹی کے سربرآوردہ ممبروں کو اپنا خواہاں ازدواج بنا رکھا تھا آنحضرت سے ہرگز بیاہ نہ کرتیں۔

بہرحال آغاز تبلیغ تک جس طرح آپ کی زندگی بسر ہوئی ہے اسکی تنقید میں ہرگز کوئی ایسا خارجی اثر نظر نہیں آتا جسنے آپ کو تبلیغ اسلام پر یا بزبان مخالفین اسلام سازی پر اُبھارا ہو۔

تحریک تبلیغ اور کیفیت اولیٰ

اسطرح زندگی کے چالیس سال گذرنے کے بعد حیاتِ محمدیؐ کا وہ مہتم بالشان اور حیرت انگیز دور شروع ہوتا ہے جس نے دنیا میں ایک نئی روح پیدا کر دی اس دور کی ابتداء ایک ایسے واقعہ سے ہوتی ہے جو تاریخ بشریت میں کوئی انوکھی مثال نہیں ہے۔ چنانچہ اسکی ایک زبردست نظیر گوتما بدھ کی اس چلہ کشی میں نمایاں ہے جو ادراکِ حقیقت کی غرض سے کیا گیا، میں درخت تلے عمل پذیر ہوئی۔ اور ادراکِ حقیقت کا یہی جذبہ صادقہ آنحضرتؐ کو بھی چالیس سالہ عمر میں کسی خارجی تحریک کے بغیر از خود اچانک بسقدر بے چین بنا دیتا ہے کہ کسی پہلو چین نہیں آتا۔ بے چینی، روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے اور اس قدر

بڑھتی ہے کہ طبیعت سوسائٹی سے متنفر ہو جاتی ہے آخر عزلت گزینی کا ایک ولولہ آپ کو اُس شہرۂ آفاق غار میں پہنچاتا ہے جو غارِ حرا سے موسوم اور مکہ سے دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر جبلِ نور کی چوٹی پر واقع ہے۔ متواتر کئی کئی دن اس غار میں شب بیداری۔ فاقہ کشی اور ریاضت کے بعد یکایک بے حجابی دُور ہو جاتی ہے۔ 'حقیقت' کا پردہ اٹھتا ہے چشمۂ حیات نظر آتا ہے اور 'جویائے حقیقت' رہبر حقیقت بنکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی مستانہ صدا لگاتے ہوئے غار سے باہر نکلتا ہے۔ لیکن باہر آنے کے بعد جلوۂ حقیقت کی رنگارنگی قلب پر کچھ ایسا رُعب طاری کر دیتی ہے کہ کامل تین سال تک اُسکا اثر باقی رہتا ہے اور بار ہا خودکشی کا نہیہ کر لیا جاتا ہے۔ مگر جاذبۂ صادقہ ان تمام پیچیدگیوں کو دُور کرنے کے بعد آخر آپ کو 'قُمْ فَاَنْذِرْ' کے میدانِ عمل میں کھڑا کر دیتا ہے اور ابتک جو امر حقیقت کے ادراک کی کیفیت جو صرف اظہار واقعہ کے طور پر مخصوص دائرہ میں بیان ہوتی رہی تھی وہ آخر علی الاعلان ظاہر کیجاتی ہے اور تبلیغ اسلام شروع ہوتی ہے۔

تبلیغ کا ابتدائی دور

اُس سوسائٹی کے لیے جس کی تمدنی حالت جہالت کا عکس اتم تھی۔ یہ تبلیغ اچنبھا ہو گئی۔ اور ابتداءً اسپر کوئی توجہ ہی نہیں کیگئی چنانچہ آغاز تبلیغ سے چھے سال تک اُن لوگوں کی تعداد جنہوں نے آنحضرتؐ کی صدا پر لبیک کہی ہو چالیس سے بھی متجاوز ہونے نہ پائی۔ اور ان میں بھی ابوبکرؓ عثمانؓ۔ زبیرؓ طلحہؓ اور سعدؓ وغیرہ سعد ودے چند اشخاص کے علاوہ باقی سب ایسے تھے جنہیں سوسائٹی میں کوئی پوزیشن ہی نہ تھا۔ مگر سوسائٹی کی نظروں میں اشاعتِ اسلام کا یہ محدود نقشہ بھی ناخوش معلوم ہوا اور مخالفت اسکا نتیجہ تھی۔ چنانچہ اسکا اظہار ہونے لگا۔ اور رہبر و رہروانِ حقیقت کو ہر طرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفیں پہنچائی گئیں یہانتک کہ مکہ میں رہنا دشوار ہو گیا۔ اور آخر اکثر لوگ تنگ ہو کر سمندر پار چلے جاتے ہیں اور حبش میں غربت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔

سوسائٹی کی مخالفت

لیکن اسلام کی حقانیت پر جب اس ایذا رسانی کا کوئی جادو نہ چلا اور روز بروز اسکا چرچا گھر گھر ہونے ہی لگا تو اب سوسائٹی کو سخت تردد و دامنگیر ہوتا ہے اور اسکی روک تھام کیلئے آخر نیا شمل اسمبلی آنحضرت پر سحر و ساحری کا فتویٰ لگاتی ہے تاکہ عامۃ الناس کے دلوں میں آنحضرتؐ کی جانب سے ایک دہشت پیدا ہو جائے اور وہ آپ کی تبلیغ پر کوئی توجہ ہی نہ کریں۔ لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوتی بلکہ اسکا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی کے وہ نہایت زبردست اور سربرآوردہ افراد عمرؓ و حمزہؓ بھی اسلام کے سحر میں محو ہو جاتے ہیں۔

اور اِن دونوں کی حمایت میں رہروانِ حقیقت علانیہ سوسائٹی کی مذمت شروع کر دیتے ہیں۔ اب مخالفت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ نہ صرف آنحضرتؐ اور آپ کے حلقہ بگوشوں ہی کو بلکہ کل بنی ہاشم کو سوسائٹی بائیکاٹ کر دے اور ترکِ موالات عمل میں آئے۔ آجکل کے بائیکاٹ اور ترکِ موالات میں ضعیف عنصر قوی عنصر سے اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن آنحضرتؐ کے ساتھ جو مقاطعہ ہوا ہے وہ اسکے بالکل برعکس تھا۔ قوی عنصر ضعیف عنصر کو سوشل حد ود سے متجاوز سمجھکر اسکو نیست و نابود کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ بنی ہاشم کا حقہ پانی بند کر دیا گیا۔ وہ برادری سے خارج سمجھے جانے لگے۔ اُن سے لین دین۔ شادی بیاہ۔ حتیٰ کہ بات چیت بھی ترک کر دی گئی۔ آنحضرتؐ اور بنی ہاشم پر یہ مصیبت کچھ دن۔ ہفتے۔ یا مہینے نہیں بلکہ کامل دو سال تک برپا رہتی ہے۔ ممکن تھا کہ اسکا سلسلہ اسیطرح قائم رہتا لیکن چونکہ اس سے قبیلہ واری عام تعلقات پر بُرا اثر پڑنے لگا لہٰذا مجبوراً خود سوسائٹی کو توبہ کرنی پڑی۔ لیکن ابھی یہ مصیبت دُور نہ ہوئی تھی کہ آنحضرتؐ کے مربی چچا بنی ہاشم ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اور یہ صرف انھیں کا اثر تھا کہ اب تک آنحضرتؐ کے قتل پر جرأت نہ ہوتی تھی۔ اب کچھ کچھ اسکا خیال پیدا ہونے لگا روز بروز اسکو تقویت بھی ہونے لگی۔ اور اُسکی خاص وجہ یہ تھی نیو ہارمکا ظ میں جمع ہونے والوں کے ذریعہ آنحضرتؐ کی تبلیغ کا چرچا مکّہ سے گذر کر جزیرہ نما میں بھی پھیلنا شروع ہو چکا تھا

تبلیغ کا بیرونی چرچا

جزیرہ نما میں تبلیغ کا سب سے زیادہ چرچا جس مرکز میں نظر پڑا وہ یثرب تھا۔ مکّہ کی سوسائٹی کے برخلاف یثرب کی آب و ہوا میں یہودی مذہبیت کے اثرات نے وہاں کی سوسائٹی میں اسلام فہمی کی خاص قابلیت پیدا کر دی تھی لہٰذا وہ اسکی جانب نہایت مستعدی کے ساتھ اپنی توجہ مبذول کرتی ہے اور آخر تبلیغ کے تیرہویں سال عکاظ کے ایام میں ساکنانِ یثرب کا ایک معتد بہ گروہ آنحضرتؐ کی حلقہ بگوشی اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر اس عزم و میثاق کے ساتھ کہ دنیا میں 'وحدت' کی جھنکار پیدا کر دینے کے لئے اسکو اپنی جان سے بھی دریغ نہ ہوگا یثرب کی یہ حمایت اُن حلقہ بگوشانِ محمدؐ کے لئے جو مکّہ میں سوسائٹی کی جانستاں تکلیفوں سے نزع کی حالت میں تھے مسیحانہ اثر دکھاتی ہے اور وہ اس سہارے پر وطن سے جلاوطن ہو جاتے ہیں۔ یہ جلاوطنی اگرچہ اہل مکّہ کے لئے مسرت انگیز تھی لیکن ساتھ ہی یہ خوف پیدا ہو گیا کہ اگر یثرب میں ان کے قدم جم جائیں تو پھر عرب کی خیر نہیں۔ بس اب اسکے سوائے کوئی اور صورت ہی نظر نہ آئی کہ آنحضرتؐ کی

شمع حیات گل کر دیجائے۔

سوسائٹی کی انتہائی مخالفت اور تدبیر قتل

قتل کی تدابیر پر غور کیا جاتا ہے اور یہ رائے قرار پاتی ہے کہ تمام جمعیتوں سے ایک ایک پختہ جوان انتخاب ہو اور وہ سب یکساں وار کریں تاکہ کسی ہاشم کو تمام جمعیتوں سے انتقام لینے کی جرأت نہو سکے اور وہ دیت پر راضی ہو جائیں۔ آنحضرتؐ کو جب اس سازش کی اطلاع پہنچتی ہے تو اسکے سوائے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ وطن کو خیرباد کہا جائے۔ چنانچہ خفیہ طور پر آپ صرف حضرت ابوبکرؓ کی رفاقت میں اس وطن سے نکل پڑتے ہیں جہاں کامل تیرہ سال سوسائٹی کو راہ راست پر لانے کے لئے

جلاوطنی یا ہجرت

ہر طرح کی روحانی اور جسمانی تکالیف برداشت کرتے رہے تھے۔ خیر یہ تو فطرت کا ایک قانون ہے کہ ریفارمروں کو ابتداءً ہر طرح کی ناکامیابیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن آنحضرتؐ کو جن ناکامیابیوں اور مصیبتوں سے سامنا کرنا پڑا انکے مقابل دنیا کے کسی ریفارمر کے مصائب کوئی ہستی نہیں رکھتے۔

دور ہجرت

آنحضرتؐ اور آپکے حلقہ بگوش جس بے سروسامانی کے ساتھ جلاوطن ہوئے ہیں اس کا لحاظ کرتے ہوئے عام طور پر یہ خیال ہونے لگا کہ بس اب وہ فنا ہو چکے لیکن اگر سچ پوچھا جائے تو اسی جلاوطنی اور ہجرت کے بعد حیات محمدی کا وہ وہ سالہ درخشاں دور شروع ہوتا ہے جسمیں حقیقی طور پر تبلیغی کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے اور جسکا اثر آج تیرہ سو سال سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں نمایاں ہے۔

دور ہجرت کا سرسری خاکہ

اس دس سالہ تبلیغی عہد اور اسکی کامیابیوں کو عالم یورپین مورخانہ مصوری و شمشیر باریک و قرآن و انجیل ہئیت میں آشکارا کرتی ہے۔ یوں تو انصاف پسند نگاہیں اس تصویر کو نظر فریب حیثیت سے مطالعہ کرتی رہی ہیں لیکن حالیہ محاربۂ عظمیٰ نے اچھی طرح یہ تعلیم دیدی ہے کہ مدنیت اور انسانیت کے خاطر ہر نوع انسان کے خون کا دریا بہا دینا جرم نہیں بلکہ مدنیت کا اولین فریضہ ہے۔ اور چنانچہ عملاً خون کا دریا بہا ہے اسکا خونین منظر ابتک ہماری آنکھوں سے دور نہیں ہوا۔ اگر اسی فریضہ کی تکمیل کے لئے امام تمدن نے بھی تلوار ہاتھ میں لی ہو تو وہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں سمجھا جا سکتا۔ واقعات اور حالات پر اگر غیر متعصبانہ نظر ڈالی جائے تو خوبی واضح ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اگر تلوار ہاتھ میں لی ہے تو وہ صرف ایسے مواد فاسد کی اصلاح کے لئے جو عضو صحیح کے لئے مہلک ثابت ہو رہا تھا اور

جسکے آپریشن بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ورودِ مدینہ اور تبلیغ کا دوبارہ آغاز

مکہ سے جلاوطنی اختیار کرنے کے بعد آپ سیدھے یثرب کا رُخ فرماتے ہیں اور یثرب مدینۃ الرّسول ہوجانے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ مدینہ میں سب سے پہلا تبلیغی عمل ایک دار التبلیغ کی تعمیر میں نمایاں ہوتا ہے اور یہ وہی دار التبلیغ ہے جو مسجد نبوی اور تربت رسول کی شکل میں تیرہ سو سال سے دنیائے اسلام کی عظیم الشان زیارتگاہ بنا ہوا ہے۔ غرض پھر تبلیغ شروع کر دی جاتی ہے لیکن تیرہ سالہ جدّوجہد اور کد و کاوش کے باوجود اب تک ناکامیابیوں سے جیسا کچھ سامنا ہوتا رہا تھا اسکو مدّنظر رکھتے ہوئے اس امر کی کوئی اُمید نہیں کیجا سکتی تھی کہ سابقہ طرزِ عمل کامیابی کا ذریعہ بن سکے۔ اور پھر ایسی حالت میں جبکہ جزیرہ نما کا اہم مرکز مکّہ کلّیتہً مخالفت پر آمادہ رہے اور عمل تبلیغ کو بیخ و بنیاد سے کندہ کرنے پر تُلا بیٹھا ہو۔ پس اسکے سوائے اور کیا علاج تھا کہ مرکز پر ایسا رعب اور سکّہ بٹھایا جائے کہ جس سے وہ تبلیغی کارروائیوں میں دخل اندازی کرنے اور کھنڈت ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے۔

ابتدائی پالیسی

چنانچہ یہی طرزِ عمل اختیار کیا گیا۔ اور ابتداءً مکّہ کے ان تجارتی قوافل پر رعب قائم کرنے کے لئے تدابیر اختیار کیجاتی ہیں جو حوالی مدینہ سے گذر کر ملک شام جایا اور آیا کرتے تھے۔ اس پالیسی کے تحت جو واقعات پیش آئے اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور قابل اہمیت جنگِ بدر ہے جو ہجرت کے دوسرے سال وقوع پذیر ہوا۔

معرکۂ بدر

مکّہ کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس ہو رہا تھا۔ آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع ملتی ہے اور آپ رُعب قائم کرنے کی غرض سے تین سو تیرہ جانثار صحابہ کی معیت میں اسکی رہگذر کا رُخ فرماتے ہیں۔ قافلہ کو جب آنحضرتؐ کی پیشقدمی سے اطلاع ہوتی ہے تو فوراً مکّہ میں پیک روانہ کئے جاتے ہیں کہ جلد خبر لیجائے۔ وہاں کیا دیر تھی فوراً ایک ہزار سورما عرب تجربہ کار سرداروں کی معیت میں مکمل سامانِ حرب کے ساتھ یلغار آپہنچتے ہیں قافلہ تو راستہ کترا کر نکل جاتا ہے لیکن یہ لشکر مقام بدر پر جو مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے آنحضرتؐ کے مقابل صف آرا ہو جاتا ہے۔ اور لڑائی شروع ہوتی ہے۔ جان نثاران دعوت کے لئے یہ ایک نازک موقع تھا۔ لیکن وہ مستانہ وار مقابلہ کرتے ہیں اور ایسا مقابلہ کرتے ہیں کہ مکّہ کا جرّار لشکر انتہائی شکست کی حالت میں فرار ہو جاتا ہے۔

آنحضرتؐ کی یہ زبردست فتح اگرچہ عام طور پر تمام جزیرہ نما میں آپ کا رعب پیدا کرنے

لیکن اسکے ساتھ ساتھ عالمگیر مخالفت کا بھی اظہار ہونے لگتا ہے۔ اور اسطرح مکہ کے علاوہ دوسرے مرکز بھی مقابلہ کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور معرکہ آرائیوں کا ایک سلسلہ قائم ہوجاتا ہے۔ مگر کامیابی عموماً آنحضرتؐ ہی کے نصیب رہی۔

جنگِ احد

آنحضرتؐ کی یہ روز افزوں کامیابی اہل مکہ کے لئے جو بدر کی تلخ کامیوں سے بھرے بیٹھے تھے تازیانہ بجاتی ہے۔ اور اسطرح وہ انتقام کے جوش میں دوسرے سال تین ہزار کا جرار لشکر پیشتر سے زیادہ ساز و سامان کے ساتھ روانہ کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ میں ایک ہزار آدمیوں کے ہمرکاب مقابلہ کے لئے نکلتے ہیں مگر اُن میں سے تین سو منافق راستے ہی سے پلٹ پڑتے ہیں۔ اور صرف سات سو جانبازوں کے ساتھ کوہ احد کے دامن میں جو مدینہ سے دو ڈھائی میل فاصلہ پر واقع ہے کیمپ قائم کیا جاتا ہے کوہ احد کے ایک درّہ سے چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر بیٹھے لہٰذا تیر اندازوں کی ایک جماعت اُسپر متعین کر دی گئی۔ ابتدائی کے وقت عین ایسی حالت میں جبکہ دشمن شکست پاکر بھاگ رہے تھے درّہ کے تیر اندازوں کی غفلت سے دشمن کا ایک منچلا افسر ادھر سے دھاوا بول دیتا ہے اس اچانک حملہ سے مسلمان پریشان ہوجاتے ہیں اور اسی پریشانی کی حالت میں آنحضرت کی شہادت کی غلط افواہ اُنکے چھکے چھڑا دیتی ہے اور وہ ایک سراسیمہ شکل میں میدان سے منہ پھیر دیتے ہیں۔ اگرچہ آنحضرت کے کاری زخم آئے۔ دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ بدن تیروں سے چھلنی ہوگیا۔ خود کی کڑیاں سر میں اتر گئیں مگر صد بیم المثال شجاعت اور استقلال کے ساتھ آپ میدانِ جنگ میں اڑے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد شکست خوردہ مسلمان اصل حقیقت سے مطلع ہوکر جب پھر جمع ہونے لگتے ہیں تو آپ اُن کو ساتھ لئے ہوئے پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں۔

ماہرین حرب کا یہ خیال ہے کہ اگر اہل مکہ اُسوقت لڑائی کا سلسلہ جاری رکھتے تو پھر اسلام ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوجاتا۔ مگر چونکہ وہ خود بھی مسلمانوں کی طرح شکست خوردہ حالت ہی میں تھے اُنہوں نے بس اسی کو غنیمت سمجھا اور واپس ہوگئے۔ مگر راستہ میں جب وہ اپنی اس غلطی کو محسوس کرتے ہیں تو دوبارہ پلٹ پڑتے ہیں۔ اس اطلاع پر آنحضرتؐ بھی آگے بڑھتے ہیں اور حمراء الاسد میں قیام کیا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ کی یہ پیشقدمی دشمن کو پست کر دیتی ہے اور وہ بغیر ڈیرے بھڑے واپس ہوجاتا ہے تو آنحضرتؐ بھی مدینہ واپس تشریف لے آتے ہیں۔

بقلی دشمنی

احد کی شکست آنحضرت کے مخالفین کو بہت کچھ جری بنا دیتی ہے اور

سب سے پہلے بغلی دشمنی ہو دیتے ہیں اس سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ ہوئے۔

یثرب میں یہودی عنصر کے دو جتھے تھے۔ بنو نضیر۔ اور بنو قریظہ۔ یثرب میں اسلام کی نشو و نما اگرچہ ان یہودیوں کے مفاد و مصالح پر برا اثر عاید کر رہی تھی اور وہ ابتدا ہی سے خار کھائے بیٹھے تھے لیکن چونکہ کوئی بس نہ چلتا تھا لہذا مجبوراً آنحضرت کے ساتھ دوستانہ مصالحت ہی میں اپنی خیر سمجھی۔ لیکن بس پردہ تبلیغ میں کھنڈت پیدا کرنے کے لئے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ احد کی اس اسلامی شکست سے جری ہو کر بنو نضیر نے عہد و پیماں کو بالائے طاق رکھدیا۔ اور علانیہ مخالفت شروع کر دی۔ اس بدعہدی پر آنحضرت انھیں یثرب چھوڑ دینے کا حکم دیتے ہیں اور وہ مقابلہ پر تل جاتے ہیں مگر مقابلہ میں انھیں شکست ہوتی ہے اور وہ یثرب سے نکالدئے جاتے ہیں۔ اس اخراج پر وہ خیبر میں جاکر آباد ہوتے ہیں جو مدینہ سے شام کی جانب تقریباً تین سو میل فاصلہ پر واقع ہے۔ لیکن انتقام کی غرض سے وہ اہل مکہ کو دوبارہ جنگ پر اکساتے اور ہر طرح مدد دینے پر آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔

عام قومی مخالفت اور واقعۂ خندق

احد کی کامیابی نے اہل مکہ کو پہلے ہی سے شیر بنا رکھا تھا۔ یہود یوں کی یہ تحریک و تائید انھیں از سر نو معرکہ آرائی پر آمادہ کر دیتی ہے اور زور شور کے ساتھ ایک آخری مقابلہ کے لئے تیاری ہونے لگتی ہے۔ تمام عرب کو متفقہ طور پر اسلام کی بیخکنی کے لئے ابھارا جاتا ہے اور آخر دس ہزار جنگجو عربوں کا ایک قومی لشکر ہجرت کے پانچویں سال مدینہ کا رخ کرتا ہے۔ آنحضرت کے ان تمام مخالفوں کی تعداد جو میدان میں آسکتے تھے تین ہزار سے زائد نہ تھی۔ لہذا یہ تجویز کی گئی کہ مدینہ کے ارد گرد ایک خندق کھود کر مدافعانہ پہلو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ عربوں کے پہنچتے پہنچتے یہاں خندق تیار ہو گیا۔ اب میدان داری کے بجائے انہوں نے حصار قائم کر دیا۔ اور دو مہینے محاصرہ رہا۔ حصار کی تکلیفوں اور مصیبتوں کے علاوہ مسلمانوں پر یہ نئی آفت برپا ہوتی ہے کہ یہود یثرب کا دوسرا جتھا بنو قریظہ عہد و میثاق کو بالائے طاق رکھکر عربوں کے ساتھ سازش شروع کر دیتا ہے۔ یہ درحقیقت ایک نازک موقع تھا۔ لیکن جسکو خدا رکھے اوسکو کون چکھے۔ متعدد مخالفین میں خود بخود کچھ ایسی شکر رنجی پیدا ہوتی کہ اتحاد کا تمام شیرازہ پراگندہ ہو گیا۔ ٹڈی دل لشکر کسی فیصلہ کے بغیر پلٹ جاتا ہے اور جانثاران وحدت کے سر سے بلا دور ہوتی ہے۔

دوسرا بغلی دشمن

اب بنو قریظہ گھبرا اٹھتے ہیں اور تجدید عہد کی کوشش کیجاتی ہے۔ لیکن

خود انکا غدارانہ طرز عمل اب اس قابل نہ رہا تھا کہ اُسپر آیندہ کوئی اعتماد کیا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی قطع حجت کے لئے انھیں توحید پرستی کی دعوت دیجاتی ہے اور انکار کرنے پر یہ تمام غدار قتل کر دئے جاتے ہیں۔ یثرب ان بغلی دشمنوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

منصفانہ مخالفت کے جذبات نے آنحضرتؐ کا جو شمشیر بکف خاکہ کھینچا ہے اُس کا سب سے زیادہ وحشیانہ اور خونچکاں منظر اسی عمل کو قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آنحضرتؐ پر تو اس قسم کے الزام عاید کرنے میں کوئی تردد نہیں ہوتا اور یہ امر بالکل فراموش کر دیا جاتا ہے کہ موجودہ تہذیب و تمدن نے غداری کی سزائیں اس سے زیادہ سخت تجویز کئے ہیں چنانچہ ۵۷ء کے ہندوستانی غداروں کے ساتھ علم بردارانِ تہذیب نے جو کچھ نیک یا بد سلوک کیا ہے وہ ایک کھلا واقعہ ہے کسی صراحت کی ضرورت نہیں۔

صلح حدیبیہ

واقعۂ خندق میں مخالفت کا شیرازہ پراگندہ ہونے کے بعد (تبلیغ سے اٹھارویں اور ہجرت کے چھٹے سال) کہیں آنحضرتؐ کو یہ موقع نصیب ہوتا ہے کہ اطمینان خاطر کے ساتھ تبلیغ پر متوجہ ہوں۔ چنانچہ مناسب حال اور حسب موقع تبلیغی تدابیر اختیار کیجاتی ہیں اور اسی سلسلہ میں آنحضرتؐ مکہ کا قصد فرماتے ہیں۔ مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر حدیبیہ میں یہ خبر پہنچتی ہے کہ اہل مکہ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اور یہ عہد کر رکھا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل ہونے نہ دیا جائے۔ آنحضرتؐ کا تو کبھی یہ مقصد ہی نہ تھا کہ خواہ مخواہ خونریزی عمل میں آئے۔ چنانچہ آپ واپس ہو جاتے ہیں اور اہل مکہ کے حسب خواہش یہ معاہدہ بھی عمل میں آتا ہے کہ دس سال تک فریقین میں اتحاد رہیگا اور جانبین سے کوئی جنگی کارروائی ظہور پذیر نہ ہوگی۔

عالمگیر تبلیغ

اس معاہدہ سے مکہ کی مخالفت اور ریشہ دوانیوں کا چونکہ خدشہ نہ رہ ہو جاتا ہے لہذا عالمگیر پیمانہ پر تبلیغی کارروائیوں کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے تمام متمدن دنیا میں حقیقت کا راز آشکارا کرنے کے لئے فرمان روایان روم۔ ایران مصر شام۔ حبش۔ یمامہ وغیرہ کے پاس وفود روانہ کئے جاتے ہیں۔ جزیرہ نما کے گوشہ گوشہ میں وحدت کی لہر پیدا کر دینے کے لئے ہر طرح کی تبلیغی جدوجہد عمل میں لائی جاتی ہے۔ اور ہر طرف کامیابی کا مژدہ سنائی دینے لگتا ہے۔

فتح مکہ

اس کامیابی کا یہ درخشاں دور مکہ کی مخالفانہ آگ کو پھر بھڑکاتا ہے وہ اسقدر

بھڑک اٹھتی ہے کہ عہد و پیماں سب بالائے طاق رکھدیا جاتا ہے اور چھیڑ چھار شروع کر دی جاتی ہے۔ اب گوشمالی کے سوائے کوئی علاج ہی نہ تھا چنانچہ اُس جلاوطنی کے صرف آٹھ سال بعد جبکہ جان کے خوف سے آپ اہل وعیال۔ اور وطن کو چھوڑ کر ایک دفاشماہ کے ہمراہ خفیہ طور پر یثرب کا رخ کرتے ہیں آخر وہ وقت پہنچتا ہے کہ دس ہزار جان نثاروں کے جلوس میں آپ اسی مکہ کی قسمت کا آخری اور قطعی فیصلہ کرنے کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ اہل مکہ اپنی عادت کے بموجب کامل استعداد کے ساتھ تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ اور کڑائی کا تمام سازوسامان مکمل کر لیا جاتا ہے۔ لشکر اسلام مکہ پہونچتا ہے۔ اور اہل مکہ لڑائی چھیڑ دیتے ہیں۔ بجبور لشکر اسلام کے پائے سنر کو بھی تلوار سنبھالنی پڑتی ہے لیکن جب اہل مکہ اس زبردست سیلاب کی قوت کا کچھ اندازہ کر لیتے ہیں تو پھر اُن کا دل بیٹھ جاتا ہے اور وہ ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اور مکہ کا آٹھ سالہ جلاوطن مجرم نہیں بلکہ فاتح ایک ایسی فاتحانہ عظمت و شوکت کے ساتھ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ سیزر۔ سکندر۔ اور نپولین جیسے اعاظم فاتحین کے کارناموں میں بھی دستیاب نہیں ہو سکتی اُس کعبۂ تمدن میں داخل ہوتا ہے جو سعید ہبل کی شکل میں جہالت کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ نیجہان اہل مکہ اب یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ وہ ہیں اور قتل گاہ! لیکن اس کے برخلاف شان تبلیغی انہیں اذھبوا وانتم الطلقاء کا مژدہ سناتی اور روح بخشی کرتی ہے! کیا تاریخ عالم اس حسن سلوک کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے!!

رومن ایمپائر کی مخالفت

مکہ کی مسلسل اور مستقانہ ریشہ دوانیوں کا اسطرح قلع قمع ہوئے ابھی کچھ دن بھی گزرنے نہیں پائے کہ دوسرا بدرجہا زبردست مخالف اسٹیج پر نمودار ہوتا ہے۔ وہ کون؟ تثلیثی مذہبیت کا دیوتا روم؟!

فرمانروائے روم۔ ہرقل کے پاس جب سابق الذکر اسلامی وفد آنحضرتؐ کا نامۂ تبلیغ پیش کرتا ہے تو "روما" کی شان میں ایک وحشی عرب کی یہ گستاخی انتہائی توہین تصور کیجاتی ہے اور سزادہی کے لئے۔ فساں۔ لحم۔ عذام۔ عاملہ وغیرہ باجگذار تثلیث پرست عربی ریاستوں کے نام نہ صرف احکام جاری کئے جاتے ہیں بلکہ شہنشاہی لوجوں کو بھی تیاری کا حکم دیدیا جاتا ہے یہ کیفیت جب مدینہ میں آنحضرتؐ کو ملتی ہے تو رعب قائم کرنے کی اسی پالیسی پر دوبارہ کاربند رہنا مناسب معلوم ہوا چنانچہ اوّل اہل مکہ کے ساتھ اختتام کی گئی تھی۔ چنانچہ آپ تیس ہزار جانثار روحیں ایک ایسے لشکر کے ساتھ جس پر اسوقت کی ملٹری سائنس بھی لشکر ہونے کا اطلاق نہ کر سکتی ہے آپ رومن دیوتا پر رعب قائم کرنے کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ اور سرحد سے گزر کر شام کے

علاقوں میں تبوک تک جا پہنچتے ہیں۔ اور قرب وجوار کی باجگزار روم تبلیغی ریاستوں پر رعب و داب قایم کرنے اور اپنا سکہ بٹھا دینے کے بعد واپس تشریف لے آتے ہیں۔ اور پھر تبلیغی کارروائیوں پر توجہ مبذول فرمائی جاتی ہے۔

تبلیغ کا درخشاں دور

ان تبلیغی کارروائیوں کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں۔ بنی تمیم۔ بنی ثقیف۔ بنی عامر۔ بنی سعد۔ بنی عبدالقیس۔ بنی حنیفہ۔ بنی طے۔ بنی کندہ۔ بنی حمیر۔ بنی ازد۔ بنی مزینہ۔ بنی فزارہ۔ بنی اسد۔ بنی خولان۔ بنی غامد غرض یہ کہ تمام جزیرہ نمائے عرب کے چھوٹے بڑے کل قبائل یکے بعد دیگرے اطاعت اختیار کر لیتے ہیں ان کے ڈیپوٹیشن آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں چپہ چپہ سرزمین عرب پر آفتاب وحدت کی شعاعیں چمکنے لگتی ہیں۔ اور وہی عرب جو اُس وقت کی متمدن دنیا میں سب سے زیادہ وحشی تصور ہوتے رہے تھے تہذیب و مدنیت کی ایک عدیم المثال شان پیدا کر لیتے ہیں۔

حجۃ الوداع اور تکمیل عمل

یہ عدیم المثال اور حیرت انگیز کامیابی اور سچ پوچھا جائے تو صرف وہ سارا عہد عمل کا نتیجہ تھی اور اُس کے اوج و کمال کا حقیقی جلوہ اُسوقت نظر آتا ہے جب کہ امام تمدن اس دہ سالہ عہد کے آخری امام میں فریضۂ حج کی ادائی کے لئے مکہ معظمہ تشریف لیجاتے ہیں۔ حج تو ہوا رعگانا کی اسلامی شکل ہے۔ لیکن یہ اسلامی شکل اختیار کرنے سے پیشتر اُس میں شریک ہونے والے انسان مدنیت کے نام سے ایسے ہی ناواقف تھے جیسے کوئی گنوار فیشن سے نابلد ہوتا ہے۔ وحشت اور جہالت ان کی گھٹی میں تھی۔ خون آشامی۔ اور برادر کشی اُن کا شعار تھا۔ اور نفاق اُن کا اوڑھنا بچھونا۔ مگر اس حج محمدی کے موقع پر ان کی ایسی کایا پلٹ ہو جاتی ہے کہ عقل کچھ کام نہیں کرتی۔ اُس حج میں شریک رہنے والے کل نفوس جن کی تعداد نہایت تحقیق کے بعد ایک لاکھ سے زائد تسلیم کی گئی ہے مدنیت کی ایک مکمل شکل پیش کرتے ہیں۔ اُخوت اُنکا ترانہ ہوتی ہے۔ مساوات کو وہ اپنا چتر سمجھتے ہیں۔ اتحاد میں انہیں زندگی نظر آتی ہے۔ سب کے سب ایک ہی رنگ۔ ایک ہی جذبہ ایک ہی خیال میں ڈوبے۔ اور وحدت مجسم بنے ہوئے اُس یادگار خطبہ کو سماعت کرتے ہیں جو امام تمدن نے اس موقع پر کہا تھا۔ اور اسلوح الیوم اکملت لکم دینکم کا حقیقی غلغلہ حاصل کرتے ہیں۔

وفات

اس حج سے واپسی کے دو ماہ بعد دفعتہً دردِ سر اور بخار آپ کو لاحق ہوتا ہے اور روز بروز مرض کی شدت بڑھتی ہی جاتی ہے۔ یہانتک کہ نماز کیلئے مسجد میں

آنے کی بھی طاقت نہیں رہتی۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو امامت کا حکم دیا جاتا ہے۔ غرض تقریباً دیڑھ ماہ مرض کی کامل شدت برداشت کرنے کے بعد یہ امام تمدن اُس حیاتِ جاوید میں قدم رکھتا ہے جس کا پتہ اُس نے نبی نوع انسان کو بتایا ہے۔ قانونِ فطرت کے بموجب اگرچہ آپ اس دنیوی فنا کا جام نوش کرتے ہیں لیکن حیاتِ جاوید کی آپ نے جو تلقین فرمائی ہے وہ اسوقت بھی قرآن کی شکل میں انسانی رہبری کے لئے موجود ہے۔ بس چشمِ بصیرت اور نظرِ معارف درکار ہے۔ اور پھر حیاتِ جاوید اُس کا ثمرہ۔

خلاصۂ حیات

دنیا میں آپ ترسٹھ سال رہے۔ ایامِ طفولیت تبدیل پذیر، سرپرستی اور غیر مستقل حیثیت میں گزرے۔ شباب کا ابتدائی زمانہ عسرت اور تنگدستی میں بسر ہوتا ہے لیکن اس کے بعد خدیجہؓ جیسی متمول، حسین، بلند خیال اور عالی خاندان خاتون کے ساتھ ازدواج آپ کی تمام کلفت کو دور کر دیتا ہے۔ خدیجہؓ جیسی ممتاز خاتون کا آپ کو اپنی زوجیت کے لئے انتخاب کرنا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ آپ اپنے کیرکٹر کے لحاظ سے ضرور سوسائٹی میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہوں گے اور پھر حجرِ اسود کی تنصیب اس کی مزید تائید کرتی ہے۔ جانثار بیوی، تمول، اعتبار عزت اور اقتدار کے علاوہ اولاد سے بھی آپ محروم نہ تھے۔ غرض یہ کہ سوسائٹی میں اُس وقت بہت کم لوگ ایسے ہونگے جو آپ کی طرح خوش نصیب ہوں۔

لیکن ادھر آپ نے تبلیغ آغاز کی اور اُدھر یہ خوش نصیبی مصائب سے مُبدل ہوگئی اور اس جرمِ تبلیغ میں جو جو مصائب آپ نے برداشت کئے اُن کا اندازہ سابق الذکر واقعات سے کیا جا سکتا ہے جس طرح بعض ملمع سازوں کا بیان ہے اگر اقتدار پسند جذبہ ہی نے آپ کو اسلام سازی پر ابھارا تھا تو یہ بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ اقتدارِ حاصل کو اپنے ہاتھوں برباد کر دینا اور کامل تیرہ سال تک اسکو دوبارہ حاصل کرلینے کا اختیار ہوتے باوجود اپنی ہٹ سے باز نہ آنا عقلمندی کا تو شیوہ نہیں ہے۔ رہا جنونِ قدرتی پھر ابسہ کا کارنامہ ڈنیکے کی چوٹ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر اسی کا نام جنون ہے تو دنیا کے تمام مشاہیر بھی اسی جنون میں مبتلا رہے ہونگے اور جنون عظمت و ناموری کا ایک خاصہ ہونا چاہئے۔ بہرحال اگر اقتدار پسند جذبہ ہی نے آپ کو اسلام سازی پر ابھارا تھا تو بھی آپ کی زندگی کے اُس دور میں جبکہ آپ درحقیقت مقتدر حالت پر پہنچ جاتے ہیں کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا جو اس دعوے کی تائید کر سکے جزیرہ نمائے عرب اگرچہ اس سرے سے اُس سرے تک آپ کے دستِ قدرت میں ہوتا ہے۔ اور آپ اسکی قسمت کے مالک ہو جاتے ہیں لیکن اسکے باوجود مدینہ میں اخوت مساوات کا سماں بندھا رہتا ہے۔ فرماں روا اور ایک جاہل بدوی میں فرق مراتب کو ظاہر کرنے والا کوئی امتیازی نشان نظر نہیں آتا۔ ہر شخص

یمکن تھا کہ قیصر و کسریٰ کے مانند شاہانہ ٹھاٹ لگا دئے جائیں لیکن قصر محمدی کیا ہوتا ہے۔ گھاس پوس اور کچی دیواروں کا جھونپڑا۔ اور جھونپڑے کا فرش چٹائی یا کمل۔ گھر میں کئی کئی دن آگ نہیں جلتی اور چولھا نہیں سلگتا۔ کپڑوں پر پیوند پڑے ہوئے ہیں پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے۔ غیر اقتدار پسندی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حاصل شدہ اقتدار کو سو روئی حالت میں چھوڑ جانے کا کبھی نہ تو خیال کیا گیا اور نہ کوئی عملی کارروائی عمل میں آئی۔

آپ پر شہوت پرستی کا بھی ایک نہایت زبردست الزام عائد کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تبلیغی زندگی میں آپ کے ازواج مطہرات کا دائرہ کس قدر وسیع تھا۔ لیکن اگر اس دائرہ پر بھی انصافانہ تنقیدی نظر ڈالی جائے تو خود یہ واضح ہو سکتا ہے کہ سن رسیدہ بیوہ عورتوں کے سوا آپ کا ازدواج کسی شہوت پرست جذبہ پر مبنی نہیں تھا بلکہ درحقیقت وہ بھی ظاہر ہو سکتا ہے کہ حقوق نسواں کی تعلیم و تلقین اس طرز عمل کے بغیر ناممکن تھی۔ اور یہ ایک ظاہری امر ہے کہ حقوق نسواں بھی مدنیت کا ایک اہم جزو ہیں۔

اثر تبلیغ

غرض جہاں تک آپ کی تبلیغی زندگی پر نظر ڈالی جائے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنی تبلیغ کا ایک مجسم نمونہ تھے۔ کھانا۔ پینا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا سونا جاگنا۔ اور رہنا سہنا جو کام ہوتا تھا وہ تبلیغ کا ایک جزء ہوا کرتا تھا۔ آجکل کی ہندوستانی ریفارمری۔ یا لیڈری کی طرح آپکی رہبری اور رہنمائی زبانی جمع و خرچ یا اخباری شکل کی نہ تھی اور ہماری طرح لم تقولون ما لا تفعلون پر آپ کی تبلیغ کا دارومدار نہ تھا بلکہ ہر ایک چیز عملی شکل میں تبلائی گئی اور اسطرح آپ نے اپنے حلقہ بگوشوں میں ایک ایسی عملی روح پھونکدی کہ جسکی نظیر کسی ریفارمر کے پیرو ہرگز پیش نہیں کر سکتے۔

چنانچہ آپ کی وفات کے بعد جب دفعتہً اندرونی ارتداد اور بیرونی مخالفت کا ایک زبردست طوفان برپا ہوتا ہے اور اسلام کی بنیاد کو متزلزل کر دینے کی ان تھک کوشش کیجاتی ہے تو اسی عملی تعلیم کا اثر تھا جس نے آپ کے حقیقی خوشہ چینوں کو ٹس سے مس ہونے بھی نہ دیا۔ ہندوستانی طالبان ملوکراج کی طرح جن کا تمام نشہ گاندھی جی کی قید کے ساتھ ہی کافور ہو جاتا ہے۔ ان رہروان حقیقت کا ولولہ کچے دھاگہ کی طرح نہ تھا جس کو آنحضرتؐ کی وفات تار تار کر دیتی۔

اسی شایان تبلیغی کے ساتھ جس کو امام تمدن نے اپنا شعار بنا رکھا تھا یہ وفاشعار مدنیت کی خدمتگزاری اور بنی نوع انسان کی رہبری کے لئے جان ہتھیلی پر رکھکر مستانہ وار آگے

بڑھتے ہیں۔ اور پوری طرح حق تبلیغ ادا کرتے ہیں۔ یہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آناً فاناً رومن امپائر کی تثلیثی فضاؤں میں توحید کی سریلی صدائیں سنائی دی جاتی ہیں۔ باب مسیحیت سے گزر کر ابا صوفیہ کے منارے وحدت کا ترانہ گایا جاتا ہے اور دیوانا کی دیواروں تک اس کی گونج جا پہنچتی ہے۔ مصر۔ تونس۔ مراکو۔ الجیریا پر وحدت کا رنگ پھر جاتا ہے۔ اور پھر جبل الطارق سے اندلس اور اندلس سے سرحد فرانس تک توحید کا علم لہرانے لگتا ہے۔ ادھر ایرانی استعداد اور مجوسی آتش اسلامی مساوات اور نور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور پھر یہی نور افغانستان۔ اور وسط ایشیا سے ہندوستان میں راس کماری تک پھیل جاتا ہے۔ جزیرہ نمائے ملایا اور چینی بھول بھلیاں میں بھی اسی کی شمعیں اپنا اثر دکھانے لگتی ہیں۔

اسلام اور موجودہ مدنیت کا مقابلہ

بہر حال جب تک مسلمانوں نے حقیقی طور پر پیرو حقیقت کی پیروی کو اپنا شعار بنائے رکھا اُن کا بول بالا رہا۔ وہ دنیا پر چھائے رہے اب اگر مسلمان موجودہ تہذیب و مدنیت میں ذلت و حقارت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں تو یہ خود ہمارا قصور ہے۔ ورنہ نفس اسلام مدنیت کی وہ آخری مکمل ترین شکل ہے جس سے بہتر کوئی دوسری شکل آج تیرہ سو سال کا عرصہ گزر چکا لیکن خیّر وجود میں نہ آئی۔ سیاسی۔ اخلاقی۔ سماشی اور معاشرتی غرض جس عمرانی حیثیت سے اسکو جانچا جائے وہ پکار اٹھتا ہے کہ میں مکمل اور محتشم مدنیت ہوں۔

مثال کے لئے ہم صرف ایک ثبوت پر اکتفا کرتے ہیں۔ آج جس مغربی مدنیت کا طوطی بول رہا ہے اُس کا فلسفۂ حیات 'قوم' یا 'وطن' میں نمایاں کیا جاتا ہے۔ لیکن حیات کا یہ فلسفہ خود حیات کا جس قدر منافی اور 'فنا' کا جیسا کچھ عکس انداز بنا ہوا ہے اب اس کی حقیقت سے خود مغربی مدنیت کے علمبردار تھرا رہے ہیں۔ چنانچہ اب اس پر بہت کچھ غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ معلوم نہیں دانشمند ان فرنگ اب کس کروٹ پہلو بدلنے پر متوجہ ہونگے۔

لیکن جب تک فلکۂ 'قومیت' کا رواج اور 'وطنی' دیوتا کی پرستش جاری رہے گی گیہتی نہیں سمجھ سکتی۔ فرض کرو اسی قومی یا وطنی مدنیت کے اصولوں پر ویلش۔ اسکاچ۔ آئرش ہندی۔ سوڈانی۔ افریقی۔ برمی۔ عرب غرض یہ کہ وہ تمام گوناگون اقوام جن سے اس وقت برٹش امپائر کا شیرازہ مرکب ہے علیحدہ ہو جائیں۔ اور ان کے مابین کسی طرح کا رابطہ کسی حیثیت بھی باقی نہ رہے۔ ایسی حالت میں بڑی بڑی قوموں کے مقابل چھوٹی چھوٹی قوموں کی حیات و بقا کی ضمانت کیا ہوگی؟ تلوار جب نیام سے نکل پڑتی ہے تو خود اس اعلیٰ مدنیت کی فضا میں ہر طرح کے

بین الاقوامی توانین اور مجلس اقوام جیسے تضیعنات ہوا میں معلق نظر آنے لگتے ہیں۔ اور بساط الٹ جاتی ہے۔

برٹش اسپائر کی یہ کیفیت خیر مستقبل میں پیش آئے گی اور ہماری آئندہ نسلیں اس کا مشاہدہ کر سکیں گی۔ لیکن خود اس وقت ہمارے روبرو اسٹیج پر ترکوں کی ایک ایسی زندہ مثال موجود ہے جو اسلامی مدنیت کے 'نخمۂ حیات' اور قومی مدنیت کے 'فلسفۂ فنا' کو کماحقہ ذہن نشین کر سکتی ہے۔

سلطنت آلِ عثمان جب تک اسلامی مدنیت کے اُصولوں پر قایم رہی وہ ترکی۔ عربی۔ مصری۔ شامی۔ کردی۔ طرابلسی۔ البانی۔ ارمنی۔ افریقی غرض بیسیوں مختلف الالوان قوموں کی یکتائی اور زندگی کا محور تھی۔ 'حیات' کا تاج اس کے سر پر رہا اور 'بقا' کی دیوی اس کے قدموں پر اپنی جان نثار کرتی رہی۔ لیکن آج قومی مدنیت کے مکتب میں وہ انگلوہ کی قومی حکومت بنی ہوئی 'فنا' کا تختۂ مشق ہو چکی ہے 'موت' کی کالی گھٹا اس کے پیش نظر ہے اور وہ خود اپنی زندگی سے سرا سیمہ ہے ؎

(آہ) ہستی ہماری۔ اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے (غالب)

'اسلام' مدنیت کی مکمل ترین شکل ہونے کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا ثبوت درکار ہو سکتے ہیں؟ اور جس مبارک ہستی نے یہ مکمل ترین شکل دنیا کے سامنے پیش کی ہو اس کو دنیا کا عظیم الشان انسان سمجھنے میں۔ اس کو رہبر حقیقت باور کرنے میں۔ اور اس کو امام تمدن کا خطاب دینے میں کیا عذر پیش کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت محمدی کا اصلی راز اور خاتمہ

لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ کونسی برقی قوت تھی جس نے عربستان جیسے مرکز توحش وجہالت کے ایک اُمّی فرد کو تہذیب وتمدن کا امام بنا دیا۔ اور وہ کونسی پوشیدہ طاقت تھی جس نے ایک جہلستان کے امّی کو مدنیت کی ایسی مکمل ترین شکل دنیا کے روبرو پیش کرنے کے قابل کیا۔

'عقل' اپنی موجودہ بلند پروازیوں کے باوجود اب تک اس کی عقدہ کشائی سے قاصر ہے۔ اور اس کو ایک 'لاینحل راز' قرار دیتی ہے۔ بے شک عقلی بھول بھلیاں میں یہ ایک 'لاینحل راز' ہے مگر وہ جذبۂ صادقہ جو کائنات کی رنگینوں میں 'وحدت' کا جلوہ دیکھ سکتا ہو۔ وہ جذبہ جو 'توحید' کے نغموں سے مست ہو۔ وہ جذبہ جس کی صدا لا الٰہ الا اللہ ہو۔ وہ اس راز کو 'نبوت' و 'رسالت'

سمجھتا ہے یہ اس کا عقیدہ ہے۔ یہی اس کا ایمان ہے۔ اور یہی اس کی حیات ہے۔ اور یہ بانگ دل
وہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا دیتا ہے۔ ؎

اللہ اللہ۔ غرض کہ شمۂ حسن بت و رنہ حاجت نیست (حافظ)
جمال دولت محمود را بزلف ایاز

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؎

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

فضل اللہ احمد
(جامعہ عثمانیہ)

ماہِ مولود

گمراہوں کو راہ حق بتادی تو نے — مشتاقوں کو آنکھ سے دکھادی تو نے
اللہ کی حجت ہوئی مخلوق پہ ختم — کردی توحید کی منادی تو نے

ہو آنکھ تو ہو آنکھ میں صورت تیری — گر لب ہوں تو ہو لب پہ شہادت تیری
سر ہو تو فقط سر میں ہو سودا تیرا — گر دل ہو تو ہو دل میں محبت تیری

میر قطب الدین علی تسلی

صوفی نے اَنا کے رمز کو جانا ہے — کامل نے اُسے نورِ خدا مانا ہے
ہوتا ہے ہر اک اُمتی احمدؐ پہ نثار — خالق کو اِسی سے سب نے پہچانا ہے

قرآن میں تعریف کرے جسکی خدا — کیا کر سکے اُس شہ کی کوئی مدح و ثنا
مرغوبِ خدا کیوں نہ ہوں افعال اُسکے — محبوب جو ہو خالقِ دو عالم کا

ہم اُمتی احمدؐ کے ہیں صد شکر آلہ — محشر میں اسی ذات کی ہے ہم کو بنا
محبوب کے صدقے میں خدایا ہم پر — کر فضل کہ دنیا میں نہ ہو جائیں تباہ

ابو الفیض فیاض حیدرآبادی

تذکرۂ محمدی

دورِ مکہ

ہزاروں برس پہلے بابل کے جیسے الحاد اور دہریت کے مرکز میں خدا کی کبریائی کا ایک اردوان پیدا ہوتا ہے۔ تاروں بھرے اور سورج والے آسمان کو سچ مچ کی خداداد عینک سے دیکھتا ہے اور "انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین" کی سچائی سے بھری ہوئی آواز بلند کیا کرتا ہے صنم کدۂ آذری میں ماتم برپا کر دیتا ہے۔ حق کا یہ پیشوا جنگل پہاڑوں میں رزی توحید کی مستانہ آواز لگاتا ہوا "ریگ وسراب" کی سرزمین میں آتا اور اللہ کی عبادت کے لئے ایک آسرا بنانے لگتا ہے۔ عفت پناہ باپ کے ساتھ رفعت نشان بیٹا بھی شریک۔ اقرار توحید سے ان دونوں پاک جانوں نے جو روحانی سرور پایا اور دل کے سکھ کی جو خوشگوار لذت دیکھی اس سے اپنی اولاد کو محروم رکھنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ دونوں مخلص بندے بینا اور شنوا اللہ کی پاک اور بلند درگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں "ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" اسی پر بس نہیں بلکہ "ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم"

اس دل سے نکلی ہوئی دعا کے بعد قرن پر قرن گزرتے جاتے ہیں دنیا سیکڑوں رنگ بدلتی ہے تا آنکہ مکہ اس دعا کا مقام عظمت وجلال اور بطحائے عرب یا "وادی غیر ذی زرع" کا صدر مقام ایک سردار قریش کے پیدا کرنے سے پہلے یتیم پوتے کا ۵۷۱ء میں دوشنبہ کے روز جنم بھوم بنتا ہے حضرت محمد صلعم ابن عبداللہ بن عبدالمطلب اس نومولود کا اسم گرامی۔ جوں ہی کہ عبدالمطلب کا گھر اس ولد سعید سے آباد ہوا۔ تمام مکہ نے معلوم کر لیا کہ ؎

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

بنی سعد یا ہوازن کے قبیلے کے نصیب جاگتے ہیں کہ شیر خواری کا زمانہ ختم کرنے کے لئے

آنحضرتؐ اسی قبیلہ کی ایک خاتون حلیمہ کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ اس سے پہلے پیدائش کے تین دن بعد ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ ثویبہ سے دودھ پینے کے پہلے خود آنحضرتؐ کی والدہ نے دودھ پلایا تھا۔ دو برس بعد حلیمہ آپ کو گھر لے آئیں چونکہ مکہ میں وبا تھی اس لئے پھر واپس لے گئیں۔ چار برس بعد حضور صلعم اپنے گھر واپس تشریف لائے۔ اپنی والدہ آمنہؓ بنت وہب کے ساتھ مدینہ کو تشریف فرما ہوئے۔ آمنہؓ چاہتی تھیں کہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت ہو جائے۔ واپسی میں ابواء میں آنحضرت صلعم کو والدہ سے ہمیشہ کے لئے جدائی ہو جاتی ہے۔ ام ایمن آپ کی دایہ آپ کو لیکر مکہ میں آئیں۔ یہاں دادا کفیل ہوتے ہیں دو برس بعد ان کو بھی موت آجاتی ہے۔ بستر مرگ پر انہوں نے عزیز پوتے کو اپنے ایک دوسرے بیٹے ابوطالب کے حوالہ کیا کہ خبر گیری کریں۔

ابوطالب تاجر تھے اور اکثر شام کے مسافر۔ ایک مرتبہ بھتیجے کو بھی ساتھ لیا جب کہ عمر شریف بارہ سال کا تھا ؎

لے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا میروی

بارہ سال کے بعد پھر ارادۂ مبارک جانب شام مصمم ہوا۔ باعث یہ کہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد نے اپنا سرمایہ حوالہ کیا کہ تجارت کیجائے اور نفع دیا جائے۔ اسی سفر کا نتیجہ تھا کہ حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوگئی جبکہ ان کی عمر چالیس برس کی اور حضور صلعم کی عمر عالی پچیس برس کی تھی۔ حضرت خدیجہؓ اس سے پہلے دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اولاد بھی تھی۔ شادی کا خطبہ ابوطالب نے پڑھا تھا۔ بیس اونٹ اور بقولے پانسو طلائی درہم کا مہر قرار پایا تھا۔ قریش کے تمام سردار اس موقع پر جمع تھے۔ حضرت خدیجہؓ دولتمند تو تھیں مگر بڑی نیک اور پاکیزہ اخلاق والی بھی تھیں۔ طاہرہ کہلاتی تھیں۔ یوں بھی آپ تجارت کے لئے سفر فرماتے رہتے۔ بحرین تک سفر فرمایا ہے۔ انہی دنوں میں فجار کی جنگ برپا ہوئی۔ یا قریش اور قیس کے قبیلے گتھ گئے۔ بڑے معرکہ کا رن تھا۔ چونکہ ننگ و ناموس کا معاملہ تھا اس لئے قریش کے عام خاندانوں نے الگ الگ ٹکڑیاں روانہ کی تھیں۔ ہاشمیوں میں وہ بھی شریک تھا جو آئندہ دنیا کا سب سے بڑا پیسالار ہونے کو تھا لیکن سپہ سالاری میں کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ یاد رہے کہ قریش حق پر تھے اور انجام ان ہی کی فتح پر ہوا۔

جب اس جنگ سے فوجیں گھروں کو واپس آئیں تو دیکھا کہ مسلسل جنگوں نے ناس کر دیا ہے بعض نیک دل افراد نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ زبیر ابن عبدالمطلب پیش رو تھے۔ چنانچہ بعض

خاندانوں نے قسم کھائی کہ ہر شخص دُکھے کی چنہ واری کرے گا، اس میں وہ بھی ساتھی تھا جسکو سب سے بڑا صلح پسند بنانا خدا نے مقرر کر دیا تھا۔

پینتیسویں سالگرہ ہوئی تو قریش نے کعبہ کی مرمت کی جو ڈھا گیا تھا۔ جب حجر اسود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کی نوبت آئی تو ایک جھگڑا برپا ہو گیا۔ قریب تھا تلواریں نکل پڑتیں ہر شخص اس سعادت کا آرزومند تھا۔ آخر یہ تصفیہ ہوا کہ دوسرے دن سویرے جو شخص وہاں سب سے پہلے آئے وہی اس برکت سے سعادت حاصل کرے صبح ہوئی اور جو فرد وہاں تھا وہ ہمارا آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نکلا۔ آپ نے جو فیصلہ کیا وہ حکیم المثال ہے وہ یہ کہ آپ نے چادر بچھا دی۔ حجر اسود کو اُس پر رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک شخص چادر کو اٹھائے اور مقام تنصیب تک لائے۔ اسی طرح ہوا آخر میں آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اس کو اُس کے مقام پر نصب فرمایا۔

مساوات کا کتنا دلآویز نمونہ اور جمہوریت کا کیسا انوکھا طریقہ برتا گیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کہ اس قسم کے باتوں کو آپ کے لڑکپن سے ہی دیکھتا آیا تھا۔ جب آپ ابھی رضاعت کے ہی زمانہ میں تھے تو حادث حالی تھی کہ حلیمہ کے ایک طرف سے دودھ پیتے دوسری طرف سے اپنے دودھ بھائی اور بہنوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع عنایت فرماتے۔ عین جوانی کا واقعہ ہے کہ کسی شخص نے کسی کام کے بعد آپ کو کہیں ٹھہرے رہنے کو کہا اور خود کہیں چلا گیا۔ گو واپس آنے کا وعدہ کر گیا تھا لیکن وعدہ یاد نہ رہا۔ تین دن کے بعد وہاں سے گزرا تو دیکھتا یہ ہے کہ آپ وہیں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ حضرت خدیجہؓ کے الفاظ میں۔ صلہ رحم۔ کنبہ کی خبر گیری۔ دھندا۔ مہمانی کار خیر میں ہاتھ بٹانا۔ بیتھوں کی کمک۔ سچائی۔ امانت۔ دستگیری۔ نیکی۔ خوش خلقی۔ غرض تمام نیک باتوں کے آپ مجسم نمونہ تھے۔ امانت اور دیانت ہی تھی کہ حضرت خدیجہؓ نے اپنا سرمایہ حوالہ کیا تھا اور آخر کار شادی کی آرزومند ہو گئیں۔ اس کے علاوہ مراسم شرک سے دامن مبارک کسی طرح آلودہ نہ ہوا بلکہ فساد گوئی کی بزم میں تک شرکت نہ ہوئی۔

اچھنبا ہو جاتا ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ ایک فرد جو پیدائش سے پہلے ہی یتیم۔ پھر جس کے پروان چڑھنے کے عین زمانہ میں ماں بھی دنیا کی زندگی ختم کر چکے۔ دادا بھی اسی کے لگ بھگ دنیا میں نہ رہے۔ جس کا بچپن بکریاں چراتے گزرے اور بغیر کسی فلسفی کسی منطقی کسی عالم کسی حکیم کی صحبت سے فیض اٹھانے کے اور بغیر کسی مطالعہ کتب کے۔ یہ تو یہ لکھنا پڑھنا تک نہ جانے محض اُمّی کہلانے کے باوجود اپنی رفتار۔ گفتار اور کردار کے ایسے قابلِ رشک نمونے بتاتا ہے کہ جاہل

اور وحشی قوم سے تک "امین" کا خطاب لے لیتا ہے تعجب اور حیرت اور زیادہ ہوتی ہے جب نظر آتا ہے کہ اس زمانہ میں وہاں کوئی ایسا نمونہ بھی نہ تھا کہ جس کی تقلید کیجاتی۔ غرض کیا یہ اس امر کا کافی ثبوت نہیں کہ جو شخص دنیا میں بڑا آدمی بنتا ہے اس کی ہر بات میں، خواہ وہ کسی زمانہ میں کیوں نہو۔ خواہ بہ زمانہ طفلی۔ خواہ بہ زمانہ جوانی۔ خواہ بہ زمانہ پیری ایک شان ہوتی ہے کہ خدا کی دین کا ثبوت ہوتی ہے۔

آپ اپنے اطراف دیکھتے ہیں کہ روحانیت کا ٹوٹا پڑا ہوا ہے۔ نفسانیت کا بازار گرم ہے۔ شقاوت اور فساوت کا شہر آباد ہے۔ شرافت اور محبت کی بستی سونی ہے۔ خودی کا راج ہے۔ برکت اور رحمت کا قحط ہے۔ دل کی پاکی اور باطن کی صفائی بالاصنی الفاظ رہ گئے ہیں۔ انسانیت اور تہذیب ڈھونڈے نہیں ملتی پاکیزہ اخلاق روپوش ہو گئے ہیں اور شایستہ عادتیں غریب۔ غرض کیا مذہب کیا اخلاق۔ کیا تمدن سب برباد ہیں مختصر یہ کہ ظہر انفسادفی البر والبحر کی حالت ہے۔ یہ کیفیت آپ کو متاثر کر دیتی ہے۔ فکر آپ کی ہمیشہ کی رفیق ہو جاتی ہے اور غور ہر وقت کا ساتھی۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ سماج سے طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ تنہائی میں دل لگتا ہے۔ آخر کوہ حرا آپ کو پسند آیا۔ وہاں سے چار سو نظر ڈالی تو کیا ہوں کے کالے کالے بادلوں میں نہ صرف اپنے گھر کو ہی پایا بلکہ تا حد بصر یہی نقشہ دیکھا۔ اب پردہ اٹھتا جاتا ہے اور آخر کار برکت والے اور بلندی والے اللہ کے عزت والے اور جلال والے دربار سے راہ نمائی عالم کا آن مول خلعت عطا ہوتا ہے۔ اب وہ انسان اعظم۔ بعد از خدا بزرگ۔ اس تاریکی کو نور سے بدل دینے کے لئے کمر ہمت چست کرتا۔ پہاڑ سے اُتر کر آبادی میں آتا۔ اور حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ اور ان کے عزت پناہ بیٹے حضرت اسمٰعیل کی دعا کے قبول ہونے کا اعلان کرتا ہے ؎

ستم پامال ہوگا دور عدل و داد آتا ہے — جفا جاتی ہے دنیا سے وفا کی آمد آمد ہے
عدم کی راہ میں کہد و مساد و فتنہ و شر سے — یہاں خیر البشر خیر الوریٰ کی آمد آمد ہے

اس جد امجد نے صرف اس سوکھی جلی زمین کا تو حیکہ بارانِ رحمت سے سیراب ہو جانا بس خیال کیا تھا لیکن اس ولد باہمت کو پسند نہ آیا کہ توحید کا سدا بہار باغ صرف اسی جنگل گھاٹی میں لہلہائے۔ وہ اس انگلستانِ بے خزاں کو اس خاکستاں کے چپہ چپہ پر پھیلا پھولا اور ہرا بھرا دیکھنا چاہتا تھا۔ یہی باعث تھا کہ خود خدا نے "وما ارسلناك الا رحمة للعالمين" کی سند دی ..... "زندگی زندہ اسی نور کے اتمام سے ہے"۔ کیمیا اس در کی خاک کا نام ہے ؎

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جاؤں ہم　　خاکِ درِ رسول کا سرمہ لگاؤں ہم

اب تمام عالم کو نوید امن سنانے کا سرا پا خیر و برکت کا کام شروع ہوتا ہے لیکن نہ کوئی یار و مددگار ہے اور نہ کوئی ٹکل و حشم۔ ایک یتیم اور اُمّی ہے بے زر و بے نوا بے جاہ و جلال۔ پہلے پہلے چھپے چھپے کام شروع ہوا۔ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت بلالؓ۔ حضرت عثمانؓ وغیرہ نے بے تردد اسلام قبول کر لیا۔ تین برس اسی طرح گزرے کہ خدا کا فرمان ہوا کہ "فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین" اور "وانذر عشیرتک الاقربین" اب کھلے خزانے اسلام کی دعوت شروع ہوئی۔ حضرت حضور صلعم نے کوہ صفا پر چڑھ کر ندا بلند کی کہ یا معشر قریش! لوگ جمع ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اگر میں کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے تو سچ مانو گے کہ تمہیں یہ جواب ملا کہ ہاں" کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امین ہے" ارشاد ہوا کہ ایمان نہ لاؤ گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے۔ جواب میں سب چلے گئے۔ چند دن بعد حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دعوت کا سامان ہو۔ تمام خاندان بلایا گیا۔ کھانے کے بعد فرمایا کہ خدا کی طرف سے وہ شے آئی ہے کہ جو دین اور دنیا کی کفیل ہے۔ کون ہے جو اس بارِ گراں میں میرا ساتھ دے گا؟ جواب میں ایک صحیح العقول نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں۔ خوب ابھی کم سنی اور یہ بلندی؟ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"

اب قوم حق کی اس زالی آواز کو سنکر آگ بگولہ ہو جاتی ہے۔ قرآن سنتے تو کہتے "ان ھذا الا اساطیر الاولین" وقالوا یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون۔ انما مفتر بل قالوا اضغاث احلام بل افتر بل ھو شاعر" یعنی میرا نبی جھوٹا تھا۔ کاہن تھا۔ دیوانہ تھا۔ شاعر تھا۔ ساحر تھا۔ کسی نے گالیاں دینی شروع کیں۔ کسی نے ڈھیلے مارنے شروع کئے۔ کوئی پاک جسم پر خاک ڈالتا۔ آمد و رفت کے راستہ میں کانٹے بچھائے جاتے۔ گلا گھونٹا جاتا قوم کا ہر فرد آپ کی دل آزاری اپنا قومی فرض جانتا۔ سفر ہو یا حضر اور گھر ہو یا بازار ہر جگہ آپ کی توہین کا سامان مہیا رکھا جاتا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن ثبات اور استقلال کے اس مجسم پیکر میں تزلزل کا کوئی نشان تک نہ تھا اس نے جس غایت کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا تھا اس کے لئے یہ سب زحمت رحمت تھی۔

چوتھا سال آیا لیکن حالت جوں کی توں۔ حضور انور صلعم سے حضرت ارقم کا گھر ضیا افروز ہوتا ہے جیسے جیسے آپ کی تعلیم رنگ لاتی جاتی ہے۔ قوم کی عداوت اور دشمنی بھی رنگ پکڑتی جاتی تھی۔ اس لئے طرح طرح کے لالچ دئے۔ مال و دولت کا۔ عز و جاہ کا۔ حکومت اور فرمانروائی کا

جب اس کو بھی بے اثر دیکھا تو ابوطالب پر زور ڈالا کہ آپ کو حوالہ کر دیں انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ تب آفت آیا چاہتی ہے۔ دیکھنا۔ پا مروی کے گئے نیا آلفاظ ارشاد ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر سورج میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند بائیں ہاتھ پر آرہے اور مجھ سے کہا جائے کہ یا تو اس کام سے ہاتھ اٹھا لو یا موت کے لئے تیار ہو رہو تو جب بھی میں ہوں گا اور یہ سب اکام۔

اسی طرح پانچ سال گزر گئے۔ قوم کے غصہ کی آگ بھڑکتی ہی گئی اور بچاؤ کا کوئی چارہ نظر نہیں آیا سوا اس کے کہ مسلمان گھبرا کر کہیں جکم صادر ہوا کہ جو چاہے حبش کو ہجرت کر جائے۔ یعنے یہ سبق دیا کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے پھر کچھ ہے۔ سب سے پہلے قافلہ میں حضرت عثمانؓ بھی معہ زوجہ محترمہ کے شریک تھے۔ یہ کون۔ داماد رسولؐ اور بنت رسولؐ۔ قوم نے وہاں بھی قاصد دوڑائے وہ وہاں ناکام ہوئے۔ ناچار نامراد لوٹے۔

اب چھٹا برس آیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ۔ رسول اللہ کے چچا مسلمان ہوئے۔ چالیس مسلمان پورے ہوئے۔ اور مسلمانوں کے بازو قوی ہوئے۔ اب رسول اللہ صلعم نے کھلم کھلا کعبہ کے سامنے نماز پڑھی۔

ساتھواں سال آیا اور ساتھ ہی تکلیف کا نیا سامان بھی ساتھ لایا۔ قوم نے دیکھا کہ ان کے ایڑی چوٹی تک کے زور لگانے کے باوجود تعلیم محمدی صلعم نے برگ و بار پیدا کر لئے ہیں تو اب اس نے بھی شدت اختیار کر لی اور حضور صلعم کے وجود باوجود سے دنیا کو محروم کر دینے کی ٹھانی۔ آپ شعب ابوطالب کو مسکن قرار دیتے ہیں۔ قوم حقہ پانی بند کر دیتی ہے۔ چونکہ بنی ہاشم اور بنی مطلب بہ پاس قرابت آپ کی پشت پناہی کرتے تھے اس لئے قوم نے ان سے ایکا کر لیا۔ دو سال یوں ہی کٹے مگر نہایت مصیبت سے خون جگر پینے کو تھا اور سخت دل کھانے کو۔ لیکن حق کے لئے یہ سب پسند تھا۔ دنیائے ثابت قدمی کی ایسی مثال دیکھی تو کیا سنی بھی نہ ہوگی۔

دسواں برس شروع ہوا۔ خدا نے سامان جمع کر دئے اور ایکا ٹوٹ گیا۔ اس سے تو خلاصی ملی لیکن ابوطالبؓ نے وفات پائی ابھی اس کو تین دن نہ ہوئے تھے کہ حضرت خدیجہؓ بھی دنیا سے سدھاریں ان واقعات نے آنحضرت صلعم کو بہت اندوہ گیں بنا دیا لیکن صبر کا شیشہ مضبوطی سے تھامے رکھا انہی دنوں میں حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ آنحضرت صلعم کے بیاہ میں آئیں۔

آپ نے زید بن حارثہ کے ساتھ طائف کا ارادہ فرمایا۔ ایک مہینہ تک وہاں کا قیام رہا۔ لوگوں کو اسلام کی طرف چہنید بلایا لیکن انکار اور ایذا کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ ماداتوں نے پتھر برسائے۔

پائے مبارک زخمی ہوئے۔

دنیا میں جو بھی ہادی خدا کے طرف سے آیا ہے اس کے ساتھ ہمیشہ ایک ہی وتیرہ اختیار کیا گیا ہے۔ انکار اور ایذاء۔ ایذا تو خیر بڑے لوگوں کے صبر کی کسوٹی ہی ہے "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے" لیکن انکار ان کے غصہ کے دربار میں جوش پیدا کر دیتا تھا۔ یہاں تک بعض مرتبہ وہ اپنی اسی حالت میں پکار اٹھتے تھے کہ "رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا" لیکن بطحائے عرب کا نبیؐ۔ اس پر سلام اور صلوٰۃ ہمیشہ بھلائی اور بہتری ہی چاہتا رہا۔

آپ طائف سے تشریف لائے۔ اب گیارھواں برس شروع ہوا حج کے دنوں میں آپ عقبہ پر اسلامی تعلیم کی تلقین فرما رہے تھے۔ کہ مدینہ کے چند غریبوں نے اس کو سن لیا۔ اسلام کی سادگی اور خوبی نے ان کے دلوں پر ایک ایسا نشتر کیا کہ تمام کدورتوں کی سب آلائشیں نکل گئیں۔

بارھویں سال معراج ہوئی یعنے تمام حجابات اٹھ گئے۔ تمام سفلی اور مادی رشتے باقی نہ رہے اور اس تیز وقار خاکدان سے اس پاک شاہد ہستی مطلق کے جمال جہاں آرا سے آنکھیں روشن کیں۔ بیشک جہاں عقلیں اس کی تہ تک پہونچنے سے کوتاہ ہیں لیکن ہائے حافظ نے کیا اچھا کہا ہے کہ

"سخن شناس نئے دلبرا خطا اینجا ست"

اب مکہ سے دور خدا کا نور اپنی روشنی پھیلاتا ہے اور مدینہ سے سچ کی آواز بآسانی گونجنے لگتی ہے۔ وہاں سے ایک وفد آیا اور اللہ کا سودائی ہو کر گیا۔ دن گزرتے جاتے تھے۔ لیکن مکہ کے سخت دل سخت ہوتے جاتے تھے۔ تیرھواں سال آیا اور مدینہ منورہ سے ایک اور وفد آیا۔ ستر آدمیوں پر مشتمل۔ رات کی تاریکی میں ایک سنسان مقام پر پہاڑ کے درے میں اس نے بارگاہ رسالت میں بار پایا۔ مکہ کی سرد مہری نے۔ رسالت پناہ صلعم کے دل مبارک کو مدینہ منورہ پر مائل کر دیا۔ یہاں معاہدہ ہوا کہ یہ حضور صلعم کی حفاظت کرے گا اور آخر میں ارشاد ہوا کہ "میں تمہارا ہوں تم میرے ہو۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ۔ میری زندگی تمہارے ساتھ۔ میری موت تمہارے ساتھ۔ میں اس سے جنگ کرونگا جو تم سے جنگ کرے اور اس سے صلح کرونگا جو تم سے صلح کرے۔ پس اب مدینہ منورہ مرکز اسلام بنگیا۔ آپ نے عام اجازت صادر فرمادی کہ سب مسلمان مکہ چھوڑ دیں۔

قوم اس سرگزشت کو دیکھ رہی تھی لیکن دل ابھی جوں کے توں تھے اب دیکھا کہ امن کا ایک ٹھکانا مل گیا ہے تو مشورہ کر کے سوچا کہ رسول اللہ صلعم کی جان نے لیجائے اس ڈر سے کہ نبی عبد مناف کیگروہ جائیں قرار دیا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک شخص حضور صلعم پر حملہ کرے۔ عبد مناف والوں کو جرأت نہوگی کہ سب سے

بھڑ جائیں۔ دیت مانگیں گے تو ادا کریں گے یب دو لکھ درہم پر آئے لیکن "دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست" حضور صلعم اپنے بستر مبارک پر حضرت علیؓ کو لٹا دیتے اور خود باہر تشریف لیجاتے ہیں۔ اب حکم ہوا کہ نبی صلعم صدیق اکبرؓ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں۔

صدیوں کا آبائی وطن چھوٹ گیا۔ گھر بار چھوٹ گیا۔ کعبہ چھوٹ گیا۔ لیکن کوئی پروا نہیں۔ اگر خدا کے راستہ میں ان تلخ گھونٹوں کو پینا ہی ہے تو "اہلاً و سہلاً مرحبا"

مکہ سے نکلنے کے بعد تین دن تک ایک غار رشک فردوس بنتا ہے۔ یہاں بھی بدبالمن آ نکلتے ہیں۔ ندا خود نگہبانی کرتا ہے۔ جب یہاں سے کوچ ہوا تو اعلان ہوا کہ جو رسولؐ کا سر لائے سو اونٹوں کا انعام پائے۔ حضور صلعم کا تعاقب کیا گیا لیکن خود تعاقب کرنے والا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ آخر کار مدینہ منورہ کے در و دیوار سے یہ صدا آنے لگتی ہے کہ۔

طلع البدر علینا من شنیات الوداع

مبارک منزلے کاں خانۂ ما ہے چنیں باشد — مبارک کشورے کاں عرصۂ اشہاے چنیں شاہ
دامان تنگ و گل حسن تو بسیار — گل چیں بہار تو زداماں گلہ دارد

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین فقط

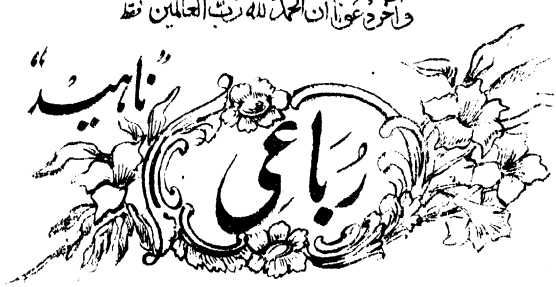

ہے خیر بشر۔ اور پیمبر بھی وہی
ہے خاتم انبیا بھی برتر بھی ہے
صد شکر کہ جس نبی کی امت ہیں ہم
محبوب خدا شافع محشر بھی ہے

ابو الفیض فیاض حیدرآبادی

آنحضرتؐ کا سلوک بچوں کے ساتھ

رُوئے زمین کے جملہ ادیان میں یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس کے پیغمبر کی زندگی کا ہر ایک واقعہ بسند صحیح اب تک موجود ہے اس لئے ہم آپ کی معاشرت کے ہر ایک واقعہ کو نہایت صحت کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں بخلاف دیگر مذاہب کے پیشواؤں کے صحیح حالات معلوم نہیں ہو سکتے اور نہ ان واقعات پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ غرضکہ آنحضرت صلعم کا ایک بہترین معجزہ ہے۔

مگر یہ ناممکن ہے کہ ایک مختصر مضمون میں آپ کی زندگی کے کل واقعات واضح طور پر لکھے جا سکیں کیونکہ اس کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

میرا ایک اور مضمون (رسالت مآب کا سلوک عورتوں کے ساتھ) عنوان سے شایع ہو چکا ہے اب اس مضمون میں آپ کی مبارک زندگی کے اُن حالات پر کچھ لکھنا چاہتی ہوں جو بچوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

آنحضرت صلعم بچوں پر نہایت مہربان تھے اُن پر شفقت اور مرحمت فرماتے اُن کے ناز اٹھاتے اُن سے خوش طبعی فرماتے۔ حضرت ابراہیم آپ کے صاحبزادے مدینہ سے چار میل پر پرورش پاتے تھے آپ وہاں تک پیادہ جاتے بچے کو بوسہ دیتے ان کو گود میں لیتے۔ اور جب ان کا وصال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ اسی دن چاند گہن ہوا لوگوں نے کہا ابراہیم کی موت کے باعث ہوا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کسی کے مرنے سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔

امام حسنؑ۔ امام حسینؑ اور امامہ کو آپ بیحد محبت اور پیار کرتے اُنہیں کندھے پر سوار کر کے لیجاتے۔ گود میں لیتے بوسہ دیتے۔ آپ سجدہ میں ہوتے اور حسینؑ آکر آپ کے دوش مبارک پر بیٹھ جاتے تو آپ سجدہ سے اُسوقت تک سر نہ اٹھاتے جب تک وہ نیچے نہ اُتر جاتے۔ آپ خطبہ دیتے رہتے اور حسینؑ آتے تو آپ انہیں اٹھا لیتے۔ آپ ارشاد فرماتے تھے حسنؑ اور حسینؑ میرے گلدستے ہیں۔ اور یہی ارشاد فرماتے حسینؑ کی محبت گویا میری محبت ہے۔ جس نے انکو تکلیف دیا وہ مجھے تکلیف دیا۔

تو م کے بچوں کو بھی آپ عزیز رکھتے اور محبت و پیار کرتے۔ جب انکو آپ کی خدمت میں لایا جاتا تو آپ بچوں کے سر اور چہرے پر دست مبارک پھیرتے اور دعا فرماتے۔

بشیر بن معاویہ کہتے ہیں مجھے میرے والد آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے آپ نے میرے منہ پر دست شریف پھیرا اور دعا فرمائی۔

محمد بن انس کہتے ہیں آنحضرتؐ جس وقت مدینہ منورہ کو تشریف لائے میں اسوقت دو ہفتہ کا تھا میرے والد مجھے آپ کی خدمت میں حاضر کئے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

بشیر بن عشریہ جہنی کہتے ہیں میرے والد جنگ احد میں شہید ہوئے اور میں روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آیا آپ نے فرمایا روتا کیوں ہے کہا تو خوش نہیں کہ میں تیرا باپ ہوں اور عائشہؓ ماں ہے۔ اور میرے سر پر ہاتھ پھیرے۔

سائب بن یزید کہتے ہیں ایک روز میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا آنحضرتؐ تشریف لیجا رہے تھے مجھے پوچھے تو کون ہے؟ میں عرض کیا سائب ہوں یزید کا فرزند۔ آنحضرتؐ میرے سر پر ہاتھ پھیرے اور فرمائے بارک اللہ۔

آنحضرت صلعم اپنے دوستوں کے بچوں کی طرح اپنے خدمت گاروں کے بچوں پر بھی عنایت مہربان تھے اور اُن سے ہنسی اور خوش طبعی کیا کرتے۔ چنانچہ انسؓ کہتے ہیں میرا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ جو "لال" پالتا تھا وہ لال مرگیا۔ جب آنحضرت صلعم اس کو دیکھتے تو فرماتے یا ابا عمیر ما فعل النغیر یعنے اے عمیر لال کیا کیا۔

محمود بن الربیع پانچ برس کا تھا ہنسی کیلئے اُس کے منہ پر پانی سے کُلّی فرماتے۔

بچوں پر آپ کی شفقت اور مہربانی اسقدر تھی کہ آپ کبھی انکو جھڑکتے نہ مارتے اور نہ غصہ کرتے اگر چھوٹے بچے روتے تو انکی والدہ کو کہلواتے اُن کو سمجھائیں۔

اور اگر آپ نمازیں ہوتے اور بچے روتے تو اس کی ماں کو تشویش نہ ہونے کیلئے تخفیف فرماتے۔

یہ تھی آپ کی شفقت اور محبت اور یہ تھا آپ کا سلوک کیا ہم اپنے ہی بچوں کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں؟ فقط

اہلیہ نصیر الدین ہاشمی

جب صانع آفرینگار کو اپنی صناعی کا ظہور کرنا منظور ہوا تو سب سے پہلے اُس نے نور محمدی (صلعم) کو اپنے نور سے پیدا کیا پھر تو وہ نور مثل ستون پردۂ ظلمت تک بلند ہوا اور اُس وقت سے ہزار برس تک خداوند تعالیٰ کو سجدہ کرتا رہا اور الحمد للہ الحمد للہ کہتا رہا۔ جب اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم کو اسی لئے پیدا کیا ہے اور تمھارا نام محمد رکھا ہے ابتدائے خلقت تم ہی سے کروں گا اور تم ہی پر اختتام نبوت کروں گا اور تا حشر کسی کو درجہ نبوت نہ دوں گا۔

حق تعالیٰ نے جب خلقت کو پیدا کرنا چاہا تو اُس نور محمدی کے پرتو سے عرش و کرسی۔ لوح و قلم۔ جنت و دوزخ آسمان زمین غرضکہ تمامی کائنات کو پیدا کیا۔ اور قلم سے نام پاک محمدی اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھوایا۔ قلم اُس نام نامی کی لذت میں ہزار برس تک خدا کو سجدہ کرتا رہا اور پھر سر اٹھا کر بارگاہ ایزدی میں گزارش کی کہ اے رب وہ کون ہے جو تجھ کو اسقدر پیارا ہے کہ تو نے اُس کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھوایا۔ بارگاہ ایزدی سے ارشاد ہوا کہ اے قلم ادب سے کہہ ادب سے کہہ قسم اپنی عزت و جلال کی نہ پیدا ہوتی کبھی یہ دنیا اور نہ کوئی چیز اگر میں نہ پیدا کرتا اپنے حبیب محمد مصطفےٰ (صلعم) کو اور سارا جہان اسی حبیب کے خاطر پیدا کیا ہے جب قلم نے یہ سنا دہشت سے پھٹ گیا اور باواز بلند یہ کہا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

الغرض جب اُس نور فیض گنجور کا ظہور کرنا منظور ہوا تو جبرئیل کو حکم ہوا کہ زمین پر جا کر ایک مٹھی خاک اُس جگہ سے لائیں جو زمین کا دل۔ بہار۔ اور نور ہو حضرت جبرئیل جو حکم خداوند تعالیٰ جنت کے چند فرشتوں کے ہمراہ زمین پر اُترے اور ایک مٹھی خاک اس جگہ سے لے گئے جہاں آنحضرتؐ کا مزار مقدس ہے۔ وہ مٹھی تسنیم اور جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھی گئی جو ایک پرتو سفید موتی کے مانند چمکنے لگی پھر فرشتے اس گوندھی ہوئی مٹھی کو لیکر عرش و کرسی کے اردگرد اور

آسمان زمین دریا اور پہاڑوں میں لیکر پھرے تاکہ ہر ایک مخلوق نورِ محمدی سے واقف ہو جائے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے پتلے کو تیار کیا۔ اور فرشتوں کو حکم دیا کہ جب میں اس کو ٹھیک کر کے اپنی روح (اپنی بنائی ہوئی روح) اُس میں پھونک دوں اُسوقت تم سب کے سب اس کو سجدہ کرنا جس وقت اللہ تعالیٰ نے روح پھونکدی تمام فرشتے فوراً سجدہ میں گر پڑے لیکن مزازیل جو جنوں میں سے تھا اُس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھکو کونسی چیز مانع تھی کہ تونے اس کو سجدہ نہیں کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں چنانچہ تونے مجھکو آگ سے اور آدمؑ کو خاک سے پیدا کیا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے کہا کہ دور نکل تجھپر پھٹکار ہے روزِ حساب تک اُس وقت ابلیس نے کہا کہ مجھ کو ڈھیل دے انصاف کے دن تک اللہ نے کہا کہ تو انہیں لوگوں میں سے ہے جن کو ڈھیل دی گئی ہے تب ابلیس نے کہا کہ تیری عزت وجلال کی قسم آدمؑ کو اور اولاد آدمؑ کو سیدھی راہ سے بھٹکاؤں گا اور ان کی جڑ کو نیست ونابود کر دونگا خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابلیس جن کو میں سیدھی راہ چلانا چاہوں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا اور قیامت کے دن تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے دوزخ کو بھر دونگا۔

قصہ کوتاہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے اُنکی سچی غمگسار تنہائی کی ہمدرد رنج وراحت کی شریک زندگی کی ساتھی حضرت حواؑ کو پیدا کیا اور دونوں کا نکاح حضرت جبرئیل سے فرشتوں کی گواہی پر پڑھوایا۔ اور دونوں کو خلعتِ جنتی سرفراز کر کے اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں جنت میں رہیں اور جو چاہیں کھائیں۔ لیکن ایک درخت کے پھل کھانے کی ممانعت کی۔ لیکن ابلیس جو آدمؑ اور بنی آدمؑ کا دشمن ہے۔ یہ نہ دیکھ سکا کہ آدمؑ جنت میں عیش وآرام سے رہیں اور وہ وزانہ فرشتوں کے تماشے کھایا کرے اُس نے جنت میں جاکر اُن دونوں کو حیلہ سے اُس درخت کا پھل کھلا دیا۔ اس وقت اُن کے ستر اور پوشیدہ اعضا عیاں ہو گئے اور وہ درختوں کے پتوں سے ستر پوشی کرنے لگے اُس وقت اللہ نے ان کو پکار کر کہا کہ کیا ہم نے تم کو اُس درخت کے پھل کھانے اور اُس کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا۔ اے آدمؑ ہم نے نہ کہا تھا کہ ابلیس تمہارا قطعی دشمن ہے حضرت آدمؑ نے اُس وقت جناب باری میں کہا کہ اے رب غفور الرحیم ہے اگر تو ہمارے حال پر رحم نہ کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے لیکن دونوں پر عتاب الٰہی نازل ہوا اور ان سے لباس جنتی لے لیا گیا۔ دونوں جنت سے نکال کر زمین پر اُتار دئے گئے۔ یہاں پر ایک عرصہ دراز تک دونوں میں مفارقت رہی

اور ان کو ہزارہا مصائب تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے بارگاہ صمدیت میں ہزارہا توبہ و استغفار کی لیکن وہ مقبول نہ ہوئی۔ آخر کار ادھر آدمؑ رسول مقبول (صلعم) کے وسیلے سے اپنی عفو خطا کے خواستگار ہوئے ادھر غیرت حق بھی جوش میں آئی اور دم کے دم میں سب خطائیں معاف ہوگئیں۔ پھر آدمؑ و حوا کی بھی ملاقات ہوگئی۔ خداوند تعالیٰ نے آدمؑ سے پوچھا کہ اے آدمؑ تو نے یہ نام کیونکر پہچانا۔ آپ نے جواب دیا کہ جب میں نے پیدا ہو تے ہی آنکھ کھولی اس وقت یہ نام پاک تیرے عرش پر لکھا دیکھا اُس کا مجھ کو خیال آیا اور مجھ کو یقین ہوا کہ وہ شخص جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھوایا ہے وہ ضرور تیرا پیارا ہوگا اور تجھ کو سب سے زیادہ محبت بھی اُسی کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تو نے سچ کہا صرف اپنی ہی خطاؤں کی بخشش نہیں بلکہ اگر اپنی ساری اولاد کی خطاؤں کی بخشش بھی میرے حبیبؐ کے وسیلے سے چاہے تو بخش دوں۔

قصہ مختصر یہ کہ زمین پر آنے کے بعد آدمؑ کی اولاد خوب پھیلی۔ ہر ایک حمل میں ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ ایک حمل کی لڑکی دوسرے حمل کے لڑکے سے بیاہی جاتی تھی لیکن حضرت شیثؑ صرف تنہا پیدا ہوئے اور وہ نور جو آدمؑ کی پیشانی پر مثل بدر کامل روشن تھا انہیں پیغمبرؑ کے سپرد ہوا تھا۔ حضرت شیث علیہ السلام صرف اس لئے تنہا پیدا ہوئے کہ وہ نور جو آدمؑ سے منتقل ہو کر حواؑ کے سپرد ہوا تھا اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو بلکہ کامل شیثؑ کو ملجائے۔ الغرض وہ نور منور نبوت درجہ بدرجہ ارحام طیبہ و طاہرہ میں اصلاب طیبہ و طاہرہ سے منتقل ہوتا ہوا آدم سے شیثؑ، شیثؑ سے نوحؑ۔ نوحؑ سے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ۔ اور اسمٰعیلؑ سے حضرت عبدالمطلبؑ تک پہونچا۔

حضرت نوح علیہ السلام ایک ذی مرتبہ پیغمبر تھے جب ان کی اُمت نے نئے نئے گناہوں میں مبتلا ہونا شروع کیا اور آپ کے سمجھانے سے باز نہ آئی تو اس وقت آپ نے اللہ سے دُعا کی کہ الٰہی میری قوم کو ہدایت دے۔ لیکن جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ وہ اب راہ راست پر نہ آئیں گے۔ تب انہوں نے اُن کے حق میں بددعا کی جو قبول ہوگئی اور ان کو حکم ہوا کہ وہ ایک کشتی تیار کریں کہ جس میں اللہ کے نیک بندے اور ایک جوڑا ہر قسم کے جانوروں کا پناہ گزین ہو سکیں۔ جب کشتی تیار ہوگئی اور اللہ کے نیک بندے پناہ گزین ہوگئے۔ آسمان سے بارش اس قدر ہوئی کہ تمام چشمے ابل پڑے طوفان برپا ہوگیا جس میں سب کفار غرق ہوگئے نوح علیہ السلام آدم ثانی بھی کہلاتے ہیں کیونکہ تمام اولاد آدمؑ بجز چند ایماندار کے طوفان نوح میں تباہ ہو چکی تھی پھر حضرت نوحؑ کی اولاد پہلی ان کے تین فرزند تھے۔ سام۔ حام

اور یافث۔ لیکن سب میں حضرت سام ہی کا مرتبہ بڑا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امانتِ نورِ محمدی جو آدمؑ سے منتقل ہوتی ہوئی نوحؑ کو ملی تھی وہ حضرت سام ہی کو عطا کی گئی تھی۔ قصہ کوتاہ وہ نورِ مبارک حضرت سام سے درجہ بدرجہ منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیمؑ کے پسر وہوا جنہوں نے اس نور کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے سپرد کیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اسماعیل علیہ السلام کے ہمراہی میں خدا کے حکم سے کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ حضرت اسمٰعیلؑ پتھر دیتے جاتے تھے اور ابراہیمؑ بناتے جاتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ اور جب عمارت تیار ہوگئی تب دونوں نے یہ دعا کی

"اے پروردگار ہمارے اس گھر کو تو ہم سے قبول کر اور ہم کو
فرمانبردار بندا بنا اور ہماری اولاد میں ایک فرمانبردار امت بنائیو
اور اپنا ایک رسول ان میں بھیجو تاکہ وہ تیری آیتوں کو پڑھکر سنائے
اور تیرے احکام کو لوگوں کو بتائے۔ اے پروردگار تو ہماری دعا
قبول کر بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے اور تو بڑا مہربان
اور حکمت والا ہے۔"

بعد ازاں وہ نور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نوبت بنوبت منتقل ہوتا ہوا حضرت عبدالمطلب تک آیا حضرت عبدالمطلب ہمارے رسول مقبول سرورِ کائنات صلعم کے جد امجد ہیں اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہ پیغمبر علیہ السلام کے والد ماجد ہیں روایت کرتے ہیں کہ جس رات حضرت عبداللہ پیدا ہوئے ان کی پیدائش سب اہل کتاب کو معلوم ہوگئی۔ کیونکہ ان کو آسمانی کتابوں سے معلوم ہوگیا تھا کہ کسی کا خون آلودہ ملبوس جو اُن کے پاس تھا قریب ولادت پیغمبر آخر الزماں وہ بخون تازہ سرخ ہوگا اور چند خون کی بوندیں اس میں سے ٹپکیں گی۔ چنانچہ جس شب ولادت حضرت عبداللہ وقوع پزیر ہوئی اس شب کو وہ جامہ بخون تازہ سرخ ہوگیا اور کئی ایک بوندیں خون کی اس سے ٹپکیں۔ قوم یہود کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ حضرت عبداللہ کے درپے قتل ہوئے اور اُن کے والد ان کی نہایت حفاظت کرتے تھے۔

روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نہایت حسین تھے اور نورِ محمدی اُن کی پیشانی سے ایسا چمکتا تھا گویا آفتاب بوقت طلوع۔ سکے کی نوجوان عورتیں آپ پر عاشق و فریفتہ تھیں اور یہ چاہتی تھیں کہ حضرت عبداللہ کو کسی طرح اپنے دام میں پھانسکر وہ نورِ مبارک حاصل کریں چنانچہ اس مضمون کی

کسی شاعر نے خوب داد دی ہے ؎

عجب تیرا حسن جمال مصطفائی ہے — کہ جس کے وصل کی تدبیر ساری خدائی ہے
سنا ہے حسن یوسف پہ فقط عاشق زلیخا تھی — تمہارے روئے روشن پر خدا کا خدائی ہے

جب یہ خبر حضرت عبدالمطلب کو ہوئی تو انہوں نے اس خیال سے کہ مبادا حضرت عبداللہ کسی کے فریب میں آجائیں ان کو تلاش کے لئے صحرا میں حضرت وہب زہری کے ہمراہ روانہ کیا۔ صحرا میں ایک عجیب ہی واقعہ پیش آیا کہ نوّے سوار یہودیوں کے مسلح زہر کی بجھی ہوئی تلواریں لیکر چلے آرہے ہیں حضرت وہب نے بڑھ کر پوچھا کہ کس واسطے آرہے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے سواروں نے بے تکلف کہدیا کہ عبداللہ کو قتل کرنے جارہے ہیں وہب نے پوچھا کہ ان کا کیا گناہ ہے انہوں نے جواب دیا کہ ان کا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن ان کی پیٹھ سے ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو ہمارے دین کو منسوخ کروے گا اور اس کا دین تمام دینوں کو مٹا دیگا۔ حضرت وہب نے کہا کہ تم لوگ بے وقوف ہو جو اُن کے قتل کا ارادہ ہے کیونکہ اگر خدا کو ان کا پیدا کرنا منظور ہے تو وہ ضرور ہونگے اور تم ان کو کیونکر قتل کروگے جو خدا کو ان کا پیدا کرنا منظور نہیں تو اُن کے بے فائدہ قتل سے تم کو کیا ملے گا۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ستر سوار آسمان سے اترے اور ان کو قتل کر دیا حضرت وہب خوش ہو کر حضرت عبداللہ کے پاس آئے اور گھر آکر سارا ماجرا حضرت عبدالمطلب کو کہہ سنا دیا اور پھر اپنی بیوی سے اس قصہ کو بیان کیا اور کہا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح عبداللہ سے کرنا چاہتا ہوں۔ اور اپنے دوستوں کے ذریعہ سے یہ خبر حضرت عبدالمطلب تک پہنچائی حضرت عبدالمطلب بھی راضی ہو گئے اور دن تاریخ مقرر ہو کر حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہؓ بنت وہب سے ہو گیا۔ انہیں ایام میں وہ نور مبارک جو اصلاب طیبہ وطاہرہ اور ارحام طاہرہ وطیبہ سے منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کی پیشانی پر درخشاں تھا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے تفویض ہوا۔

حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں کہ آغاز حمل سے چھ ماہ تک کوئی آثار حمل مجھ پر عیاں نہ ہوئے۔ ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ اے آمنہ تو حاملہ ہوئی تیرے شکم میں سید رسل احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اُس دن سے مجھے یقین ہوا کہ میں حاملہ ہوں۔ اور ایک روایت ہے کہ حضرت آمنہؓ ارشاد کرتی ہیں کہ پہلی تاریخ ربیع الاول کی جب ہوئی تو حضرت آدمؑ نے مجھکو خواب میں آکر خوشخبری دی کہ اے بیٹی آمنہؓ تو حاملہ ہے اور سید البشر تیرے شکم میں جلوہ گر ہے اور دوسرے دن شب کو حضرت شیثؑ آئے اور مبارکباد دی تیسری شب حضرت ادریسؑ اور چوتھی شب

حضرت نوحؑ اور پانچویں میں حضرت ابراہیمؑ چھٹی ساتویں حضرت اسمٰعیلؑ اور آٹھویں میں حضرت ہارونؑ نویں شب حضرت داؤدؑ اور دسویں گیارہویں میں حضرت سلیمانؑ اور بارہویں میں حضرت عیسےٰؑ غرضکہ ہر شب ہر ایک نبی ہر رسل اگر مبارکباد دیتے جاتے اور کہتے کہ اے آمنہؓ ختم المرسلین حبیب رب العلمین پیدا ہونے کو ہیں۔

الغرض اسی طرح کامل نو ماہ مدت حمل کو گزرے اور حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں کہ قریب وقتِ ولادت باسعادت ایک خوفناک آواز آئی جس سے میرا دل ہل گیا اتنے میں ایک سفید مرغ ظاہر ہوا اور اپنا بازو میرے سینے پر ملنے لگا جس سے وہ خوف و خطر دور ہو گیا اور پھر وہ مرغ ایک خوبصورت جوان بن گیا اور ایک پیالہ شربت کا مجھ کو بہ ہزار اصرار پلایا میں نے خوب سیر ہو کر پیا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھا اور پھر وہی جوان کہنے لگا۔

فَظَهَرَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَالْبَدْرِ الْمُنِيْرِ

پس بارہویں تاریخ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن بعد (۵۰ ۶۷) برس آدم علیہ السلام کے بہ ہزار جاہ و جلال حضور پُر نور سرورِ عالم۔ فخرِ بنی آدم رسُول اکرم شفیع الامم سید دوسرا المحبوب کبریا ربیع الاصفیا تاج الانبیا، شمس الضحےٰ بدر الدجےٰ احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ظہور اجلال فرما کر اپنے جمال جہاں آرا سے فرش خاک کو منور فرمایا ؎

تو آفتاب برجِ عفت سے نکلتا ہے — اک ماہتاب حق کے طرف سے نکلتا ہے
تقدیم نورِ خلق خلف سے نکلتا ہے — ہاں فخرِ انبیائے سلف سے نکلتا ہے

اے چار سمت ارض و سما کو خبر کرو
نازل ہوا یہ نورِ مجسم نظر کرو

خواجہ محمد شعیب

(دار العلوم)

نعلین مبارکش بہ تارک بادا — جاں ناظرِ حسنِ فتبارک بادا
سودائے سرِ زلف کسے میدارم — ما را شبِ معراج مبارک بادا

المجدد حیدرآبادی

جل وعلیٰ نے آیندہ اصلاح بنی نوع انسان کی ضرورت باقی نہیں رکھی" اور یہی وہ الفاظ ہیں ہم جن کو حمد تصور کرتے ہیں اور سب سے پہلے لکھتے ہیں اور انہیں الفاظ سے تشکر و امتنان کا مفہوم ادا کرنے کا کام لیتے ہیں اس جملہ کے کہنے کے بعد ہم کو نعت کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ نعت بھی اس سے مترشح ہے وہ کامل ترین انسان جس سے ختم اصلاح کا کام لیا گیا اُسی تقدس ذات کے اعتراف خدمات کا بھی اس میں پہلو نکل آیا۔

"ضرورت باقی نہیں رکھی" اس کا یہ مطلب ہے کہ اصلاح کی ضرورت پوری کر دی اور بنی نوع انسان کو ایک انسان کامل بنے کے لئے جس کا وہ مستحق ہے وہ ہر قسم کی تعلیم دے دی جس کی اُس کو ضرورت ہے۔

قوت فہم یا جس کو ہم ادراک کہتے ہیں وہ ہر بنی آدم کے حصہ میں آئی ہے جس کی اصلی نہایت حفظ نفس ہے۔ حفظ نفس پر انسان بلحاظ فطرت مجبول ہے ہر انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے دوسرے کے حقوق کا خیال رکھے۔ امن و امان سے بسر کرے اور اصلح دنیا میں رہے جس طرح کہ ایک انسان کو رہنا چاہئے۔ انسان کو عقل دی گئی ہے۔ کہ اصلح زندگی گزارنے میں وہ اپنی عقل سے کام لے اور دوسروں کے مقابلہ میں انصاف برتے ظلم و تعدی سے باز رہے۔ اور جس نے اُس کو پیدا کیا ہے اپنی عقل کی رہنمائی میں اُس ذات کو تسلیم کرے۔ اُس کو پہچانے اُس کے احسانات کا معترف ہو۔ فہم کی روشنی میں اس کے جمیع صفات کاملہ کو دیکھے اور اُس کے سامنے سر نیاز جھکا دے۔ یہی عقل کا مقتضا تھا اگر اس پاک روشنی کو ظنون اپنی تاریکی سے آلودہ و داغدار نہ کر دیں تو یہی عقل انسانی آپ ہی آپ استدلال و براہین غور و تفکر کے مدارج طے کرتے ہوئے مدارج کمال پر پہنچ کر اُس نور ازلی و ابدی کو مستحق بجمیع صفات کاملہ دیکھنے کے لئے اپنی چشم بصیرت

عقل اور صرف عقل کی رہنمائی سے انسان اُس وجود باری کو پہچان سکتا ہے جس نے اُس کو بہترین خلق بنایا۔ ایسے مبارک افراد اُس نورِ ازلی سے راست تعلیم پاتے ہیں اور انسان کامل بنکر دیگر افراد کو انسان کامل بنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایسے افراد یا تو انبیاء کہلاتے ہیں یا حکما اور اسی لئے کہا گیا کہ حکمت بھی نبوت کی قسموں میں سے ہے۔ ان مقدس ذاتوں کو کسی معلم کی ضرورت نہیں ہوتی انکی عقل اُن کا پیر تعلیم ہے اور وہ اسی دبستان عقل کے تعلم ہیں۔

اُس بزرگ انسان نے جس نے عرفان رب کا طریقہ بتلایا۔ جس نے تہمان نوازی کی بنیاد ڈالی۔ جو خدا کے دوست کے معزز لقب سے سرفراز ہوا اور جس نے اپنی کمزوری کا اظہار کر رب کو یاد کرتے ہوئے۔ اور اس کو پہچانتے ہوئے اس طرح مدد طلب کی کہ وان لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین ۵ اسی روشنی عقل سے خدا کے نور کو تلاش کیا۔ اس امر کے زیادہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہر انسان پر اعتراف عبودیت اور عرفان رب فرض ہے۔ اسی غرض سے انسان کو عقل دی گئی۔ لیکن عقول میں چونکہ تفاوت ہوتا ہے ہر ایک کی عقل میں اتنی قابلیت نہیں ہوتی کہ اُس سے کام لے کر رب کو پہچان سکے اور بغیر کسی ہادی و رہنما کے خدا کو جان سکے۔ اس لئے باری تعالیٰ نے محض اپنے مزید فضل سے اس کام میں بنی آدم کی مدد کے لئے وہ مقدس ہستیاں بھیجیں جنہوں نے اپنی کمال عقل سے اُس واجب الوجود کو پہچان لیا جس کا پہچاننا از روئے عقل ان پر فرض تھا۔ یہیں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بنی آدم کو جب تک وہ تمام باتیں نہ بتلادی جائیں جن پر کاربند ہونے سے وہ انسان کامل بن سکتے ہیں وقتاً فوقتاً ایسی مقدس ذاتوں کی ضرورت ہے جو عرفان رب اور تکمیل اخلاق میں اُن کی مدد کریں اور جن کو بلحاظ اصطلاح ہم نبی یا حکیم کے نام سے تعبیر کرتے ہیں ایسے مبارک اور نیک افراد دنیا کے ہر حصہ اور ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے۔ اور بلحاظ حالات و مواقع حسب ضرورت تعلیم دیتے رہے۔ قانون اخلاق اور قانون تمدن بناتے رہے۔ اور اُس کے حقیقی طور پر نافذ کرانے کیلئے حتی الامکان کوشش میں مصروف رہے۔ لیکن آخر کار ختم عالم کے قریب جب کہ دنیا بہت تجربہ کار اور تعلیم یافتہ ہو چکی تھی ایک ایسے معلم کی ضرورت ہوئی جو اُن کی تکمیل کرادے اور وہ باریک باریک باتیں اور چھوٹے چھوٹے فرائض بھی سمجھا دے جنکی طرف اب تک بلحاظ وقت توجہ نہیں کیگئی تھی۔ اس مقدس و مبارک معلم نے بنی آدم کے اخلاق کی اصلاح کی اور از سر نو اُن کو درست کیا۔ قواعد بنائے۔ اُصول قایم کئے۔ قوانین نافذ کئے جنکو

اصطلاح نے شریعت کا نام دیا۔ اس شریعت کا کام یہ تھا کہ انسان کے اخلاق ذمائم کی تاریکیوں سے اسقدر روشن ہو جائیں کہ پھر محاسن کی مزید روشنی کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اور اسقدر خالص ہو جائیں کہ تکدر معائب کا شائبہ تک نہ ہو اور اس حد کمال پر پہنچ جائیں کہ پھر کمال کا کوئی زینہ آگے نہ ملے۔ اُسی مقدس ذات نے اس غرض کی تکمیل کے لئے اپنے وجود کی ضرورت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

بُعثت لاتمم مکارم الاخلاق } میں صرف اسلئے ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو حد کمال پر پہنچا دوں۔

اس دعوے میں ہم کو کئی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

(۱) اخلاق میں سے صرف مستحسنہ اخلاق کی ضرورت ہے۔

(۲) اخلاقی خوبیاں ایک بڑی حد تک دنیا میں موجود ہیں۔

(۳) اخلاقی خوبیاں وقتاً فوقتاً پیدا کیجاتی رہی ہیں۔

(۴) اخلاقی خوبیاں اپنے درجۂ کمال پر پہنچ سکتی ہیں۔

(۵) اخلاقی خوبیاں اپنے درجۂ کمال پر ابھی نہیں پہنچیں۔

(۶) میرا مقصد ہے کہ اخلاقی خوبیاں درجۂ کمال پر پہنچا دوں۔

(۷) اخلاقی خوبیوں کو اب ختم ہو جانا چاہیئے۔

(۸) اس کام میں میری ذاتی غرض شامل نہیں ہے۔

(۹) ذات باری نے مجھے اس کام پر متعین فرمایا ہے۔

(۱۰) یقین رکھو کہ اخلاقی خوبیاں اب درجۂ کمال پر پہنچ جائینگی۔

جب ہم ان تمام باتوں پر غور کرتے ہیں کہ کہاں تک درست ہیں اور کہاں تک پوری ہوئیں تو ہمارے لئے یہ اعتراف ناگزیر ہو جاتا ہے کہ ہاں بیشک ایسا ہی ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ ایسا ہی ہوگا۔ جس کا ہم نہایت اختصار کے ساتھ جواب دیں تو یہ ہوگا۔

(۱) فی الحقیقت قابل قبول وہی اخلاق ہیں جو مستحسن ہیں اور بنی آدم میں ایسے ہی اخلاق پیدا کرنے کی ضرورت تھی جس کے لئے انبیاء اور صلحا نے بیڑا اٹھایا۔

(۲) تجربہ ثابت کرتا ہے کہ اخلاقی خوبیاں مفقود نہیں گو درجۂ کمال پر نہوں۔

(۳) مدبرین و بزرگان دین اس غرض سے پیدا ہوتے رہے اور موجودہ انہیں مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔

(۴) مکارم اخلاق کو تمام کر دینے والی ذات تک اگر دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ

ان اخلاق کو درجۂ کمال تک پہنچانے کی گنجایش ہے جس کا ثبوت مفصل طور پر آپکو آگے ملیگا۔

(۵) جب ہم تعلیم جمیع انبیاء پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسی جامع تعلیم کا ہم کو کہیں پتہ نہیں ملتا۔ جو نبی آخر الزماںؐ نے دی ہے کہ اگر یہ کہہ سکتے کہ اخلاقی خوبیاں اپنے درجۂ کمال پر پہنچیں۔

(۶) جب آپ نے اس مقصد کو پورا کیا تو اس کی صحت پر کافی دلیل ہے۔ اس کام میں اپنی زندگی کو ختم کر دینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع آپ کا وجود اسی مقصد سے تھا۔

(۷) اخلاق ناتمام کب تک رہیں گے سراج کمال پر آخر کبھی پہنچنا چاہیئے۔ ورنہ انسان کی عظمت شان ایک بڑا اعتراض لازم آئے گا جو اُس کے شرف کو کھو دے گا۔ اِس لئے اخلاقی خوبیوں کو کامل ہو جانا چاہیئے۔

(۸) اگر ذاتی غرض شامل ہوتی تو اخلاق کبھی کامل نہیں ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اخلاق کامل ہو چکے جس کی ایسے زمانہ میں ضرورت تھی۔

(۹) کام کی کامیابی اور صداقت کی اس بات پر دلالت ہے کہ کسی پاکیزہ ذات کا ہاتھ اس میں کام کر رہا تھا۔

(۱۰) آج جب ہم دیکھتے ہیں تو ہم کو یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حقیقت میں تکمیل اخلاق کا اب کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔ چھوٹے سے چھوٹا اور معمولی سے معمولی خلق بھی بتلا دیا گیا اور ہر ایک امر کی خوبی اور برائی ذہن نشین کرا دی گئی جس کو ہم آیندہ بیان کرینگے۔

ذات باری کے پیش نظر بعثت انبیاء سے صرف اخلاق کو مکمل کرنے کی غرض تھی۔ اہل عالم کے اخلاق قصہ عقل کی وجہ سے بگڑتے جاتے تھے جب حفظ نفس میں جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے افراط وتفریط سے کام لیا جانے لگا اور حد اعتدال سے تجاوز ہونے لگا تو اس کا ایک ٹھیک معیار قائم کرنے کیلئے نبی کی ضرورت ہونے لگی جو لحاظ وقت وموقع ومحل اُن کے حفظ نفس کے بڑھے راستے پر لے چلے۔ حفظ نفس غصہ۔ خواہش۔ ادراک کی یہی تین فطری قوتیں جو افعال انسانی کا ماخذ ہیں حفظ نفس کی فروع کہلاتی ہیں۔ انہیں قوتوں کو دوسرے الفاظ میں دفع مضرت۔ جلب منفعت اور تعقل کا نام دیتے ہیں۔ انسان کسی امر کی خواہش یا طلب منفعت کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے غرض صرف حفظ نفس ہوتی ہے۔ اسی طرح جب وہ غصہ کا اظہار یا دافع مضرت کا قصد رکھتا ہے تو اس کی غایت بھی یہی ہے کہ بقاء نفس کا کام نکلے۔ اسی طرح انسان کچھ سوچتا اور سمجھتا بھی ہے تو حفظ نفس ہی کیلئے غرض انسان کا ہر فعل حفظ نفس پر ختم ہوتا ہے لیکن انسان اگر ایک ہی فرد ہوتا تو حفظ نفس کیونکر کرسکتا جب کسی کے ساتھ کشمکش ہی نہ پائی جاتی ہو تو کس کے مقابلہ میں طلب منفعت۔ اور کس کے مقابلہ میں

دفع مضرت اور کس غرض سے ادراک۔ چنانچہ وہ مجبور ہے کہ اپنے اشباہ میں رہے۔ شہر بنائے گاؤں بسائے۔ ابنائے جنس میں رہے۔ اُن سے تبادلہ ضروریات کرے۔ تعلق رکھے۔

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔

ایسی صورت میں ابنائے جنس کا ہر فرد حافظ نفس ہوگا جب کہ کوئی ایک چیز سب کو درکار ہے ظاہر ہے کہ یہاں کشمکش ہوگی کشمکش ہونے پر حفظ نفس ہوا۔ حفظ نفس چونکہ مطلق العنان تھا اس لئے صحیح اصول پر کاربند ہونے کے بجائے افراط و تفریط سے کام لینے لگے اور اعتدال سے باہر ہو گئے۔ اب حفظ نفس کا معیار قائم کرنے کے لئے اور اس کو ایک حد مناسب تک روکنے کے لئے ایک قانون کی ضرورت داعی ہوئی تاکہ کسی کے بھی حفظ نفس میں خلل واقع نہ ہو اور لڑائی جھگڑے نہوں۔ اُس قانون نے بتلایا کہ حفظ نفس کی قوتیں نہ اتنی دبائی جائیں کہ حفظ نفس کے لئے ناکافی ہوں اور نہ اتنی ابھاری جائیں کہ دوسروں کے حفظ نفس میں خلل پڑے اس قانون کا بنانے والا نبی کہلایا اور ایسے قانون کا نام شریعت رکھا گیا۔ نبی یا مصلح کی ضرورت اس تقریر سے ہم نے بتلادی اور یہ ثابت کر دیا کہ نبی کا کام اخلاق کو درست کرنا۔ تہذیب و شائستگی پھیلانا ہوتا ہے۔ اور اسی ضرورت سے نبی پیدا ہوتے ہیں۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے یعنی ایجاد عالم وجود میں اُسی وقت آئے گی جبکہ ضرورت اُسے بلائے۔ اور جب ضرورت اٹھ جاتی ہے تو پھر ایجاد کا بھی وجود نہیں ہوتا۔ اسلئے یہ ہونا چاہئے کہ جب تک اخلاق کو مکمل کرتے رہنے کی ضرورت باقی ہے انبیاء پیدا ہوتے رہیں اور جب یہ امر مسلم ہو جائے واقعات اس کی شہادت پیش کردیں کہ اب اخلاق قیامت تک کے لئے مکمل ہو چکے ہیں اور آئندہ تکمیل اخلاق کی ضرورت نہیں تو پھر کسی نبی کی بھی ضرورت نہیں اُس کے ہدایات روشن چراغ ہیں جن کو آندھی کا ڈر نہیں۔ اُس کے قائم کئے ہوئے اصول مستحکم ہیں جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ اُس کی کھڑی کی ہوئی بنیادوں کو ڈھے جانے کا اندیشہ نہیں۔

ہم نے یہ بتلایا ہے کہ ختم نبوت تکمیل اخلاق پر منحصر ہے تکمیل اخلاق کے لئے حفظ نفس کا ایک صحیح معیار قائم کر کے اُس کو افراط و تفریط سے بچانے کی ضرورت ہے۔ افراط و تفریط ہو جاتی ہے۔ دفع مضرت اور جلب منفعت۔ اور ادراک میں بے راہ روی سے۔ اس لئے اس بات کی احتیاج ہوئی کہ ہر صنف میں جس قدر اجزاء ہیں ان کی اصلاح ہو اور تمام اعضائے نفس

وشہوۃ کو پوری طور پر تفصیل وار قوت پہنچائی جائے۔ اس کام کو انجام دینے والے کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ ادراک کو مکمل کرے۔ پھر وقع مضرت اور جلب منفعت کی دو صورتیں رہ جاتی ہیں۔ یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ کس حد تک اسکے متعلق تکمیل تعلیم کیگئی۔

اس کے متعلق غور کرنے سے ہم کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض صفات میں قوت غضب کو کام میں لانا محمود ہے اور بعض میں مذموم۔ پہلے ہم ان صفات کو بیان کرینگے جن میں غضب اصلی سبب بنتا ہے اور اُس کا فعل میں آنا محمود ہے یہاں یہ پیش نظر ہونا چاہئے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم اخلاق کے کیسے اچھے اصول قائم کئے ہیں۔ اور کس طرح ترتیب وار ہر ایک خلق کو لیا ہے۔ تاکہ اخلاقی کوئی پہلو بھی چھوٹ نہ جائے۔ تعلیمات نبوی حسب ذیل ہیں اور اسی کو ظاہر کرنے کے لئے ہم نے یہ تمام بنیاد اٹھائی ہے۔ یہ تعلیمات اگرچہ بکرات ومرات تفصیل و توضیح ہیں لیکن اس مدعا کے ثابت کرنے کیلئے ہم کو صرف ایک ایک مثال دینی بھی کافی ہے۔

فضائل قوت غضبیہ

شجاعت کی علی تعلیم مصلح اُمت نے ایسی دی کہ کہنا پڑا

(۱) شجاعت — کُنّا واللہ اذا احمرّ البأس نتقی بدون الشجاع منّا اللذی یحاذی بہ

(۲) استقلال — یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃً فاثبتوا۔ واستقر کما اُمرت۔

(۳) علوہمت — فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لہم۔

(۴) آہستگی — الاناۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان۔ التؤدۃ والاقتصاد جزءٌ من اربع وعشرین جزءً من النبوۃ۔

(۵) کظم غیظ — ما تجرّع عبدٌ افضل عند اللہ من جرعۃ غیظ یکظمھا ابتغاء وجہ اللہ۔

(۶) صبر — واصبر وما صبرک الا باللہ

(۷) حلم — ان فیک لخصلتین یحبھما اللہ ورسولہ الحلم والاناۃ۔

(۸) صدق — علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنۃ

(۹) عفو — ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم فمن عفا

واصلح فاجره علی اللہ۔

(۱۰) رفق ان اللہ رفیق یحب الرفق من یحرم الرفق یحرم الخیر۔

(۱۱) تواضع واخفض جناحک للمومنین

(۱۲) انکسار لا ینبغی لعبد ان یقول انی خیر من یونس من متی

(۱۳) حفظ لا یکب الناس علی وجوھھم او علی مناخرھم لسان الا حصائد السنتھم۔

(۱۴) کم گوئی علیک بطول الصمت فانہ مطردۃ للشیطان مقام الرجل بالصمت افضل من عبادۃ ستین سنۃ۔

قوت غضبیہ کے فضائل سے متعلق مذکورہ بالا تعلیم دے دی گئی ہے۔ اب قوت غضب کے وہ صفات جو نامحمود ہیں ان کے نسبت ارشاد ہوتا ہے غور کیجئے کہ کس قدر بسیط تعلیم ہے اور کیسی چھوٹی چھوٹی اور ادنیٰ سے ادنیٰ خلق کے نسبت بھی ہدایات فرمائے ہیں۔

رذائل قوت غضبیہ

(۱) بغض لا تباغضوا وکونوا عباد اللہ اخوانا

(۲) تعصب لیس منا من مات علی عصبیۃ

(۳) کینہ یغفر لکل عبد لا یشرک باللہ الا رجل کانت بینہ وبین اخیہ شحنا

(۴) درشت مزاجی لا یدخل الجنۃ الجواظ۔

(۵) بدگوئی لا تنابزوا بالالقاب۔

(۶) تمسخر یا ایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم۔

(۷) سب وشتم سباب المسلم فسوق۔

(۸) قتل لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔

(۹) ترک ملاقات لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلثۃ ایام یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیرھما الذی یبدا بالسلام۔

(۱۰) ظلم اذا لا یحب الظالمین ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیھم من سبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض

بغیر الحق اولئك ولهم عذاب الیم۔

(۱۱) چغل خوری لا یدخل الجنة قتات

(۱۲) غیبت لا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه۔

(۱۳) نفاق وورد فی ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔

(۱۴) بزدلی لا تهنوا فی ابتغاء القوم ان تکونوا تالمون فانهم یالمون کما تالمون۔

نفس کی دوسری نوع شہوت یا خواہش ہے جس میں خط مستقیم پر چلنا فضائل کو پیدا کرتا ہے اور افراط و تفریط کی طرف مائل ہو جانے سے رذائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ فضائل کے متعلق نبی کریم کی تعلیم حسب ذیل ہے۔

فضائل قوت شہویہ

(۱) حیا۔ ۱ الحیاء من الایمان ۲ الحیاء خیر کله

(۲) توکل فاعبده وتوکل علیه

(۳) صبر ۱ واستعینوا بالصبر والصلوٰة ۲ ان الله مع الصابرین۔

(۴) قناعت لیس الغنی عن کثرة العرض ولکن الغنی غنی النفس۔

(۵) جود و سخا ما سئل رسول الله صلی الله وسلم شیئا قط فقال لا۔

(۶) ایثار ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة۔

(۷) رحم ثم کان من الذین امنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة اولئك اصحاب المیمنة۔

(۸) محبت۔ این المتحابون بجلالی الیوم اظلهم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی۔

(۹) امانت۔ ان الله یامرکم ان تودوا الامانات الی اهلها۔

(۱۰) ایفاء عہد لا تعده موعدة فتخلفه۔

رذائل قوت شہویہ

(۱) کبر و غرور ولا تمش فی الارض مرحا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا

(۲) فخر۔ ان اللہ تعالیٰ اوحی الی ان تواضعوا حتی لا
(۳) خودنمائی یفتخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد
وشہرت لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء اللہ
(۴) حرص ہمہ ابن آدم ویشب منہ اثنان۔ الحرص علی المال
والحرص علی العمر۔
(۵) حب دنیا الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔
(۶) حسد لا تحاسدوا ولا تباغضوا۔ ایاکم والحسد فان الحسد
یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔
(۷) بخل سیطوقون ما بخلوا یوم القیامۃ۔
(۸) اسراف لا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔ ان المبذرین
کانوا اخوان الشیاطین
(۹) خیانت من یغلل یات بما غل یوم القیامۃ۔
(۱۰) بہتان من یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل
بہتانا عظیما۔

یہ تمام رذیلتیں جو اخلاق کے ایک شعبہ حفظ نفس کے ضمن میں آئیں جس میں ہر نوع خلق کی نسبت ہدایت کر دی گئی ہے۔ غرض یہ کہ کوئی بھی ایسا خلق رہ نہیں گیا جس کی نسبت تعلیم کا ایک باب نہ کھولا گیا ہو۔ یہاں ہم نے ہر ایک صفت کی نسبت صرف ایک ہی نص یا حدیث کو لیا ہے۔ حالانکہ ہر ایک کی بکثرت توضیح کرنے اور اچھی طرح خوبی یا برائی ذہن نشین کرنے کیلئے اس سے متعلق بیسیوں حدیثیں ہی کریم نے سنائی ہیں۔ جس کا احصاء اس چھوٹے سے مضمون میں ناممکن ہے۔ کوئی قرآن و حدیث کو اٹھا کر دیکھے تو معلوم ہو کہ صرف انہی دو کتابوں نے اخلاق و آداب، و حقوق و فرائض، و تمدن، و معاشرت، حکمت، فلسفہ، فراست، وجودت، ایمان، و انقیاد، تذکر، و تفکر، غرض وہ تمام تعلیم دے دی ہے جس کو بڑی بڑی یونیورسٹیاں اس مکمل طریقہ سے نہیں دے سکتیں۔ اور نہ اسقدر علمی ذخیرہ رکھتی ہیں۔ اصلاح اور اخلاق۔ طرز بود و ماند۔ اصول معاشرت و تمدن غرض کونسی بات رہ گئی ہے جو تکمیل طلب ہے۔ کوئی شخص جس کو یہ تسلیم نہیں حدیث دیکھکر بتلائے کہ فلاں تعلیم جس کی انسان کو انسان کہلانے کے لئے ضرورت تھی ہمیں نہیں دیگئی۔ ہم نے تو اس

مضمون میں آتا بھی نہیں لکھا کہ حضرت نے تعلیم کے کتنے اقسام فرمائے ہیں۔ کس کس طریقہ سے سمجھایا ہے۔ نظر دقیقہ اس کن کن مصلحتوں کو دیکھتی تھی۔ چونکہ ہم نے اپنے مضمون کی پہلی بنیاد مکارم اخلاق پر اٹھائی ہے اس لئے ہم نے صرف اخلاق کا ذکر کر دیا ہے۔ اخلاق کو اگر اور بسیط کر دیں تو اگرچہ ادائے حقوق و فرائض اور آداب وغیرہ بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن اس خوف سے کہ تمام تعلیمات نبوی کا احصاء اس مضمون میں ناممکن ہے ہم حقوق کے ساتھ آداب کو بھی چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ جس تفصیل کے ساتھ اخلاقی تعلیم دی گئی ہے اسی صراحت کے ساتھ ہر قسم کے آداب کی تعلیم بھی مکمل کر دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ کھانے' پینے' رہنے' سہنے' ہنسنے' رونے' سونے' جاگنے' پہننے' اوڑھنے' کہنے' سننے' سکوت' قیام' مجالس' مکان' سفر' حضر' خرید' فروخت' نکاح' مباشرت' عیادت' ملاقات' مروت' سلام' کلام' غرض تمام ہی آداب کو بتلا دیا ہے اور ایسی وسیع تعلیم دی ہے کہ تعلیم کا کوئی جزو بھی ناتمام نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح تمام معتقدات کی بھی تصریح کر دی ہے۔ ایمان باللہ' ایمان بالاجنیاء' ایمان بالمعاد۔ ایمان بالملئکۃ' ایمان بالکتب' انقیاد' امتثال اوامر و نواہی من اللہ' سب پر روشنی ڈالی ہے۔ اور حقوق اللہ و حقوق العباد پوری طور پر سمجھا دئے ہیں جس کو اس تفصیل کے ساتھ دیکھنے کی ضرورت ہو وہ تعلیمات نبوی کے مجلدات صحاح ستہ وغیرہ کو دیکھے اور کہے کہ اخلاق کی تعلیم ختم کر دی گئی ہے یا نہیں۔ اگر ختم کر دی گئی ہے تو انہیں تعلیمات سے ہدایت پاکر تا قیام قیامت ہر شخص اصلاح نفس کر سکتا ہے اور راہ مستقیم پا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں گویا ایک ہادی ہر وقت موجود ہے۔ اسلئے کسی ہادی کی ضرورت نہیں۔

مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اس ارشاد پاک میں رسول اکرمؐ نے اپنے وجود مبارک کو تمام عالم کے لئے باعث رحمت بتایا ہے جس کو بالفاظ دیگر ہم ختم نبوت کا دعوے کہہ سکتے ہیں اس حدیث شریف پر غور کر کے ہم یہ معلوم کر سکتے کہ حضور اکرمؐ کا تمام عالم کیلئے رحمت ہونا' دنیا جہان کے لئے پیشوا بنایا جانا' آپ کا ہر مذہب و ملت کیلئے ہادی و مرشد قرار دیا جانا اور ذات اقدس پر رسالت کا ختم ہونا کسقدر ضروری مبنی پر مصلحت اور دینوی ترقی اور دینی اصلاح و بہبودی کے لئے موزوں اور برمحل ہوتا ہے اس مضمون کی صداقت کو ذہن نشین کرنے کیلئے ضرورت ہے ان تمام ادیان کے

اجمالی ذکر کی جو اُس وقت دنیا میں رائج تھے۔

ہم بت پرستی کو لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کل دنیا میں بت پرستی کا دور دورہ تھا تاریخ عالم میں کوئی ایسا حصۂ عالم نظر نہیں آتا جہاں اس کا تسلط نہ ہو۔ عرب میں بت پرستی جن جن طریقوں سے ہوتی تھی اس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "ضرورت بعثت محمدی" میں صراحت کے ساتھ کیا ہے۔ تمام دنیا کو یہ معلوم ہے کہ خطۂ عرب میں بتوں نے کیسی مستحکم سلطنت قایم کر لی تھی۔ دنیا کے ہر حصہ کی بت پرستی جداجدا نوعیت اور علیحدہ اشکال میں ہوتی تھی اگر ان سب کا نقشہ کھینچا جائے تو دفتر کے دفتر ہو جائیں۔ بت پرستی کی بدولت خلقت انسانی کا منشاء جو ملیا میٹ ہو رہا تھا آج کل کے دماغ اس کی وضاحت کے محتاج نہیں۔ اسی عالمگیر خرابی کو دور کرنے کے لئے ایسے کامل قانون الہامیہ ہمہ دان قانون گو کی ضرورت تھی جو ہر حیثیت سے تمام دنیاوی متحمن اقوال کا مجموعہ ہو۔ نیز اس میں تمام دینی برکتیں عیاں و نہاں ہوں۔ تاکہ دنیا دار و دینی امور میں بھی اس کے گرویدہ ہوں اور دینی معتقدات میں بھی کمال پیدا کریں۔ دنیائے جہالت ایسے حقیقت نما کے لئے تیار تھی جو غلط و قدرت خداوندی کا تصور بغیر بتوں پر نظر جمانے کے پیدا کر سکے ابتدائی کم حوصلگی اور خیالات کی پستی کی وجہ سے لوگ بتوں کو جائے حقیقی خدا کے خدا کے پاس سفارش کرنے والا سمجھنے لگے تھے۔ ایسے بھی خیالات پیدا ہو چکے تھے کہ ایک معبود کی پرستش کافی ہے اگرچہ ہزارہا دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی لیکن ایک معبود کا خیال بھی موجود تھا۔ اسی طرح اہل زمانہ میں یہ استعداد پیدا ہو چلا تھا کہ ایسی راہیں جان لیں جن کی طرف انکی اصلاح پسند خیالات کا رجحان تھا۔ جو اس عقیدہ پر ثابت قدم رہے وہ اپنے کو حنیف کہا کرتے تھے [illegible] ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام میں آنحضرت کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے بھی مسلمان آ چکے ہیں یعنے ایک خدا کو ماننے والے پیدا ہو چکے تھے۔ نصاریٰ اور یہود میں سے بعض عرب ایک ہی معبود کی پرستش کرتے تھے جو اسلام کا رکن اعظم ہے اور یہ خیالات بیش خیمہ تھے ایک ایسے سچے اور برحق نبی کے آنے کا جو تمام عالم کو توحید کی تعلیم دے۔

جب یہ متحقق ہے کہ بت پرست عالمگیر تھی تو اس امر کو تسلیم کرنے میں بھی کوئی شخص پس و پیش نہ کرے گا کہ اس کے قلع و قمع کرنے پر جو ذات متعدد صفات مامور ہو اُس کا دائرہ اثر اسقدر وسیع ہونا ضرور تھا جس قدر کہ بت پرستی کا رواج۔

دنیائے جہالت میں لامذہبی بھی ایک مذہب تھا۔ لامذہبوں کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کا پیدا

ایک درخت یا جانور کے مانند ہے وہ پیدا ہوتا ہے اور پختگی پر پہنچ کر تنزل پانے لگتا ہے۔ آخر کار مر جاتا ہے۔ مرنے کے بعد حشر و نشر جزا و سزا کچھ بھی نہیں۔

حقیقت و معرفت الٰہی سے روشناس کر کے بت پرستی کو قلع و قمع کرنے کا کام جس ذات سے وابستہ فرمایا جاتا ہے وہی ذات اس گمراہ فرقہ کو اطمینان و تسکین قلب دے سکتی تھی اس لئے لامذہبی کو بھی دور کرنے میں کسی جداگانہ انتظام کی ضرورت نہ تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں خدا کو ماننے والے بھی سمجھے کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ خدا پرستی کیسی ہونی چاہئے وہ ایک پوشیدہ وجود کو اپنے وجود کا خالق تو قرار دیتے تھے اور جزا و سزا کے قائل تھے مگر انبیاء و وحی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے بت پرستوں کو جو علمی شخصیت راہ راست پر لا سکتی تھی وہی ان نام نہاد خدا پرستوں کی ہدایت و ارشاد کے لئے کافی تھی۔

صابی وہ لوگ تھے جو ستاروں کی پرستش میں مبتلا تھے انہوں نے سات ہیاکل یعنے معبد سات سیاروں کے لئے بنا رکھے تھے جس سے سبعہ معبد مراد ہے اُسی معبد میں اُس ستارے کی پرستش کرتے تھے۔ بہ نسبت ان لوگوں کے جو بت پرست مطلق تھے صابئین کے خیالات اچھے تھے اور جن ہدایات سے بت پرستی ترک کیجا سکتی ہے انہیں سے سیارہ پرستی سے قلع قمع ہو سکتا ہے لہذا

"سیارہ پرستوں کی اصلاح کے لئے بھی کسی علیحدہ ہادی کی ضرورت نہیں"۔

حضرت موسیٰ کی امت کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت سوشل اور پولیٹیکل موجود تھا۔ قبائل عرب میں معرفت الٰہی کا ذوق بھی انہیں یہودیوں کی بدولت پھیلا مگر افسوس کہ یہودیوں نے (در حضور بمن تراخدایان غیر نباشند سفر خروج باب ۲۰ درس ۳) کو بھلا دیا حضرت عزیر کو ابن اللہ کہنے لگے اپنی قوم کے زن و مرد کو بھی یہودی لوگ خدا کے بیٹے خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے تاہم وہ بت پرستوں سے اچھے تھے جن کے دماغ سوائے بت پرستی کے کسی اور الہامی کتاب کی ہدایات سے آشنا نہ تھے۔ یہود کا فرقہ بھی جو شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہو گیا تھا اس کے لئے بھی کسی علیحدہ شارع اور شریعت کی ضرورت نہیں تھی۔

عیسائی مذہب بھی الہامی مذہب ہے اس کے اصول نہایت عمدہ ہیں۔ توحید کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر کیگئی ہے لیکن تعجب ہے کہ باوجود اس کے عیسائی حضرت مسیح کو ابن اللہ کہنے لگے عیسائی حضرت مریم کو نعوذ باللہ خدا کی بیوی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور ان

قدیم بستیوں کی سورتیں بنا کر پوجتے تھے۔ بہرحال ہر مذہب میں بت پرستی رائج تھی اور ہر جگہ اس کی وجہ سے توحید مفقود تھی اور اس کی بدولت انسانی ذمہ داری اور اس کی قدر و قیمت سے کوئی شخص آشنا نہ تھا۔ بت پرستی کا جب انسداد منظور ہوا تو خداوند تعالیٰ نے ایسے انسان کامل کو مبعوث فرمایا جو دنیا بھر کی ہر قسم کی بت پرستی اور تمام متعلقہ خرابیوں کو دور کرسکے اس کو قانون اور شریعت بھی ویسی ہی زبردست دیگئی۔ بت پرستی دور ہوئی تو توحید باری جلوہ افروز ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ انسان کا خلیفۃ اللہ ہونا ذہن نشین ہوا۔ حقوق و فرائض سے شناسائی ہوئی اور ہر شخص اپنی حقیقت اور نشاۃ خلقت سے واقف ہوا صرف ایک بت پرستی کے انسداد نے تمام خرابیوں اور وحشتوں اور بدعملیوں کو دور کردیا اور ہر قسم کی اصلاح ضمناً مگر مکمل طریقہ سے ہوگئی۔

آنحضرتؐ سے قبل جس قدر انبیاءؑ مبعوث ہوئے تھے وہ ایک ایک حصہ ملک یا اپنی اپنی قوم کے ارشاد و ہدایت کے لئے مخصوص تھے ابتداءً ایک ہی وقت میں کئی کئی مذاہب نبیا میں موجود تھے مگر سب کے سب منجانب اللہ تھے۔ معمولی غور و فکر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں کوئی شریعت بھی ایسی مکمل و منضبط نہ تھی جو کل دنیا کے لئے دستور العمل بنے۔ ہم جب موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر غور کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قانون پوری طور پر انسان کی فطرت کے مناسب نہیں۔ امت موسوی پر ایسے سخت احکام نافذ کئے گئے تھے جو آنے والی اقوام کے لئے صعب العمل تھے لیکن اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانے کی سرکش و جہالت پسند قوم پر جب تک ایسی سختی روا نہ رکھی جاتی اصلاح نفس ناممکن امر تھا۔ اور چونکہ یہ مخصوص قوم تھی اسلئے جب دوسرا زمانہ شروع ہوا اور طبیعتوں میں وہ سختی اور سرکشی باقی نہ رہی تو وہ قوانین جو اس زمانے کی طبیعتوں کے مناسب حال تھے قابل نفاذ نہ رہے اور یہی وجہ تھی کہ دوسری قومیں ان احکام پر کاربند نہیں ہوسکتی تھیں۔ یہ راز تھا جس سے وقتاً فوقتاً انبیاءؑ کے بعثت کی ضرورت واقع ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ جب مسیح علیہ السلام کا عہد مبارک شروع ہوا تو اسوقت اہل زمانہ کی طبیعتیں اس بات کی مقتضی تھیں کہ ایسے قوانین نافذ ہوں جس سے انکی اصلاح نفس پوری طور پر ہوسکے۔ ہم جب تعلیمات مذہب عیسوی پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی شریعت میں اپنے نفس پر بے انتہا جبر کرنا سکھایا گیا تھا۔ لینت و تواضع کی اسقدر تعلیم دی گئی تھی جس سے خودداری زخمی ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ عامل شریعت سے سب سے پہلے رخصت ہونے والا شریف نطرتی جذبہ قوت انتقام تھا بلکہ نفس کے لئے دوسرا گال بھی پیش کردینا اور بجائے

ایک گوس کے تہرگا دو کوس بیگار میں چلنا اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ایسے احکام مکمل قانون بننے کا جو تمام اہل عالم کے مناسب حال ہوں کبھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے قوانین اُس عہد کے لئے بھی نامناسب تھے۔ درحقیقت اہانت نفس کے لئے اس عہد میں ایسے ہی قوانین کی ضرورت تھی۔

نوع انسان کی حالت اپنے زمانۂ حیات میں ہمیشہ ترقی پر رہا کرتی ہے جو احکام ایک خاص زمانہ کے لئے ضروری ہوں آنے والی نسلوں کے عہد میں وہ غیر ضروری ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن قوانین کے نسبت ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کے عہد میں انہیں قوانین کے نفاذ کی ضرورت تھی وہ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت ناقابل عمل بن گئے تھے اس زمانے کے دماغ ایک حد تک نشوونما پا چکے تھے۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نوع انسان کے حدِ بلوغ کا زمانہ تھا۔ لڑکا جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اُسکی ضرورتیں اس کے مناسب حال ہوتی ہیں خاص طریقہ سے درجہ بدرجہ اس کو تعلیم دلائی جاتی ہے لیکن جب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب اسکی تعلیم ایک حد تک کامل ہو گئی ہے تو وہ ختم کر دی جاتی ہے اور وہ اس مکمل طریقۂ تعلیم سے فیوض و برکات حاصل کر کے اصلاح نفس کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب زمانہ اپنے حد بلوغ پر پہنچ گیا تو یہ ضرورت تھی کہ شریعت الٰہی اپنے متواتر اور مختلف مدارج تعلیم کو طے کرنے کے بعد ایک مرکز اعتدال پر ٹھہر جائے اور یہی وہ عہد مبارک تھا جس میں حضرت نے منجانب اللہ ہونے کا اعلان کیا جس کی اُن اصلاح پسند شخصوں نے جو ایک نبی اور مصلح کل کی ضرورت کو محسوس کرتے تھے قدر کی۔

زمانۂ جاہلیت میں جوں جوں تمدن بڑھتا گیا اور ہر ملک کے باشندے دوسرے ملک میں پہنچے تو آخر میں کثرت ادیان کی وجہ سے ہر مذہب کے اُصول دوسرے مذہب میں خلط ملط ہو گئے اور کوئی مذہب علی حالہ باقی نہ رہا۔ مذہبی اعتقادی مغائرت کی وجہ سے ہمیشہ باہمی پرخاش منافرت اور مخالفت کا رہنا ضرور تھا۔ شریعت مصطفوی نے ہر مذہب کے صحیح اُصول اور غیر محرف الہامات کی تصدیق کر کے اس مذہب کے پابندوں کو مطمئن بھی کر دیا اور اپنی شریعت سے وہ بیش بہا ہدایتیں جلوہ افروز کیں۔ جن کی تعلیم و تلقین نے دماغوں کو روشن کر دیا جہالت کی تاریکی آناً فاناً مٹ گئی اور صلح و آشتی کا ہر شخص دم بھرنے لگا اور شاہراہ ترقی

دینی و دنیوی پر دوڑنے لگا۔ تمام دنیا میں تمدنی، اخلاقی، اعتقادی غرض ہر قسم کی خرابیاں انتہائی درجہ پر پہنچ گئی تھیں اس لئے اسکی اصلاح کے لئے ایسے مکمل قواعد اور ارشادات زبان محمدی سے خدائے تعالیٰ نے سنائے کہ آئندہ کے لئے تاقیام قیامت اضافہ و ایزادگی گنجائش نہ رہی ورنہ تحصیل حاصل اور فعل عبث کا الزام ذات باری پر عائد ہوتا۔

جب کوئی تعلیم پوری طور پر مکمل ہو جاتی ہے تو پھر اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس میں اور کچھ اصلاح یا ترقی کیجائے۔ علم کی کوئی شاخ یا مسئلہ حل ہو چکتا ہے تو آنیوالے متعلمین کا بھی کام رہ جاتا ہے کہ گزشتہ استادوں کے اصول کو سیکھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں لیکن جب تک کسی مسئلہ کی نسبت پوری طور پر انکشاف نہیں ہو جاتا ہے۔ مجددین وقت کے لئے موقع رہتا ہے کہ وہ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ جب کوئی علم مکمل ہوتا ہے تو آنے والے اس میں بہتر انقلاب پیدا نہیں کر سکتے اور کوئی جدید فائدہ محاصل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اصول معرفت خدا کی طرف سے قلوب مصفّٰی پر القاء ہوتے رہتے ہیں مگر جب تک یہ قاعدے انبیاء کی قلت استعداد کے سبب سے ناقص شکل میں القاء ہوتے رہتے ہیں آنے والے انبیاء پر اُن کی غلطیاں واضح ہوتی رہتی ہیں اس صورت میں پہلی وحی کے بہ نسبت دوسری وحی بہتر ہوتی ہے مگر جب تمام مسئلے اپنی حقیقی صورت میں منکشف ہو جاتے ہیں تو آئندہ بہتر انقلاب کی گنجائش نہیں رہتی اسلئے کوئی جدید انکشاف ہوتا ہی نہیں وما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا۔

آنحضرتؐ کی بعثت کے زمانے تک متعدد انبیاء علیہم السلام نے مسئلہ معرفت الٰہی میں حق تحقیق ادا کیا اور مذہب کو ایک مکمل صورت میں ڈھالنے کی ہر نبی نے کوشش کی۔ ہر نبی اور ہر پیغمبر قوم نے اپنے ظرف و استعداد کے موافق تکمیل شریعت کے لئے قابل قدر کوششیں کیں اور اس انکشاف تامہ کے لئے بے شبہ ضرورت تھی محققین و مجددین معرفت الٰہی کی لیکن اب وقت تھا کہ یہ مسئلہ پوری طور پر حل ہو جائے جس کے بعد آنے والوں کے لئے مزید تحقیق کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے اور تعلیم الٰہی مکمل صورت میں ظاہر ہو جائے آخوکار وہ وقت آگیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلہ کو پوری طور پر حل کر دیا اور معرفت علم الٰہی اور اصلاح نفس کیلئے پھر کسی ہادی اور پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رکھی یا بالفاظ دیگر نبوت ختم کر دی جس کے نسبت قرآن یوں ناطق ہے کہ ان فیکم رسول اللہ خاتم النبیین ۔

اکملت لکم دینکم

اقوالِ غیر

اب ہم اُن اقوال پر روشنی ڈالکر مضمون ختم کردیں گے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے شاہد ہیں۔

"قائم کریگا تیرا معبود ایک نبی تیرے بھائیوں میں سے" (توریت کتاب پنجم باب ۱۸)

حضرت ابراہیمؑ کے دو فرزند ایک اسحٰقؑ دوسرے اسمٰعیلؑ۔ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد بنی اسمٰعیل۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہوئے۔ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں گزرے ہیں اور بنی اسمٰعیل میں سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ حسب بشارت توریت وہ نبی صرف آپ ہی ہیں اور چونکہ آپ کے بعد بھی کوئی نبی ابتک نہیں ہوا اسلئے یہ لازم تھا کہ نبوت کا اختتام آپ پر ہے۔

"ان کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قائم کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں دونگا اور جو کچھ میں اُس سے کہونگا وہ اُن سے کہہ دیگا۔" (توریت کتاب پنجم باب)

آنحضرتؐ کو یہ ایک بڑی خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ کا کلام آپ کے منہ میں ہے یہ خصوصیت کسی نبی کو حاصل نہیں تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل پر جو وحی آتی تھی اُس کے لفظ وہی نہیں ہیں جو مصنف انبیاء رکھتے ہیں۔ انبیاءؑ حکم خداوندی کو اپنی زبان و محاورہ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے انہیں صرف مطلب القاء ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی اور انجیلیں یونانی میں ہیں صرف قرآن مجید ہی وہ کلام خدا ہے جو لفظ بلفظ اترا ہے۔ وہی الفاظ خدا سے آئے۔ نبیؐ نے وہی الفاظ کہے۔ قرآن میں وہی الفاظ درج ہیں۔ ما ینطق عن الھوٰی الا وحی یوحیٰ۔ یہ بزرگترین خصوصیت جو کسی نبی کو نہیں ملی صرف نبی کے لئے ہی محفوظ جس کا مذہب قیامت تک رہنے کے قابل ہو اور جو عالم کے لئے نبی بن کر آیا ہو تاکہ اوس کی بھی لفظ بلفظ مکتوب رہیں اور تحریف کا موقع نہ ہے۔

"آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے آسمان کو جمال سے بھر

اس کی ستائش سے زمین بھر گئی" (کتاب حبقوق باب ۳-۳)

قدیم جغرافیہ کی تحقیق اور توریت کے محاورے یہ تبلاتے ہیں کہ مغلظہ کے پہاڑوں کا نام فاران ہے۔ فاران کے پہاڑ سے حضرت کے سوا کس نے اپنا جمال جہاں آراء تبلایا۔ وہ حضرت ہی تو تھے۔ آپ کی تعریف وستائش سے دنیا کا کونسا حصہ خالی ہے۔ کونسی قوم ہے جو اعتراف بزرگی نہیں کرتی حتیٰ کہ سر ولیم میور جیسے متعصب دشمن نے بھی اسلام کی یوں تعریف کی ہے کہ

"اسلام نے ہمیشہ کے واسطے توہمات باطلہ کو کالعدم کر دیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہو گئی۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرستگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا"

ستائش سے تمام زمین کا بھر جانا کیا تمام اہل زمین کے لئے نبی ہونے کا اعلان نہیں ہے۔

"میں ساری قوموں کو ہلا دونگا" اور حمدث "قوموں کا آئیگا اور اس گھر کو بزرگی سے بھر دونگا" کہا خداوند خلائق نے" (کتاب حجی باب ۲ آیت ۹)

پادری مسٹر پارک ہرسٹ کہتے ہیں کہ حمدث کے معنے محمدؐ کے ہیں۔ کیا یہ پیشین گوئی آپ کی صداقت اور خاتم نبوت ہونے کی دلیل نہیں "قوموں کا حمدث آئیگا" اس سے تمام اقوام کے لئے ہادی ہونا ثابت ہے "ساری قوموں کو ہلا دونگا" سے ظاہر ہے کہ اہل عالم مراد ہیں "اس گھر" سے مراد دنیا ہے۔

"وہ تمہیں فارقلیط" دیگا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیگا" (انجیل یوحنا باب ۱۴ درس ۱۶)

فارقلیط کلدانی لفظ ہے جو عبرانی میں مستعمل تھا اس کے معنی ہیں بہت سراہا گیا جو لفظ محمدؐ کا ترجمہ ہے بعض انجیلوں میں توصاف طور پر بجائے فارقلیط کے احمد ہی لکھا ہوا ہے جس کی تصدیق "یاتی من بعد اسمہٗ احمدؐ" سے ہوتی ہے۔ تمہارے ساتھ ہمیشہ رہنے سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا مذہب ہمیشہ کے لئے تم کو کافی ہے کسی اور کی ضرورت نہیں اور یہی مطلب ہے ختم نبوت کا۔

"وہ آکر دنیا کو گناہ پر اور راستی پر اور عدالت پر سزاوے گا۔ گناہ پر اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔ راستی پر نہیں آئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔ اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے عدالت پر۔ اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے میری اور بہت باتیں ہیں جو تم سے

کہوں لیکن تم اب اُن کی برداشت نہ کر سکو گے۔ پھر جب روح حق آئے گا تو ساری سچائی کی راہ تم کو بتلا دیگا کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا لیکن جو سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں غیب کی خبریں دیگا اور میری بزرگی بیان کرے گا۔" (باب ۱۶ درس ۸)

حضرت عیسےٰ کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہی نے ایک ہادی اور مصلح کل بنکر جو اُنہوں نے ہادی۔ لوگوں کو راستی اور عدالت پر لے آئے۔ بہت سی باتیں کہنے کی باقی تھیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تکمیل کرنے والے آنحضرتؐ تھے کیونکہ آپنے ہر طرح کی تعلیم دے دی آپ نے تمام دنیا کو سچائی کی راہ بتلا دی جو سیدھے رستے پر چلنے لگے۔ آپ نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہ کہا صرف وحی سُنتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کرتے اور اُن کی بزرگی ذہن نشین کرتے تھے۔

آپ کو "جہان کا سردار" کہا گیا ہے۔ جو تمام جہان کا سردار ہوگا وہ تمام جہاں کیلئے ہوگا پھر کسی اور ہادی کی کیا ضرورت ہے حضرتؐ نے جب ہر طرح کی تعلیم دی ہے۔ یعنے حضرت عیسےٰؑ کے کہنے کے بعد باقی باتیں بھی کہ دی ہیں تو اب نہ کچھ کہنے ہی کی ضرورت رہی اور نہ کہنے والے کی حاجت۔

یہی نہیں بلکہ ہندوؤں کے قدیم تاریخ سے بھی حضرتؐ کی صداقت نبوت کا اظہار ہوتا ہے۔

پشت جی ہندوؤں کے مشہور بزرگ ہیں وہ اپنے ملفوظات اُتر کھنڈ میں لکھتے ہیں کہ میں نے خاص مہادیو جی سے سُنا جب کہ وہ کوہ کٹلاس پر اپنی بیوی پاربتی کے ساتھ گوشہ گزین تھے۔ ایک دن پاربتی مہادیو کے ساتھ کٹلاس پر بیٹھی ہوئی تھیں مہادیو کو خوش دیکھ کر اُن سے پوچھا۔ "آپ نے فرمایا تھا کہ دوار پر زمانہ کے اخیر میں اللہ تعالیٰ جو بڑی حکمت والا اور بڑی قدرت والا ہے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو سارے دیویت کو فنا کر کے زمین میں اپنا قبضہ کریگا۔ جس وقت سے میں نے یہ بات سنی ہے مجھے بہت حیرت ہے آپ حقیقت کو بیان فرمائیے"۔ مہادیو نے جواب دیا۔ "سنو! چھ ہزار سال کے بعد مندر کے ملاکی جو دربا کے درمیان میں وہ زمین واقع ہے وہ بڑا قادر ایک عجیب طرح کی مخلوق آدم علیہ السلام کی اولاد میں پیدا کریگا وہ زمین لائق بشن کے لیئے اُس بڑے قادر کی جگہ ہوگی"۔ پاربتی نے پوچھا۔ "جس شخص کو وہ قادر اس طرح کی برکت والی جگہ میں پیدا کرے گا وہ شخص دیوتا کے گھر میں یا کس جگہ پیدا ہوگا۔ صاف بیان فرمائیے"۔

مہادیو نے کہا۔ اسی پاربتی وہ کانشٹ بھونجہ کی بیٹھ سے پیدا ہوگا اور جس عورت کے پیٹ سے پیدا ہوگا اس کا نام ساتک رکھیا ہوگا۔ وہ مخلوق سے نہیں ڈرے گا اور نہایت شجاعت اور عزبان والا ہوگا اور اُس کا نام "محامت" ہوگا اس کی وضع کو دیکھ کر لوگ حیران رہیں گے۔ نئی طرح کا اس کا احوال دیکھیں گے وہ ختنہ شدہ ہوگا جب جوان ہوگا تو سوائے سر اور ڈاڑھی اور مونچھوں کے اور کہیں زیادہ بال نہوں گے اور جو بوجا اُس کی قوم کے لوگ کرینگے وہ نہ کریگا اور اپنی قوم سے کہے گا کہ مجھ کو اُس قادر لاشریک کا یہی حکم ہے کہ اسطرح کی بیجا پوجا مت کرو اور میں سوائے اللہ کی ذات پاک کے اور کسی طرف رجوع نہیں کرتا ہوں تم میری تابعداری کرو۔ اسوجہ سے ساری قوم اُس سے جُدا ہو جائے گی۔

علمائے سنسکرت ہند کا ترجمہ کہ کرتے ہیں اور بشن کا ترجمہ بیت اللہ۔ ساتک رکھیا کے معنی آمنہ تبلاتے ہیں اور کانت بھونجہ کے معنی خدا کی عبادت میں مشغول رہنے والا یعنی عبد اللہ تبلاتے ہیں۔

اسی طرح بیاس جی نے جو ہندوؤں کے مشہور رشی ہیں۔ بھونک اُتر پران میں لکھا ہے کہ "آیندہ زمانہ میں "محامت" پیدا ہونگے۔ اُن کے سر پر بدلی سایہ کرے گی۔ اور لکھی اُن کے جسم پر نہ ٹھیریگی۔ مُلک دنیا کے لئے کچھ تلاش نہ کرینگے۔ اُن کی سب تلاش دین کیلئے ہوگی اور جو کچھ پیدا کریں گے اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے اور تمام عمر کم کھائیں گے۔ عرب کا سرداران کا دشمن ہوگا اور وہ اللہ کے دوست ہونگے۔ اور قادر توانا اُن کو تیس آدھیا پران (یعنے تیس پارہ قرآن بھیجیگا"۔ اس سے زیادہ الفاظ میں اور کیا بشارت ہوسکتی ہے جب آپ سچے نبی ہیں تو آپ کا دعوئی ختم نبوت بھی سچ ہے۔

رامائن ہندوؤں کی ایک مشہور کتاب ہے جو ہزاروں برس پیشتر ایک بزرگ نے لکھی ہے اُسکے حصہ بالکانڈ میں یہ چوپائی درج ہے۔

راج نیت بھو پریت دکھائے — آپن مت سب کا بھائے
سنگم اگم موئے تیج ادپارا — پتی ربا ادمت مجھ را
تب لگ سندم چھے کوئے — بنا "محامت" پار نہ ہوئے

یعنے بادشاہی قاعدہ سکھائے۔ ہیم رجا دونوں شیوہ ہو۔ سب کو دین و دنیا سمجھائے سمندر کے پھیلاؤ کے مانند ان کا جلال ہوگا گرم ہوگا آواُن کا بیچ سے (یعنی کہاں سے آویں)

جس طرح بیج میں آگ لگائی جاتی ہے اور ہر جگہ پھیل جاتی ہے اسی طرح ان کا دین پھیلیگا)
جب خدا تک بغیر "محامت" کی پیروی کے کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

آنحضرتؐ کی صداقت اور ختم نبوت پر یہ چوتھائی صاف دلیل ہے کہ بغیر حضرتؐ کی پیروی کے کسی کا مذہب مکمل نہیں۔ آپ کو ماننا ضرور ہے۔ گویا آپ ختم الرسل ہیں اسی مفہوم کو تلسی جی نے بطور تصدیق کے اس کے آخر میں لکھا ہے۔

برسندرم تماں نہیں ہوئے تلسی بچن ست ست کوئے

یعنے تلسی سچ کہتا ہے کہ اس کے بعد کوئی خدائی پیغام نہ آئیگا اسلئے کہ
"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی"

آمالیق
مدیر سالہ
محمد عبدالرب کولب

بڑا نا بے سبب تہذیب معراج حضرت کا	یہ مطلب ہیں کہ نقشہ ایک ہو دونوں کی صورت کا
ہوا شیر خدا سے واجو کچھ عقدہ تھا حجت کا	امامت کا ولایت کا کرامت کا شجاعت کا
عطا حق سے ہوا منصب وہی جسکے لائق تھا	عمر کو عدل کا صدیق کو صدق و رفاقت کا
وجود حضرت عثمان میں ہر وصف اعلیٰ تھا	مروت کا حیا کا حلم کا جود و سخاوت کا
میں وہ آلودہ عصیاں ہوں اے دوزخ رہ مجھ کہنا	بجھا دیگا تجھے پانی مرے چشم ندامت کا
فلک کو ناز ہو کیونکر نہ اپنی خوش نصیبی پر	کہ وہ ہے شامیانہ سرور عالم کی تربت کا
سنا دیدہ کلام نعتیہ چل کر مدینہ میں	صلہ ملجا کا معقول ہے کاتب کی کتابت کا

محمد عبدالرحیم صدیقی کاتب اورنگ آبادی

(۱)

ہوائیں ہو گئیں خاموش وقت شام آپہنچا اندھیرا چھا گیا ہر سمت عالم ہے خموشی کا

وہ رات جس کی صبح کو مسیح کا سفر ہونے والا ہے درد و الم کی مجسم تصویر ہے مجلس یاس و حسرت برس رہی ہے۔ نبی اپنا آخری پیغام اپنے شاگردوں کو سنا رہا ہے ہر طرف سے نا امیدی کا ہجوم ہے درد انگیز الفاظ و وحشت خیز رات کو مہیب کر رہے ہیں مسیح کا وداع ہے بنی اسرائیل کی نبوت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو رہا ہے۔ الٰہی عہد بنی اسرائیل سے ٹوٹتا ہے اور بنی اسمٰعیل سے باندھا جاتا ہے آسمانی دعوت سے ایک گروہ رخصت کیا جا رہا ہے اور دوسرے گروہ کیلئے جگہ خالی کیجا رہی ہے۔ ایک خشک درخت کاٹا جا رہا ہے اور دوسرا نہال بار آور سرسبز ہوتا ہے کیسی ڈراؤنی غمناک رات ہے مگر کتنی بڑی خوشی اسکے پیچھے کھڑی ہے۔

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی

(۲)

اس شام غربت کی صبح امید پانچ سو ستر سال کے بعد جلوہ گر ہوتی ہے۔ فاران کی چوٹیوں پر ابر رحمت کی بارش ہوتی ہے جس سے نہ صرف ریگستان عرب کی خشک زمین اپنے تشنہ دروں کو سیراب کرتی ہے بلکہ اکناف عالم میں اس بارش سے شیریں نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور اپنی آبیاری سے گلشن گیتی کے چمنوں کو سرسبز و شاداب کر دیتی ہیں۔

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی — پڑی چار سو اک بیک دھوم جس کی

گرمکت اور دمک دُور دُور اس کی پہنچی جھٹکیں پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
ہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

کاشانۂ دہر کے متوالو خواب غفلت سے ذرا چونکو کروٹ بدلو آنکھیں کھولو ہدایت کی پرنور ضیا دیکھو آپہونچی تاریکی دُور ہوگئی حق آگیا باطل ٹوٹ گیا دنیا کا مصلح اعظم ہادیٔ برحق اس کشتستان عالم کو اپنے نور سے منور کر رہا ہے حق کا نہایت سیدھا اور صاف راستہ دکھلا رہا ہے اہل دنیا کیلئے ایک نعمت لازوال لایا ہے۔

(۳)

دنیا پر ظلمت کی تیرہ و تاریک گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے اہل دنیا اپنے مذہب سے نابلد ہوکر سورج چاند ستاروں کی عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں بجائے توحید کے تثلیث کی بندگی ہوتی ہے خانہ خدا بتوں کا ملجا و ماوا بنا ہوا ہے حق کے متلاشی کے لئے مذہب سرچشمہ ہدایت سے نہ رہا ہے اعمال ذمیمہ اُنکے افعال شنیعہ اُنکے عادات و اخلاق ہیں علم و ہنر سے بیگانہ ہو رہے ہیں ظلم و ستم کا دور دورہ ہے۔ شراب قمار چوری زنا کا زور ہے۔ اس کی شدید ضرورت ہے کہ ایک داعی حق ہادی برحق مبعوث ہو اور اپنی ہدایت سے دنیا کی سیاہی کو دور کردے اہل دنیا کو مذہب سے باخبر اور توحید سے واقف کردے۔ خانہ خدا کو اوسکی عبادت کے لئے مخصوص کردے اعمال ذمیمہ کو دور اخلاق حسنہ کی تعلیم دے علم و ہنر کو رواج کرے ظلم و ستم کا انسداد کرے شراب قمار چوری زنا کو موقوف کرے۔

آل ہاشم سے ایک جوان دنیا میں مبعوث ہوتا اور اپنی تبلیغ و ہدایت سے ان امور کی بہترین طور سے اصلاح کرتا ہے۔ گو وہ دنیا سے چلا گیا مگر اپنے پیروں کے لئے ایک اعلیٰ و اکمل قانون اور اپنی زندگی کا بہترین نمونہ چھوڑ گیا جس کا اتباع اور پیروی نجات کا سیدھا راستہ ہے

(۴)

وہ دنیا میں آیا اور اپنی زندگی کے (۶۳) مرحلے طے کرکے چلا گیا مگر دیکھو وہ دنیا میں کیوں آیا؟ اُس نے اس دنیا میں کس طرح زندگی بسر کی؟ اور اہل دنیا کو کن کن امور کی تعلیم دی؟ اور کونسا راستہ بتلایا؟

اُس نے دنیا میں کوئی بڑی عمر نہیں پائی اپنی زندگی کے ابتدائی ایام نا تربیت یافتہ

جاہل وحشی اونٹ چرانے والوں میں بسر کئے چالیس سال تک کسی عالم کی صحبت سے مستفید ہوا اور نہ کسی فاضل کے زیر تربیت رہا نہ کسی فلسفی کی زیارت نصیب ہوئی اور نہ کسی حکیم سے ملاقات کا موقع ملا۔ مگر چالیس سال کی عمر میں یکایک دنیا کے سامنے ایسا بہترین مذہب اور مکمل قانون پیش کرتا ہے جس کے مقابلہ کی نہ کسی مذہب کو طاقت رہتی ہے اور نہ کوئی امت تا قیامت مقابلہ کر سکتی ہے۔ اسکے مذہب نے دنیا کے تمام ادیان و ملل کو جو توحید سے ہٹ گئے تھے کامل شکست دی اور چار دانگ عالم میں کوس انا الغیری بجایا۔

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا

زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق

(۵)

باپ کا سایہ تو قبل از ولادت ہی اُٹھ چکا ہے چھ سال کی عمر میں مادر مشفقہ بھی رخصت ہوتی ہیں دادا جو پرورش کا کفیل ہے نو سال کی عمر میں وہ بھی سدھارا اور اس یتیم و یسیر لڑکے کی پرورش چچا کے ذمہ ہوتی ہے چچا کے زیر پرورش وہ جوان ہوتا ہے مگر کیا جو حسن معاملگی راستبازی صدق و دیانت منصف مزاجی عقلمندی رحم دلی اور اخلاق پسندیدہ کے باعث تمام قریش میں مخزر و ممتاز ہے۔ یتیموں کی پرورش اور اس کا خاصہ بیواؤں ضعیفوں کی خبر گیری اُسکا معمول ہے۔ عرب کے معمر اور سکے گرویدہ جوان اور سپر دار اور لڑکے اوسکے شیدا ہیں اور محمد الامین کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں۔

فاق البنین فی خلق وفی خلق
ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

(۶)

اپنی عمر کے چالیس سال ختم کرنے کے بعد اُس پر وہ ناموس اکبر اُترتا ہے جو موسیٰ و عیسیٰ پر اترا تھا لیکن دیکھو قوم اسکے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے کیسی کیسی تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ وہ تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے کہ مجھے اپنی امان میں لیکر صرف اتنا موقع دلا دو کہ خدا کی آواز لوگوں تک پہنچا سکوں لیکن کوئی حامی نہیں بھرتا تمام مسلمان عرب کی فضا

سانس تک نہیں لے سکتے تلاش امن کیلئے افریقہ حبش کے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے ہیں جو عرب میں رہ گئے ہیں وہ ہدف مظالم گوناگون ہیں۔ آخر تیرہ سال بعد امن کی جگہ نصیب ہوتی ہے مگر افسوس یہاں بھی چین لینے نہیں دیتے متواتر آٹھ سال تک اپنی جنگوں سے تنگ کرتے ہیں۔

آخر کب تک حق کی مخالفت کی جاتی اور کب تک باطل غالب رہتا ایک دن آیا کہ تمام سرکشوں کے سر خم ہو گئے اور سبھوں نے تسلیم و رضا کی گردنیں جھکا دیں۔ گو اس نے ان لوگوں سے طرح طرح کی ایذا اٹھائی تھی اور سکے عزیز و اقارب دوست احباب اُنکے شمشیر جفا کے نذر ہو چکے تھے مگر جب قوم عاجز ہو کر سامنے آتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے "جاؤ تم آزاد ہو"۔

فقد اتیت رسول اللہ معتذرا
والعذر عند رسول اللہ مقبول

(۷)

اب اوسکی عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی ہے تمام عرب چوبیس سال سے مخالف تھے اطاعت کو فخر خیال کرتے ہیں تمام ملک عرب اجتماع اور اتحاد کے رشتہ میں مستحکم ہو گیا ہے انما المومنون اخوۃ کے روحانی رشتہ نے خون قرابت اور نسل کے رشتوں کی جگہ لے لی ہے اور سب ایک کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پر قایم ہو گئے ہیں جس کام کیلئے وہ مبعوث ہوا تھا وہ پورا ہو چکا ہے دین کی تکمیل ہو چکی ہے اسلام کی آواز عرب سے نکل کر دور دور تک پہنچ چکی ہے اوس کا اصلی کام یعنے تمام عالم میں دعوت اسلام کا اعلان پورا ہو چکا ہے۔ لہذا اب وہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔

(۸)

آپ کے اخلاق پر نظر کی ضرورت ہو تو قرآن موجود ہے۔ کریم النفسی کو دیکھو دشمن سوتے میں تلوار کھینچکر آتا ہے کہ قتل کر دے آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے دشمن دریافت کرتا ہے کہ تجھے کون بچائے گا سنتا ہے خدا کبھی برتر اوسکے ہاتھ سے تلوار گر جاتی ہے آپ اٹھا کر دریافت کرتے ہیں اب تجھے کون بچائے گا دشمن عاجز ہو جاتا ہے اور آپ اسکو چھوڑ دیتے ہیں۔

رحم و کرم کو دیکھو دشمن سے دشمن پر بھی لطف و عنایت ہے شمامہ سردار نجد ایمان سے

مشرف ہوتا ہے اور اہل مکہ کے رسد کا راستہ بند کر دیتا ہے قریش جاں بلب آپ کی خدمت میں آتے ہیں دریائے رحمت جوش میں آتا ہے شمامہ کو حکم جاتا ہے غلہ بدستور جانے دو۔

میدان حدیبیہ میں آپ صبح کی نماز میں مشغول ہیں دشمنوں کی ایک جماعت اس ارادہ سے آتی ہے کہ نماز پڑھتے ہی قتل کر دے مگر اسیر ہو کر جب پیش ہوتے ہیں۔ تو بلا کسی سزا کے آزاد ہو جاتے ہیں۔ آپ کی صاحبزادی کو اونٹ سے گرا دیا جاتا ہے جس کے صدمہ سے وہ بیمار ہو کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔ آپ کے عزیز چچا کو نہ صرف شہید کیا جاتا ہے بلکہ انکی نعش کے ساتھ بے حرمتی کیجاتی ہے۔ مگر دیکھو ان تمام بے رحموں پر کیا رحم ملاطفت اور حسن سلوک کا برتاؤ کیا گیا۔

انبت ان رسول اللہ راد عدانی
والعفو عند رسول اللہ مامول

منکسر مزاجی کو دیکھو شہنشاہِ دو جہاں ہے مٹی کا فرش اور پتھر کا سرہانا ہے گھر میں جلانے تیل تک نہیں دو دو دن کا فاقہ ہے۔ کئی کئی دن تک چولھا روشن نہیں ہوتا۔ حلم و عفو کو دیکھو سخت سے سخت درشت سے درشت باتیں بکمال خندہ پیشانی سن لیتے ہیں۔ ایک بادیہ نشین آتا ہے اور چادر اس زور سے کھینچتا ہے کہ گردن پر نشان پڑ جاتا ہے اور کہتا ہے اے محمد خدا کا جو مال تیرے پاس ہے وہ مجھے دے۔

تواضع و فروتنی پر نظر کرو کہ قوم کے بزرگوں کا اکرام ہوتا ہے غرباء و مساکین کی عیادت فرماتے ہیں ضعیفوں بیواؤں کی خدمت کرتے ہیں مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتے ہیں۔

سخاوت ملاحظہ ہو وقت واحد میں سو سو اونٹ اور بکریوں کے منہ دیئے جاتے ہیں لفظ نفی ہے کہ زبان پر نہیں آتا۔ گھر میں دو وقت کا فاقہ ہے تیسرے وقت کچھ میسر ہوا ہے مہمان آتا ہے حاضر اسکو کھلا دیا جاتا ہے۔

"اگر ایک یتیم کو دیکھ کر دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے تو ساتھ ہی ضلالت و گمراہی کے مقابلہ میں کوہ استقلال ہے وہ عفو و کرم بخشش و مروت کا شہنشاہ ہے لیکن حدود اللہ کے جاری کرنے میں عدل و منصفت گستری کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ حلیم و بردبار ہے مگر ضلالت و گمراہی کے مقابلہ میں کبھی عجز کا اظہار نہیں ہوتا۔ حق صداقت کے اعلان میں مخالفوں کی پروا نہیں کرتا۔ فیاض ہے مگر مسرف نہیں۔ حلم و راحت کا پیکر ہے مگر خدائی محرمات کیلئے نہیں۔

شجیع و بہادر ہے لیکن اظہار حق کیلئے۔ منصف و عادل ہے لیکن صرف مسلمانوں کیلئے نہیں نافع ہے مگر مقنوع کیلئے سراپا لطف و کرم"، اور تو اور اوس کے اخلاق کا خدا خود معترف ہے۔ انک لعلی خلق عظیم ؐ

(۹)

دیکھو نبی امی آیا اور اہل دنیا کو توحید کی تعلیم دے گیا جس نے نہایت صاف اور واضح طور سے ذہن نشین کرادیا کہ خدا کی ایک ذات لاشریک ہے۔

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اُس سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اسکے آگے جھکاؤ

اُس نے سمجھا دیا کہ جسمانی عبادت نفس و قلب انسانی کے تطہیر اور تزکیہ کیلئے ہے اور بتا دیا کہ مذہب اکراہ اور جبر کو جائز نہیں رکھتا۔

آپ نے دنیا کو حریت و آزادی کی تعلیم دی اور یہ امر ذہن نشین کرادیا کہ سوائے خدا کے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ آپ نے ظاہر کر دیا نسب و بزرگی کوئی چیز نہیں ہر شخص اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہے۔ آپ نے آگاہ کر دیا کہ مرد عورت ہر حیثیت سے مساوی ہیں۔ جہاں آپ نے عورتوں کو شوہر کی اطاعت کا حکم دیا وہیں مردوں کو حکم دیا کہ عورت سے نرمی کا سلوک کریں انکی عزت کریں اُن کے حقوق کی حفاظت کریں۔ اور پھر عام طور پر ہمدردی۔ تواضع۔ سادگی۔ راست بازی۔ ایفائے عہد۔ یتیموں کی حفاظت۔ دوستوں عزیزوں ہم مذہبوں بلکہ تمام دنیا کے ساتھ محبت بزرگوں کے ساتھ ادب چھوٹوں پر شفقت کے اعلیٰ اوصاف کی تعلیم دی۔

(۱۰)

بتاؤ آج دنیا کا کون مذہب اپنے بانی مذہب کے صحیح اُصول پر قایم ہے؟ بتاؤ آج وہ کون قوم ہے جس کا مذہبی قانون مکمل اور غیر مسخ شدہ ہے؟ کیا آج کوئی قوم تم شہوریں ایسی ہے جو توحید کے متعلق جامع اور واضح دلائل رکھتی ہے؟ بتاؤ آج کون ہے جس کا مذہبی دستور العمل انسانی فطرت کے عین موافق ہے؟

وہ صرف مذہب اسلام ہی ہے جو آج چودہ سو سال سے اپنے صحیح احکام پر قایم و برقرار ہے۔ اسلام کے اخلاق اور معاشرتی زندگی کا معیار آج بیسویں صدی سوشیالسٹوں کے معیار سے بہتر اور انسانی سوسائٹی کے فرق مراتب کے لحاظ سے موزوں تر ہے آج بیسویں صدی میں ایل یورپ مذہب سے منحرف ہو کر جس فطرتی مذہب کے متلاشی ہیں اُن کیلئے اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں ملسکتا۔ درحقیقت وہ صرف اسلام ہی ہے جو فطرۃ انسانی کے موافق ہے اور اسلام ہی سچا مذہب اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ ھذا صراط ربک مستقیما۔

گو آج مسلمان اپنے اعمال کے لحاظ سے باعث ننگ ہیں اور ادنیٰ حالت زبوں ہے لیکن ذرا چونکے اور پھر ؎

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

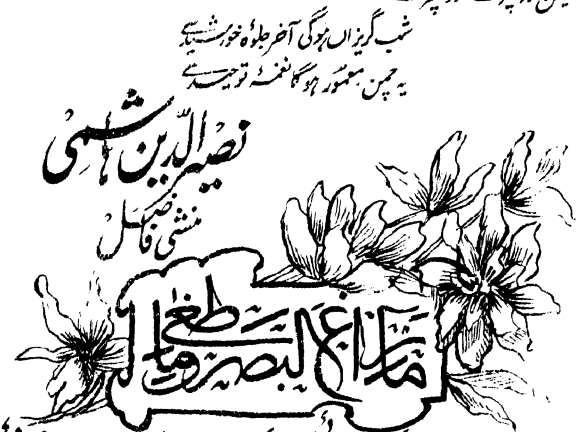

حیرت نہیں بے سایہ اگر ذات ہوئی ٹکڑے کیا چاند کیا کرامات ہوئی
دن رات تھا جلوۂ خدا پیش نظر معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی

امجد حیدر آبادی

تجھ سے فریاد ہے اے سیّد عالی نسبی — جام رحمت کی طلب رکھتی ہے اب تشنہ لبی
چشم رحمت بکشا اے کہ تو اُمّی لقبی — سیّد القوم تو ئی ہاشمی و مطلبی

تیرے قدموں سے ہوا عالم اسلام بپا — تیری بعثت ہی سے سب نور ہدایت پھیلا
ہو گیا مذہب حنفی کا جو گھر گھر چرچا — تیرے اعجاز رسالت کا بھلا کیا کہنا

تجھ سے توحید کا دنیا میں ہوا استقرار — داخل ملت بیضا ہوئے بیدین کفار
سر جھکانے لگے اسلام کے آگے اشرار — جہل سے ہو گئے تائب کہ جو تھے ناہنجار

تو نے اسلام کی دنیا میں بڑھائی رونق — کر دیا کفر کے چہرے کو زمانے میں فق
جبکہ طالع ہوا اسلام کا خورشید الوق — حل ہوئے مسئلہ ظلمت پیچیدہ ادق

جب رسالت کی ہوئی خلق میں تیری تشہیر — پھر لگی ہونے مسلمانوں کی ہر جا توقیر
ناز اقبال پہ کرتی تھی ہر اک کی تقدیر — لیکن اس خواب کی کچھ اور ہی نکلی تعبیر

کیا ہوئی آج وہ اسلام کی پر نور ضیا — کیوں مسلمانوں پہ چھایا ہے تنزل ادبار
نہ وہ اخلاق ہے اور نہ وہ جاہ و وقار — بات کیا ہے کہ ہیں سر کار بھی ہم سے بیزار

سارے آفاق کی گھنگھور گھٹا ہم پر ہے — بارش قہر ہے اسلام کا تنہا سر ہے
کفر کا آج نہ پوچھو بخدا برتر ہے — اب خدائی کی لگا کہنے بت بے پر ہے

ہائے اب کوکب اقبال پہ ظلمت چھائی — باغ اسلام پہ کیا آج مصیبت آئی
جز ترے اور ہو مسلم کی کہاں شنوائی — دین اسلام کی کیا کیا نہ ہوئی رسوائی

موجب یاس ہے اسلام کی اب شادابی — کشتی دین کی اس بحر میں ہے غرقابی
تیرے بیمار کی ہے بڑھنے لگی بیتابی — اے طبیب قلبی خیر کہ تجھ خوابی

سوز غربت سے مسلماں ہیں حضور! — رحم فرمائیے ہم سخت ہی نالاں ہیں حضور!
اپنے کر توت سے ہم آپ پشیماں ہیں حضور! — ایک ادنا سی ہیں اس رے پر شاں میں حضور!

خاتم الانبیا

قرآن کہ کلام الٰہی اور حکم محکم ماننے والوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر صادق اور آپ کے فرمان کو حکم ناطق جاننے والوں کے پاس تو آنحضرت کا خاتم النبیین ہونا بوجہ اتم ثابت ہوگا اور بالضرور ہونا بھی چاہئے۔ اگر ان حضرات میں سے بھی کسی کو یقین کامل حاصل نہیں تو قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ (ماکان محمدٌ ابا احدٍ من الرجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ترجمہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کی باپ نہیں ہیں وہ تو اللہ کے رسول ہیں (اور خطوں کی مہر کی طرح (سب) پیغمبروں کے آخر میں ہیں) اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی یہ حدیث شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ختم بی الرسالۃ یعنے رسالت مجھ پر تمام ہوگئی۔ اور ترمذی شریف کی یہ روایت کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہوگا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر برہان قاطع و دلیل ساطع ہے۔ اور اگر آیۂ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ سورۂ مائدہ پارہ ۶ (ترجمہ اب ہم نے تمہارے دین کو پورا کر دیا اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے (اسی دین اسلام کو پسند فرمایا) کے جامع مضمون پر غور کیا جائے تو کہئے الفاظ میں ختم نبوت کا ثبوت مل سکتا ہے کہ جب دین کی تکمیل اور تمام نعمتوں کا اتمام ہو چکا اور اسلام حکیم مطلق کا پسندیدہ مذہب ٹھیرا تو اب نہ کسی جدید مذہب کی ضرورت باقی رہی۔ نہ صاحب مذہب کا موجود ہونا ضرور ہوا۔ بلکہ دین اسلام دین مکمل و خاتم ادیان ٹھیرا اور بانی اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کامل ترین پیغمبر اور دینی آخر الزماں ثابت ہو چکے۔

اس کے بعد ہمارے مخاطب وہ صاحبین ہیں۔ جو قرآن پاک کو خدا تعالیٰ کا کلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر آخر الزماں نہیں مانتے ہیں یا وہ حضرات جو قرآن پر ایقان اور

آنحضرتؐ پر ایمان ہونے کے باوجود بھی ختم نبوت ہونیکے قائل نہیں ہیں۔ پہلے ہم دلائل نقلیہ سے ثابت کرینگے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور اس کا ثبوت دیگر مذاہب کی آسمانی کتابوں اور پیشواؤں کے اقوال سے ثابت ہے (کاش تمام آسمانی کتابیں ابتدائے نزول سے آج تک ہمارے قرآن پاک کے مانند تلف و مفقود ہونے سے محفوظ اور تحریف و تبدیل سے مصئون رہتیں کہ ہم کو اس سے کہیں زیادہ صحت کے ساتھ ثبوت مل سکتا اور صریح طور پر ہمیں اپنے دعوے کے واضح دلائل ملجاتے۔ تاہم بھی خدا تعالیٰ کا فضل اور اسلام کی حقانیت کی یہ بھی نشانی ہے کہ تحریف شدہ کتب سے بھی ہماری غرض ایک حد تک اچھی طرح پوری ہوسکتی ہے۔

دلائل نقلیہ

دلیل (۱) توریت کتاب استثنا باب ۱۸ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ میں اُن کیلئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھسا ایک نبی برپا کرونگا اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لیکے کہے گا۔ نہ سُنے گا تو میں اُس کا حساب اُس سے لونگا لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات کہے میرے نام سے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔ یہ بشارت نہ صرف آنحضرتؐ کی تشریف آوری کی بشارت ہے بلکہ یہ آپکے خاتم النبیین ہونے پر صریح طور پر دال ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل تھے۔ اور بنی اسمٰعیل میں آنحضرتؐ کے سوا کوئی اور پیغمبر نہیں ہوا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر اُمور میں مثلاً استقلال شریعت و حکم جہاد و صاحب حکومت ہونے میں موسیٰ کے مثل تھے۔ (سوا ان باتوں کے قریباً چالیس کمالات ذاتیہ میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے مانند تھے۔ بلکہ سوائے آپ کے کوئی نبی حضرت موسیٰ سے مشابہت تامہ نہیں رکھتا۔) اور بنی اسرائیل میں ایک پیغمبر بھی موسیٰ کے جیسا نہیں ہوا دیکھو توریت کتاب استثنا باب ۳۴ پھر قائم نہ ہوا کوئی نبی بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند جس نے پہچانا (ہو) اللہ کو دو بدو" اور تو اور خود حضرت عیسیٰ بھی مستقل صاحب شریعت نہ تھے (دیکھو انجیل متی باب ۵) علاوہ اس کے کلام مجید کا آنحضرتؐ پر نازل ہونا اور آپ کا باوجود ہزاروں

جانی دشمنوں کی موجودگی کے اعلیٰ درجہ کی سلامتی کے ساتھ اپنی عمر شریف کی تکمیل کے بعد وفات فرمانا اور جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے والا مسیلمہ کذاب کا حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں قتل ہونا۔ آنحضرتؐ کی نبوت کی صداقت کا قطعی فیصلہ ہے اور نیز آپکے خاتم النبیین ہونے پر کافی دلیل کہ اگر آپکے سوا کوئی اور زیادہ شاندار پیغمبر آنیوالا ہوتا تو خدائے حکیم و علیم کو کیا ضرورت تھی کہ اعلیٰ ترین فرد پیغمبر کے ذکر کے عوض آپ کا ذکر مبارک کرتا اور اگر آپکے ہم پلہ پیغمبر کی بھی پیدائش ممکن ہوتی تو خدائے پاک ترجیح بلا مرجح نہ کرتا اور توریت میں آپکے ذکر کے ساتھ ساتھ آپکے ہمسر نبی کا تذکرہ بھی ضرور فرما دیتا۔ مگر چونکہ آپ ہی سب سے اکمل و افضل تھے اس لئے موسیٰ کو آپکے آنے کی خوشخبری دیدی اور کسی دوسرے نبی کا ذکر نہ فرمایا لہٰذا آپ افضل الانبیا ہیں اور خاتم پیغمبراں۔

دلیل (۲) حضرت داؤد علیہ السلام ایک آنے والے نبی کا ذکر و مدح اس طرح فرماتے ہیں۔ (زبور باب ۴۵) تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے تیرے ہونٹوں میں لطف ڈالا گیا ہے۔ اس لئے خدا نے تجھکو ابد تک مبارک کیا اے پہلوان اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگی ہے حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا۔ اور اپنی بزرگواری سے سوار ہو اور شجاعت و ملائمت اور صداقت کیواسطے اقبال مندی سے آگے بڑھ ..... تیرا تخت اے خدا ابد الآباد ہے تو صداقت کا دوست شرارت کا دشمن ہے پھر آگے چلکر فرماتے ہیں میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤنگا۔ پس سارے لوگ ابد الآباد تیری ستائش کرینگے۔ انتہیٰ۔ انصاف پسند صاحبین غور کریں کہ حضرت داؤد کے بعد ان اوصاف سے متصف سوائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا نبی ہرگز نہیں ہوا۔ آنحضرتؐ ہی ہیں یہ اوصاف کماحقہ پائے جاتے ہیں آنحضرتؐ کا سب سے زیادہ حسین ہونا تاریخ سے ثابت احادیث صحیحہ سے محقق۔ آپکے شیدائی صحابی حضرت حسانؓ آپکی شان حسن کو یوں ظاہر فرماتے ہیں ؎

واحسن منك لم ترقط عيني واجمل منك لم تلد النساءُ

علیٰ ہذا حضور انور کا شیریں گفتار صادق القول فصیح الفصحا۔ ابلغ الفصحاء۔ اشجع الناس۔ حلیم الطبع خلق مجسم ہونا قطعاً ثابت اور آپکا صداقت کو پھیلانا اور شر و فساد کو دنیا سے مٹانا کسی دلیل کا محتاج نہیں عیاں راچہ بیاں۔ جب ہر طرح آپ اس بشارت کے

مصداق ہو چکے تو کتاب زبور اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قول سے آپکا ابد تک مبارک و مسعود رہنا اور آپکے تخت (یعنے نبوت و رسالت) کا ابدالآباد تک قائم رہنا یقینی ٹھیرا اسلئے کہ الہامی زبان میں خداوند سے خدا کا نبی مراد ہوتی ہے جیسا کہ زبور (۸۲) میں ہے خدا کی جماعت میں خدا کھڑا ہے) خلاصہ یہ کہ آپکی نبوت اور روحانی حکومت ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے اور آپ ہی کا ذکر خیر تا ابد جاری رہے گا۔ پس آپ خاتم النبیین سید المرسلین ہیں۔۱۲

دلیل (۳) حضرت سلیمان علیہ السلام آپکی یوں مدح سرائی فرماتے ہیں (زبور غزل الغزلات باب ۵)
میرا محبوب نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے ..... پھر اس پیارے محبوب کے سر مبارک۔ زلف مشکیں۔ رخ روشن اور قد رعنا کی تعریف کرنیکے بعد یوں فرماتے ہیں کہ اُس کا گلا نہایت شیریں اور وہ بالکل محمدؐ یعنے تعریف کیا گیا ہے یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب اے بیٹیو یروشلم کی۔ دیکھو صاف طور پر نام نامی کا اظہار اور خاص محبت کا اقرار ہے اور جو اوصاف حضرت سلیمانؑ نے بیان فرمائے ہیں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی میں نہیں پائے گئے آپ کا حسین و جمیل گندم گوں وغیرہ وغیرہ ہونا متواتر احادیث کے علاوہ غیر مذہب والے مورخین کے اقوال سے بھی ثابت جو ظاہر کرتے ہیں کہ اس شمائل کے مصداق آپ ہی ہیں ایڈورڈ گبن صاحب مشہور مورخ عیسائی لکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ حسن میں شہرۂ آفاق تھے ازمؤید الاسلام ۱۵ اسی طرح بہتیرے اقوال ہیں جو بخوف طوالت قلمبند نہیں کئے گئے۔ پھر اگر آنحضرتؐ خاتم النبیین و سرتاج الانبیا نہ ہوتے تو حضرت سلیمانؑ کبھی آپکو سردار اور اپنا دوست و محبوب نہ فرماتے کہ جبتک کوئی خاص وصف کسی میں نہ ہو اُس وقت تک مدح سرائی نہیں کیجاتی اگر کوئی دوسرا نبی آپ سے بہتر آنے والا ہوتا تو سلیمانؑ اُسی نبی کا ذکر کرتے اور اُسی کی محبت کا دم بھرتے۔

دلیل (۴) حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں (انجیل متی باب ۱۴)
تو پھر کرو آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی اور انجیل یوحنا باب ۱۴-۱۵-۱۶ اگر تم مجھے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں کو حفظ کرو اور میں اپنے باپ سے درخواست کرونگا اور وہ تمھیں دوسرا تسلی دینے والا (فارقلیط) دیگا جو ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے اور چند آیات کے بعد اسی کے متصل یہ فرماتے ہیں لیکن وہ فارقلیط یعنے روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمھیں سب چیزیں سکھلائے گا اور سب باتیں جو میں نے کہی ہیں تمھیں یاد

دلائیگا اب میں نے تم کو اُس کے آنے سے پہلے خبر کر دی تا کہ جب وہ آوے تب تم اُس پر ایمان لاؤ بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کرونگا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں ہے۔۔۔۔ لیکن جب وہ فارقلیط آئیگا تو تمھیں راہ حق بتلائیگا کس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا بلکہ جو سُنے گا سو کہے گا اور تمھیں آیندہ کی خبر دے گا۔ انتہیٰ۔

بتاؤ کہ آپکی نبوت و بادشاہت آسمانی تھی کہ نہ تھی انتہائے بیکسی و بے بسی کے باوجود آپکی بادشاہت قائم ہونا اور آپکی نبوت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل جانا اور روز افزوں ترقی پاتے رہنا جو مسلّمہ اُمور سے ہے آسمانی بادشاہت نہیں تو اور کیا ہے۔ اصل انجیل میں بجائے فارقلیط کے خاص نام احمدؐ کے ساتھ بشارت مذکور تھی (چنانچہ خود پادری ہکسٹ صاحب کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت محمدؐ ہیں) مگر جب یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تھا تو احمدؐ کا ترجمہ پیرکلوطوس (جس کے معنی احمدؐ ہیں) کر دیا پھر جب یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا تو اس کا معرب فارقلیط بنا لیا چنانچہ ایک پادری صاحب ایک رسالہ (مطبوعہ کلکتہ) میں جو لفظ فارقلیط کی تحقیق میں انھوں نے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ لفظ فارقلیط یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے الخ اس کے علاوہ مسٹر جان ڈیون پورٹ تحریر فرماتے ہیں "مجھے اس میں شک نہیں کہ اُس شئے سے جس کے آنے کی خبر اپنے بھائیوں میں سے موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دی ہے اور فارقلیط جس کی خبر عیسیٰ مسیح نے انجیل یوحنا میں دی ہے۔ محمد صاحب مراد ہیں۔ غرض خواہ فارقلیط کے معنی احمدؐ و محمدؐ کے ہوں یا سفارش کرنے والے اور وکیل کے یا تسلی دینے والے کے بہر کیف سوائے آنحضرتؐ کے اور کوئی فارقلیط کا مصداق نہیں۔ بتاؤ۔ حضرت مسیح کے بعد دوسرا تسلی دینے والا یا وکیل و شفیع اور معین یا احمدؐ و محمدؐ دنیا میں کون آیا ہے بیشک دین حق کی مضطرب لوں کی تمام روحوں کی۔ تسلی آپ ہی کے ذات والاصفات سے ہوئی اور آپ ہی نے شفیع و معین اور وکیل کا لقب حاصل فرمایا آپ ہی احمدؐ و محمدؐ کے مبارک ناموں سے موسوم ہوئے۔ آپ ہی نے عیسیٰ کی کہی ہوئی باتوں کو یاد دلایا اور بیشک آپ کے اوصاف و خصوصیات حضرت عیسیٰ میں نہ تھے۔ آپ ہی کی شان یہ تھی کہ ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ (ترجمہ وہ

اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کہتا بلکہ جو اُس پر وحی ہوتا ہے وہی کہتا ہے) اور آپ ہی نے سیکڑوں پیشین گوئیاں کیں جو سب سچی نکلیں۔ ۱۲

غرض جب فارقلیط سے آنحضرتؐ ہی کا مراد ہونا ثابت ہو چکا اور اس بشارت کے بالکل مصداق حضور ہی ہوئے تو حضرت عیسیٰؑ کے قول سے حضور انور کی نبوت کا ابدی و دائمی ہونا اور آپکا ہر ایک چیز کی تعلیم یعنے نبوت کی تکمیل فرمانا اور راہ حق کیطرف راہنمائی کرنا اور آپکا جہان کا سردار ہونا (کہ نبی اپنی امت کا سردار ہوتا ہے) قطعاً محقق ہو گیا۔ پس جب آپکی نبوت ابدی اور آپ مکمل نبی اور رہبر راہ حق اور سردار جہاں ٹھہرے تو آپکو خاتم النبیین سید المرسلین۔ پیغمبر صادق کیوں نہ کہا جائے اور آپ پر ایمان لانے سے کیوں دریغ کیا جائے ۱۲۔

دلیل (۵) (یسعیاہ باب ۵۲) دیکھو میرا بندہ اقبال مند ہوگا وہ بالا اور سرفراز ہوگا اور نہایت بلند ہوگا۔ اس بشارت میں بندہ اور سرفراز کے پیارے الفاظ قابل غور ہیں اور صاف طور سے کہہ رہے ہیں کہ اس سے مراد آنحضرتؐ ہی ہیں۔ پڑھو اشهد ان محمدا عبده ورسوله تو معلوم ہوگا کہ اسی عبدہٗ و محمدؐ کا ترجمہ بندہ اور سرفراز ہے پس اس بشارت میں آنحضرتؐ کے صریح نام (یعنے سرفراز کہ محمدؐ کے بالکل ہم معنی ہے) کے ساتھ آپکی اقبال مندی و برتری اعلیٰ درجہ کی رفعت کی بشارت ہے اگر آپ خاتم النبیین و سید المرسلینؐ نہ ہوتے تو آپکو صاحب اقبال بالا و برتر اور نہایت ہی بلند نہ کہا جاتا ۱۲

دلیل (۶) (توریت کتاب استثناء ۳۳ باب ۲۔) خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا اور فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ وہ آیا۔ اور اُس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کیلئے تھی ۱۲

طور سینا پر حضرت موسیٰ کو توریت اور کوہ شعیر پر حضرت عیسیٰ کو انجیل خدا کیطرف سے ملی اور کوہ فاران بالاتفاق مکہ معظمہ سے مراد ہے کیونکہ فاران مکہ معظمہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے کہ وہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی میں عبادت کیا کرتے تھے اور وہیں حضرتؐ پر قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تھا پس کوہ فاران سے خدا کے جلوہ گر ہونے سے قرآنؐ اتارنا مراد ہے۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فتح مکہ کے دن

آنحضرتؐ کی تشریف آوری اور مجرموں اور ستمگار مشرکوں کو بذریعۂ شمشیر سزا دہی تبلا رہی ہے کہ اس بشارت کے مصداق ہمارے حضور ہی ہیں۔ پس طرز بیان اور ترتیب آیت توریت سے (کہ پہلے موسیٰؑ کا پھر عیسیٰؑ کا بعدہٗ آپکا ذکر کیا گیا ہے) خود ظاہر ہو گیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں آپکے بعد کوئی اور نبی نہ ہوگا۔

دلیل (۷) (انجیل متی باب ۲۱ ع ۴۲) یسوع نے انھیں کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیروں نے نا پسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا یہ خداوند کی طرف سے ہے ہماری تمھاری نظروں میں عجیب اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ بادشاہت تم سے لیجائیگی اور ایک قوم کو جو اس کا میوہ لاوے دیجائیگی جو اس پتھر پر گریگا چُورا ہو جائیگا پر جس پر وہ پتھر گریگا پیس ڈالیگا۔۱۲ انتہیٰ۔ قوم عرب کی بے علمی و بے ہنری کے سبب یہود و نصاریٰ کے پاس ناپسند رہنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیوی مال و اسباب نہ رکھنے اور بادشاہوں کی اولاد میں نہ ہونے اور یتیمی وغیرہ کے باعث ہر ایک کے نزدیک گویا ناپسند پتھر کے مانند ہونا اور آپکا تمام جہان کے رسول ہونیکو سب کا امر عجیب سمجھنا اور جنگ بدر میں حملہ آور قریش مکہ کو آنحضرتؐ کا چور چور کر دینا اور خود آنحضرت کے لئے جس پر چڑھائی کرنیکا اتفاق ہوا اُسے آپکا چور اکر ڈالنا (چنانچہ فتح مکہ میں اہل مکہ کا اور اس سے پہلے اہل خیبر وغیرہ کا جو حال ہوا ظاہر ہے اور آپکے بعد صحابہ کا ایران و روم وغیرہ پر حملہ آور فتح یاب ہونا ثابت ہے) ظاہر طور پر تبلا رہا ہے کہ اس بشارت میں قوم سے مراد عرب اور پتھر سے مراد ذات آنحضرتؐ ہے چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث سے اسکی اور وضاحت ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور پہلے انبیاء علیہم السلام کی ایک ایسے محل کی مثال ہے کہ تمام محل خوب بنا لیکن اس میں ایک اینٹ کی کمی تھی سو وہ اینٹ میں ہوں پس مجھی پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا گیا۔۱۲

جب آنحضرتؐ کا اس بشارت کے مصداق ہونا ثابت ہو چکا تو بشارت مذکور میں یہ مضمون کہ وہی (پتھر) کونے کا سرا ہوا صاف طور سے تبلا رہا ہے کہ آپ نبوت کے محل کو ختم کرنے والے اور سب نبیوں کے آخر پیغمبر ہیں۔ لہذا آپکا نام خاتم النبیین بالکل صحیح اور بجا ہے۔

دلیل (۸) مذہب آتش پرست کے بانی حکیم زرتشت کے خلیفہ اعظم حکیم جاپاسپ (جس نے از روئے حساب نجوم قیامت تک کے ہونے والے اہم واقعات کو قلمبند کیا) کی کتاب جاماسپ نامہ سے ہم چند فقرے یہاں درج کرتے ہیں جس سے آنحضرتؐ کے بے نظیر پیغمبر ہونیکا ثبوت ملیگا "اولاد ہاشم میں ایک مرد بزرگ پیدا ہوگا جو قد میں میانہ ہے اور رنگ میں کالا نہ گورا (یعنے سانولا) خوبصورت خوش کلام۔ سحر بیان دعوی نبوت کرے گا۔ تلوار اُس کی برہان ہوگی۔ اس کا مذہب سب لاتوں و لاتیوں میں جائیگا۔ اسکی اولاد نرینہ زندہ نرہے گی البتہ لڑکی سے نام چلیگا۔ اس کا دین دن بدن ترقی کریگا پھیلے اکثر بادشاہوں کی حکومتیں اسکے زیر نگیں آجائیگی۔ تاج کی جگہ سر پہ عمامہ رکھے گا اگر اسکی ہر ایک بات بیان کروں تو کلام بڑھ جائے۔ تاہم یہ کہنا ضروری ہے ہمارے زمانہ کے رسموں کا وہ نشان تک نہ چھوڑیگا آتشکدے اسکے حکم سے مسمار کردئے جائینگے (غرض) جو کچھ وہ کریگا کسی نے نہ کیا ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ یہ سب علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پائے گئے اور یہ بیان کہ اس کا دین دن بدن ترقی کریگا (اور وہ بنی) جو کچھ کریگا کسی نے نہ کیا ہوگا۔ دوسرے ادیان سے آپکے دین کی اور سب نبیوں سے آپکی افضلیت کو ثابت کر رہا ہے نیز یہ کہ آپ خاتم النبیینؐ ہیں کیونکہ اگر آپکے بعد بھی کوئی اور پیغمبر آنیوالا ہوتا یا حضرت عیسیٰؑ و موسیٰؑ خاتم پیغمبراں ہوتے تو ان کا ذکر بھی اس آبِ تاب و رشان و شوکت کیساتھ کیا جاتا جب کسی میں ایسے نایاب اوصاف کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا ثابت ہے کہ آپ خاتم و سردار پیغمبراں ہیں۔ اب ہم اپنے مدعا کے ثبوت میں چند اصحاب ہنود کے اقوال درج کرتے ہیں۔

دلیل (۹) مضمون از لالہ بشن داس صاحب۔ حضرت محمد صاحب لیوں کے ولی پیرو نکے پیر آسمان نبوت کے سورج ہادیان مذاہب کے سرتاج اور رہنمایان دین کے رہبر تھے قریباً سارا یورپ۔ کل امریکہ اور آسٹریلیا حضرت عیسیٰؑ کا پیرو کار ہے چین جاپان سیام اور چینی تاتار مہاتما بدھ کا دم بھرتا ہے مگر جس عزت و توقیر اور تعظیم و تکریم صدق و ارادت اور پریم پریتھی کے ساتھ خاتم الانبیا محمد صاحب کا نام لیا جاتا ہے کسی دیگر پیر پیغمبر ولی۔ گرو۔ رشی اور نبی کا ہرگز نہیں لیا جاتا۔ یہ ساری باتیں اس امر کا یقینی ثبوت ہیں کہ حضرت محمد صاحب غیر معمولی طاقت والے غیر معمولی انسان تھے اور نوع انسان کی اصلاح کے لئے خدا کے فرستادہ تھے۔

دلیل (۱۰) اور بابو شیو برت لال صاحب من یم۔ اے کا قول ہے۔ محمدؐ نے اپنی

زندگی میں اور وہ بھی صرف دس بارہ برس کے زمانہ میں عرب کی حالت تبدیل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی اور کچھ کا کچھ ہوگئے یہ زبردست قوت ارادی یہ آہنی استقلال یہ کارخدا میں جاں نثاری کہاں دیکھنے میں آتی ہے تواریخ میں مثالیں تلاش کرو مشکل سے اس قسم کی دوسری نظیر نظر آئیگی کیونکہ محمدؐ اپنی آپ مثال تھے۔ لیجئے فالفضل ماشھدت بہ الاعداء۔ غیر مذہب والے بھی آنحضرتؐ کو ہر مذہب کے پیشوا سے اعلیٰ و افضل اور خاتم النبیین مانتے ہیں اب ہم یہ ثابت کرینگے کہ از روئے عقل بھی ہمارے سردار سیدنا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم النبیین ہیں۔

دلائل عقلیہ

دلیل (اول) فن اخلاق میں یہ ثابت ہے کہ فضائل چار(۴) ہیں حکمت عفت شجاعت عدالت۔ اور ہر فضیلت کے لئے ایک حد معین ہے اور اس حد سے تجاوز کرنا خواہ افراط کیطرف ہو یا تفریط کے جانب رذیلت کہلاتا ہے۔ پس فضائل بمنزلۂ اوساط کے ہیں اور رذائل بمنزلۂ اطراف کے جس طرح مرکز اور دائرہ۔ کہ مرکز وسط میں ایک ہی نقطہ ہوا کرتا ہے اسی طرح علم ہندسہ میں ثابت ہے کہ دو نقطوں کو ملانے والے خطوط میں سب سے چھوٹا خط۔ خط مستقیم ہوا کرتا ہے (جو باعتبار اور خطوط کے وسطی خط ہوتا ہے) اسیطرح اطبا کے پاس جس شخص کا مزاج اعتدال حقیقی کیطرف قریب تر ہوگا وہ صحت میں کامل پایا جائیگا غرض ان تمام امور سے ثابت ہوا کہ اصل فضیلت و خوبی اور نزدیک سے نزدیک کا راستہ۔ اور صحت و تندرستی کی اصلیت۔ اعتدال کا پایا جانا اور افراط و تفریط سے خالی ہونا ہے پس مذاہب میں بھی جو مذہب اعتدالی حالت پر ہو اور افراط و تفریط سے مبرا پایا جائے وہ افضل المذاہب اور اُس مذہب کا بانی تمام بانیان مذاہب سے افضل بالضرور ہوگا۔ چونکہ اصل فضیلت اصل صحت اعتدال کا پایا جانا ہے اور وسط کا راستہ ہی نزدیک سے نزدیک کا ہوا کرتا ہے تو یہ معتدل اور متوسط مذہب ہر قسم کے خوبیاں پیدا کرنے اور تمام روحانی بیماریوں کے شفا دینے اور سالک کو منزل مقصود تک جلد سے جلد پہنچانیکے اعتبار سے اس قابل یقیناً ہوگا کہ وہ مذہب خاتم المذاہب اور بانی مذہب خاتم النبیین ہو آئیے ذرا دیگر مذاہب سے اسلام کا مقابلہ کرو تو معلوم ہو جائیگا افراط و تفریط سے پاک صاف اعتدال والا مذہب یہی ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں (بلحاظ اُنکی امت کے

سخت امر جہ کے) احکام میں بہت ہی سختی ملحوظ تھی مثلاً قتل نفس بنا بر توبہ۔ قطع اعضائے خاطیہ۔ قطع موضع نجاست۔ عدم جواز نماز غیر مسجد میں چربی اور رگیں گوشت کی حرام ہونا۔ اور چوتھائی مال زکوٰۃ دینا۔ عفو قصاص کا حرام ہونا۔ اور پچاس نمازوں کا فرض ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت عیسیٰؑ کے احکام میں سراسر نرمی کا ظہور تھا اور ان کے پیروؤں نے تو اور بھی آسانی کر دی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں زانی اور تفراق کو مطلق سزا نہیں۔ تلافی تو بکطرف انصاف سے کام لینے کی بھی ممانعت چنانچہ انجیل میں ہے کہ اگر تیرا بھائی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اُسکی طرف پھیر دے اگر کوئی تیری عبا اُتارے تو اُس کو کُرتا بھی اُتار دے اگر کوئی گاہی دے تو تو اُسکے لئے دعا مانگ پولوس مقدس کا یہ قول درج انجیل بھی ہے کہ پاکوں کے لئے سب کچھ پاک ہے پر ناپاکوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں (اور یہ بھی کہ حضرت مسیح اپنی امت کے گناہوں کا کفارہ ہوئے صلیب پر چڑھے) عیسائیوں میں طلاق کے متعلق اس قدر سختی کہ زنا کے سوا کسی حالت میں طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔ یہودیوں کے ہاں بات بات پر طلاق جائز بعض مذاہب میں حیوانات کو غذا نہ بنانے اور ان کا گوشت نہ کھانے کے لئے اس قدر سختی سے احکام صادر کہ کسی جانور کو ذرا سی بھی زحمت و تکلیف نہ دیجائے حتیٰ کہ موذی سے موذی جانور کے ساتھ بھی انتہائے رحم و کرم کی تاکید چنانچہ سانپ جیسے قاتل جاندار کو دودھ پلانا باعث اجر اس کے برخلاف بعض مذہب میں ایسی تعمیم اور جانوروں کے متعلق وہ احکام کہ حلال و حرام تو درکنار کیا بلحاظ غلظت و کیا باعتبار بیحیائی معدن خرابی و پلیدی ہونیکے باوجود خنزیر یعنی کا گوشت تک جائز اسلام کے اصول پر غور کرو (زشتی و نرمی بہم دربہ است) کے مصداق جن جانوروں کا گوشت مخرب اخلاق وغیرہ تھا وہ حرام بعضے دیگر حلال گردانے گئے اسی طرح عورتوں کے متعلق کسی فرقہ کا یہ خیال کہ مرد و عورت مساوی اور ہر معاملہ میں خواہ کیسے ہی پایہ کا ہو یہ مردوں کے ساتھ عدیل و سہیم ہیں کسی کے پاس ان کی وہ کس مپرسی کی حالت کہ زندگی تو جیسی کچھ مجبوری کیساتھ بسر کرنا ان کا فریضہ ہے۔ انتہائے غلامی یہ کہ ہر ولی بی شوہر کے انتقال کے ساتھ اپنے بھی تمام خواہشات و تمناؤں کا خون کرنے پر مجبور کیجاتی ہے اور اس کے لئے یہ واجب۔ گردانا جاتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ زندہ درگور نہیں نہیں زندہ درآتش ہو جائے اور جل بھنکر اپنے آرزؤں کو نہ صرف آرزؤں کو بلکہ زندگی کو بھی خاک کر دے۔ اگر عقلاً مذموم سمجھکر یہ

طریقہ ترک بھی کر دیا جائے تو یہ حکم ضرور قائم رہے کہ مرد کے انتقال کے بعد عورت کسی مصرف کی نہ رہے بلکہ اُس کو ہر حیثیت سے اس قدر ذلیل و ناکارہ رکھا جائے کہ اس میں اور بڑے سے بڑے مجرم غلام میں کوئی فرق نہ پایا جاسکے۔ اسلام ہی وہ اعتدال والا برحق مذہب ہے جس نے ایک طرف تو الرجال قوامون علی النساء کہکر عورتوں کے نقصان عقل کو بڑھنے سے روک رکھا اور ان کے حد اعتدال پر قائم رہنے کا ذریعہ پیدا کر دیا اور دوسرے طرف (وعاشروھن بالمعروف) کے خطاب سے عورتوں کو ہر قسم کے ظلم و ستم سے مامون بنا دیا۔ اور خاوند کے انتقال کے بعد ایام عدت گزارنے کے بعد عام آزادی دیدی کہ عقد ثانی جس سے چاہے کرلے۔ تمام دنیا کے کسی مذہب کو لو اور اُس کے احکام کا مطالعہ کرو تو ضرور تمھیں یا افراط کا پتہ چلیگا۔ یا تفریط کا۔ سوائے مذہب اسلام کے کہ ہر طرح کی کمی زیادتی سے مبرا اور اعتدالی و وسطی کیفیت سے ممتاز ہے پس اعلیٰ درجہ کی حکمت اور دانائی فضیلت والا اور بندہ کو خدا تک نزدیک سے نزدیک کے راستہ سے پہنچانے والا مذہب اگر ہے تو یہی متوسط و معتدل مذہب اسلام ہے۔ لہذا اس کے ہوتے کسی دوسرے مذہب کی ضرورت باقی نہ رہی اس لئے مذہب اسلام خاتم المذاہب ہے اور اس مذہب کے بانی جس کا مبارک نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے خاتم النبیین ہیں۔

دلیل (دوم) اس سے تو کسی کو انکار نہ ہوگا کہ مذہب ایک فطرتی چیز ہے کسی انسان کو مذہب کے بغیر گزر نہیں۔ قدیم زمانہ سے تمام انسانی گروہوں میں خواہ وہ وحشی و جاہل ہوں یا مہذب اور شائستہ کوئی نہ کوئی مذہب ضرور شائع و ذائع ہے اگرچہ لفظ مذہب کے معنی کا حقیقی مصداق بہت کم انسانوں نے سمجھا ہے۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ بہتر سے بہتر مذہب کس کو کہنا چاہئے اور کامل و مکمل مذہب کی کیا تعریف ہے۔ آج جبکہ علوم و فنون کا آفتاب نصف النہار پر ہے اور تمدن و شائستگی زمانہ میں پھیل چکی ہے اور قوانین قدرت اور نوامیس فطرت کے سراغ لگائے جارہے ہیں فطرت کے ان تمام مرحلوں کے طے کرنیکے بعد علمائے یورپ نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس عالم کے لئے ایک خالق ہے جو حکمت اور قدرت والا ہے اور تمام صفات کمال کے ساتھ متصف اور ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے منزہ اور مقدس ہے اُس نے عالم کو ایک خاص نظام کے مطابق پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد علمائے یورپ نے نظام عالم کا و نوامیس فطرت کا استقراء کر کے یہ رائے قائم کی

کہ خالق عالم کسی چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا بلکہ اُس کی ذات مخلوقات سے مستغنی ہے پھر علمائے یورپ کا قول ہے چونکہ خدا کے افعال عبث اور متناقص ہونیکے عیب سے منزہ ہیں" اس لئے وہ عبادت جو خدا کو مرغوب ہونی چاہئے وہ ان قوانین فطرت کے مطابق ہو جو کائنات پر مسلط ہیں اور ان رغبات و احساسات کے مناسب ہو جو انسان کی جبلت میں پیدا کئے گئے ہیں۔ "ان علمی بدیہات کی بنا پر علمائے یورپ کے ایک گروہ کثیر نے اپنا طبعی مذہب ایجاد کیا ہے۔ اس موضوع میں مشہور فلاسفر چارلس سیمون (Charles Semon) نے جو اس جدید مذہب کا سرگرم مبلغ و معاون ہے لکھا ہے کہ" ہم اس زندگی میں وہ فرض ادا کرتے ہیں جو خدا نے اپنی عنایت سے ہمارے لئے قرار دیا ہے اور جب ہماری زندگی ختم ہو جائیگی تو جزا و ثواب کا اُس کو اختیار ہے اُس کے بعد اُس نے ثواب و عقاب کے اسباب کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتا ہے کہ "جو چیز انسان کے لئے باعث ثواب ہو سکتی ہے وہ اپنی خاص قوتوں کی اطاعت اور نیک کام کرتا ہے انسان کا خاص قانون یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی حفاظت کرے اور اُن قوتوں کو ترقی دینے کی کوشش کرتا رہے جو اس میں ودیعت کیگئی ہے اپنے بھائیوں سے محبت اور اُنکی خدمت کرے خالق کے ساتھ محبت اور اُس کی عبادت کرے۔ بیشک فرائض کا ادا کرنا اور نیک کام عین عبادت ہے محبت و اخلاص عین نماز ہے (مخفی نہ رہے کہ اس جدید مذہب کے پیرو جسمانی عبادت کو ناپسند نہیں کرتے بشرطیکہ اُس عبادت میں اخلاقی یا روحانی فائدہ ملحوظ رہے اور اُسکی غرض غایت صرف دلوں کو زندہ اور پاک کرنا ہو) اپنے وطن کی اخلاص کے ساتھ خدمت کرنا خدا کی عبادت ہے یہ طبعی مذہب اور یہی طبعی عبادت ہے ہمارے مذہب کے تمام اصول بالکل واضح ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے اُس کے اصول یہ ہیں کہ ایسے خالق کے وجود کا اعتقاد رکھنا جو ہر چیز پر قادر ہے اور جس کو کوئی چیز متغیر نہیں کر سکتی اُس نے تمام عالم کو پیدا کیا ہے دنیوی زندگی کے بعد اُخروی زندگی ہوگی جس میں انسان کو اپنے نیکیوں اور بدیوں کا بدلہ ملیگا یہ ہمارا اعتقاد ہے اور ہماری غایت یہ ہے کہ ہمارا دل خدا کی محبت اور نیز انسان کی محبت سے لبریز ہو اور فرائض کے ادا کرنے میں ہمارا ارادہ مستحکم ہو اور بھلائی اور خیر کے کرنے میں ہم خدا کے تابع رہیں۔ یہ ہے وہ مذہب جو اعلیٰ ترین منازل علم طے ہونے اور عقل و کمال کے ایک حد تک بالغ ہونیکے بعد ایجاد ہوا ہے جس پر انیسویں صدی کے علما فخر کرتے ہیں غور کرو تو ثابت ہوگا کہ اس

مذہب کے تمام اصول جزئیات سے کلیات تک مذہب اسلام کے آفتاب کی ایک شعاع اور اس کے بحر انوار کا ایک قطرہ ہے اس مذہب میں وہ کون سے اصول ہے جو اسلام نے نہ بیان کیا ہو وہ کونسی نئی بات ہے جو اسلام اُس کے اظہار سے قاصر رہا ہو ہم قرآن مجید کے چند آیات کریمہ اور ایک دو احادیث یہاں درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ اسلامی اصول ان استقرائی اصول سے بدرجہا بہتر و برتر اور کامل و مکمل ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ علی کل شئ قدیر لیس کمثلہ شئ کل شئ ھالک الا وجھہ۔ افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین۔ ان اللہ لغنی عن العلمین۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (حدیث) التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ۔ وکل مومن اخوۃ۔

مندرجۂ بالا آیات و احادیث (جس سے اسلام کے صرف معدودے چند عقائد کی تشریح ہوتی ہے) سے ثابت ہو چکا کہ اسلام کے عقائد بالکل علم و عقل کے ساتھ مطابق اور قوانین فطرت کے ساتھ پوری طرح موافق ہیں۔ پس اُس کے ہوتے کسی دوسرے مذہب کی ضرورت نہیں۔ پس اسلام ہی لابدی مذہب ہونیکے قابل ہے اور بانی اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

دلیل (سوم) ہمیشہ جدید پیغمبر کی ضرورت اُسی وقت لاحق ہوتی ہے جبکہ سابقہ مذہب میں کسی قسم کا نقص اور غلط فہمی پیدا ہو یا پہلے سے زیادہ مسلمہ عقائد و ذرائع وصال ربانی یعنے عبادات و معاملات کے متعلق خدائی احکام دریافت طلب ہوں جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جیسے جیسے انسانی عقل درجہ کمال پر پہنچتے جائیگی ویسے ویسے اُسکو جدید مذہب کی ضرورت محسوس ہوتی جائیگی۔ کیونکہ پہلا مذہب جس عقل کے موافق ہوگا ترقی یافتہ عقل اُسکو منظور نہ کرے گی اور اصلاح کما حقہٗ حاصل نہ ہوگی۔ پس اگر ہر شئے کی ترقی کی ایک حد معین ہو جائے تو ایک ایک مذہب بھی معین ہو جائیگا جو انتہائے ترقی کے موافق اعلیٰ اعلیٰ اصول رکھنے والا ہوگا اگر بنظر امعان دیکھا جائے تو ثابت ہوگا کہ خود فطرت نے اشیاء کی تدریجی ترقی کی ایک حد معین کر دی ہے اور عالم ارتقا اور

اقوام کا سلسلہ جاری ہے مثلاً علم الحیات میں یہ تسلیم ہو چکا ہے کہ پروٹوپلزم (ماء الحیات) مدارج ارتقا طے کرتے کرتے مدت مدید میں آخر احسن التقویم کے مرتبہ پر پہنچکر خلعت انسانی سے سرفراز ہوا اور یہاں ارتقائے صوری کا سلسلہ ختم ہو گیا یہی حال مذاہب عالم کا ہے مثلاً اس پتھر یولوجی (علم الانسان) کی رو سے خدا کے وجود کا یقین نسل انسانی کے آغاز سے شروع ہوا ہے اور ہر زمانہ میں گوناگوں شکلوں میں ظاہر ہوتا رہا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ یقین نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے توحید کامل کی شکل میں جلوہ گر ہو کر مکمل ہو گیا۔ اب اس سے اوپر کوئی اور درجہ نہیں ہے کیونکہ آپ کی بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی جبکہ دنیا کی مذہبی اخلاقی اور تمدنی اضرورتیں بہت وسیع ہو چکی تھیں۔ لہٰذا آنحضرتؐ کو ایک ایسا مکمل قانون اور ایسی مضبوط شریعت دیگئی جو انسان کے تمام دنیاوی جسمانی روحانی اخلاقی اور قومی ضرورتوں کو کافی اور سب باتوں کو شامل ہو۔ غرضکہ اسلام کے جس اصول کو تعمق و انصاف کی نظر سے دیکھو گے اور دیگر مذاہب کے اصول سے اُس کا موازنہ کروگے تو الکمالت لکھودینکو کے معنی آئینہ ہو جائینگے اور سمجھ میں آجائیگا کہ اسلام ہی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی یافتہ عقل انسانی کے موافق مذہب ہے اور اس کمال کے ساتھ اُس کے اصول قائم کئے گئے ہیں کہ جس کے بعد کوئی اور جدید باتیں نہیں، ہی خود ایک مسیحی عالم فری ہیگین صاحب کا قول ہے کہ اسلام کے لئے پاکی پانی کی ضرورت ہے نہ تبرک۔ نہ بت۔ نہ تصویر۔ نہ سینٹ کی نہ خدا کی ماں تاکہ کو اُس میں دھتا لگایا جاتا ہے اور نہ ایسے مسائل اُس میں ہیں کہ جن پر عمل کرنا مشکل ہو اور ایمان معطل ہی رکھنا پڑے۔ انتہی۔ بہت سے دقیق اور ژولیدہ عیسائی عقائد کو نظر کر کے یہ ایک فلسفی عیسائی کا اسلام کے متعلق یہ قول اسلام کی اعلیٰ خوبی کی دلیل ہے ایسے اعلیٰ اور رفیع مذہب کے بانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر خاتم النبیین نہ کہا جائے تو سراسر غلطی ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

دلیل (چہارم) آنحضرتؐ کی بعثت کیوقت جو زمانہ کی ابتر حالت تھی اُس پر نظر ڈالو علی الخصوص عیسائیوں کی حالت پر غور کرو اور بتلاؤ کہ اخلاقی و روحانی خرابیوں میں سے کونسی خرابی اُس وقت موجود نہ تھی۔ فن اخلاق کے تمام رذائل عام تھے ہر قوم گمراہ توحید و خدا پرستی کا نام و نشان تک ندارد۔ سب کے عقائد باطل۔ افعال شرمناک

اخلاق سراسر ناپاک - بات بات پر خونریزی جانی دشمن برسوں جنگ و جدال - شقاوت - سنگدلی - بیحیائی - قزاقی - اولاد کشی - بیرحمی - ظلم و ستم - کفر و شرک - غرض جس برائی کا نام لو گے اُس کو اس زمانہ میں علی الخصوص قوم عرب میں موجود پاؤ گے جس مذہب نے ایسی اشد شقاوتوں خرابیوں رذیلتوں کفر و الحاد کو مٹایا ہو اور نہ صرف مٹایا ہو بلکہ رذائل کو فضائل سے شقاوت کو سعادت سے کفر و شرک کو توحید و عرفان سے - بدلایا ہو اور زمانہ میں ظلمت کے بجائے نور اور ظلم و ستم کے عوض عدل و انصاف پھیلایا ہو جس نے سرکش سے سرکش ہٹ دھرم ہوی سخت دل قوم عرب کو اعلیٰ درجہ کی شائستہ - مہذب و متمدن - پارسا نیکوکار رحمدل قابل تقلید ذی عقل - صاحب سلطنت قوم بنا دیا ہو کیا اس مذہب سے بہتر و برتر کوئی اور ہو سکتا ہے ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ اسلام میں یہ قوت ہے کہ ہر قسم کی خرابی کی خواہ وہ خرابی جسمانی ہو یا اخلاقی روحانی ہو یا تمدنی اچھی طرح بیخکنی کر سکتا ہے اور اُن خرابیوں کی بجائے خوبیاں پیدا کر دینا اُس کا کام ہے جس مذہب میں یہ قوت ہو ہر عقل سلیم یہ کہہ اُٹھے گی کہ وہ مذہب اعلیٰ سے اعلیٰ ہے اور اُس کے ہوتے کسی مذہب کی ضرورت نہیں اور اس مذہب کا بانی بے شک و شبہ خاتم النبیین ہے اور ضرور ہے -

دلیل (پنجم) تمام اقوام عالم (سوائے ایک پست خیال گروہ کے جس کی کل ایکیسٹیات مادی اور مادیات میں منحصر ہے) کسی نہ کسی ہادی اور پیغمبر کو واجب الاحترام سمجھتی ہیں اور ایک نہ ایک بانی شریعت کی حلقہ بگوش ہیں - اگر تمام مذاہب پر نظر ڈالی جائے تو قدر مشترک مذاہب ایک اعلیٰ و ارفع ذات کامل الصفات کا تخیل اور اُسکے ساتھ ارواح انسانی کا رابطہ قدیم ہے - ہادیان اُمم کا احترام بھی صرف اسی وجہ سے ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ وہ اس تخیل اور رابطہ کے پیدا کرنیکے من جانب اللہ وسائل ہوا کرتے ہیں - یہ امر واقعی ہے کہ اگر انسان اپنی ابتدائی حالت پر غور کرے اور پھر اس ترقی اور امتیاز پر نظر ڈالے جو اسے تمام کائنات میں حاصل ہے تو واضح ہو جائیگا کہ انسان صرف اس مادی جسم کا نام نہیں بلکہ اس مادی جسم کے علاوہ ایک ایسا جوہر مخفی ہے جس کی ماہیت اگرچہ ہم کو معلوم نہیں مگر اسکے آثار نہایت وضاحت کے ساتھ

اُس کے موجود ہونیکی شہادت دیرہے ہیں یہی جوہر انسانیت کا مصداق ہے اور اسی سے انسان کو دیگر حیوانات سے امتیاز حاصل ہے۔ مگر افراد انسانی جس طرح مدارج مادیات میں مختلف ہیں اُسی طرح مراتب روحانیت میں بھی متفاوت ہیں ان میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ افراد وہ ہیں جو اثرات مادیت کو تقریباً اپنے مجاہدات اور ریاضات سے فنا کرسکتے ہیں اور وہ کامل الخلقت بھی ہیں۔ جو نفوس ذکیہ اس قدر قوی الروحانیت ہیں وہی مسند آرائے رشد وہدایت وہی رمز شناس عالم فطرت مستاصل شقاوت موسس سعادت مہبط علوم رسالت حامل عقل نبوت ہوتے ہیں۔ ان میں سب کے سب مساوی الدرجہ نہیں ہوسکتے ہیں جو روحانیت کا فرد کامل و مکمل ہو اسی کو ہدایت کبریٰ حجت عظمیٰ آفتاب تکمیل سر تنزیل سید المرسلین خاتم النبیین کہنا چاہیئے۔ اب ہم عقلی معیار سے دیکھیں گے ان خطابات کے مستحق تمام مذاہب کے بانیوں میں سے کس مذہب کا بانی ہوسکتا ہے ہدایات عظمیٰ کے لئے امور ذیل عقلاً ضروری ہیں۔

(۱) عرفان اتم یعنے حقائق غیبیہ بغیر کسب واکتساب تعلیم وتعلم اتصال مبدء قدس کی وجہ سے حق الیقین کے طور پر اُس کے قلب پر ظاہر ہوں۔

(۲) انجذاب کامل۔ یعنے اس کی سیرت ملکی صفات الٰہیہ کا عکس اور اس کی صورت ظاہری جمال الٰہی کا آئینہ ہو اس کی روحانیت کبریٰ سے تمام سلیم اور سادہ روحیں جنسیت کیوجہ طبعی میلان رکھتی ہوں۔

(۳) نصرت غیبی جس سے یہ مقصود ہے کہ جنود الٰہیہ اس کے ہمرکاب ہوں اور وہ ایک بالاتر ہستی اور جلیل و جبار ذات پر بھروسہ کرکے تمام مادی طاقتوں سے بلکہ حقیقت شیطانی قوتوں اور ہر قسم کی رکاوٹوں کو نیست ونابود کرسکے۔

(۴) تکمیل شرائع جس کا منشا یہ ہے کہ تمام افراد انسانی کو وہ ایک ایسے جامع اور معتدل اُصول کیطرف رہبری کرسکے جو ادیان سلف کی ہدایات کا عطر اور جوہر ہو۔ اور ایسی نافع اور عام دوا تجویز کرے جو ابدالآباد کیواسطے کافی اور شافی ہو۔

(۵) زندۂ اعجاز جس سے مراد یہ ہے کہ وہ غیر سلیم الفطرۃ انسانوں کو مغلوب کرنیکے واسطے کوئی خرق العادت یادگار چھوڑ جائے جو اس کی نسبت میں بھی دشمنان حق کو ساکت کرے اور سلیم الطبع انسانوں کیواسطے ہمیشہ ہدایت ہو۔

(۶) خلافت الٰہی جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نظم و نسق کائنات کو اُس ربانی ضوابط پر قائم کرے جو حقانیت و صداقت کو تباہی سے بچائے۔

(۷) اعلیٰ قوت تکمیل۔ یہی وہ جوہر بالشان خصوصیت ہے۔ جو کمالات علم و عمل کا نمایاں نتیجہ ہے۔ کامل بننا آسان ہے۔ کامل بنانا دشوار۔ فرائض نبوت کو ادا کرنا سہل ہے لیکن اوروں کو کمالات نبوت سے آراستہ کرنا بہت مشکل۔ جب تمام شرائط سابقہ کسی اعلیٰ روحانیت میں جمع ہو جاتے ہیں اُس وقت۔ قوت تکمیل بدرجۂ اتم پیدا ہو سکتی ہے۔

جس بانی مذہب میں یہ اوصاف جامع طور پر پائے جائیں گے وہ یقیناً اعلیٰ و ارفع ہادی ہو گا۔ اب تمام دنیا کے بڑے بڑے مذاہب یہ ہیں یہود۔ مسیحی مسلم۔ ہنود۔ بودھ۔ مجوس۔ اگرچہ اور بھی چند مذاہب ہیں مگر اُنکی شان و عظمت اس درجہ پر نہیں ہے۔ لہٰذا ہم انھیں مذکور مذاہب کو مابہ البحث ٹھیراتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان مذاہب کے بانیوں میں سے کس مذہب کا بانی مکمل اور متذکرہ اوصاف سے متصف ہے ہنود کے پیشوائے اعظم سری کرشن جی مہاراج کی تعلیم میں عبدیت و معبودیت کا رشتہ اس قدر مستحکم نہیں ہو سکتا جس قدر خلق اللہ کو ضرورت ہے جب عبد اور معبود حقیقتہً ایک ہی ہوں اور تعینات محض وہم و خیال تو کون عبد کون معبود کیسی ترغیب کہاں کی ترہیب۔ بودھ مذہب کے بانی۔ بدھ دیو جی مہاراج کی تعلیم صرف گدایانہ اور جوگیانہ زندگی بسر کرنیکو کمال انسانیت قرار دیتی ہے جو دنیا کی بربادی اور درحقیقت آبادی کے ویرانی کا سبب ہے۔

مجوسیوں کے پیشوا جناب زرتشت خواہ کیسی ہی معرفت و کمال رکھنے والے ہوں مگر اہرمن اور یزداں کے باہمی جنگ کو ہرگز عقل مان نہیں سکتی اور آتشکدہ کی عظمت عقل و تمیز کی روشنی رکھنے والوں کے دل میں کبھی جاگزیں نہیں ہو سکتی۔ دیگر مذکورۂ اُمور میں یہ حضرات کوئی بلند پایہ نہیں رکھتے خصوصاً تکمیل شرائع اور زندہ اعجاز وغیرہ میں کہ یہ رہنما صاحبین عہد عتیق کے متبعین تھے اور زندہ اعجاز کے عوض صرف ان کے کراماتی افسانے باقی ہیں۔ یہود کے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کا علم و عرفان ایک حد تک بیشک کامل تھا مگر مکمل تعلیم ان کی بھی نہ تھی الوہیت کا یہ شیبی خاکہ کہ

وہ خداوند جو پانی پر حرکت کرے وہ خداوند جس کے واسطے بچھڑا ذبح کیا جائے وغیرہ وغیرہ کیونکر ایک فلسفی دماغ کا خدا ہو سکتا ہے۔ اگر عوام کی تفہیم کے لئے یہ تشبیہیں بیان کی گئی تھیں تو مکمل تعلیم ہونے کی حیثیت سے تنزیہی اشارات کا موجود ہونا بھی ضروری تھا یہی نقص بائبل کی طرح ویدوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مسیحی قوم کے نبی حضرت عیسیٰؑ اگر اپنی زبان سے باپ باپ نہ فرماتے اور الوہیت و بنوت کے مطلب کو صاف صاف ارشاد فرما دیتے تو توحید کے بجائے تثلیث کا تسلط نہ ہوتا اور آپکے متبعین آپکی تعلیم کا یہ اثر نہ لیتے کہ خود آپ ہی کو خدا کا بیٹا کہہ بیٹھیں۔ انجذاب کامل میں بھی یہ دونوں پیشوایان بنی اسرائیل کوئی بلند پایہ نہ رکھتے تھے۔ کہ حضرت موسیٰؑ فرعون و بنی اسرائیل پر پورا قابو نہ پا سکے حضرت مسیح یہود کو کیا جذب فرماتے کہ آپ کا خاص مصاحب (حواری) یہودا ہی کو اپنا دشمن بننے اور اپنے پر لعنت کرنے سے نہ روک سکے زندہ اعجاز بھی ان دونوں پیغمبروں نے نہ چھوڑا کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا جو لعبان مبین ظاہر ہوتا رہا انھیں کے ساتھ گیا اور حضرت عیسیٰؑ کا مُردوں کو جلانا آپکی تشریف فرمائی کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا۔ تکمیل شرائع بھی حضرت موسیٰؑ نے فرمائی نہ حضرت عیسیٰؑ نے کہ ان دونوں پیغمبروں کی رسالت عام نہ تھی بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے خاص تھی حضرت عیسیٰؑ تو کسی شریعت کے بانی ہی نہ تھے اور موسیٰؑ کی شریعت معتدل نہ تھی جو عام طبائع انسانی کے موافق مزاج ہوتی خلاصہ الٰہیہ کے لحاظ سے بھی یہ دونوں انبیاء علیہما السلام کسی جلیل حکومت پر فائض ہوئے ان مقدس حضرات کی قوت تکمیل کی یہ حالت کہ ہزاروں بنی اسرائیل میں سے صرف ایک دو ہی موسوی ہدایت پر کاربند نکلے اور حضرت مسیحؑ کے حوارئین میں سے بعض نے تو خود مسیحؑ ہی کو گرفتار کروا دیا آپ پر لعنت کی بعضوں نے یہود وغیرہ کے خوف سے روپوشی اختیار کی۔ اور حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھنے دیا وغیرہ وغیرہ۔

دنیا کے عظیم الشان مذاہب کے تمام رہنماؤں کے مختصر حالات اور اُن کی نمایاں خصوصیات بیان کر دئے گئے اب صرف ایک مذہب جس کا نام اسلام ہے اس کے پیشوا مفخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم باقی ہیں آپکی ذات جامع الصفات کے حالات اور آپکی شان والا بھی انصاف سے ملاحظہ ہو۔

آپکا عرفان۔ الوہیت کے متعلق آپ وہ جامع مضمون کی تلقین فرماتے ہیں کہ جس میں

کامل وحدانیت جلوہ نما ہوتی ہے۔ پڑھو قرآن مجید کی آیت لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور عام طبائع کی تفہیم کی غرض یوں ارشاد ہوتا ہے کہ الرحمٰن علی العرش استویٰ نہ سری کرشن جی کیطرح رب مخلوقات ہونے کا دعویٰ فرماتے ہیں نہ حضرت عیسیٰ کیطرح انبیت کا اظہار بلکہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اور وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ فرما کر انسانیت و الوہیت میں خاص امتیاز ثابت کر دیتے ہیں۔

انجذاب کامل کی یہ کیفیت کہ سنگدل۔ جاہل وحشی قوم عرب کو تھوڑے عرصہ میں اپنا سچا جاں نثار بنا لیتے ہیں موسیٰؑ کی ہمراہی بنی اسرائیل اور عیسیٰؑ کے حواریئین کا آنحضرت کے صحابۂ کرام سے مقابلہ کرو موسیٰ سے بنی اسرائیل نے یوں کہا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ اور آپ کے اصحاب آپ سے یوں کہہ رہے ہیں کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا وَاِنَّا مَعَكُمَا مُقَاتِلُوْنَ حضرت عیسیٰؑ کے حواریئین نے بخوف جان روپوشی اختیار کی اور آپ کو دار پر چڑھنے دیا آنحضرتؐ کے فدائی اصحاب کا یہ حال کہ کوئی ملت بیضائے مصطفویؐ کی اشاعت کی غرض اپنا کل مال و منال لئے ہوئے حاضر ہے کوئی بات بات پر آپکے دشمنوں کے مقابل ہونے اور آپ پر جان قربان کرنے دل و جان سے تیار ہے۔ کوئی چاہنے والا غلامی کی مصیبت میں گرفتار اور محض آپ کی محبت کے باعث تکلیف مَّا لَا یُطَاق میں مبتلا مگر درد و غم سہتے جاتا ہے اور آپ کی محبت کا دعویٰ علانیہ کرتے جاتا ہے۔ کوئی فارس سے تو کوئی ملک شام سے آپکا گرویدہ ہو ہو کر حاضر خدمت ہوتا ہے سیکڑوں ہیں کہ آپکے قتل کے ارادہ سے آتے ہیں اور اپنی ہی جان آپ پر قربان کرنے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اس دعویٰ کی تاریخ گواہ ہے اور غیر مذہب والے مورخین بھی ہمارے ہمنوا۔

نصرت غیبی کو آنحضرت کے ساتھ جو تعلق تھا ظاہر ہے کہ دنیا میں سب سے سرکش اور اشد قوم پر تھوڑے ہی عرصہ میں باوجود تنہائی و بیکسی ہر طرح غالب ہو جاتا اور تمام دنیا میں آپکی حقانیت کا آوازہ پھیل جانا نہ صرف روحانی حکومت بلکہ قریب قریب تمام دنیا کی بادشاہت آپ کو اور آپ کے جاں نثاروں کو ملنا نصرت غیبی نہیں تو پھر کیا ہے۔

تکمیل شرائع کے متعلق ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ آپکا دین متین اعلیٰ درجہ کا علم اور کمال عقل رکھنے والے طبائع کے بالکل موافق ہے اور آپکے تمام اصول جامع ومتدل ہیں۔ الخ

زندۂ اعجاز یعنے قرآن پاک اور اُس کی انتہائی فصاحت و بلاغت اُس کی جامعیت اُس کی عدیم المثالی۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے فصحا کا اس کے جیسی ایک سورت تک بنا لانے سے قاصر رہنا اور باوجود ہزاروں انقلابات کے قرآن مجید کا فقدان اور تحریف وتغیر سے بالکل محفوظ رہنا غرض وہ وہ اوصاف کہ اختصار کے ساتھ بھی انھیں لکھا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے کسی مذہب کا پیشوا ایسا زندہ معجزہ نہیں چھوڑا اگر ہے تو کوئی مذہب والا پیش کرے یا قرآن پاک کی نظیر پیدا کردے۔

لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یاتو بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ ترجمہ اگر آدمی اور جن سب کے سب جمع ہوجائیں اس بات پر کہ مثل اس قرآن کے لاسکیں تب بھی نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی مدد کرے۔

قوت تکمیل۔ آپکی تعلیم نے صحابۂ کرام میں جو کمال دینی و دنیوی پیدا کیا وہ محتاج بیان نہیں صحابۂ کرام میں سے بعض کے کارنامے اپنے آپ نظیر ہیں (دیکھو سیر الفاروقؓ) آنحضرتؐ کے دین متین کے پھیلانے میں جو کوششیں صحابہ نے کی ہیں اور اس کوشش میں وہ جس قدر کامیاب ہوئے ہیں انبیائے بنی اسرائیل بھی اپنی اپنی شریعتوں کے پھیلانے میں ایسے کامیاب شاید ہی ہوئے ہوں آنحضرت کی قوت تکمیل نے نہ صرف اپنے مصاحبین کو کامل بنا کر چھوڑا ہے بلکہ اپنے خصائل حمیدہ اور اوصاف ستودہ اور کمل اقوال وافعال سے آپنے وہ قابل قدر سرمایہ فراہم کرکے دنیائے دنی سے رحلت فرمائی ہے کہ قیامت تک ہر وہ شخص جو آپکی تعلیم کے موافق عمل کریگا اور آپکے قدم بقدم چلیگا بیشک وہ درجۂ کمال پر پہنچ سکتا ہے بلکہ مکمل بن سکتا ہے۔ صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین۔ یا بنداحکام اسلام سلاطین اور اولیا وعلمائے امت محمدیہ کے اعلیٰ کارنامو سے کون شخص ناواقف ہے۔ بتلاؤ کہ دنیا میں کسی مذہب کے بانی کو یہ قوت تکمیل حاصل ہوئی ہے۔ نہیں کسی کو نہیں۔

متذکرۂ بالا تمام مضمون سے ثابت ہو گیا کہ جو جو خصوصیتیں از روئے عقل کے انسانوں میں کے فرد کامل اور ہادیٔ اعظم۔ خاتم النبیین میں ہونی چاہئیں وہ خصوصیات تمام دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے کسی پیشوا میں جامعیت کے ساتھ موجود نہیں اگر یہ تمام خصوصیتیں مجموعی طور پر پائی جاتی ہیں تو صرف مسلمانوں کے پیشوا مذہب اسلام کے بانی (خداہ اُمی و ابی) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں اور بس۔ پس دین اسلام خاتم ادیان ہے اور نبی اُمی اکرم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرد کامل و مکمل سید المرسلین و خاتم النبیین ہیں۔ اور پھر کہتا ہوں کہ یقیناً ہیں۔

دلیل (نمبر ۴) ہر چیز کی ایک غرض و غایت ہوا کرتی ہے اسی طرح مذہب سے بھی کچھ نہ کچھ مقصود ضرور ہو گا غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب سے خاص غرض یہ ہے کہ انسان اس کے وسیلہ سے ایک ایسے زینہ پر پہنچ جائے جس سے اُس کو ہر طرح کی فضیلت و خوبی حاصل ہو سکے انسان کے لئے دو ہی مقام ہیں دنیا اور آخرت تو مذہب کا یہ کام ہو گا کہ انسان کو وہ ایسی تعلیم دے کہ یہ دونوں عالم میں بہتر سے بہتر حالت میں رہ سکے پس مذاہب میں وہی مذہب سب سے اعلیٰ و ارفع ہو گا جو انسان میں زیادہ قابلیت اور زیادہ فضیلت۔ اس بات کی پیدا کر سکے کہ وہ دارین میں اعلیٰ مراتب پانے کے قابل ہو ہم دیکھتے ہیں کہ اس خوبی والا مذہب سوائے اسلام کے دوسرا نہیں ہے اس لئے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دارین کی بہتری کا راستہ بتایا ہے۔ اسلام صرف ایک کی روٹی کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا مانگنے کی تعلیم نہیں دیتا (دیکھو انجیل میں عیسیٰ کی دعا) بلکہ اسلام جامع دین و دنیا دعا کی تعلیم دیتا ہے (پڑھو) ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ۔ ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی خیر و برکت دے اور آخرت میں بھی خیر و برکت دے۔ اسلام جو گی یا راہب بن کر تارالدنیا ہونیکی ترغیب نہیں دیتا کہ لا رھبانیہ فی الاسلام بلکہ اسلام دین اور دنیا کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ٹھیراتا ہے (حدیث) لیس خیرکم من ترک دنیا لاخرتہ ولا آخرتہ لدنیا حتی یصیب جمیعا

فان الدنیا بلاغ الی الاخرۃ (ابن عساکر عن انس) یعنے تم لوگوں میں ایسا شخص اچھا نہیں ہے جو اپنی آخرت کے لئے دنیا کو یا اپنی دنیا کے لئے آخرت کو چھوڑے بلکہ اچھا وہ ہے جو دونو حاصل کرے کیونکہ دنیا تو آخرت تک پہنچنے کے لئے زاد راہ ہے۔ اسلام ہی نے عربوں کی جیسی سفاک جاہل مفلس مشرک۔ قوم کو اعلیٰ درجہ کی خوان اور کمال علم وعقل اور دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں کا مالک بنا دیا ہے اور درحقیقت انھیں باعتبار دینداری وخدا پرستی اوروں سے ممتاز کیا ہے بلکہ صاحب اقبال وجاہ حشم ہونے میں بھی انھیں بے مثال ثابت کر دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام انتہائی روحانی ومادی ترقیوں کا ضامن ہے۔ فلا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ لہذا مذہب کی غرض وغایت اسلام ہی سے بوجہ اتم پوری ہو سکتی ہے اور اسی لئے یہ مکمل مذہب ہے اور اس کے ہوتے کسی اور دین کی اور اس مذہب کے بانی کی تشریف فرمائی کے بعد کسی دوسرے بانی مذہب کی ضرورت نہیں لہذا نبی اُمی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں (اللھم صل وسلم وزد وبارک علیہ) ؎

قصہ تمام گشت وبپایاں رسید عمر ۔۔۔ ماہمچناں باول وصف تو ماندہ ایم

محمد حسام الدین فاضل

میں ہوں شیدا ترا یا رسول خدا ۔۔۔ اپنا جلوہ دکھا یا رسول خدا
یہ دل وجان میرے خدا کی قسم ۔۔۔ آپ پر ہے فدا یا رسول خدا
ہجر میں پٹ کے چین دم بھر نہیں ۔۔۔ ہے وظیفہ مرا یا رسول خدا
بھول کر بھی ترا جانے گا پھر کہاں ۔۔۔ تیرے در کا گدا یا رسول خدا
بیکسوں کا کہیں کوئی پرساں نہیں ۔۔۔ ہے ترا آسرا یا رسول خدا
کس کو جا کر میں اپنا فسانہ کہوں ۔۔۔ کون ہے اب مرا یا رسول خدا
ہے عزیز ایک ادنیٰ غلام حزیں ۔۔۔ تم ہو خیر الورا یا رسول خدا

سید عبد العزیز عزیز خطیبی

ہم خرما و ہم ثواب

فیض ہے ساقی کا دور بادۂ سرجوش ہے — کوئی ہے ساغر کف کوئی سبو بردوش ہے
کیا سرور افزا ہوائے میکدہ ہے آج کل — ساغر و مینا کے لب پر شور نوشا نوش ہے
سر بسر اقدام ساغر بن گئی توبہ بھی آج — بزم میں پیماں شکن ہر لغزش مے نوش ہے
کیا ہوائے کیف مے کی ہیں بلند پروازیاں — پنبہ مینا نہیں ہے میکشوں کا ہوش ہے
اس طرف رندوں کے لب پر ہے جو شور یا غفور — اس طرف مغفرت بھی او سطرف کہو لے ہوا آغوش ہے
مست یاد ساقی مے خانۂ عرفاں میں ہیں — کچھ خبر اپنی نہ کوئی کیف و کم کا ہوش ہے
ہم غلام ساقی کوثر ہیں ہر حالت میں مست — عیش غم بھی ساغر دل میں ہمارے نوش ہے
ضبط بدمستی بہ این رندی و مستی دیکھنا — جو لب پیمانہ ہے گویا لب خاموش ہے
ہے عجب ذکر حریفان گذشتہ کا سرور — لب پر امشب بھی ہمارے داستان دوش ہے
ہوش بنکر پھر آری ساقی کے آنے کی خبر — پھر دل پر کیفیت اپنا سراپا گوش ہے
کیا ہوائے شوق کے جھونکوں نے پھر گرمادیا — دیکھنا پھر آگ کی ہوئی پھر آتش خاموش ہے

گرم ہنگامہ ہے پھر باہم نیاز و ناز کا
مہر الفت ہر شرر ہے شعلۂ آواز کا

غنچے گل ہونے لگے ثابت ہوئے تیار آج — صحن گلزار دو عالم ہو گیا گلزار آج
پھر نسیم صبح نے نرگس کی آنکھیں کھولدیں — خوب جی بھر کر نکالے حسرت دیدار آج
بول اٹھی سوسن کہ وہ اگڑائیاں لیکر اٹھا — سبزۂ خفتہ کی قسمت ہو گئی بیدار آج
دیکھئے کیا گل کترتی ہے نوائے عندلیب — چل رہی ہے خوب قینچی کی طرح منقار آج
ہے یہ کس کی آمد آمد کے تماشے کا خیال — چڑھتی ہیں کیوں اس طرح بلبلیں سر اشجار آج
ہر شجر ہے لالۂ گلزار کا ساغر بکف — بادۂ عیش و مسرت سے ہیں سب سرشار آج
آسماں جھک جھک کے پھر ملنے لگا ہے جس طرح — پھر زمانے کی بھی ہے بدلی ہوئی رفتار آج

بے نشاں گرد کدورت کا ہے عالم سے نشاں — صاف مثل آئینہ ہے ہر در و دیوار آج
چارہ ساز درد ہے چرخ کلہ انداز بھی — بنگیا ننگ جراحت مرہم زنگار آج
ہے یہ فیض آمد عقدہ کشائے ہر دو کون — سہل ہے بھی سہل ہے دشوار سے دشوار آج
خندۂ گل سے ہے پیدا نغمۂ صل علے — ہے مگر مولود آمد سر کار آج
ابر رحمت دیکھنا تجلے کی جانب سے اٹھا — دہشت نار جہنم ہو گئی فی النار آج
دہر حادث میں ہوا نور قدم جلوہ فگن — ہو گیا عالم سراسر مطلع الانوار آج
ظلمت دنیا مٹی نور خدا پیدا ہوئے — ہو گیا روشن جمال احمد مختار آج

ہاں اٹھو صل علے کہتے ہوئے تعظیم کو
ساتھ ہی فرط عقیدت سے جھکو تسلیم کو

وجہ تخلیق زمین و آسمان پیدا ہوئے — ساقی کوثر شفیع العاصیاں پیدا ہوئے
آئیں گے اب دستگیری کے مزے نام خدا — ہادی دیں حامی افتادگاں پیدا ہوئے
تہنیت خواں جن کے تھے آدم سے لیکر تا مسیح — آج وہ صل علی تسبیح خواں پیدا ہوئے
آپ کے اوج مراتب کا نپایا جب نہ پتا — بول اٹھے قدسی مکین لامکاں پیدا ہوئے
جن کے جلوے سے ہوئی تھی پرضیا صبح ازل — آج وہ مہر سپہر کن فکاں پیدا ہوئے
اب مٹیں گی منزل مقصود کی دشواریاں — راہ بتلانے کو خضر گمرہاں پیدا ہوئے
موج طوفان حوادث کا نہیں اب کچھ خطر — ناخدائے کشتی اسلامیاں پیدا ہوئے
عالم علم لدنی خسرو اتی نقب — کاشف راز بطوں معجز بیاں پیدا ہوئے
آپکے جلوے سے عالم یوسفستان ہو گیا — ایک کیا لاکھوں امیر کارواں پیدا ہوئے

جنس عرفاں تھی جو مہنگی اب وہ سستی ہو گئی
خوب رائج دہر میں ایزد پرستی ہو گئی

جذبۂ آراستہ کیا بزم دنیا ہو گئی — تھی جو چشم منتظر محو تماشا ہو گئی
مٹ گئی دنیا سے یکسر ظلمت شام فراق — روشنی صبح عشرت آشکارا ہو گئی
عید میلاد نبی کی دیکھنا بالیدگی — جو کلی دل کی تھی گلزار تمنا ہو گئی
وہ پڑا پرتو حبیب کبریا کے نور کا — راحت دل کی زمیں خود طور سینا ہو گئی
دردمندان محبت کی اٹھیں بے چینیاں — چارہ گر شہ کی نگاہ چارہ فرما ہو گئی

نیّرِ اسلام کی بڑھنے لگی ایسی ہوا — ظلمتِ کفر و ضلالت بالِ عنقا ہو گئی
نعرۂ اللہ اکبر سے زمانہ گونج اٹھا — بندِ کیسر شورشِ دیر و کلیسا ہو گئی
انبیائے ماسلف کا نام روشن کر دیا — ذاتِ اقدس رونقِ خضر و مسیحا ہو گئی
طوطیٔ اعجازِ حضرت بولتا تھا اس طرح — کنکری بھی لی اگر مٹھی میں گویا ہو گئی
شرک و بدعت کے عوض توحید و تقوے کا ہے گل — تھی ابھی کیا حالتِ دنیا ابھی کیا ہو گئی

ہو گئے سب محو ذکرِ ایزدِ غفار میں
قمریاں حق سترہ پڑھنے لگیں گلزار میں

ہو گیا پر نورِ عالم مصطفےٰ کے نور سے — ہم بھی آنکھیں سینک لیں گے اب چراغِ طور سے
شانِ احمد سے نمایاں ہو گئی شانِ احد — صورتِ ناظر کا نقشہ کھل گیا منظور سے
آپ ہی تھے پردۂ سازِ انا تحت میں نہاں — ورنہ یہ نغمہ نکلتا کب لبِ منصور سے
شانِ بخشکول گدائے مصطفےٰ تو دیکھنا — جب یہ ٹکرایا تو ٹکرایا سرِ فغفور سے
بادہ خوارانِ محبت دیر سے ہیں تشنہ لب — ابتو کچھ ہو ایما جلدی نرگسِ مخمور سے
ہے تجلّی زارِ طیبہ سے زمانہ بہرہ ور — فیض یک موسیٰ نے پایا جلوہ گاہ طور سے
بادۂ حبِ رسول اللہ سے رہتے ہیں مست — کچھ ہمیں مطلب نہیں افشردۂ انگور سے
بسملِ تیغِ نگاہِ ساقیِ کوثر ہیں ہم — بوئے آتی ہے اپنے زخم کے انگور سے
دردمندِ فرقتِ حضرت فغاں کرتے ہیں یہ — یہ ملاتے ہیں صدا اپنی صدائے صور سے
الحدو اے آفتابِ ذرہ پرور المدد — تیرہ روزی بڑھ چلی اپنی شبِ دیجور سے
وہ اخوت ہم میں باقی ہے نہ وہ ہمدردیاں — ہاں مگر واقف ہیں بعضے رشک کے دستور سے
فیس لیکر بحث یوں کرتے ہیں باہم لکچرار — جسطرح مزدور لڑتا ہو کوئی مزدور سے

بیطرح مٹی ہماری خوار ہے برباد ہے
یا شفیع المذنبیں فریاد ہے فریاد ہے

اس سے بڑھکر اور کیا ہو اپنی حالت تباہ — دیدۂ پرنم ہیں اشک خوں ہیں اپنی آہ آہ
ہم کو عرضِ حال کی اپنے ضرورت کچھ نہیں — دیکھئے چشمِ عنایت سے کہ صورت کیا گواہ
تیرگیِ اعمال کی ہے چار سو چھائی ہوئی — اس اندھیرے میں کہیں ملے کیا منزلِ مقصود راہ
شرم آتی ہے خطابِ اشرف المخلوق سے — ابتو ننگِ خلق ہیں دنیا میں ہم خالق گواہ

اپنے ہاتھوں سے مٹائی اپنی ہستی اسطرح — اپنے ہونے کا بھی آپ ہونے لگا ہے اشتباہ
اشک غم اپنے ٹپک پڑتے تھے جسکے حال پر — اب ہمارے حال بد پر ہنستے ہیں وہ قاہ قاہ
اب نہیں تاخیر کا موقع خدا کے واسطے — ہو ہمارے حال پر جلدی کرم کی یک نگاہ
آپ کے ہی کرم کی ہو ضیا بخشی اگر — ہو ابھی روشن نگاہ ہو نہیں جسکے عالم سیاہ
ہوں سبق آموز تعلیم اخوت دل سے ہم — اتفاق باہمی کی پھر ہو پیدا رسم و راہ
ایک کا ہو ایک ساتھی ایک کا ہمدرد ایک — ہو اگر معذور کوئی دل سے ہوں ہم عذر خواہ
شان اسلام اوج پر ہو رونق دین ہو فزوں — پھر نصیب ہر مسلماں ہو وہی اعزاز و جاہ
پھر ہوں جاری رہنمائی کے وہی اگلے طریق — پھر نظر آئے نہ عالم میں کوئی گمکردہ راہ
یا نبی یہ عرض بھی تو تو کر کی جلدی ہو قبول — خسرو ملک و کن ہو خسرو عالم پناہ

پرچم اسلام اسکے سر پہ لہراتا رہے
خلق کی حاجت روائی کو یہ آن داتا رہے

کہاں ہے گلبدن سیمین ذقن نگیں ادا ساقی — کہاں ہے لالہ رو خورشید سیما مہ لقا ساقی
کہاں ہے چشمۂ لطف و کرم بحر سخا ساقی — پھر اب کے سال کھلا جوش فیضان عطا ساقی
مرے دل کی لگی صہبائے رحمت سے بجھا ساقی
مرا جوش طبیعت پھر بٹھا ساقی بڑھا ساقی

نہیں شہد و لبن کی کچھ ہوس اے مہ لقا ساقی — نہیں درکار مے ہائے سبو ہائے کربا ساقی
مے تسنیم کا ساغر نہیں ہم مانگتا ساقی — تمنا ہے کسے کوثر کے جامو کی بھلا ساقی

خدارا باڈہ دیدار دلبر تو پلا مجھکو
ان آنکھوں سے مرے محبوب کی صورت دکھا مجھکو

درفیضان سے تیرے فیض ملتا ہے ہزاروں کو — نہ خالی پھیر اپنے در سے ہم امیدواروں کو
پلادے باڈۂ پرکیف ساقی بادہ خواروں کو — ہماری بیخودی پر رشک آئے ہوشیاروں کو
نہ اترے حشر تک نشۂ وہ صہبائے محبت دے
نہ آئے ہوش اک لحظہ وہ صہبائے محبت دے

روانی پر طبیعت ساقی عیسیٰ نفس بھر ہے — تلاش گوہر مضموں مجھے اب کے برس پھر ہے
بحار فکر میں غوطے لگانے کی ہوس پھر ہے — بہار افزائے دل نظم ملیح نکتہ رس پھر ہے
نہ ہوگی یہ چمک یہ آب گوہر ہائے مکتوں میں
نہ ہوگی یہ روانی تاقیامت آب بیجوں میں

چلے آتے ہیں مضموں پاس سیر عرش اعلیٰ سے — بجا ہے دوں اگر تشبیہ اسکی وحی و القا سے
فزوں ہے روشنی طبع سمع طور سینا سے — مری جادو بیانی بڑھگئی اعجاز عیسےٰ سے
یہ ثابت ہے بلاغت مان لی ہے میری حساں نے
مرے آگے رکھا سر عاجزی سے اپنا سحباں نے

مرے ساقی زمیں کا آسماں نے رنگ ہے بدلا — ہوا اک زلزلہ ملنے لگا ایوان کسریٰ کا
بجھا آتشکدہ فارس کا جو صدیوں سے روشن تھا — ہیں آثار جلالی و جمالی دہر میں پیدا
پڑا ہے خشک لب ساوا عجب شان جلالی ہے
سماوا ابنکیا دریا عجب شان جلالی ہے

ندیم شاہ فارس بداں نے خواب دیکھا ہے — ہراساں ہے دل اسکا صورت اسکی وحشت افزا ہے
پڑا ہے فکر میں کہتا ہے آخر ماجرا کیا ہے — عرب سے کیا کوئی فتنہ نیا اب اٹھنے والا ہے
یہ کیا دیکھا عرب کے اونٹ گھوڑے کھینچے لاتے ہیں
ہوئے دجلہ کے پار اب ملک میں وہ پھیلے جاتے ہیں

گئی شیریں بیانی اڑ رہے ہیں ہوش کاہن کے — گئی جادو بیانی اڑ رہے ہیں ہوش کاہن کے
گئی وہ لن ترانی اڑ رہے ہیں ہوش کاہن کے — گئی وہ غیب دانی اڑ رہے ہیں ہوش کاہن کے
بتا سکتے نہیں تعبیر کچھ خواب پریشاں کی

ہوئی ہے اب تو عاجز عقل انکے جن و شیطاں کی
سطح شائی عالم ذہین زیرک زکی دانا مرض میں مبتلا لب پر ہے دم آخر ہے وقت اسکا
پئے تعبیر اسکے پاس سے عبد المسیح آیا ہوا سنکر سطیح احوال اُس سے اسطرح گویا
رہے دار الحکومت اب نہ بابل اہل فارس کا
رہا ہے ملک کس کا سلطنت کس کی جہاں کسکا
خرابی کا زمانہ اب تو اے عبد المسیح آیا مٹے گی شوکت قیصر مٹے گی صولت کسرا
غلط ہو جائیگا تثنیہ[1] کا تثلیث کا دعوا خمار آنکھو نمیں ہو دنرات قرآں کی تلاوت کا
کرے جنکو اہل سجدہ وہ ہوں شان خدا پیدا
جو توڑیں گے سر عزیٰ[2] وہ ہوں اہل عصا پیدا[3]

---

[1] زرتشتی دعا مانتے ہیں یزداں و اہرمن۔ عیسائی تثلیث کے قائل ہیں۔ تثنیہ سے زرتشتی مراد ہیں اور تثلیث سے عیسائی * [2] حضرت خاتم آب علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات جب اس جہان میں تشریف لائے تو نوشیروان کے محل کو زلزلہ آیا اور وہ پھٹ گیا۔ محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ نوشیروان اس حادثہ سے بہت گھبرایا۔ اپنے مصاحبوں ندیموں موبدان کو دربار میں بلایا۔ اظہار واقعہ کرنا چاہتا کہ عامل فارس نے خبر بھیجی کہ پارسیوں کی آگ جو ایکہزار برس سے روشن تھی آج کی رات ٹھنڈی ہو گئی۔ حاکم الیما کی رپورٹ آئی کہ دریائے ساوہ بالکل خشک ہو گیا۔ عامل طبریہ کی عرضی آئی دریاچہ طبریہ کا مجرا بند ہو گیا ایک دوسرے عامل کی عرضداشت وصول ہوئی کہ وادی سماوہ موجزن ہو گیا۔ نوشیروان کو ان اخبار سے سخت رنج و غم ہوا اور اُسنے اپنے دل کا واقعہ بیان کیا۔ موبدان موبد شہر کا قاضی القضاۃ تھا اُس نے اپنا خواب دیکھا ہوا بیان کیا کہ عرب کے سرکش اونٹ گھوڑوں کو کھینچکر لاتے ہیں حتیٰ کہ دجلہ کے پار ہو گئے اور بغداد سے تمام ملک فارس میں پھیل گئے۔ نوشیروان نے اس سے خواب کی تعبیر پوچھی موبدان نے کہا کہ عرب سے کوئی نیا فتنہ اُٹھنے والا ہے مگر وہ فتنہ کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ شہر کے سارے کاہن اور معبران واقعات کی تعبیر میں عاجز رہے تب نوشیروان نے نعمان بن منذر کو لکھا کہ کوئی ایسا ہمدرد کو بھیجو جو ہر سوال کا جواب دے سکے۔ اُس نے عبد المسیح کو بھیجا جسکی عمر (۱۵۰) سال کی تھی۔ اُس سے بھی یہ عقدہ حل نہ ہوئے اور بادشاہ سے اُس نے کہا کہ میرا ماموں سطیح (جو شام میں رہتا ہے) کے سوا یہ مشکل کسی سے حل نہ ہوگی۔ نوشیروان نے عبد المسیح کو سطیح کے پاس بھیجا

کہیں ہو غلغلہ اس بادشاہِ دیں کی ہیبت کا — کہیں چرچا ہو یارِ غار احمدؐ کی رفاقت کا
کہیں ہو شور فاروقِ معظم کی عدالت کا — کہیں ہو ذکر ذوالنورینؓ کے حلم و مروت کا
کہیں ہو حملۂ حیدرؓ کا ڈر کفار کے دل میں
کہیں ہو سیفِ خالد کا خطر اشرار کے دل میں

کریں ہجرت وطن سے خاصگانِ کبریا سے ہوں — کریں ابداد انصارِ محمد مصطفےٰ سے ہوں
نہ رنج اُن کو مصیبت میں وہ خائف بلا سے ہوں — خدا اُن سے ہو راضی اور وہ راضی خدا سے ہوں
بشارت اُنکو جنت کی ملے گی دارِ دنیا میں
رہیں گے بخطرِ پرسش سے یہ اصحاب عقبیٰ میں

شجاعانِ جہاں نامور اُنکے تھرتھر میں گے — نہ اُن کے جنگ کی پیلان جنگی تاب لامیں گے
نشاں کفر و ضلالت کا زمانے سے مٹا دینگے — دلوں پر کلمۂ توحید کا سکہ بٹھا دیں گے

(بقیہ حاشیہ) سطیح حالت نزع میں تھا عبدالمسیح کا کلام سنکر بولا عبدالمسیح جاء الی سطیح علی اجل طلیح ۔ وقد اوفی علی الضریح ۔ بعثاک ملاک بنی ساسان ۔ لارتجاج الایوان ۔ وخمود النیران ۔ ورؤیا الموبذان ۔ رای ابلا صعابا ۔ تقود خیلا عرابا ۔ قد قطعت دجلۃ وانتشرت فی بلادھا ۔ یا عبدالمسیح اذا الھام الاطواد وبعثت صاحب الھراوۃ ۔ وغاض وادی السماوۃ ۔ وغاضت بحیرۃ ساوۃ ۔ وخمدت نار فارس ۔ فلیکن بابل للفرس مقاما ۔ والا الشام للسطیح مناما ۔ یملک منھم ملوک وملکات ۔ عدد الشرفات ۔ فتریکون ھنات وھنات وکما ھو آت آت (ترجمہ) عبدالمسیح سطیح کے پاس تھکے ہوئے اونٹ پر ایسی حالت میں آیا جبکہ سطیح مرنے کے قریب تھا تجھکو بادشاہ بنی ساسان نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ محل کے زلزلے اور آتشکدوں کے گرنے کا اور آگ کے بجھ جانے کا سبب دریافت کرے اور موبدان کے خواب (یعنی سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچ لانے اور دجلہ کے پار اتر جانے اور پھیل جانے) کی تعبیر معلوم کرے ۔ اے عبدالمسیح جب ظلمت قرآن ہونے لگے گی اور صاحب عصا (نبی آخر الزماں) مبعوث ہونگے اور وادی سماوہ موجزن ہوجائیگا اور دریائے ساوہ خشک ہوجائے گا اور فارس کی آگ بجھ جائے گی اسوقت بابل فارس کا مقام تمنگاہ نہوگا اور شام سطیح کی خوابگاہ نہوگا لیکن چند گنتی کے ایوان کسریٰ کے گرے ہیں ان کی تعداد کے موافق مرد اور عورتوں میں بادشاہ ہونے باقی ہیں ۔ جب یہ چودہ بادشاہ گزر جائینگے تب طرح طرح کی سختیاں پیش آئینگی اور جو باتیں ہونے والی ہیں ہو کر رہیں گی ۔

یزدگرد جو وہاں بادشاہ تھا جو زمانہ خلافت حضرت خلیفہ دوم رضؓ مارا گیا ۔ دیکھیں

لہ یہ واقعہ ہے فارس کی جنگ میں مجاہدین نے جنگی ہاتھیوں سے مقابلہ کیا ۔ اور ایرانیوں کو شکست ہوئی ۔ اسے داستان رستم

ہوا استیصالِ ملکِ شرک انکے تیغ و خنجر سے
دہل جائے زمانہ نعرۂ اللہ اکبر سے

یہی تعبیر ہے نوشیرواں سے جاکے تو کہدے
گرے ہیں جسقدر اب لنگرے ایوانِ کسرا کے
انہیں تعداد میں ساسانیوں میں چکر آں ہونگے
پھر اے عبد المسیح آخر زمانہ کروٹیں بدلے
جمائے پھر تو وحدت اپنا سکہ سارے عالم میں
رسول اللہ کا پرچم اڑے گا سارے عالم میں

ہوا رخصت سوے نوشیرواں عبد المسیح آیا
سنایا جو سنا تھا شاہ سنکر یوں ہوا گویا
زمانہ چاہئے کایا پلٹ ہونے کو صد یوں کا
کروں میں اے ندیمو آج ہی سے کیوں غمِ فردا
نہ تھا علم ان شہنشا ہوں کی کم عمر رواں ہوگی
نہ تھا معلوم جلدی ختم ساری داستاں ہوگی

یہی شہرہ ہے عالم میں کہ شاہنشاہ آتے ہیں
جہاں میں فخرِ آدم سیدِ ذی جاہ آتے ہیں
گنہگارانِ امت کے شفاعت خواہ آتے ہیں
حبیبِ حضرتِ خالق رسول اللہ آتے ہیں
ہوا ہے جلوہ فرما خسروِ دیں بطنِ مادر میں
دماغِ اہلِ خذلاں آگیا ہے آج چکر میں

مے ساقی بہار تازہ باغِ دہر میں آئی
گیا دورِ خزاں عالم میں رحمت کی گھٹا چھائی
گلستاں جنکے دلکش خوشنما پھولوں رعنائی
پریزادانِ گلشن آج ہیں محوِ خود آرائی
وہ آرائش ہے پھولوں میں کہ گلہائے جناں صدقے
وہ زیبائش ہے جن پر نازِ نینانِ جہاں صدقے

نسیمِ صبح نے خوابیدہ سبزے کو جگایا ہے
مثالِ قدِ خوباں سروں نے بھی سر اٹھایا ہے
گلِ خنداں کے سر پر سنبلِ پیچاں کا سایا ہے
نئے ڈھب سے چمن کو گلشن آرا نے سجایا ہے
چمن سرسبز گل خنداں شگفتہ ہر کلی ایسی
نہ تھی ابتک ازل سے یہ زمین پھولی پھلی ایسی

نہالانِ چمن بالیدگی سے پر کشیدہ ہیں
ثمر کے بار سے اشجار کی شاخیں خمیدہ ہیں
نہ اک گلبن میں نسرین و نسترن گل نو دمیدہ ہیں
اگر ہیں انتخابی پھول تو اشجار چیدہ ہیں

حسینوں کو کرے غرقاب نجلت آرزوئے گل
نہ دیکھے مہوشوں کو دیکھ لے جو آج سوئے گل

خبر کچھ بھی ہے ساقی کیوں جہاں نے رنگ بدلا ہے
زمیں نے رنگ بدلا آسماں نے رنگ بدلا ہے
نئے انداز سے کون و مکاں نے رنگ بدلا ہے
نئے طرز و روش سے گلستاں نے رنگ بدلا ہے

گل تازہ کی ساقی بوستاں میں آمد آمد ہے
سشہ دنیا و دیں کی اس جہاں میں آمد آمد ہے

ربیع الاول آیا مرحبا صد مرحبا ساقی
مہینا ہے طرب کا مرحبا صد مرحبا ساقی
کرم کا رنگ دکھلا مرحبا صد مرحبا ساقی
ترا ہو بول بالا مرحبا صد مرحبا ساقی

پلا دے جامِ الفت خربتِ وحدت کا ساغر دے
مرا پیمانۂ دل بادۂ پر نور سے بھر دے

ہوئے ختم الرسل شاہنشہ ملک دنی پیدا
ہوئے سلطان دیں صل علیٰ صل علیٰ پیدا
ہیں بت عکلیں ہوئے اب بت شکن شاہ ہدیٰ پیدا
جہاں سے کفر ہو گا دور ظلمت ہو گی نا پیدا

جہاں میں ہادیٔ بدعت محمد مصطفےٰ آئے
جہاں میں ہادیٔ وحدت محمد مصطفےٰ آئے

پئے تنظیم اٹھو شاہ دیں فخر عرب آئے
مہ برج رسالت شمس علم امی لقب آئے
شفیع المذنبیں عالی نسب والا حسب آئے
جناب رحمۃ للعلمین محبوب رب آئے

منور ہو گیا سارا جہاں نور محمدی سے
ہوئے روشن زمین و آسماں نور محمدی سے

سلام اے آفتاب چرخ حسن و اختر خوبی
سراپا صورت رحماں ہمہ تن شان محبوبی
بہ مصر خوبروی یوسفی در شکر یعقوبی
بخلت چوں خلیل استی بشان صبر ایوبی

کلیم اللہ مشتاق کلامت یا رسول اللہ
مسیحا بر فلک زندہ بنامت یا رسول اللہ

سلام اے رحمت عالم شفیع عاصی بیکسا
سلام اے مونس و غمخوار یکتا حامی یکتا
سلام اے رہبر یکتا سلام اے ہادیٔ یکتا
سلام اے قاسم کوثر سلام اے ساقی یکتا

سلام بندۂ یکتا پذیرائے سید و مولا

غریبم بیکسم دستم بگیرائے سید و مولا

کرم کی ہو نظر مجھ پر یہی دل کی تمنا ہے — بلا لو در پر اے سرور یہی دل کی تمنا ہے
دکھا دو روضۂ انور یہی دل کی تمنا ہے — یہ سر ہو اور وہ سنگِ در یہی دل کی تمنا ہے

تمہارے آستاں پر نبض چھوٹے یا رسول اللہ
مرا دم روضۂ اقدس پہ ٹوٹے یا رسول اللہ

ہوئے تم جسکے پھر کیا اسکو فکر دین و دنیا ہو — ملیں دو نو جہاں کی نعمتیں مجکو۔ جو تم چاہو
تمہیں مقصد مرے دل کی تمہیں میری تمنا ہو — تمہیں مولائے یکتا ہو تمہیں آقائے یکتا ہو

کہاں جاؤں میں اور ہلا کر تمہارا یا رسول اللہ
میں ڈھونڈوں غیر کا کیونکر سہارا یا رسول اللہ

وہ شب نور بخش میمائی — جس سے پُر نور چشم سلمائی
وہ شب مشکفام عنبر بیز — جس پہ صدقے جمال لیلائی
باہزاراں ہجوم حسرت و شوق — لے کے مژدہ وصال کا آئی
وہ نبی جس کے نور تلقین سے — عقل تیرہ نے روشنی پائی
جس کے شیدا ہیں جبرئیل امین — جس کے میکال ہیں تو لائی
وہ نبی جس کا مدعائے ظہور — چہرہ پرداز عالم آرائی
جس پہ قرباں ہو آفتاب رخی — جان دے جس پہ ماہ سیمائی
وہ نبی جسکو ہو کے بے پردہ — صورت اپنی خدا نے دکھلائی
منحصر تھی ظہور پر جس کے — دو جہاں کی ظہور آرائی

وہ نبی جس کا نقطۂ خلقت — مرکز دور چرخ مینائی
صفوۃ آدمی تھی جس سے عیاں — نوح کی جس میں کار فرمائی
جس میں فضل و نوال ابراہیمؑ — جلوہ گر با کمال زیبائی
جس میں ایثار و بذل اسمٰعیلؑ — جسمیں اسحاقؑ کی تھی رعنائی
جس سے ظاہر وقار یعقوبیؑ — غیض کی جسمیں جلوہ پیرائی
حسن وہ غارت آفرین شکیب — جسکی یوسفؑ کریں زلیخائی
جلوہ گر جس میں لحن داؤدیؑ — تھی سلیمانؑ کی جسمیں دانائی
جس میں صبر و رضائے ہارونیؑ — جس میں جاہ و جلال موسائی
جس سے ظاہر شعیبؑ کی عزت — جس میں ایوبؑ کی شکیبائی
زکریاؑ کا تھا جسمیں سوز و گداز — جس میں یحییٰؑ کی خلق آرائی
پے مردہ دلان منزل شوق — جس میں عیسےٰؑ کی تھی مسیحائی
جس میں اوصاف انبیا تھے تمام — جس میں تھے سب فضائل آبائی
تھا کسی ریت اک چٹائی پر — انجمن ساز کنج تنہائی
دل سے ہوتی تھی راز کی باتیں — ہمزباں خامشی و گویائی
صدقے ہوتی تھی دل سے وقت کلام — لب جاں بخش پر مسیحائی
جسکا جاں بخش ہر کرشمۂ ناز — دل فزا جسکی طرز رعنائی
جسکا ادنیٰ سے آئینہ بردار — شور ہنگامۂ خود آرائی
دل جمال ازل کا پروانہ — جان حسن ابد کی شیدائی
سر جھکاتا ہے اپنے سجدے کو — جسکی چوکھٹ پہ فرد ارائی
بڑھ گئے زنجیر در بصد آداب — جبرئیلؑ امیں نے کھڑکائی
سنکے آواز کھٹ کھٹانیکی — پوچھا حضرتؐ نے کون ہے بھائی
عرض کی میں ہوں یا رسول اللہ — آپکا جان نثار شیدائی
سنکے یہ وہ مدار کن فیکوں — یوں ہوا کام بخش گویائی
کیوں نزول آپکا ہوا اسوقت — آج کیا دل میں آپ کے آئی
عرض کی آج داور داد — چلئے کرتا ہے یاد فرمائی

نگہِ شوق فرشِ راہ کیے منتظر ہیں تمام شیدائی
الغرض وہ حقیقتِ دوجہاں سنکے یہ مژدۂ دل آسائی
مدعا تھا جو قابلِ تسلیم بات تھی لایقِ پذیرائی
ہو گیا بیقرار چلنے کو عشق نے برقِ شوق چمکائی
ہر طرف زہت آفریں تھا سما ہر طرف تھی نشاط آرائی
ہر طرف لالہ کار تھی قدرت ہر طرف اک بہار تھی چھائی
چرخ نے نیلگوں ردا اپنی سرخ رنگِ شفق میں رنگوائی
بن گئے پھول قلبِ افسردہ کھل گئی جو کلی تھی مرجھائی
شبِ اسریٰ سواریِ حضرتؐ جب چلی با ہزار زیبائی
گزرا یوں چرخِ نیلگوں سے براق جسطرح خردبیں سے بینائی
وہ براقِ حسیں سبک پرواز وہم میں بھی نہ جسکی چال آئی
سامنے جس کی تیز بالی کے پرِ شکستہ تھا مرغِ بینائی
اور حسیں وہ کہ زیرِ پا نہ جسے خاکِ پامال نازِ رعنائی
انبیاؑ نے بھی آسمانوں پر آمد آمد کی جب خبر پائی۔
مرحبا کہہ کے بہرِ استقبال بڑھ کے حضرتؐ کی دادِ افزائی
ہر طرف وہ ملائکہ کا ہجوم حور و غلماں کی وہ صف آرائی
ہر قدم پر نثار تھا محشر ہر قدم پر تھی محشر آرائی
ہر قدم پر تھی لوٹتی جاتی زیرِ پا فرشِ بنکے رعنائی
باجمل سواریِ حضرتؐ سدرۃ المنتہیٰ پہ جب آئی
پیچھے پیچھے تھے جبرئیلِ امینؑ آگے آگے ہجومِ رعنائی
خوف و دہشت سے رہگئے جبرئیلؑ نارہی تابِ گامفرسائی
اترے رفرف سے جس گھڑی حضرتؐ پک بپک غیب سے صدا آئی
عرش و کرسی کی اے حبیبِ مری کیجئے بڑھ کے عزت افزائی
جب بڑھا نازسے شہِ خوباں بنگیا نازِ حسنِ شیدائی
ہر قدم تاجِ بخشِ عرشِ بریں ہر نفس معجزِ مسیحائی۔

دھوم تھی فخر انبیا ہی کی — جلوہ آرائے جلوہ فرمائی
سر جھکائے ہوئے نیاز ادھر — ناز ادھر محو ناز یکتائی
وہ مزیب عمامۂ عربی — جس پہ قربان ہزار زیبائی
دوش پر وہ چھٹے ہوئے گیسو — جلوہ گر جس سے شان بطحائی
جس کا ہر حلقہ سو مہ آتاب — نقطۂ انتخاب رعنائی
وہ ردائے مخطط یمنی — دلفریبانہ دوش پر آئی
وہ سراپائے نور تھی جسمیں — شان رحمت کی جلوہ آرائی
صبح تھی شمع رخ کی پروانہ — شام تھی گیسوؤں کی شیدائی
دیکھکر جن کو محو آرائش — آئینہ بنگئی خود آرائی
پھر وہاں سے مقام ادنی میں — طرفۃ العین میں جگہ پائی
بڑھ گیا شوق دید حد سے سوا — حسرتیں بنگئیں تماشائی
جوش تھا اختلاط باہم میں — گرمی تھی بزم صحبت آرائی
اٹھگیا درمیان سے پردہ — نگاہ متظر کی بن آئی
ہوکے مشتاق دید حسرت دید — پردۂ غیب سے نکل آئی
ایک محو جمال آپ جمیل — اک تماشا تھا اک تماشائی
کھل گیا عقدۂ دوئی اسرار — دیکھکر رنگ لطف یکجائی
لی جب آپس کی گرمجوشی سے — راز پنہاں نے شکل پیدائی
باقی اتنا بھی امتیاز نہ تھا — کون مرئی ہے کون ہے رائی
ذات میں ذات ہوگئی واصل — نور میں نور نے جگہ پائی
اسکو کہتے ہیں ایک میں یکتا ہونا — اسکو کہتے ہیں شان یکتائی
عجز اور اک پیش کرے توفیق — نکر آہنگ خامہ فرسائی
کس نہ بکشاد ایں معما را — کس نہ دریافت راز تنہائی

• راز دار ان عاشق و معشوق — تو کہ کیں طلسم بکشائی

از حضرت توفیق چھدروی آبادی

نور اللہ مرقدہ

حشر کے دن ہوں گے جتنے انبیاؑ — نفسی نفسی سب کہیں گے برملا
اُمتی فرمائیں گے خیر البشرؐ — ہوں گے شافع حشر کے دن بے خطر
پیش حق جائیں گے وہ کر یہ کیاں — یوں کہیں گے اے رحیم مہرباں
ایک جانا میری اُمت نے مجھے — ایک مانا میری اُمت نے تجھے
ہوگئے میرے نواسے بھی قتیل — تاکہ بخشائش کی اُنکے ہو سبیل
اے خدا تو ہے عفو، تو ہے رحیم — رحم کر اب ان کی حالت پر کریم
ان پہ ہو جائے اگر تیرا کرم — حشر میں رہ جائے گا ان کا بھرم
بت پرستی چھوڑ کر اُمت مری — اے خدا واحد تجھے کہنے لگی
تو نے فرمایا ہے جب لا تقنطوا — بخشدے اب انکو اے غفّار تو
ذبح اسمٰعیلؑ جب ہونے لگے — بچگئے مرضی سے تیرے فضل کے
تھی جو وجہ عفو اُمت درمیاں — دے ہی دی حسینؓ نے بھی اپنی جاں
رحم کر اے مالک روز جزا — بخشدے امت کو میری اے خدا
جب یہ سب فرمائیں گے حضرت نبیؐ — رحمت حق جوش میں آجائے گی
بخشدے گا پیاری اُمت کو خدا — ہوگی اُمت سرخرو روز جزا

مومنو! ہشیار ہو آگاہ ہو — شرک و بدعت سے بچاؤ آپ کو
جب رہو گے تم گنہ میں مبتلا — حشر کیا ہوگا کہو روز جزا
کافروں کے آگے ہوں گے شرمگیں — ہوگا ناخوش تم سے رب العالمیں
کر لو حضرتؐ کی شفاعت کا خیال — دیکھو حضرتؐ کو نہ ہو اُسدن ملال
نیکیاں کرلو، رہو عصیاں سے باز — رحم تا تم پر کرے وہ بے نیاز

اُسکو حاجت کیا تمہارے ذکر کی ہے مگر بندوں کو لازم بندگی
ما خلقت الجن والانس اے عزیز ہے بشر کے واسطے وجہ تمیز
تم عبادت کے لئے پیدا ہوئے وہ عقائد اب تمہارے کیا ہوئے
اسقدر دنیا میں تم کو انہماک کچھ نہیں اللہ کا ہے تم کو باک
اسقدر ہے حق سے غفلت کیوں تمہیں غرق کیوں دنیا کی تم ہو چاہ میں
عاقبت کی بھی تو کر لو فکر کچھ کر لو تم اللہ کا بھی ذکر کچھ
ہائے تم کہلاتے ہو خیر الامم پُر معاصی پھر ہو یہ کیسا ستم
ظلم کیوں کرتے ہو اپنے نفس پر عاقبت کا کیوں نہیں خوف و خطر
تم کنکے جاؤ بھلائی ہر گھڑی نیکیاں دارین میں کام آئیں گی

یہ دعا فیاض کی ہے اے خدا
کر ہدایت نیک تو سب کو عطا

شمع ہدیٰ

سید حشمت اقبال فیاض

کیا نور ہے دیکھو صلِ علےٰ ہے کس ضیا انوار میں بجلی میں آگ میں لو میں بھی اور انکے سوا ہیں اور میں
ہے روشنی انکی ہی کو یا سو سوج میں چاند میں تارے میں وہ شمع اجالا جسنے کیا چالیس برس تک غار میں
اک روز جھکنے والی تھی دنیا کے سر بار میں

اس دل میں تو جاتا ہی بس جس دل میں کوئی چور نہو اس آنکھ میں تو جاتا ہی سما جو آنکھ یہاں پر کور نہو
گر تو نہو یاں اے اشک سلیماں مانہو اور مور نہو گر ارض و سما کی محفل میں کو لاک لما کا شور نہو
یہ رنگ نہو گلزار میں یہ نور نہو سیار میں

وہ جب خدا محبوب خدا جو سب سے ہے اعلےٰ اولیٰ کیونکر نہوں ہم اسپہ فدا کیونکر نہ پڑھیں صلِ علےٰ
کیا شان ہے اسکی صلِ علےٰ کیا رتبہ ہے اسکا نام خدا جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور بختہ و روشن حل نہو
وہ راز اک گملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

جو چیز نہیں ملتی جہاں وہ چیز وہاں سے نکر دیکھے ہاں پتھر ہی سے لعل ملے دریا ہی سے موتی نکلے
یہ امر مسلم ہے ہرگز ہوتا ہی نہیں ہے خلاف اسکے وہ جنس نہیں ایماں جسے لے آئیں وہ کانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملیگی عاقل کو یہ قرآں کے بیسیار نمیں

ہیں چار خلیفہ بعد نبیؐ ہر ایک سے انہیں لاثانی صدیق کوئی فاروق کوئی اور کوئی حیدر کوئی ولی
ہیں انکے فضائل بے حد و حصر کیا شان بیاں کی وال کی ہر کس نہیں ایک ہی مشعل کی بوبکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یاران نبیؐ کچھ فرق نہیں اچھا رونہیں

آج عالم میں ہے اک دھوم کہ آتے ہیں نبیؐ دیکھنے آئے ملک جن و بشر حور و پری
باوہ خوارانِ مئے دید میں چرچا ہے یہی اک طرف حسن پرستو نکی جماعت ہے کھڑی
یک زباں ہو کے ترانہ یہی سب گاتے ہیں
لذرا الحمد رسولِ عربیؐ آتے ہیں

دیکھو دیکھو کہ وہ محبوب خدا کا آیا جسکی صورت پہ فدا خلق تو شیدا ہے خدا
ایسی خوبی کا پیمبر نہ تو دیکھا نہ سنا جسکی پڑتی ہے نظر ہوتا ہے سو جاں سے فدا
سحر آنکھوں میں ہے اور لب پہ مسیحائی ہے
تیرا صانع ہی تری شکل کا شیدائی ہے

کس سے نسبت دوں تجھے بادشہ جن و بشر دونوں عالم میں نہیں ہے کوئی تیرا ہمسر
حسن یوسف ہے تصدق تو خدا کی قسم مختصر یہ کہ تو ہے نورِ خدائے برتر
تیرے دنداں کی جھلک گوہر غلطاں میں نہیں
تیرے جو لب میں ہے وہ لعل بدخشاں میں نہیں

ظلمت کفر ہوئی آنسے تیرے زائل سخت جاں بھی دل و جاں سے ہوئے تجھ پر مائل
کرم ایسا ہے کہ خالی نہیں جاتا سائل اور سخائی ہے ایسی کہ عدد ہے قاتل
طاعت حق کیلئے چاہئے طاعت تیری
ایک دن رب سے ملائیگی محبت تیری

نور سے تیرے ہوا وہ نوں جہاں کا آغاز اور تو نور ہے اللہ کا اے مایۂ ناز
تیرے آنسے دو عالم کے کھلے غیبی راز تجھ میں خالق نے عجب طرح کا ہے راز و نیاز
مرتبہ داں بھی نہ رتبے کو ترے جان سکے
طور پر حضرت موسیٰؑ بھی نہ پہچان سکے

تیرے آنسے عیاں ہو گیا گنج مخفی تو نہ ہوتا تو خدائی بھی نہ پیدا ہوتی
تیرے جلوے سے سیاہی شب عالم کی مٹی سورۂ شمس ہے تفسیر تری صورت کی
تو ہوا باعث آرام دل زار جہاں
تری تعریف کو سبحاں کی بھی قاصر ہے زباں

تیری صورت پہ ہر اک جاں سے شیدائی ہے صورت پاک تری مظہر یکتائی ہے
زلف پر پیچ کا تیرے کوئی سودائی ہے چشم مشتاق میں تو نے ہی جگہ پائی ہے
دیکھتا ہوں میں جسے پاتا ہوں صورت تیری
ذرہ ذرہ پہ ہے واللہ حکومت تیری

ہیں ترے تابع فرماں عرب و ہند و عجم رعب سے تیرے ہیں شاہان جہاں کے سر خم
کافروں پر بھی ترا ہوتا ہے الطاف و کرم بادۂ خلق سے ہے دور ہر اک کا غم و ہم
ہاں مجھے بھی مئے دیدار پلا دے ساقی
بیخود و مست تو مجھ کو بھی بنا دے ساقی

مری اک عرض ہے سن لو مرے پیارے سرورؐ ہو گیا ہوں تپ فرقت سے نہایت مضطر
آؤ یا پاس بلا لو مجھے اے خیر بشر قابل رحم ہوں اب حال ہے بیحد ابتر
آپکی اک نظر رحم جو مجھ پر ہو جائے
یہ مرا قلب سیہ فام منور ہو جائے

اے شہنشاہ! بلا بھیجئے اک بار مجھے اے شہنشاہ! دکھا دیجئے دربار

جی اٹھوں! ہوگا اگر آپ کا دیدار مجھے ہے تمنا! کہ ادھر آ کہیں سرکار مجھے
دین و ایمان مرا لے لو! دکھا دو صورت
موہنی اپنی مرے دل میں جما دو صورت

کیجئے رحم سکوتؔ الم آگیں پہ ذرا ہے غلام آپ کا اور آپ ہیں اس کے آقا
کس زمانہ سے ہے مولا وہ گرفتار بلا جز تمہارے نہیں ہے کوئی سہارا اس کا
اے خیال نبوی مجھکو وہاں آنے دے
تیری چوکھٹ پہ خدارا مجھے مرجانے دے

شیخ ظہور الحق سکوتؔ

مسدس نعتیہ

برج نبوت کے ماہ۔ نبیوں کے پشت و پناہ ہوگئی فرد گناہ۔ ساری کی ساری سیاہ
اٹھ نہیں سکتا ہے شاہ ہم سے یہ بار گناہ ہم پہ ہو ہادیٔ راہ۔ تیرے کرم کی نگاہ
کشتیٔ امت تری۔ ڈوب نہ جائے کہیں
جلد جبرے نبی۔ غوطہ نہ کھائے کہیں

تو نے دیا ہے سبق ایسا مساوات کا کفر بھی قائل ہوا۔ تیری کرامات کا
کیسا کیا ستیاب۔ ظلم کا بدعات کا ہم سے ادا شکر یہ کیا ہو عنایات کا
اے شہ والا ہمم۔ جلد ہو لطف و کرم
نام کو جیتے ہیں ہم۔ آگیا اب لب پہ دم

آپکے اخلاق کا ہو نہیں سکتا بیاں دشمن حال سے بھی کیجیے آپ ہمدردیاں
کافر و مکہ کے ساتھ۔ باہمہ مکاریاں سید والا نے کیں نیکیوں پر نیکیاں
کم تھے کسی سے حضور کونسی کس چیز میں
اور رہی کچھ رنگ تھا حسن دلآویز میں

دین کو دنیا کے ساتھ آپ نے برتا مدام — فطرت و مذہب کا ساتھ۔ رکھئے ہر مرام
خالی از حکمت نہ تھا۔ آپ کا ہر اک کام — آج ہی بگڑا نہیں۔ دیکھئے وہ انتظام

نقش قدم چھوڑ کے صحرا میں ہم
اپنی ہی رفتار سے کھنس گئے دنیا میں ہم

کیوں نہ تصدق ہے آپ کا ضو آپ — کیوں نہ مٹا دے ابھی آپکی الفت میں گھر
زاہد و عاصی پہ ہے آپکی یکساں نظر — حشر کے میداں کا کیسے ہو خوف و خطر

آپ نہ ہوتے اگر شافع روز جزا
ہوتی نہ ہم پر حرام۔ نار سقر مصطفےٰ

میر ہاشم علی ضو

خانۂ کعبہ کا کیا عالم رہے — بت پرستی جب وہاں ہر دم رہے
لات و عزا کی رہے طاعت مدام — ق — کفر کے سب مونس و ہمدم رہے
جہل و ظلمت کی سیاہی خوب چھائے — ضابطۂ اخلاق کے برہم رہے
پسند آیا نہیں اللہ کو — مبتلائے جہل یوں عالم رہے
صاحب اخلاق اک پیدا کیا — تاکہ اُن کا مونس و ہمدم رہے
وہ مگر تھے ایسے کچھ وحشی مزاج — سب مخالف ہی رہے برہم رہے
آخر اُس شمع ہدایت پر وہی — سب کے سب قرباں ہوئے ہمدم رہے
آج آمد ہے اُسی ذی جاہ کی — اب سر تسلیم سب کا خم رہے
الصلوٰۃ والسلام اے شاہ دیں — آپ کے پیرو بہت ہی کم رہے
رحم ہو یا سرور رحمۃ للعالمین — قوم کب تک مبتلائے غم رہے
آپ اگر چاہیں تو بیڑا پار ہو — قوم کا شیرازہ کیوں برہم رہے

تا قیامت یا شفیع المذنبیں — دین کا اڑتا ہوا پرچم رہے
ہو تجلی نعت میں کوئی غزل — جس میں جوش طبع کا عالم رہے

مستلائے درد و رنج و غم رہے — آپ کے خادم کا یہ عالم رہے
یا رسول اللہ اب لیجئے خبر — تا کبے دل مبتلائے غم رہے
حشر کے میدان میں کیوں منفعل — اُمتِ سردار دو عالم رہے
یہ تمنا ہے یہی ہے آرزو — روضۂ سرکار پر خم رہے
کاکل اقدس کی شوق دید میں — سلسلہ جنباں جنوں پیہم رہے
یہ نہیں ممکن کہ خادم آپ کا — تشنہ کام کوثر و زمزم رہے
اُس لب جاں بخش کی تاثیر سے — حیرت آگین عیسیٰ مریم رہے
خوشہ چیں تخلیق آنحضرتؐ کے خود — حضرت حوا رہیں آدم رہے
شوق دیدار مدینہ کم نہ ہو — اس تن خاکی میں جبتک دم رہے
عشق حضرتؐ ہی رہے دل میں مدام — درد دل بڑھکر رہے یا کم رہے
شوق دیدار رسول اللہؐ میں — رشک جیحوں دیدۂ پرنم رہے
دل منور آپ کے جلوہ سے ہو — اور ٹھنڈا دیدۂ پرنم رہے
تھا بُرا ایسا کہ میری زیست تک — کاتب اعمال بھی برہم رہے
زخم تیغ ہجر احمدؐ ہے شفا — کیوں جگر منت کش مرہم رہے
گر نہو شمع ہدایت جلوہ گر — روشنی ایمان کی مدھم رہے
نیم جاں گلبرگیں . گر میں رہوں — شہر و بطحی میں میرا دم رہے
ہو تجلی حشر کا کیا خوف جب — مہرباں سردار دو عالم ہے

ہست قرآں ہمیں ایں روئے رخشاں شما — معنی واللیل شد زلف پریشاں شما
اندرون چاہ بابل و ایسا نبندو بس — صد ہزاراں قیدی چاہ زنخدان شما
والضحیٰ تفسیر آں رخسار پر نور ہست — ما زاغ البصر تفسیر مژگان شما
تا بایں فرمان توجن و بشر جو رو ملک — حکم حق اند حقیقت آب فرمان شما
فاصلِ بیچارہ وصف تو چساں گوید شہا — خود خدا چوں گفت مدح و ثنا خوان شما

فہرست مضامین تاج بابتہ ماہ بہمن ۱۳۳۴ف مطابق دسمبر ۱۹۲۴ء مطابق جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

مضمون	مضمون نگار	صفحہ	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
ایوان نگاریں	مولوی محمد احسن صاحب نظم ٹونکا محاکاۃ	۱۷۵	اقوال زریں	مرسلہ جناب طیب علی صاحب	۲۱۳
خیالات آزاد	مولوی سید محمد حسین صاحب آزاد حیدرآبادی	۱۸۴	غزل	عالیجناب بہادر عزیز الاول	۲۱۴
علم اللسان کا ایک عجیب تر اور نرالا کمال	حکیم مولوی سید محمد جلال صاحب	۱۸۵	تازیانۂ عبرت (قصہ)	رفیق مدیر	۲۱۵
ہندوستان کے معاشی حالات کا مطالعہ	مولوی عزالدین محمد صاحب	۱۸۷	سینما خانہ	مصورہ لفافہ جناب سید اکمل حیدر صاحب حیدرآبادی	۲۱۷
خلق اوم علی صوتی	مولوی حکیم قطب الدین علی صاحب قتیل	۱۹۵	محسوسات صنعتی	مولوی حکیم سید علی احمد صاحب اورنگ آبادی	۲۲۲
غزل	العالی جناب عزیز یار جنگ بہادر عزیز الاول تخلص	۱۹۶	نجم سحر	مولوی سید علی اختر صاحب	۲۲۳
اخوان الصفا	دفیق مولوی سید منظور علی صاحب	۱۹۷	موسم سرما	سخن آفریں مولانا سید فخر الدین صاحب	۲۳۴
خواتین عالم کا لباس	مولوی سید ممتاز حسین صاحب	۲۰۴	جذبات ناظم		۲۳۸
ملک ہندوستان کا تول	عالیجناب جے آر۔ رائے صاحب	۲۰۵	ترجمہ ادب	بزم مشاعرہ عالیجناب باغ صاحب	۲۳۹

جزو تاج

الحمد للہ کہ تاج ماہ بہمن ۱۳۳۴ف ناظرین و لائقین کے ملاحظہ میں پیش کیا جا رہا ہے اس میں شک نہیں کہ بہمی خرابی و معذرت کی عدم حاضری کو بوجہ پرچہ وقت پر شائع نہ ہو سکا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ پرچہ کے بروقت شایع ہونے کی ہر ممکنہ کوشش کی جائیگی مضامین پر مختصر طور سے جو اظہار رائے کیا گیا ہے ہمکو امید ہے کہ ناظرین تاج بھی ہماری رائے سے متفق ہوں گے۔

"تاج" بابتہ ماہ اسفندارو فروردی کے پرچوں کی کتابت شروع کر دی گئی ہے امید ہے کہ منقریب ان کی بھی اشاعت ہو جائے "آئندہ پرچہ بطور خاص" اردو ے قدیم" نمبر ہوگا جس کی خوبی دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے اس کے بعد کے نمبر میں شبلی، عالی، آزاد، ڈاکٹر نذیر احمد خاں صاحب کے طرز مضامین پر جو مولانا سید جلال صاحب طریق پر موازنہ کیا ہے وہ شائع کیا جائیگا۔ یہ مضمون اپنی خوبیوں کو جو سے اس قابل نہیں ہے کہ بالاقساط شائع کیا جائے ایک ہی پرچہ میں لکھا جائیگا لہذا یہ پرچہ قابل دید ہوگا۔ خاکسار مدیر نے ایک عرصہ کی محنت کے بعد دکنی ضرب الامثال کا ایک کافی ذخیرہ جمع کیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اردی بہشت کے پرچہ سے اسکا سلسلہ شروع کر دیا جائیگا۔

ایوان نگاریں اگستان کے مشہور شاعر ٹاڈ الفریڈ ٹینیسن کی یہ ایک عمدہ نظم کا ترجمہ ہے جو مولوی محمد احسن صاحب کے قلم سے نکلا ہے امید کہ ناظرین اسکو پڑھکر بہت ہی محظوظ ہوں گے صاحب موصوف "تاج" کے دور اول میں اکثر مضامین لکھتے رہے ہیں ہمکو توقع ہے کہ آپ اب بھی اپنے مضامین سے "تاج" کے صفحات کو مزین فرماتے رہیں گے۔

خیالات آزاد جناب آزاد کی شاعری کسی تعریف و توصیف کی محتاج نہیں ہے یہ نظم بھی اپنے رنگ میں خوب ہے۔

علم اللسان کا ایک عجیب تر اور نرالا کمال یہ مضمون مولوی سید جلال صاحب کے بہترین مطبوعات کا نتیجہ ہے آپ اپنے مفید مضامین کیوجہ ناظرین "تاج" سے ابراز خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ہندوستان کے معاشی حالات کا مطالعہ جناب عزالدین محمد صاحب کے مضمون کی یہ دوسری قسط ہے

غزل نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز الاول تخلص فصیح اطراف بلدہ صدر قلمرو مبارک نے یہ غزل عزیز شاعر پر بھیجکر ہم

شکریہ کیساتھ درج کرتے ہیں نواب صاحب موصوف ملک کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں اس غزل کا ایک ایک شعر قابل داد ہے ہم انکی داد دیتے ہوئے نواب صاحب سے امید رکھتے ہیں کہ آپ اپنا کلام ہمیشہ "تاج" کو عنایت فرمایا کریں گے۔

اصول اخلاق "تاج" میں اس سے پہلے اس مفید مضمون کی تین قسطیں درج کیجا چکی ہیں اب یہ بقیہ پوری قسط ناظرین کے ملاحظہ میں پیش ہے ادیب فاضل پروفیسر سید نظر علیصاحب شاہر ہر تین مضمون لکھا کرتے ہیں لکھوا دیجئے کہ آپ اپنے عالمانہ مضامین سے ہمیشہ زینت بخشا کرینگے۔

غزل مولانا سید شاہد صاحب قمری و مزاح اول تعلقہ ضلع بیدر شریف نے یہ غزل روانہ فرمائی ہے غزل کا انداز نہایت دلکش ہے ہم آپ کی اس عنایت کا نہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی اپنے کلام سے "تاج" کو رونق دیتے رہیں گے۔

ملک ہند کا تمول مسٹر جے۔ آر۔ رائے ہندوستان کے مشہور اہل قلم ہیں آپ سے ملک کا شخص واقف ہے آپ اپنے پرزور رضاکی وجہ معاصرین میں ممتاز خیال کئے جاتے ہیں۔ "تاج" کی یہ خوش قسمتی ہے کہ پہلی دفعہ آپنے یہ مضمون "تاج" کو عنایت فرمایا ہے ہم شکریہ کیساتھ درج کرتے ہیں اس مضمون سے متعلق ہم کچھ لکھنا نہیں چاہتے اس کے الفاظ سے ناظرین یہ مضمون کی خوبی واہمیت خود بخود ظاہر ہوجائیگی ہمکو امید ہے کہ آپ سب وعدہ اپنے گرانقدر مضامین سے تاج کو ہمیشہ مفتخر فرماتے رہیں گے۔

غزل نواب کاظم علیخاں صاحب بہادر کی یہ غزل ہے آپکے کلام میں اور کہنہیں ہوتی اچھی غزل ہے ہم انکی داد دیتے ہیں۔

تازیانہ عبرت ایک عرصہ کے بعد (جیسا کہ ہمارے کرم فرما نے مضمون سے پہلے اپنے نوٹ میں ظاہر فرمایا ہے) جناب قبلہ کا یہ ایک دلچسپ و سبق آموز افسانہ ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے ناظرین واقف ہیں کہ دردؔ صاحب فسانہ نگاری میں کیا درجہ رکھتے ہیں ہم اپنے ناظرین والا تمکین سے وعدہ کرتے ہیں کہ جناب دردؔ صاحب اب آئندہ سے "تاج" میں ضرور اپنے مضامین لکھا کرینگے۔

سینہ بھی خانہ مصورِ لطافت مسٹر سید آفاحمد حسن دہلوی (علیگ) کا تعارف ناظرین تاج سے قبل ازیں ہوچکا ہے مینیجر آپنے جس انداز میں لکھا ہے قابل ستایش ہے امید ہے کہ ناظرین اس سے حظ وافر اٹھائیں گے۔

محسوسات صفی مولوی حکیم محمد محمود علیصاحب صفی حیدرآبادی کے شہور شاعر حضرت کیفی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں آپکا کلام اپنے استاد مرحوم کے کلام سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا کلام عام طور پر بہت مقبول ہوتا ہے ہم جناب صفی صاحب سے امید کرتے ہیں کہ آپ ہمیشہ ناظرین تاج کو اپنے کلام سے لطف اندوز ہوتے رہنے کا موقعہ دیا کریں گے۔

نجم سحر مولانا امید علی اختر صاحب اختر کی یہ نظم ہے یقین ہے کہ آپ کا زور کلام ناظرین سے داد لئے بغیر نہیں رہیگا۔

موسم سرما "سخن آفرین" مولانا یگانہ صاحب نے یہ سوسی نظم عنایت فرمائی ہے جو ہر طرح لائق داد وقابل تحسین ہے۔

جذبات ماتم مولوی عبدالمقتدر خاں صاحب۔ ماتم نے یہ غزل لکھی ہے خوب لکھی ہے سبحان اللہ۔

روح ادب جناب باغ صاحب کے ماہانہ مشاعرہ کی یہ غزلیں ہیں ہر ایک غزل بجائے خود نہایت اچھی غزل ہے ناظرین "تاج" اس سے ضرور لطف اٹھائیں گے۔

ایک پریس کلاں جاپانی (ولایتی) ساخت خاصہ جرمنی بقیمت چار سو پچاس روپیہ "تاج" پریس میں موجود ہے۔ جن اصحاب کو ضرورت ہو مینیجر "تاج" - "تاج" پریس حیدرآباد دریافت فرمائیں

جلد ۲ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نمبر ۳

مخزن

ایوانِ نگارین

لارڈ الفریڈ ٹینیسن کی ایک مشہور نظم کا ترجمہ

مندرجۂ ذیل انگلستانی روح کا ذکر ہے۔ جو یونانی گناہ کی انتہائی چاشنی میں سرشار تھی۔ مگر علم و عقل کے بہترین صفات سے بھی مُعرّا اور فضل انسانی کے مختلف جذبات اور تاثرات سے ناآشنا نہ تھی۔

خود رو پھول لانے والی گھاٹیوں کے وسیع باغ کی مانند یا ایک پُرشکوہ عالی حوصلہ عالی دماغ عورت کی طرح طبعی نمو سے پروان چڑھی تھی جس پسندی محض حُسن کے لئے۔ علم و دانش جس پسندی کے لئے محبوب کہتی تھی۔ بھلائی کی صرف اسلئے دلدادہ تھی کہ اُسمیں خوبصورت صفات مضمر ہیں۔ مگر نہیں جانتی تھی کہ حُسن، صفت، اور علم انسان کی یہی خواہ تین نہیں ہیں جو ایک دوسرے پر والہ و شیدا، ایک ساتھ رہتی اور ایک ہی چھت کے نیچے بسر کرتی ہیں۔ اور اسکباری کے بغیر جدا نہیں ہوتیں۔

یہ عورت صفت روح، باہمہ دانی صفات، خود پسندی میں سرشار، اپنی اور اپنی ذات کے سوا کسی غیر کی روادار نہ تھی، محبت سے بالکل بیگانہ تھی۔ مگر وہ شخص جو محبت کو بھی ٹھکرا اپنے پاس آنے نہیں دیتا محبت بھی اُسے اپنی بارگاہ میں کبھی باریابی نہیں دیتی۔ اور اسلوچ وہ آسانہ الفت سے دور

بیرونی اندھیارے میں پڑا آہ و بکا کیا کرتا ہے۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ خالق اکبر نے کسی ایسی ہی ذات کو مست کرنے کے لئے اس ناچیز خاک کو فرشتوں کے گرم آنسوؤں سے نرم کرکے، انسانی الملیت کے سانچے میں ڈھالا تھا"

دُنیا سے الگ، گوشۂ تنہائی میں۔ جب ایک شاندار عشرتکدہ تعمیر ہو چکا۔ میں نے کہا "اے عالی مرتبت رُوح۔ آ۔ زمانہ تیرے لئے ساز گار ہے۔ خوشیاں کر۔ اور رنگ رلیاں منا"

ایک ہموار اور کافی مرتفع چٹان جسکی چکنی سطح پیتل کی طرح چمک رہی تھی۔ عمارت کے لئے منتخب کیگئی۔ کچھ فاصلہ پر۔ گرداگرد۔ ایک چوڑی فصیل کی بنیادیں، ناہموار، پر فضا، چراگاہ پر قائم کیگئیں۔ جسکی شفاف، عمودی دیواریں۔ گنجان وادی کی گہری سبزی کے بالمقابل نمایاں معلوم ہوتی تھیں جو بلند، سرو قد درختوں کے گھنے پتوں سے، تاک جھانک کرتی آتشیں لہر کی طرح بل کھاتی اطراف چلی گئی تھیں، اس عجائب عالم بہترین عمارت میں جسکی مضبوطی اور دلآویزی پر گنبد زبردست بھی رشک کر رہا تھا۔ کوئی زینہ، سیڑھی، یا چکر دار راستہ نہیں بنایا گیا تھا۔ تاکہ میری روح کے آرام اور تنہائی میں کوئی مخل نہ ہو سکے۔

"جب تک زمین گردش میں ہے۔ اور آفتاب دائرہ شمسی کے چکر میں اپنے کنبہ کو ساتھ لئے پھر رہا ہے۔ تو مکاید عالم سے الگ۔ زحل کے سایہ کیطرح جو اُسکی مجنونانہ گردش کے باوجود اسکے روشن حلقوں پر خاموشی سے پڑا سو رہا ہے۔ راحت و سکون کے ساتھ اطمینان سے حکومت کر"

باغ

شمال سے جنوب۔ مشرق سے مغرب تک۔ عمارت کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ ہر حصہ میں صحن اور صحن باغ کے وسط میں، حوض بنے تھے۔ جسکے زمردیں فوارے سے۔ جواہر نما قطرے نکل نکل کر نور افشاں پانی پر بکھرتے۔ اور جسکی تمام شب کی روانی اپنی خوش آئند آواز سے برآمدوں میں۔ ایک مسموم گونج پیدا کرتی تھی۔ بلند و بالا برآمدوں کے ستونوں پر جسکی رنگا رنگ گلکاری

عظیم الشان درختوں کا شبہ پیدا کر رہی تھی۔ زریں نشست گاہیں اور شہ نشین بنے ہوئے تھے۔ جہاں سے وسیع اُفق کا منظر دکھائی دیتا اور نیلے آسمان کا سمندر ریگستان میں ڈوبا نظر آتا تھا۔

فواروں کا پانی ایک پہاڑی ندی سے جا ملتا تھا۔ جو موجیں مارتی۔ بل کھاتی، دھوئیں کے بادل کی طرح دور تک چلی گئی تھی۔ اور بالآخر پتھریلی زمین پر لڑھکتی گرجتی پہاڑ سے مختلف رنگ کی چمکنے والی آبشاروں میں نیچے جا گرتی تھی۔

سرسبز، لہلہانے والی وادی کی پہاڑی چوٹیاں، سنہری مورتوں کی شکل میں اپنے پیروں کو چھونک لئے کھڑی تھیں۔ جلتے کشادہ عود دانوں سے بخورات کے بادل امنڈ امنڈ کر ہوا میں منتشر ہوتے تھے۔ میری روح ان مسرت خیز مناظر سے متاثر ہو کر کہا کرتی۔

"کون ہے جو آج میری اس عظمت و شان کو دیکھ کر آنکھیں کھولے گا"۔

صبح و شام جب آفتاب کی کرنیں، ایوان کے منقش شیشہ آلات، زریں چھتوں کی گیلریوں اور پرنگار دریچوں کو قوس قزح کے مختلف رنگوں میں جگمگایا کرتی تھیں اور جب تمام عمارت، ہلکی شعاع کی ارغوانی روشنی میں دہک اٹھتی تھی۔ میری روح برآمدوں کی دلآویز تاریکی میں خوش خوش۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں۔ جو مختلف مزاج اور حالتوں کے لحاظ سے مکمل اور جو فرش و فروش اور فرنیچر کی رنگینی سے بجائے خود ایک زندگی کا نمونہ تھے دن بھر پھرا کرتی تھی۔ پردے جا بجا لٹک رہے تھے۔ جلتی رنگین زمینوں پر دلکش تصاویر منقش تھیں۔ کہیں کوئی شکاری موسم سرما میں نکلنے والے آفتاب کے سامنے۔ اپنی عرق فشاں پیشانی اور پھولے گالوں سے بگل بجا رہا تھا۔ کہیں ماہتاب سے چمکنے والی سرخ ریگ پر کوئی مسافر قیام کی تلاش میں بھٹکتا پھرتا، کہیں سمندر جوش مارتا۔ کہیں سنگلاخ ساحل نظر آ رہا تھا

کہیں غضبناک موجیں چٹانوں سے بے بس ہو کر ساحل کی دیواروں سے سر ٹکراتی تھیں کہیں دریا بہہ رہا تھا۔ کہیں سرسبز میدانوں میں مویشیوں کے جھنڈ پھوار برسنے والے ابر دواں کے جھالوں میں بدحواس ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ کہیں رہقانی زندگی کا منظر تھا۔ کسان کھیت کاٹتے کہیں کھلیان لگائے جاتے تھے۔ کہیں ہرے بھرے نخلستان۔ کہیں پٹ پر میدان کہیں جھاڑ کہیں جھاڑی۔ کہیں پہاڑ۔ کہیں پہاڑی۔ کوہ در کوہ چمکنے والی برفانی چوٹیاں بے جھجھک سرگوشی کر رہے تھے۔

اس ایوان نگاریں میں ہر قسم کی دلفریبی اور طبیعت کے ہر رخ اور دل کے ہر رجحان کے موافق مصنوعات فطری کا سامان مہیا تھا۔ جو پژمردگی متانت اور رحم حتی کہ غیظ و غضب کی حرارت میں بھی سکون و انبساط پیدا کرتا تھا یہی نہیں بلکہ اخلاقی اور مذہبی ادبی اور جنگی سامان کی متعدد دلچسپیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔

تاریخ و فسانہ بھی نظر انداز نہ کیا گیا تھا کسی ملک اور کسی قوم کی خصوصیت نہ تھی ہر زمانہ تصاویر اور مناظر کی شکل میں رونما تھا۔ مشاہیر عالم جلوہ گر تھے۔ تاریخی واقعات نقش بہ دیوار تھے۔ کہیں بت پرستی۔ تو کہیں فلسفہ اور الٰہیات کا درس ہو رہا تھا اور یہ سارے جہاں کی دلچسپیاں ہنرمندیوں کے ساتھ خوشبوؤں میں بسی ہوئی موجود تھیں وقت اور موسم کی رعایت سے موسیقی کی دلفریبیاں اور پر درد جذبات انگیز راگوں اور رقص خیز گیتوں کے ساز و سامان ہر وقت مہیا رہتے تھے۔

بلبل ہزار داستان اپنے نغموں کو عالم تنہائی میں اتنی طوالت نہ دیتی ہوگی جتنا کہ میری روح اپنی گنگناہٹ کو عالم سرور میں تسلسل دیا کرتی تھی جسکی گونجنے والی آواز بازگشت بن کر گیلریوں میں دوڑتی اور اس قصر خاموش میں اسکو اپنے عالم وجود میں ہونے کا یقین دلایا کرتی تھی

اس محل سنگین کی خاموش، پرمسرت زندگی جسکی سرزمین۔ رعونت خیز اور جسکی آب و ہوا کبراانگیز تھی۔ گو میری رُوح کی تکوین اور فطرت کے کسی طرح موافق نہ تھی مگر جب وہ کُل شاہدات عالم پر اپنی حکومت اور حواس خمسہ کے تمام حظائط پر اپنا پورا دسترس پاتی تو دنیا کے مصائب و آلام اور امن و جنگ کی کیفیت سے۔ بے تعلق ہو جایا کرتی تھی اور جب مسرور و محظوظ کے اختتام پر، رات کی دیوی، دن کو درخشاں تاروں سے تاج پوش کیا کرتی اور کل ایوان نگاریں، جواہرات کے شفاف چاندوں اور منور چراغوں کی روشنی سے۔ سینکڑوں تاروں میں جگمگا اٹھتا وہ خوشبو ں کی ترنگ میں کھو جاتی تھی۔ "عجب نہیں کہ یہ میرا پر تکلف ایوان جو اپنی وسعت اور دلفریبی میں آسمان سے ٹکر لے رہا ہے۔ لوگوں کو بہشت بریں کا دھوکہ دیتا ہو"

اے میرے نظر فریب مناظر۔ اے میرے نقش و نگار۔ اے میرے خاموش مقام اور دانایان جہان کے مجسمو۔ جنکے ساتھ میں دنیات بسر کرتی ہوں اور اے میری خدایا تنہائی میں تم سب کو نعمت عظمیٰ جانتی اور تمہاری قدر و منزلت میری نظر میں اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب میں سامنے کے چراگاہ میں جمع ہونے والے مکروہ گلوں (انسان) کو دیکھتی ہوں۔ جن میں رشک و حسد، بغض و عناد کے شعلے، اُٹھتے رہتے، اور جو منافقانہ خمیر کو، لطف و محبت کا مجسمہ قرار دیتے ہیں جو کیچڑ سے بھرے گندے، گڑھوں میں لوٹتے۔ جنکے جسموں سے تعفن نکلتی۔ جن کا مآل زندگی۔ چرنا سونا اور بچے دینا ہے اور جب کوئی بے سرا بہوت ان میں آ ملتا ہے تو آپس کی جنگ و جدال سے تباہی اور نکبت کے تاریک غار میں۔ جا گرتے ہیں۔ ان فطرتی مشاغل کی تنقید کے علاوہ وہ مفاد اور قسمت کے مسائل پر بھی نکتہ سنج ہوا کرتی کہ مجھے متلونوں کی

منا قشوں سے کیا کام۔ میں انسان کی نیت کی شریک اور عمل کی قدر دان ہوں اور گو جملہ مذاہب پر نظر خاکسار رکھنا پسند کرتی ہوں۔ لیکن خداوند عالم کی طرح میں بھی مذہبی پابندی سے آزاد اور کسی خاص ملت کی طرف، رجحان رکھنے سے بالکل بری ہوں"

یہ بے شمار لاشریک دلچسپیاں اکثر ذہنی اور دماغی خیالات کی زد کو، مصائب زندگی کے معمے پر بھی جا ٹکراتی تھیں جنکی گتھی کا سرا، ناپید اور جس کا عقدہ کہ سے کہ اوسکی ذات کے لئے ایسا لاینحل تھا جسمیں سوائے خلفشار اور سرگردانی کے اور کچھ ہاتھ نہ آتا تھا لیکن تصورات کے تخت سلطنت پر، متمکن رکھکر وہ ان مشاغل علمیہ کی تفریح، بخیال سکون دماغ کیا کرتی اور حقیقی دلچسپی اور خیالات سنجیدہ میں انہاک تضیع اوقات سمجھتی تھی۔

تیس سال کی خاموش حکومت، مسرت وانبساط کی، حدود انہا کو اپنے آخری لمحہ تک کھینچ لائی۔ زمین نے کروٹ لی نئے سال کا چہرہ زوال کی، کرن کی چمک کے ساتھ نمودار ہوا۔ قصر سنگین کے راحت افزا سازوسامان اور دلکش مناظر جنکی سیر و تفریح بے چین دلوں کو محو حیرت کر دینے اور رنج وکلفت کے غبار دھو دینے میں اپنی آپ نظیر تھے افسردہ نظر آنے لگے، خوشنما تصاویر، اور رنگ تراشی کے بہترین نمونے، بکسیں۔ لاچاری کی تصویریں تھیں.....

.....جو مُردہ نگاہوں سے حسرت زدہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ اصول فطرت جس نے انسان کی ہیئت بنایا ہے ایک دوسرے کی مدد و استمداد میں مضمر ہے اور ترقی کا یہی وہ راز ہے جب سے لطف اور یگانگت کے چہچہے اڑ اڑا کر دور و نزدیک پہونچتے اپنے اور بے گانہ، سبھی کو فیضیاب اور شاہراہ ترقی پر تیز گام کرتے ہیں۔ آلام و مصائب میں جب ایک دوسرے کی شرکت کا متمنی رہتا ہو تو افراط مسرت کے لئے، تنہا جگر حقدار نہیں۔ نعمت عظمیٰ اور حیات جاودانی

جنکی خیر و برکت سے ایک عالم متمتع ہو سکے۔ عذاب دائمی سے کم نہیں اگر ایک ہی ذات اُس سے بہرہ مند ہو۔ یہ دارِ فانی، جہاں بقا کا نام نہیں۔ جسکی ہر چیز لازوال اور ہر شے عدم کی طرف تیز گام ہے، عمل نیک کے سوا کسی چیز کو باقی رکھنے والی نہیں۔ ظاہر ہے کہ فلسفۂ ہستی کے یہ اصولی خیالات جو ایثار اور خیر عام کے جذبات کو برانگیختہ کرنے میں اس ناپاک رُوح کے لئے کہانتک خوش آئند تھے۔ جکا نصب العین خود اُس کی اور اسکی ذات تک محدود اور جسکی سرگرمیاں ہیر پھیر کر خود اوسکے نفس پر منتہی ہونیوالی اور جسکا انتہائے کمال ذاتی فلاح اور مفاد کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

حریص و متلون انسانوں کی مانند جو زمین و آسمان پر اپنی حکومت دیکھنے کے بعد بھی قانع نہیں رہتا۔ میری روح انتہائی دلچسپیوں سے سیر ہونے کے باوجود ایسی راحت اور سکون قلب کی متلاشی تھی۔ جسکی لذت نامعلوم۔ اُسکی الجھی ہوئی ہستی کو سلجھے کنارے تک پہنچا دے اسی بھینچ میں وہ دن رات مبتلا رہتی تھی ہر منظر تصورات کے پردہ پر نقش برآب۔ نظر آتا اور ہر وقت ایک نامعلوم کا تھا۔ اسکے تخت سلطنت کو تہ و بالا کرتا اور فانی فانی کے الفاظ لکھتا دکھائی دیتا تھا۔ اسلئے اسکے ایوان دماغی میں برہمی اور تخیل کی حکمرانی میں ہنگامہ خیزی برپا رہا کرتی تھی۔

خداوند دانا و بینا۔ جسپر شخصیت کے تاریک ترین راز تک پوشیدہ نہیں۔ جو اپنی مخلوق کا نگہبان جو اپنے بندوں کا نگران حال ہے۔ اسکی مصلحت ایزدی نے مناسب نہ سمجھا۔ کہ اس روح کو بلا تزکیۂ گناہ فنا اور عدم محض کے حوالے کر دے اسلئے بکمال لطف و عطا اوسنے۔ اس خلفشار اور پریشانی کو۔ یاس اور حرمان کے خیالات سے مبدل کر دیا۔ تنہائی جو موجب راحت و سکون تھی خوفناک اور نفرت خیز معلوم ہونے لگی۔

خودداری تحقیر اور تکبر عاجزی سے مبدل ہوگیا اگرچہ اسکا نفس سرکش، اس تحقیر و تذلیل کو فطری ذکاوت سے حس کرنے میں قاصر نہ تھا مگر وہ ایسے واہمہ خیالات کو، جو اس کے عیش کے مانع ہو رہے تھے۔ راہ نہ دینے کے لئے ہنس کر کہا کرتی تھی "کیا یہ وہی وسیع محل نہیں جو میری قوتوں کا مرجع اور میری ارمانوں کا، مامن رہا تھا جسکے مستحکم حصار میں میں نے ہوش سنبھالا اور جسکی آب و ہوا میں میں نے نشو و نما پائی ہے" مگر ہائے۔ یہ ابلہ فریبیاں، حقیقی سکون اور راحت کے لئے کسی طرح تسلی بخش نہ تھیں۔ در و دیوار سے وحشت نمایاں اور گوشہ گوشہ سے ویرانی عیاں تھی، متوحش ڈراؤنی شکلیں جا بجا دکھائی دیتی تھیں کہیں سفید آنکھوں والے بھوت، خون کے آنسو روتے کہیں کھوکھلی نعش سے آگ نکالے، بے پوست ہاتھوں سے لپک رہی تھی اور میری روح کسی خاص سمت بہنے والے آب رواں کی مانند تھی جسکی راہ میں کوئی متعفن، تاریک، قایم کھنڈر حائل ہوگیا ہو یا کھاری پانی کے اوس کنڈ کی مانند جو سمندر کے کنارے، ریت کے حصار میں قید تمام شب اپنے ہم اصل متلاطم سمندر کے سفید پانی کو، چاند کی کشش سے، آسمان تک بلند ہوتے دیکھتا ہو یا اس ستارہ کی طرح جو فضائے بسیط میں متحرک سیاروں سے الگ اس رقص سماوی کو بحسرت دیکھ رہا ہو۔ جو کسی نظام کے جملہ اجرام لطیف و کثیف کو ایک اٹل قانون کی کڑی میں جکڑے ایک مقررہ دائرے میں اپنے مرکزی جسم کے گرد ایک گردش کر رہے ہوں۔

یہ مناظر ایسے نہ تھے۔ جو صحبت انسانی سے، فرار ہونے کی، کافی پاداش نہ کر سکتے اسکی تنہا پسندی، اسکا تکبر، اسکی خود پسندی، اسکا تنفر۔ اسکے استحقار کا خمیازہ بشکل انعام پیش نظر تھا۔ وہی سناٹا، وہی سنگلاخ، سنگلست محل، وہی مناظر فطرت تھے جن سے

زندگی اور زندہ دلی کی صدائیں گونجتی رہا کرتی تھیں۔ اب متوحش نظروں سے دیکھ رہا ہے اور اس ہو کے عالم میں کرب اور تڑپ کی دلخراش آہ و زاری، گہری خاموشی پر چھائی ہوئی ہے

میری روح کھلنے والی سست و ناکارہ، مٹی کی طرح رفتہ رفتہ نابود ہو رہی ہے کاہلی اور بیکاری سے پریشان، موت اور زیست سے خائف، خدائے لایزال کی بارگاہ سے مردود، خوفناک زمانہ اور بھیانک وہم کی تاریک ترین کال کوٹھری میں محصور، یکہ و تنہا اپنے جرم میں بلا شریک، پوشیدہ قبر میں مقید، گنہگار آفسوسوں سے گریاں۔ انسان کے قدموں کی چاپ سننے کی اسطرح متلاشی رہا کرتی تھی جسطرح سرشام کسی خیہ آباد ملک میں ایک اجنبی سمندر کی گڑگڑاہٹ سنکر متجسس نگاہوں سے ادہر اودہر دیکھ رہا ہو اور اس نامعلوم آواز کو بادل کی گرج۔ لڑھکتے چٹان کی کڑکڑاہٹ، یا درندوں کی گونج پر محمول کرتا ہو لیکن اصل حقیقت سے لاعلم رہکر کمال افسوس کے ساتھ خیال کر رہا ہو۔ اگرچہ اسنے ایک نئی چیز کا پتہ لگالیا لیکن اسکی محنت رائگاں اور اسکی کوشش بیکار ہے کیونکہ یہ اسکا وقت آخر اور وہ دم توڑ رہا ہے۔

میری روح اس دلی خلفشار سے بیچین ہو کر چلا اٹھی، لیکن کوئی آواز نہ آئی محبت اور ہمدردی کا کوئی ہاتھ نہ بڑھا اور اسطرح بدبختی کی فریاد گلا گھونٹتی، اور نالے تیر و خنجر بن بن کر وار کرتے رہے۔

کامل ایکسال گریہ و زاری اور کفارۂ گناہ میں گزر گیا۔ رحمت لم یزلی کو بالآخر حرکت ہوئی۔ قصر سنگین تھرایا۔ توبہ قبول ہوئی۔ انسانی برکات، اور صحبت ہم جنس کے فضائل نے جب اپنی قدر و منزلت پیدا کرلی اور ایوان نگاریں نے، کبر و خود ستائی کا اور خود پسندی کے عناصر شیطانی کا بالکل تصفیہ کر دیا تو اُس نے اس خلعت فاخرہ کو اتار پھینکا

اور بہ لجاجت یوں گویا ہوئی۔ کہ

"اے خالق عالم کے پاک اور معصوم بندو! اور اے محبت والفت کی زندہ تصویرو! تمہیں میرے شریک اور تمہیں میرے ہمدم ہو مجھے اپنے پاس سے الگ نہ کرو اور ایک جھوٹی سی سامنے کے میدان میں (مسکن انسانی) بنا لینے دو میں بقیۃ العمر اپنے سابقہ گناہوں کی تزکیہ میں تم سب کی خدمتگزاری اور رضاجوئی میں بسر کرونگی۔ لیکن میرے بعد اس خوشنما محل اور اس پرشکوہ ایوان کو برباد نہ کرنا۔ شائد کفارۂ گناہ کے بعد میں متبرک انسانوں کی معیت میں پھر واپس آؤں اس وقت ان نعمت ہائے الٰہی کی پوری پوری قدر اور ان حور و قصور کا صحیح مصرف ہو سکیگا۔

حیراں ہیں شبانِ خدا اور ہی کچھ ہے
جو چیز کہ ہے اسکے سوا اور ہی کچھ ہے

گو روشنیٔ برق ہے منظورِ نظر آج
لیکن مرا مٹی کا دیا اور ہی کچھ ہے

واں بال میں گردید کے قابل ہے اچھل کود
یاں ناچ میں گھنگرو کی صدا اور ہی کچھ ہے

ہر چند کہ بسکٹ بھی مزیدار بہت ہے
اس دال چپاتی کا مزا اور ہی کچھ ہے

یورپ کی ہوا کھاؤ تو بن جاؤ گے گورے
دنیا میں تو یورپ کی ہوا اور ہی کچھ ہے

تقدیر سے کیا ہوتا ہے کرتے رہو تدبیر
قسمت میں خدا نے تو لکھا اور ہی کچھ ہے

یاں اور بھی شاہد ہیں اگرچہ ہزاروں
آزاد تری طبع رسا اور ہی کچھ ہے

علم اللسان کا ایک عجیب تر اور نرالا کمال

مولوی غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی مشہور اور قابلِ قدر کتاب "سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان" میں ہند اور اہلِ ہند کے جسمانی اور دماغی (روحانی) بینظیر قابلیت اور تفوق کو اور اسکی خوبی اور خوشنمائی کو دنیا کے تمام ممالک میں اور تمام اہلِ عالم پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے اس دعوے اور خیال میں ایک بڑی حد تک کامیاب تصور کئے جانے کے ضرور مستحق ہیں۔

ہم اس مقام پر چند سطور میں اجمالی طور پر اُن بہت سے امور باعثِ تفوق میں سے جنکو مؤلف از خروارے ذکر کرنا چاہتے ہیں جو علامہ فاضل نے اپنے دعوے کے ثبوت میں اس کتاب میں بیان کئے ہیں۔

سب سے بڑا اور سب سے اہم تر تفوق اور تفاخر ہند اور اہلِ ہند کا وہ یہ بتاتے ہیں کہ خدا کا سب پہلا خلیفہ (پیغمبر) اور اسکے برگزیدہ بندوں میں ابوالبشر اور ابوالانبیا حضرت آدم علیہ السلام کا ہبوط (نزول) زمین ہند کے ایک قطعہ (سراندیپ) پر ہُوا۔ ہند کے اس خاص شرف اور کرامت میں دنیا کا کوئی ملک اسکے مقابلہ میں ہمسری کا دم نہیں مار سکتا۔

تمام اقطاع عالم اور اسکے باشندے جن مخصوص عادات صفات اور کمالات و کیفیات سے متصف ہیں تم اُن سب کا مجموعہ ہند اور ہندیوں میں بوجہ اتم و احسن پاؤ گے۔

ہند کے سوا دنیا کا کوئی ایک ملک تازہ اور سرسبز و شاداب ہے تو دوسرا ملک خشک اور بے آب و گیاہ ہے۔ ایک ملک پستی اور نشیب میں ہے تو دوسرا سر بفلک پہاڑوں کے وجود سے سربلند ہے ایک ملک لوگوں کی کثرت سے کچھا کچھ بھرا ہوا ہے تو دوسرا ملک ایسا ویران ہے کہ وہاں الو بولتے ہیں

ایک ملک کی نسل کے افراد فراست اور ذکاوت میں بہتر دماغ رکھتے ہیں اور دوسرے ملک کے لوگ قد و قامت اور بالیدگی اور تنومندی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اسکے مقابل میں تیسرے ملک کے ساکنین جسامت میں ضعیف و نحیف اور دماغی اوصاف میں ابلہ اور حیوان سے بدتر ہیں ایک اور ملک کے باشندے حسن و جمال میں حوران بہشت کو شرماتے ہیں تو اسکے مقابل میں ایک اور ایسا بھی ملک ہے جس کے دیسیوں کی بدصورتوں اور ڈراؤنی شکلوں کو دیکھکر بہوت اور پلید رو جنیں بھی ڈری اور سہمی جاتی ہیں۔ لیکن بقول

حسن یوسف دم عیسے ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایک ہندوستان اور صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جو ان تمام خوبیوں کو اپنی آغوش میں جمع رکھتا ہے

اب ہم اس تمہید کے بعد اس عجوبہ روزگار ہندی نژاد علم اللسان کا ذکر کرتے ہیں جس کو آزاد مرحوم نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں بیان کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ملا عبداللہ بہاری نے اپنی کتاب "مسلم الثبوت" میں بیان کیا ہے اور کہتا ہے کہ میں بعض شیوخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انھوں نے ہند کے شمالی پہاڑ پر (جو غالباً ہمالیہ ہوگا) ایک ایسے برہمن سے ملاقات کی ہے جس کو یہ علم حاصل تھا کہ اسکے قوانین سے وہ کامل طور پر ہر ایک زبان کے مطالب اور مضامین سمجھ سکتا تھا"

اگرچہ یہ زمانہ علوم و معارف کے خزانے کھود کھود کر نکال رہا ہے اور علم اللسان کے بڑے بڑے ماہر پیدا کیا اور کر رہا ہے لیکن وہ یقیناً دنیا کے کسی گوشے میں ایسے ماہر علم اللسان کے پتہ تک سے عاجز اور مبہوت نظر آتا ہے پس اگر اس ہندی نژاد عالم کو اس علم پر تمام دنیا کے علمائے علم اللسان پر فوقیت دیجائے تو ایک امر واقعی اور حق بجانب ہوگا۔

ہم آئندہ اس موضوع پر اپنے تفصیلی خیالات ظاہر کرینگے۔ اگر خدا نے چاہا۔ لیکن اسکے تنہا ہم اس شمارہ کے موقع دیکھنے کے منتظر اور متمنی ہیں جبکہ ملک کے دیگر علماء حضرات اس مسئلہ پر بہتر سے بہتر مفصل اور واضح اضافہ فرمائیں گے۔

سید جلال غفرلہ ولوادیہ

ہندوستان کے معاشی حالات کا مطالعہ

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو تاج جلد (۱) نمبر (۳)

گذشتہ نمبر میں جو مضمون شائع ہوا اس سے یہ امر ایک حد تک واضح ہو چکا کہ موجودہ تہذیب میں معاشیات کا مطالعہ کسی حد تک ضروری ہے۔ یورپ اور امریکہ میں جو معاشی انقلاب صنائع کے بعد سے پیدا ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمیں اس وقت یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ خود ہمارا ملک معاشی حیثیت میں کس قدر حصہ لے رہا ہے کسی ملک کی معاشی ترقی وہاں کے کثرت کاروبار سرمایہ داروں کی دولت مندی عمدہ ذرائع حفظان صحت آجروں کی مستعدی استعداد مزدوران اور اعلےٰ معیار زندگی وغیرہ سے ہو سکتی ہے۔ چند دن قبل شکاگو (امریکہ) میں ایک مکان کی تعمیر کے لئے (۶۸) مزدور متعین کئے گئے تھے۔ جن کو گھر لے جانے کے لئے درخواست کے وقت (۶۸) موٹر موجود تھے گویا وہاں کے اعلےٰ معیار زندگی کے لحاظ سے مزدوروں کی آمد و رفت کے لئے موٹر درکار ہیں۔ ہندوستان کے معیار زندگی کے لحاظ سے یہاں کے باشندوں کیلئے موٹر تو کجا ستر پوشی کے لئے ایک دھوتی اور کھانے کے لئے ادنےٰ ترین غذا ملجائے تو غنیمت ہے امریکہ اور ہندوستان ان دو نو مقامات کے باشندوں کا معیار زندگی خود ان ممالک کی معاشی حالت کو بخوبی واضح کرتا ہے۔ اب قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کی معاشی حالت اس درجہ پست کیوں ہے؟

یورپ کی ترقی کے وقت یہاں کی حالت

ہندوستان کی پستی کا بڑا سبب یہ ہے کہ جس زمانہ میں معاشیات

کا ورکس یورپ اور امریکہ میں شروع ہوا تھا اس وقت یہاں پر امن و امان مفقود تھا ملک کا ایک ایک حصہ انسانی خون ریزی کا مسلخ بنا ہوا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی جو خود کو "ممد باہمی" کا جانشین سمجھتی تھی مرکزیت کے قیام کے طرف متوجہ نہیں ہوتی تھی۔ لیڈن ہال اسٹریٹ (دفتر نظماء ایسٹ انڈیا کمپنی واقع لندن) میں ہندوستان کی ترقی یا رعایا کی بہبودی کے وسائل سوچنے سے کہیں زیادہ کمپنی کے ذاتی فوائد اور حصول منافع کی جانب توجہ کی جاتی تھی۔ لارڈ ولزلی نے جو مرکزیت ہندوستان میں پیدا کی تھی اس پر جماعت نظماء نے اپنے عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ غرض نظماء کے غلط مسلک نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک یہاں فتنہ و فساد اور خون ریزی کا بازار گرم رکھا۔ ایسی حالت میں اہل ہند کے لئے کیونکر ممکن تھا کہ وہ یورپ کے جدید علوم کی جانب متوجہ ہوتے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ بقول مسٹر برجی اس نے حکومت برطانیہ کی تائید سے ایسے چالیس حیلے کہ ہندوستان کے مال پر انگریزی بندرگاہوں میں ایک طرف (۱۰۴) فی صدی تک محصول عائد کیا گیا بلکہ بعض چیزوں کی درآمد حکماً بند کر دی گئی۔ دوسری طرف انگریزی مال کی درآمد کے لئے ہندوستانی بندرگاہوں کے دروازے قطعاً کھول دیے گئے۔ اس طرز عمل کا جو نتیجہ نکل سکتا تھا وہ نکلا یعنے بقول ہیم ہنڑ اور مسٹر ولسن "ہندوستان کی شہرہ آفاق صنعتیں تباہ و برباد ہو گئیں"۔

انگریز جو مشہور مورخ رچرڈ گرین کے بیان کے مطابق "دنیا کی تجارت کے مالک بن چکے تھے" اب ان کو ۳۲ کروڑ نفوس انسانی کی اشیاء حاجات زندگی مہیا کرنے کا بازار ہاتھ آگیا۔ صنعت کی تباہی کے بعد کروڑوں غریب ہندوستانیوں کے لئے زراعت

تنہا ذریعۂ معاش رہ گیا۔ زمین کی محدودیت اور کاشتکاروں کی لا محدودیت نے یہاں کے معیار زندگی کو پست بنا دیا۔ چنانچہ زمانۂ موجودہ میں یہاں کی آبادی کی اوسط آمدنی (۲) پونڈ سے زیادہ نہیں ہے۔ زراعتی آبادی کا اوسط تو اس سے بھی گھٹا ہوا ہے۔ اس کے مقابل اہل امریکہ کی آمدنی کا اوسط (۵۲) پونڈ ہے۔

اصول معاشیات کی تفریق

حکومت برطانیہ کے زیر نگیں ہونے کے بعد ہندوستان نے معاشی ترقی کی طرف قدم اٹھایا اور تلافی مافات کے لئے کوشش شروع کی مگر بدقسمتی ابھی پیچھا چھوڑنے آمادہ نہیں ہوئی۔ معاشیات کے اصول علوم الہندسہ اور طبعیات کے مانند ۲ + ۲ = ۴ نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں انسانی احتیاجات اور زندگی سے بحث ہوتی ہے انسانی احتیاجات "ہر ملک ہر رسم" کے مصداق جدا جدا ہیں۔ انگلستان کے باشندوں کیلئے ادنیٰ لباس بوٹ اور پاتابہ بقائے زندگی کے لئے لازمی ہیں تو اہل ہند کے لئے یہ اشیاء داخل تعیش ہیں۔ اسی طرح وہاں پر دولت کی فراوانی سے بادہ خواری مجالس رقص و سرود کی شرکت لازمۂ تہذیب ہے تو یہ اہل ہند کے لئے مضر اخلاق۔

ہر ملک کے مخصوص قدرتی نواح اور رسم و رواج کے اثرات کی مناسبت سے معاشیئین نے اصول معاشیات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے یعنے اضافی و مطلق (قومی و عالمی) معاشیات مطلق میں وہ قوانین شامل ہیں جو ہر ایک زمانہ میں ہر ایک ملک پر صادق آتے ہوں۔ اس میں معاشی قوانین، کلیئے، اور مفروضات شامل ہیں۔ برخلاف اس کے وہ اصول جو ہر ملک پوری طرح منطبق نہ ہو سکیں بلکہ خاص خاص ملکوں کے حالات کے لحاظ سے صحیح ہوں وہ اضافی ہیں مثلاً وہ معاملات جن کا زمانہ قدیم میں رواج نہ ہو جیسے زر کاغذی اعتبار، بنک، مبادلات خارجہ وغیرہ یا معاشی قرضے جن کا منشا کسی خاص معاشی

مسلک کی تائید و تلقین ہو جیسے تجارت آزاد و مامون اصول عدم مداخلت وغیرہ ہندوستان میں جس وقت معاشیات کا درس شروع ہوا اس وقت اصول معاشیات کے مباحث کی تقسیم اس طرح پر نہیں ہوئی تھی بلکہ جو اصول انگلستان میں رائج تھے انہیں کی پیروی یہاں پر ہونے لگی۔ حالانکہ بجٹ صاحب کا قول ہے کہ "انگریزی معاشیات کے اصول و مسائل انگلستان سے باہر کچھ تعلق نہیں رکھتے"۔ ایسی حالت میں صاف ظاہر ہے کہ ان کی پیروی سے کہاں تک کامیابی ہو سکتی تھی۔ مثال کے لئے مسئلہ لگان کو لیجئے رکاڈو[1] کے اصول کے مطابق معاشی لگان گویا منافع کاشت ہے۔

ہندوستان کے کاشتکار فقدان تعلیم کی وجہ سے اس قابل نہیں ہیں کہ کاشت کا پورا پورا حساب قلمبند کریں اور پھر یہاں کی صنعت تباہ ہونے، تجارت۔ بدیسیوں کے ہاتھوں میں چلے جانے اور قدامت پسندی کے پیرو ہونے سے یہاں کی ۷۰ فی صدی آبادی کا دارو مدار زراعت پر[2] ہو گیا ہے۔

قانون طلب و رسد[3] کے بموجب جب زمین محدود ہو اور کاشتکاروں کی کثرت ہو تو جو پیداوار کی مسابقت لازمی ہے۔ چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کاشتکار کا حاصل زائد (معاشی لگان) سے متمتع ہونے کے بجائے صرف اپنی محنت کے ادنے ترین معاوضہ پر قانع ہو جانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور حاصل زائد سے زیادہ رقم کے زمیندار یا پٹہ دار مالک بن جاتے ہیں۔ اگر حکومت کی جانب سے

---

[1] ایک مشہور انگریزی معاشی جو ۱۷۷۲ء سے ۱۸۲۳ء تک زندہ رہا ۱۲

[2] حاصل پیداوار سے تمام اخراجات کاشت یعنی زمین کا معاوضہ کسان اور دیگر مزدوروں کی کل اجرت اصل و بیر یعنی تخم کھاد وغیرہ کی قیمت مع سود اصل قائم یعنے بیلوں موٹ ہل وغیرہ کی فرسودگی کا معاوضہ ملجانے کے بعد جو حاصل زائد باقی رہے۔ وہی معاشی اصطلاح میں معاشی لگان کہلاتا ہے ۱۲

[3] قانون طلب و رسد ایک معاشی قانون ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی رسد محدود اور اسکے طلب کرنے والوں کی تعداد غیر محدود ہو تو اس چیز کی قدر بڑھ جائے

لگان (وصارہ) پر چند قانونی بندشیں عائد نہیں ہوتیں تو کاشتکاروں کے طبقہ کا تباہ و برباد ہو جانا یقینی تھا۔

اس مثال سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ معاشیات کے تمام قوانین کا یہاں پوری طرح انطباق نہیں ہوتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان قوانین کی جانچ پڑتال کی جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ وہ ترمیم پذیر ہو کر کسی حد تک کے معاشی حالات پر منطبق ہو سکتے ہیں مثال کے لئے اہل منچسٹر کے نظریہ تجارت آزاد کو لیجئے آزاد تجارت کا مسلک صرف انگلستان جیسے ملک میں جہاں صنعت درجۂ کمال کو پہونچ چکی تھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن حکومت برطانیہ کے ماتحت ہونے سے ہندوستان کو بھی اس مسلک پر عمل پیرا ہونا پڑا جس کا نتیجہ اسکے حق میں جو نکلا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

ہندوستان کی مجلس مقننہ کا ایوان زیریں اب تجارت مامون اور سرکاری مداخلت کے اصولوں پر کاربند ہو رہا ہے۔ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی بھی ان اصولوں پر کاربند ہوتی تو یہاں کی شہرۂ آفاق صنعت کا خاتمہ کبھی نہیں ہوتا۔

معاشی مظاہر کی پیچیدگیاں

تیسرے وقت یہاں پر معاشی مظاہر کی موجودگی ہے۔ موجودہ جنگ عظیم کے قبل تک یورپ کی تہذیب ہی ہندوستان کے لئے باعث نجات سمجھی جاتی تھی۔ قدیم و جدید تہذیب میں ہر جگہ تصادم ہو رہا تھا مہاتما گاندھی کی تلقین سے تقلید اب غیر ضروری مانے جانے لگی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کھدر کی ترویج اور چرخہ کی تلقین سے محنت اور برق و بخار کے مقابلہ کی بحث پیدا ہو گئی ہے۔ اس بیسویں صدی میں آزاد تجارت آزادانہ مقابلہ اور برق و بخار کی مدد سے دنیا کا بازار عالمگیر ہو گیا ہے۔ مصارف حمل و نقل اور شرح مبادلہ کے وضع کرنے کے بعد امریکہ میں کوئی چیز

جس قیمت سے فروخت ہوتی ہے تقریباً اسی قیمت پر حیدرآباد میں بھی مل سکتی ہے۔ انسانی فطرت انہی اشیاء کی جانب مائل ہوتی ہے جسکی قیمت ارزان ہو۔ ایسی حالت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا تحریک چرخہ کامیاب ہو سکتی ہے یا نہیں۔

ہندوستان کے اکثر مقامات پر قدیم طریقوں پر زراعت رائج ہے البتہ اب کہیں کہیں یورپ کے جدید سائنٹیفک طریقوں کی پیروی ہو رہی ہے۔ اسی طرح بمبئی۔ کلکتہ۔ کراچی کانپور صنعتی مرکز بن گئے ہیں لیکن اضلاع پنجاب ممالک متحدہ مدراس بدستور زراعتی اضلاع سمجھے جاتے ہیں۔

صنعت اور زراعت کے تصادم سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا ہندوستان صنعت گر ملک بن جائے یا بدستور زراعتی ملک رہے۔ ہندوستان کی زمین کی زرخیزی۔ قدرتی ذرائع آبرسانی کی فراوانی مختلف ملکوں میں مختلف موسموں کی وجہ تقریباً ہر قسم کے اجناس کی کاشت کا امکان یہ سب امور اس بات کی سفارش کرتے ہیں کہ وہ بدستور زرعی ملک بنا رہے۔ اس کے مقابل یہاں کے پوشیدہ معدنی مدفن کوئلہ اور لوہے کی موجودگی خام پیداوار کی کثرت اجرت کی ارزانی ۳۲ کروڑ نفوس انسانی کے احتیاجات زندگی کی تکمیل اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ ہندوستان صنعت گر ملک بن جائے۔ غرض اس قسم کے مختلف مظاہر کی موجودگی خود معاشی ترقی کی سنگ راہ بنی ہوئی ہے۔ معاشیین کا فرض ہے کہ وہ اس پر غور کریں کہ ہندوستان کس قسم کی زندگی اختیار کرے

مستند معلومات کی قلت

چوتھی دقت مستند معلومات کی قلت ہے۔ معاشیات کا معمل (لیبوریٹری) طبعیات یا کیمیا کے مانند نہیں ہے جہاں کوئی تجربہ کی ضرورت پڑی فوراً اس کے سامان مہیا ہو گئے کسی ملک کے کسی دور میں معاشی حالات کا مطالعہ کرنا ہو تو

کم از کم نصف صدی کے حالات کی چھان بین کرنی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں صاف ظاہر ہے کہ معاشی ترقی کے لئے کس قدر مواد درکار ہے۔ ہندوستان کی بدقسمتی سے یہاں کے حالات کے متعلق کافی مستند بیانات موجود نہیں ہیں۔ اس بیسویں صدی میں البتہ کچھ توجہ ہونے لگی ہے۔ حکومت کی جانب سے اگرچہ ہر سال کافی تعداد میں رپورٹیں شائع ہوتی ہیں مگر وہ بقول مسٹر برجی "معتبر نہیں خیال کی جاسکتیں" وجہ یہ ہے کہ اوّل تو سرکار جن ذرائع سے اعداد و شمار حاصل کرتی ہے وہ قابلِ اعتماد نہیں۔ دوسرے جس طریق سے وہ پیش کئے جاتے ہیں، وہ بھی اکثر قابلِ اطمینان نہیں ہوتے۔

ذاتی خیالات کی ترجمانی

پانچویں وقت ذاتی خیالات کی ترجمانی ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان کے اکثر محب وطن معاشیات کے اصولوں کی ترویج کے وقت کسی امر کے حسن و قبح پر غور کرنے سے زیادہ اپنے ذاتی خیالات کی ترجمانی پسند کرتے ہیں ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کسی مسئلہ کا حل صحیح طور پر ہو سکے۔ پنڈت موتی لال نہرو جس وقت مہاتما گاندھی کی تحریک چرخہ کی ہمنوائی کرتے تھے اُس وقت وہ چرخہ کے ممتاز حامیوں میں سے تھے۔ برسی مال کی ہولی جو دو سال قبل ہندوستان میں جاری ہوئی اس میں ان کا خاص اثر تھا لیکن آج وہی نہرو صاحب ہیں جنکے نزدیک تحریک چرخہ لغو اور مہمل ہونے کے علاوہ معاشی ترقی کے لئے سنگ راہ ہے۔ معاشی ترقی کے خیالات میں اس وجہ فریق بندی کا مہلک اثر شامل ہو تو وہ کیونکر ملک کے لئے باعث نجات ہو سکتے ہیں۔

فقدان تعلیم

ہندوستان کا عالمگیر فقدان تعلیم خود معاشی ترقی میں حارج ہو رہا ہے جس ملک کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد ۳ ½ فی صدی سے بھی کم ہو تو اس کو اپنی زندگی کا معیار بلند کرنے کا کیونکر احساس پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی تعلیمی پستی ان کو

رسم و رواج کا پابند بنا رہی ہے۔ یہاں کے مزدوروں کی اجرت کا حصہ کثیر شادی غمی اور دیگر رسومات پر صرف ہو جاتا ہے۔ اگر یہی روپیہ وہ ضروریات زندگی و کارکردگی پر صرف کریں تو یہ نقص کہ ہندوستان کا مزدور کاہل ہوتا ہے دور ہو سکتا ہے۔ بچپن کی شادی یہاں کی آبادی پر اپنا برا اثر علحدہ ڈال رہی ہے۔ کاشتکاروں کو اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ ساہوکاروں کے پنجہ سے نجات حاصل کر کے اس کے بجائے باہمی کے برکات سے مستفید ہوں۔ مزدوروں کو اس امر کی خبر نہیں ہے کہ اتحاد مزدوروں کا اجر (کارخانوں کے منتظم) پر کسقدر گہرا اثر ہوتا ہے جس قدر غور کیا جائے اسی قدر معاشیات کا ہر ایک شعبہ اسی فقدان تعلیم کی بدولت پستی کی حالت میں نظر آئیگا یہ نقص اُس وقت دور ہو سکتا ہے جبکہ جبری تعلیم یہاں پر رائج ہو جائے۔

قدامت پسندی مضمون کو ختم کرنے سے قبل یہاں کی قدامت پسندی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ قدامت پسندی بھی معاشی ترقی کی مزاحم ہو رہی ہے۔ طریقۂ زراعت میں جدید سائنٹیفک اصولوں کی مدد سے بیحد تبدیلیاں ہو گئی ہیں لیکن ہمارے کاشتکاران کی کامیابی سے واقف ہونے کے باوجود ان پر عمل پیرا ہونا پسند نہیں کرتے بلکہ اس ترقی کو بخت و اتفاق کی جانب موسوم کر دیتے ہیں۔ پمپ کے ذریعہ پانی نکالنے کی صورت میں ان کا خیال یہ ہے کہ باؤلی خشک ہو جاتی ہے۔ زراعت میں لوگوں کی جو کثرت ہے وہ ظاہر ہے لیکن کوئی کسان اس امر پر راضی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے اجداد کا پیشہ چھوڑ کر کسی دوسرے سلسلہ میں منتقل ہو جائے۔ یورپ اور امریکہ کے باشندے کثرت آبادی کی صورت میں تلاش معیشت کے خاطر سات سمندر پار چلے جاتے ہیں مگر یہاں کی آبادی وہ وطن کی سختیوں کو ؎ خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر

ہو کر فائقہ کشی کے باوجود ترک وطن پر آمادہ نہیں ہوتی۔ اگرچہ ترک وطن میں بعض اور بھی مشکلات واقع ہیں مگر اس میں قدامت پسندی کو سب پر تقدم حاصل ہے یہاں کی معاشی ترقی میں کیا کیا موانعات حائل ہیں۔ ان کا ایک سرسری خاکہ اس مضمون کے مطالعہ سے ذہن نشین ہو جا سکتا ہے پستی کے اور بھی بعض اسباب غور و فکر سے معلوم ہو سکتے ہیں مگر ان سب کا راز۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ ہندوستان معاشی جد وجہد میں یورپ اور امریکہ کے مقابلہ میں بجد پستی میں ہے۔ جاپان نے مشرق سے تعلق رکھنے کے باوجود نصف صدی کے عرصہ میں اپنی ترقی کا سکہ دنیا پر بٹھا دیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی ضروری جد وجہد کے بعد معاشی ترقی میں ناکام رہیں ہمارے ملک کے معاشی کا فرض ہے کہ وہ نہایت غور و فکر کے ساتھ اُن اسباب کو جو ہماری معاشی پستی کا باعث ہیں ان کو تلاش کریں۔ تاکہ اس طرح اہل ملک کو ایک صحیح راستہ کا سراغ مل جائے اور وہ اپنے آپ کو جلد سے جلد دوسری متمدن و ترقی یافتہ اقوام کا ہم پلہ بنانے میں کامیاب ہوں۔

غزل

از عالیجناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز دل تخلص طرافلہ صاحب مختار

امید تھی ایسی تم میر کہا کرتے — وعدے پہ چلے آتے وعدہ بھی وفا کرتے
خاموش نہ ہم رہتے محفل میں عدو کی بھی — کہنے کی کہا کرتے سننے کی سنا کرتے
کیوں صاف نہیں کہتے منظور نہ تھا ملنا — دشمن کا اگر ڈر تھا چوری سے ملا کرتے
دم ناک میں ہے دلکی آزار بندی سے — ہر وقت یہی دھن ہے وہ اور جفا کرتے
انجام محبت کا معلوم اگر ہوتا — کیوں جان سے ہم جاتے کیوں جان فدا کرتے
تم نے یہ نہ کچھ سوچا نازک ہے دل عاشق — رہ رہ کے ستم ہوتا تھم تھم کے جفا کرتے
پیکان نظر تیرے سینے میں اگر رہتے — دل اور جگر میرے آپس میں لڑا کرتے
اس عالم امکاں میں امکان میں سب کچھ تھا — سب کام سنور جاتے ہمت جو ذرا کرتے
بیتابی دل اسے ہم تم خوف دشمن کے — مجبور تھے عاجز تھے کرتے بھی تو کیا کرتے
مہلت نہ قضا نے دی افسوس رہا اسکا — درد دل مضطر کی ہم آپ دوا کرتے
اس حسن پہ گر تم کو قدرت بھی خدا دیتا — کیا جانیئے کیا ہوتا کیا جانیئے کیا کرتے

اللہ حسینوں کی دنیا میں کمی کیا ہے
ہم جا عزیز اپنی کس کس پہ فدا کرتے

اُصولِ اخلاق

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو تاج جلد ۱ نمبر ۴

تہذیبِ نفس

تجربہ شخصی شاہد ہے کہ جب کوئی شئے حواس کے ذریعہ سے انسان میں کوئی تغیر پیدا کرتی ہے اور انسان کو اُس اثر کا احساس ہوتا ہے تو انسان موجوداتِ خارجیہ کے صفات پر حکم لگاتا ہے۔ تغیرِ موجود کا علم اُس تغیر کے وجود پر ہے جو حواس خمسۂ ظاہری انسان میں پیدا کرتے ہیں، اور حافظہ اُسے یاد رکھتا ہے۔ اس قسم کے تغیر کو جوفاتی اور یقینی علم ہے پیدا ہو عین الیقین کہتے ہیں۔ اور عین الیقین کبھی خاص تغیر کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں کسی غلطی کی گنجائش نہیں، نہ اس کے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہے۔

عین الیقین مبدء علمِ انسانی ہے اور ہر قسم کی بشری معلومات کا مدار اسی پر ہے۔ اس جزئی تغیر کے سوا انسان میں تغیرات کلی بھی موجود ہیں جن کی بنا خاص طور پر جزئی تغیر اور تجربۂ شخصی پر نہیں ہوتی۔ تجربۂ نوعی نے انسان کے دماغ کی صورت اور اُس کے عمل کو اس قدر معین کر دیا ہے کہ تجربۂ شخصی سے قبل ہی انسان میں عمل کرنے کی معینہ قوت موجود ہوتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تجربۂ نوعی تجربۂ شخصی کے خلاف ہو۔ اسی تجربۂ نوعی کے اتحاد سے افرادِ انسانی کی معلوماتِ صحیحہ متحد نظر آتی ہے۔

علم النفس کا یہ مسلّمہ ہے کہ نفسِ ناطقۂ انسانی کو دو قوتیں حاصل ہیں۔

(۱) قوتِ مدرکہ (۲) قوتِ متحرکہ۔ قوتِ مدرکہ کے دو شعبہ ہیں:۔ (۱) عقل نظری (۲) عقل عملی۔ عقلِ نظری صورِ علمی کے قبول کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور عقلِ عملی افعالِ ارادی کو

حرکت میں لاتی ہے۔ قوتِ متحرکہ کے بھی دو حصہ ہیں:۔ (۱) قوت غضبی (۲) قوتِ شہوی۔ قوت غضبی کے ذریعہ سے نامناسب اور مضرت رساں امور کو دفع کیا جاتا ہے اور قوت شہوی کے وسیلہ سے اسبابِ راحت فراہم کئے جاتے ہیں۔ قوتِ مدرکہ تمام قوائے بدنی پر غالب اور اُن پر حکمران ہوتی ہے۔ اس قوت کا جو اشارہ ہوتا ہے باقی قوتیں اس کی تعمیل کرتی اور جس فعل سے باز رکھتی ہے اُس سے اعتذار کرتی ہیں۔ ہر قوت کا ایک فعل مقرر ہے اس لئے وہ اس فعل کی جانب مقتضائے عقل ہو متوجہ ہو جاتی ہے۔ قوتِ مدرکہ کے شعبۂ اوّل (عقل نظری) سے انسان کو حکمت حاصل ہوتی ہے۔ اور شاخ دوم (عقلِ عملی) سے عدالت۔ قوتِ غضب کی تہذیب سے شجاعت اور قوتِ شہوت کی تہذیب سے عفت کا ظاہر ہونا مسلم ہے۔ بعض حکماء کا بیان ہے کہ انسان میں تین قوتیں ایک دوسرے کی ضد موجود ہیں اور حسب موقع الزبین سے ہر ایک کے موافق افعالِ ارادی صادر ہوتے ہیں۔ انسان میں جو قوت غالب ہوتی ہے وہی دوسری قوتوں پر غالب آجاتی ہے، اور باقی قوتیں یا تو مقہور رہو جاتی ہیں یا مفقود۔ قوتِ ناطقہ جسے نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں مبدء فکر و تمیز ہے، اور انسان کو اس کے ذریعہ سے بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ قوتِ غضبی جس کا نام نفسِ لوّامہ ہے مبدء غضب و شجاعت ہے۔ اس کے ذریعہ سے انسان کو ہولناک امور کر بیٹھنے اور جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے قوتِ شہوی یا نفسِ امّارہ مبدء شہوت ہے، اور اس سے انسان کو اکل و شرب اور مناکحت کی خواہش ہوتی ہے۔ ان حکماء نے فضائلِ نفسانی کی تعداد بھی انہیں قوتوں کے برابر مقرر کی ہے اور کہتے ہیں کہ نفسِ ناطقہ کے اعتدال کی حالت میں انسان کو اکتسابِ علم کا شوق پیدا ہوتا ہے اور حکمت حاصل ہوتی ہے۔ نفسِ لوّامہ کے اعتدال سے قوائے

حلم و شجاعت حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح نفسِ امّارہ کے اعتدال سے عفت اور سخاوت وفا ہوتی ہے۔ انسان میں جب یہ قوتیں درجۂ کمال کو پہونچ جاتی ہیں تو جو فضیلت اُسے حاصل ہوتی ہے اُس کا نام عدالت (عدل) ہے۔ قوتِ عملی کا کمال یہ ہے کہ قوت اعتدال کے ساتھ اس کے تحتِ تصرف ہو، اور قوتوں کو اعتدال اوس وقت نصیب ہوتا ہے جب اُنہیں ملکۂ راسخۂ عمل حاصل ہوجاتا ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ حکمت۔ شجاعت، عفت اور عدالت فضائل انسانی ہیں تو اجمالی طور پر اُن کی غایت معلوم کرنی بھی ضروری ہے۔ حکمت سے اگرچہ استعمالِ عقلی عملی مراد ہے لیکن یہاں اُس سے غرض یہ ہے کہ بقدر طاقتِ بشری انسان کو موجودات کا ایسا ہی علم ہو جیسی کہ وہ واقع ہوی ہیں۔ موجودات یا اُن کے وجود کا محاطۂ علم اختیار انسانی سے باہر ہے اس لئے حکمت کے دو شعبے کئے گئے:۔

(۱) نظری (۲) عملی۔ حکمت عملی میں ہر وہ علم داخل ہے جو اختیار انسانی میں ہو شجاعت سے غرض یہ ہے کہ قوتِ غضبی کو اتنا فرمانبردار بنایا جائے کہ انسان مقامِ خوف و ہلاکت میں پڑنے سے باز رہے، اور یہ قوت اس قدر اعتدال پر ہو کہ صحیح رائے پر عمل کرسکے۔ عفت سے غرض ایسی قوت ہے جو حسبِ رائے عقل نفس ناطقہ کے تصرف میں ہو اور نفسِ امّارہ کی فرمانبرداری سے باز رہ کر بیجا خواہش نہ کرے۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ متذکرۂ بالا قوتیں اعتدال کے ساتھ متفق و متحد ہوکر قوتِ ممیزہ کی فرماں پذیر ہوجائیں اور صاحبِ قوت کو حیرت سے باہر نکال لائیں۔ جب تک یہ ملکہ حاصل نہو جائے انسان کسی تعریف کا مستحق نہیں۔

نفس کا وہ ملکہ جس کے ذریعہ سے انسان صدورِ فعلِ ارادی پر بلا فکر و تامل قادر ہو

خلق کہلاتا ہے۔ اخلاق خلق کی جمع ہے نفس میں وجودِ خلق یا تو طبعی ہوتا ہے یا مصنوعی اور چونکہ انسان میں قبولِ اخلاق کا کافی ملکہ موجود ہے اس لئے بعض طبائع سے قبولِ غیر کا اظہار ہوتا ہے بعض سے شرکا۔ ارسطو کے نزدیک شریر النفس تعلیم و تربیت سے نیک بنجاتے ہیں۔ ہماری نگاہ اشاعت غیر پر ہے۔ اور ہم فضائلِ انسانی کو اعتدال کی حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے اس مختصر رسالے کی گنجائش کے لحاظ سے یہاں صرف فضائل اخلاق کے توابع کو ترتیب وار بیان کرتے اور اُن کی افراط و تفریط کو کتبِ مطولہ کے لئے چھوڑتے ہیں۔

حکمت (۱) ذکا (۲) سرعتِ فہم (۳) صفائی ذہن (۴) سہولت تعلیم (۵) حسنِ تعقل (۶) تحفظ (۷) تذکر۔

شجاعت (۱) کبرِ نفس (۲) دلیری (۳) علوہمت (۴) ثبات (۵) حلم (۶) سکون (۷) شہامت (۸) تحمل (۹) تواضع (۱۰) حمیت (۱۱) رقت۔

عفت (۱) حیا (۲) رفق (۳) حُسنِ ہُدا (۴) مسالمت (۵) دعت (۶) صبر (۷) قناعت (۸) وقار (۹) ورع (۱۰) انتظام (۱۱) حریت (۱۲) سخاوت

عدالت (۱) صداقت (۲) الفت (۳) وفا (۴) شفقت (۵) صلہ رحم (۶) مکافات (۷) حُسنِ مشارکت (۸) حُسنِ قضا (۹) تودد (۱۰) تسلیم (۱۱) توکل (۱۲) عبادت۔

اکتساب فضائل میں سب سے پہلے جس شے سے مقابلہ ہوتا ہے وہ انسان کے افعال ارادی ہیں۔ اِن کی دو قسمیں ہیں (۱) طبعی (۲) مصنوعی طبعیت اپنے وجود اور مرتبہ دونوں کے اعتبار سے صناعت پر مقدم ہے کیونکہ طبعیت کی افتادِ فطری ہے اور

انسانی ارادہ کو اُس میں بقدر ضرورت دخل ہے، اور صدورِ صناعت کے لئے ارادہ کا شریک ہونا ضروری ہے طبیعت صناعت کے لئے معلم کا کام دیتی ہے اور یہ صناعت کا کمال ہے کہ طبیعت سے تشابہ پیدا کرے۔ تہذیبِ اخلاق سے اس مقام پر جو کچھ مراد ہے اسی صناعی سے ہے لیکن فطرت اور طبیعت کی اقتدا ضروری ہے۔ کیونکہ جو صفت وجود میں مقدم ہے تہذیبِ نفس میں بھی مقدم ہونی چاہئیے۔ بچہ میں سب سے پہلے غذا کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی خواہش کا اظہار صرف رونے کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ اس وقت بچہ متشابہ چیزوں میں فرق نہیں کرسکتا۔ اور تمام اشیا کو مجمل طور سے یکساں جانتا ہے یہاں تک کہ ماں اور غیر میں اُسے تمیز نہیں ہوتی۔ رفتہ رفتہ جب حواس قائم ہوجاتے اور حافظہ میں قوت آجاتی ہے تو اظہارِ مطالب کے لئے مختلف اشاروں سے کام لیتا ہے اور اب ماں اور غیر میں تمیز کرنے لگتا ہے۔ قوتِ شہوی کے کامل ہوجانے کے بعد بچہ میں قوتِ غضبی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے افعال میں پسند ناپسند اور رغبت و نفرت کی جھلک پائی جاتی ہے خوشی اس کے عقل کے مطابق نقصان دہ سے اُس سے احتراز کرتا ہے۔ مرغوب کے حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے اور جب اس پر قادر نہیں ہوتا تو اپنے پرستاروں سے استغاثہ کرتا ہے جب قوتِ غضبی بھی کمال پر پہونچ جاتی ہے تو بچہ میں نفسِ ناطقہ کا خاص انتظار رہنے لگتا ہے اور بچہ اچھے بُرے کی تمیز کا اظہار حیا کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ اور اب اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا جانتا ہے۔ قوتِ شہوی و غضبی کامل ہوجانے پر صرف اس کی نوع باقی رہنی چاہئیے۔ البتہ قوتِ تمیز جس سے جزئیات کا ادراک اور کلیات کا علم پختہ ہوتا اور انواع و اجناس کا تصور کامل ہوتا ہے اُس کا کلیات کی جانب مائل کردینے کی ضرورت ہے۔ قوتِ تمیز میں تصور کلیات کا مادہ پختہ ہوجائے تو اُسے عقل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ادراک کلیات انسان کے

سوا حیوانات کی کسی نوع میں نہیں ہوتا یہی مبدء کمالاتِ انسانی ہے اور اسی پر انسانیت کا مدار ہے۔

انسانیت کا تعلق جہاں تک فطرت اور طبیعت سے یہاں پہونچ کر ختم ہو جاتا ہے ہر معصوم بچہ جس کا قلب ایک جوہر لطیف کے مانند نقش و نگار سے خالی ہوتا ہے اور ہر قسم کے نقوش کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اپنے والدین کے پاس خداوند عالم کی ایک پاک امانت ہوتا ہے۔ اس کی طبیعت کو خیر کی جانب مائل کیا جائے اور خیر کا عادی بنایا جائے تو سعادتِ دارین حاصل کر لیتا ہے۔ ورنہ جانوروں کی طرح بے غور چھوڑ دئے جانے پر شر کا خوگر بن کر تباہ ہو جاتا اور مربّی کے سر وبال لاتا ہے۔ فطرت اور طبیعت کے کامل ہو جانے پر بھی صناعت کا کام باقی رہتا ہے اور یہی کافۃ الناس کے حقیقی مراتب پر پہونچنے کی غایت ہے۔

حکماء اسلام نے طبِ روحانی (علم اخلاق) کو طبِ جسمانی سے مشابہ قرار دیا ہے جس طرح طبیب کی نگاہ اعتدالِ مزاج اور اُس کی حفاظت پر رہتی ہے، اور صحت زائل ہونے کے بعد اُس کے عود کرنے کی فکر کرتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال عالم علم اخلاق کا ہے کہ خلق حسن کے موجود ہونے کی حالت میں اس کی حفاظت اور نہ ہونے کی صورت میں اس کے استحصال کی سعی کرتا ہے۔ نفس انسانی کا خاصہ ہے کہ صحبت کے اثر کو قبول کرے، اور حکماء نے انسان کے اندر صحبت کے پوشیدہ اخلاق کے اثر کو متفقہ طور پر قبول کیا ہے اور حفظ نفس کی غرض سے نیک عمل اور پاک صحبت کے سوا مفید تحریروں کا مطالعہ انسان کے لئے ضروری قرار دیا ہے جس طرح صلحاء کی صحبت انسان کے لئے مفید ہے اسی طرح شریر النفس اور سئ الاعمال لوگوں کی مجالست اس کے لئے خطرناک!

یہی حال گذشتہ تحریروں کا ہے خواہ نظم میں ہوں خواہ نثر میں۔ بلندی سے پستی پر اُترنا آسان ہے لیکن معراج کمال حاصل کرنے کے لئے انسان کو سخت محنت اور انتہائی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے اور بغیر اس کے افعال جمیلہ پر نفس کو قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ حفظ نفس کی غرض سے قوائے نظری و عملی کا متحرک رہنا لازمی ہے اور ریاضتِ نفس کو ریاضتِ جسم پر اس وجہ سے مقدم رکھا گیا ہے کہ تعطل کی حالت میں پہلے نفس جہل میں مبتلا ہوتا اور آخر کار فیوض عقلی سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انسانیت کے بلند مرتبہ سے گر کر بہائم کے درجہ میں شریک ہو جاتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ اکتساب فضیلت کے لئے طویل العمری کا عذر قبول نہیں، نہ بیکاری اور کاہلی کو بہانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ تحصیل حکمت کب تک مستحسن ہے۔ افلاطون الٰہی نے کیا خوب کہا ہے کہ جب تک جہل عیب ہے۔ کسی علم پر عبور ہونے کے بعد اس کا آموختہ اور ذکر ضروری ہے۔ کیونکہ علم کو فراموش کر دینا اس (علم) کی آفت ہے۔ انسان کو جس طرح جسم کی پرورش کی غرض سے تلاش معاش میں سرگرداں ہونا پڑتا ہے اسی طرح روح کی پرداخت کے لئے مشقت برداشت کرنی اُس پر واجب ہے۔

سید منظر علی اشہری

آنکھوں نے بھلا کب ترا جلوہ دیکھا ہاں طور نے خود اپنے کو سرمہ دیکھا
آمد کے تھے آثار کہ جاتے رہے ہوش موسیٰ نے فقط پردے کا ہلنا دیکھا

غیور حیدرآبادی

غزل

از جانب جناب مولانا سید نثار احمد صاحب احمدی ومزاح تخلص اول تعلقدار ضلع بندہ

سرگشتہ وسربازسردار ہمیں ہیں — تشویطرح سے مدنظر یار ہمیں ہیں
تنویر ہمیں مطلع انوار ہمیں ہیں — جلوہ میں ہمیں عکس رخ یار ہمیں ہیں
مایوس ہمیں منتظر یار ہمیں ہیں — خاموش ہمیں نقش دیوار ہمیں ہیں
ہم صورت ظاہر ہے ہمیں عقدۂ باطن — گنجینۂ اسرار در اسرار ہمیں ہیں
ہم جلوۂ دلدار ہمیں گرم تماشا — محو اثر حسرت دیدار ہمیں ہیں
ہم آہ شرربار ہمیں نالہ شکیب گیر — درد جگر عاشق بیمار ہمیں ہیں
ہم سوز محبت ہمیں ہیں صدمۂ ہجراں — دل خون شدہ و دیدۂ خونبار ہمیں ہیں
ہم بیکسیٔ عشق ہیں ہم سایۂ امید — غمخوار ہمیں چارۂ ناچار ہمیں ہیں
ہم برق تبسم ہمیں ہیں ناوک مژگاں — تیغ نگہ و ابروئے خمدار ہمیں ہیں
ہم گل ہمیں ہیں خاک ہمیں نغمۂ بلبل — دامان گل تر ہمیں ہیں خار ہمیں ہیں
ہم جام ہمیں ہم بادہ ہیں ہم ساقیٔ مہوش — خم خانہ ہمیں رند و قدح خوار ہمیں ہیں
ہم حسن ہیں ہم عشق ہیں ہم شاہد مقصود — اپنے لئے اپنے ہی طلبگار ہمیں ہیں
دیوانگیٔ عشق ہے مفرائگیٔ عشق — اس حسن کے لاکھوں میں خریدار ہمیں ہیں

ہم نے بھی مزاح اس نگہ ناز کو دیکھا
ہر طرح سے مدنظر یار ہمیں ہیں

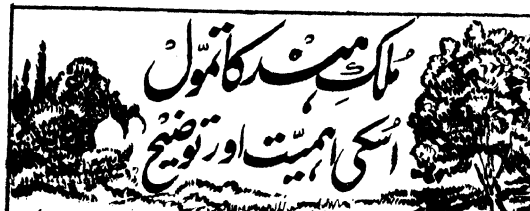

ملکِ ہند کا تمول
اُسکی اہمیت اور توضیح

افلاسِ ہند کا مسلمہ عقیدہ

اس مضمون کے انوکھے عنوان کو دیکھکر ان خصلت کے دماغ میں تشویش انگیز تحریک پیدا ہوگی جو کسی نہ کسی پولیٹکل جماعت کے لیڈروں کی پیروی اور مسلمہ پرانے خیالات کی فراواں پذیری سے گونہ راحت حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ایمان کی پوچھو تو افلاس و تمول اقتصادیات کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے جسکا تعلق سیاسیات کو بھی اس سے خاص مناسبت ہے۔ ہندوستان کے پولیٹکل مسائل میں افلاس کو قریب قریب سب سے بلند مرتبہ حاصل ہے موجودہ کانگرس کا عقیدہ اس کی ہستی کے بغیر محال ہے۔ ان کو اپوزیشن کے اصول الیہ میں اسے ممتاز رتبہ دیا گیا تھا۔ اس کے نام سے نااہل لوگوں سے یہ استدعا کیجاتی کہ وہ اپنے لیڈروں کی دستگیری کرکے اپنا راج قایم کرلیں تاکہ ملک آفات سماوی و تکالیف ارضی سے کامل رستگاری حاصل کرے۔ انتہا پسند قوم پرستوں کا مذہب بیان ہے۔ اگر افلاسِ ہند کے مسلمات سے خارج ہے اعتدال پسند حضرات بھی گاہے بگاہے افلاس ہند کا راگ الاپنا وطن پرستی کا جزو لازمی سمجھتے ہیں قصہ کوتاہ اگر شہرت عام کی آرزو اور لیڈری کی ہمہ دلعزیزی کی تمنا ہو تو صرف افلاس کا وظیفہ پڑھنے سے یہ مبارک اور ارفع مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔

دو متضاد خیالات اور متخالف گروہ

افلاس و تمول ہند کی نسبت دو متضاد خیالات رائج ہیں ایک گروہ کا یہ دعوے ہے کہ ہندوستان دن بدن مفلس اور تہی دست ہوتا اور اسکا بانی اور محرک انگریزی راج قرار دیا جاتا ہے۔ جو لوگ عدم تعاون کے

حامی یا موجودہ سوراجی گروہ اور کانگرس کے معاون ہیں وہ بلاشبہ اسکے قائل ہیں۔ لبرل گروہ میں بھی ایسے لوگ بکثرت ملتے ہیں کہ جو اسکی وکالت اور حمایت اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ دوسرا فریق اسکا مخالف ہے وہ اس کے برخلاف یہ دعوے کرتا ہے کہ ملک ہند تباہ اور غریب نہیں بلکہ سال بسال خوش حالی کی طرف قدم بڑھا رہا ہے اس خیال کے حامی وہاں انگریز اہل قلم اور حکام ہیں اور روشن خیال ہندوستانی بھی ہیں۔ کہ جو اس مسئلہ میں اقتصادی اصول تحقیقات اور استدلال سے ہدایت پذیر ہونے کے درپے رہتے ہیں۔

مسئلۂ افلاس کا آغاز اور ترقیح ترقی

شاید یہ گزارش کرنا غیر ضروری نہ ہوگا کہ اس مسئلہ کی ابتدا کس طرح ہوئی تھی۔ بادی النظر میں اس نظریہ کی ابتدا دادا بھائی نوروجی کی مساعی سے ہوئی تھی۔ آپ نے ۱۸۶۹ء میں نظارت ہند کی ایک خاص مالی کمیٹی کے روبرو عرضداشت پیش کی تھی کہ جس میں اہل ہند کی مجموعی دولت اور فی کس آمدنی کا اندازہ لگایا گیا تھا جو علی الترتیب تین ارب چالیس کروڑ اور بیس روپیہ سالانہ تھی یہ تخمینہ ۱۸۶۷ء ۱۸۶۸ء کے حالات کے مطابق تھا۔ ولیم ڈگ بی اور ہائنڈمین افلاس ہند کے مشہور حامی تھے یہ مسئلہ چندے نے اپنا زور قلم اسی کی تائید اور تقویت میں صرف کیا تھا۔ آپ کا استدلال شرح مالگزاری کی روز افزوں بیشی پر مبنی رہا کہ جس سے بقول آپ کے کاشتکاروں کی حالت دردناک ہوگئی تھی۔ اہل صنعت کی غربت و فلاکت برطانیہ کے مدبروں کی پالیسی سے منسوب کیگئی کہ جنہوں نے بہاری محصول امتناعی ہندی دست کاریوں پر عائد کئے تھے۔ اب نہ تو مالگزاری کا اور نہ ٹیکسوں کا بار گراں ناقابل برداشت گمان کیا جاتا ہے بلکہ بالعموم اوسط آمدنی کا مغربی ملکوں کی آمدنی فی کس سے مقابلہ کرکے ہندوستان کسادبار پر زور دیا جاتا ہے اس وجہ سے یہ لازم آتا ہے کہ اس سوال اور اسکی ماہیت پر قدرے وضاحت اور تفصیل سے بحث کیجائے۔

تمول قومی اور اوسط آمدنی کے مختلف تخمینہ جات

اس بحث کے لئے سب سے مقدم یہ امر ہے کہ مختلف تخمینہ جات تمولی ہند اور اوسط آمدنی کا اجمالی ذکر کیا جائے۔ دادا بھائی نوروجی کا سب سے پہلا اندازہ ہے اور اس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے سنہ ۱۸۸۲ء میں محکمہ مالیہ ہند نے جو تخمینہ مرتب کیا تھا اسکی رو سے اہل ہند کی مجموعی دولت سوا پانچ ارب اور اوسط آمدنی ساڑھے بیس روپیہ سالانہ برآمد ہوئی تھی۔ ولیم ڈگ بی نے سنہ ۱۸۹۸ء کے حالات کا اندازہ کر کے چار ارب ۲۹ کروڑ اور ۵ ، ۱۷ روپیہ فی کس علی الترتیب استخراج کیا تھا۔ لارڈ کرزن نے سنہ ۱۹۰۱ء کے حالات کی رو سے تخمینہ مرتب کرایا تھا کہ جس سے مجموعی دولت پونے سات ارب اور فی کس تیس روپے سالانہ آمدنی نکلی تھی اور اس تخمینہ آمدنی سے ردوکد میں کام لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر بال کشن نے سنہ ۱۹۱۲ء کا جو اندازہ لگایا تھا اس کی رو سے قومی دولت دس ارب ۸ کروڑ اور اوسط آمدنی اکیس روپے برآمد ہوئی تھی۔ اس سے پہلے جتنے اندازے لگائے گئے ان سے دیسی ریاستیں خارج تھیں۔ مگر ڈاکٹر موصوف نے سارے ہندوستان کا تخمینہ مرتب کیا تھا۔ پروفیسر صاحبان وادیہ اور جوشی نے گئے سال سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء کا تخمینہ صرف قصری ہندوستان کا تیار کیا کہ جس کی رو سے بارہ ارب دس کروڑ قومی دولت اور چوالیس روپیہ سالانہ اوسط آمدنی فی کس پہنچتی ہے انڈلیپٹن نے سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء کا جو تخمینہ لگایا۔ اسکے مطابق ۲۸ ارب ۵۴ کروڑ روپیہ ساری دولت کا اور ایک سو چودہ روپیہ سالانہ آمدنی کا اوسط مترتب ہوتا ہے۔ پروفیسر کے ٹی شاہ اور کھمبٹہ نے اس مسئلہ کی تفصیلی اور مطول چھان بین کی ہے سنہ ۱۹۰۰ء اور سنہ ۱۹۱۴ء کے درمیانی کی دولت گیارہ ارب اور اوسط آمدنی ۳۶ روپے۔ سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء کے درمیان کا اٹھارہ ارب باسٹھ کروڑ اور ۵۸ روپے علی الترتیب اندازہ ہے سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء کا ۲۳ ارب پونسٹھ کروڑ

اور ۴، روپیہ فی کس اوسط ہے۔ فنلے شیرر صاحب نے ۱۹۲۱-۲۲ء کا تخمینہ مرتب کیا ہے کہ جس کے مطابق ۲۸ ارب ۶۶ کروڑ مجموعی دولت کا تخمینہ ہوا ہے۔

جمہور کی اقتصادی حالت کا صحیح موازنہ کرنے کی کوشش

گزشتہ صدی کے تخمینہ جات سے قطع نظر موجودہ صدی کے اندازوں میں بہت اختلاف ہے۔ ارنلڈ لپٹن اور فنلے شیرر کے تخمینہ میں چنداں فرق نہیں ہے مگر تین ہندوستانیوں کے تخمینہ جات میں بہت بھاری اختلاف ہے ڈاکٹر بالکشن ۲۱ روپیہ سالانہ۔ پروفیسر صاحبان وادیہ وجوشی ۴۴ روپیہ اور پروفیسر کے ٹی شاہ۔ اور مسٹر کے۔ جے کھمبٹہ کے بیان کی رو سے ۷۲ روپیہ سالانہ اوسط پہلتا ہے ان حیران کرنے والے بیانات میں موافقت اور نیز اہل ہند کی دولت اور آمدنی کا صحیح تخمینہ لگانا بہت ضروری ہے۔ یہ نہ صرف دلچسپ علمی معمہ ہی ہے بلکہ ایک نازک پولیٹیکل مسئلہ بھی ہے کہ جس کا اثر ملک ہند کے مستقبل پر بہت گہرا اور وسیع پڑنے کا احتمال ہے چنانچہ ممبران اسمبلی اور کمرشل حالیہ کے حسب الطلب دو کمیٹیاں مقرر کیگئی ہیں کہ جو اس دشوار اور پیچیدہ مسئلہ کو سلجھانے کی خاص کوشش کریں گی ایک کمیٹی ٹیکس ڈاکرنے کی مقتدات کی تحقیقات میں مصروف ہے کہ جو مجموعی دولت اور اوسط آمدنی کے مسائل کے ساتھ ٹیکس فی کس اور زمینداروں پر نیا ٹیکس لگانے کی مصلحت پر بھی غور کرے گی دوسری کمیٹی جمہور کے اقتصادی حالات کی تحقیقات کرنے کو مامور ہوئی ہے سردست اس کا یہی فرض ہے کہ وہ عوام کی اقتصادی حالت کا موازنہ کرنے کے اسباب کی پڑتال کرے بعد ازاں جامع تحقیقات کی تجاویز وضع کیجائیں یہ امید لگانا نافضول نہ ہوگا کہ ان کمیٹیوں کی مساعی حسنہ سے یہ گورکھ دھندا ہمیشہ کے لئے سلجھ جائے گا۔

اوسط آمدنی کی قلت کے اسباب

ہندوستان مفلس کیوں ہے؟ اسکا جواب حامیان افلاس اس

یہ دیتے ہیں" اوسط آمدنی ڈھائی روپیہ ماہوار اسقدر قلیل ہے کہ کوئی انسان ایک وقت کا کھانا بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ مہاتما گاندھی نے اگست ۱۹۲۱ء میں بمبئی میں ایک لیکچر کے دوران میں فرمایا کہ تین کروڑ آدمی رات کو بھوکے سوتے ہیں۔ مہاتما جی کے نام آور اور ٹی کے شاگرد جیسے لالہ لاجپت رائے وغیرہ دس کروڑ آدمیوں کی نیم گرسنگی کا رونا روئے نہیں تھکتے اور یہی دو امور ملک ہند کے بے انتہا اور ملحسن افلاس کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں کبھی کبھی غیر ملکی تجارت کو بھی ہندوستان کے حق میں ضرر رساں اور ہمارا خون چوسنے والی قرار دیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا مناسب ہے اوسط آمدنی ملک کے ادبار کا سب سے بڑا ثبوت سمجھا جاتا ہے اس وجہ سے اسی کے مختلف اور ضروری پہلوؤں پر بحث کرنا لازم ہے۔

(الف) تازہ ترین تخمینہ اوسط آمدنی

اوسط آمدنی بے شبہ قلیل ہے بلکہ قلیل تر ہے۔ بحوث میں ۱۸۸۱ء یا ۱۸۹۰ء کا اوسط پیش کیا جاتا ہے اور تخمینے جو گزشتہ پندرہ بیس سال کے دوران میں لگائے گئے۔ ان کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا فروری ۱۹۲۱ء میں سردار جے گیند اسنگھ کے ایک سوال کے جواب میں گورنمنٹ کی طرف سے یہ بیان کیا گیا کہ ۱۹۱۱ء کے ایک تخمینہ سے پچاس روپے اور دوسرے سنجیدہ اور جامع نظر سے اسی روپے اوسط سالانہ مترتب ہوتا ہے ۱۹۲۱ء میں مدراس اور بمبئی کے صوبوں کے اوسط کا جو تخمینہ جداگانہ لگایا گیا تو اس سے دونوں کا سو سو روپیہ اوسط فی کس مرتب ہوا تھا اور یہ تخمینے حکومت صوبہ کے ایک شعبہ نے تیار کئے تھے جس سے حامیان افلاس کا استدلال جو اوسط آمدنی پر مبنی ہے۔ سراسر بے سود اور نامعقول ٹھہرتا ہے اس امر کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا ہے کہ ۱۸۸۱ء اور ۱۹۰۱ء اور پھر ۱۹۰۱ء اور ۱۹۱۱ء اور پھر

سنہ ۱۹۱۱ء اور سنہ ۱۹۲۱ء کے درمیان جو ملکی اور اقتصادی تغیرات عمل پذیر ہوئے ہیں ان سے اوسط آمدنی میں بھی بھاری فرق پیدا ہو گیا ہے۔ ضروریات زندگی کی قدر و قیمت میں گزشتہ چودہ پندرہ سال کے دوران میں بے حد بیشی ہوئی ہے اس کی بناء پر سنہ ۱۹۱۱ء کی اوسط آمدنی سراسر ناقابل اعتماد ہے اور اسے بحثوں میں پیش کرنا حق اور واقعیت سے دانستہ گریز کرنا ہے۔

(ب) اوسط آمدنی اور بیکار آبادی

ہندوستان کے تمول کا مغربی ملکوں سے مقابلہ کیا جاتا ہے اور یہ کلیتاً خلاف انصاف ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ تقابل سراسر غیر منصفانہ ہے۔ ہندوستان کا جغرافیائی حجم اور مختلف رنگی آبادی آب و ہوا اور تمدنی ترقی کے ناہموار مدارج وغیرہ وغیرہ یہی باتیں ہیں سرد ملکوں میں گرم کپڑا اور حرارت پیدا کرنے والی خوراک لابدی ہے مغرب میں برقی روشنی، کول گیس، ٹرام کار، اخبارات اور کتب، تھیٹر، اور بائیسکوپ اور کھیل تماشے لوازمہ راحت میں شمار ہوتے ہیں مگر ہمارے ہاں یہ چیزیں صرف شہروں ہی تک محدود ہیں اور ان میں صرف خواص ہی کو خاص دلچسپی اور دلبستگی ہے۔ عوام محض بیگانہ ہیں اگر آخر الذکر دلچسپی ظاہر بھی کرتے ہیں تو برائے نام ایک بہت ادنیٰ جزو عوام کا کھیل تماشوں سے دل بہلاتا ہے کتابیں اور اخبار تو تعلیم یافتہ اصحاب کی ضروریات میں بھی شامل نہیں ہیں۔ مگر سب سے غور طلب امر یہ ہے کہ ہندوستان کی بیکار اور مفت خور آبادی کا اوسط تمام مہذب ملکوں سے بڑھا ہوا ہے سنہ ۱۹۱۱ء میں ۴۰ فیصدی کام کرنے والے اور ۶۰ فیصدی بیکار اور مفت خور تھے سنہ ۱۹۳۱ء میں ۴۶ اور ۵۴ فیصدی علی الترتیب پائے گئے۔ جب یہ کیفیت ہے تو کیا یہ مقام حیرت ہے کہ ہمارا اوسط آمدنی اس قدر قلیل ہے۔ بیکار آبادی مغربی ملکوں میں بھی پائی جاتی ہے جیسے عورتیں بچے بڈھے، اپاہج مگر اس کا اوسط ۱/۴ اور ۱/۳ کے درمیان رہتا ہے اگر ہندوستان کے لاکھوں سنیاسی تندرست فقیروں اور بھیک منگوں اور ساہوکار

اور لنگڑے لولوں کو کام پر لگایا جائے اور برہمن لوگ جو بھیک مانگنا اپنا جدی اور قابل فخر پیشہ تصور کرتے ہیں اپنی بسر اوقات کے لئے محنت سے کام لیں تو بیکاروں کا شمار رجائے ۲۵ فیصدی کے ۳۰ فیصدی رہجائے اور اوسط آمدنی اسی تناسب سے ترقی کر جائے۔ فنلے سٹر جا نے سنہ ۲۱-۱۹۲۲ء کا اوسط آمدنی ایک سو سولہ روپیہ سالانہ تخمینہ کیا ہے یہ ڈیڑھ سو سے زیادہ بھی تجاوز کر جائے۔ اگر تمام تنومند اور کام کرنے کے قابل لوگ گداگری اور جرائم کاری سے انحراف اختیار کر لیں۔ بیکار اور مفت خور آبادی ہی کی وجہ سے اوسط آمدنی اتنی قلیل ہے اور اسکا عموماً کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا ورنہ افلاس ہند ایسا درد ناک معلوم نہ ہو کہ جیسا اس حامی ظاہر کرتے ہیں۔

(ج) وسائل تمول اور اوسط آمدنی کے تخمینہ کا طریقہ

قبل ازیں یہ بیان ہو چکا ہے کہ سنہ ۶۸-۱۸۶۷ء سے لے کر سنہ ۲۲-۱۹۲۱ء تک کے تمول قومی اور اوسط آمدنی کے تخمینے مرتب کئے گئے ہیں جن سے یہ سوال پیدا ہوا ہوگا۔ تمول کے وسائل کیا ہیں؟ اور آمدنی مجموعی کا اندازہ کس طرح کیا جاتا ہے؟ ساتھ ہی یہ سوال بھی برپا ہوگا کہ وسائل تمول کا اندازہ ایک انسان گھر بیٹھے بٹھائے کس طرح لگا سکتا ہے۔ یہاں پر دولت کی تشریح مناسب ہے جس چیز کو فروخت کر کے نقد دام وصول ہو جاتے ہیں اجزائے دولت میں شمار ہوتی ہے چونکہ اشیاء اور سکہ باہم اگر قابل تبادلہ ہیں انکی قدر و قیمت سونے چاندی کے سکے میں شمار ہوتی ہے اس لئے یہ دونوں دھاتیں دولت کی اعلیٰ ترین صورتیں ہیں۔ اثاث البیت اور زر حسب ذیل اشیاء ہیں۔

(۱) شہروں اور قصبوں کی عمارات اور دوکانات۔ حویلیاں اور سرکاری دفاتر۔ گھوڑا گاڑیاں، موٹر کاریں، بائیسکل، دودھ دینے والے جانور، سوداگروں کی کوٹھیوں اور

دوکانداروں کے اندر کے تجارتی اسباب، گھروں کے آرائشی سامان، برتن، کپڑے، زیورات کمیٹی اور دیگر سرکاری سامان اور سفید زمین بتائیے۔ اس کا اندازہ صحت کے ساتھ کون کر سکتا ہے؟ بھلا باہر سے آئے ہوئے مال کا تخمینہ تو سرکاری اعداد کی کتابوں سے ہو سکتا ہے مگر مکانوں اور خالی اور زمینوں کا اندازہ ہر شہر اور قصبہ میں جدا جدا ہوگا۔ کون آدمی ہر شہر اور قصبہ میں جا کر اس کا تخمینہ لگا سکتا ہے۔

(۲) دیہاتی زمینیں، کنوئیں۔ تالاب، مکانات، گائے بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ گھوڑے، درخت اور گھر کے سامان ہیں۔ زمین کی قسمیں مختلف ہیں۔ بنجر، ویران اور قابل زراعت اور ان کے نرخ بھی مختلف ہیں ان کی مالیت کا اندازہ بھی دشوار ہے۔

(۳) جنگلات

(۴) معدنیات

(۵) ریلوے اور ان کے سامان، گاڑیاں، انجن اور کارخانوں کے اندر کے سامان اور آلات وغیرہ۔

(۶) انہار۔ اور ان کے ضروری سامان۔

(۷) جنگی محکمہ کے سامان اور میگزین اور اسلحہ سازی کی فیکٹریاں۔

(۸) پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے سامان۔

(۹) اہل سرمایہ اور اہل تجارت کے کارخانے۔ جو چیزیں باہر سے آتی ہیں ان کا اندازہ محصولات کے اعداد سے ہو سکتا ہے مگر کارخانوں کے اندر جو مشینیں یا تن کام کرتی ہیں انکی شکست و ریخت اور فرسودگی کا صحیح تخمینہ مشکل ہے۔ مگر سب سے مشکل کام شہروں کی عمارتوں اور سفید زمینوں کی مالیت کا تخمینہ ہے۔

(۱۰) جہازوں کی گودیوں کے سامانوں اور شہروں کی ٹرام کاروں اور موٹر بسوں کی ٹیوں کے مختلف سامانوں کا اندازہ بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ زراعت کے اعداد قریب قریب مکمل ہیں۔ کس قدر رقبہ مزروعہ اور کس قدر غیر مزروعہ ہے۔ نہروں اور تالابوں اور کنوؤں سے کتنا رقبہ سیراب ہوتا ہے۔ پھر ان کی پیداوار فی ایکڑ کا حساب بھی ہے اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مختلف اجناس کتنے پیدا ہوئے ہیں اور بازاری نرخ سے کاشتکاروں کی پیداوار کی مالیت کا حساب لگایا جاسکتا ہے مگر اہل تجارت۔ اہل صنعت اور محنت پیشہ آبادی کی آبادی محض قیاسی ہے اس سے ظاہر ہے کہ تخمینہ تمول اور آمدنی سراسر مغالطہ خیز ہے۔

جے۔ آر۔ رائے

اقوال زرّیں

سبزہ کا دیکھنا، سر و پانی سے آنکھیں دھونا، سوتے وقت سرمہ لگانا۔ ہمیشہ صاف اور ستھرے کپڑے پہننا۔ چاند کیطرف دیکھنا۔ یہ پانچ چیزیں بینائی کے لئے بیحد مفید ہیں۔

یوں تو دل خواہشوں کا خزانہ اور تمام اعضاء کا حاکم ہے۔ مگر صبر و استقلال جوانمردی اور سرداری کی دلیل ہے۔

عفو سے بڑھکر دنیا میں اور کوئی بڑی سزا نہیں ہے جسکے دونوں پہلو نتیجہ خیز ہیں

مرسلہ طیب علی

از عالیجناب نواب میر کاظم علیخاں بہادر حلیف تخلص نواب شوکت جنگ حسام الدولہ بہادر دام اقبالہ

مبارک اے جنوں ہم بے سر و ساماں نکلتے ہیں
گلونی طرح کپڑے پھاڑ کر عریاں نکلتے ہیں

جو نیند آجاتی ہے شب کو تو شوق دید ایسا
تلاش یار میں چھپکر مرے ارماں نکلتے ہیں

شب وصل اور شب ہجر ایں تارے گن چکا ہوں میں
کبھی حیراں نکلتے ہیں کبھی گریاں نکلتے ہیں

کیا دنیا کو میں نے ترک تو سب لوگ کہتے تھے
وہ آغوش زلیخا سے مہ کنعاں نکلتے ہیں

گریباں چاک سر پر خاک دو شب کی جدائی میں
اسی صورت سے تیرے کشتہ ہجراں نکلتے ہیں

جو سن پائے ہیں کاظم آرہے ہیں نرم جانا
خود انکی پیشوائی کو شہ خوباں نکلتے ہیں

جملہ حقوق محفوظ

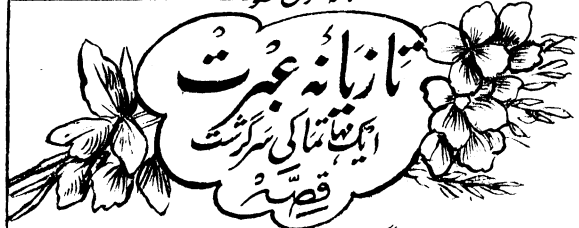

عرصہ ہوا قصہ نویسی چھوٹ گئی۔ شباب کا دور ختم ہو چکا، صبح پیری کا آغاز ہے۔ اب حسن و عشق کے مضامین دماغ میں نہیں آتے، طبیعت کیا تھی تحریر کا رنگ بھی بدل گیا۔ محترم وفا صاحب کا تقاضا تو ہمیشہ کا ہے لیکن معزز ناظرین تاج کا اصرار مجھ سے بڑھ رہا ہے کہ کچھ قصہ لکھو۔ منشی پریم چند مہاشے سدرشن آج اس فن کے اُستاد مانے جاتے ہیں۔ انکے قصے پڑھنے کے بعد قلم اُٹھانا گویا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ لیکن یہاں سُنتا کون ہے۔ فرمائش ہوتی ہے قصہ لکھنا ہوگا اور ضرور لکھنا ہوگا۔

یہ تازیانۂ عبرت حاضر خدمت ہے۔ اسمیں زبان کی لطافت ہے نہ چست فقرے، اور نہ پلاٹ کی بندش بلکہ یہ ہے رکن کی اُردو۔ یا اسکی ایک جھلک۔ واقعہ معمولی، طرز تحریر خشک، تخیلات شاعر کے مقرا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ اگر اس قسم کے قصے مذاق اور مرضی کے مطابق پائیے گا تو ملا کیجئے گا ہے اور قصے بھی تاج میں میرے قلم سے نکلکر آپ کے ملاحظہ میں پیش ہوا کرینگے۔ ورنہ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیجئے۔ اگر بھول جائیگا تو اور بھی اچھا ہوگا۔

خادم اردو حیدرآبادی نیق رپورٹر تاج

مہاتما جی نے فرمایا کہ

میں نے جب سال ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا ہے۔ اُسی سال سے سنیئر وکلا کی شرکت میں پریکٹس شروع کر دی۔ ابتدا سے میرا یہ اصول تھا کہ میں جھوٹے اور گناہ آلود مقدمات میں پیروی نہ کرتا ہوں اسی

مقدمات جن کے لئے میرا دل میرا ضمیر گواہی دیتا تھا کہ واقعی انہیں صداقت ہے، اور مجھے حتی الوسع موکل کی امداد لازمی ہے۔ صرف اُن ہی مقدمات میں پیروی کرتا تھا۔ لیکن میرے اس اصول کا نتیجہ یہ نکلا کہ مہینوں میرے پاس کوئی مقدمہ نہیں آتا تھا۔ بعض میرے ہم پیشہ بھائی ہمیشہ فرماتے تھے کہ پیشۂ وکالت کا اصول یہ نہیں ہے جو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ بلکہ جو موکل ہمارے پاس آئے ہم یہ سمجھ کر مقدمہ کی پیروی کریں کہ ہمارا موکل سچا ہے مقدمہ میں حقیقت ہے صداقت ہے اس کے بعد دولت کے لالچ میں مینے بھی اپنے اصول صداقت کو خیرباد کہا اور ہر ایک مقدمہ میں پیروی شروع کر دی۔ خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا۔

صداقت کا اُصول ٹوٹ گیا میری پریکٹس چمک گئی۔ آمدنی بے انتہا ہونے لگی اس کے ساتھ میری شہرت بہت دور دور تک ہوگئی، حکام میری عزت کرتے تھے، پبلک کا مجھ پر اعتماد تھا مختلف سماجوں اور سوسائیٹیوں میں میرے لکچرز ہوا کرتے تھے۔

(۲)

میرے اقبال کا آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ روپیہ افراط سے ملتا تھا۔ اکثر معمولی مقدمات میں میرے چند الفاظ خرچ ہوتے تھے۔ لیکن فیس معقول ملتی تھی۔ روپیہ ملنے کے بعد انسان اپنی راحت کے سامان مہیا کر ہی لیتا ہے۔ عالیشان خوشنما مکان کہئے یا کوٹھی جسمیں ٹیلیفون، برقی روشنی، اعلیٰ درجہ کا فرنیچر، سواری کے لئے بہترین موٹر کار، ہواخوری کے لئے باغ، غرضکہ دنیوی راحتیں سب کچھ میسر تھیں۔ اسپر طرہ تعلیم یافتہ حسین بیوی، خوبصورت بچے، تمام دنیا کی نعمتیں میرے پاس موجود تھیں اور میں قسمت کا دھنی اُنکا مالک۔

میری ہر دلعزیزی نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا، ظاہرداری، نمائشی اخلاق کا گہرا رنگ مجھ پر چڑھ گیا تھا۔ ملنے والے یہ سمجھتے تھے کہ یہ صداقت کا دیوتا ہے۔ بچوں سے لیکر

بوڑھے تک میری تعریف کے گیت گاتے تھے میں سمجھتا تھا کہ دنیا میں مجھ جیسے خوش قسمت لوگ بہت کم ہونگے۔ کتنے ہی حاسد ایسے تھے جو میری اعلیٰ زندگی اور شان و شوکت پر دن رات رشک کرتے تھے۔ لیکن مجھے کسی کی پروا نہیں تھی میں جانتا تھا کہ میرا پیشہ ایک آزاد پیشہ ہے مجھے کوئی کیا کر سکتا ہے۔ حاسد اگر جلتے ہیں تو جلتے ہی رہا کریں۔

(۳)

بے فکری اور فارغ البالی میں کتنے برس گزر گئے مجھے یاد رکھنے کی ضرورت نہیں تھی اگر تنہی دستی کا زمانہ ہوتا تو بیشک ایک ایک لمحہ پہاڑ معلوم ہوتا۔ ایک دن شام کے وقت میں اپنے ورانڈے میں بیٹھا ہوا اخبار ٹائمس آف انڈیا پڑھنے میں مشغول تھا۔

میرے آدمی نے آکر اطلاع دی کہ ایک سادھو آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں مجھے معلوم تھا کہ سادھو، مہاتما، گوسائیں، مہنت، بھی مقدمہ باز ہوتے ہیں۔ شاید کوئی اسی قسم کا مقدمہ باز سادھو مجھے اپنا وکیل بنانے کے لئے آیا ہو۔

نوکر سے کہا۔ بلالو۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان سادھو لنگوٹی لگائے میرے روبرو تھا جس کے چہرے پر جلال تھا۔ آنکھوں میں خاص روشنی تھی۔ مینے ظاہرداری اور اخلاق سے اس کی تعظیم کی اور ایک کرسی دیکر میں اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

سادھو نے میری تعظیم کا کچھ خیال نہیں کیا۔ بالکل معمولی طریقہ سے زمین پر بیٹھ گیا۔ ہر چند مینے اصرار کیا کہ وہ کرسی پر بیٹھے لیکن اسنے انکار کیا تب میرا شکریہ ادا کیا پھر بھی کرسی پر نہ بیٹھا کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مینے ادب کیساتھ پوچھا۔ مہاراج! آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔

سادھو۔ نے کہا کہ آپ کے درشن کیلئے۔ آپ کی نیکنامی اور شہرت سنکر ملنے کیلئے آیا ہوں۔

میں۔ میں کس لائق ہوں زہے قسمت کہ آپ کے قدم غریب خانہ میں آئے اور یہ جگہ پوتر (پاکیزہ) ہوگئی

سادھو ۔ مسکراتا رہا اور دیر تک مجھے دیکھا کیا۔

میں دلمیں سوچنے لگا کہ یہ کوئی مقدمہ باز سادھو نہیں ہے ۔ مجھے کچھ بھی نہیں دے گا بلکہ یہ الٹا مجھ سے بھیک مانگنے آیا ہے ۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سادھو نے متانت کے ساتھ کہا "بابا میں قریب میں ایک کام کرنے والا ہوں اس لئے یہ ہی جھولی معقول رقم دیکر بھر دو ۔

(۴)

میں سمجھ گیا کہ میرا خیال درست تھا، سادھو کوئی بوڑھا ۔ کمزور نحیف نہیں تھا ۔ اسکی صحت بہت اچھی معلوم ہوتی تھی اس لئے میں مناسب سمجھا کہ اسکو کچھ لکچر سنا کر خاموش کر دینا چاہئے میں نے کہا ۔ "کیا آپ مجھ سے بھیک مانگنے آئے ہیں ۔

سادھو ۔ ہاں ۔ اسمیں تعجب کی کونسی بات ہے ۔ آخر ہمارا کام کیا ہے ۔

میں ۔ آپ اگر خفا نہ ہوں تو عرض کروں ۔ آپ محنت مزدوری کر سکتے ہیں جب آپنے دنیا کو تیاگ کر دیا ۔ پھر روپیہ پیسہ کے لالچ میں گھر گھر پھیری لگانا سادھو کے نام کو بٹہ لگانا ہے ۔ اگر روپیہ پیسہ کی خواہش تھی تو بہتر ہوتا کہ آپ بھی دنیا داروں جیسی زندگی بسر کرتے اپنے ہنر اور کمال سے ملک اور قوم کا کچھ بھلا کرتے لیکن سادھو کا روپ دھارن کرنا اور پھر لالچ کے سمندر میں غوطے کھانا کونسی عقلمندی ہے ۔

یہ سُن کر وہ سادھو خاموش ہو رہا ۔ پھر کہنے لگا ۔ "بابا تم جس قدر روپیہ پیدا کرتے ہو سب اپنی خواہشات کے نذر کرتے ہو ۔ کوئی نیک کام کروگے تو اسکا ثواب تم کو ملیگا میں دلمیں سوچنے لگا ۔ آج کل ایسے سینکڑوں سادھو آتے ہیں ۔ میرے روپیہ سے نیک کام کرنے والے یہ کون ؟ میں اپنے اعمال کا ذمہ دار ۔ کیا یہ خدائی فوجدار ہیں جو نیکی کا ٹھیکہ لیکر دنیا میں آئے ہیں ؟

میں ۔ مہاراج معاف فرمائیے ۔ انگریزی میں ایک مقولہ ہے کہ "خیرات گھر سے شروع کرو" کیا میرا روپیہ بیوی بچوں بھائی کی ضرورتوں کے لئے نہیں ہے ۔ ایسے مفت خوروں کو دینے سے کیا فائدہ ؟ جو سادھو بنکر لوگوں کو اُلّو بناتے پھرتے ہیں ۔

(۵)

میرے اس جواب سے ۔ سادھو کے چہرے پر کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا ۔ میرا جوش بڑھ رہا تھا اور وہ نہایت سکون اور شانتی کیساتھ چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا ۔ میرے جواب سے اُس طرح ہنسنے لگا جس سے سخت نفرت ٹپکتی تھی ۔ ہنستے ہوئے سادھو نے کہا ۔

"اگر تم اپنی دولت بیوی بچوں اور بھائیوں کو دو گے اور انکی ضرورتوں پر صرف کرو گے تو تم کو کیا فائدہ ہوگا ؟"

میں ۔ (جوش کیساتھ) وہ میرے کام آئیں گے ۔ میری مشکل کے اڑے وقت ساتھ دیں گے اگر موقع آجائے تو جان تک دینے میں دریغ نہیں کریں گے ۔

یہ سنکر سادھو نے کہا "بابا تم وکیل ہو ۔ بغیر ثبوت کے کوئی بات کہنا پسند نہ کرو گے اگرچہ میرا مدعا صرف تم سے ملنے کا تھا ۔ لیکن تم جوش میں آگئے ۔ اس لئے مجھے یوں ہی بھیک کا سوال کرنا پڑا ۔ مجھے تمہارے روپے پیسے کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ تم اپنے بیان کو ثابت کر دکھاؤ" کہ وقت پڑنے پر تمہارے بیوی بچے بھائی خویش واقارب سب کچھ کرنے تیار ہیں ۔ یاد رکھو انکار نہ کرنا ۔

جب سادھو نے اپنی بھیک کا سوال اٹھالیا تو ایک بوجھ میرے دل پر سے اُتر گیا ۔ اب مجھے اپنی بات ثابت کرنے کی ضرورت تھی لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو سادھو کے مقابلہ میں مجھے نیچا دیکھنا پڑتا ۔

میں نے کہا میں ثابت کر دکھاؤنگا۔ لیکن میں اگر کامیاب ہوگیا تو؟ سادھو نے کہا کہ تمام بغیر کسی معاوضہ کے تمہاری اطاعت کرونگا۔ اگر تم میری آزمائش میں پورے نہ اُترے تو تمہاری زندگی میرے اختیار میں ہوگی۔ میں نے کہا بیشک۔

(۶)

میرے دل میں ایک غیر معمولی کشش سادھو کی طرف سے پیدا ہو رہی تھی اس لئے میں نے کہا کہ مہاراج آج رات غریب خانہ ہی میں آرام فرمائیے۔ اس پر سادھو نے کہا بہت اچھا۔ کیونکہ مجھے تمہارے امتحان کا طریقہ بھی تو سنانا ہے۔

رات کے ۱۲ بجے کائنات پر خاموشی کا عالم طاری ہو چلا تھا۔ سادھو نے میٹھے سُروں میں یہ بھجن الاپنا شروع کر دیا۔

"جگ میں کوئی نہیں اپنا دنیا دولت مال خزانہ سب ہے سپنا"

جب یہ بھجن ختم ہو چکا تو مجھے محسوس ہونے لگا کہ یہ بالکل سچ ہے۔

تھوڑی دیر بعد سادھو ایک درد انگیز بھجن مالکوس راگ میں گاتے ہوئے مست ہوگیا جس کا مطلب یہ تھا کہ "جنگل میں ایک شکاری نے ہرن پر تیر چلایا' تیر زہر میں بجھا ہوا تھا۔ ہرن اس تیر سے گھائل ہو کر چوکڑیاں بھرتا ہوا جنگل کی طرف بھاگا اور چھوٹے درختوں کے جھنڈ میں چھپ گیا۔

تیر کے زخم سے ہرن کے جسم سے خون بہ رہا تھا۔ تمام راستہ میں خون کے قطرے نظر آ رہے تھے۔ شکاری نے خون کے نشان پر ہرن کا پتہ چلایا۔ اور اپنا کام تمام کرنا چاہا۔

اُس وقت ہرن کو اپنی موت کا یقین تھا۔ لیکن بے اختیار کہہ اُٹھا کہ آہ وقت آنے پر اپنا خون بھی دشمنی سے باز نہیں آتا۔ جو خون لطیف غذا سے پیدا ہوتا ہے اور زندگی کا

باعث ہے افسوس ہے کہ وہ بھی اپنا نہیں ہوسکتا۔ اور موت کا باعث ہو رہا ہے۔

اس بھجن کے سنتے ہی میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ مجھے اپنی زندگی کے گذشتہ واقعات رہ رہ کر یاد آرہے تھے۔ کتنے ہی دفعہ جھوٹے مقدمات لیکر حق کو ناحق بنانے میں میں نے اپنی قابلیت صرف کی تھی۔ اور کتنے ہی موکلوں کا خون چوس چوس کر میں نے بہت ساری دولت جمع کی تھی۔ بھجن ختم ہوتے ہی میں اپنے نرم گدیلے پر سو گیا لیکن نیند کہاں؟ تمام رات نہایت بیچینی میں گزری صبح ۶ بجے سادھو نے مجھے آزمائش یا امتحان کا مشورہ دیا اور چلتا بنا۔

(۷)

میں نے کھانا کھا کر حسب معمول عدالت کی راہ لی۔ تھوڑی دیر بعد گھر واپس آیا میرے پیٹ میں شدت کا درد ہو رہا تھا۔ میری حالت لحظہ بہ لحظہ خراب ہو رہی تھی ڈاکٹر، حکیم عزیز و اقارب، بیوی بچے، والدہ سب لوگ مجھے گھیرے ہوئے بیٹھے تھے اور میری صحت اور سلامتی کے متمنی تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ مرض کیا ہے؟ سب لوگ حیران تھے گنڈے، تعویذ، نیلے بھی کام میں لائے گئے لیکن سب بیسود۔ جب شام ہونے آئی میری حالت نہایت خراب ہوگئی سب لوگ میری زندگی سے مایوس ہو چکے وہ سمجھ گئے کہ میں موت سے قریب تر ہوں۔ رات گزرجانا مشکل ہے۔

آخر میرے بھائی نے کہا کہ اب انکی زندگی کی امید نہیں ہے۔ اگر بنگلہ پر انکی روح پرواز ہوگئی تو بنگلہ خراب ہوجائے گا صفائی کی ضرورت ہوگی بہتر ہے کہ انکو نیچے ڈالدیا جائے جہاں خدمتگار اور نوکر سوتے ہیں۔ یہ تجویز میری بیوی اور والدہ کو بھی پسند آئی آخر نوکروں کی

امداد سے میں مکان کے زیریں حصے میں پرانی شطرنجی پر ڈالدیا گیا۔ بظاہر سب لوگ روتے تھے لیکن میں دل میں ہنس رہا تھا کہ یہ دنیا اور اُس کے پریم کا بازار ہے۔ رات کے بج گئے تھے میری بیوی نے کہا میں بھوک سے بیتاب ہو رہی ہوں۔ ابھی بچوں کے ساتھ کھانا کھا کر آتی ہوں اور چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد میری والدہ نے میرے بھائی سے کہا کہ تیرے بھائی کے پاس کتنا روپیہ جمع ہے اور وہ کہاں ہے کیا تجھے معلوم ہے۔

بھائی :۔ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

والدہ ۔ بیوقوف اسکی بیوی اور بچے کل مال و دولت پر قابض ہو جائینگے اور ہم دودھ کی مکھی کیطرح نکال دئے جائینگے۔

بھائی ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے تم والدہ ہو میں بھائی ہوں۔ اپنے حصے کے لئے عدالت میں دعوے دائر کریں گے۔ کچھ فکر مت کرو۔ ٹھہرو میں ان کے جیب سے تجوری کی کنجی لاتا ہوں ابھی یہ مشورہ ہو ہی رہا تھا کہ میری بیوی اپنے بھائی اور بچوں کے ساتھ آگئی۔ میرا بھائی والدہ کے ساتھ کھانا کھانے کے بہانے سے چلدیا۔

میری بیوی نے اپنے بھائی سے کہا کہ اب کیا ہوگا۔ دولت اور جائداد میں میری ساس اور دیور حصہ طلب کریگے۔ یہ بچے چھوٹے ہیں۔ میرے برادر نسبتی نے کہا انکو قانوناً کوئی حق نہیں ہے یہ سب جائداد تمہارے شوہر نے پیدا کی تھی اس کے مستحق تم اور تمہارے بچے ہیں۔ میری بیوی دیر تک سوچتی رہی آخر کسقدر روپیہ گھر میں ہے اور کتنا روپیہ بنک میں ہے۔؟

میرے برادر نسبتی نے آہستہ کہا کہ تجوری میں ۔۔۔ کے نوٹ تھے جنکو ایک ترکیب سے میں نے اپنے قبضے میں کر لئے۔ ایسی جگہ رکھا ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہو سکتی۔ بنک میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہے اور بنک اور چیک بک میرے قبضے میں ہیں۔

برادر

اتنے میں میری والدہ اور بھائی آگئے اور میری حالت دیکھکر رو رہے تھے کہ نائے نہیں کیا بھی نہ رکھا۔

(۸)

اس فقرہ کا مطلب بہت جلد میری سمجھ میں آگیا کہ انکو تجوری سے مایوس کن جواب ملا ہے یہ رنج و غم میرے لئے نہیں ہے صرف دولت کے لئے ہے۔ اتنے میں سادھو مہاراج تشریف لائے اور مزاج کی نسبت کچھ پوچھنے لگے۔

انہوں نے کہا کہ صبح طبیعت اچھی تھی یکایک بگڑ گئی افسوس بہت اچھے آدمی ہیں ان کو موت کے حوالے کرنا ٹھیک نہیں۔

سب لوگ سادھو مہاراج کیطرف دیکھ رہے تھے میری والدہ نے گڑگڑا کر کہا مہاراج آپ کی کرپا درشٹی ہو یہ کسی طرح اچھا ہو جائے تاکہ مجھے ضعیفی میں اولاد کا داغ دیکھنا نصیب نہ ہو۔

سادھو مہاراج نے اچانک سوال کیا۔ انکو نیچے لاکر کیوں ڈالدیا گیا۔ آخر اس گھر کا مالک تو یہی ہے۔ کیا مالک کو اپنے گھر میں اچھی جگہ نہیں ملنی چاہئے۔ صاحب

اس سوال سے سب کے ہوش و حواس اڑ گئے کسی سے بھی جواب بن نہ پڑا میرے بھائی جو اس تجویز کے محرک تھے انہوں نے ہی چپ سادھ لی۔

تاریکی کا تسلط دنیا پر ہو چکا تھا قریباً رات کے ۱۰ بجے تھے سادھو نے میری نبض اور دل کی حرکت پر غور کیا اور کان میرے سینہ سے لگا کر کہا "کیوں دوست کیا اب بھی اپنی ہار نہیں مانو گے؟"

تھوڑی دیر کے بعد سادھو نے کہا مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کیا مرض ہے۔ اس کا علاج ابھی ممکن ہے لیکن اس کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ میری بیوی نے کہا کہ کس قسم کی قربانی کیا کسی جانور کا صدقہ دینا ہوگا۔ یا کسی دیوتا یا کسی دیوی کے کچھ بھینٹ چڑھانا پڑے گا اس

سادھو نے نہایت اطمینان سے کہا "آدمی کی قربانی کی ضرورت ہے"

ایک سیر دودھ میں کچھ چاول پکا کر شکر ڈالنا ہوگا۔ میرے پاس ایک ایسی جڑی ہے کہ اسکو اس کھیر میں ڈالکر جو شخص پی جائے گا وہ فوراً مر جائے گا اور مریض بھلا چنگا ہو جائے گا۔ پینے والا مرد ہو یا عورت اس سے بحث نہیں۔

اٹھئے تم اتنے عزیز ہو جلدی کرو، کون تم میں ایسا ہے جو اپنی سلامتی کے لئے اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے آمادہ ہے۔ نسخہ کا سامان منگوایا گیا۔ سادھو مہاراج دوا کھیر تیار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ لیکن مجھ کو ابھی تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون ہے جو کھیر پی کر مجھے موت کے منہ سے چھڑائے گا۔

(۹)

کھیر تیار ہو گئی سادھو نے کہا کہ جلدی کرو وقت گزرا جاتا ہے۔ کھیر پینے والے کو سامنے آجانا چاہئے۔ میں نے چپکے سے دیکھ لیا کہ سب کے چہروں کا رنگ فق ہو گیا ہے آخر ہمت کرکے میری والدہ نے کہا واقعی مجھے کھیر تو پی لینا چاہئے لیکن اگر میں مر گئی تو میرا چھوٹا بھیا (یعنی میرا بھائی) اسکا کیا حشر ہوگا۔ اس کے سنسار کا سکھ مجھے کچھ تو دیکھنا چاہئے میرے بھائی۔ مہاراج میری والدہ کا فرمانا بہت ہی درست ہے۔ بھائی صاحب نے اتنا کما کر بھی میرے لئے کچھ نہیں کیا، کوئی اعلیٰ تعلیم نہیں دلوائی۔ جو کچھ سلوک ہوتا تھا اپنے بیوی بچوں اور برادری کے ساتھ آپ ہی اب انصاف فرمائیے کہ ایسے وقت میں میں یا میری والدہ اپنی جان مفت میں کیوں گنوائیں۔

میری بیوی۔ ہندو شاستر کے مطابق خاوند کی زندگی کے ساتھ ہی عورت کی زندگی ختم

ہو جاتی ہے اگر مجھے بچے نہ ہوتے تو بیشک میں اپنی جان قربان کرتی۔ اگر مر جاؤں گی تو ایشور کے دربار میں کیا جواب دونگی اور ان چھوٹے بچوں کو کس کے حوالے کرونگی۔

اتنے میں میرے برادر نسبتی نے بات کاٹ کر کہا مہاراج اگر میرے بہنوئی صحت پا گئے اور میری بہن مر گئی تو وہ دوسری شادی کر لینگے۔ کبھی بھولے سے بھی میری بہن انکو یاد نہ آئیگی اب رہا میں۔ جبکہ حقیقی ماں اور بھائی اپنی جان دینے میں عذر کر رہے ہیں تو مجھے کیا غرض پڑی ہے۔ مجھے میرے بہنوئی نے مفت کہانا کپڑا ہوڑا ہی دیا ہے۔ بہت کام لیکر تھوڑا دیتے تھے اگر میرا مفوضہ کام کوئی دوسرا شخص کرتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس کام کی کیا قیمت ہے؟

یہ نظارہ عجیب و غریب تھا اسوقت ہر شخص کو اپنی جان عزیز تھی۔ عزیزوں کی تمام باتیں پڑے پڑے مینے سُن لی تھیں۔ آہ اب بھرم کا پردہ آنکھوں سے ہٹ گیا تھا ساد ہو کی فتح ہو گئی۔ آج مجھے معلوم ہو گیا کہ ؎

بیوفائی سے عزیزوں کی کھلا یہ عقدہ ہم نہ دنیا میں کسے کے نہ ہمارا کوئی

ساد ہو مہاراج سب کے جوابات سنکر فرمانے لگے۔ تمہاری باتیں واقعی معقول ہیں تم سب اوقت تک زندہ رہو جب تک کہ موت نہ آئے۔ میں تو کسی طرح اس شخص کو موت کے حوالے نہ کرونگا آپ لوگ دنیادار ہیں واقعی ضرورت بھی ہے کہ آپ سب زندہ رہیں لیکن چونکہ میں نے سنسار کا تیاگ کیا ہے اگر میری وجہ سے کسی کی زندگی بچ سکتی ہے تو مجھے کبھی دریغ نہیں کرنا چاہیے اگر ہم سے کسی کی اتنی بھی خدمت نہ ہو تو ہماری زندگی کا مقصد کچھ بھی نہیں۔

مہربانی سے آپ سب شانت ورتی سے قدرت کا تماشہ دیکھیں یہ کہتے ہوئے ساد ہو مہاراج نے پکی ہوئی کھیر پی لی اور میرے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ اُٹھو بابا اٹھو!

اب میں اُٹھ بیٹھا سب لوگ حیران تھے، اچانک میری صحتیابی سے ان سب کو رونا آگیا میں چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔ اسوقت سادھو مہاراج کی جیت تھی اور میری رگیا تھا۔ صبح ہوئی۔ دوست احباب یا جن جن لوگوں نے اس واقعہ کو سنا تعجب کرتے رہے لیکن سادھو مہاراج باوجود دوا کی کہہ بھی جگ کے بھی نہیں مرے۔ یہ ایک حیرت ناک بات تھی۔

یہ ہے تازیانہ عبرت میں نے اپنی جائداد ضرورت کے موافق بیوی بچوں اور بھائی کے حوالہ کی اور بہ اور نسبتی سے صرف کے نوٹ جو تجوری سے نکال لئے گئے تھے واپس لے لئے اور ذلت کے ساتھ گھر سے نکالدیا۔

باقی روپیہ اور جائداد سب خیراتی اور نیک کاموں کے لئے وقف کردیا۔ ان تمام باتوں سے فارغ ہوکر گھر اور گھر والوں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہدیا۔

اب مجھے اُس سادھو کی تلاش ہے جس نے خواب غفلت سے مجھے جگایا تھا۔ برسوں گذر گئے مگر اسکا ابھی تک پتہ نہ چلا۔

رہ رہ کر مجھے وہی بھجن یاد آتا ہے کہ

جگ موکوئی نہیں اپنا
دنیا دولت مال خزانہ سب سپنے ہے سپنا
بھائی بھی نہیں تیرے ۔ بند ہو بھی نہیں تیرے
کاٹھی کفن جتنا
کہے کبیر اُس بھی سادھو رام جپے سو اپنا

درد فرقت میں تاج

سیندھی خانہ

از مصورِ لطافت جناب سید آغا حمید حسن صاحب بلوی (علیگ)

اللہ کیا سہانا سہانا سماں، کالے کالے بادل کجلی بن کے مست ہاتھی، ایک کو ایک رگیدتے، ایک کو ایک ڈھکیلتے، آگے پیچھے دوڑتے، جھومتے جھامتے پچھم سے پورب کیطرف آسمان پر اڑے چلے جاتے، بڑے بڑے پہاڑی صاف ستھرے پتھروں کے ڈھیر کے ڈھیر، چاروں طرف سبزہ زار، جگہ بجگہ گڑھوں، چھروں، پوکھروں میں پانی بھرا، ہلکی ہلکی پھوار، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے نہیں نہیں لہریں اور چھوٹے چھوٹے کنڈل پڑتے، آس پاس دھانی کھیت لہلہاتے، کچھ کالی کالی مٹی نیا نیا ہل چلا، گاؤں والیاں لال لال انگی ساڑیاں، گنوار پکے سانولے رنگ، سفید اجلی گھٹنوں سے اونچی دھوتیاں، کالے کالے کمبل، کہیں بیلوں کی جوڑیاں کہیں لمبے لمبے سینگوں کی سوکھی سوکھی نیسیں، کیچڑ میں لت پت، املی کے جھنڈ ہری ہری پتیاں چھوٹے چھوٹے آتشی زرد پھول کھلے، پکھڑیوں کی بوچھار، لمبے لمبے تاڑ، چکنے چکنے تنے، چوٹی پہ کالی کالی ہنڈیاں بندھیں، بڑے بڑے چوڑے پتے، مور پنکھی کی وضع کے، سیندھی کے جھنڈ کے جھنڈ کھجور کی ایک قسم میں اس کا بدھ پک رہا، کہیں سیندھولے کے بڑے بڑے سنہری خوشے لٹکتے، پگڈنڈیوں پہ گنوار سیندھی کے مٹکے سر پر دھرے منہ گھڑے میں دو لمبی لمبی رسیاں بندھی اپنے ہاتھوں میں پکڑے، ٹلگی میں گاتے بے تکان، سیندھی خانوں کی طرف دوڑے چلے جاتے، موسی ندی میں چٹانوں کی چھیڑ سے اٹھلاتی، بل کھاتی، اتراتی چلی جاتی۔ اچھی دیکھنا وہ سامنے کی چھوٹی پہاڑی پہ سیندھی خانے، کھجریل کی سلامی دار چھتیں، سفید سفید دیواریں، دروازوں پہ لال لال

کیواڑوں کی چوڑیاں چڑھیں، آگے لپی پتی چھوتریاں، اونچے صندلیاں، اور جوکیاں رکھیں، دیواروں پر اناڑی مصوروں کی بنائی تصویریں، کہیں شیر کا شکار ہو رہا ہے۔ .....

کہیں باغ کی روشنی، رہاب کی روشنی کے ہنڈے سے رکھے، کوا بنیں، پکوان والیاں دکانیں لگائے۔ چنے۔ مرچیں۔ گیس بھبھے۔ گلگلے۔ انڈے، پاپڑ، مرکل۔ بیسنی کونتے۔ مچھلی۔ مٹھیاں۔ کلیجی۔ چاکنا۔ کلیجے۔ سموسے۔ گھنگنیاں۔ بٹانے۔ بتی کے کواب۔ تلی دال انڈوں کے چیلے۔ ولایتی مونگ۔ بوٹ مچھلی۔ اور جانے کیا کیا بلا بتر۔ چنے۔ بیٹھیں سینڈھ ہی کلال کھڑے گھڑے نصلے، پکے رنگ۔ سفید اجلے بگلا سے کپڑے۔ گلے میں گوپ۔ کانوں میں پھول اور بالیاں۔ ہاتھوں میں کڑے۔ کمر میں کردونا۔ قریب گھڑونچیوں پر کثیدنی کے گھڑے دھرے، باولے مستانوں کی طرح منہ سے کف بہتے۔ برابر میں مٹی لانے کا مٹھا منڈیر پر ہنڈیا۔ کٹی۔ بٹی۔ کلیا چنی۔ گجراتی گوتے پاٹ دار آوازیں۔ اردو کی غزلوں کا خاکہ اڑاتے۔ ڈھول۔ ہم رنگ بجتے۔ طبلے پہ تھاپ پڑتی۔ کہیں جھگتے گو رکے نتی لگے زیور پہنے۔ منہ پہ ہلدی ملے۔ گندی گندی حرکتیں کرتے ہوئے تھرکتے، خریداروں کے جھٹ ٹوٹے پڑتے، چار آنے کو لٹی۔ دو آنے ایک آنے کی بٹی۔ آٹھ پائی کی کلیا۔ کلال بچارا دیتے دیتے عاجز۔ دام لے کے بدھنے میں ڈالتا۔ مٹے سے مڈی چلاتا۔ جلدی جلدی تمڑی سے نکال نکال کے برتنوں میں سینڈھی دیتا۔ عورتوں کے جھرمٹ کے جھرمٹ۔ سروں پہ کیاری قبہ۔ پھول۔ ناگ پھنی۔ جوڑوں میں پھولوں کے گہنے۔ کانوں میں گیتیاں۔ زنجیریں بٹے۔ کوتمبر۔ جھنکے۔ ناک میں نتھ۔ کہ پوگو۔ گلے میں ٹھسی۔ پٹہ۔ تیکے۔ نیتی مالا۔ چندن ہار۔ کاسلا ڈنڈا۔ کنٹھا۔ گنڈلو۔ بازوؤں پہ ونڈے کڑے۔ وکیاں ہاتھوں میں پہنچیاں۔ گجرے۔ پاٹھیاں۔ کنگن۔ گری گاگرو۔ انگلیوں میں انگوٹھیاں

مڑوڑیاں، کمر میں کرپٹہ، پاؤں میں پے زیب، توڑے، کڑے، انگوٹھے میں بیسر، کُتے کی جیب کی رنگ برنگی چولیاں، طرح طرح کی ساڑیاں، چندر رکالا، شکر پارا، چندر رہا گا، گدگ نامداری، برہ پنوری، گدوالی، نراین بیٹھی، ناگپوری، بیجواڑی، کاکناڈا، بیٹھنی، بنگلوری ارکلی، پیتمبر۔ کھیوا۔ پوتھ۔ کامدانی۔ بنارسی لچھا۔ گدا زگدا زگدرائے ہوئے کے ڈیل۔ گرماگرم پھڑپھڑاتی ہوئی کچوریاں سی۔ دبنگی۔ تیز تیز۔ پان کھائے دانت چمکتے، آنکھوں میں لال لال ڈورے پڑے، جوان۔ جوان چھٹیاں۔ بات بات پر ہنستیاں۔ خوش دل۔ ہنس مکھ، راون کی رانیاں۔ آپس میں چہلیں کرتی۔ ایک کو ایک ٹھوکتی۔ کھڑی ہوتیں تو پیر لڑکھڑاتے، قدم ڈگمگاتے، ایک کے گلے میں ہاتھ ڈالے ادھر سے اودھر پڑی پھرتیں۔ مُرلیوں کی ساڑیاں ٹخنوں سے نیچے تک کی اور چولیوں کی آستین کوئی چار اُنگل کی۔ گھگر مستنوں کی اونچی پنڈلی کھلی ساڑیاں، کہنی تک کی چولی کی آستین سب ملی جلی، تھوڑی تھوڑی دُور پر حلقے بنائے بیٹھی۔ بیچ میں سیندھی کا گھڑا رکھا چھنیا جاتی۔ سیندھی پیتی، ٹھولیں کرتی۔ ہندو تمدن و تہذیب سے دُور۔ اپنے وہی پرانے راون کے زرین زمانے کا نمونہ پیش کرتیں۔ نہ کسی کا ڈر، نہ کسی کا خوف۔ سُونے میں پیلی۔ موتیوں میں سفید۔ جامبا من ترڑو سے اپنے من کی چنتا کہتی۔ اسی سے منت مُراد مانتی۔ نہ شب جی کا ڈر، نہ وشنو جی کی پروا۔ نہ برہما جی کی دُگدا۔ نہ کرشن جی سے پیت نہ رام جی کی ریت۔ نیلے لال ہوٹ لگائے۔ عیش سے گزراں کرتیں۔ دن بھر محنت مزدوری کی، روپیہ سوا روپیہ کمایا۔ شام کو سیندھی اور زبان کے چٹخارے میں اڑایا۔ چھب کی نہ بھاؤ اور تن کے ڈھکنے کی فکر نہیں۔ ڈھائی چلّو خون ہے۔ تو یہ سب چیزیں خود بخود آجاتی ہیں

سیندھی پہلے بہت سستی تھی۔ ناظم آبکاری نے اتنا محصول لگا دیا ہے کہ سیندھ ین کے سیندھ بن خشک ہو گئے۔ اگر یہی حالت رہی تو ایک دن ایسا آئیگا کہ دکن میں سیندھی کا ایک درخت نہ رہے گا۔ سیندھی پینے والوں کا مجمع بہت ہی خلیق اور متواضع ہوتا ہے۔ دیکھنے والے کا بے اختیار جی چاہے کہ تھوڑی سی تو پی ہی لے۔ لیکن بو ایسی بُری جیسے گندے کنگھے کا پسینا۔ پاس پھٹکنے سے ابکائیاں آئیں۔ انھیں خوش دیکھکر روتا غم بھولے۔ اور انکی صحبت کو غنیمت جانے، ہوش کے جھگڑوں کو بیہوشی میں یاد کرکے اپنی زیادتیوں پر پچتانا۔ ایک ایک کے ہاتھ جوڑکر معافی چاہنا۔ انسان کا دنیا کے تفکرات، خود غرضیوں، آپا دھاپیوں سے جی اکتا جائے تو سیندھی خانے میں چلا جائے، سارے غم غلط، ظاہر باطن ایک۔ نہ کسی سے کینہ نہ کسی سے کپٹ۔ غصہ دودھ کا اُبال۔ جو دل میں آیا وہ منہ پر کہدیا۔ لگی لپٹی نہ رکھیں نہ کسی کی خوشامد درآمد کریں۔ مرد کو نہ جورو کی فکر، نہ بچوں کا غم۔ عورت کو نہ خصم کی پروا نہ گھر بار کا الم۔ آپ زندم جہاں زندم۔ آپ مردم جہاں مردم۔ یہاں یہی سیندھی خانے سے عقیدتمندیاں تھیں کہ اتنے میں ایک نے لپک دوسرے کے چلم سیدھی کی۔ ایک مُرلی۔ جیسے کنول کی بیل۔ لچکتی مٹکتی اٹھی، پاس رکھی تھی سیندھی کی ہنڈیا، پاؤں پڑا وہ پھوٹی ایک بڑھیا سی دھیرٹنی۔ دانتوں نے جڑیں چھوڑ دیں۔ ریخوں میں مسی لگی۔ تلگی میں گالیاں دینے لگی۔ بات بڑھی، مُرلی جو تھی لپٹ پڑی۔ بڑھیا نے مارا دانت۔ ادھر اسکا دانت الگ ادھر اسکی ناک۔ دس ادھر ہوئے، بیس اُدھر۔ کچھ دہن پہ ہاتھ مار مار بال بال چیخنے لگے اس چیخ پکار سے تین چار نیلی وردی والے ہاتھوں میں ڈنڈے لئے۔ زرد پگڑی کے نیلے بڑے بڑے منڈاسے باندھے۔ جن میں سے زرد اونچی کلاہوں کی نوکیں نکلیں آموجود ہوئے پکڑا دھکڑی شروع ہوئی۔ باندھ بوندھ چوکی پر لے گئے "دارو بدیوں کی میّا ہے" قربان جائے

سچ کہا ہے۔ حیدرآباد کی فصیل کے اندر کسی قسم کی نشہ آور چیز کی فروخت قانوناً ممنوع ہے اور بزرگی مہینوں میں ممالک محروسہ کے اندر یا پابندی شرع ہر قسم کے منشیات کی خرید و فروخت بند کر دیجاتی ہے۔ ان ایام میں سکندرآباد جو انگریزی حکومت کی سب سے بڑی چھاؤنی ہے نشہ بازوں کا ملجا و ماوا ہو جاتی ہے حکومت اعلیٰ حضرت ہر ممکن طریق سے کوشاں ہے کہ نشے کی چیزوں کی آمد و برآمد روک دیجائے۔ سینڈھی کا رواج عام ہے۔ حتیٰ کہ بعض مسلمان مستورات بھی اس بلا میں گرفتار ہیں۔ نواب شمس الامرا بہادر کے بازار اور شیر دل کی کمان میں اس سرے سے اُس سرے تک مارواڑیوں کی دوکانیں ہیں جن میں مسلمان عورتوں کے پاجامے، چولیاں، دوپٹے جو اسراف کی وجہ سے گروی رکھوائے جاتے ہیں نمایاں طور پر لٹکے ہوئے، حیاسوز نظارہ پیش کرتے ہیں باعصمت پردہ دار بیویوں کے لئے تمثیلاً کہا جاتا ہے کہ ایسی پردے والیاں ہیں کہ فرشتے تک نے آنچل نہیں دیکھا۔ لیکن تف ہے ہماری حمیت و غیرت پر کہ اپنی فضول خرچیوں اور بیہودہ و بیکار خرچوں کی بدولت اپنی ماں بہنوں، بہو بیٹیوں کی پوشیدہ چیزوں کی اس طرح تشہیر کراتے ہیں دیکھئے ہماری حالت کب سدھرتی ہے کیا اچھا ہو کہ جو زکوٰۃ کے سرمایہ سے ایک انجمن امور مذہبی کے تحت بنائی جائے جو ضرورتمندوں کو چیزیں گرو رکھ کر بغیر سود کا روپیہ قرض دے اور ادائی کے لئے ایک خاص مدت مقرر کر دے اگر حکومت کا زبردست ہاتھ ہوتا اور اسراف قومی کو ہر طرح سے دبایا اور کم نہ کیا گیا ہوتا تو ابتک کایہ مدینۃ الاملاک کبھی کا بھکاری نگر ہو گیا ہوتا اتنی سخت روک تھام کے باوجود بھی ہزاروں مسرفانہ رسوم ابتک جاری ہیں۔ شادی بیاہ دنمرجینے کی رسموں میں قرض لیکر بیدردی سے اٹھایا جاتا ہے لڑکیوں کو جہیز حیثیت سے زیادہ اور دولہ کو نقدی پارسیوں کی تقلید میں دیجاتی ہے۔ چھٹی رسوم کو چھوڑ رہے ہیں وہ انگریزوں کی انہی تقلید کر رہے ہیں وہاں طعام ولیمہ کی جگہ بیٹ ہوٹنے لی خدا ہمارے دن پھیرے اور ہمارے خرچوں سے زیادہ ہمیں دے۔ آمین۔

محسوساتِ صفی

ادا پیدا نظر سے شانِ رخ سے آن تیور سے
ترے قربان! آخر دل ہے کس کس کے لئے تیرے

طبیعت بجھ گئی جب سے ترے دیدار کو ترسے
اگر اب نیند آتی ہے تو اٹھ جاتے ہیں بستر سے

قیامت بھی تری محفل سے میرے ساتھ ہی اٹھتی
کفایت تھی اگر دو کام لیتا ایک ٹھوکر سے

خدا نے کیا حسینوں کو کرامت بھی عطا کی ہے
یہ ظالم تاڑ ہی لیتے ہیں دل کی بات تیور سے

کھلی جب آنکھ ہم نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی ہے
خدا کا نام لیکر لوگ اٹھا کرتے ہیں بستر سے

طبیعت اپنی ہم نے پھیر لی تو اُن کا کیا بگڑا
بڑے غصے میں ہیں جیسے خزانہ دے دیا گھر سے

ہمیں معشوق کو اپنا بنانا تک نہیں آتا
بنانے والے آئینے بنا لیتے ہیں پتھر سے

پرستش جرم ہے تو جرم اپنا بخشوا لیں گے
تری دہلیز کے سجدے کریں گے پھر نئے سر سے

ملنساری بھی ہے شیوہ جب نگاہِ ناز پائی ہے
مریجاں آدمی اخلاق سے تلوار جوہر سے

زباں سے آہ نکلی دل سے نالہ آنکھ سے آنسو
مگر اک تیری دھن ہے جو نکلتی ہی نہیں سر سے

عدو کا خط کبھی سر پر کبھی آنکھوں پہ کہتے ہو
لکھا ہے اُسنے ایسا کیا تمہیں سُرخاب کے پر سے

خدا کی راہ میں اس دل کو ڈالوں مگر ڈرتا ہے
یہاں دل سے مجھے پالا پڑا ہے عقبیٰ میں شر سے

نظر کا کھیل ہے اس کو بھلا ہر ایک کیا سمجھے
مرے قاتل نے مجھکو تیر سے مارا نہ خنجر سے

پلٹ کر دیکھ لے اے بے مروت کیا قیامت ہے
یہ چپکے سے نکل جانا ترا میرے برابر سے

ارے نادان! سچا چاہنے والا نہیں ملتا
وہ لیلیٰ تھی کہ جسکو مل گیا مجنوں مقدر سے

تمہارے ظلم سہتے ہیں تو ہم کو لوگ کہتے ہیں
"خدا نے سب مٹی سے بنایا اسکو پتھر سے"

صفی کو مسکرا کر دیکھ لو غصے سے کیا حاصل
اُسے تم زہر کیوں دیتے ہو جو مرتا ہے شکر سے

بہبود علی صفی اورنگ آبادی

اٹھ فرزند کے ماتے صبح ہوئی یہ غفلت بے پروا کب تک
پھر حسن تبسم ریز کہاں نظارہ وقت افزا کب تک؟

دریا کا تلاطم موشِ بپا، موجوں کا ترنم روح فزا
پھولوں کا تبسم سحر ادا، اے بحر دنیا کب تک

پھر فرش شعاع مہر کہاں پھر خرمن گل کی لہر کہاں
سامان نشاط دہر کہاں یہ جلوہ موشیار کب تک

ہر موج صبا شہ طرب ہر سمت عیاں اثر طرب
دامان فضا گلزار طرب جاں بخش سہانا کب تک

ہر زمزمہ مرغان ہوا، ہر موج طرب آہنگ صبا
سبزہ کی لہک شبنم کی ضیا رنگینیٔ حسن فضا کب تک

اک نور کا عالم ذروں پر اک موج حسیں تا حد نظر
لبریز تبسم غنچہ تر فردوس نگر صحرا کب تک

پھر لذت عرفاں عام کہاں یہ بزم بہ دوش جام کہاں
ساقی کا یہ پھر انعام کہاں یہ لطف مے و مینا کب تک

یہ دجلہ کے قابل رنگ کہاں یہ حسن یہ رونق یم کہاں
کچھ دیر کے ہیں مہمان یہاں یعنی مصنوعات کب تک

اٹھ اطاعت حق کا وقت یہی یہ ذرہ نہ جھکا دے پیشانی
ہاں خاک کے پتلے خاک ہی تو کیا اصل حیات انسانی

عشرت کے ترانے راحت جاں صنعت کے خزانے روح رواں
ہر چند سہی سحر عریاں اسد جدہ گر مسحور نہ ہو

نغموں سے فضا لبریز نہیں یا حسن تبسم ریز نہیں
کیا چیز نشاط انگیز نہیں ہے جو تو مسرور نہ ہو

بحر ہیں ہزاروں مہر مبیں ہیں محو تحیر خرد بریں
ذروں سے تو پورے سطح زمیں تاروں سے اگر معمور نہ ہو

اے جلوہ فروز بزم جہاں تو اور جمود خواگراں
تو نغمہ ساز فطرت ہے تو غنچہ طراز فطرت ہے

بے قید زماں آزاد مکاں مجبور نہ رہ محصور نہ ہو
آئینہ راز فطرت ہے محمود و مبین مستور نہ ہو

یہ جوشِ تو غل تا بہ کجا، یوں ہی تو سل تا بہ کجا ناخیر و مآل تا بہ کجا، آرا دہی تو مجبور رہو

تمہید سحر ہے شام فنا، تو ضیح بقا، ابہام فنا ہستی کو سمجھ انجام فنا، آئین فنا سے دور رہو

ہے عجز میں رفعت پوشیدہ اس حکم کو سر سے تم نہ ہٹا ہر چند کہ تیرا ناز بجا، محکوم ہے تو، مغرور رہو

دے روح کو اب پیغام طرب، تا چند نگار یاس و تعب آثار سحر ہیں چشم بہ شب، اے نشۂ غم رنجور رہو

تو حال راز حقیقت ہے، تو حید ہے گنجینہ تیرا
روشن ہی ضیائے عرفاں سے ہاں اے مسلم سینہ تیرا

تاریک خزاں ہے صحن چمن، ہر رنگ سحر خنداں ہو جا پیغام بہار عشرت بن، مانند ضیا جولاں ہو جا

افسردہ رگوں میں مستی کی ہو گرم تموج اک روح نئی سینوں میں ہی دوڑے گرمی پھر تا وقت نہ تھما رہو جا

جو یا تجلی ہے دنیا تو "خندۂ فطرت" بنکے در آ "خشدہ ضیا" ہو کر چھا جا، اک عکس صفا بن جا ہو جا

پھر سوز نہاں کی آگ میں جل دنیا کو سنا "پیغام عمل" خلوتکدۂ راحت سے نکل پھر شمع رہ عرفاں ہو جا

اٹھ! بارش رحمت بنکے برس صحرا صحرا گلشن کر دے
تاریک فضائے ہستی کو اے "نجم سحر" روشن کر دے

التجا

ہے تنگ غلامو پہر دنیا، ادبار کے بادل چھائے ہیں رحمت سے ہیں مایوس مگر اک قلب شکستہ لائے ہیں

خونچکاں جگر جانفرسا ہیں، ہر اشک کی تہ میں پیغام خدام حرم والا کیا عرض کریں کیوں آئے ہیں

ہر چند کہ نافرماں ہے اس "نام" کے ہم فرماں ہے ابتک تو جہاں حیراں رہے "والتہ در" کہلائے ہیں

احساس سے پھر لبریز ہوں، بھٹکے ہوئے پھر منزل پر آ جائیں توفیق عمل ہو پھر حاصل دامان دعا پھیلائے ہیں

سرکار! یہ امت یوں کب تک ناشاد رہے مظلوم رہے
اکرام حضور اکرم سے دشمن بھی نہیں محروم رہے

سرما

آہ تو ہم سے جدا ہو گئی پیاری برسات
تیری مرہون کرم خلق تھی ساری برسات
سب سمجھتے تھے تجھے رحمت باری برسات
باغ آباد تھے نہریں بھی تھیں جاری برسات
دشت و گلزار تھے شاداب کرم سے تیرے
کیاریاں کھیت کی سرسبز تھیں دم سے تیرے

اٹھ گیا بادِ بہاری کا گلستاں سے عمل
تیغ صرصر نے کیا دیکھو چمن مستاصل
پھول شاخوں پہ نہیں ہیں تو پھولوں میں پھل
پیڑ سوکھے ہوئے ہیں آج جو سرسبز تھے کل
گلشن دہر میں ہے اب تو خزاں چھائی ہوئی
پھول کمہلا گئے کلیاں بھی ہیں مرجھائی ہوئی

صحن گلزار میں طاؤس نہیں اب رقصاں
شور بلبل کا نہیں ہے نہ تو قمری کی فغاں
روش باغ میں سنبل ہے نہ گل میں خنداں
سرو و شمشاد کا گلشن میں نہیں نام و نشاں
لطف باغوں میں سر شام ٹہلنے کا نہیں
اب تو ساماں کوئی دل کے بہلنے کا نہیں

مہر و آباں گئے اب ہمدردی کا ہے عمل
جھولے باغوں میں نہیں اب وہ نہ ہے ہے چہل
چھیڑ باقی ہے نہ عاشق میں نہ دلبر میں ہے چہل
نہ ملار اب کوئی گاتا ہے نہ ٹھمری نہ غزل
سیر گلزار کو جانے کا کوئی لطف نہیں
اب ہوا باغ کی کھانے کا کوئی لطف نہیں

شاخیں اشجار گلستاں کی ہلا دیکھئے زرد
پتیوں کی نہ رہی باغ میں ڈالی ہمدرد

کیتکی ہے نہ چمیلی ہے نہ جوہی ہے نہ ورد سکہ عالم میں زمستاں کا ہی موسم ہی سرد
ہم صفیرو میں کہوں کیا کہ ہے کیسی سردی
جلد مغرب میں چھپا پھر ہے ایسی سردی

نوجوانانِ حدار و ظریف و طرار کچھ جوانی کا نشہ کچھ ہے برانڈی کا خمار
کہتے ہیں ایسی تو سردی نہیں چلئے بازار آئی دیوالی چراغاں کی ہے ہر سمت بہار
رات دیوالی کی ہے چلکے تماشا دیکھیں
شمع رویوں کے رخ خوب کا جلوا دیکھیں

روشنی کی ہے بہار اور دیوں کا جلوا سیٹھ مصروف حساب "در بہی" کی پوجا
دیکھو قسمت کے دھنی کھیلتے ہیں ملکے جوا ہار ہو جیت ہو کچھ اسکی نہیں ہے پروا
گرمئی زر میں عمل کیا ہو بھلا سردی کا
دیو تا زر ہے تو پھر خوف ہے کیا سردی کا

سرد مہری یہ زمانے کی ہے دل سکے ہیں سرد نہ محبت ہے کسی میں نہ الفت ہے نہ درد
جم گئی آئینۂ قلب مصفا پہ ہے گرد رنگ رو کے گل صد برگ سی حیرت میں ہے زرد
بو نہیں اسمیں تو جویاں نہیں اسکا کوئی
مفلسی یہ ہے کہ پرساں نہیں اسکا کوئی

ختم دیوالی ہوئی روز فزوں ہے جاڑا صبح تک شام سے ہے تار بندا شبنم کا
بجتے ہیں دانت سے دانت اور ہی کانپتا ہے تھر تھراتا ہے بدن اور ہیں شل دست و پا
سردی ایسی ہے کہ اب خوں میں روانی نہ رہی
آتش عشق میں بھی شعلہ فشانی نہ رہی

وہ کڑاکے کی ہی سردی کہ عیاذاً باللہ دل کو ہے دھوپ کی تو رات کو آگ کی چاہ
ڈھونڈتا ہے کوئی روئی کے لحافوں میں پناہ خواہشمند ہے کوئی کسی کی کوئی غمزۂ ماہ
گرم پہلو ہو تو سردی کا اثر کچھ نہ رہے
صبح تک شام سے دنیا کی خبر کچھ نہ رہے

لیجئے بھن ودے کی بھی حکومت نہ رہی دن لگا بڑھنے تو سردی کی بھی شدت نہ رہی
اب وہ پہلی سی ہوا میں بھی برودت نہ رہی چمنستاں میں خزاں کی بھی وہ سطوت نہ رہی
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے کہ آئی ہے بسنت
مژدہ آمد گل باغ میں لائی ہے بسنت

ماہ رو یاں جہاں پہنے بسنتی جوڑے سیر گلزار کو بن ٹھن کے ہیں گھر سے نکلے
سب ادائیں ہیں نرالی ہیں سب انداز نئے آنکھیں متوالی رسیلی ہیں بھری جادو سے
قتل عاشق پہ تلے جنبش ابرو دونوں
دونوں دشموں پہ ہیں چھوٹے ہوئے گیسو دونوں

ماہ وش زہرہ جبیں لالہ رخ و رشک سمن بستہ لب سیب ذقن گلبدن و غنچہ دہن
قد ہے سلجھے ہیں پڑے حلقہ چال میں ہیں مبتلا خندہ پن سحر سے کاکل مشکیں کے ہوں دل کو الجھن
حدقۂ چشم کی نہری[1] سے ہے تشبیہ بجا
پتلیاں ان میں سیہ پوش نہیں ہیں گویا

[1] نہری عیسائی عورتوں کی خانقاہ کو کہتے ہیں جس میں نہیں رہتی ہیں۔ جن وہ کنواری عابدہ عورتیں ہیں جو حضرت مریم مقدسہ کے نام پر یہ غرض عبادت چھوٹی کوٹھری بناتی ہیں۔ ان نہروں میں جو راہبہ عورتیں رہتی ہیں آنکھ لباس سیاہ ہوتا ہے اور اوڑھنی کا سفید حصہ یہ چہرے میں لپٹا ہوتا ہے اور اوڑھنی کے سفید حصہ سے آنکھ کی پتلی سیاہ ہی دکھائی دیتی ہے اسی طرح پتلی آنکھ کی سیاہ ہی ہوتی ہے اور نہروں سے اسکی تشبیہ بجا ہے ۱۲ یگانہ

لاف زن ہیچ پر اپنے ہیں اگر سنبل تر عنبر بر زلف پہ اترائیں کیونکر دلبر
پھول اس پھیکی سی رنگت پہ بھلا زاں ہیں اگر گوری صورت پہ نہ کیوں فخر کریں رشک قمر
سر و اس سرو کھتے تنے پر بھی جو اس درجہ نہیں
تن نازک پہ نہ کس طرح تنیں سیم تنیں

جاتی آتی ہی رہیگی یہ بہار اے نکتا دن وہی رات وہی اور وہی صبح و مسا
عمر رفتہ نہیں پھر آنے کی حاشا حاشا زندگی جس سے ہو دائم وہ کرو کام بھلا
تم جہاں میں نہ رہو کام تمہارا تو رہے
زندہ رہنے کے لئے نام تمہارا تو رہے

جذبات ناظم — فرید الدین نکتا

مری کوشش سے حاصل ہو الٰہی مدعا میرا کسی کے سامنے پھیلے نہ دست التجا میرا
مٹایا تو بہت کچھ تو نے اے ناکامی ہم مگر مٹ مٹ کے بھی داغ تمنا رہگیا میرا
اثر سے کیا شکایت اور اجابت سے گلہ کیسا خلوص دل ہے نا آشنا حرف دعا میرا
میں سچ کہتے ہوئے ایمان کی پہ کذب نا ہو کہیں ہو ناگوار خاطر عاطر کہا میرا
چھپایا تو بہت کچھ اضطراب دل نے حسرت سے مگر اشکوں نے بہکر راز سارا کہدیا میرا
اگر تجھ سے نہ مانگوں میں تو یارب کس سے مانگوں میں ذرا تو ہی بتا دے کون ہے تیرے سوا میرا
میں اپنی کوششوں پر اسقدر نازاں ہوا ناظم
کہ اٹھتا ہی نہیں سوئے سما دست دعا میرا

روحِ ادب

صغر مولوی محمد اصغر صاحب انصاری سترولا — ازہر مولوی علی محمد خاں صاحب

بستہ ہوئی تھی خوف سے شوخی کمر میں
پنکھے جو ہو رہے تھے قاتل کی شیر میں
ایک تیر تھا مژہ کا سو پار ہو گیا دل
ایک تیر تھا مژہ کا سو پار ہو گیا دل

رتبہ مرتبہ بھی تجھ سے ہے کم تو کیا ہوا
کیا خط بھیجا لکھا تھا اگر اختصار سے
بھی اکابر تھا قاتل تھی تو کیا ہوا
بھی اکابر تھا قاتل تھی تو کیا ہوا

مقدور ذوق شہادت ہے کہ وہ طاقت نہیں
ورِ طاقت قیس کی آتی ہے نہ سنتا ہے گلہ
بھگتی نہ ہی شہیدانِ وفا کی صفوں میں
آغوشِ جاں کی گرد کو سنتا ہے گلہ

میں شانی میں بلا ہے جو تو ہیں
دم نہ لیں گے کل اٹھا کے ہم شمشیر میں
جنبش ہے یہ کہ کی ہے ظلم نے کہ جنبش ہے
جنبش ہے یہ کہ کی ہے ظلم نے کہ جنبش ہے

جوشِ نہاں اللہ آہ نہ کہ سب میں
حضرتِ خاص ہے ہر ایک ہر ایک ہے

بشر مولوی محمد نادر علی صاحب

وہ کچھ بیٹھے ہیں خنجر لیکر نصیر میں
توسن ہوا کہ آئیں ہی پر لگا دیا میر میں
شورِ محشر اک بپا ہے خانہ تقدیر میں
گریبانی وقت حشر ہے خانہ بدی کی تاثیر میں
چشمۂ آب حیات ہے یار کی شمشیر میں
لگا جائے سواد کیجئے سکیر میں

اصغر مولوی سید نصیر الدین حمید صاحب

اگر اگر کریہ اشک مسلسل ہے مجھے
زندگی مضمحل خاکِ نشین کا میں
خنجر ہے آب تھا قاتل کی شمشیر میں
آخر چیرہ کہ پاک کی اور تکبیر میں
پھر ہے اب اس سے کچھ گرد نہیں میں
ذکر کرے سے دیر ہے میں نگاہِ بند
آج کیا آیا ہے اس شوخ کی تقدیر میں
اگلے جو ظلم اب ہے ہے ہے
پھیر لوں لے سطح میں اس کی میں
پاؤں میں مجھ کے پڑ کر جو بھی عمر

الوعلم ڈاکٹر مولوی سید مہدی حسین صاحب رضوی

جوشِ جنوں کو سن کر خوفِ تقدیر میں
اگر ہی ہے جو ہے ہے عقدہ تقدیر میں
شرم سے گیں ہے سن کر پھر نہ غلط گر میں
آپ کی ہی ہے یہاں ہر ایک تصویر میں
کہتے ہو ہم جو کہہ دیں ان تیرے آنے کے
لئے ادا ہی کی ذرا سی تقدیر میں
جھٹ بنا دل کی لگا کہتے کہتے ٹوک
لگا ہے خاصیت کا نقد تقدیر میں
کھول اس کا کوئی عقدہ نہ تقدیر کا
اتنی طاقت ہے کسے اس کو تصویر میں
کر کے عزم آخر امت ہو کہ ہو کہ
عشق کا کیا ہے جس نے ہاتھ مجھ کو دیا
جب اس کو تو یہ عقدہ تقدیر میں
گھو کر نہ آئے تو اٹھے پھر ایا مجھے
اے جل کی کچھ پھر ہاتھ میں عالم کو دیکھ کر
اے جن میں بعد اس دارم از مگا

باغ مولوی سید کاظم علیصاحب میر مشاعرہ

تو ہی آتا ہے نظر ہر یک تصویر میں
تیرا جلوہ ہے ویسا تحریر میں تقریر میں
خاکی نہ سن ہیا کہ تصویر میں
وہ تمامت آہ کی کب تقریر میں
کیا تماشا ہے کہ ہر آئینہ تصویر میں
دیکھ کر تیرا ترا ہی تصویر میں
اس غلطت کیلئے ہے آئینہ تصویر میں
دیکھنے والو کی نظریں ہیں خاکِ تصویر
پھر لگایا ہو کہ کیا ہو کہ کیا کہ تصویر میں
ہم ہیں کہ ہیں ہیر لیف انار ہے تصویر
تین تصویر میں نظر آتی ہیں تصویر میں
اس نے کچھ پھول کر ہے ہے ہے تصویر میں
حرفِ مطلب ہی کچھ کہ گیا تصویر میں
اتنی طاقت ہے کسے اظہار تمنا کا
کچھ ہوا دشام کچھ ہے تصویر میں
اے الوہی غزل ہوتی ہے طرز میر میں
اک تمہارے حسن کی دو مختلف تصویر میں

کہنچا ہے اپنی ہمت عالی کو کس قدر
اتصال عارضی سے نہ ثابت کرو خدا

واہ کیا ہی آوے ہے تاج نقاب جاں

جوہر حکیم مولوی محمد مشتاق علیخا صاحب

کب کی میری زباں ہے اک حرف تقریر
پاؤں سے ٹھوکر عاشق کے کرے کرلا

شور فریاد محبوبی کیسا پروانہ جیسے
دیدہ بسمل تماشا گاہ عالم ہو گیا

کون مارا رواں گیسو سر اکبر ہوا
تجھ میں جا پاتا مقتل جراحت عشق

حضرت منصور لاکھوں ہی کہا کرتے عشق
کیسی ہی اوٹی اپنی محنت کی داد سے

دام کہا یا کیسے نداں میں اسیر زلف
غسل کی حاجت ہی گی شہید ناز کے

جوہر تیغ رہا کی بدولت کیا ہوئے
حیرت مولوی عنایت اللہ صاحب

دیدہ یا اک اک قطرہ دریا ہا تھا تیرے
گریہ ہی طاہر ہا تھا تیرے یار کا۔

نثار حسین صاحب

واہ ری تمکنت کہ جو ہر بحر بے بہا
نام کو دوا نہ تھا جو ہوا کی نمود سے

چل سکی آخر نہ تیرے آگے عقل کی
بگڑی برق تجلی یا ہی ہاتھ سے نقاب

ہر لباس و دامن و دستار گل مقصود سے
آستان تقدیر پر کہ جبین بندگی

حامد۔ مولوی احمد سعید صاحب

لطف ہے تسلیم عشق میں کہ نہ تدبیر میں
پرتو حسن ہے کیا آئینہ تقدیر میں

اپنے کچھ پاس نہیں ہے مگر اک کہ تیرا
دیکھیے دل کو نہ ہو زلف گرہ گیر میں

سید نصیر حسین صاحب

سخا۔ مولوی سید

نثار حسین صاحب

حامد۔ مولوی احمد سعید صاحب

مولوی شاکر علی صاحب

اول نکالی تقدیر میں
کھنچے کھنچے پھر تصویر میں
ہم سبھی ہیں تیرا تھی نگاہ طور
زیر لبی ہی قسمت کی تاثیر
یہ رشک دوجہاں کا تماشا بنا تھا
کسا جلوہ پر گیا تو نور نگاہ
اسکی حرمت ہی کی اعتظار کیا کیا
زبح کہ کہ پیر تیغ میں احباب نے
دامن نکلی آہ تو آگ لگا دی کئی
رکھے تصویر آتشی نصاب کی
آخر ہوئی تو جیسی سائی شاکر کا دم

بابو مولوی حکیم سید محمد حباب صاحب

ہی جلوہ کیسی آج تو تصویر میں
یکروں صدا کے نور خرچ ہیں
سخت تاریکی میں دل کا بازو ہو گیا
مرحبا اے دل نگر جا کیا کہنا ترا
کھنچ کر تیرے چشم کمال نے تو یہ
یہ تصنع دیکھ کر بولا تصویر کا فن
تو کو دیوانہ الٰہی کیوں دیا
کس ہنر نے فانوس کا رنگ سے کوچ
کر دیا بیتابی دل نے مری آنکھوں پر
تصویر کی ہے سامنا ہے حال
پر کی آنکھ میں ہے عبرت

نجیب مولوی مرزا نظام شاہ صاحب تمور

تیرے ہاں کی تصویر میں
یا تجلی طور میں ظہور طور
گاہ خاموش گاہ بھی شدید گئی
لیکن آنکھ نہیں جیسے پتا ئے
شیر کی فوج کے نقشہ نقش حسن

مولوی شاکر علی صاحب

نیند آجائے جو تجھے نالہ گیر میں
دیکھنا رنگ پیدہ کھل گیا تصویر میں
پھر شہود ترے آنے کے لئے تقریر میں
اور جو کھا ہے کیا کیا کیجئے تصدیر میں
آج کیسی ہے تاب نالہ شکیب میں
بالجملہ شی ہو کوئی تصویر تصویر میں
دم بھر جب لیا ہے آگ اثر شیر میں
گیا پھر مفت آب یا تاثیر میں
موت کی تصویر نظر آتی ہے شمشیر میں
وہ کیسی ہتا ہے کہ ہے تصدیر میں

مولوی سید محمد حباب صاحب

وہ تو لیتے ہے تیرے سایہ شبیر میں
اور ابھی کیا جانے کیا ہے کیا تصویر میں
دوڑ نہ ناتھا مجھے آب دیدہ شیر میں
بنکے حسرت رہا ہے پیکان غیر میں
تیرے خوں کا راغ ہے پیر تصویر میں
آہ تو یوں تو ہو دلی تاثیر میں
کاشتی ہو ہلاک یا ہو تصویر میں
شور ماتم کا چاہیے خانہ تصویر میں
رہ جہاں کی تصویر نظر آتی ہے تصویر میں
پنجہ کھا ہے شکل ہی بازو تصویر میں
یہ تو کہا ہے کہ ہے تصویر میں

نسیان مولوی میر شامن علی صاحب

طائر دل کا ہاتھ ہے پلو ہے نچیر میں
جان نا توانے پر گئی المیر تصویر میں
کر لی کا تو رہا شکستہ تصویر میں
گر کی کو ہتا ہاں جانا نچیر میں
ہر اثر آسا تو اثر نالہ شکیب میں
آئینہ تو نے لگا کہا ہے کیا شکیب میں
کھچی ہے تیر جانثار نہ تصویر میں
سیکڑوں جلفے پیر پیر تصویر میں
ہے وہ الطف ناج تماشا ان میں ہر کہا

وفا صفی مولوی سعید الصمد صاحب

ٹوٹتا ہی گیا دل ہو کے نچیر میں
خوبی کچ آئی ہے ہر شعر عاشق کی تصویر میں
کیا تماشہ ہو کہ اک تصویر تصویر کا
بنایا کاپی ہی ہے صفحہ ہر تصویر کا
ہی وہ آدمی میر خانہ نچیر میں
پھول پیشہ ہر کسی نے ہر ایں شیر میں
شمع کی گردن ہے اڑانا کی تلمیر میں
رنگ پیدا ہے خوشی کا تصویر میں
کیا تصدیر کا گیا ہے تصویر میں
خط اچھا رنگ ہے عظا قدیر میں
ہے شوخی تو ہے نالہ گیر میں

لبیب مولوی غلام حسین خان صاحب فتح

گلے گئے کہ یا ہو بھی پا ہے تصویر میں
اور ہر دل یا ہو بھی جانی ہے تصویر میں
یہ ہے ہر دل آتے آتے ہم کیا تھا ہو
مجھ سے ہتا ہے زیادہ ہے تصویر میں

جسے ہاتھ زندگی کر کہ نچیر میں
زنگ گل نچیر ابلیل دلگیر میں
مرغ آشفتہ میں اپنے ہم آنکھ گیر میں

نیسان مولوی میر شامن علی صاحب

اڑ گیا آخر لپٹ کر سوئی اٹکا تیر میں
مجھ عیسی سا ہے تیرے لئے تقریر میں
رنگا اڑاں طبیعت کا دل نچیر میں
دل ہوا ہار سے عشق کا زنار تار تار
ہے گوارا ہم بزم غیر سے اٹھا کر
ہر اثر آسا تو اثر نالہ شکیب میں
مینوا لوں کو نظر آتی ہے صورت کی
سخت تیر ہے کبھی پوچھ تو تیر کی
وحشی کا ناخنی نہ ائے کہاں ڈالا
خوب ہے نالے ہے ہر ایک اڑا مرغ

وفا صفی مولوی سعید الصمد صاحب

استقدر یاد یار عطا کی ہے تصویر میں
یہ نیا انداز ہے ہر شوخ کی تصویر میں
مزہ نظر آتا ہے یار کی تو بر میں
بچھ وحشی تیر تھا ہے ہوا ہر دم
دوڑتا تھا ہے صحرا امید ناز خیال
پیر ہوں میں کسی کے کام دل
رنگا یا خوں ہو والوں کی شکے عہد
دل جمعی ہے لیے ہوئے کاپی تصویر میں
دیکھ کر آیا ہے کہ یار کا
سان مانی کا پیدا جیسے ہے
طرح پیدہ دکھا تا ہے تصویر میں

لبیب مولوی غلام حسین خان صاحب فتح

جدید شوق نچیر میں
یا تجلی طور میں ظہور
ہر دل ال شرش تب کی پرتو تجلی کا
عشق کی تیغ میں در نچیر تجلی کا
میری تصویر کے ہے تیغ کی عکس کی
خاکسر کو چھپا ہوا ہو چھپتا ہیں

کیا محفا کیا محفل دونوں ہے نظر — مُنکی تصویر آئینے میں آئینہ تصویر میں — خوبی قسمت سے اپنی آپ سائل ہوگئی — رہگیا

وصل ہو یہ بھی تو کیا دیدہ بینا کی قرار — تیرا انکا منہ ہے پہلو پہلو پر تیر میں — جمع ہو کیونکر اکٹھا جو رہے عجز و نیاز — عکس

عکس ہو تا ہی ہیں آنا ہو نظر انکا غرور — غور سے دیکھئے کوئی تصویر تصویر میں — قید میں تنہا دیوانہ لیلے میں ہے شیدا آپکا — پاؤں دونوں

ناچیز الفت ہا اپنے کا تیسین کی تحریر میں — ہے اثر تقریر کا تیسین کی تحریر میں

ہندوستان کا ایک قدیم کتبخانہ

ہندوستان میں جو بہت سے کتبخانے ہیں ریاست رامپور ریاست حیدرآباد کلکتہ کی امپیریل لائبریری مدرسہ آلدیہ کلکتہ کا کتبخانہ اورینٹل لائبریری ۔ وغیرہ گورنمنٹ ریاست حیدرآباد میں ایک قدیم اور گرانقدر پرانا ٹوٹا کتبخانہ عالیجناب سید محمد قاسم صاحب گیرو قلمرو [illegible] اور انکے خدمتگار سلف کی ایک قیمتی یادگار ہے اس کتبخانہ کی تعداد کا اندازہ ہم ہرگز نہیں کرسکتا ہم کو جیسا ہو پر کی سلطنت قائم ہونے کے [illegible] اسکی بنیاد پڑ چکی تھی مگر اسکا کمال ترقی اسلام جاہ کے زمانہ سے متعلق ہے اور انکے اکثر بزرگ عہدہ وزارت پر مامور تھے اور اکثر کتبخانے کا [illegible] اس کتبخانے کو ترقی دیتے رہے فلسفہ مذہب آرٹ سائنس تاریخ علم نجوم سیئت کے علاوہ دیگر علوم و فنون کی ہزارہا نایاب کتابیں [illegible] اور کئی ہزار کتب عربی و غیرہ جو لیتھو پتوں پر لکھی ہوئی موجود ہیں یہ کتابیں اور تحریریں دو چار زبانوں میں ہیں بلکہ ہندوستان [illegible] یہ لکھی ہوئی ہیں۔ اگر کتب زبانہ حال کی بھی ہیں میسٹر مرزا الدین احمد صاحبی سلمہ (علیگ) نے اس کتبخانے کی نسبت تفصیل کچھ اخبار ریڈر الہ آباد میں لکھا ہے اس قسم کی عمدہ و اعلیٰ قسم کی کوئی کتبخانہ ہندوستان میں موجود ہو سب سے زیادہ قابل غور خصوصیت یہ ہے کہ بعض نہایت دقیق و اگیر موضوعات پر کتابیں ہو جو دوسرے کتبخانوں میں نہیں ہیں یہ کتب خانہ ایک خاص ہیئت رکھتا ہے داس کو سینکڑوں ہزاروں برس تک محفوظ رکھنے کی تدبیریں کیا کیا ہیں۔ پہاڑوں کی سطح کو ہموار کرنے کا طریقہ زمین کی پوشیدہ تہ تک پانی کے دھارے کو نشیب کے بلندی کی طرف لیجانا اپنی مرضی کے مطابق کال ہر نیلے پیلے رنگ کی روشنی پیدا کرنے کی کیا تدبیر پیام رسانی کی آج کل موم ہے اگر اس کتب خانہ کی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے کے لوگ اس فن کو بہت پہلے اس نہایت مختصر چند صفحہ کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قدیم زمانے کیا کیا علم و ہنر ایجاد رکھتے تھے۔ (۱) ممی بنانا جو چار ہزار برس سے زائد ہوا اسکی کیا طریقہ بتایا گیا ہے کہ اگر مقدار مطلوبہ پر پتھر کی دو پلیٹیں بنائی جائیں تو دور دراز مقاماں بیضہ ہزار برس پیشتر کا نمبر نگین روشنی کی نسبت بعض تصانیف میں لکھی ہیں تدبیریں بتائی گئی ہیں کہ اپنے معمل سے جسقدر لال سبز، کالی کیا سکتے ہے۔ علاوہ الارض بیضہ نیز کے اندر جو دو لعلیں پنہاں ہیں مثلاً جواہرات، دوات وغیرہ قدیم الایام کے جو شہر مختلف تدبیریں بتائی گئی ہیں شیشہ بنانے کی نسبت بتایا گیا ہے کہ سمندر کی سطح پر کھڑے دیکھئے سے تدبیریں آسانی نرم اولے برسانا۔ گرم ملکوں میں اولے برسانے اور سرد ممالک میں دلوئی بارش کرنے کی ترکیب پہاڑوں کو سطح کرنا۔ دو دھارے کو نسبت سے بلندی کی طرف پلٹنا دینا۔ لوہے کو مثل پانی کے رقیق اور سیال بنا دینا پانی کو ہزار ہا برس تک جوا بارت اور مویشیوں کو گیہوں کی جس شکل اور رنگ میں چاہئے رکھنا۔ انسانی زندگی کو ہزاروں برس تک ترقی دینا غیرہ اہم مسئلے ان نادر الوجود کتابوں میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف خود بھی ایک عمدہ دیدہ اور باخبر شخص ہیں چلتے چلتے کے قلمی یہ زمانے کے تانبے چاندی سونے کے سکے جو نہایت تاریخی اہمیت رکھتے ہیں اور رنگا رنگ کے پتھر اپنے کتب خانے میں ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کتبخانہ پر اور مفصل لکھوں گا۔

خاکسار سید محمد یعقوب خلف حضرت مولانا مولوی سید محمد حسن صاحب امروہوی۔ از

جملہ حقوق محفوظ

تاریخ زبان اُردو

اُردوئے قدیم

جسمیں

زبان اُردو اور اُسکے نظم و نثر کی مفصل تاریخ

اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ - ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

کے عہد آخر تک شعرا اور مصنفین کے صحیح حالات تحریر میں

جسکو

شمس المورخین حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری

ممبر ایشیاٹک - ہسٹاریکل اینڈ نیومسماٹک سوسائٹیز

ماہر علوم آثار قدیمہ

نے عربی - فارسی - اُردو - انگریزی - فرانسیسی - جرمنی وغیرہ

زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے اخذ کرکے تالیف کیا - اور

باہتمام خاکسار وفا میرٹھی

طابع پریس مدیر مہکر ساہوئی

جناب فضیلت مآب

مولانا مولوی عبدالحق صاحب

سکرٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد

کنوں ایں کتابِ تشکّر شعار

ترا باشد از من یکے یادگار

خاکسار

حکیم سید شمس اللہ قادری

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	سنسکرت کا انحطاط اور پراکرتوں کا رواج	۱
۲	مشہور پراکرت	۱
۳	سورسینی یا برج بھاشا	۲
۴	اُردو کا منبع و منبع برج بھاشا ہے	۳
۵	لفظ اُردو کی تحقیق	۳
۶	ریختہ کی تحقیق	
۷	ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے	۶
۸	سندھ کی فتح	۶
۹	سندھ میں عربوں کی حکومت	۷
۱۰	غزنین میں سلطنت اسلامیہ کا قایم ہونا	۸
۱۱	سلطان محمود کے فتوحات	۸
۱۲	آل سبکتگین کا لاہور کو دارالحکومت قرار دینا	
۱۳	آل شنب کا ظہور اور محمد بن سام کے فتوحات	
۱۴	ہندوستان خاص اور بہار و بنگال کا سلطنت اسلامیہ میں شامل ہونا	۱۰
۱۵	دکن سے راس کماری تک مسلمانوں کے فتوحات	۱۱
۱۶	عربوں کے حکومت سندھ کی اسلامی آبادی	۱۲
۱۷	آل سبکتگین کے زمانے میں پنجاب کی اسلامی آبادی	۱۲
۱۸	سلاطین دہلی کے زمانہ میں ہندو و ستائگی اسلامی آبادی	۱۳
۱۹	ہندوستان کا اسلامی تمدن جو عربی اور ہندی تمدن کے اختلاط سے بنا ہے	۱۳
۲۰	اُردو زبان جو اسلامی اور ہندی زبانوں کے اختلاط سے بنی ہے	۱۴
۲۱	اُردو کی ابتداء کے متعلق مورخین سلف کے بیانات	۱۴
۲۲	اُردو کی ابتدا کے متعلق مستشرقین یورپ کے تصریحات	۱۶
۲۳	آل سبکتگین کے زمانہ میں اُردو کی بنیاد کا قائم ہونا	۱۷
۲۴	شیخ فریدالدین گنج شکر کے اردو منظوم	۲۱
۲۵	حضرت خواجہ بندہ نواز کا اُردو مقولہ	۲۲
۲۶	قطب عالم گجراتی کے اقوال	۲۲

۲۷	شیخ وجیہ الدین گجراتی کے ملفوظات	۲۳		دینیہ کا درس	۲۹
۲۸	سید ہاشم بیجاپوری کے اقوال	۲۴	۳۴	امیر خسرو اور اُردو زبان	۳۰
۲۹	چند کوئی کی راج رائسا	۲۵	۳۵	امیر خسرو کا فارسی آمیز کلام	۳۱
۳۰	کبیر کے دوہے	۲۶	۳۶	امیر خسرو کے چیستاں	۳۲
۳۱	نویں صدی سے پہلے اُردو کی وسعت	۲۷	۳۷	خالق باری	۳۲
۳۲	اُردو ہندوستان سے باہر	۲۷	۳۸	نویں اور دسویں صدی کے فارسی لغات	
۳۳	حرم کعبہ میں بزبان اُردو علوم			اور اُن میں اردو مترادفات	۳۳

سلطنت بہمنیہ

۳۹	سلطنت بہمنیہ کا بانی ایک عالیخاندان امیر تھا	۳۶	۴۶	سلطنت بہمنیہ کی عام زبان دکھنی تھی	۴۱
۴۰	دکن کی بغاوت اور سلطنت بہمنیہ کا قیام	۳۷	۴۷	عہد سلطنت بہمنیہ کے دکھنی مصنف	۴۱
۴۱	سلطنت بہمنیہ کا پہلا بادشاہ	۳۷	۴۸	شیخ عین الدین گنج العلم کی دکھنی تصنیفات	۴۲
۴۲	سلطنت بہمنیہ کی وسعت	۳۸	۴۹	حضرت خواجہ بندہ نواز اور انکی تصنیفات	۴۳
۴۳	سلطنت بہمنیہ کے مشاغل علمی	۳۸	۵۰	رسالہ معفت اسرار	۴۴
۴۴	انقراض سلطنت بہمنیہ نیں	۳۹	۵۱	نشاط العشق کا دکھنی ترجمہ	۴۴
۴۵	سلطنت بہمنیہ کے باشندے اور انکی زبان	۴۰			

سلطنت قطب شاہیہ

۴۵	سلطان قلی قطب شاہ بانی سلطنت قطب شاہیہ			سلطنت کے آبا و اجداد اور انکی ایران کا تذکرہ مختصر	۴۵

۵۳	سلطان قلی بانی سلطنت قطب شاہیہ		۶۰	تاناشاہ بھی زبان اردو کا شاعر تھا		۵۵
	ہمدان سے دکن میں آنا	۴۸	۶۱	عہد قطب شاہیہ کے اردو کہنے والے شعرا		۵۵
۵۴	سلطنت قطب شاہیہ کا قیام	۴۸	۶۲	ملا غواصی		۵۶
۵۵	سلاطین قطب شاہیہ کا علمی مذاق	۴۹	۶۳	ملا قطبی		۵۷
	شعرائے گولکنڈہ		۶۴	ابن نشاطی		۵۹
۵۶	سلاطین قطب شاہیہ اور اردو شاعری	۵۲	۶۵	جنیدی		۶۰
۵۷	کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ	۵۲	۶۶	طبعی		۶۱
۵۸	سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری		۶۷	نوری		۶۲
	اور مولوی عبدالحق صاحب کی رائے	۵۴	۶۸	فائز		۶۳
۵۹	سلطان محمد اور سلطان عبداللہ		۶۹	شاہی		۶۴
	کا اردو کلام	۵۵	۷۰	مرزا		۶۴

سلطنت عادل شاہیہ

۷۱	یوسف عادل شاہ کی اصلیت	۶۵	۷۷	نصرتی		۷۷
۷۲	یوسف عادل شاہ کا ہندوستانیوں سے برتاؤ	۶۶	۷۸	امین		۷۷
۷۳	سلطنت عادل شاہی کا قیام	۶۷	۷۹	سیوا		۷۸
۷۴	سلاطین عادل شاہیہ کا مذاق علمی	۶۷	۸۰	مومن		۷۹
۷۵	سلاطین عادل شاہیہ اور زبان اردو		۸۱	ہاشمی		۷۹
	شعرائے بیجاپور	۷۲	۸۲	مرزا		۸۲
۷۶	رسمی					

شعرائے دکن
مغلوں کے عہد حکومت میں

۸۳	دکن کی سلطنتوں کی تباہی اور ملک پر مغلوں کا تسلط	۸۳	۸۶	امین	۸۸
			۸۷	ولی دکھنی	۸۹
۸۴	عاجز	۸۴	۸۸	وجدی	۹۲
۸۵	بحری	۸۶	۸۹	آزاد	۹۴

شعرائے اورنگ آباد

۹۰	ولی (اورنگ آبادی)	۹۶	۹۲	سراج	۱۰۱
۹۱	داؤد	۱۰۰			

دہلی میں زبانِ اردو

۹۳	عہد عالمگیر اور لغات اردو کی ایجاد	۱۰۳	۹	دور اول کے شعرا	۱۰۵
۹۴	فارسی شعرا اور اردو زبان	۱۰۴			

نثر اردو

۹۶	دکن میں نثر نویسی کی ابتدا	۱۰۷	۱۰۱	شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیا	۱۰۹
۹۷	شیخ عین الدین گنج العلم کے رسالے	۱۰۷	۱۰۲	نور دریا قادری کے رسالے	۱۱۱
۹۸	معراج العاشقین	۱۰۷	۱۰۳	اسرار التوحید	۱۱۱
۹۹	میراں جی شمس العشاق	۱۰۸	۱۰۴	شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا	۱۱۲
۱۰۰	سب رس	۱۰۸			

۱۰۵	ضمیمہ اول	شیخ سعدی ۱۱۲
۱۰۶	ضمیمہ دوم	طوطی نامہ ۱۱۵
۱۰۷	ضمیمہ سوم	حسن و دل ۱۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفتم بہ کلیسیائے ترسا و یہود — ترسا و یہود و جملہ را روئے تو بود
از شوق جمالِ تو بہ بُت خانہ شدم — تسبیح بتاں زمزمۂ ذکر تو بود

شعرائے اُردو کی تذکرہ نویسی بارہویں صدی ہجری کے اخیر ایام سے شروع ہوئی ہے، اور اُسوقت سے زمانہ حال تک ستّر اسّی تذکرے لکھے گئے ہیں لیکن ان سب کی ابتدا اُس عہد سے ہوئی ہے جب کہ ہندوستان کے **دار السلطنت** (دہلی) میں ریختہ گوئی کا آغاز ہوا اور اس سے پہلے جو شعرا سرزمین دکن میں گزرے ہیں اُنکے حالات نظر انداز کر دیئے ہیں۔ اِس فروگزاشت کا یہ نتیجہ ہوا کہ **قدیم شعرا** کے حالات ناپید ہو گئے اور **تاریخ اُردو** کا **دورِ قدیم** پردہ خفا میں مستور ہو گیا۔

آج سے کم و بیش پندرہ سال پہلے جب **اُردو** اور **ہندی** کی بحث چھڑی تو اُس کے ضمن میں اُردو کی قدامت اور عمومیت بھی معرضِ بحث میں آ گئی۔ حامیان اُردو نے ان مباحث پر جو مضامین شایع کئے اُنمیں **دورِ قدیم** بالکل مفقود نظر آیا۔ اِس کمی کو محسوس کر کے ہم نے ایک مضمون "**قدیم شعرائے اُردو**" کے عنوان سے لکھا اور اس میں اُن **اُردو شعرا** کے حالات اور اُن کی زبان کے نمونے درج کئے جو دہلی میں ریختہ کے رواج پانے سے پہلے سرزمین دکن میں گزرے تھے۔[1]

---

[1] ہمارا یہ مضمون ۱۹۱۰ء میں "لسان العصر" لکھنؤ کے تین نمبروں میں شایع ہوا ہے جسکے ۳۲ صفحات ہیں اور اسکی تقسیم موجودہ مضمون کی تقسیم سے کسیقدر مختلف ہے پہلے حصہ میں عادل شاہی شعرا کا ذکر ہے اسکے تحت تین سو ہندی نصرتی اور گاشنی اور سواکے حالات علی الترتیب ہیں اسکے بعد دوسرے حصہ میں قطب شاہی شعرا کا تذکرہ لکھا ہے جسمیں سے پہلے ملا وجہی غواصی نصرتی کا حال ہے تیسرے حصہ میں غائر وجدی اور ولی کے حالات ہیں اور آخر میں دکنی شعرا کا متذکرہ آیتہا

ہمارا یہ مضمون اگرچہ نہایت مختصر اور نامکمل تھا مگر پھر بھی علمی حلقہ میں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا گیا اور مولانا حالیؔ و علامہ شبلیؔ جیسے مشاہیر علما نے اُسے اپنی توجہ کا پہلا مضمون قرار دیا۔ ان حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمت بلند ہوگئی اور ہم نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا تہیہ کرلیا اور ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اس کا سرمایہ بھی فراہم ہوگیا لیکن بعض دوسرے اُمور اور اتفاقی موانعات کے باعث اسکی ترتیب و تدوین نہ ہوسکی اور اسی طرح ایک مدت گزر گئی یہانتک کہ ۱۹۲۴ء ختم ہونے کے قریب ہوگیا ڈسمبر میں مدیر تاج نے اس مضمون کو مکمل کرنے کی فرمایش کی۔ ہمنے کام شروع کردیا۔ اسی اثنا میں دارالمصنفین نے کُل رعنا شایع کیا اور اسمیں ایک مستقل دو شعرائے دکن کا ہماری نظر سے گزرا لیکن ہم نے اُسے نہایت ناقص اور نامکمل پایا جسکے باعث مضمون مکمل کرنے کی مزید تحریک ہوگئی اور ہمارے پاس جس قدر سرمایہ جمع تھا اُسے اوراق ذیل میں منضبط کردیا اور یہ مضمون اسقدر بڑھ گیا کہ گذشتہ مضمون سے چوگنا ہوگیا۔ مگر ہمارے رائے میں اب بھی یہ مضمون مکمل نہیں ہے کیونکہ ہم نے ایسے بہت سے شعرا اور نثر نگاروں کے حالات دانستہ قلم انداز کردئے ہیں جنکا عہد مطبع تصدیق ہے یا جن کی تصنیفات ہمیں ناقص دستیاب ہوئی ہیں اگر کچھ عرصہ ہم اس بارے میں سعی کرتے اور مضمون جلد ختم کرنے کے لئے مدیر تاج کا اصرار نہ ہوتا تو یہ مضمون کئی سو صفحات پر پھیل جاتا۔

ہم نے جب مضمون لکھنا شروع کیا تھا تو اُس وقت ہماری یہ رائے تھی کہ "لفظ اُردو لشکرگاہ کے معنی میں شہنشاہ بابر کے ساتھ ہندوستان میں آیا[1] اور اسکے ایک عرصہ بعد زبان اُردو کے لئے مستعمل ہوا" ہماری اس رائے کا ماخذ یول اور برنل کی تعلیقات تھی۔ لیکن بعد میں اس رائے کی غلطی ثابت ہوگئی۔ علاؤالدین جوینی کی تاریخ جہانگشای اور رشیدالدین فضل اللہ کی جامع التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان اور اسکی اولاد

---

[1] دیکھیے مضمون ہذا کا صفحہ (۴)

کے زمانے میں مغلیہ بادشاہوں اور شہزادوں کے فرودگاہوں اور لشکر گاہوں کو **اُردو** کہا کرتے تھے یہانتک کہ اُنکا دارالحکومت بھی **اُردو** کہلاتا تھا۔

"وایں قاندورا در **اُردو** چینہ نگیز خاں بزرگ کردند" [1]

"مادر او قمائی بودہ ارکنہ نام واورا در **اردو** چغتائی پرورند" [2]

"درایام دولت او از مشرق تا مغرب وشمال وجنوب وامراء وحکام وعمال ونواب روئے **باوردوئے** او آوردند" [3]

"اوتگین خواست کہ بہ تغلب وتہور خانی بگیرد بدیں عزیمت **باردوئے** قاآن روان شد" [4] [5]

درعہد دولت قاآن اورا در **اردوئے** تورا کینا خاتون آمد شدی بودی

خروج **چنگیز خان** کے بعد **سلطان شمس الدین التمش** کے زمانے سے **سلطان محمد بن تغلق** کے عہد حکومت تک مغلوں نے ہندوستان پر گیارہ حملے کئے اور کم وبیش سو سال تک **ہندوستان** کا شمالی خطہ ان کی تاخت وتاز کا جولانگاہ بنا رہا اسی زمانے سے ہندوستان میں لفظ **اُردو** کا استعمال شروع ہوا اور یہاں بھی لشکر گاہ کو **اردو** کہنے لگے۔ **مؤید الفضلا** سے (جو فارسی کی ایک مستند لغت ہے اور **بابر** کی آمد سے ایک عرصہ پہلے **سلطان ابراہیم** کے عہد میں لکھی گئی ہے) ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں ہندوستان میں اسلامی لشکر گاہیں **اُردو** کہلاتی تھیں اور **زبان اُردو** کو **اہل اُردو** کی زبان کہا کرتے تھے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ایک مقام پر تحریر ہے:۔

"در زبان اہل اُردو **خون خرابا** نامند"

---

[1] جامع التواریخ جلد دوم صـ
[2] " " صـ ۱۳
[3] " " صـ ۲۵۳
[4] تاریخ جہانگشای جلد اول صـ ۱۹۹
[5] " " صـ ۲۰۰

ہاشمی بیجاپوری کے حالات میں یوسف زلیخا کے سال اختتام کو بیان کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے کہ "یہ مثنوی سکندر عادلشاہ کے اوائل عہد میں شاہ ہاشم کی وفات سے تر تالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے"[1] اس مقام پر ہم سے سہو ہو گیا ہے عالمگیر نے ۱۰۹۷ھ کے اخیر ایام میں بیجاپور فتح کیا اور عادلشاہیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔[2] شاہ ہاشم نے ۱۰۵۹ھ میں انتقال فرمایا تھا[3] اس لحاظ سے محولہ بالا عبارت اسطرح صحیح ہوتی ہے "یہ مثنوی انقراض سلطنت عادل شاہیہ کے ایک سال اور شاہ ہاشم کی وفات کے چالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے"

ملا قطبی کے حالات میں فارسی تحفۃ النصائح کا دوسرا شعر نقل کرنے میں غلطی ہو گئی ہے[4]۔ اور دوسرا مصرعہ چھوٹ گیا ہے۔ پورا شعر اسطرح ہے۔

عظمے بدادہ عرش را　　پر در پایش طائرے
چوں برق سالے چار صد　　آنگہ رسد پایہ دگر

ولی دکھنی کے حالات میں میر باقر آگاہ کی تصنیف ریاض الجنان کا نام غلطی سے مرآۃ الجنان لکھا گیا ہے[5]

خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں تاریخ وصال موجود ہے لیکن سنہ چھوٹ گیا ہے[6] جو ۸۲۵ھ ہے حالانکہ اسی سنہ کو ہمنے ایکدوسرے موقعہ پر درج کیا ہے[7]

ان غلطیوں کے علاوہ بعض جگہ طباعت و کتابت کی چند اور غلطیاں ہیں جو چنداں اہم نہیں ہیں انہیں ناظرین بروقت مطالعہ بلا دقت درست کر سکتے ہیں۔

---

[1] مضمون ہذا صفحہ ۸۰
[2] مآثر عالمگیری صفحہ ۲۷۵
[3] مضمون ہذا صفحہ ۲۴۰
[4] مضمون ہذا صفحہ ۵۸۵
[5] مضمون ہذا صفحہ ۸۹
[6] " " صفحہ ۴۳ سطر ۱۳
[7] " " صفحہ ۲۲ سطر ۴

۱

آریاؤں کی مقدس زبان سنسکرت کو جناب مسیحؑ سے صدیوں پہلے انحطاط ہوگیا تھا اور اس کی بجائے مُلک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں مُروّج ہوگئی تھیں جن کو پراکرت کہتے تھے۔

سنسکرت کا انحطاط اور پراکرتوں کا رواج

پراکرتوں کو کس زمانہ سے رواج ہُوا ہے۔ اس کا سُراغ لگانا دشوار ہے لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے پراکرت زبانوں کو رواج عام حاصل ہوگیا تھا بُدھ اور جین مت کی[1] مذہبی زبان پراکرت تھی۔ سکندر کبیر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا ہے[2] تو اوس وقت ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ راجہ اشوک[3] کے کتبے پراکرت میں کندہ ہوئے تھے

مشہور پراکرت

پروفیسر ویبر کی تحقیقات کے موافق چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کا ظہور ہوا ہے ہندوستان میں بیس سے زیادہ پراکرت بولی جاتی تھیں۔ لیکن اِن میں ذیل کی پانچ پراکرت زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں۔

---

[1] بدھ اور جین مذاہب کے بانی مہاویر اور گوتم بدھ دونوں ہم عصر ہیں اور جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے گذرے ہیں۔

[2] سکندر کبیر نے ۳۲۶ ق م اور ۳۲۵ ق م کے مابین ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔

[3] راجہ اشوک نے ۲۷۲ ق م سے ۲۳۱ ق م تک حکومت کی ہے۔

(۱) پالی - یہ زبان مگدھ میں (جسے آجکل بہار کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔ اسمیں بدھ مذہب کا مذہبی لٹریچر تھا جسکے باعث سیلون برہما اور سیام میں بھی پھیل گئی تھی۔

(۲) جینا پراکرت - اسکی دو شاخیں تھیں ایک میں جین مت کی مذہبی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں۔ دوسری وہ ہے کہ جسمیں جین کی مذہبی کتابوں پر تفاسیر لکھے گئے تھے۔ یہ زبان جینا مرہٹی کہلاتی تھی۔

(۳) مہاراشٹری - یہ زبان مہاراشٹر (جسے آجکل مرہٹواڑی کہتے ہیں) مروج تھی اور آرین و پارتھین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی

(۴) سوراسینی - یہ زبان علاقہ برج میں (جسے آجکل متھرا کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔

(۵) مگدھی زبان پالی کے علاوہ تھی اور علاقہ مگدھ میں اسکا رواج تھا

پراکرت آریہ قبایل کی زبانیں تھیں اور سنسکرت کے تغیر سے بنی تھیں۔ انکے علاوہ جنوب میں دریائے کرشنا کے نیچے ڈراویدین اقوام کی متعدد زبانیں مروج تھیں۔ مثلاً تلنگی، کنڑی، تامل، ملیالم وغیرہ یہ زبانیں نہ صرف پراکرت بلکہ سنسکرت سے بھی قدیم تھیں اور تورانی السنہ سے ان کا تعلق تھا۔

سوراسنی کا مرکز برج تھا جس کے باعث اس کو برج بھاشا بھی کہا کرتے تھے۔ بہ نسبت دوسری پراکرتوں کے برج بھاشا کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ بہار سے سندھ اور لاہور سے مالدہ تک

سوراسنی یا برج بھاشا

بولی جاتی تھی اور حضرت مسیحؑ کے ظہور سے پہلے اُس کو ایک شائستہ زبان کا درجہ حاصل ہو گیا تھا ورارو چی نے جو راجہ وکرمادیتہ[1] کا درباری عالم تھا اس کے گرامر (صرف ونحو) کو مدون کیا تھا[2]۔ اور اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب تھی زمانۂ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ زبانِ اُردو کا منبع و مخرج برج بھاشا ہے اور اسکی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تیرہ چودہ پندرہ اور اسی قبیل کے اور بہت سے الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں ورارو چی نے انہیں اپنی گرامر میں بجنسہٖ بیان کیا ہے[3]۔ مسلمان فاتحوں سے جب ہندوؤں کا میل جول ہوا تو برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اصل ہیئت بدل گئی جسکے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا اور یہ جدید زبان سلاطین مغلیہ کے دور میں زبانِ اُردو کے نام سے موسوم ہوئی

اُردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور لشکرگاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یک شمہ بہ ایوانِ تو خورشید منوّر
یک خیمہ در اُردوئے تو گردونِ معلیٰ

اہل تاتار تاتار خان کے لشکرگاہ کو اردو کہا کرتے تھے[4] چنگیز خان

---

[1] راجہ وکرمادیتہ اوجین کا مشہور راجہ ہے۔ مشہور شاعر کالیداس اسی کا درباری شاعر تھا۔ جناب مسیحؑ سے چھپن سال پہلے اس نے باختر پر حملہ کیا ہے۔

[2] ورارو چی کی گرامر پراکرت پرکاش کے نام سے مسٹر کاول نے ۱۸۶۸ء میں مقام لندن چھپوائی ہے۔

[3] دیکھو پراکرت پرکاش فصل اول نقرہ نہم فصل دوم فقرہ چہل و چہارم۔

[4] جامع التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۷۱ حاشیہ۔

کے بیٹے **جوجی خان** کی اولاد نے **دشتِ قبچاق** اور **روس و بلغار** میں ایک وسیع حکومت قائم کرلی تھی۔ اسکے حکمران جب کسی مہم پر مستقر سے روانہ ہوتے تو زریں خیموں میں قیام کیا کرتے تھے۔ اور اس کے باعث ان کی لشکرگاہیں **اردوئے مطلا** کہلاتی تھیں اور خود خوانین **اردوئے مطلا** کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے[1]

اردو کا لفظ لشکرگاہ کے معنی میں **شہنشاہ بابر** ۹۳۲ھ کے ساتھ ہندوستان میں آیا[2] جو سلاطین **مغلیہ** کے دربار کی مورخ اس لفظ کو شاہی لشکر اور شاہی فرودگاہ کے لئے استعمال کرتے ہیں[3]۔ لشکرگاہوں میں جو سکے مضروب ہوئے ہیں اُن پر دارالضرب کا نام **اردو** مسکوک ہے[4]

---

[1] خوانین اردوئے مطلا ۷۱۰ھ سے ۹۳۲ھ تک برسرِ حکومت رہے ہیں انکی تین شاخیں تھیں (۱) خاندان باتو خان ان کا دارالحکومت سرائے دریائے والگا پر آباد تھا (۲) خاندان تغا تیمور بلغار میں انکی حکومت تھی اور خانان اکاسنہ تھا (۳) خاندان شیبانی ان کو ازبک بھی کہتے ہیں۔ ابتداءً کرغیز میں انکی حکومت تھی۔ پھر خیوا اور بخارا میں آکر برسرِ حکومت ہو گئے تھے۔ شرف الدین علی یزدی کے ظفر نامہ پر شاہ رخ کے زمانہ میں جو مقدمہ لکھا گیا اسمیں ان خاندانوں کے مفصل حالات ہیں اور غیاث الدین خوندمیر نے حبیب السیر جلد سوم جزو اول ص۴۳ میں ان کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔

[2] بابر نے ۹۳۲ھ میں ہندوستان کو فتح کیا ہے اور فتح دہلی و آگرہ کے جو فتح نامے اطراف واکناف میں روانہ کئے تھے اسمیں اپنے لشکر کو اردوے نصرت شعار کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ دیکھو بابر نامہ مطبع قازان ص۳۱۳

[3] طبقات اکبری ص۱۸۵ ص۲۱۲ ص۲۱۵ ص۲۳۷ اقبال نامہ جہانگیری ص۴۰۹

[4] بابر کے ایک سکہ پر جو ۹۳۶ھ میں مضروب ہوا ہے ضرب اردو مسکوک ہے (فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ پنجاب میوزیم لاہور مرتبہ مسٹر وائٹ ہیڈ۔) شہنشاہ اکبر نے اجمیر ۹۸۳ھ اور پنجاب ۹۸۴ھ کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے ان پر دارالضرب کا نام اردوئے ظفر قرین ثبت ہے (فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ انڈین میوزیم جلد سوم ص۔) جہانگیر نے جلوس کے گیارہویں سال ۱۰۱۶ھ میں مالوہ کی جانب سفر کیا اور دوران سفر میں جو سکے مضروب کرائے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے اور یہ دارالضرب "اردو در راہ دکن" کے نام سے موسوم ہوا ہے (فہرست سکہ جات پنجاب میوزیم نمبر ۱۲۸۰) سے بار دو سکہ زد در راہ دکن شاہ جہاں بر زر — شہنشاہ نشاہ جہانگیر بادشاہ اکبر جہانگیر نے جلوس کے بائیسویں سال (۱۰۳۶ھ) کشمیر کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے انپر حسب ذیل بیت کندہ ہے (نیو سائنٹک کیٹلاگ آف انڈین کوائنز آف بمبئی کالج آف ایسٹانک سوسائٹی بابتہ ۱۹۰۴ء)

بادران ناگہ بود مہر و ماہ — سکہ اردوئے جہانگیر شاہ

اکبر ۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء کے زمانے سے شاہی لشکر اور دارالحکومت کے لشکر گاہ کو اردوئے معلیٰ کہا کرتے تھے[1]۔ اور اس کا بازار اردو بازار کہلاتا تھا۔

اردو عام طور پر مغلیہ اردو یعنے لشکر گاہوں میں بولی جاتی تھی جس کے باعث اس کا نام زبانِ اردو یعنے اہل لشکر کی زبان شہرت پایا اور بعد میں کثرت استعمال سے لفظ زبان حذف ہو گیا۔ اور عام طور پر اردو کہنے لگے[2]۔

اردو کا دوسرا نام زبانِ ریختہ ہے۔ قدماء نظم اردو کو ریختہ کہا کرتے تھے[3]۔ ولی دکھنی کے ایک شعر میں آیا ہے۔

یہ ریختہ ولی کا جا کر اوسے سنا دو
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

لغت میں گری پڑی چیز کو ریختہ کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ کمال خجندی کا ایک شعر ہے

خونم چو شود ریختہ مستی کند آن چشم
از ریختہ ذوق است و طرب در سر ہندو

لیکن شعراء فارسی کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا زیادہ زبانوں کا مخلوط ہو[4]۔ قدمائے اردو کا کلام فارسی اور ہندی سے مخلوط ہوا کرتا تھا جس کے باعث ریختہ کے نام سے شہرت پایا اور بعد میں یہ لفظ اسقدر عام ہوا کہ ہر قسم کی نظم اردو پر ریختہ کا اطلاق ہونے لگا اور اسی مناسبت سے زبان کا نام بھی زبان ریختہ مشہور ہو گیا۔

---

[1] طبقات اکبری ص۳۱۹ و ص۳۱۶

[2] گلستان سخن ص۶۵ سید انشاء اللہ خاں نے دریائے لطافت میں کہا ہے کہ "جوش بیان آنجا دارالخلافہ شاہجہان آباد متحقق شدہ از زبان ہائے متعدد الفاظ دلچسپ جدا نمودہ و در بعضے عبارات و الفاظ تصرف بکار بردہ زبانے تازہ سوائے زبانہائے دیگر بہم رسانیدند و بہ اردو موسوم ساختند۔

[3] تحقیق زبان ریختہ ص۳

[4] بہار عجم جلد دوم ص۴۱

(۲)

ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے

امیرالمومنین حضرت عمر الفاروقؓ ۱۳ھ سے ۲۳ھ کے زمانے سے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے شروع کئے۔ ۱۵ھ میں عثمان بن ابی العاص الثقفی نے جو عمان و بحرین کے حاکم تھے سواحل سندھ پر حملہ کیا۔ ان کے جنگی جہاز بمبئی کے قریب تانہ پر لنگر انداز ہوئے۔ اس کے چند ماہ بعد انہیں نے دو اور مہم ہندوستان کی جانب روانہ کئے۔ جنکے افسران کے دو بھائی مغیرہ اور حکم تھے۔ مغیرہ نے دبیل پر اور حکم نے بروص بہروچ پر یورش کی۔ لیکن ان کا کوئی کامیاب نتیجہ نہیں نکلا۔ ۲۲ھ میں جب ایران فتح ہوگیا اور مسلمان عراق سے خراسان تک تمام ممالک پر قابض و متصرف ہوگئے ایران کے وہ ممالک جو ہندوستان سے ملے ہوئے تھے۔ جیسے مکران و سیستان و طخارستان و زابلستان وغیرہ حضرت عثمانؓ ۲۳ھ سے ۳۵ھ کے زمانہ میں مفتوح ہوئے اسکے بعد ہندوستان پر اسلامی حملوں کا آغاز ہوا۔ ۴۴ھ میں امیر مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ کیا اور تاخت و تاراج کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا۔ اس مہم میں ملتان سے کابل تک تمام ملک اسلامی تصرف میں آگیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بیس سال تک سندھ پر متعدد حملے کئے۔ اور بہت سے سرحدی اور ساحلی مقامات کو فتح کرلیا خلیفہ عبدالملک بن مروان ۶۵ھ سے ۸۶ھ کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا سندھ کی فتح

گورنر مقرر ہوا تو اس نے سندھ پر کئی مہم روانہ کئے لیکن ان میں ۸۶ھ کی مہم نہایت کامیاب ہوئی[1]۔ اس کا افسر محمد بن قاسم تھا جس نے سب سے پہلے دیبل کو فتح کیا۔ پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور محمد قاسم نے ملک کے اندر قدم بڑھانا شروع کیا۔ ۹۶ھ تک بہمن آباد۔ الور اور ملتان فتح ہو گئے اور سندھ پر مسلمانوں نے بالاستقلال قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد محمد قاسم معزول ہو کر دربار خلافت میں چلا آیا۔ اور اسکے بجائے تمیم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔

فارسی اور انگریزی مورخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہو گئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ (۲۲۷ھ سے ۲۳۲ھ) کے زمانہ تک دربار خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے اور منصورہ انکا مستقر حکومت تھا جب خلافت بغداد کو انحطاط شروع ہوا تو سندھ میں خلفاء کی حکومت برائے نام رہ گئی اور ملک میں عربوں کے جو قبائل آباد تھے انکے سرداروں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قایم کر لیں۔ یہ حکومتیں کشمیر کی سرحد سے بحر فارس اور سیستان و مکران تک پھیلی ہوئی تھیں اور انکے حکمران سلاطین غزنویہ کے تسلط تک ملک سندھ پر قابض و متصرف تھے۔

[1] ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۹۰

(۳)

عزنین میں سلطنت اسلامیہ کا قائم ہونا

ہندوکش کے شمال میں پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے اسلامی حکومت قایم ہوگئی تھی۔ لیکن پانچویں صدی تک مسلمانوں نے اس کے نیچے اپنی عملداری وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ۳۴۴ھ میں الپ تگین نے جو سلاطین سامانیہ کا ترکی غلام تھا غزنین میں ایک مستقل حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ حکومت ایسے ملک میں قایم ہوئی جو ہندوستان و خراسان کے بیچ میں واقع تھا اور یہاں سے بآسانی ہندوستان میں آمد و رفت ہوسکتی تھی۔ اسوقت پنجاب میں راجہ جے پال حکمران تھا۔ اسکی حکومت نیلاب (دریائے سندھ) کے شمال میں اسلامی مقبوضات تک پھیلی ہوتی تھی سبکتگین نے (۳۶۶ھ) الپ تگین کا جانشین تھا۔ راجہ کیساتھ وادیٔ لمغان میں دو لڑائیاں کیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نیلاب تک راجہ کا ملک مسلمانوں کے تصرف میں آگیا۔[1]

سلطان محمود کی فتوحات

سبکتگین کے بعد سلطان محمود (۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ) برسر حکومت ہوا اس کے زمانہ سے ہندوستان کی اصلی فتوحات شروع ہوتی ہیں۔ اس نے ۳۹۲ھ سے ۴۱۵ھ تک ہندوستان پر سترہ حملے کئے[2]۔ اور نیلاب کو عبور کرکے جنوب میں کوہستان ہندیہ یا چل تک اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا چلا گیا

---

[1] فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۰ انفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۴۲

[2] ان حملوں کے مفصل حالات طبقات اکبری تاریخ فرشتہ منتخب التواریخ اور انفنسٹن ہسٹری میں تحریر ہیں۔

اُسکی فتوحات کے انتہائی مقام مشرق میں کالنجر اور مغرب میں سومنات تھے پہلا مقام تنجس (دریائے گنگا) کے نیچے بندیل کھنڈ میں اور دوسرا گجرات میں میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ محمود نے ۴۰۹ھ میں قنوج و متہرا کو فتح کیا[1] ۴۱۳ھ میں کالنجر کے راجہ کو مطیع و منقاد بنایا[2] ۴۱۵ھ میں گجرات دارالسلطنت نہروالہ پٹن کو فتح کرکے سومنات کو تاخت و تاراج کیا[3] محمود کے بعد اسکی اولاد کے قبضہ سے مفتوحہ ممالک کا بہت حصہ نکل گیا۔ لیکن پنجاب پر انکا قبضہ بدستور قایم رہا۔

اس زمانہ میں آل سبکتگین کو عروج حاصل ہُوا اور بہرام شاہ ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ کے زمانہ میں غزنین پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ اُس وقت آل سبکتگین کے ہاتھ میں صرف پنجاب کی حکومت باقی رہ گئی۔ بہرام شاہ نے غزنین سے نکلکر پنجاب میں سکونت اختیار کی اور لاہور کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اسکے بعد اسکے دو جانشین خسرو شاہ ۵۴۷ھ سے ۵۵۵ھ اور خسرو ملک (۵۵۵ھ سے ۵۸۳ھ) کم و بیش چھتیس سال تک لاہور میں حکومت کرتے رہے ۵۸۳ھ میں محمد بن سام جسکا لقب شہاب الدین غوری ہے لاہور کو فتح کرلیا[4] آل سبکتگین کا خاتمہ ہوگیا اور پنجاب آل شنسب کے تصرف میں آگیا۔

اسکے بعد محمد سام نے ہندوؤں سے لڑائی جھگڑے شروع کئے اسوقت ہندوستان میں چار خاندان حکمران تھے۔ تومر دہلی میں

---

[1] طبقات اکبری ص۵۰ فرشتہ جلد اول ص۱۹
[2] طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۱
[3] طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۲
[4] طبقات اکبری ص۱۸۰

چوہان اجمیر میں راٹھور قنوج میں یا گہلے گجرات میں۔ دہلی کا راجہ ناگ دیو جب لاولد مرگیا تو اسکا نواسہ رائے پتھورا جو اجمیر کا راجہ تھا دہلی میں برسر حکومت ہوا۔ اور اسطرح پر تومر اخاندان کی حکومت چوہان خاندان میں منتقل ہوگئی [1]

محمد بن سام نے فتح لاہور کے بعد جب ہندوؤں پر حملہ کیا تو رائے پتھورا نے ٹراوری میں اسکو پسپا کر دیا۔ لیکن اسکے دو سال بعد ۱۱۹۲ء میں بمقام تھانیسر اس نے فتح حاصل کی اور راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ اجمیر اور دہلی مسلمانوں کے تصرف میں آگئے۔ اسکے بعد ۱۱۹۳ء میں قنوج مفتوح ہوا۔ اس اثنا میں اودھ اور بہار بھی مسخر ہوگئے۔ غرض کہ سندھ سے بنگالہ تک اور لاہور سے بیانہ تک تمام ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ۱۲۰۲ء میں دریائے نیلاب کے پاس ملاحدہ اسمٰعیلیہ نے محمد سام کو شہید کر دیا [2]۔ اسکے بعد اسکی سلطنت انکے غلاموں میں تقسیم ہوگئی تاج الدین یلدوز غزنین میں ناصر الدین قباچہ سندھ میں قطب الدین ایبک دہلی میں بہاء الدین طغرل بیانہ میں خود مختار ہوگئے طغرل کی وفات کے بعد بیانہ قطب الدین ایبک کے قبضہ میں آگیا جسکے باعث دہلی کی عملداری جنوب میں نربدا تک پھیل گئی اسی زمانہ میں ملک اختیار الدین خلجی کی کوشش سے بنگالہ بھی فتح ہوگیا۔ التمش کے زمانہ میں جب تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا خاتمہ ہوا تو انکے علاقے بھی سلطنت دہلی میں شامل ہوگئے۔

محمد بن سام کا سلطنت غزنین سے بہار و بنگال تک

[1] انفسٹن ہسٹری ص ۳۵۴

[2] دول الاسلام ذہبی ص ۱۸۱ جلد دوم

التمش کے جانشینوں نے توسیع سلطنت کی بہت کم کوشش کی لیکن جب انکی حکومت خلجی خاندان میں منتقل ہوگئی تو سلطان علاء الدین محمد (۶۹۵ھ ۷۱۵ھ) نے دکن کی جانب پیش قدمی کی ۷۰۶ھ میں دیوگڈھ فتح ہوا ۷۰۹ھ میں ورنگل اور ۷۱۰ھ میں کرناٹک مفتوح ہوئے اس اخرالذکر فتح کی بدولت مسلمان انتہائے جنوب میں بندر رامیشورم تک پہنچ گئے اور وہاں سلطان علاء الدین کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کیگئی جو جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھی [1]

سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ ۷۱۵ھ) کے زمانہ سے ملک دکن سلطنت دہلی میں شامل ہوگیا اور اس کے بعد قریبًا چالیس سال تخت دہلی سے اس کا تعلق قایم رہا۔ محمد بن تغلق (۷۲۵ھ ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں امرائے دکن نے بغاوت کی جس کے باعث دہلی کی حکومت سے دکن آزاد ہوگیا۔ اور یہاں ۷۴۶ھ کے قریب ایک نئی سلطنت بہمنیہ (۷۴۶ھ ۹۳۳ھ) قایم ہوگئی جسکے فرمانروا کم و بیش دو سو سال تک حکمران رہے۔ نویں صدی سے اس کو بھی انحطاط شروع ہوا۔ اور پچاس سال کے اندر ملک کو مختلف سرداروں نے تقسیم کرلیا اور ایک سلطنت کے عوض پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قایم ہوگئیں۔

[1] فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۷۹ انفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۸۵

(۴)

عربوں کے دورِ حکومت میں سندھ کی زبان

جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے سندھ کے فاتحین عرب کے مسلمان تھے یہ لوگ جب سندھ میں آئے تو اپنے ساتھ عربی زبان اور عربی تمدن لیتے آئے اور اسے ملک میں اس قدر پھیلایا کہ سندھ شام و عراق کا نمونہ بن گیا سندھ میں کم و بیش پانسو سال اسی حکومت رہی ہے اس عرصہ میں عراق و عرب کے سینکڑوں قبائل نے آکر سندھ میں سکونت اختیار کر لی اور یہاں کے باشندوں کیساتھ اسقدر اختلاط بڑھایا کہ دونوں میں امتیاز کرنا اجنبی کے لئے دشوار ہو گیا۔ ابن حوقل[1] جو چوتھی صدی کا مشہور سیاح ہے جب سندھ میں آیا تو دیکھا کہ یہاں کے ہندو مسلمان دونوں کی ایک سی معاشرت ہے دونوں ایک زبان بولتے ہیں سندھ میں عربی ہندی بولی جاتی ہے ملتان میں ملتانی اور فارسی کا رواج ہے

آلِ سبکتگین کے زمانہ میں پنجاب کی ادبی حالت

آلِ سبکتگین اور سلاطین غزنویہ کے زمانہ میں جو مسلمان ہندوستان میں آئے تھے وہ ترک مغول اور افغان تھے ابتداء میں ان کا مرکز حکومت لاہور تھا اور یہاں سلطان محمود کے زمانہ سے سپہ سالار رہا کرتے تھے ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری (المتوفی ۴۵۶ھ) داتا گنج بخش اور شیخ فخر الدین زنجانی جو مشاہیر مشائخ صوفیہ سے تھے اس زمانہ میں لاہور میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے مسعود سعد سلمان۔ ابوالفرج رونی ابو عبداللہ الکاتبی

[1] ابن حوقل نے ۳۳۱ھ سے ۳۵۸ھ تک بلاد اسلامیہ میں سفر کیا ہے اور ۳۶۶ھ میں اپنا سفرنامہ مدون کیا ہے جسکا نام المسالک الممالک ہے اور اسے دیخویہ نے ۱۸۷۲ء میں چھاپکر شایع کیا ہے ۱۲

اور حمید الدین مسعود جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اسی زمانہ میں لاہور میں پیدا ہوئے تھے مشہور ادیب ابو نصر فارسی لاہور میں رہا کرتا تھا اور اس نے ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا جو صدیوں قایم رہا اور اس میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

سلاطین دہلی کے زمانہ میں مسلمانوں کی اسلامی آبادی

جانشینان محمد بن سام کے زمانہ میں اجمیر دہلی بیانہ بہار لکھنوتی وغیرہ بھی مسلمانوں کے مرکز قرار پائے۔ اور جس قدر مقامات فتح ہوتے گئے وہاں بڑے بڑے اکابرین اور ان کے مرید و معتقدین نے بھی سکونت اختیار کی۔ اس طرح سو سال کے اندر اندر نیلاب سے بنگال تک اور لاہور سے کرشنا تک مسلمان تمام ملک میں پھیل گئے۔ اور ان کے ساتھ انکا مذہب ان کا تمدن اور ان کی زبان بھی پھیل گئی۔ چنانچہ ابن بطوطہ[1] جو ساتویں صدی کا مشہور سیاح ہے ہندوستان میں آیا اور اس سرے سے اس سرے تک ملک کا سفر کیا تو اس نے تمام ملک کو اسلامی آبادی اور اسلامی آثار سے معمور و مملو پایا۔

ہندوستان کی اسلامی آبادی جو زبان اور تہذیب تمدن کے لحاظ سے ہندوستانی ہے

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنا تمدن اور اپنی زبان ساتھ لائے لیکن مفتوح اقوام پر اس کا ایسا گہرا اثر نہیں پڑا جیسا مصر و ایران میں پڑا تھا۔ ان ملکوں میں اسلامی تمدن اور اسلامی زبان نے قدیم تمدن اور قدیم زبان کو ناپید کر دیا۔ اسکے خلاف ہندوستان

[1] ابن بطوطہ آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے ۷۳۴ھ میں سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان میں آیا اور دس سال یہاں رہکر ۷۴۷ھ میں چین کو چلا گیا۔ اس کا سفر نامہ فرنچ نے ترجمہ کیا تھا دی فرمری نے ۱۸۵۳ء میں بمقام پیرس چھپوایا ہے۔

میں مفتوحین کا اثر فاتحین پر پڑا لیکن فاتحین کا تمدن ایسا نہ تھا کہ وہ مفتوحین کے تمدن میں ضم ہو جاتا۔ اسلئے دونوں تمدن کے ملنے سے ایک تیسرے تمدن کا ظہور ہوا۔ یہی کیفیت زبان کی نسبت پیش آئی۔ فاتحین اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نہ کر سکے۔ لیکن ہندوؤں کی زبان بھی انکی عام زبان نہ ہو سکی۔ بلکہ دونوں اقوام کی زبانوں کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اردو کے نام سے مشہور ہے۔

اردو زبان اسلامی اور ہندی زبانوں کے اختلاط سے بنی ہے

فاتحین اسلام بالعموم فارسی زبان بولتے تھے۔ لیکن انکی فارسی خالص فارسی نہ تھی۔ بلکہ اسمیں عربی کے ہزاروں الفاظ شامل ہو گئے تھے[1] ہندوستان کی زبانوں میں برج بھاشا (سوراسنی) اگرچہ کہ دوآبہ کی زبان تھی۔ لیکن پانچویں صدی ہجری تک اسکو بے حد وسعت ہو گئی تھی۔ بہار سے نیلاب اور نیلاب سے مالوہ تک بولی جاتی تھی اور اس اعتبار سے ملک کے اوس خطہ کی عام زبان تھی۔ جہاں سب سے پہلے اسلامی حکومت قایم ہوئی۔ مسلمان آباد ہوئے اور اسلامی تمدن نے نشو و نما پائی مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اسمیں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مورخین سلف کے بیان کا اختلاف

برج بھاشا کا یہ تغیر کب سے شروع ہوا اور اردو زبان کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اسکی نسبت مصنفین سلف نے اختلاف کیا ہے۔

[1] دوآبہ۔ اس علاقہ کو کہتے ہیں جو گنگا جمنا کے بیچ میں واقع ہے۔

سرسید احمد خان نے آثار الصنادید (تالیف ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ:-

"اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بہاشا میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی تھی مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں ہندو اپنی گفتگو بہاشا میں کیا کرتے تھے۔ پر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں ہی کے زمانہ سے یعنے حضرت مسیح کی تیرھویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ لانے شروع کئے تھے اور کچھ پہیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں اپنی زبان میں کہی تھیں جس میں اکثر الفاظ بہاشا کے تھے۔ غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بہاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو۔ مگر ایسا نہ تھا جسکو جدا زبان کہا جائے۔

جب کہ شاہجہان بادشاہ نے ۱۰۳۸ ہجری مطابق ۱۶۲۸ عیسوی میں شہر شاہجہان آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بہاشا بہت ملگئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بہاشا کے لفظوں میں بسبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدیل ہو گئی غرض کہ لشکر اور شاہی اور اردوئے معلی میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا پر کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی۔ یہانتک کہ تخمیناً ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۶ عیسوی کے یعنے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں کہنا شروع ہوا۔"[1]

میر امن دہلوی نے باغ و بہار (تالیف ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:-

"جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چار و نظر کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔ کھچڑی ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔"[2]

مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ (تالیف ۱۲۷۵ھ) میں لکھا ہے کہ:-

---

[1] آثار الصنادید۔ طبع نامی پریس کانپور ۱۹۰۴ء حصہ سوم صفحہ ۱۰۵

[2] باغ و بہار۔ طبع لندن صفحہ ۱

"زبان اُردو رونیدہ شہر دہلی کو کہتے ہیں۔ اس شہر میں قدیم الایام سے برابر زبان ہندی مروج تھی۔ ہر شخص اُسی زبان میں کلام کرتا تھا۔ جب ۵۸۷ھ میں سلطان معزالدین مشہور بہ شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر چڑھائی کی اہل ہند کو شکست دی۔ رائے پتھورا کا کام تمام کیا۔ تمام ملک ہند۔ سلاطین غزنہ کے قبضہ اختیار آیا۔ رفتہ رفتہ زبان قدیم میں لفظ فارسی عربی و ترکی ملتا گیا جب محمد شاہ بن تغلق شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو باشندگان دہلی پر یہ ایک تازہ ظلم کیا کہ ان کو شہر میں رہنے نہ دیا۔ دیوگیر معروف بدولت آباد میں بھیجدیا۔ اور ہر قسم الہی سلطنت کے زوال کے ان لوگوں کو دہلی میں بلالیا۔ اس نقل و حرکت کے باعث بہت سے الفاظ دکھنی ہی زبان دہلی میں نکلے۔ یہی انداز گفتگو آخر عہد جہانگیر بادشاہ تک رہی۔ لیکن جب شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۴۸ھ میں شاہ جہان آباد کو آباد کیا تو شاہ جہان آباد میں اطراف و جوانب عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ مجتمع ہوئے قدیم ہندی متروک ہونے لگی۔ محاورے میں فرق ہونے لگا۔ زبان اردو کی ترقی شروع ہوئی۔"[1]

مرحوم سرسید کا بیان ہے کہ شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ ۱۰۶۹ھ) کے زمانہ تک برج بھاشا میں کوئی تغیر نہیں ہوا جب شاہ جہان آباد بسا تو وہاں شاہی لشکر اور اردوئے معلی میں برج بھاشا اور فارسی کی ترکیب سے اُردو زبان پیدا ہوئی۔ اسکے برخلاف میر امن دہلوی کہتے ہیں کہ اکبر (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں اسکی ابتدا ہوئی ہے۔ دونوں کے برخلاف مولانا نساخ کا بیان ہے کہ محمد بن سام (۵۶۹ھ ۶۰۲ھ) کی فتوحات کے بعد اور محمد بن تغلق (۷۲۵ھ ۷۵۲ھ) کی تخت نشینی سے پہلے اردو کی بنیاد پڑی ہے۔

یہ بیانات مقامی مصنفین کے تھے۔ اب ہم یوروپین مستشرقین کی تصریحات کو بیان کرتے ہیں۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مستشرقین یورپ کی تصریحات

مسٹر بیمز نے اپنے گرامر میں لکھا ہے کہ فتح ہندوستان کے بعد عرصہ دراز

[1] رسالہ در تحقیق زبان ریختہ طبع ۱۸۹۰ء ص ۳ و ص ۴

تک مسلمانوں نے فارسی کو اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا مسلمان مدت تک فصیح ہندی بولنے کے عادی تھے اور انہوں نے ہندی میں فارسی الفاظ کو نہیں ملایا تھا۔ اکبر (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں جب راجہ ٹوڈرمل نے طریق مالگزاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے اس زمانہ سے ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش شروع ہوئی اور اسطرح پر ایک جدید زبان اردو کی بنیاد پڑی [1]

اردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر جان گل گرسٹ نے ہندوستانی فیلالوجی میں ایک مسلمان مورخ کی سند پر لکھا ہے کہ جب تیمور (۷۹۷ھ ۸۰۷ھ) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت سے اردو کی بنیاد قایم ہوئی [2]

مشہور مستشرق کولبروک کی رائے میں پندرہویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) کے اخیر ایام سے برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اس نے ترقی پاکر ایک جدید زبان کی صورت اختیار کرلی [3]

ڈاکٹر ونٹیرنز کا (جسے جرمن میں ادبیات ہندوستان کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے) بیان ہے کہ بارہویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو عربی فارسی الفاظ برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس تغیر کے باعث سولہویں صدی (گیارہویں صدی) تک ایک نئی زبان پیدا ہوگئی [4]

(1) BEAMES. A COMPARATIVE GRAMMAR OF THE MODERN ARYAN LANGUAGES OF INDIA PP. 15 .

(2) Dr GILCHRIST HINDOSTANI PHILOLOGY

(3) COLEBROOKE. ASIATIC RESEARCHES. VOL. VII. P.P 220

(4) Dr WINTERNITZ. GESCHICHTE DER INDISCHEN LITTERATUR PP 139

اوپر جو اقتباسات درج ہوئے ہیں ان سے صحیح نتیجہ کے اخذ کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہے کیونکہ ان مصنفین نے عدم واقفیت کے باعث اردو کی اس سرگزشت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اسکی وجہ سے ان کی تصریحات نہایت ناقص اور متضاد ہوگئی ہیں تاریخ زبان اردو کا یہ تاریک حصہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اگر روشنی میں لایا جائے اور اسکی بنیاد پر اردو زبان کی عہد بعہد ترقیاں مطالعہ کیجائیں اور اسکے بعد اس کی تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو ایسی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ آل سبکتگین کے زمانہ میں اردو زبان کی ابتدا ہوئی ہے۔

سلطان محمود کے مقبوضات وسط ایشیا میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ماوراء النہر۔ خوارزم۔ خراسان۔ اور فارس کا بہت بڑا حصہ اسکی سلطنت میں شامل تھا۔ لیکن مسعود بن محمود (۴۲۱ھ سے ۴۳۲ھ) کے زمانہ میں آل سلجوق نے تمام ملک چھین لیا[1]۔ اور مودود بن مسعود (۴۳۲ھ سے ۴۴۳ھ) جب برسر حکومت ہوا تو صرف افغانستان و ہندوستان آل سبکتگین کے قبضہ میں باقی رہگئے تھے۔ مسعود کے اعیان و امراء اور دیگر متوسلین جو وسط ایشیا میں رہتے تھے آل سلجوق کی تاخت و تاز میں بے خانماں ہوگئے تو ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور یہاں کی مستقل سکونت اختیار کرلی[2]۔ ان نو واردوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت جلد میل جول پیدا کرلیا اور یہاں کی زبان بھی سیکھ لی اور اسمیں اسقدر کمال حاصل کیا کہ اہل زبان ہوگئے۔ چنانچہ

[1] روضۃ الصفا جلد چہارم صفحہ

مسعود سعد سلمان اور ابو عبداللہ الشکتی جو سلطان ابراہیم (۴۹۲ھ تا ۴۵۱ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر ہیں ہندی میں بھی شعر کہا کرتے تھے اور اپنے ہندی کلام کے دو اوین بھی مرتب کئے تھے [1]

سلطان محمود کے دربار میں بہت سے ہندو ملازم تھے۔ ایک ہندو کو جس کا نام ہجرائے تھا۔ سلطان نے لشکر کا افسر مقرر کیا تھا اور اسنے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے [2] سلطان مسعود نے ہندوؤں کا ایک لشکر ترتیب دیا تھا اسکے افسر اور سپہ سالار بھی ہندو مقرر کئے تھے۔ افسر کا نام ناتھ اور سپہ سالار کا نام تلک تھا۔ ۴۲۶ھ میں جب احمد نیالتگین نے ہندوستان میں بغاوت کی تو اسکی مدافعت کے لئے مسعود نے ناتھ کو روانہ کیا۔ ایک لڑائی میں جب ناتھ مارا گیا تو اسکی جگہ تلک مامور ہوا اور اسنے نہایت عمدگی کیساتھ نیالتگین کی بغاوت فرو کی [3]

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل سبکتگین کے زمانہ میں ہندوؤں کیساتھ مسلمانوں کے گہرے تعلقات قایم ہو گئے تھے۔ میل جول اور تبادلۂ خیالات کی وجہ سے ہندی زبان میں تغیر شروع ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانہ سے ایک جدید زبان کی بنیاد قائم ہوئی تھی [4] اور عہد بہ عہد ترقی کرتے ہوئے آج تک اسنے

---

[1] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ و ہفت اقلیم درتحت لاہور
[2] طبقات اکبری صفحہ ۱۵
[3] طبقات اکبری صفحہ ۱۴ الیلیٹ ہسٹری جلد ۲ - صفحہ ۱۴۰
[4] القطن ہسٹری طبع ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۴۵

ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ سے ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے عرصہ دراز سے یہاں کی بود و باش اختیار کر لی تھی اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کی زبان کے اگرچہ کہ ہمارے پاس کوئی مستقل نمونے موجود نہیں ہیں لیکن صوفیائے کرام کے ملفوظات اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اردو کے بہت سے مقولے تحریر ہیں اور اُن سے اس بات کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کی کیا حالت تھی اور اُس میں عہد بہ عہد کسقدر تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

(۵)

شیخ فرید الدین گنج شکر ساتویں صدی کے مشاہیر مشائخین سے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے ۶۶۸ھ میں آپنے انتقال فرمایا ہے[1]۔ آپکے خلیفہ خواجہ بدر الدین الحق نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنے ایک دوست کو "بھیا" کہا کرتے تھے[2]۔ ایک مرتبہ آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کسی نے دریافت کیا کہ جسم میں عقل کا کونسا مقام ہے اسکے جواب میں آپنے ارشاد فرمایا "بیچ سر کے" اور یہ آیہ کریمہ پڑھی[3] وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون۔

شیخ سراج الدین عثمان جو اخی سراج کے لقب سے مشہور ہیں سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے ۷۵۷ھ[4] میں آپکا انتقال ہوا۔ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد جو ۷۲۵ھ میں واقع ہوئی ہے آپ بنگالہ سے دہلی میں تشریف لائے اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے بنگالہ جانے کی ترغیب دی لیکن اخی سراج نے عرض کیا کہ وہاں پہلے سے شیخ علاء الحق قل موجود ہیں اور خلایق کا رجحان انکی جانب ہے میرے وہاں جانے سے کیا

---

[1] آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۰۹ شہزادہ دارا شکوہ نے ۶۶۴ھ کہا ہے (سفینۃ الاولیا صفحہ ۹۶)
[2] اسرار الاولیاء ۳۰
[3] ملفوظات صفحہ ۴۰
[4] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۵۵ [5] آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۰۰

نتیجہ ہے اسپر خواجہ صاحب نے ہندی زبان میں ارشاد فرمایا کہ "تم اوپر وے تلے" شیخ اخی سراج کو اس بشارت سے بے حد مسرت ہوئی اور فوراً بنگالہ کی جانب روانہ ہوئے[1]

حضرت بندہ نواز کا مختصر حال

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز دکن کے مشہور بزرگ ہیں ۸۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے[2]۔ آپکے ایک مرید عبداللہ بن عبدالرحمن چشتی نے ایک کتاب عشق نامہ کے نام سے تصوف میں لکھی ہے اور اس میں اپنے مرشد کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

"بھوکوں موسوں خدا کچھ اپڑتا ہے۔ خدا کوں اپڑنے کی استعداد ہوئے"

قطب عالم کے اقوال

سید برہان عبداللہ بن محمود قطب الاقطاب سید جلال الدین حسینی کے پوتے تھے ۸۰۳ھ میں گجرات آکر پٹن میں سکونت پذیر ہوئے **سلطان احمد** (۸۱۴ھ تا ۸۴۶ھ) نے جب احمد آباد آباد کیا تو پٹن سے احمد آباد میں تشریف لائے۔ آپ کے فرزند کا نام سراج الدین سید محمد بن عبداللہ تھا۔ اہل گجرات آپ کو **قطب عالم** اور فرزند کو **شاہ عالم** کہا کرتے تھے۔ دونوں بڑے ذی وجاہت اور بلند پایہ بزرگ تھے ۸۵۵ھ میں **قطب عالم** نے اور ۸۸۰ھ میں **شاہ عالم** نے انتقال فرمایا ہے[3]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ **قطب عالم** نماز تہجد کے لئے اٹھے اور صحن میں آئے تو ایک لکڑی سے ٹھیس لگی اسوقت آپنے فرمایا "کیا ہے لوہا ہے یا لکڑی ہے یا پتھر

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۹
[2] آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۱۸۵
[3] اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۶
[4] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۷۰

شاہ بارک اللہ چشتی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ تھے اور احمد آباد میں رہا کرتے تھے جناب رسالت مآب صلعم نے ایک روز خواب میں شیخ سراج الدینؒ کو بشارت دی کہ تمہارا لقب شاہ عالم ہوگا اور تمہیں اس لقب سے شاہ بارک اللہؒ نامزد کریں گے۔ شیخ سراج الدینؒ جب شاہ بارک اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپنے دیکھتے ہی شاہ عالم کے خطاب سے مخاطب کیا اور اُس روز سے شاہ عالم آپ کا خطاب مشہور ہوگیا شاہ عالم نے اس واقعہ کو جب اپنے والد قطب عالمؒ سے بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا "چشتیوں نے پکائی اور اُسے بخاریوں نے کھائی"[1]

شیخ وجیہ الدین علوی گجرات کے علمائے کبار اور مشائخین عظام سے ہیں سنہ ۹۱۰ھ میں پیدا ہوئے ملا عماد الدین طارمی کے شاگرد اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ تھے۔ ۱۹ صفر سنہ ۹۹۸ھ کو آپنے انتقال فرمایا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ بیان و معانی وغیرہ میں جسقدر مشہور و متداول کتابیں ہیں اُن سب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی اور بھی بہت تصنیفات ہیں۔ منجملہ انکے اکثر کتابوں کے نام مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھے ہیں[2] آپکے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے آپکے ہندی ملفوظات جمع کئے ہیں اوسکے چند مقامات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) کسی گفت کہ میاں شیخ افضل اللہ ترک درس کردند۔

---

[1] تحفۃ الکرام ص۴۰۷ و ص۴۰۸

[2] منتخب التواریخ ص۲۹۲ سبحۃ المرجان ص۔۔۔ اخبار الاخیار ص۱۰۷ میں آپ کا سنہ ۹۹۸ھ وفات لکھا ہے۔

فرمودند "جب ترقی پکڑیں گے۔ تب آپیں درس کہیں گے"

(۲) عزیزے التماس کرد کہ اگر اجازت شود ارنعین نشینم:-

فرمودند "اس سیں ہور کیا خوب ہے۔ اس دنیا میں کہ دل خدا سوں مشغول ہووے"

(۳) شخصے عرض کرد کہ عارف کرا گویند۔

فرمودند "عارف اُسے کہویں جو خدا سوں بھریا ہووے"

(۴) آپ کا ایک مقولہ ہے۔

اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہووے۔ جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو بیبیج پاوے۔ دوجے بار بھی پاوے۔ تیجے بار بھی پاوے۔

سید شاہ ہاشم علوی شیخ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے اور شیخ برہان الدین کے فرزند تھے۔ ابراہیم عادلشاہ جگت گرو (۹۸۸ھ تا ۱۰۳۵ھ) کے زمانہ میں بیجاپور میں تشریف لائے اور محمد عادل شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۶۷ھ) کے زمانہ میں ۹ ررمضان ۱۰۵۹ھ کو انتقال فرمایا۔ شاہ مراد بن شاہ جلال نے جو آپکے مرید خاص تھے آپکے اذکار و اشغال اور ہندی ابیات و اقوال جمع کئے اور اسکا نام مقصود العاشقین رکھا۔ کتاب سے شاہ صاحب کے چند اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) ہاشم جی کی سنیئے بات جنے رکھی باسی بھات
اوس کا جاوے ہاتے ہات

(۲) باپ کے اُتنا دیوے سوپوت باپ نیں دیوے سو سپوت
باپ کا دیا چھینے سو کپوت

(۳) دنیا چھوڑے شیخ کہائے یہ حجاب تجھہ بھولے نائے
دینی شیخی سوں یک میدان پہلے جھوٹے دوجے شیطان
پہلے ۱۲ دوسرے

شاہ نظام الدینؒ، شاہ ہاشمؒ کے ایک مرید خاص تھے۔ صاحب مقصود الغافلین نے انکا بھی ایک دوہرہ نقل کیا ہے۔

نظام بندگی کرے تو کیا ہوئے۔ اول جبکا نیں دل صفا
جامہ سونڈے میں ڈب رہا۔ اوسے خوشبو لگائے تو کیا فائدہ

اوپر جو کچھ مذکور ہوئے ہیں وہ مسلمانوں کی زبان کے نمونے تھے

اب ہم ذیل میں چند نمونے ہندوؤں کی زبان کے درج کرتے ہیں۔

ہندوؤں کی زبان کا سب سے قدیم نمونہ راج رائسا ہے جسے ایک مشہور شاعر کوی چند نے سلطان محمد شہاب الدین غوری کے زمانہ میں لکھا جو ۵۶۹ھ سے ۶۰۲ھ تک ہندوستان کا بادشاہ رہا۔ کوی چند اجمیر کے راجہ پرتھی راج کا وزیر تھا اور اُسی کیساتھ ۵۸۸ھ میں مارا گیا۔ اس کتاب میں اسنے پرتھی راج کے واقعات بیان کئے ہیں یہ کتاب خالص برج بھاشا میں لکھی گئی ہے۔ لیکن عربی فارسی الفاظ بھی آگئے ہیں اور بہت سے جملے ایسے موجود ہیں جن سے اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ برج بھاشا اس زمانہ میں متغیر ہوگئی تھی اور اس سے ایک جدید زبان نکل چکی تھی اور اسے روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔

راج رائسا ایک مستقل کتاب ہے اُس سے صرف تین دوہے بطور نمونہ ہم ذیل میں

نقل کرتے ہیں۔

سینک بان پرتھوی راج کی بانس گج چاریٔ
لگت چوٹ چوہان کی ادرت تیلس من گاری
بارہ بانس بتیس گج اونگل چار پرمان
اتنے گھر بادشاہ ہے متی چوکی چوہان
پیر نہ جتنے جمنے ہیں پھر نہ کھینچے کمان
سات بار تم جو کیو اب نہ چوکے چوہان

کبیر داس، بنارس کے رہنے والے اور گرو رامانند کے چیلے ہیں ہندوؤں کے ایک مشہور موحد گزرے ہیں۔ سلطان سکندر لودھی (۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۷ء) کے زمانہ میں پیدا ہوئے بابر اور ہمایوں کے معاصر تھے۔ جلوس اکبر کے پچیسویں سال ۱۵۸۰ء میں فوت ہوئے ذوالفقار اردستانی نے دبستان میں انکے حالات لکھے ہیں[1]۔

کبیر کے دوہے بھی برج بھاشا میں ہیں۔ لیکن اس زبان میں نہیں ہیں جو تحریر کے لئے مخصوص تھی بلکہ اُنی زبان وہ ہے جسے روزمرہ کی بول چال میں ہندو استعمال کرتے تھے۔ اسمیں اور مسلمانوں کی زبان میں صرف یہ فرق تھا کہ مسلمان عربی فارسی الفاظ ملاتے تھے اور اسکے برخلاف ہندوؤں کی زبان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہوا کرتی تھی۔

ایسا کوئی نہ ملا جاسوں رہے لاگ سب جگ جلتا دیکھا اپنی اپنی آگ
سکھ میں سمرن نا کیا۔ دکھ میں کیا یاد کہیں کبیر تا داس کی کون سنے فریاد

[1] دبستان طبع بمبئی صفحہ ۱۵۲
[2] کبیر کے دوہوں کو پنڈت شیو بریت لال ایم اے نے فارسی خط میں کبیر ساکھی کے نام سے چھپایا ہے اس سے نقل کئے گئے ہیں ۱۲

نینوں کی کر کوٹھری پتلی پلنگ بچھائے پلکوں کی چق ڈال کے پیا کو لیا رجھائے

غوطہ مارا سندہ میں موتی لائے پیٹھ وہ کیا موتی پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

(داخل تاج کرا)

سیج بچھائے سندری انتر پردا ہوئے تن سونپے من دے نہیں خصم خوشی کیوں ہوئے

کبیرا ہمارا ایک ہے گھڑنے کا ہے پھیر لوہے سے بکتر بنے لوہے سے شمشیر

کبیر شریر سرائے ہے کیوں سوئے سکھ چین کوچ نقارا سانس کا باجت ہے دن رین

کبیر سے پہلے اور اُن کے بعد ہندی کے اور بھی شاعر گزرے ہیں مثلاً سورداس (۹۹۰ھ) تلسی داس (۱۰۴۳ھ) وغیرہ لیکن ان کی اور کبیر کی زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اسلئے ہمنے قلم انداز کر دیا ہے۔

اوپر کے اقتباسات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نویں صدی تک اُردو زبان، ہندوستان میں رائج ہو گئی تھی۔ اور بالخصوص دوآب، دکن اور گجرات میں جسے تاریخ کی رو سے ہندوستانِ اسلامی کہنا چاہئے۔ عام طور پر بولی جاتی تھی۔ اس زبان میں نہ صرف عوام الناس ہی بات کرتے تھے بلکہ علماء اور شائخین کے وعظ و تذکیر بھی اسی زبان میں ہوا کرتے تھے۔

آٹھویں اور نویں صدی میں ہندوستان کے تبحر علماء کی معظمہ

اور مدینہ منورہ میں جاکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ علاوہ انکے ہر سال سینکڑوں مسلمان ہندوستان سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے اور کئی کئی سال وہاں رہکر واپس آتے تھے۔ انکی رہایش کے لئے ان مقامات میں بڑے بڑے رباطات بنے ہوئے تھے اور انکے اخراجات کے لئے ہندوستان کی سلطنتیں لکھوکھہا روپیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ان رباطات کے انتظامات عربوں کے ہاتھ میں تھے اور انہیں بروقت ہندوستانیوں سے سابقہ رہتا تھا۔ اسلئے انہوں نے اردو بولنا سیکھ لیا تھا۔ ان کے علاوہ ان مقامات کے اکثر تجار بھی ہندوستانیوں کے میل جول کے باعث اردو میں گفتگو کرنے کے عادی ہوگئے [1]

شیخ عبدالوہاب متقی، ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں۔ مالوہ آپ کا وطن تھا گجرات، دکن، سرندیپ، کی سیاحت کرتے ہوئے ۹۶۳ھ میں مکہ معظمہ پہونچے مولانا علی متقی جونپوری کے باشندے اور علوم عربیہ کے زبردست عالم اور ولی کامل تھے۔ آپ سے بہت پہلے مکہ معظمہ میں جاکر سکونت پذیر ہوگئے تھے شیخ عبدالوہاب مولانا کے مریدوں میں شامل ہوگئے اور بارہ سال خدمت میں حاضر رہکر تفسیر حدیث فقہ اور دیگر علوم شرعیہ میں کمال حاصل کیا ۹۷۵ھ میں جب مولانا کا انتقال ہوا تو انتقال کے روز مولانا نے شیخ عبدالوہاب کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر دیا۔ اسکے بعد شیخ عبدالوہاب چھتیس سال مکہ معظمہ میں زندہ رہے۔ اور مولانا کی طرح حدیث و فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کا درس جاری رکھا ۱۰۰۱ھ میں بمقام مکہ معظمہ آپ فوت ہوئے

[1] یہ واقعات آثار المدینہ زاد المتقین۔ جذب القلوب۔ اور اخبار الملک کے مقامات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ۱۲

شیخ کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ آپ حرم شریف میں تشریف رکھتے اور درس کے لئے طلبہ جمع ہوتے۔ اسکے بعد عربوں کو عربی میں عجمیوں کو فارسی میں۔ ہندیوں کو اُردو میں درس دیا کرتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو مولانا علی متقی کے صحبت یافتہ اور شیخ عبدالوہاب متقی کے خلیفہ وجانشین ہیں ان دونوں بزرگوں کے حالات میں ایک کتاب ۱۰۳۰ھ میں لکھی ہے اور اسکا نام زاد المتقین الی طریق سلوک الیقین رکھا ہے۔ اسمیں شیخ عبدالوہاب کا طریقہ درس اسطرح مذکور ہے

"طریقہ ایشاں در تعلیم وتدریس علم آنست کہ اگر کسے از علوم دینیہ چیزے طلب کند واورا درس گویند۔ ہر علمی کہ باشد۔ اما اگر از تفسیر وحدیث وتصوف بخواند خوش حال تر وراضی تر باشند وبعد از مقید شدن بدرس در تحقیق وتشخیص ساعد نہ کنند۔ مہما امکن در تفتیش وتفہم جہدی وشرح کنایند وہمت تمام مصروف باین جانب سازند وسخن را مجمل نگزارند۔ چنانکہ طالب را تشفی تمام حاصل آید بے آنکہ تعلق وتشدق لسانی درمیان باشد وباہر کس بزبان او سخن نگفتند و با ہندیاں در تقریر بفارسی تکلف نکنند وہم بہ زبان ہندی اکتفا فرمایند۔ اگر حین درس شیخے عجمی یا عربی حاضر شود بمجرد وے تقریر را تغیر ندہند وبقصد استماع وے سخن غریب را از جنس حقائق ودقائق اعادہ وتکرار نکنند۔ تا آنکہ چیزے بپرسد ودر استفادہ مشارکت نماید وہماں مقدار باندازہ سوال بزبان وے سخن کنند وجواب گویند وسالہا در حرم شریف باین طور درس گفتہ اند"

(۶)

امیر خسرو اور اردو زبان

ساتویں صدی کی اُردو کا بہترین نمونہ حضرت امیر خسروؒ کی نظمیات ہیں اون سے نہ صرف اُس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زبان سے زیادہ غیر مانوس نہیں ہے

حضرت امیر خسروؒ ۶۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ذیقعدہ ۷۲۵ھ کو انتقال فرمایا سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ تا ۶۸۵ھ) کے عہد سے سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ان میں سے سات بادشاہوں کی ملازمت کی دہلی میں رہا کرتے تھے لیکن ملازمت کی تقریب سے ملتان اور بنگالہ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ میں (جو ۱۰۲۴ھ میں تمام ہوا ہے) لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؒ کا ہندی کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن اوحدی کا یہ بیان اسوقت ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ زمانہ کے ناقدرہاتھوں نے اس تمام خزینے کو تباہ و برباد کر دیا تھوڑا سا حصہ جو زمانہ کی دستبرد سے بچ گیا ہے وہ بھی اب تک پردۂ خفا میں مستور ہے۔

شاہان اودھ کے کتب خانوں میں جو موتی محل اور توپخانہ میں تھے حضرت امیر خسروؒ کے دو سو چیستان موجود تھے اور انکے علاوہ ایک مجموعہ میں انکا متفرق کلام جمع تھا جسمیں فارسی آمیز غزلیں اور مکرنیاں وغیرہ تھیں ان

دونوں مجموعوں کو ڈاکٹر اسپرنگر نے دیکھا تھا اور انکے متعلق ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ۱۸۵۴ء میں شایع ہوا ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام نہایت کمیاب ہے۔ اس وقت تک دو غزلیں اور دو متفرق شعر دستیاب ہوئے ہیں جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

زحال مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف وروز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد ما را فریب خسرو
سپیت من کے ورائے راکھوں جو جانے پاؤں پیا کو گھتیاں

خوار شدم زار شدم لٹ گیا — در غم ہجر تو کمر ٹوٹ ہے
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من — بے گنہ ہم سات ھجب روٹھ ہے
روئے تو رونق شکن آفتاب — سرو بہ پیش قد تو بوٹھ ہے
گاہ ز خسرو تو نگفتہ کہ بیٹھ — وہ چہ کند بھاگ مرا پھوٹھ ہے

زر گر پسرے چو ماہ پارا کچھ گھڑ لے سنوار لے پکارا
نقد دلِ من گرفت و شکست پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

حضرت امیر خسروؒ کے حسب ذیل چیستاں ڈاکٹر اسپرنگر کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔

حمد الٰہی

سب کوئی اُس کو جانے ہے پر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دھڑی میں لیکھا ہے فکر کیا اُن دیکھا ہے

خربزہ

دس ناری کا ایک ہی نر بستی باہر واکا گھر
میٹھ سخت اور پیٹ نرم منہ میٹھا تاثیر گرم

چراغ

بالا تھا جب سب کو بھایا بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اسکا ناؤں بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں

فینچی

اندر چلمن باہر چلمن بیچ کلیجہ دھڑکے امیر خسرو یوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے

کاجل

جل کر بنے جل میں رہے آنکھوں دیکھا خسرو کہے

بیئے کا گھونسلا

ایک انوکھا گرہ بنایا اوپر نیو نیچے گھر چھایا

بانس نہ بلّی۔ بندھن گھنے کہو خسرو گھر کیسے بنے

حضرت امیر خسروؒ کے زمانہ میں ایران و توران کی حالت نہایت پر آشوب تھی اور چنگیزیوں کے جدال و قتال سے پریشان ہوکر ہزارہا مسلمان ترکِ وطن کرکے ہندوستان میں آرہے تھے۔ یہ نووارد یہاں کی زبان سے ناواقف تھے اسلئے انہیں ہر معاملے میں دشواری پیش آتی تھی اور اہل ہند بھی اُن کا مطلب سمجھنے سے عاجز اور پریشان رہتے تھے اس دشواری کو رفع کرنے کے لئے حضرت امیر خسروؒ نے ایک کتاب لکھی اور اسمیں اُن تمام لغات اور الفاظ کو جمع کیا جو اہل ولایت اور اہل ہند کی زبانوں میں روزمرہ استعمال ہوتے تھے۔ اور اُنہیں کئی ہزار اشعار میں منظوم کیا لیکن یہ کتاب بھی دستبردِ زمانہ کے نذر ہوگئی اور اسکے کم و بیش دو سو ابیات بچ رہے ہیں جو خالق باری کے نام سے مشہور ہیں ان دو سو ابیات میں تخمیناً تین سو الفاظ ہندی کے جمع ہیں اور انہیں سے دس بیس خارج کردئے جائیں تو باقی الفاظ ایسے رہ جاتے ہیں جو اسوقت بھی زبانِ اردو میں استعمال ہو رہے ہیں۔

خالق باری چونکہ چھپ گئی ہے اور عام طور پر ملتی ہے۔ اسلئے ہم نے اس کے نمونے کو قلم انداز کر دیا ہے۔

نویں اور دسویں صدی میں شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کی تین مشہور و مستند لغات لکھی گئی ہیں ان میں سب سے قدیم ادات الفضلا ہے۔ اسکو قاضی خان ملاذر محمد دہلوی نے امیر تیمور

کی پورش کے بیس سال بعد ۸۲۲ھ میں مرتب کیا ہے۔ اسکے تیس سال بعد قوام الدین ابراہیم فاروقی نے ایک ضخیم لغت مدون کیا اور اسے اپنے مرشد شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری کے نام پر اسکا نام شرف نامہ رکھا یہ کتاب بنگالہ میں سلطان رکن الدین باربک شاہ بن ناصر الدین محمود کے زمانہ میں ختم ہوئی ہے باربک شاہ ۸۶۲ھ سے ۸۷۹ھ تک بنگالہ میں حکمران رہا ہے[1]۔ اسکے بعد شیخ لاد دہلوی المتوفی ۹۲۵ھ نے سلطان ابراہیم لودہی کے زمانہ میں موید الفضلاء کو مرتب کیا۔ یہ آخر الذکر لغات پہلے کے دونوں لغات سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے۔

ان تینوں مصنفین نے اکثر مقامات پر فارسی عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے انکے ہندی مترادفات بھی بیان کئے ہیں اور موید الفضلا نے اسکا التزام خصوصیت کیساتھ کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسے فارسی الفاظ کم و بیش (۷۱۰) ہیں جنکے معنی اردو الفاظ میں بیان کئے ہیں اور اس تقریب میں اس کتاب میں جو اردو الفاظ آگئے ہیں انکی تعداد کم و بیش (۸۰۰) ہے یہ تمام الفاظ قریب قریب ایسے ہیں جو اسوقت بھی ہماری زبان میں موجود اور عام طور پر بولے جاتے ہیں۔

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۲۹۸

سلطنت بہمنیہ

۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ

۱ - علاء الدین بہمن شاہ	۷۴۸ھ	تا ۷۵۹ھ
۲ - محمد شاہ بن بہمن شاہ	۷۵۹ھ	تا ۷۷۷ھ
۳ - علاء الدین مجاہد شاہ	۷۷۷ھ	تا ۷۸۰ھ
۴ - داؤد شاہ	۷۸۰ھ	
۵ - محمد شاہ ثانی [1]	۷۸۰ھ	تا ۷۹۹ھ
۶ غیاث الدین	۷۹۹ھ	
۷ - شمس الدین داؤد شاہ ثانی [2]	۷۹۹ھ	تا ۸۰۰ھ
۸ - تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰ھ	تا ۸۲۵ھ
۹ - شہاب الدین احمد شاہ اول	۸۲۵ھ	تا ۸۳۸ھ
۱۰ - علاء الدین احمد شاہ ثانی	۸۳۸ھ	تا ۸۶۲ھ

[1] فرشتہ نے اس کا نام محمود شاہ لکھا ہے لیکن سکہ جات میں محمد شاہ مسکوک ہے تھامس کرانیکل ص ۳۴۵

[2] سکوں پر اسکا لقب داؤد شاہ تحریر ہے۔ نیو مسلمانک سپلیمنٹ نمبر (۱۱) آرکیلوجیکل ۹۲ نمبر ۶ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۲

۱۱ - علاء الدین ہمایوں شاہ	۸۶۲ھ تا ۸۶۵ھ
۱۲ - احمد شاہ ثالث [1] (نظام شاہ)	۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ
۱۳ - شمس الدین محمد شاہ ثالث	۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ
۱۴ - محمود شاہ	۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ
۱۵ - احمد شاہ رابع	۹۲۴ھ تا ۹۲۷ھ
۱۶ - علاء الدین	۹۲۷ھ تا ۹۲۹ھ
۱۷ - ولی اللہ	۹۲۹ھ تا ۹۳۲ھ
۱۸ - کلیم اللہ	۹۳۲ھ

ملک ہزبر الدین ظفر خاں - سلطان علاء الدین خلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا۔ ۶۹۸ھ میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اُن کی مدافعت کرتا ہوا عین معرکہ میں شہید ہوا [2]۔ اس کے دو بھانجے تھے علیشاہ اور حسن بہمنی [3] یہ دونوں سلطان محمد بن تغلق کے اُمرائے صدہ میں شامل تھے۔ اور انہیں سلطان نے اپنے اُستاد فتلغ خاں کے ہمراہ دکن میں روانہ کیا تھا۔ ۷۴۶ھ میں علی شاہ محصول سلطانی وصول کرنے کے لئے گلبرگہ میں آیا

---

[1] مورخین نے اسکا نام نظام شاہ اور اس کا زمانہ حکومت ۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ بتایا ہے۔ لیکن جو سکے ۸۶۵ھ سے ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہیں۔ اُن پر بادشاہ کا نام احمد شاہ مسکوک ہے۔ (نیو سامٹک کرانیکل ۱۹۰۹ء ص ۲۶۹)

[2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۵۹ - تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۴

[3] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۰

اور جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار شروع کر دی قتلغ خاں نے اسپر چڑھائی کی۔ بیدر میں لڑائی ہوئی۔ قتلغ خاں نے اُسے قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ بادشاہ نے اسکا قصور معاف کر کے تلنگ کی طرف جلاوطن کر دیا[1]

علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد امرائے دکن نے باہم اتفاق کر کے سلطان کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ گروہ کثیر نے اسمٰعیل مغ کو جو دو ہزاری امیر تھا سلطان ناصر الدین کا خطاب دیکر بادشاہ بنالیا۔ دوسرے امرا و بہی ملک کے مختلف حصوں میں خود سر ہو گئے حسن بہمنی نے ظفر خاں کا خطاب اختیار کر کے ہیکری۔ رائے باغ۔ مچ۔ کلہر۔ گلبرگہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد عمالان سلطانی سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ دو سال تک بازار کارزار گرم رہا ۷۴۸ھ میں باغیوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ لشکر سلطانی ہزیمت اٹھا کر فرار ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں باغیوں کے تمام سردار دولت آباد کے پاس جمع ہوئے اور چودہ روز تک عیش و عشرت کے جشن مناتے رہے۔ اسی اثنا میں امیر ناصر الدین اسمٰعیل نے بادشاہت کے لئے حسن بہمنی کو پیش کیا اور تمام امرا نے اتفاق کر کے ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ کو حسن کے سر پر تاج شاہی رکھا اور دولت آباد کی جامع مسجد میں جس کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کرایا تھا اسکے نام کا خطبہ پڑھوایا[2] حسن بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد سلطان علاء الدین بہمن شاہ اپنا لقب

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۰۰ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۱۵۰ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۹
[2] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۴۰

اختیار کیا۔ اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کرکے اُسے اپنا دارالحکومت بنایا اسکی حکومت برار سے ملبار تک اور کرشنا سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی زمانۂ مابعد میں اسکے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی علاؤالدین احمد شاہ نے کونکن کو فتح کیا۔ شاہان گجرات و خاندیس کو شکست دی محمد شاہ کے زمانہ میں اوریسہ اور کانجی ورم سخر ہوئے۔ بلگاؤں کے راجہ نے ہزیمت پائی ان فتوحات سے بہمنیوں کی سلطنت ایک سمندر سے شروع ہوکر دوسرے سمندر تک وسیع ہوگئی۔ بیجانگر کے راجہ بہمنیوں کے مدمقابل تھے۔ دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی۔ ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے۔ اور بہمنیوں کے لشکر جب بیجانگر چلے جاتے تو یہاں کے راجہ باج و خراج ادا کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے

سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدردان تھے محمد شاہ ثانی (۸۷۴ھ سنہ ۹۹ھ) شاعر تھا اور عربی فارسی خوب بولتا تھا میر فیض اللہ انجو جو علامہ سعدالدین تفتازانی کے شاگرد تھے اسکے دربار میں عہدۂ صدارت پر مامور تھے اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے دکن میں بلوایا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب بحری سفر سے خائف ہوکر آنے سے انکار کردیا بادشاہ نے ازراہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی انکے یہاں روانہ کئے۔

فیروز شاہ بہمنی (۷۷۰ھ سنہ ۸۲۵ھ) بھی زبردست عالم تھا تفسیر، اصول اور حکمت طبعی و نظری میں ید طولیٰ رکھتا تھا عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا علم ہیئت سے اسے بڑی دلچسپی تھی سنہ ۸۱۰ھ میں بمقام دولت آباد ایک رصدگاہ تعمیر کرائی تھی اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گاذرونی اور حسن گیلانی جیسے نامور علما مامور کئے

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے زمانے میں گلبرگہ تشریف لائے تھے۔
احمد شاہ بہمنی ۸۲۵ھ ۸۳۸ھ کے دربار میں بڑے بڑے علما و جمع تھے مثلاً ملا عبدالغنی مفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ آذری مرزا شاہ رخ کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ حج بیت اللہ کے بعد دکن میں آیا اور ایک مدت تک احمد شاہ کے دربار میں رہا۔ بادشاہ کی فرمایش سے سلاطین بہمنیہ کے حالات منظوم کئے اور بہمن نامہ اسکا نام رکھا احمد شاہ کے زمانے تک حالات منضبط ہو گئے تو آذری نے وطن جانے کی اجازت حاصل کی اور بادشاہ نے ساٹھ ہزار تنکہ طلائی زاد راہ کے لئے عطا کئے۔ بہمن نامہ ادھورا رہگیا تھا ملا نظیری شامی وغیرہ نے اُسے بعد میں پورا کیا اور انقراض دولت بہمنیہ تک حالات بڑھا کر کتاب کو ختم کر دیا۔

محمود گاواں محمد شاہ ثالث ۸۶۱ھ ۸۸۷ھ کا وزیر تھا ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا۔ علوم معقول و منقول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔
سید العلما و سلامت اللہ اوحدی۔ شمس الدین شامی عبدالکریم ہمدانی ملا نظیری اسکے ندیمان دربار سے تھے۔ مشہور شاعر ملا عبدالرحمن جامی کو اسنے بیدر میں بلوایا تھا۔ لیکن انہوں نے آنے سے معذرت کی اور ایک مقبول قصیدہ اسکی مدح میں لکھکر بھیجدیا۔ جسکا ایک شعر یہ ہے

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا الصلا کر جان و دل نزل تو کردم الصلا

سلاطین بہمنیہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال نہایت کامیابی کے ساتھ برسر حکومت رہے۔ اسکے ساتھ انحطاط شروع ہوا۔ محمود شاہ کے زمانے سے

صوبہ داروں نے خود سری شروع کر دی ۹۳۲ھ میں بہمنیوں کے نام کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اس ایک سلطنت کے بجائے ملک میں پانچ سلطنتیں قایم ہوگئیں برار میں عمادشاہی احمد نگر میں نظام شاہی بیدر میں برید شاہی بیجاپور میں عادلشاہی گولکنڈہ میں قطب شاہی۔

سلطنت بہمنیہ میں جو سلطان آباد تھے مورخ فرشتہ نے انکے تین گروہ بیان کئے ہیں۔

(۱) دکنی۔ اِنسے وہ لوگ مراد ہیں جو سلطان علاءالدین خلجی کے زمانہ میں یا اسکے بعد عساکر اسلامی کیساتھ ہندوستان آکر دکن میں آباد ہوئے اور یہاں انکی دو تین پشتیں گزر گئیں۔ یہ لوگ دکنی اُردو بولتے تھے۔

(۲) غریب (پردیسی) یعنے وہ لوگ جو ترکستان و ایران سے وقتاً فوقتاً آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے یہ لوگ زیادہ تر ترک افغان اور ایرانی تھے انکی زبان بالعموم فارسی تھی۔

(۳) حبشی یہ لوگ حبش یعنے ابی سینیا کے باشندے تھے اور یمن کے راستے سے دکن میں آئے تھے اور انکی بہت بڑی جماعت یہاں آباد ہوگئی تھی۔ یہ لوگ عربی اور حبشی دونوں زبانیں بولتے تھے۔

ملک کے اصلی باشندے انکے علاوہ تھے سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں مرہٹے آباد تھے۔ جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی بولنے والوں کی بستیاں تھیں دولت آباد گلبرگہ اور بیدر جو سلطنت بہمنیہ کے مرکز حکومت تھے ملک مرہٹہ میں واقع تھے اور یہاں کے باشندوں کی زبان مرہٹی تھی۔ یہ زبان

جیسا کہ ہم نے ابتدا میں بیان کیا ہے خالص آرین زبان نہ تھی بلکہ آرین اور پارتھین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

غزنیوں کے مقابلہ میں دکنیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسی اعتبار سے عربی اور فارسی کے مقابلہ میں انکی زبان کو بھی ملک میں بہت زیادہ رواج حاصل تھا۔ دکنیوں کی زبان اُردو سے کوئی جداگانہ زبان نہ تھی۔ بلکہ یہ وہی زبان تھی جسے مسلمان علاء الدین خلجی کے زمانے میں اور اس کے بعد ہندوستان سے آتے ہوئے اپنے ساتھ لائے تھے لیکن امتداد زمانہ کے باعث آب وہوا کے اثرات اور دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط وضبط نے اسمیں بتدریج فرق پیدا کر دیا اور یہ فرق سو سال کے اندر اندر اسقدر نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے بآسانی ممیز ہو گئیں اس زمانے سے یہ دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے نامزد ہو گئیں۔ ہندوستان کی زبان اُردو اور دکن کی زبان دکنی کہلانے لگی۔

عہد بہمنیہ کے دکھنی مصنف

اُردو زبان ہندوستان میں صدیوں تک محض بات چیت اور لین دین تک محدود رہی برخلاف اسکے دکھنی زبان نے دکن میں بہت جلد ادبی صورت حاصل کر لی اور آٹھویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف تالیف کا آغاز ہوا۔ اسوقت تک دکنی زبان کی جسقدر تصنیفات معرض تحقیق میں آئی ہیں۔ ان میں شیخ فخر الدین کی گنج العلم کے رسالے سب سے قدیم ثابت ہوئے ہیں۔

شیخ عین الدین گنج العلم۔ دکن میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں آپ ۷۰۰ھ میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے۔ وطن سے نکل کر گجرات وغیرہ میں تحصیل علم کرتے ہوئے دولت آباد میں آئے۔ اس وقت یہ شہر سلطان محمد بن تغلق ۷۲۵ھ سے ۷۵۲ھ کا دارالسلطنت تھا اور یہاں بڑے بڑے اکابر و شیخ جمع ہو گئے تھے۔ مثلاً سید خوندمیر علاء الدین حسینی جو دہلی کے اکابر اولیا سے تھے۔ شیخ شمس الدین لامغانی جنہوں نے شیخ بہاء الدین زکریا سے فیض حاصل کیا تھا شیخ منہاج الدین تمیمی الانصاری وغیرہ شیخ عین الدین سید خوندمیر کے مرید ہوئے۔ شیخ شمس الدین سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ شیخ منہاج الدین سے فیض روحانی حاصل کیا۔ اسکے بعد ۷۴۳ھ میں عین آباد ساگر میں تشریف لائے اور یہاں ایک مدت دراز مقیم رہنے کے بعد ۷۴۷ھ میں بیجاپور میں آئے دکن میں سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ (۷۴۸ھ سے ۷۵۹ھ) اور اس کے چار جانشینوں کا زمانہ دیکھا اور نواسی سال کی عمر میں سلطان محمد شاہ ثانی ۸۸۰ھ سے ۸۹۹ھ کے عہد میں ۲۷ جمادی الاول ۸۹۹ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ نے علوم متداولہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تذکروں میں انکی تعداد (۱۳۲) ایک سو تیس تحریر ہے [1]

قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری فارسی میں ایک مشہور تاریخ ہے۔ اسمیں سلطان ناصر الدین محمود ۶۴۴ھ سے ۶۶۴ھ تک سلاطین ہندوستان کے حالات تحریر ہیں۔

[1] روضۃ الاولیائے بیجاپور ص ۲۰۔ سلسلۃ العسجدیہ جلد ششم ص ۵۶۸

شیخ عین الدین نے اسکا تکملہ لکھا ہے اور اسمیں اپنے زمانہ تک حالات قلمبند کئے ہیں۔ مورخ فرشتہ نے اسے دیکھا تھا۔ اپنی تاریخ میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور اسکا نام ملحقات طبقات ناصری لکھا ہے [1]

اطوار الابرار کے نام سے آپ کی ایک اور تصنیف مشہور ہے۔ اسمیں آپنے اکابر اولیا کے حالات و مقالات تحریر کئے ہیں۔

آپ نے چھوٹے چھوٹے کئی رسالے دکھنی زبان میں تصنیف کئے تھے۔ منجملہ ان کے تین رسالے ایک مجموعہ میں کالج قلعہ سینٹ جارج کے کتب خانہ میں موجود تھے انکے اوراق کی مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض وسنن کے متعلق مختلف احکام و مسائل تحریر تھے۔ [2]

خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے اعاظم خلفاء سے تھے۔ آپ ۷۲۱ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی سے گلبرگہ میں تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد ۱۶ ذی القعدہ کو انتقال فرمایا۔ علم تصوف میں آپ کی ۳۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں آپنے ملتقط کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سلوک کے مسائل اسمیں بیان کئے ہیں علامہ زمخشری کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ شیخ محمد بن اسحاق الکلاباذی المتوفی ۳۸۰ھ کی کتاب التعرف شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کی کتاب العوارف۔ شیخ

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ
[2]

عبدالکریم القشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا رسالہ شیخ محی الدین ابن العربی المتوفی ۶۳۸ھ کی کتاب الفصوص تصوف کی اعلیٰ ترین تصنیفات ہیں۔ خواجہ صاحب نے اپنے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں انکے علاوہ آپ کی تصنیفات سے کتاب الاسمار ایک نہایت مشہور کتاب ہے اس میں تصوف کے اسرار و دقائق تحریر ہیں۔

خواجہ صاحب نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو علم تصوف و حدیث اور رسائل کا درس دیا کرتے تھے گاہے گاہے درس میں کلام اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں[1]۔ جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے انکے سمجھانے کے لئے آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے اور ایسے مریدوں کی فرمائش پر آپنے چھوٹے چھوٹے متعدد رسالے دکنی میں تصنیف فرمائے ہے منجملہ ان کے مصلح العاشقین اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں۔ اور عشق نامہ میں ان کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے۔

خواجہ صاحب نے دکنی زبان میں سات مقولے ارشاد فرمائے تھے آپ کے ایک مرید نے ان کی ایک مبسوط شرح لکھی اور اس کا نام ہفت اسرار رکھا۔

سید محمد عبداللہ حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز کے نبیرہ تھے اور سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ آپ نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے رسالہ نشاط العشق کا دکنی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور اسکی شرح لکھی تھی اس کا ایک نفیس نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا[2]

[1] روضۃ الاولیا صفحہ ۱۲۳ [2] فہرست کتبخانہ ٹیپو سلطان طبع ۱۸۰۰

سلطنت قطب شاہیہ

۹۱۶ھ ۱۰۹۸ھ

(۱) سلطان قلی قطب شاہ	۹۱۶ھ	۹۵۰ھ
(۲) جمشید قلی قطب شاہ	۹۵۰ھ	۹۵۷ھ
(۳) سبحان قلی قطب شاہ	۹۵۷ھ	
(۴) ابراہیم قلی قطب شاہ	۹۵۷ھ	۹۸۸ھ
(۵) محمد قلی قطب شاہ	۹۸۸ھ	۱۰۲۰ھ
(۶) محمد قطب شاہ	۱۰۲۰ھ	۱۰۳۵ھ
(۷) عبداللہ قطب شاہ	۱۰۳۵ھ	۱۰۸۳ھ
(۸) ابوالحسن تاناشاہ	۱۰۸۳ھ	۱۰۹۸ھ

آل چنگ گیز نے ایران میں جو عظیم الشان سلطنت قایم کی تھی اُسے سلطان ابوسعید ۷۱۶ھ ۷۳۶ھ کے زمانے سے انحطاط شروع ہوا اور سلطنت کے بڑے بڑے امراء و صوبہ داروں نے خود سر ہو کر اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قایم کر لیں فارس و کرمان پر آل مظفر ۷۱۵ھ ۷۹۵ھ نے قبضہ کر لیا عراق میں حسین جلائر نے خاندان ایلکا

(۷۳۶ھ ۱۳۳۵ء) کا سنگ بنیاد رکھا اور بغداد کو اپنا دار الحکومت قرار دیا خراسان کے باغی جنھوں نے اپنا لقب برسر حکومت ہوکر سربدار رکھا تھا سبزوار پر قابض ہوکر ایک خود مختار سلطنت کے بانی ہوئے یہ سب سلطنتیں امیر تیمور ۷۷۱ھ ۱۳۷۰ء کے زمانہ تک قائم تھیں۔

دریائے دان کے نیچے آرمینیہ میں ترکمانوں کی ایک صحرانشین قوم آباد تھی اسکے دو طائفے تھے اور انکے پرچموں پر سیاہ و سپید مینڈھوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں اسلئے انکا نام قراقویونلی اور آق قویونلی مشہور ہوگیا تھا۔ پہلا طائفہ قراقویونلی زیادہ طاقتور اور با اثر تھا اس کے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائر سے ربطہ اتحاد قائم کرکے آرمینیہ اور آذربائیجان میں ایک حکومت قائم کرلی جسپر اسکی اولاد ۸۷۲ھ ۱۴۶۷ء تک حکمران رہی امیر تیمور نے یورش کرکے قرا یوسف ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء کے زمانے میں تمام ملک فتح کرلیا اور قرا یوسف فرار ہوکر مصر میں پناہ گیر ہوا اور ۸۰۲ھ میں جب امیر تیمور کا انتقال ہوگیا تو قرا یوسف نے مصر سے واپس آکر اپنی سابقہ حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد قزوین ہمدان و اصفہان فتح کئے ۸۱۳ھ میں سلطان احمد جلائر کو مار کر بغداد پر قابض ہوگیا۔

قرا یوسف نے ۸۲۳ھ میں انتقال کیا اور اسکے بعد اسکا لڑکا مرزا اسکندر برسر حکومت ہوا اسنے کم و بیش اٹھارہ سال حکومت کی ۸۴۱ھ میں اسکے بیٹے مرزا قباد نے اُسے مار ڈالا مرزا اسکندر کے پانچ لڑکے تھے مرزا الوند یا علی قاسم بیگ حسن بیگ مرزا قباد۔ باپ کی حکومت کسی بیٹے کو نہیں ملی

بلکہ ان کا چچا جہاں شاہ اپنے بھائی کی جگہ برسرحکومت ہوا۔ جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا۔ شاہ رخ جب تک زندہ رہا جہاں شاہ اسکا مطیع و فرمانبردار رہا ۸۵۰ھ میں جب اسکا انتقال ہوگیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کرلی اور شاہ رخ کی اولاد سے ملک کے لئے لڑائیاں شروع کیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مرزا الوند نے سیستان اور کرمان پر قبضہ کرلیا ۸۶۱ھ میں جب مرزا بابر نے انتقال کیا تو جہاں شاہ نے ہرات پر قبضہ کرلیا اور اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر خدیجہ بیگم کو مرزا الوند کے بیٹے پیر قلی کے عقد میں دیا اور کرمان و سیستان کے عوض ہمدان کا علاقہ مرزا الوند کو دیکر اسے اپنا مطیع بنا لیا۔

نویں صدی کے شروع سے آق قویونلی نے عروج حاصل کرنا شروع کیا اور دیار بکر میں اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی اس قوم کے ایک سردار حسن بیگ نے ۸۷۲ھ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اسکی حکومت کو روز افزوں وسعت ہونے لگی جہاں شاہ نے اسکے استیصال کا ارادہ کیا لیکن حسن بیگ نے ۸۷۲ھ میں جہاں شاہ کو مار ڈالا اور قراقویونلیوں کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔

ہمدان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بلد سکاڑ کا اوزون قلی برسرحکومت ہوا حسن بیگ نے اگرچہ قراقویونلی شہزادوں کا استیصال کیا

لیکن پیر قلی اور اسکی اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا۔ یہ لوگ بلاخر خشہ ہمدان میں حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد ۸۸۲ھ میں سلطان یعقوب بیگ برسر حکومت ہوا تو قراقویونلی شہزادوں کی تفتیش شروع کی اور انہیں جن جن کو قتل کرنا شروع کیا اویس قلی نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیجدیا۔ اللہ قلی اپنے بھتیجے سلطان قلی کو لیکر بحر فارس سے ہوتا ہوا دابل کے راستے سے دکن میں آیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر پہنچا محمود شاہ بہمنی اللہ قلی کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا اور وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے بعد ایران کو واپس چلا گیا لیکن محمود شاہ بہمنی نے سلطان قلی کو واپس جانے نہ دیا۔ اور اُسے شاہی حلقہ میں شامل کرکے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی لکھا پڑھا اور نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ بادشاہ کو جب اسکی لیاقت کا حال معلوم ہوا تو قطب الملک کا خطاب دیکر تلنگانہ کا صوبہ دار بنا دیا۔ سلطان قلی سولہ سال تک صوبہ دار کی حیثیت سے تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا ۹۱۶ھ میں جب محمود شاہ کا انتقال ہوگیا اور سلطنت بہمنیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر دوسرے صوبہ داروں نے خودسری اختیار کرلی تو سلطان قلی نے بھی اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا اور قطب شاہ کا لقب اختیار کرکے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت بنایا۔ سلطان قلی کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کم و بیش دو سو سال حکومت قایم رہی ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب عالمگیر

سلطان قلی کا دکن میں آکر سلطنت قطب شاہیہ کی بنیاد رکھنا

نے گولکنڈہ کو فتح کرلیا تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

سلطان قلی قطب شاہ کے لڑکے جمشید قلی قطب شاہ (۱۵۵۰ء) کو شعر و سخن سے غایت دلچسپی تھی ملا محمد شریف وقوعی اسکے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ جمشید کا جانشین ابراہیم قطب شاہ نہایت زبردست عالم تھا۔ اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے خورشاہ بن قباد الحسینی جو عراق کا باشندہ تھا اسکے ندیمان خاص سے تھا۔ اسنے اپنے آقا کی فرمایش سے دنیا کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جسمیں ابتداء تخلیق عالم و آدم سے ۱۵۸۰ء تک حالات تحریر ہیں۔ یہ تاریخ آٹھ مقالات پر منقسم ہے۔ پہلے مقالے میں قدیم سلاطین ایران و روم و یمن کے حالات ہیں۔ دوسرے مقالے میں جناب رسالتمآب اور آپکے خلفاء اور خلفاء بنو امیہ و بنو عباس کا تذکرہ ہے۔ تیسرے مقالے میں ان سلاطین ایران کے حالات ہیں جو خلفاء عباسیہ کے معاصر تھے۔ چوتھے مقالے میں مغولان ایران کی تاریخ ہے پانچویں مقالے میں امیر تیمور اور اسکی اولاد کا تذکرہ ہے۔ چھٹے مقالہ میں طوائف قراقویونلی و آق قویونلی اور شاہان صفویہ اور سلاطین روم کے حالات ہیں۔ ساتویں مقالہ سلاطین ہندوستان کے متعلق ہے۔ آٹھویں مقالے میں قطب شاہیوں کا تذکرہ ہے۔ مورخ فرشتہ نے اس تاریخ کا تذکرہ کیا ہے[1]۔ برٹش میوزیم میں اسکا بہترین نسخہ موجود ہے[2] موسیو شیفر نے اپنی کتاب منتخبات فارسی میں اسکا انتخاب شامل کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مصنف کے حالات اور کتاب کی مفصل کیفیت لکھی ہے[3]۔

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۱۱۶ [2] ریو جلد اول ص۱۱۱ [3] کرشنائی دھی پرسان جلد دوم

محمد قلی قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدردان تھا اسکے زمانے میں گولکنڈہ اہل علم کا مرجع ہوگیا تھا میر محمد مومن استرآبادی جو ایران کے ایک زبردست عالم اور علامہ فخر الدین سماکی کے بھتیجے اور شاہ طہماسپ صفوی کے اہل دربار سے تھے اسی کے زمانے میں دکن میں آکر گولکنڈہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور سلطان محمد قلی نے انہیں وکیل السلطنت مقرر کردیا تھا کتاب الرجعت اور کتاب المعاد ایران کی مشہور تصنیفات ہیں شاعر بھی تھے انکا دیوان انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے [1]

مرزا محمد امین شہرستان کے سادات سے تھا اسکے دربار میں میر جملہ کی خدمت پر مامور تھا۔ یہ بھی ایک ذی علم آدمی اور فارسی کا زبردست شاعر تھا اور روح الامین تخلص کرتا تھا۔ بادشاہ کی فرمایش سے اسنے خمسۂ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں لکھی ہیں شیریں خسرو لیلی مجنوں فلک البروج مطمح الانظار یہ مثنویاں انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہیں علاوہ ازیں اپنی غزلیات اور قصائد کا دیوان بھی ترتیب دیا ہے اور گلستان ناز اسکا نام رکھا ہے۔ یہ دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے [2]

محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گزرا ہے اسکو سیر اور تواریخ کی کتابوں کا بیحد شوق تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتا اسکے مصنف اور کتاب کے مضامین کا انتخاب اخیر میں لکھدیا کرتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ غزل کے سوا قصائد اور

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۱۷۳ حدیقۃ العالم جلد اول ص ۲۵۸

[2] ایتھے نمبر (۲۸۹۲)

[3] ریو صفحہ (۶۷۶) ایتھے نمبر (۲۸۹۷)

مناقب خوب لکھا کرتا تھا۔ اسنے سلطنت قطب شاہیہ کی ایک ضخیم تاریخ عالم آرائے عباسی کی طرز پر لکھوائی ہے۔ یہ کتاب نہایت فصیح و بلیغ اور مرصع و مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے اسکے مضامین ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمے پر منقسم ہیں مقدمے میں سلاطین قطب شاہیہ کے آبا و اجداد کا تذکرہ ہے۔ چار باب میں چار بادشاہ سلطان قلی جمشید قلی ابراہیم قلی اور محمد قلی کے حالات ہیں خاتمہ میں سلطان محمد کا تذکرہ ہے[1]

عبداللہ قطب شاہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح نہایت علمدوست اور ارباب کمال کا قدردان بادشاہ ہوا ہے شمس الدین محمد جو علامہ ابن خاتون کے نام سے مشہور ہیں اسکے دربار میں سفارت و پیشوائی کی خدمت پر مامور تھے۔ یہ بزرگ شیخ بہاء الدین العاملی کے شاگرد اور اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم تھے انہوں نے کتاب الارشاد اور جامع عباسی پر عالمانہ حواشی لکھے ہیں انکے علاوہ اربعین کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ سب کتابیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد ہیں[2]۔ اس بادشاہ کی فرمائش سے ملا جمال الدین نے کفعمی کی کتاب المصباح کا اور ملا علی بن طیفور نے علامہ ابن بابویہ القمی کی کتاب عیون اخبار رضا کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور مولانا حسین آملی نے جو شیخ بہائی کے شاگرد تھے نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے[3] فارسی کا مشہور لغت برہان قاطع بھی اسی بادشاہ کے نام پر لکھا گیا ہے[4]۔ اسی بادشاہ

---

[1] ریو جلد اول صفحہ ۳۲۲
[2] نجوم السماء صفحہ ۲۸۲
[3] محبوب الالباب ق ۱۱۲
[4] ریو صفحہ ۵۰۰ جلد اول۔

کے عہد میں گولکنڈہ میں ملا فتح اللہ سبحانی نے امام یافعی کی کتاب روض الریاحین کا ترجمہ کیا ہے [1] ملا نظام الدین احمد بن عبداللہ الساعد الشیرازی نے اسی بادشاہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی ہے جسکا نام حدیقۃ السلاطین ہے [2]

بادشاہ کا داماد سید نظام الدین احمد سید معصوم کا فرزند تھا سید معصوم اسقدر جلیل القدر عالم تھا کہ اُسے اہل ایران استاد البشر کہا کرتے تھے سید نظام الدین احمد کو علوم حکمت و فلسفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی علاوہ اسکے ریاضیات کا بھی جید عالم تھا۔ اسنے مختلف علوم و فنون میں ایک سو آٹھ رسالے لکھے ہیں۔ جو شجرۂ دانش کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ایک مجموعہ ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

شعرائے گولکنڈہ

سلاطین قطب شاہیہ اور اُردو شاعری

سلطنت قطب شاہی کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی (۹۸۸ھ ۱۰۲۰ھ) اور اسکے دو جانشین سلطان محمد (۱۰۲۰ھ ۱۰۳۵ھ) اور سلطان عبداللہ (۱۰۳۵ھ ۱۰۸۳ھ) زبان اُردو کے صاحب دیوان شاعر تھے سلطان محمد قلی کا دیوان ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اسمیں آدھے سے زیادہ اُردو کلام

[1] ایضاً نمبر ۴۲
[2] ریو ص ۳۲۲

تھا۔ بقیہ حصہ میں فارسی کی غزلیات و قصائد تھے۔ اسے سلطان کے بھتیجے اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا تھا۔[1] اسی دیوان کا ایک بہترین نسخہ قطب شاہی کتب خانہ کا حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اسکے متعلق مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے[2]۔ یہ نسخہ بڑی تقطیع کے کشمیری کاغذ پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ اسکے کم و بیش اٹھارہ سو صفحات ہیں ۱۰۲۵ھ میں اسکی کتابت ہوئی ہے۔ یہ نسخہ ہی سلطان محمد کا مرتب کیا ہوا ہے اور اسکے سرورق پر سلطان محمد نے اپنے دست خاص سے حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

کلیات اشعار فصاحت آثار جنت مکانی فردوس آشیانی مغفرت پناہی عالیحضرت محمد قلی قطب شاہ نور اللہ مرقدہ تمام شد در کتاب خانہ مبارکہ بخط محی الدین کاتب تاریخ اوائل شہر رجب المرجب سنہ خمس وعشرین واعنی بعد الف من الہجرۃ نبی دار السلطنت حیدرآباد حرس اللہ عن الاضداد کتبہ العبد الخالص المولاہ سلطان محمد قطب شاہ بلغ اللہ تعالیٰ فیما تمنیاً

دیوان کی ابتداء میں سلطان محمد نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے اس دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے دکھنی اور فارسی میں پچاس ہزار شعر کہے ہیں علاوہ اس کے تلنگی میں بھی اس کا کلام ہے۔ اس دیوان میں پہلے مثنویاں ہیں انکے بعد قصیدے پھر ترجیع بند اور مرثیے۔ مرثیوں کے بعد غزلیں اور رباعیاں ہیں اور ان میں بالالتزام پہلے فارسی پھر دکنی کلام ہے مولوی عبدالحق صاحب نے کلیات کو مطالعہ کرنے کے بعد سلطان محمد قلی کی شاعری اور اسکے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی انکا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

---

[1] فہرست کتب خانہ آصفیہ سلطان ص ۱۷۹ [2] لسان العصر سنہ ۱۹۱۰ء جلد اول نمبر (۳) ص ۱۱۵ یہ مضمون رسالہ ازہر جلد دوم حصہ پنجم بابت جنوری سنہ ۱۹۲۲ء (ص ۱۳ تا ص ۲۶) میں شائع ہوا ہے۔ سلطان محمد قلی کے کلیات کی تمام کیفیت اسی مضمون سے ماخوذ ہے۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ اور اس کے کلام

"سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے خاص کر شعر و شاعری کے چرچے ایران سے لیکر ہندوستان تک یکساں تھے بلکہ ہندوستان کا تو کہنا ہی کیا تھا۔ شعر و سخن ہماری معاشرت و اخلاق اور ہمارے علم و فضل کا بہت بڑا جز تھے۔ اور ہر شخص جو شرافت کا دعوے رکھتا تھا شعر و سخن کا بھی مدعی تھا۔ ہندوستان کے بادشاہ شعر و سخن کے قدردان ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ یہ ہی حال دکن میں قطب شاہی اور عادل شاہی بادشاہوں کا تھا۔ تاریخوں میں ان بادشاہوں کے نام سے بھی اشعار درج ہیں لیکن ان میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا نمبر سب سے اول ہے۔ اس کے کلام کا مجموعہ اس قدر ضخیم ہے کہ بادشاہ شاعر تو کیا پیشہ ور شاعر بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتے"

"اگر دکن کے ایک شاعروں کو مستثنے کر دیا جائے جنکا درجہ درحقیقت نہایت بلند ہے تو ہمارے ہاں کی عشقیہ شاعری میں کوئی بات نئی نہیں نظر آتی ہے۔ چار سو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے شعرا کے عشقیہ کلام کے سامنے رکھ دیا جائے تو سوائے زبان کے تغیر اور تشکل کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا۔ وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں اور وہی طرز ادا اور وہی بحریں ہیں۔ اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اردو کے کسی دوسرے شاعر سے کم نہیں ہے۔ عشق دستی اور تصوف میں اس کا کلام کسی سے پیچھے نہیں ہے بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرما دیا ہے"

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک بات نئی دیکھی گئی ہے۔ جو اردو شعرا میں سوائے سودا اور نظیر کے کسی دوسرے کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت حمد و نعت منقبت و مرثیہ تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے مثلاً مستدد مثنویاں پھولوں میووں پر ہیں جن میں ایران اور خراسان ہی کے میوے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھلوں کا بیان کیا ہے۔ دو مثنویاں سبزہ ترکاری اور شکاری پرندوں کے بیان میں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی مثنویاں اور غزلیں ایسی ہیں جنہیں سلطان محمد قلی نے شاہی محلات مثلاً الہی محل جناں محل، باغ محمد شاہی اور اسی عہد کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم، سالگرہ کی تقریب، شب برات میلاد نبی، عید فدیر، ہولی، دلبت وغیرہ پر لکھی ہیں دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور کالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے"

"اگرچہ یہ مثنویاں معمولی ہیں اور شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی ہیں لیکن ان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے فارسی شاعری کا پورا اتباع کیا ہے اور وہ اسکا مدعا یہ ہے کہ عشق و محبت کے تنگ کوچے سے باہر نکل کر صنعت و قدرت کی خوبیوں کی داد دیگا ہے اور اس لحاظ سے سلطان محمد قلی کا حیثیت شاعر ہونے کے خاص امتیاز اور فضیلت رکھتا ہے وہ نہ صرف پہلا شاعر ہے جس نے اردو میں غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ لکھا بلکہ اس نے حلقہ تقلید سے باہر نکلکر یہاں اردو شاعری ابتدا سے مقید ہو گئی تھی کسی قدر آزاد روی

اور جدت کا مسلک اختیار کیا، اور اپنے مشاہدات کو کام میں لاکر ایسی چیزوں پر نظمیں لکھیں جس سے اردو کو بعد شعرا بھی قاصر رہے"

سلطان محمد اور سلطان عبداللہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ پہلے کا تخلص ظل اللہ اور دوسرے کا عبداللہ ہے[1]۔ انکے فارسی اشعار تاریخ قطب شاہی اور حدیقۃ السلاطین میں درج ہیں[2] اردو کا کلام ایک انتخاب میں جمع ہے جسے ۱۱۰۰ھ میں اردستانی نے حیدرآباد میں تب کیا ہے اور اسکا ایک مطلا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[3]

سلطان محمد قطب شاہ کا اردو کلام

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن تانا شاہ کو بھی اردو شعرا میں شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب ذیل بیت اسکے نام سے تحریر ہے[4]

سلطان ابوالحسن تانا شاہ کا اردو کلام

کس در کہوں جاؤں کہاں مجھ دل پہ بھل بچھڑاٹ ہے
ایک بات کے ہوں گے سجن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے

گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانہ میں اردو کے بہت سے باکمال شاعر ہوئے ہونگے سواسطے کہ بادشاہوں کا میلان طبع جس جانب ہوتا ہے اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ انکے حالات پر گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اسکے حل کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے نہایت جدوجہد اور تلاش و تجسس کے بعد جن شعرا کے حالات اور تصنیفات دستیاب ہوئے ہیں انکا تذکرہ ذیل میں درج ہے

محمد قلی شہید کے دادا محمد امین کا تذکرہ

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ [2] رسالہ اردو جلد دوم صفحہ ۱۰۰ [3] حدیقۃ العالم جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ تا ۲۰۰
[4] ایضاً نمبر (۴۰۰) [5] گلشن ہند صفحہ ۶۰ تذکرہ میر حسن صفحہ ۶۸ مجمل صفحہ ۲۱۵

مُلّا غواصی

ملا غواصی گولکنڈے کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں ملا نصرتی نے گلشن عشق میں انکا تذکرہ کیا ہے۔

پڑی کچھ غواصی تبھی کر خیال کیا تازہ باغ بدیع الجمال

میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ (سنہ ۱۰۱۴ھ سنہ ۱۰۳۷ھ) بود۔ طوطی نامہ نخشبی را نظم نمود است بزبان قدیم نصفے فارسی نصفے ہندی بطور رکیٹ کہانی سرسری دیدہ بودم شعرش نظم یاد نیست"

مُلّا غواصی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں موجود ہیں۔

(۱) فسانہ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ الف لیلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک مشہور فسانہ ہے۔ اسمیں مصر کے شہزادہ سیف الملوک اور اجنہ کی شہزادی بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے غواصی نے اسے نثر فارسی سے نظم دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اور غواصی کے ایک عرصہ بعد عالمگیر کے زمانہ میں مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خان کی فرمائش سے اس داستان کو فارسی میں نظم کیا ہے غواصی کی یہ مثنوی سنہ ۱۰۴۵ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

برس ایک ہزار ہور پنج تیس میں کیا ختم یو نظم دن تیس میں

(۲) طوطی نامہ ملا ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ کا ترجمہ ہے

اور ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے غواصی نے اسکے اختتام کی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

برس یکہزار ہور چالیس پہ نو ہوئے تھے یو موتیاں پوریا ہو تو

ٹاسی جلد اول ص ۴۹۴ ایتے ۶۰۰ ولسن ص ۳۸۶ ہرس صفحہ ۱۴۰ لسان العصر جلد (۱) نمبر (۳) صفحہ ۱۲۰ مثنوی سیف الملوک اور طوطی نامہ کے سنین تصنیف مولوی عبدالحق صاحب کی ایک خانگی تحریر مورخہ ۳ مرا پریل ۱۹۲۵ء سے اخذ کیے گئے ہیں مثنوی سیف الملوک ۱۹۰۱ء میں بمبئی میں چھپ گئی ہے اور اسمیں اسکا تاریخی شعر اسطرح تحریر ہے۔

"برس ایک ہزار ہور ستائیس میں کیا ختم یو نظم دن تیس میں"

لیکن ہمنے جس قدر اس مثنوی کے قلمی نسخے دیکھے ہیں انمیں یہ شعر اسی طرح درج ہے جس طرح کہ ہم نے مضمون میں لکھا ہے۔

مُلّا قطبی

ملا قطبی قطب شاہی دور کے شاعر ہیں انہوں نے ۱۰۴۶ھ میں تحفۃ النصائح کا دکھنی زبان میں ترجمہ کیا ہے تحفۃ النصائح۔ شیخ یوسف دہلوی کی تصنیف ہے یہ بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہیں اور اپنے فرزند صدر الدین ابو الفتح کی تعلیم کے لئے ۷۹۵ھ میں اسے تصنیف کیا ہے۔ اسمیں ۴۵ ابواب ہیں اور انمیں فرائض وسنن کے احکام و آداب مذکور ہیں۔ قطبی

تحفۃ النصائح ۸۸۶ بیت کا بحر رجز میں ایک ہم قافیہ قصیدہ ہے ملا قطبی نے اسی بحر اور اسی قافیہ میں اسکا شعر بشعر ترجمہ کیا ہے فارسی قصیدے کے پہلے دو شعر یہ ہیں

حمد بگویم بے حدد مر خالق جن و بشر
کردہ معلق آسمان ہم اختراں شمس و قمر۔

عظمے بداده عرش را پرّ و ز پایش طائرے

ان کا ترجمہ ملا قطبی نے یوں کیا ہے۔

بولوں صفت میں بے گنت اس خالق جن و بشر
نر دھار کر اسماں رکھیا سورج ستارے ہور چندر
جوں بزرگی دی عرش کوں پنکھے اڑے یکہ پائیتی
جوں پچ برساں چار سو انپڑے بزاں پائے دگر

خاتمے میں قصیدے کے ابیات و ابواب کی تعداد اور تاریخ تصنیف اسطرح مذکور ہے۔

ابیات گفتم جملگی ہفت صد بداں ہفتاد و شش
ابواب او شد چہل و پنج اندر حساب و ہم حصر
ہفت صد نود پنج دگر ہجرت محمد مصطفےٰ
عاشر ربیع آلآخریں وقت ضحےٰ روز قمر

اسکا ترجمہ یہ ہے۔

بتیاں ستر چھ سات سو اس وضع سوں میں جو کیا
باباں ہیں چالیس پانچ جو اسکوں یقیں کر تو شمر
چار بیس پندرہ سات سو ہجرت سوں تھی اس مصطفےٰ
دسویں ربیع آخر جو تھا ہور صبح صادق دن قمر

مترجم نے اپنا تخلص خاتمے میں اسطرح بیان کیا ہے۔

نا رش جہاں میں ہیں کیتا کیتا برائی کے جو بھی
قطبی دہریا امید یو لایا ہوں سب صاحب نظر

سطور بالا تحفۃ الفصائح اور اسکے دکھنی ترجمے سے ماخوذ ہیں۔ تحفۃ الفصائح کا دکھنی ترجمہ مدیر صاحب تاج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ شیخ یوسف چشتی مصنف تحفۃ الفصائح کے حالات کے لئے دیکھئے خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۶۶ اور تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۲۵ کتب مذکور میں شیخ یوسف کا سنہ وفات ۹۶۵ھ لکھا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے کیونکہ تحفۃ الفصائح اس تاریخ کے بعد ۹۷۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔"

ابن نشاطی

ابن نشاطی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر ہے اس نے دو کتابیں لکھی ہیں اور انہیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد کیا ہے۔

(۱) پھول بن۔ ایک فارسی کتاب بساتین کا منظوم ترجمہ ہے میجر اسٹوارٹ نے اسکا سنہ ۱۰۵۹ھ تصنیف بیان کیا ہے۔ کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے یہ سنہ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن کتب خانہ آصفیہ میں جو نسخہ موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۱۰۶۱ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے سنہ تصنیف کو اسطرح بیان کیا ہے۔

اتہا تاریخ لایو توں یو گلزار ایگیارہ سو گوں کم تجے بیس یو چار

محمد ابراہیم بیجاپوری نے ۱۱۷۹ھ میں انوار سہیلی کا نثر دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اسکے دیباچے میں دکھنی کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے ہیں اور ان میں پھول بن کا نام بھی شامل ہے۔

حاجی خلیفہ نے بساتین کا نام لکھا ہے۔ یہ فارسی کی ایک مشہور کتاب ہے اور ملا احمد زبیری نے اسے سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں تصنیف کیا ہے۔

(۲) طوطی نامہ۔ شیخ ضیاء الدین بخشی کے فارسی طوطی نامہ سے ماخوذ ہے پروفیسر ٹاسی نے اسکا ۱۰۴۹ھ تصنیف بیان کیا ہے لیکن میجر اسٹوارٹ کے بیان سے ۱۰۶۴ھ میں اسکا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ٹاسی جلد اول ص ۲۵۶ اسٹوارٹ ص ۱۰۱ ایتھے نمبر (۱۶۸۲) لسان العصر جلد ۱ نمبر ۳ ص ۲۲۲ ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱۔ حاجی خلیفہ جلد دوم ص ۵۰۔ فہرست کتبخانہ آصفیہ جلد دوم ص ۱۵۰ کتب خانہ آصفیہ میں مثنویات اردو کے نمبر ۱۶ پر اسکا ۱۰۶۴ھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔ طوطی نامہ کے لئے دیکھئے دوسرا ضمیمہ

جنیدی

شیخ احمد نام ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں اسنے ماہ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے ٹیپو سلطان کے کتبخانے میں اسکا ایک نسخہ موجود تھا۔ لیکن اسوقت کیاب ہے یہ مثنوی ۱۰۶۴ھ میں تمام ہوئی ہے اور مصنف نے اسکا سال تصنیف اسطرح بیان کیا ہے۔

نبیؐ کی سو ہجرت کا یو تہا قرار
چہار سال تین بیں بہی ایک ہزار

اسٹوارٹ ص ۱۷۹

طبعی

طبعی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا معاصر ہے اسنے ۱۰۸۱ھ میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے جسمیں بہرام و گل اندام کا قصہ مذکور ہے اور اسکا دیباچہ شاہ راجو حسینی کے نام سے منسوب کیا ہے خاتمہ میں ابوالحسن تانا شاہ کی مدح و ستایش بیان کی ہے شاہ راجو حسینی گولکنڈے کے مشہور بزرگ خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے ۱۰۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے ابوالحسن تانا شاہ جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کا داماد و جانشین ہے آپ کا مرید تھا۔

بہرام گور ایران کے خاندان ساسانیہ کا چودھواں بادشاہ ہے اسکے حکایات فارسی میں نظامی اور ہاتفی نے نظم کئے ہیں اور انہیں ہفت پیکر و ہفت منظر کے ناموں سے نامزد کیا ہے ان ناموں کے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بہرام کی سات بیویاں تھیں اور وہ سات مختلف باغوں میں الگ الگ رہتی تھیں۔

طبعی نے اپنی مثنوی کو ہفت پیکر سے اخذ کیا ہے لیکن اسنے نظامی اور ہاتفی کی طرح اسکا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے۔ خاتمہ میں قصہ بہرام و گلندام کے نام سے موسوم کیا ہے اور اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

الٰہی بچن کا مجھے تاب دے ۔ مری جیب کی تیغ کوں آب دے

۔ اسپرنگر ۶۳۹ اتھوارٹ ص ۱۶۹ ایتھے ۱۶۹۷ ٹاسی کا پانچواں خطبہ ترجمہ

نواب مسعود یا جنگ بہادر اردو جلد سوم صـ۵۲۲ مترجم نے طلبی کا لفظ تابی لکھا ہے لیکن غلطی ہے۔
شاہ راجو حسینی کے لئے دیکھئے تاریخ خورشید بابی صـ۲۲۵ اور بہرام گور کے لئے ڈاکٹر اسپیگل کی کتاب عمائق ایران جلد سوم صـ۴۴۰

نوری

نوری کا نام شجاع الدین ہے۔ گجرات کے سادات سے تھے اور حیدرآباد میں رہا کرتے تھے۔ سلطان ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ ۱۰۹۸ھ) کے وزیر سید مظفر کے لڑکے کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔

نوری اس کے دل کی کسی سے نہ کہہ تبا حاصل بھلا اب اس سے دوانے جو ہوتا تھا

طاسی جلد دوم صـ۹۸۲ میر حسن صـ۱۹۹ لسان العصر جلد اول نمبر ۳ صـ۱۱۹

نوری جی۔ روبند رگوں کا تخلص ہے۔ ایک نوری حیدرآبادی جنکا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ دوسرے نوری۔ اعظم پور کے باشندے تھے۔ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں انہیں ملا فیضی نے بے حد ربط و ضبط تھا۔ قاسم چاندپوری اور میر حسن دہلوی نے اپنے تذکروں میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے (تذکرہ حزیں صـ۱۹۰)

"ہر کس کہ خیانت کند البتہ بہ بیند بیچارہ نوری نکرے ہے نہ ورے ہے"

پروفیسر طاسی کو نوری کا تذکرہ لکھنے میں تخلص کے ایک ہونے کی وجہ سے سخت مغالطہ ہوا ہے اور نوری حیدرآبادی و نوری اعظم پوری دونوں کو ایک سمجھکر ان کے حالات مخلوط کر دئے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں جو مضمون "زبان اردو" پر لکھا گیا ہے اسمیں بھی کاتب مضمون نے پروفیسر موصوف کی اتباع کے باعث یہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

ملا فیضی کا ۱۰۰۴ھ میں انتقال ہوا ہے (بدایونی صـ۴۰۰ آثار الکرام صـ۱۹۹) ابوالحسن تاناشاہ کی تخت نشینی کے بعد ۱۰۸۳ھ میں سید مظفر کو عہدہ وزارت ملا ہے (حدیقۃ العالم جلد اول صـ۳۹۰) فیضی کی وفات اور سید مظفر کی وزارت کے مابین کیا سی سال کا زمانہ گزرا ہے۔ اس طویل مدت کو طے کر کے فیضی کے دوست کا سید مظفر کی ملازمت کرنا بعید از قیاس امر ہے۔

فائز

گولکنڈہ کا شاعر اور ابوالحسن تانا شاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کا معاصر ہے تباہی سلطنت قطب شاہیہ سے چار سال پہلے ۱۰۹۴ھ میں اسنے قصہ رضوان شاہ و روح افزا کو نظم کیا ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ اسکا ایک قلمی نسخہ ۱۱۴۲ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ فسانہ شر فارسی میں تھا بعض دوستوں کی فرمایش سے فائز نے نظم دکھنی میں اُسکا ترجمہ کیا۔ ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

اول نام حق کا لے بولوں سخن بندوں اوسکی توحید کہوں دھن

تاریخ تصنیف اسطرح بیان کی ہے۔

اتہا جو وقت سال ہجرت ہزار اُس اوپر نو دو اوسکے اوپر چہار

مثنوی کا نام قصہ رضوان شاہ رکھا ہے اور خاتمہ میں اسکا ذکر اسطرح کیا ہے

ہوا قصہ رضواں شاہ کا تمام نبی اور ولی ہزاراں سلام

اسپرنگر صفحہ ۶۰۶ اسٹوارٹ صفحہ ۱۲۹

ڈاکٹر اسپرنگر نے فائز کا املا بجائے نائے منقوط کے ضاد منقوط سے فائض لکھا ہے۔

فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم صفحہ ۱۲۸۴ میں اسکا نام قصہ روح افزا درج ہے جو غلط ہے۔ اور کتب خانہ مذکور میں اسکا نسخہ فن قصص میں نمبر ۱۲۱ پر محفوظ ہے۔

شاہی

ان کا نام شاہ قلی خاں ہے۔ حیدرآباد کے باشندے اور قطب شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ رفتہ رفتہ تاناشاہ کے مصاحب ہوگئے۔ مرثیہ خوب کہتے تھے انکا ایک شعر مشہور ہے۔

ملنا تن کا غیر سے کوئی جھوٹ کو سچ مچھ کہے
کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

میر حسن ص ۱۱۳ سخن شعرا ص ۲۴۰

مرزا

ان کا نام ابوالقاسم ہے حیدرآباد کے باشندے تاناشاہ کے مقرب تھے اور نگ زیب عالمگیر نے جب حیدرآباد فتح کیا تو فقیر ہوکر عبداللہ گنج میں گوشہ نشین ہوگئے اور اسی حال میں انکا انتقال ہوا میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں ان کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

عارض نہیں چندر کا ترے گال ہوں اچھا سمجھیں ہیں من کلف کو نہ تجھ خال سوں اچھا
مرزا وفا نہال کدھر مٹ گئے چمن لگتا تھا جن کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

میر حسن ص ۱۶۸

سلطنت عادل شاہیہ

۸۹۵ھ ۱۰۹۷ھ

(۱) یوسف عادل شاہ	۸۹۵ھ	۹۱۶ھ[1]
(۲) اسمٰعیل عادل شاہ	۹۱۶ھ	۹۴۱ھ
(۳) ملو عادل شاہ	۹۴۱ھ	
(۴) ابراہیم عادل شاہ اوّل	۹۴۱ھ	۹۶۵ھ
(۵) علی عادل شاہ اول	۹۶۵ھ	۹۸۸ھ
(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی	۹۸۸ھ	۱۰۳۷ھ
(۷) محمد عادل شاہ	۱۰۳۷ھ	۱۰۶۷ھ
(۸) علی عادل شاہ ثانی	۱۰۶۷ھ	۱۰۸۳ھ
(۹) سکندر عادل شاہ	۱۰۸۳ھ	۱۰۹۷ھ

سلاطین عادل شاہیہ کا سلسلۂ نسب روم کے سلاطین عثمانیہ سے ملتا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان مراد (۸۲۴ھ ۸۵۵ھ) کے دو فرزند تھے۔

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۱۱ طبقات اکبری میں ۹۱۳ھ تحریر ہے۔ رفیع الدین شیرازی نے تذکرۃ الملوک میں اور اسد خاں نے سراج التواریخ میں ۹۲۵ھ لکھا ہے۔ بساتین السلاطین صفحہ ۲۲

۸۵۵ھ) محمد خاں و یوسف خاں ۸۵۵ھ میں جب سلطان مراد کا انتقال ہو گیا تو شاہزادہ محمد[1] برسرِ حکومت ہوا اور اس خیال سے کہ شاہزادۂ یوسف کی وجہ سے تخت و تاج کے لئے آئندہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو اوسکے قتل کا حکم دیدیا۔ افسرانِ سلطانی شاہزادۂ یوسف کے لئے اسکی ماں کے یہاں گئے تو اُس نے شاہزادہ کو حوالہ کرنے کے لئے ایک روز کی مہلت لی اور اس عرصہ میں ایک ایرانی تاجر خواجہ عماد الدین گرجستانی کو بلا کر شاہزادے کو ایک کثیر دولت کیساتھ اسکے حوالہ کر دیا۔ تاکہ اُسے دار الحکومت سے لیکر فرار ہو جائے اور شاہزادے کے بجائے ایک چرکس غلام کو جو شاہزادے کا بالکل ہم شبیہ تھا رات کو مسموم کر دیا اور صبح اسکی لاش افسرانِ سلطانی کے حوالہ کر دی۔ غلام کا جنازہ سلطانی رسم و رواج کے موافق سپردِ خاک کیا گیا۔ اور خواجہ عماد الدین شاہزادۂ یوسف کو لیکر اُسی شب میں ترکوں کے دار الحکومت سے نکلا اور وہاں سے ایران میں آکر سادہ میں پناہ گزیں ہوا۔

یوسف عماد الدین کا ہندوستان میں آنا

خواجہ عماد الدین اور یوسف کئی سال تک ایران میں مقیم رہے اسکے بعد دونوں ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے بندر ہرموز سے جہاز پر سوار ہو کر ۸۶۱ھ میں مصطفےٰ آباد دابل پر اُترے اور یہاں ہمنیوں کے دار السلطنت احمد آباد بیدر میں آکر خواجہ محمود گاواں کے مہمان ہوئے۔ محمود گاواں نے یوسف کی سرگزشت بادشاہ سے بیان کی اور سفارش کر کے اُسے

[1] سلطان مراد سلطنت عثمانیہ کا چھٹا فرمانروا ہے اسکا جانشین سلطان محمد جسے اہل تاریخ فاتح قسطنطنیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۸۵۵ھ سے ۸۸۶ھ تک حکمراں رہا ہے اسنے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا۔ مولانا جامی نے اسکی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔

شاہی چیلوں میں شامل کرادیا شاہزادۂ یوسف نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا اسلئے محمد شاہ بہمنی (۸۶۷ھ سے ۸۸۷ھ) کے دربار میں اُسے بے حد تقرب حاصل ہوگیا یہاں تک کہ ۸۸۳ھ میں بادشاہ نے اُسے جنیر کا صوبہ دار بنادیا اسکے بعد بیجاپور کا سرلشکر مقرر ہوا اور مدت دراز تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا محمود شاہ بہمنی (۹۲۴ھ سے ۸۸۷ھ) کے زمانہ میں جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے قریب ہوگئی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے ۸۹۵ھ میں اسنے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اور بیجاپور کو مستقر حکومت قرار دیکر اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا۔

سلطنت عادلشاہیہ کا بانی یوسف عادلشاہ

یوسف عادلشاہ کے بعد اسکی اولاد میں یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسرِ حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کچھ کم دوسو برس حکومت قائم رہی[1]

یوسف عادلشاہ اور اسکا جانشین اسمٰعیل عادلشاہ دونوں فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اُن کا کلام نقل کیا ہے اور اسمٰعیل عادلشاہ کی نسبت لکھا ہے کہ۔

سلطان اسمٰعیل عادلشاہ کا تذکرہ

"ہیچ یک از سلاطین دکن ہمانست ولطافت او سخن نگفتہ"

اسمٰعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اور اسکے بعد علی عادلشاہ بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ دونوں بادشاہ ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے انکے عہد میں

[1] یوسف عادل شاہ کی اصلیت اور رقم سے فرار ہوکر بیدر میں آنے اور بیجاپور میں برسرِ حکومت ہونے تک جو کچھ واقعات گذرے ہیں اون کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۵ ہفت اقلیم صفحہ ۵ تاریخ السلاطین صفحہ ۵ ہنری کزن کی انگریزی کتاب آرکی ٹکچر آف بیجاپور کا ضمیمہ جس میں سلطنت عادل شاہیہ کے تاریخی حالات تحریر ہیں۔

عراق وعجم کے سینکڑوں اہل علم نے آکر بیجاپور کی سکونت اختیار کرلی تھی اور اس عہد میں یہ شہر ایران کا نمونہ بن گیا تھا۔

علی عادلشاہ نے ملا فتح اللہ شیرازی کو جسے علمائے عراق عقل ہی عشر کے لقب سے یاد کرتے ہیں ہزار ہا روپیہ صرف کرکے شیراز سے بلایا تھا۔ اسکا وزیر افضل خاں شیرازی بہت بڑا عالم تھا اور اسکی فیاضیوں سے بیجاپور میں کثرت سے علما و فضلا جمع ہوگئے تھے افضل خاں اور ملا فتح اللہ کے مکانات پر روزانہ علمی جلسے ہوا کرتے تھے۔ علی عادل شاہ ہفتہ میں تین بار دربار شاہی میں علما و فضلا کو جمع کرتا تھا اور یہ لوگ بادشاہ کے روبرو علمی مباحثہ و مذاکرہ کیا کرتے تھے۔

ابراہیم ثانی جو علی عادل شاہ کے بعد تخت و تاج کا مالک ہوا ہے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اسنے اپنے زمانہ میں علم و ہنر کے پھیلانے میں جو کوششیں کی ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے۔ مثلاً

نورالدین ظہوری جسکی نظم و نثر ساری دنیا میں مشہور ہے۔

ملا ملک قمی جس نے نظامی کی مخزن الاسرار کا جواب لکھکر بادشاہ سے اسکے صلہ میں ایک بار شتر زر طلا حاصل کیا ہے۔

حکیم محمد قاسم فرشتہ جس نے بادشاہ کے حکم سے ہندوستان کی بے مثل و بے نظیر تاریخ لکھی ہے۔

عبدالرشید البستگی جس نے بادشاہ کی فرمائش سے علاءالدین محمد بن زکریا یمنی فیروز

کی عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔
ملا رفیع الدین شیرازی جنہیں بادشاہ کے ایما سے روضۃ الصفا کا خلاصہ لکھا ہے۔ اور سلاطین بہمنیہ اور شاہان عادلشاہیہ کی ایک بسوط تاریخ تذکرۃ الملوک کے نام سے تصنیف کی ہے۔
شیخ علم اللہ محدث خاتم المحدثین شیخ شہاب الدین ابن البحر المکی کے شاگرد تھے اجاز بادشاہ کی طرف سے بیجاپور کی جامع مسجد میں علم حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔
ابراہیم ثانی کے بعد محمد عادلشاہ اور اسکے بعد علی عادلشاہ ثانی برسر حکومت ہوئے ہیں۔ یہ بادشاہ بھی اپنے آباو اجداد کی طرح علم و فضل کے حامی اور سرپرست تھے۔ محمد عادل شاہ کا درباری شاعر حکیم آتشی تھا اسنے بادشاہ کے حکم سے خمسۂ نظامی کا جواب لکھا ہے ملا رفیع الدین نے تذکرۃ الملوک میں سلاطین عادلشاہیہ کے حالات ابراہیم ثانی تک لکھے تھے۔ بادشاہ کے ایما سے ملا محمد حسن نے اسکا تکملہ لکھا اور اسمیں محمد عادلشاہ کے حالات تحریر کئے علی عادلشاہ ثانی کے زمانہ میں سید نورالسدو لد قاضی سید علی محمد ایک زبردست انشاء پرداز گذرے ہیں انہوں نے علی عادلشاہ ثانی کی تاریخ لکھی ہے اور اسمیں اپنے چشم دید واقعات قلم بند کئے ہیں۔ اس کتاب کی عبارت رنگین ہے اور تمام فقرے مسجع و مقفیٰ ہیں۔

سلاطین عادلشاہیہ اور زبان اردو

سلطنت عادلشاہیہ کی بنیاد پڑنے سے مدتوں پہلے بیجاپور میں اردو زبان

عام ہوگئی تھی امیر غریب ادنیٰ اعلیٰ سب اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے سلاطین بہمنیہ نے یہاں کے شاہی دفتر کو بھی اسی زبان میں کر دیا تھا لیکن یوسف عادل شاہ اور اسکے فرزند اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنے زمانہ میں شاہی دفتر کو فارسی میں منتقل کر دیا۔ کم و بیش پچاس سال فارسی عروج پر رہی ابراہیم عادل شاہ اول نے جب تاج و تخت کو حاصل کیا تو اسنے حسب سابق فارسی کے عوض شاہی دفاتر میں زبانِ اُردو کو رواج دیا اور یہ زبان سلطنت کی زبان قرار پائی۔ مؤرخ خافی خاں نے اس واقعہ کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وابراہیم عادل شاہ دفتر فارسی کہ بجائے دفتر ہندی جدو پدر او قرار داہ بود بر طرف نمودہ بدستور سابق ہندوی مقرر نمود [1]

علی عادل شاہ اول (۹۶۵ھ ۹۸۸ھ) نے اپنے زمانہ میں پھر فارسی زبان کو مروج کیا۔ لیکن جب ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۰۲۷ھ ۱۰۳۵ھ) جب حکمراں ہوا تو شاہی دفاتر میں پھر اُردو زبان جاری ہوگئی اور سلطنت عادل شاہیہ کی تباہی تک برابر جاری رہی [2]

ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی میں بے حد مہارت حاصل تھی خاص کر سرودِ ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گوئے اوسے

---

[1] منتخب اللباب جلد سوم ص۳۰۰ مؤرخ فرشتہ اور قاضی ابراہیم زبیری نے بھی قدرے اجمال کیساتھ اس واقعہ کو تحریر کیا ہے دیکھیے تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۲۰۰ بساتین السلاطین ص۴۹

[2] سلسلۂ آصفیہ جلد چہارم ص۲۱۵

"جگت گرو" کہا کرتے تھے۔ اس نے علم موسیقی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں سرود ہندی کے قواعد وضوابط قلمبند کئے تھے اور اس کا نام نورس نامہ رکھا تھا۔ یہ کتاب نظم دکنی میں تھی۔ ملا ظہوری نے فارسی میں اسکا دیباچہ لکھا تھا جو اسوقت بھی موجود اور سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

علی عادلشاہ ثانی کو زبان اردو سے بیحد دلچسپی تھی اسکے زمانہ میں شعر و شاعری کا خوب چرچا تھا۔ اردو گو شعرا کثرت سے پیدا ہو گئے تھے۔ بادشاہ انکے ساتھ خاص مراعات کیا کرتا تھا۔ اور ان سے اردو میں بہت سی کتابیں لکھوائی تھیں اور انکے صلہ میں رقومات کثیر عطا کئے تھے۔ چنانچہ موخ خافی خاں نے لکھا ہے۔

> بادشاہے بود با ہوش سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت و دست خلق مشہور۔ فضلا و صلحا را دوست داشتی۔ و شاعران را حرمت نمودے خصوص دجق شاعران ہندی زیادہ مراعات می فرمود۔ در عہد او ترجمہ یوسف زلیخا تالیف ملا جامی و ترجمہ روضۃ الشہدا و قصہ منوہر و مدمالت کہ عاقل خاں خوافی بہ نظم در آوردہ ملا نصرتی و دیگر شاعران بیجاپور بہ زبان دکنی تالیف نمودہ از نقد و جنس صلہ وافر در خور سلامین یافتند۔
>
> واز جملہ شعرائے بیجاپور آں عہد میرزا تخلص شاعرے بود کہ زبان خود را وقف حمد و نعت سید المرسلین و منقبت آلہ الطاہرین نمودہ ہرگز جائے احدے از شاہ و گدا بشعر نہ گفت و مرثیہ بے شمار کہ در ماتم شہدائے کربلا گفتہ زبان زد خاص و عام مردم دکن و دیگر بلاد گردیدہ۔ روزے علی عادلشاہ میرزا را

بحضور خود طلبیدہ بعد عنایات بے پایاں تکلیف نمود کہ در ہجو بادشاہ زبان آشنا سازد در جواب التماس نمود۔ زبانی کہ برائے حمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ بحکم من نہ ماندہ۔ بندہ کہ مکرر سلطان تکلیف نمود یک دو مرثیہ از زبان سلطان بہ جائے اسم خود تخلص علی عادلشاہ قسمی داخل نمود کہ ذو معنی واقع شدہ"[1]

ابراہیم زبیری نے علی عادلشاہ کے اوصاف و محاسن کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

"شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند و خانہ بخانہ مہنگامہ شعر گوئی تازہ گرم داشتہ اند۔ ازاں طبقہ یکے میاں نصرتی است کہ بہ نصرت وقار و ساتھ ذہن ثاقب تیغ زبان کشیدہ فتح اقلیم سخنوری کردہ بملک الشعرائی حکم شد"[2]

دربار عادل شاہی کے شعرا کی تعداد اگرچہ سینکڑوں سے متجاوز ہو گی مگر تذکرہ نویسوں کی بے التفاتی سے انکے نام تک ناپید ہو گئے ہیں بعض نام تاریخوں میں ضمناً آگئے ہیں۔ بعض کا پتہ اون کی ان تصنیفات سے چلا ہے جو زمانے کی ناقدری کے باعث تباہ و برباد ہونے کے قریب ہو گئی ہیں۔ انہیں سے ذیل کے شعرا نے بیجاپور میں خاص شہرت حاصل کی ہے۔

شعرائے بیجاپور

رسمی

رسمی کا نام کمال خاں اور اسکے والد کا نام اسمٰعیل خان ہے باپ اور بیٹے

[1] منتخب اللغات جلد سوم ص ۳۹۹ و ۴۰۰ [2] تاثیر السلاطین ص ۴۳۲

دونوں سلاطین بیجاپور کے دربار میں دارالانشاء کی افسری پر مامور تھے اپنے
اس کا تخلص رستمی لکھا ہے لیکن یہ غلطی ہے رسمی نے خدیجہ سلطانہ شہزادی
بیگم کی فرمائش سے ۱۰۵۹ھ میں خاورنامہ کا فارسی سے نظم دکنی میں
ترجمہ کیا ہے۔ یہ بیگم سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۳۰ھ ۱۰۳۵ھ) کی دختر اور
سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ ۱۰۸۳ھ) کی خواہر تھی ۱۰۴۲ھ میں
ابوالمنصور سلطان محمد بن ابراہیم عادلشاہ (۹۸۸ھ ۱۰۳۷ھ) کے ساتھ
اسکا عقد ہوا تھا خاورنامہ نظم ہے اور شاہنامۂ فردوسی کے جواب
میں لکھا گیا ہے۔ اسمیں امیرالمومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور
ہیں۔

محمد بن حسام الدین الخوافی نے ۸۳۰ھ میں اسے تصنیف کیا ہے۔
اور اس تصنیف کے باعث اسنے فردوسی ثانی کے لقب سے شہرت حاصل
کی ہے ابن حسام کا سن وفات دولت شاہ نے ۸۳۷ھ اور خوندمیر
نے ۸۹۳ھ لکھا ہے لیکن صحیح تاریخ ۸۷۵ھ ہے۔

ٹامسی جلد دوم ص۵۶۹ ایتے نمبر ۸۹۶ ریو جلد دوم ص۶۲۴ حدیقۃ العالم
جلد اول ص۳۴۳ دولت شاہ ص۱۴۵ حبیب السیر جلد سوم جزو سوم ص۲۳۹

نصرتی

نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجاپور ہے اسکے آبا و اجداد بیجاپور
میں فوجی ملازم اور والد رکاب شاہی کے سلح دار تھے۔ چنانچہ خود نصرتی
اس کا ذکر کیا ہے۔

کہ تہا مجھ پدر سو شجاعت بآب قدیم یک سلحدار جمع رکاب

نصرتی کے بھائی شیخ منصور ایک اہل دل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے جو کے مشاہیر فقرا میں انکا شمار ہوتا ہے نگینہ باغ کے قریب سید شاہ عبدالرزاق قادری کی درگاہ میں ان کا مزار ابتک موجود ہے۔

گلشن عشق کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرتی نے محمد عادلشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) زمانہ میں دربار میں رسائی حاصل کی۔ علی عادلشاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے دور میں عروج پایا اور ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا۔

نصرتی کی تصنیفات سے تین مثنویاں ہیں ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک غزلیات کا دیوان ہے۔ مثنویوں کے نام یہ ہیں (۱) علی نامہ (۲) گلشن عشق (۳) گلدستہ عشق یہ تینوں کتابیں ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تہیں پروفیسر ہاسی نے بہی انکا ذکر کیا ہے۔

علی نامہ تاریخی نظم ہے۔ اسمیں نصرتی نے علی عادلشاہ کے سوانحات وفتوحات اور مجالس عیش وطرب کے واقعات بیان کئے ہیں اور انکے ضمن میں مختلف مواقع پر قصائد مدحیہ بہی درج ہیں مارلے نے اپنی فہرست مخطوطات تاریخی میں اسکا نام تاریخ علی عادلشاہ لکھا ہے لیکن خود نصرتی نے شاہنامۂ دکن کے نام سے اسکا ذکر کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے۔

ہوں کیتا سخن مختصر بے گماں کہ یو شاہنامہ دکن کا ہی جان

علی نامہ کا ہم نے جو نسخہ دیکھا ہے اسمیں سنہ تصنیف درج نہیں لیکن مختلف قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۸۱ھ کے بعد تمام ہوئی ہے کیونکہ

کیونکہ اسمیں سب سے اخیر واقعہ بنالہ کی فتح کا مذکور ہے اور اس مقام کو علی عادلشاہ نے ۱۰۷۱ھ میں فتح کیا ہے اور اس واقعہ کی یادگار میں نصرتی نے دکھنی زبان میں ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔ جو ابراہیم زبیری کی تاریخ میں درج ہے۔

علی نے پل میں بنالہ لیا صلابت سوں

گلشن عشق میں منوہر و مدمالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے اسمیں کم و بیش چار ہزار اشعار ہیں اور ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

دھریا اس کی تاریخ کا جب خیال وہیں ہاتف غیب معجز مقال

کہیا اسکی تاریخ ہاں ہجرتی "مبارک ہے یو ہدیۂ نصرتی"

عاقل خان رازی نے بھی منوہر و مدمالتی کے فسانہ کو فارسی میں منظوم کیا ہے اور شمع و پروانہ اسکا نام رکھا ہے خوافی خان نے گلشن عشق کو عاقل خاں کی مثنوی کا ترجمہ سمجھا ہے لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ گلشن عشق ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوا ہے اور اسکے ایک سال بعد عاقل خان نے شمع و پروانہ لکھی ہے۔ چنانچہ شمع و پروانہ کا وہ بیت جسمیں تاریخ تصنیف کا ذکر آیا ہے یہ ہے۔

ہست اکنوں زدور نہ طارم سال ہجرت ہزار شصت و نہم

قصائد و غزلیات کے مجموعے اسوقت ناپید ہیں لیکن ابراہیم زبیری کے زمانہ میں مروج و متداول تھے اور انمیں قصائد و غزلیات کے علاوہ نظم کے

دوسرے اصناف بھی موجود تھے۔

نصرتی کی تصانیف میں ایک قصیدہ نعتیہ بھی شامل ہے جسکے اکیسو اکتیس شعر ہیں اسمیں معراج کے حالات مذکور ہیں جسکے باعث معراج نامہ کے نام سے مشہور ہے ہر قصیدہ سلطان محمد عادلشاہ (۱۰۳۷ھ ۱۰۶۷ھ) کے عہد میں لکھا گیا ہے اسکے خاتمہ میں نصرتی نے بادشاہ کی مدح و ستایش بیان کی ہے اور اخیر میں اپنا تخلص اسطرح لایا ہے۔

شہ کی ثنا نصرتی لکھی دور کے دفتر اوپر پرا چھے ہر یک بچن

گل رعنا کے مصنف نے اسکا ایک نسخہ دیکھا ہے جو ۱۰۸۳ھ میں بمقام اکبرآباد مکتوب ہوا ہے اور چند اشعار اس سے انتخاب کرکے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں۔

نصرتی کا ۱۰۹۵ھ میں انتقال ہوا ہے اور اسکی لاش سید شاہ عبدالرزاق قادری کی درگاہ میں شیخ منصور کے مزار کے قریب مدفون ہے۔

ابراہیم زبیری نے نصرتی کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے اور اسکی مضمون آفرینی زور طبع اور اوج تخیل کو خاقانی کے ہم پایہ قرار دیا ہے

تاسی جلد دوم صفحہ ۴۸۵ اسٹوارٹ صفحہ ۱۷۵ و ۱۷۹ اسپرنگر صفحہ ۶۳ مارلے صفحہ ۷۹ ولن صفحہ ۳۹۰ ایتھے نمبر ۳۴۱۶ - ترجمہ انوار سہیلی صفحہ ۱۱ سلسلہ جلد ششم صفحہ ۶۵۱ بساتین السلاطین صفحہ ۳۷۶ و صفحہ ۴۳۰ و صفحہ ۴۳۵ منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳۶۰ گل رعنا صفحہ ۲۶ و صفحہ ۷۹ لسان العصر جلد اول صفحہ ۱۱۱ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم صفحہ

شاہ ملک

شاہ ملک بیجاپور کے باشندے اور علی عادلشاہ (۱۰۶۷ھ ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انہوں نے ایک رسالہ احکام الصلوٰۃ کے نام سے نظم دکھنی میں لکھا ہے اور اس میں نماز کے فرائض و احکام بیان کئے ہیں۔ یہ رسالہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور ۱۰۷۰ھ میں تمام ہوا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے

یو مسلیاں کو دکھنی کیا اس سبب فہم کر کے دل میں کرے یاد سب
سو یو شین الف ہی و میم لام کاف فرض کوں دکھنی میں بولیا ہے صاف
سنہ یکہزار ہو ستر پو سات کیا تہا اسی سال میں یو لکھات

احکام الصلوٰۃ کا ایک قلمی نسخہ ۱۱۱۱ھ کا لکھا ہوا مدینہ تاج کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اسی سے ہم نے یہ حالات اخذ کئے ہیں۔

امین

امین شیخ امین الدین اعلیٰ کا تخلص ہے۔ آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں اور علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۷ھ ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں شاہ میراں جی شمس العشاق آپ کے دادا تھے ۱۰۰۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تہی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم میں عرفان کے حقائق و اسرار ارشاد فرماتے تھے آپ کے مریدوں نے ان اشارات کو جمع کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام جواہر الاسرار رکھا ہے۔ میں نے اس کا ایک نسخہ ویلور میں دیکھا ہے

جسکا حجم پانسو صفحات سے زیادہ ہے اور اسمیں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں اور ان کے بعد تھوڑا سا متفرق کلام ہے۔ مدیر تاج کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ دکنی تصنیفات کا ہے جسمیں آپکے بھی دو رسالے شامل ہیں ایک رسالہ کا نام رسالہ قربیہ اور دوسرے کا رسالہ وجودیہ ہے اور ان دونوں رسالوں میں تین سو بیالیس ابیات ہیں۔

روضۃ الاولیائے بیجاپور صہ ۱۲۲ تاریخ فرشتہ جلد ہی صہ ۱۸۴

سیوا

ان کا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجاپور میں رہا کرتے تھے علی عادلشاہ ثانی (۱۰۵۶ھ ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انہوں نے ۱۰۹۲ھ میں روضۃ الشہدا کو نظم دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اسکے بعد قانون اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جسمیں عبادات کے احکام و مسائل تحریر ہیں ان کے علاوہ بہت سے مرثیے بھی لکھے ہیں جو بقول مولانا آزاد دکن کے امام باڑوں میں اب تک پڑھے جاتے ہیں۔

روضۃ الشہدا مولانا کمال الدین حسین الواعظ کی تصنیف ہے مولانا حسین واعظ ہرات کے باشندے اور اپنے عہد کے مشہور واعظ ہوئے ہیں سلطان حسین مرزا کے معاصر تھے ۹۱۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہے انوار سہیلی اخلاق محسنی تفسیر حسینی وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں روضۃ الشہدا شہدائے کربلا کے حالات میں ایک مشہور اور مقبول عام

کتاب ہے سیوا کے بعد دکن کے اکثر شعرانے واقعات کربلا کو منظوم کیا ہے اور ان سب کا ماخذ بھی یہی فارسی کتاب ہے۔ ص ۱۱۶

ٹامسی جلد سوم ص ۱۴۲ اسٹوارٹ ص ۱۸۱ آبحیات ص ۷۲ لسان العصر جلد اول حبیب السیر جلد سوم جزو سوم ص ۳۴۱

مومن

ان کا نام عبدالمومن ہے چنیا پٹن کے باشندے تھے۔ یہ شہر علاقہ میسور میں واقع ہے جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عادلشاہی عملداری میں شامل تھا۔ مومن مہدوی مذہب کے پابند تھے انہوں نے اسرار عشق کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اور اسمیں اپنے ہادی و پیشوا حضرت سید محمد صاحب جونپوری کے حالات و کرامات تحریر کیے ہیں یہ کتاب نظم میں ہے اور ۱۰۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے اسکا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

ہاشمی

ان کا نام سید میراں اور وطن بیجاپور ہے علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۷ھ سے ۱۰۸۳ھ) کے عہد میں گذرے ہیں۔ سید شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے اور اسی مناسبت سے ہاشمی تخلص کرتے تھے شاہ ہاشم بیجاپور کے مشاہیر اولیا سے ہیں شاہ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے تھے ۱۰۷۲ھ آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ہاشمی نے اپنے مرشد کی فرمایش سے یوسف زلیخا کا فسانہ منظوم کیا ہے۔

خافی خاں نے اپنی تاریخ میں اور محمد ابراہیم نے ترجمۂ انوار سہیلی کے دیباچہ میں اسکا ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے

یہ مثنوی سکندر عادل شاہ ۱۰۰۱ھ کے اوائل عہد میں شاہ ہاشم کی وفات سے تر تالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ ترجمۂ یوسف زلیخا میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

مرتب کیا میں یہ قصہ کو تو ہزار اک برس پر تہے نو دو نو

اسمیں چھ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں اور آغاز اسکا حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

ثنا حمد اسکوں سزاوار ہے سگل عشق جگا یو ستار ہے

اس مثنوی کا ایک نسخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۱۷۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اور دو نسخے جرمن کی اورنٹیل سوسایٹی کے کتبخانہ میں محفوظ ہیں

ہاشمی نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا جسمیں قصائد و غزلیات کے علاوہ مرثیے اور قطعات اور رباعیات بھی تھے۔ یہ مجموعہ اسوقت نایاب ہے لیکن جن لوگوں نے اسے دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ انمیں جسقدر غزلیات ہیں انکا بیشتر حصہ ریختہ کی بجائے ریختی میں ہے اور اسمیں عورت کا عشق مرد کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

تذکرۂ شعرائے دکن میں ہاشمی کا سال وفات ۹۰ھ تحریر ہے لیکن تاریخ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ ہاشمی شاہ ہاشم کے مرید اور علی عادلشاہ

کے معاصر ہیں اور تاریخ مذکور اس عہد سے سو سال بعد کی ہے۔ مصنف گل رعنا نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا ہے اور بجائے ۱۰۹۰ھ کے ۱۰۹۹ھ قرار دیکر اسکی تصحیح کی ہے۔ لیکن یہ تاریخ بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے کیونکہ ۱۰۹۹ھ کے نو سال بعد ۱۱۰۸ھ میں ہاشمی نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے حقیقت میں ہاشمی کے انتقال کی صحیح تاریخ ۱۱۰۹ھ ہے جس کو مصنف کتاب اعراس بزرگاں نے لکھا ہے۔

ابراہیم زبیری نے ہاشمی کا تذکرہ الفاظ ذیل میں تحریر کیا ہے۔

و نیز از جملہ ہندی گویاں آنزماں یکے میاں ہاشمی است کہ فیض لعاب دہن مبارک حضرت سید شاہ ہاشم قدس سرہ زبان شیریں بیان کشادہ از سخنوراں گوئے سبقت ربودہ قصۂ یوسف زلیخا را بہ محاورہ آں زماں بزبان دکھنی نظم نمودہ و دیوان غزل مشتمل بر مضامین سنجیدہ و تلازمات شعریہ ہم دارد کہ مقبول طبایع افتادہ و در شعر طرازی نادر روشی غریب ورزیدہ کہ کسی بدو سبقت نکرد باوجودیکہ بصیر مادرزاد بصیرت چشم بینا۔

فہرست کتبخانہ جرمن اورینٹیل سوسائٹی جلد دوم صفحہ ۶۶ ۔ ساتین السالکین صفحہ ۴۳۲ منتخب الباب جلد سوم صفحہ ۳۶۰ ترجمہ انوار سہیلی صفحہ ۱۱ ۔ روضۃ الاولیا صفحہ ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم صفحہ ۱۲۰ گل رعنا صفحہ ۲۷ لسان العصر جلد اول صفحہ ۱۱۴

مرزا

ان کا وطن بیجاپور ہے نصرتی اور علی عادلشاہ ثانی (۱۰۸۰ھ) کے معاصر ہیں۔ صرف مرثیئے اور نعت و منقبت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے تمام عمر اپنی زبان کو کسی امیر یا بادشاہ کی مدح و ستایش سے آلودہ نہیں کیا ایک دفعہ علی عادلشاہ نے ان سے اپنی مدح کہنے کی فرمایش کی اور اس پر مکرر اصرار کیا تو مرزا نے ایک دو مرثیئے لکھے اور اسمیں اپنے تخلص کے بجائے بادشاہ کا نام درج کر دیا۔

مرزا نے علی عادلشاہ کے زمانے میں وفات پائی ہے ابراہیم زبیری نے لکھا ہے کہ مرزا محرم میں دسویں شب مجالس عزا میں مرثیہ خوانی کی غلی الصباح طہارت کے لئے باہر نکلے تو انکے کسی دشمن نے خنجر سے شہید کر دیا۔ دن نکلنے کے بعد جب شہر کے علم اور تعزئے نکلے تو انکے پیچھے مرزا کا جنازہ بھی نکالا گیا۔ اور شہر کے باہر شاہ مرتضیٰ قادری کے مقبرے میں انکی لاش سپرد خاک کیگئی۔

منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳۶۰ ریاض السلاطین صفحہ ۴۳۳ گل رعنا صفحہ ۲۷

شعرائے دکن

مغلوں کے عہد حکومت میں

شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ھ) نے پہلے پہل ۹۹۵ھ میں دکن پر حملہ کیا اور اسکے بعد شاہان مغولیہ کی پے بہ پے یورشیں ہونا شروع ہوئیں ۱۰۴۵ھ میں شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ ۱۰۶۹ھ) نے فوج کشی کی اور کئی معرکوں کے بعد احمد نگر پر قبضہ کرلیا۔ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ ۱۱۱۸ھ) اپنے ایام حکمرانی میں ۱۰۹۰ھ سے ۱۰۹۹ھ تک کچھ کم دس برس شاہان دکن کے ساتھ جنگ وجدال میں مصروف رہے ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت پر قبضہ کیا اسکے بعد سلطنت قطب شاہی پر فوج کشی کی اور کامل نو مہینے کی معرکہ آرائی کے بعد ۲۳ ذی القعدہ ۱۰۹۹ھ کو گولکنڈہ فتح ہوا اور اسطرح ان عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ ہوگیا۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعرائے اردو کے ساتھ بیحد مراعات کئے جاتے تھے۔ اور انہیں اپنی تصنیفات کے صلہ میں ہزارہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا امراء وسلاطین دکن کی قدردانیوں نے ان میں یہ مذاق پیدا کیا تھا۔ اسلئے اندیشہ تھا کہ ان حکومتوں کے خاتمہ کے ساتھ اردو شاعری کا بھی خاتمہ ہوجاتا۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا سبب اس کا یہ تھا کہ اس زمانہ میں زبان اردو دکن میں

عموماً اور مسلمانان دکن میں خصوصاً اس قدر عام ہوگئی تھی کہ بات چیت اور لین دین خط وکتابت یہ تمام باتیں الہی زبان میں ہوا کرتی تھیں ایسا شخص شاذ و نادر ہی نکلتا جو فارسی یا کسی اور زبان کو استعمال کرتا تھا۔ زبان اردو کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اردو شعر و شاعری پھیل گئی تھی اور بلا کسی امید صلہ کے تمام ذی استعداد اسکی طرف رجوع ہو گئے تھے اور محض اپنے ذاتی شوق اور رجحان عام کے باعث اسکو اپنا مشغلہ بنا لیا تھا اور ان سلطنتوں کی تباہی کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکا اور یہ مذاق سخن اپنی حالت پر برابر قائم اور برقرار رہا۔

مغولیہ تسلط کے بعد دکن میں جن شعرا نے شہرت حاصل کی ہے اور جن کے نام اور تصنیفات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

عاجز

ان کا نام محمد علی ہے۔ دکن کے باشندے تھے لیکن ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہوا کہ کس شہر کے رہنے والے تھے اور دکن کا کونسا خطہ ان کا وطن تھا۔ دکنی سلطنتوں کی تباہی اور اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات کے زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی تصنیفات سے کتب ذیل موجود ہیں۔

(۱) قصۂ فیروز شاہ۔ منوچہر خاں حاکم مشہد (۱۰۴۲ھ سے ۱۰۷۶ھ) کے عہد میں نثر فارسی میں ایک کتاب محبوب القلوب آئی گئی ہے جس میں

مختلف قصص و حکایات جمع ہیں منجملہ اُنکے ایک قصہ فیروزشاہ کا ہے جسے عاجز نے اُردو میں نظم کیا ہے۔

پروفیسر ولسن کا (جس نے کرنل میکنزی کے مخطوطات مشرقیہ کی فہرست بنائی ہے) بیان ہے کہ فیروزشاہ کے قصہ میں بہت سی باتیں گل بکاؤلی کی داستان سے ملتی جلتی ہیں۔ اس قصہ کا ایک نسخہ جو ۱۱۸۰ھ کا لکھا ہوا ہے انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس سے ثابت ہے کہ عاجز نے اسے ۱۱۸۰ھ سے پہلے تصنیف کیا ہے۔

(۲) قصہ لال و گوہر۔ بنگالہ میں زمرد شاہ اور نگینہ میں جواہر شاہ دو بادشاہ تھے۔ لال زمرد شاہ کا فرزند اور گوہر جواہر شاہ کی دختر تھی اس میں ان دونوں کے عشق و محبت کا فسانہ مذکور ہے یہ فسانہ اندر سبھا کے قصہ سے بہت شباہت رکھتا ہے اور اسکو میر حسین علی عزت نے ٹیپو سلطان کے حکم سے ۱۲۰۲ھ میں بمقام سرنگاپٹم نظم فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور اسکی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

زہجرت یکہزار و صد و ہشتاد کہ بود اثنا عشر بالائے تعداد

قصہ لال و گوہر بمبئی میں چھپ گیا ہے اور عام طور پر ملتا ہے۔ پروفیسر ٹاسی نے بھی اس کا فرانسیسی میں خلاصہ کیا ہے جو اون کی تاریخ میں بطور ضمیمہ شامل ہے ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

الٰہی دے مجھے رنگیں بیانی عطا کر مجکوں یاقوت معانی

(۳) قصہ ملکہ مصر۔ یہ قصہ بھی فارسی نثر میں تھا۔ عاجز نے اسے

دکھنی میں نظم کیا ہے۔ ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

رکھا ہے معلق زمیں آسماں چلاتا ہے یو نت زمیں و زماں

تذکرۂ شعرائے دکن میں لکھا ہے کہ لال و گوہر عارف الدین جاں عاجز کی تصنیف ہے مصنف گل رعنا نے بھی اسی کا اتباع کیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے کیونکہ عارف الدین عاجز کا جو دیوان موجود ہے اور اسمیں ان کا جس قدر کلام ہے وہ سب ایہام اور ذو معنی صنعتوں سے مملو اور فارسی زبان کے اثر سے متاثر ہے۔ برخلاف اس کے لال و گوہر کی زبان بہت صاف و سادہ ہے اور اس کے ساتھ طرز ادا اور طریقہ بیان بھی دکنی ہے اور ان کو باہم مقابلہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مختلف شاعروں کا کلام ہے۔

۱۷۱۷
۸۰۰ و

ٹاسی جلد اول صہ ۱۶۵ اسپرنگر صہ ۵۹۹ اسٹوارٹ صہ ۴۷ ایتھے نمبر ۱ لسان العصر جلد اول نمبر ۵ صہ ۳۷

بحری

دکن کے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے ان کا نام قاضی محمود ہے والد کا نام بحر الدین تھا اور وہ قاضی دریا کے لقب سے مشہور تھے قصبہ گوگی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے ان کا وطن تھا ۱۰۹۰ھ کے قریب اپنے وطن سے بیجاپور چلے گئے تھے اور وہاں سکندر عادل شاہ انکا معتقد ہو گیا تھا انکے دربار میں سال دو سال مقیم رہے

اور جب بیجاپور کی سلطنت ۱۸۹۷ء میں تباہ ہوگئی تو وہاں سے حیدرآباد چلے آئے فارسی اور دکنی زبانوں میں مثنویات، غزلیات، رباعیات اور قصائد کا بہت بڑا ذخیرہ آپنے تصنیف کیا تہاجن کے اشعار پچاس ہزار کے قریب تہی۔ بیجاپور سے حیدرآباد آتے ہوئے راستہ میں رہزنوں نے آپ کا مال واسباب لوٹ لیا اسمیں یہ ذخیرہ بہی تلف ہوگیا۔ قاضی صاحب نے یہ واقعات عروس عرفاں کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں اور انکے خاص الفاظ یہ ہیں۔

"سکندر عادل خاں کہ ختم والیان بیجاپور ست چند سے صحبت ہا اتفاق شدہ بود۔ پیش وے یک دو سال اقامتے میداشتم۔ مثنویات و غزلیات و رباعیات و قصائد وغیرہ در معارف بزبان دکہنی و فارسی قریب پنجاہ ہزار بود۔ بعد انقراض حکومت بیجاپور ہمراہ اسباب بیش تمیت راکہ سکندر عادل خاں بیجاپوری جہت نذ سادہ بحیدرآباد روانہ کردم در راہ قطاع الطریق آن اسباب ہا را تلف نمودند و ہمراہ نیز ذخیرہ کلام ہم تلف شد"

قاضی صاحب نے تصوف میں ایک مثنوی لکہی ہے جسکا نام سحر لگن ہے۔ یہ مثنوی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اسکی وفات سے سات سال پہلے ۱۱۱۲ھ میں تمام ہوئی ہے چنانچہ خاتمہ میں اسکی تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

ہجری تہی یہی کلک برس تھے بارا اُپر ایک سو ہس تھے

بعض مریدوں کی فرمایش سے قاضی صاحب نے من لگن کے مضامین فارسی میں لکھے اور اس کا نام عروس عرفان رکھا یہ کتاب ۱۱۶۲ھ میں تمام ہوئی ہے۔

من لگن میں مشکل اور عسیر الفہم الفاظ کثرت سے آئے ہیں سید شاہ اسمٰعیل بن سید شاہ احمد القادری الملتانی بن سید محمد بن سید نور الحسن الباقری الورنگلی نے نواب شہامت جنگ بہادر کے ایما سے اسکے تمام مشکل و معلق الفاظ کا حل لکھا ہے اور اس کا نام ارت من لگن رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حالات من لگن خاتمہ عروس عرفان و دیباچہ ارت من لگن سے ماخوذ ہیں من لگن مدراس اور بنگلور میں کئی بار چھپی ہے۔ مدراس ۱۳۰۷ھ و ۱۳۱۰ھ بنگلور ۱۳۱۰ھ و ۱۳۳۵ھ

امین

ان کا نام شیخ محمد امین ہے اور اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ انہوں نے یوسف زلیخا کے فسانہ کو دکھنی میں منظوم کیا ہے یہ مثنوی ۱۰۹۹ھ میں ختم ہوئی ہے ضخیم کتاب ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے اسکا جو نسخہ شاہان اودھ کے کتبخانے میں دیکھا ہے۔ اسکے تین سو اوراق ہیں اور اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے

اول تعریف حسن خالق کی لے یار کہ وے دونوں جہاں کا ہے کرن ہار

اسپرنگر ۶۰۱

ولی دکھنی

سید محمد فیاض انکا نام ہے۔ ملا محمد باقر آگاہ نے مراۃ الجنان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ولی اورنگ آباد کا وطن تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں رہے ہیں۔ دکن میں سات گڑھ ایک تاریخی مقام ہے وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہا کرتا تھا۔ ولی عرصہ تک اسکی رفاقت میں رہے پھر وہاں سے نکلکر کڑپہ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبدالمجید خاں تھے انہوں نے ولی کی قدردانی کی اور ملازمت دیکر سدھوٹ میں تعینات کر دیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن پدم کے دیباچہ میں بیان کئے ہیں

حراست خاں امیر ایک نامور تھا — سکونت گاہ اوسکو سات گڑھ تھا
اتھا اوہل درد دنیک اعمال — رفاقت میں اتھا میں اسکے خوشحال
قضا را واں سوں موقتے برخاست — سو آیا میں طرف کڑپہ کے دھر راست
نواب عبدالمجید ابن الحمید ایک — اتھا واں نامور صوبہ سعید ایک
سو او بحر شجاعت پر وانہ لکھہ کر — بسلک نوکراں میں منسلک کر
تئیں کر مجکوں سدھوٹ کو روانہ — کیا او صاحب شیریں زمانہ
سو حسب الحکم میں سدھوٹ کو آیا — رنگا رنگ واں تماشے مینے پایا

ولی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں ملتی ہیں۔

(۱) قصۂ رتن و پدم۔ اس کو ولی نے سدھوٹ میں لکھا ہے اس کا جو نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا اسکے چار سو صفحہ تھے اور جسمیں

کم و بیش چار ہزار ابیات تھے اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

خدایا تو ہے پاک پروردگار نرنکار و آتار و آچھی اتار

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے منجملہ انکے دو مختلف مقام یہ ہیں۔

ولی تیرے کرم کی ہے مجھے آس نکر اُس آس سوں ہرگز تو نیرا ہیں

ولی ہے یوسب خالی بہانا اُسی کا کام ہے دینا دلانا

(۲) روضۃ الشہدا۔ اسمیں ولی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں ضخیم کتاب ہے اور ۱۱۹۱ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

کیا ہوں جب ختم یو درد کا کھا اگیارہ سو پوتہا انیسواں سال

ڈاکٹر ایتھے نے روضۃ الشہدا کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور اس کے مضامین کی فہرست بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔

مجلس اول ۔ ذکر وفات جناب رسالت مآب صلعم

مجلس دوم ذکر وفات سیدۃ النسا جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

مجلس سوم ذکر وفات حضرت امیر المومنین علی ابن ابوطالب کرم اللہ وجہہٗ

مجلس چہارم ذکر خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام

مجلس پنجم ذکر تولد حضرت امام حسین علیہ السلام

مجلس ششم ذکر شہادت فرزندان حضرت مسلمؑ

مجلس ہفتم روانگی حضرت امام حسین از مکہ معظمہ سوئے دشت کربلا۔

مجلس ہشتم - ذکر شہادت محبان و برادران جناب سید الشہدا علیہ السلام
مجلس نہم - ذکر شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام
مجلس دہم - بقیہ حالات شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام

انکے علاوہ ولی نے ایک مناجات بھی لکھی ہے جسکے پچیس بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعہ ہیں جن سے انتخاب کرکے تین بند ہم درج ذیل کرتے ہیں

یا الٰہی تو بحق مصطفےٰ ہو مرتضےٰ — فاطمہ خاتون جنت ہو رشاہِ کربلا
عاقبت تو خیر کرنا عرض ہے میری سدا — یا صاحب عرش بریں منجہ حال پر احساں کرو

یا الٰہی زہد و تقوی میں ہوا منجہ ہاں سوں — کچھہ عبادت ہو ریا میں ہوا منجہ ذات میں سوں
سر بسر ہوں منفعل اس کام ہو رسوا سوں — یا غفور الجرم میں منجہ حال پر احساں کرو

یا الٰہی از طفیل انبیاء ہو اولیاء — غوث اور اقطاب ہیں جتنے جہاں کے اصفیا
آبرو رکھہ دو جہاں میں ہے ولی کی التجا — ہے او بندہ کمتریں منجہ حال پر احساں کرو

اسپرنگر صفحہ ۶۴۱ ا ۔ پتہ نمبر ۱۶۲ دیباچہ مراۃ الجنان صفحہ ۳۰
روضۃ الشہدا بمبئی میں ۱۲۹۱ھ و ۱۲۹۶ھ میں چھپ گئی ہے ۔

وجدی

شیخ وجیہ الدین نام ہے کرنول کے باشندے تھے صوفیانہ مشرب تھا دکنی میں کئی مثنویاں لکھی ہیں۔

(۱) مثنوی باغ جانفزا۔ یہ مثنوی ایک ضخیم مثنوی ہے اور ۱۱۴۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور مصنف نے باغ جانفزا سے اس کی تاریخ نکالی ہے۔ یوہے بیان خاتمہ جی شکر سوں بولیا ہوں میں تاریخ جسکے ختم کا آیا ہے۔ باغ جانفزا دیباچہ میں وجدی نے وجہ تصنیف کو اسطرح بیان کیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنے وطن سے فتح آباد دھارور میں آئے اور اپنے ایک دوست عبدالقدوس کے یہاں مقیم ہوئے۔ عبدالقدوس ایک صوفی منش آدمی تھے اور انکے مرشد شاہ صادق بھی اسی زمانہ میں انکے یہاں آئے ہوئے تھے شاہ صاحب نے برسبیل تذکرہ ایک دلچسپ فسانہ کا ذکر کیا اور وجدی سے نظم دکنی میں ترجمہ کرنے فرمایش کی کچھ عرصہ کے بعد شاہ صاحب دھارور سے اورنگ آباد تشریف لائے اور یہاں سے اس قصہ کو وجدی کے پاس روانہ کیا۔ یہ قصہ نظم فارسی میں تھا لیکن اس میں مصنف کا نام تھا نہ کتاب کے نام کا پتہ چلتا تھا۔

(۲) پنچھی باچھا۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے چنانچہ اس کو خاتمہ میں اسطرح بیان کیا ہے۔

اصل میں یو تھا کلام فارسی اہل معنی کو مشار آرسی

خوشتر ہیں تصنیف شیخ نامدار پیشوائے عارفانِ روزگار
شیخ صاحبدل فریدِ نامور خاص جنکا ہے لقب عطار کر
تھا ولے جوں فارسی میں یو کلام کم سمجھ سکتے تھے اس کو خاص و عام
گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس کاں مجھے اس کے سمجھنے کا قیاس
لیکن اسکے دیکھکر دلچسپ بول یک بیک یوں دل میں آیا کلول
جو موافق فہم اپنے کے ضعیف اس کتاب خاص کا نظم شریف
قصد کر دکنی زباں میں لیکے آؤں تا رہے دنیا منے میرا بھی ناؤں

پروفیسر ٹاسی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۲۴ھ میں اختتام کو پہنچی ہے بیلیو تھیک ڈر مارگن لینڈ مش گیسل شافٹ میں اسکا جو نسخہ ہے اس سے ۱۲۱۵ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن ہم نے اس کے جس قدر قلمی نسخے دیکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۴۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور ان نسخوں کے خاتمے میں تاریخ کا حسب ذیل شعر تحریر ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب

(۳) مثنوی تحفۂ عاشقاں۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی گل و ہرمز کا ترجمہ ہے جو خسرو نامہ یا خسرو و گل بھی کہلاتی ہے۔

قصہ را دیسا مجکوں یک بار کا گل و ہرمز اُس شیخ عطار کا
ہوا شوق پیدا مجھے بعد از اں کہ دکنی زباں میں کروں تن جماں

یہ مثنوی ۱۲۵۳ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں اسکی تاریخ اسطرح مذکور ہے۔

دسے اسکی تاریخ مجکوں عیاں پچھانو اسے تحفۂ عاشقاں۔

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے۔

کروں پاک دل ہو زباں پاک کوں ثنا پاک اس عاشق پاک کوں

ٹاسی جلد دوم ص۲۲۸ فہرست کتبخانہ جرمن اورینٹل سوسائٹی جلد سوم ص۶۷

لسان العصر جلد اول نمبر ۵ ص۴۰

پنجیں باچھا بمبئی اور مدراس میں کئی بار چھپا ہے بمبئی ۱۲۸۰ھ ۱۹ ۱۲۸۰ھ مدراس ۱۲۷۲ھ و ۱۲۸۴ھ بمبئی کے نسخے اصلاح شدہ اور کسیقدر آخر میں کم ہیں مدراس کا ۱۲۷۲ھ کا چھپا ہوا نسخہ نہایت صحیح کامل اور قلمی نسخوں سے مطابق ہے

آزاد

فقیر اللہ نام ہے۔ حیدرآباد کے باشندے تھے۔ فراقی دکنی کے ہمراہ دہلی گئے تھے۔ ولی اورنگ آبادی کے ہمعصر ہیں۔ ولی نے ان کی غزل پر غزل لکھی ہے چنانچہ ایک شعر یہ ہے۔

آزاد سے سُنیا ہوں یہ مصرعہ منسب
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے۔

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں
پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

میر تقی میر ص۱۰۰ میر حسن ص۴۰ گل رعنا ص۸۸

شعرائے اورنگ آباد

اورنگ آباد ۔ دکن کے شمالی خطہ کا ایک مشہور شہر ہے ۔ گیارہویں صدی سے پہلے اسکی حیثیت ایک معمولی قصبہ کی تھی اور کھرکی اس کا نام تھا ۔ شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء) کیسا تھ جب ملک عنبر کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو ملک عنبر نے اس مقام کو اپنا مرکز قرار دیا اس زمانہ سے اسکی رونق بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت پیدا ہوگئی ۔ نظام شاہیوں کی تباہی کے بعد جب بالاگھاٹ پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا تو یہ مقام بھی انکے قبضہ میں آگیا ۔

اورنگ زیب جب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے کھرکی کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اسکا نام اورنگ آباد رکھا[1] اسکے بعد اورنگ زیب کی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں بسر ہوا اور ایک عرصہ تک یہ شہر سلطنت مغولیہ کا مرکز حکومت بنا رہا ۔ اس تقریب سے ہندوستان اور دہلی کے بڑے بڑے امراء اور علماء و مشائخین جن کو شاہی دربار سے کسی قسم کا بھی واسطہ تھا اورنگ آباد چلے آئے قریب قریب اسی زمانہ میں بیجاپور و گولکنڈہ کی سلطنتیں تباہ ہوئیں اور یہاں کے باشندے بھی پریشان و منتشر ہوکر اورنگ آباد کی جانب متوجہ ہوئے ۔ ان اسباب نے کچھ عرصہ کے لئے اورنگ آباد کو اردو شاعری کا

[1] مآثر الکرام دسکرپٹیو جلد دوم صفحہ ۲۰۱

مرکز بنا دیا اور یہاں سے اس عرصہ میں بہت سے اردو گو شعرا پیدا ہوئے جنکے حالات سید عبدالولی عزلت کی بیاض لچھمی نارائن شفیق کے چمنستان شعرا۔ میر بہاء الدین عروج کے بہار و خزاں اور محمد افضل قاقشال کے تحفۃ الشعرا میں تحریر ہیں اور ان سے اخذ کرکے اگر ان شعرا کا تذکرہ لکھا جائے تو خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہم نے بہ نظر اختصار صرف ان شعرا کا حال درج کیا ہے جنھوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

ولی (اورنگ آبادی)

ولی کے نام اور وطن کی نسبت تذکرہ نویسوں نے سخت اختلاف کیا ہے۔ میر حسن دہلوی۔ مرزا علی لطف اور عبدالغفور خاں نساخ نے انکا نام ولی اللہ لکھا ہے۔ نواب علی ابراہیم خاں اور یوسف علی مرشد آبادی کے تذکروں میں شمس ولی اللہ تحریر ہے۔ مولانا آزاد نے اسی قول کی اتباع کی ہے لیکن ان کا صحیح نام جیسا کہ لچھمی نارائن شفیق اور فتح علی گردیزی نے لکھا ہے محمد ولی ہے۔ نواب علی ابراہیم خاں۔ یوسف علی۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ فتح علی گردیزی اور قیام الدین قیام نے ولی کو دکن کا باشندہ بیان کیا ہے میر حسن دہلوی۔ قدرت اللہ قاسم۔ عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے گجرات کو ان کا وطن قرار دیا ہے

اور اس کے ثبوت میں ابراہیم سایانی نے ولی کا حسب ذیل شعر پیش کیا ہے

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور وطن گو اسکا گجرات و دکن ہے

لیکن حقیقت میں یہ شعر اسطرح پر صحیح ہے۔

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

لچھمی نارائن شفیق اور میر تقی میر نے بیان کیا ہے کہ اورنگ آباد ان کا وطن ہے۔ اور شفیق نے نہایت شد و مد کے ساتھ ان کے گجراتی ہونے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ:۔

"مردماں نسبت او بہ گجرات دادند غلط محض است"

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ولی شیخ وجیہ الدین گجراتی کی اولاد سے ہیں لیکن اسکی کوئی تاریخی سند نہیں بیان کی ہے۔ برخلاف اس کے لچھمی نارائن شفیق کا بیان ہے کہ ولی نے گجرات میں آکر شیخ وجیہ الدین گجراتی کی درگاہ میں علم کی تحصیل کی۔ وہاں سے سورت گئے سورت سے بیت اللہ کا سفر کیا اور وہاں سے واپس آکر احمد آباد میں فوت ہوئے۔ لوگوں نے نیلی گنبد میں دریا کی گنبد کے قریب مدفون کیا۔

اکثر تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ ولی نے دہلی کا بھی سفر کیا تھا۔ لیکن یہ سفر کس عہد میں واقع ہوا تھا اسمیں اختلاف ہے مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا اس کو عہد محمد شاہ کا واقعہ بیان کرتے

لیکن ان کے یہاں اسکی کوئی سند نہیں ہے برخلاف اس کے قدیم تذکروں سے ولی کا عالمگیر کے عہد میں دہلی آنا ثابت ہوتا ہے اور میر حسن دہلوی - نواب علی ابراہیم خاں - یوسف علی ہر شاد آبادی مرزا علی لطف اور عبدالغفور خاں نساخ نے اسکو نہایت وثوق کیساتھ لکھا ہے

میر تقی میر کا بیان ہے کہ

"در شاہ جہاں آباد دہلی نیز آمدہ بود و بخدمت میاں گلشن رفت و ازا شعار خود پارہ خواند - میا نصاحب فرمودند ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بکار افتادہ اند در ریختہ بکار ببیرا از تو کہ معاصبہ خواہد گرفت"

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولی اُس زمانہ میں دہلی آئے ہیں جب شاہ گلشن وہاں موجود تھے سرخوش نے ۱۰۹۳ھ میں اپنا تذکرہ لکھا ہے اسکے مرتب ہونے سے تین چار سال پہلے ۱۰۸۹ھ یا ۱۰۹۰ھ کے قریب شاہ گلشن - دہلی میں وارد ہوئے اور اس اعتبار سے ولی کے دہلی میں آنے کا زمانہ ۱۰۸۹ھ یا ۱۰۹۰ھ کے بعد قرار پاتا ہے۔ دکن ولی کا سنہ وفات فرہنگ آصفیہ میں ۱۱۱۸ھ اور تذکرہ شعرائے میں ۱۱۵۵ھ تحریر ہے ان میں آخر الذکر تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہم نے دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے جو ۲۰ جمادی الاول ۱۱۴۳ھ میں بمقام احمد آباد مکتوب ہوا ہے اور اسکے خاتمہ پر تحریر ہے "تمام شد دیوان ولی رحمۃ اللہ علیہ" اور اس جملہ سے ثابت ہے کہ ولی نے ۱۱۴۳ھ سے پہلے

وفات پائی ہے۔

مولانا آزاد اور مصنف گلِ رعنا کا بیان ہے کہ ولی نے دیوان کے علاوہ تصوف میں بھی ایک رسالہ نور المعرفت لکھا ہے لیکن وہ ناپید ہوگیا ہے۔ اس وقت صرف دیوان ملتا ہے جسمیں زیادہ حصہ غزلیات کا ہے آخر میں پنج مستزاد، مخمس، ترجیع بند، اور دو تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ پروفیسر ٹاسی نے دیوان کو ۱۸۴۴ء میں بمقام پیرس نہایت اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اسکے بعد ۱۸۷۸ء میں بمقام لکھنؤ منشی نولکشور میں چھپا۔ قریب قریب اسی زمانہ میں اسکا ایک اور ایڈیشن بمبئی میں شایع ہوا لیکن یہ سب ایڈیشن اس وقت کمیاب ہیں حال میں ابراہیم سایانی نے جو دکن کالج پونہ میں فارسی کے اسسٹنٹ لکچرار ہیں اس دیوان کو دہلی میں چھپوا کر شایع کیا ہے اور اسکی ابتدا میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جسمیں ولی کے حالات اور اسکی شاعری پر تبصرہ تحریر ہے۔

تذکرہ شعرائے دکن اور گل رعنا کے مصنفین نے روضۃ الشہدا کو ولی اورنگ آبادی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ ولی دکھنی کی تصنیف ہے اور اس کا تذکرہ ہم نے اس سے پیشتر تحریر کر دیا ہے۔

صہ ۹۴

ٹاسی جلد سوم صہ ۲۸۱ تذکرہ یوسف علی مرشد آبادی (اسیر نگر صہ ۲۸۶ میر تقی میر صہ ۲۰۴ سخن شعرا صہ ۵۵۶ گلشن ہند صہ ۱۷۵ گلشن بیخار صہ ۲۳۷ گلستان سخن ۲۸۱ تذکرہ شعرائے دکن صہ ۱۱۲۴ گل رعنا صہ ۹۲ آب حیات صہ ۸۰ چمنستان شعرا نسخہ قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ۔

داؤد

مرزا داؤد نام اور اورنگ آباد وطن ہے ولی کے معاصر ہیں ۱۱۶۸ھ میں انتقال کیا ہے۔ لچھمی نارائن شفیق نے انکے حالات اپنے تذکرہ میں انکے فرزند مرزا جمال اللہ عشق کی زبانی لکھے ہیں اور وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے جس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

گو برفتہ میرزا داؤد فانی از جہاں

انکا ایک چھوٹا سا دیوان ہماری نظر سے گزرا ہے جسمیں کم و بیش پچھتر اشعار ہیں جن سے انتخاب کر کے ہم ذیل میں تین شعر نقل کرتے ہیں۔

اس صنم کے خیال ابرو نے ناتواں مجکو جوں ہلال کیا

مرا احوال چشم یار سے پوچھ حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

چاندنی کی سیر کو کر طرح نکلے وہ صنم دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آیا نہیں

۴۲۶

میر تقی ص ۱۱۱ سخن شعرا ص ۱۵۷ گل رعنا ص ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن

سراج

سید سراج الدین نام ہے اورنگ آباد کے مشائخین سے تھے ۱۱۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ میر تقی اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں لکھا ہے کہ سید حمزہ دکنی کے شاگرد تھے لیکن جو تذکرے اہل اہل اور نگ نے لکھے ہیں ان میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ خود آزاد نے اسکا کہیں ذکر کیا ہے۔

سراج نے اردو اور فارسی کے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں جسمیں غزل، قصیدے، رباعی، مستزاد، مخمس، واسوخت، جملہ اصناف سخن موجود ہیں بوستان خیال کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو ۱۱۷۳ھ میں تمام ہوئی ہے اسکے علاوہ اپنے دواوین کا ایک انتخاب ۱۱۵۱ھ میں مرتب کیا ہے۔ یہ انتخاب جب تمام ہوا ہے تو انکی عمر ۲۴ سال کی تھی اور اس حساب سے ۱۱۲۷ھ ان کا سن ولادت ثابت ہوتا ہے۔ سراج نے ایک غزل میں منتخب دیوان کی تاریخ و ترتیب اور عمر کو اسطرح بیان کیا ہے۔

جب کیا جزو پریشان سخن شیرازہ بند — تھے برس چوبیس میری عمر بے بنیاد کے
سال ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و یک — واقف علم لدنی صاحب ارشاد کے
اے سراج اس منتخب دیوان کے سب ریختے — خامہ مژگان جوباسین ہیں قبائل صاد کے

میر حسن ۱۰۳ میر تقی ص ۱۰۱ گل رعنا ص ۹۰ سخن شعرا ص ۱۳۱ تذکرہ شعرائے دکن ص ۲۰۲ ۔ لسان العصر جلد اول نمبر ۵ ص ۳۳

دہلی میں زبانِ اُردو

اُردو زبان دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حاصل کرلی تھی اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہوگیا تھا بخلاف اسکے ہندوستان میں بارہویں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض بات چیت اور لین دین تک محدود تھی مولانا جمالی[1] ملانوری[2] اور شیخ سعدی[3] وغیرہ نے اگرچہ کہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھے فارسی اور آدھے اُردو میں ہیں لیکن یہ باقاعدہ اور علمی شاعری نہ تھی۔ اسلئے اُسے ہم اُردو شاعری کا سنگ بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

شاہ جہان بادشاہ (۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء) کا عہد اُردو کے لئے مبارک عہد تھا۔ اس عہد میں اُردو زبان بات چیت سے گزر کر خط و کتابت تک ترقی کرچکی تھی۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی ضرورت کے وقت اس میں خط و کتابت کیا کرتے تھے جس زمانہ میں شجاع اور اورنگ زیب برسرِ پیکار تھے تو شاہ جہاں نے ایک شقہ شجاع کو لکھا۔ یہ شقہ کسی طرح اورنگزیب

---

[1] مولانا جمالی۔ شہنشاہ بابر کے معاصر ہے ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ دہلی میں انکا مزار ہے۔

[2] ملانوری اعظم پور کے باشندے تھے۔ اکبر کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ملا فیضی سے نہایتا تحاد رکھتے تھے۔ میر حسن نے انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔ جو آدھا اُردو اور آدھا فارسی ہے۔

ہر کس کو خیانت کند البتہ بترسد بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

[3] شیخ سعدی۔ ان کے لئے ضمیمہ اول ملاحظہ کیجیے۔

کو ملگیا اور اسکی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جسمیں لکھتا ہے۔

آں فرمانِ عالی کہ در زبان ہندی از دستخط خاص رقمی فرمودہ شاہد ایں معانی است [1]

عالمگیر اورنگ زیب (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ) کے رقعات فارسی میں ہیں لیکن اُن میں کثرت سے اردو الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً

"ارسال ڈالی بنبہ بہ تلافی مافات کوشند"

"دریں ضمن کرپی کچکڑہ نیز بہ نظر گذشت"

"مزہ کھچڑی بریانی شما در زمستاں یاد می آید"

"وچار گھڑی روزمانہ باز دیوان عام می فرمودند"

"شما دیانہ فتح ہوز ازند و حرف ایام طفولیت یاد دارند کہ باباجی دہوں دہوں"

اس زمانہ میں دربار و اہل دربار کی زبان فارسی تھی سلطنت کا دفتر فارسی میں تھا تصنیف و تالیف خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی تھی۔ باوجود اسکے شاہ جہاں کا اُردو میں شعر لکھنا اور عالمگیر کا اپنے رقعات میں اُردو الفاظ استعمال کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اُردو زبان اس زمانہ میں ملک کی عام زبان ہوگئی تھی۔ بازار سے شاہی محلات تک خاص و عام اسکو بولتے اور سمجھتے تھے۔

قریب قریب اسی زمانے میں اہل ہندوستان کو اردو لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا الا عبدالواسع ہانسوی

[1] عالمگیر کی یہ عرضداشت دستور العمل گجرات میں موجود ہے۔ ۱۲

نے (جنکی قواعد فارسی اور گلستان بوستان کی شرحیں نہایت مشہور ہیں) عالمگیر کے زمانہ میں اُردو ہندی الفاظ کا ایک لغت مدون کیا اور اُس کا نام غرائب اللغات رکھا الفاظ کے معنی فارسی میں لکھے۔ ایک عرصہ کے بعد سراج الدین علیخاں آرزو المتوفی ۱۱۶۹ھ نے اس کی نظر ثانی کی۔ بہت سے الفاظ اور معنی اضافہ کئے غلطیاں درست کیں اور اُسے نوادر الالفاظ کے نام سے موسوم کیا۔ [۱]

عالمگیر کے زمانہ سے دلی میں اُردو شعر گوئی نے رواج پایا اور اس سے [۲] انتساب سے پہلے فارسی شعرا نے توجہ کی موسوی خان فطرت [۲] مرزا عبدالقادر بیدل [۳]۔ مرزا عبدالغنی قبول [۴] وغیرہ وغیرہ فارسی کے نامور شاعر تھے لیکن کبھی کبھی تفریح خاطر اور تفنن طبع کے لئے اردو

---

[۱] ریو جلد دوم صفحہ ۵۰۱ جلد سوم صفحہ ۹۹۷ و صفحہ ۱۰۳۱ و صفحہ ۱۰۶۰

[۲] میرزا مغرالدین محمد موسوی خاں فطرت۔ مشہد مقدس انکا وطن ہے ۱۰۸۲ھ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے۔ عالمگیر کے امرا میں انکا شمار ہوتا ہے۔ فارسی کے نامور شاعر ہیں ۱۱۰۱ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۶۳۳ خزانہ عامرہ صفحہ ۴۲۹ سرو آزاد صفحہ ۱۲۶ نتائج الافکار صفحہ ۳۹۵

[۳] میرزا عبدالقادر بیدل۔ عظیم آباد پٹنہ ان کا وطن ہے۔ شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے ۱۱۳۳ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد صفحہ ۱۴۸ نتائج الافکار صفحہ ۷۵) میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں انکے دو شعر نقل کئے ہیں۔

مت پوچھ دل کی باتیں مرجع دل کہاں ہے ہم میں — اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آشیاں پر عشق آکر کیا بسیرا — پوچھے ہے اب یہ یارو بلبل کہاں ہے ہم میں

[۴] میرزا عبدالغنی قبول۔ کشمیر ان کا وطن ہے شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے مرزا جوہا کے شاگرد میں ۱۱۳۹ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد صفحہ ۱۹۷) نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔

دل یوں خیال زلف میں تیرا ہے نعرہ زن — تاریک شب میں جیسے کرے پاسباں پہرے

میں بھی دو چار شعر لکھ لیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصہ تک یہ ہی کیفیت رہی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جلوس کے دوسرے سال ۱۱۳۳ھ میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا۔ اہل دہلی نے اسکی خوب قدر کی۔ اس قبولیت عام کو دیکھا تو بہت سے اشخاص شعر گوئی کی جانب متوجہ ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے پایۂ تخت میں شعرائے اردو کا گروہ کثیر پیدا ہو گیا۔ منجملہ انکے جن شعرا نے شہرت حاصل کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

شاہ مبارک آبرو۔ ان کا نام نجم الدین ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیری کی اولاد سے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے ایام حکومت میں بمقام شاہجہان آباد ان کا انتقال ہوا ہے۔[۲]

شیخ شرف الدین مضمون۔ آگرہ کے علاقہ میں بمقام باج موانی ولادت ہوئی ہے۔ زمانہ شباب میں آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے زینت المساجد میں رہا کرتے تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کی اولاد سے ہیں۔[۳]

محمد شاکر ناجی۔ شاہ جہان آباد کے باشندے اور نواب عمدۃ الملک محمد امیر خاں کے متوسل تھے۔ شاہ مبارک آبرو کے معاصر تھے۔ ۱۱۶۸ھ میں انکا انتقال ہوا ہے۔[۴]

---

[۱] رسالۂ تحقیق زبان یکجہ ص۱
[۲] میر تقی ص۴ میر حسن ص۲۳ گلشن ہند ص۲۵ گلشن بیخار ص۶ سخن شعرا ص۵
[۳] میر تقی ص۱۰ میر حسن ص۱۶۹ گلشن ہند ص۱۶۰ گلشن بیخار ص۱۸ سخن شعرا ص۲۴۴
[۴] میر تقی ص۲۲ میر حسن ص۱۹۹ گلشن ہند ص۱۷۲ گلشن بیخار ص۲۰ سخن شعرا ص۵۸۵

مصطفےٰ قلی خان بیرنگ ۔ شاہ جہان آباد ان کا وطن تھا خان جہاں خاں لودہی کے نبیرے اور محمد شاہ بادشاہ کے درباری منصبدار تھے ۔ دہلی میں انکا انتقال ہوا ہے[1]۔

شیخ ظہور الدین حاتم شاہ جہاں آباد انکا وطن تھا ۔ عمدۃ الملک نواب امیر خاں کے مصاحب اور مرزا سودا کے اُستاد تھے انکے دو دیوان ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید زبان میں ۱۱۹۶ھ میں بمقام دہلی انکا انتقال ہوا ہے[2]

اشرف علیخاں فغاں ۔ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور مرزا علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے ۔ احمد شاہ درّانی کی فوج کشی کے بعد دہلی سے عظیم آباد چلے آئے اور یہاں راجہ شتاب رائے کی مصاحبت اختیار کر لی ۱۱۶۰ھ میں بمقام عظیم آباد انتقال کیا[3]

یہ شعرا دور اول کے تھے اس کے بعد دور ثانی شروع ہوتا ہے ۔ اس دور کے نامور شعرا میں مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۹۵ھ) مرزا سودا (۱۱۹۵ھ) میر تقی میر (۱۲۲۵ھ) خواجہ میر درد (۱۱۹۹ھ) میر سوز (۱۲۱۳ھ) قیام الدین قایم (۱۲۱۰ھ) انعام اللہ خاں یقین احسن اللہ خاں بیان (۱۲۱۳ھ) وغیرہ نے شہرت و ناموری حاصل کی ہے ۔

---

[1] میر تقی ص۱۰۰ میر حسن ص۲۱۷ گلشن ہند ص۱۹۵ گلشن بیخار ص۲۲۴ سخن شعرا ص۵۰

[2] میر تقی ص۹۰ میر حسن ص۲۰۵ گلشن ہند ص۸۱ سخن شعرا ص۱۲۰

[3] میر تقی ص۷۰ میر حسن ص۱۴۲ گلشن ہند ص۱۳۰ سخن شعرا ص۳۸۹

نثر اُردُو

آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قریباً تیس سال پہلے دکن میں نثر اُردو کی ابتدا ہو چکی تھی شیخ عین الدین گنج العلم المتوفی ۷۹۵ھ کے رسالے[1] خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ کا رسالہ معراج العاشقین[2] نشاط العشق کا ترجمہ یہ سب آٹھویں اور نویں صدی کے درمیانی زمانہ میں تصنیف ہوئے ہیں اور ان سے نثر اُردو کی قدامت کافی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

شیخ عین الدینؒ کے رسالے مذہبی احکام و مسائل کے متعلق ہیں اور ان کا ایک مجموعہ قلعۂ سینٹ جارج کی کالج لائبریری میں موجود تھا[3]

مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے نے معراج العاشقین[4] کی تصحیح کی ہے اور اس پر ایک فاضلانہ دیباچہ بھی لکھا ہے[5]۔ یہ کتابابی

شیخ عین الدین گنج العلم کے رسالے

شقین تصحیح معراج العاشقین

---

[1] مضمون ہذا ص ۴۳

[2] مضمون ہذا ص ۴۴

[3] مضمون ہذا ص ۴۴

[4] [5] معراج العاشقین کا دیباچہ تاج پریس میں چھپا ہے اور تاج کے اسی نمبر میں شایع ہوا ہے۔

نہیں ہے بلکہ تصوف کی کتاب ہے۔ تاہم اس سے اُس زمانے کی زبان کا تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے۔

میراں جی شمس العشاق

شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں آپ خواجہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحب نے شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل کی تھی شیخ جمال الدین۔ خواجہ بندہ نواز کے خلفا سے تھے مرزا فصیح الدین خاکسار المعروف بہ بابا بجھل جو تصوف اور شعر و سخن میں سرآمد روزگار اور دکن کے امیر خسرو تھے۔ آپ ہی کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ہیں[1]

حضرت میراں جی نے نثر اردو میں کئی رسالے لکھے ہیں اور اون میں تصوف کے اسرار و نکات بیان کئے ہیں۔ منجملہ ان کے دو رسالے ہمنے بھی دیکھے ہیں ایک کا نام خل ترنگ اور دوسرے کا گل باس ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں اور شاہ صاحب نے ان میں تصوف کے بعض دقیق مسائل تمثیل کے پیرائے میں بیان کئے ہیں۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں ایک بزرگ مولانا وجہی گزرے ہیں۔ انکی سکونت گولکنڈہ میں تھی اور شاہی دربار سے بھی تعلق تھا سنہ ۱۰۴۵ھ میں انہوں نے ایک کتاب سب رس کے نام سے نثر اردو میں لکھی ہے اسکی عبارت اول سے آخر تک مسجع و مقفیٰ ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولانا وجہی نے اسکے لکھنے میں ملا ظہوری

[1] روضۃ الاولیائے بیجاپور صـ ۱۲۱ و تاریخ خورشید جاہی صـ ۱۸۳

کی سہ نثر کی تتبع کی ہے۔ جو ابراہیم عادلشاہ ثانی کے نورس نامہ پر بطور دیباچہ لکھے گئے ہیں۔

سب رس کی بنیاد ایک فارسی کتاب پر رکھی گئی ہے۔ حسن و دل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا افسانہ ہے۔ اسکے ضمن میں مولانا وجہی نے اخلاق و تصوف اور پند و موعظت کے بہت نکات بیان کئے ہیں۔ جسکے باعث یہ ایک ضخیم کتاب ہوگئی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب بی اے۔ نے سب رس کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہے اور اسمیں کتاب کے مصنف، مضامین، زبان اور دیگر متعلقات پر خوب بحث کی ہے۔ یہ مضمون اکٹوبر ۱۹۲۴ء کے رسالہ انجمن ترقی اردو میں شایع ہوا ہے۔

حسن و دل کے افسانہ کو ذوقی اور مجرمی نے اردو میں منظوم کیا ہے۔ یہ دونوں شاعر دکھنی ہیں اور مولانا وجہی کے بعد گزرے ہیں مولوی عبدالحق صاحب بی اے نے انکی نسبت بھی ایک مضمون لکھا ہے جو جولائی ۱۹۲۵ء کے رسالہ انجمن ترقی اردو میں شایع ہوگا۔

شیخ برہان الدین غریب حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفائے عظام سے ہیں۔ آپ اپنے مرشد کے حکم سے سات سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر دولت آباد میں سکونت اختیار کی اور اسی جگہ ۱۲ صفر ۷۳۸ھ کو انتقال فرمایا۔[1]

[1] مراۃ الاسرار

آپ کے مریدوں میں شیخ رکن الدین بن عماد کاشانی ایک مشہور مصنف گزرے ہیں انہوں نے ایک کتاب میں اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اسکا نام نفایس الانفاس رکھا ہے اسکے علاوہ ایک ضخیم کتاب شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیاء کے نام سے لکھی ہے[1] اسکے مضامین عربی فارسی کی سو سے زیادہ کتابوں سے ماخوذ ہیں اور انہیں چار اقسام کے تحت میں بیان کیا ہے۔

۱۰۰۰ھ کے بعد یا سلطنت قطب شاہی کے انقراض (۱۰۹۸ھ) سے دس پندرہ سال پہلے ایک دکھنی بزرگ میراں یعقوب نے اسکا ترجمہ زبان دکھنی میں کیا ہے[2] یہ ترجمہ نہایت صاف و سادہ زبان میں ہے مترجم نے کتاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے۔ مضامین اور ان کی تقسیم اصل کے بالکل مطابق ہے۔

مصنف نے کتاب کے مضامین چار اقسام پر تقسیم کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا قسم - طریقت کے لوگاں کے احوال، اور سالکاں کے مقاماں اور مریداں اور طالباں کے طلباں، اور اسکے عجائبات، اور باریکیاں کی کی شرح میں بیاں کیا گیا ہے۔

دوسرا قسم حقیقت کے لوگاں یعنے پیغمبراں، اور خاص الخاص ولیاں کے بیان میں۔

---

[1] شمائل الاتقیاء کے لئے دیکھئے ایتھے نمبر (۱۸۳۶)

[2] یہ ترجمہ کتب خانہ آصفیہ میں فن تصوف کے نمبر (۳ ۶۶) پر موجود ہے۔ ۱۲

تیسرا قسم - خدا کے پانچو وجود، ہور ذات کی چگونگی کا، ہور ازل، ہور ابدالاباد کے بیان کا، ہور امر، ہور حکم، ہور قضا، ہور قدر کے نازکیاں کا ہور محمد کے جنس جنس کے لوازماں کا بیان۔

چوتھا قسم - مہتر آدم کی پیدایش کا، ہور صفتاں کا، ہور دنیا کے بیڑیاں کا، ہور گنہگار بندگان امیدواران ہور اینو کے میں خدا کے عنایات کا بیان۔

رائے چور میں جسکا نام عالمگیر نے فیروز نگر رکھا ہے[1] ایک خاندان نوردریا کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے مورث اعلیٰ **شاہ محمد قادری**[2] بیجاپور کے باشندے اور **شیخ امین الدین اعلیٰ**[3] المتوفی ۱۰۸۵ھ کے خلیفہ تھے عالمگیر کے زمانے میں گزرے ہیں آپ نے زبان دکنی میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں منجملہ انکے ایک مجموعہ میں ہم نے آپ کے دو رسالے دیکھے ہیں۔ جن میں مسائل وحدۃ الوجود اور قضا و قدر پر بحث ہے۔

قریب قریب اسی زمانہ میں ایک بزرگ سید شاہ میر نام قصبہ راجوتی میں گزرے ہیں۔ آپنے بھی ایک رسالہ مسائل توحید کی نسبت لکھا ہے اور اسکا نام اسرار التوحید رکھا ہے[4]

---

[1] ماثر عالمگیری ص ۳۳۲

[2] تذکرہ اولیائے دکھن ص ۱۰۰

[3] شیخ امین الدین اعلیٰ کے حالات کے دیکھئے مضمون ہذا ص ۱۱۲

[4] یہ رسالہ مدیر تاج کے مکتب خانے میں موجود ہے ۱۲۰

یہ مختصر گزشت ہے اُن تصنیفات کی جو نثر اردو میں گیارہویں صدی کے خاتمہ تک دکن میں لکھی گئی ہیں۔ اسکے بعد کا زمانہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اسلئے اُن تصنیفات کے حالات کو ہم قلم انداز کرتے ہیں جو بارہویں صدی میں تصنیف ہوئی ہیں۔ تاہم اسقدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بہ نسبت عہد سابق کے بہت زیادہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں لیکن ان میں ادبی کتابیں ایک دو سے زیادہ نہیں اور باقی جسقدر ہیں وہ سب تصوف اور مسائل دین سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا بارہویں صدی سے شروع ہوئی ہے اور سب سے پہلی کتاب جو نثر اردو میں لکھی گئی ہے وہ مولانا فضلی کی وہ مجلس ہے۔ یہ کتاب ۱۱۴۵ھ میں تمام ہوئی ہے[1] اسکے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ کیا[2]۔ قریب قریب اسی زمانہ میں عطا حسین تحسین نے نوطرز مرصع لکھی[3]۔ یہ سب اُردو کی ابتدائی کتابیں ہیں۔

انہیں ایام میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قایم ہوا اور انگریزوں کو اُردو سکھانے کے لئے ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے نثر اردو میں متعدد کتابیں لکھوائیں[4] اسکے بعد نثر نویسی کو رواج عام حاصل ہو گیا۔

---

[1] آبحیات صفحہ ۲۱۰

[2] گلشن ہند صفحہ ۱۴۵

[3] تذکرہ خوشنویساں صفحہ ۱۲۸ یہ کتاب شجاع الدولہ بہادر (۱۱۶۶ھ تا ۱۲۰۸ھ) کے زمانہ میں تمام ہوئی ہے اسی لئے اردو کی تحریر کا

[4] فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرسٹ کی فرمایش سے نثر اردو میں جسقدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان کی مفصل کیفیت مضامین ذیل میں دیکھئے۔ (۱) باغ و بہار مصنفہ میر امن صفحہ ۱۳۶ تا صفحہ ۱۴۲ (۲) گلکرسٹ صفحہ ۱۴۲ تا صفحہ ۱۴۳ (۳) گلشن ہند مصنفہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے صفحہ ۱۴۵ تا صفحہ ۱۴۶ (۴) اردو زبان اور اہل یورپ نوشتہ مولوی عبدالحق بی اے مندرجہ رسالہ انجمن ترقی اردو بابتہ جولائی ۱۹۲۴ء از صفحہ ۱۹۹ تا صفحہ ۲۰۰

ضمیمۂ اوّل

شیخ سعدی

متعلقہ صفحہ (۱۰۲)

اُردو کے شعرائے قدیم میں ایک بزرگ شیخ سعدی گزرے ہیں تذکرہ نویسوں نے انکے نام سے ابیات ذیل نقل کئے ہیں[1]

قصہ چو دیدم بر خرش گفتم کہ یہ کیا ریتی ہے	گفتا ورائے باورے اس ملک کی یہ ریتی ہے
لے مرداں شہر شما - کتنی برکی یہ ریتی ہے	ہے ہے نہ پرسد کے پردیسیا مارتی ہے
ہمنامتن کو دل دیا تم دل لیا اور دیکھ دیا	ہم یہ کیا، تم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
دونین کی کھٹ کپیں، رو رو بجوں دل کو لیا	پیش سگ کریت دھوں پیاسا نہ جا میت ہے
سعدی طرح انگیختہ شیرو شکر آمیختہ	در ریختہ، در ریختہ ہم سر ہے ہم گیت ہے

بعض تذکرہ نویسوں نے ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی سے منسوب کیا ہی چنانچہ قائم چاندپوری اپنے تذکرہ مخزن نکات میں لکھتے ہیں۔

" اتفاقاً بعضے از موزونین بیان مے کردند کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس اللہ روحہ در ہنگام سیر و سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند و مجادلت سومنات چنانکہ در نسخۂ بوستان خودش ایائے بر آن فرمودہ اند کردند و لختے بر زبان ایں دیار وقوف یافتہ یک دو بیت ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد بر سبیل تفنن بقید نظم آوردہ بعد ازاں حضرت امیر خسرو بر ہماں نہاد طرح و لغزائے بسیار بکار بردند چنانچہ سلیقہ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویاں حال است و از عبارات تمیز کنندگان مالا مال - لیکن بپاس طبیعت مشتاقان ہر جنس سخن دو سہ چار بیت ازاں ابیات تبرکاً و تیمناً دریں مقام قلمی میگردد و ازآثار و احوال ایں ہر دو بندگ و ایچہ نویسد کہ مورخان سلف در کتب تاریخ متداول ضبط نمودہ اند و اظہر من الشمس و ابین من الامس است"

[1] یہ اشعار نکات الشعرا اور مخزن نکات سے منقول ہیں۔ ۱۲

بعض تذکرہ نویسوں کی رائے میں سعدی ریختہ گو سعدی شیرازی کے علاوہ ہیں اور انہیں دکن کا باشندہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی کا بیان ہے۔

"سعدی دکھنی اگرچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطاست"

میر فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

"سعدی دکھنی از شعرائے قرار دادہ دکن است و آنکہ بعضے آنرا بہ سبب تماد تخلص مغالطہ افتادہ ریختہ ہائے سعدی دکھنی را از عدم اعتنا و قلت تتبع بنام سعدی شیرازی مرقوم ساختہ اند ناشی از جہل و تسفہ است"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی ریختہ گو نہ تو سعدی شیرازی ہیں اور نہ انہیں دکن سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ ہندوستان شمالی کے باشندے ہیں۔ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے ۱۰۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے ملا نظام الدین احمد کا بیان ہے کہ کاکوری کے رہنے والے تھے[1] بنجھا ورخاں نے لکھا ہے کہ:-

"طبع موزوں داشتے و بزبان فارسی و ہندی شعرے نیکو گفتے" (ص ۲۸۶)

ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں

"از مشائخ عظام است خلافت از پدر بزرگوار خویش شیخ محمد مرحوم داشتہ و شیخ محمد شرحے فارسی بر شاطبیہ نوشتہ قریب بہفتاد جزو۔ و خلف صدق شیخ سعدی صاحب وجد و حال قوی بود و ظاہر و باطن مصفا داشت و دائم منبسط و متشرع بود و خوش وقت و آزاد زیستے۔ بیکے از احباب در رقعہ مرقوم نوشتہ بود:-

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

وفاتش در ۱۰۰۲ھ اثنی و الف بود"

---

[1] نفحات اکبری ص ۳۹۵

ضمیمۂ دوم

طوطی نامہ[1]

متعلقہ صفحہ ۵۶ و ۶۰

شکاسپتتی نام سنسکرت میں ایک کتاب ہے جسکے معنے ہیں "طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں" مولانا ضیاء الدین نخشبی نے ان ستر کہانیوں سے بارہ کہانیاں انتخاب کرکے فارسی میں انکا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۷۳۰ھ میں تمام ہوا۔

اسکی زبان چونکہ نہایت مشکل و مغلق تھی اسلئے فارسی میں اسکے متعدد خلاصے لکھے گئے علاوہ ازیں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی ہوا۔ چنانچہ اسکی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مولانا نخشبی کی کتاب کے خلاصے

(۱) شیخ ابوالفضل علامی نے دسویں صدی کے وسط میں سلیس و آسان فارسی میں اسکا خلاصہ کیا۔

(۲) ملا سید محمد قادری نے مولانا نخشبی کی بارہ حکایات سے پینتیس حکایات

---

[1] یہ خلاصہ ہے ہمارے ایک مضمون کا جو رسالہ مخزن بابتہ جولائی ۱۹۱۰ء میں طوطا کہانی کے عنوان سے شایع ہوا ہے اور جس میں ہم نے طوطی نامہ کی اہمیت اور اسکے مختلف تراجم کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔

[2] مولانا ضیاء الدین نخشبی بہت بڑے عالم اور فارسی کے بلند پایہ مصنف گذرے ہیں بدایوں کے رہنے والے تھے ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے۔ طوطی نامہ کے علاوہ سلک السلوک عشرۂ مبشرہ اور جزئیات انکی مشہور و مقبول عام تصنیفات ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں انکا تذکرہ لکھا ہے۔

انتخاب کرکے انہیں گیارہویں صدی میں شرفا کی روزمرہ فارسی میں لکھا۔

یہ خلاصے بھی طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پہلا ناپایا ہے دوسرا ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں اور ۱۸۱۴ء میں لندن میں چھپا ہے اسکے بعد بمبئی سے اسکے کئی ایڈیشن شایع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتا ہے

مولانا نخشبی کی کتاب کے تراجم

(۱) ترکی زبان میں بعہد سلطان سلیمان اعظم ۹۴۶ھ ۱۵۳۹ء شیخ عبداللہ صاری نے ترجمہ کیا جو ۱۰۵۲ھ میں بولاق میں اور ۱۲۷۳ھ میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے۔ جارج راسین George Rosen نے اس ترکی ترجمہ کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۵۸ء میں لیپزگ میں طبع ہوا ہے۔

(۲) دکھنی زبان میں دو ترجمے ہوئے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔

(۱) ترجمہ عواصی کا ہے جو ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے۔ اسکا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اُردو کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ترجمہ ابن نشاطی نے ۱۰۶۶ھ میں کیا ہے۔

(۳) انگریزی میں جبرانس Gairans نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۷۹۲ء میں لندن میں چھپا ہے

ملا سید محمد قادری کی کتاب کے تراجم

(۱) دکھنی میں ۱۱۴۲ھ میں ترجمہ ہوا۔ مترجم کا نام معلوم نہیں اسکا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتبخانہ میں موجود ہے

(۲) اُردو میں سید حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمایش سے ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء میں ترجمہ کیا اور طوطا کہانی نام رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر فارب کے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے۔ ہندوستان میں اسکے بیشمار ایڈیشن شایع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتی ہے

(۳) انگریزی میں گلاڈوین Gladwin نے ترجمہ کیا ہے جو فارسی سے کیا تھا ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں چھپا ہے

(۴) جرمن میں پروفیسر ایکن Ixen نے ترجمہ کیا جو ۱۸۲۲ء میں اسٹاگرٹ میں طبع ہوا ہے

ریویو ۱۹۲۲ء اینگلو نمبر ۳ و ۴ ص ۷۰۲ - رینکر جلد اول نمبر ۳ ص ۷۰۲

طوطی نامے کے خلاصے اور ترجمے

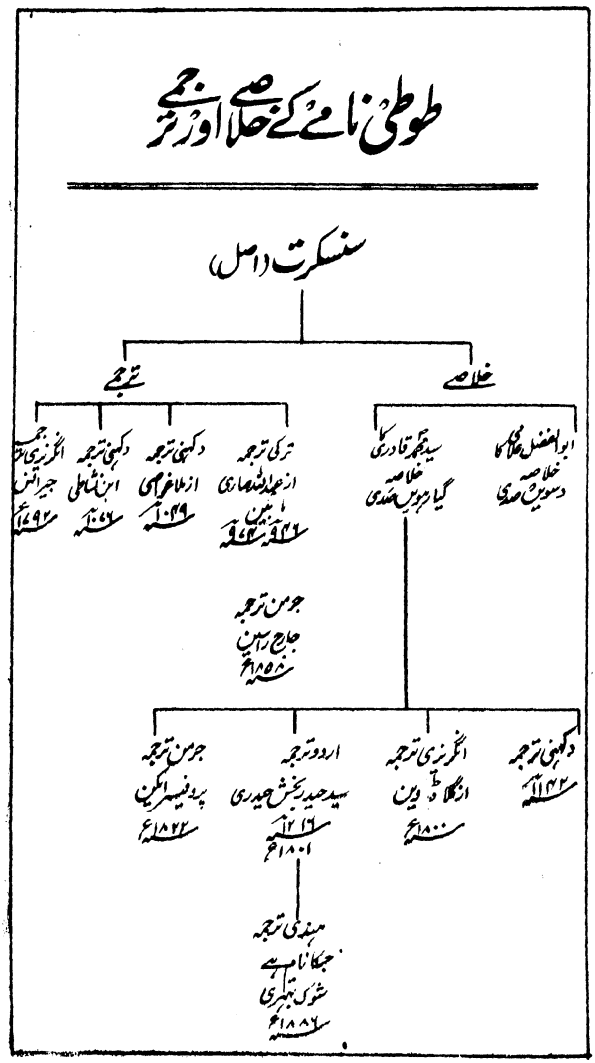

ضمیمۂ سوم

حُسن و دل

متعلقہ صفحہ ۱۰۹

حُسن و دل فارسی لٹریچر کا ایک مشہور تمثیلی فسانہ ہے۔ اور اسکو نظم و نثر میں مختلف مصنفین نے تصنیف کیا ہے۔

(۱) **مولانا فتاحی** ۔ ان کا نام یحییٰ سیبک ہے **سلطان شاہ رخ مرزا** (۸۰۷ھ سے ۸۵۰ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں ۸۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کے کئی تخلص تھے۔ تفاحی فتاحی۔ اسراری۔ خاوری۔ لیکن ان میں فتاحی زیادہ مشہور ہے **حسن و دل** اور **شبستان خیال** انکی مشہور تصنیفات ہیں **حسن و دل** نثر میں ہے اور زمانہ مابعد کے مصنفین نے اسکو اپنا نقش قرار دیا ہے۔

دولت شاہ طبع لاہور ۱۸۹۶ء طبع بمبئی ۱۸۸۷ء طبع لیڈن ۱۹۰۱ء حبیب السیر جلد سوم خزینہ ۱۴۸

(۲) **مولانا جبرفی** ۔ نام صلاح الدین ہے **ساوہ** کے رہنے والے اور ملا محتشم کاشی کے شاگرد تھے۔ **شہنشاہ اکبر** کے زمانہ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے اور کچھ عرصہ **ملا نظام الدین احمد** کے ساتھ **گجرات** میں سر کیا پھر **فیضی** کیساتھ دکن چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا **حسن و دل** کو انہوں نے نظم فارسی میں لکھا ہے۔ یہ نہایت موثر اور رزمیہ دار مثنوی ہے۔

طبقات اکبری ص ۴۰۰ بدایونی ص ۳۵۷ آتشکدہ ص ۲۲۶

(۳) **بیخود ملا جامی** ان کا لقب ہے۔ لاہور کے رہنے والے تھے۔ **عالمگیر اورنگ زیب** کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں **نامدار خاں** خطاب عنایت کیا تھا تاریخ خوب کہا کرتے تھے ۱۰۸۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے **حسن و دل** کو انہوں نے بھی

نظم کیا ہے نہایت اچھی مثنوی ہے اور ابتدا اسکی مصرعہ ذیل سے ہوئی ہے۔
"الٰہی بہ مستان بزم نیاز" سرخوش نے کلمات الشعرا میں انکے حالات لکھے ہیں۔

(۴) خواجہ محمد مبدل۔ یہ بزرگ شیخ عبدالقادر بیدل کے علاوہ ہیں اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ انہوں نے حسن و دل کو نثر فارسی میں لکھا ہے "داغ دل بیدل" سے اسکی تاریخ نکلتی ہے۔ ابتداء کی پہلی سطر یہ ہے "گوہر بحر حمد و ثنا و جواہر معدن شکر و عطا نثار بارگاہ آں بادشاہ کشور حسن و جمال" ڈاکٹر ڈیورک نے مولانا فتاحی کے حسن و دل کو جو سن میں ترجمہ کیا ہے اور اُسے فارسی متن کے ساتھ چھپوایا ہے۔

Sitzungsberichte der Wiener
Akademie Vol 118 No IV. Viene 1889
Neupersische Litteratur G.I.Ph.
Vol. II. PP 834.

غزل

از عالیجناب نواب میر کاظم علیخان بہادر کاظم بی اے مدظلہ

شبِ فرقت کی یہ نشانی ہے — کہ جگر سوزِ غم سے پانی ہے

ہر طرف سے لگی ہوئی ہے نظر — چشمِ بد دور کیا جوانی ہے

دلمیں لیتے ہو چٹکیاں ہنسکر — دل لگی ہے کہ دل ستانی ہے

شکر ہے لایا نامہ برنامہ — ہمتو سمجھے تھے کچھ زبانی ہے

ساز و سامان تھا عیش کا جہاں — اب اُسی گھر میں نوحہ خوانی ہے

طفل کیا پیر رفتنی ہیں سبھی — کس کی یاں عمر جاودانی ہے

باتوں باتوں میں روٹھنا کاظم
کیا یہ اندازِ نوجوانی ہے

جملہ حقوق محفوظ

معدن الاسرار

تصنیف

حضرت بندگی مخدوم ابو الفتاح صلاح الدین سید محمد حسینی

گیسو دراز بندہ نواز شہباز بلند پرواز رحمۃ اللہ علیہ

(المتولد چہارم رجب المرجب والمتوفی شانزدہم ذیقعدہ)

بتصحیح و ترتیب

مولانا مولوی عبد الحق صاحب بی اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو

(اورنگ آباد (دکن))

بہ سعی و اہتمام

خاکسار غلام محمد انصاری وفا مدیر تاج

بزیور طبع آراستہ گردید

۱۳۴۲ھ

دیباچہ

حضرت سیّد محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہٗ کا فیض سرزمین دکن پر عام ہے۔ اُنکا مزار مرجع خلایق ہے اور ان کی تصانیف اب تک لوگ تلاش کر کرکے شوق سے پڑھتے ہیں۔ حضرت اُن بزرگان دین میں سے ہیں جن کی تصنیفات و تالیفات کثرت سے ہیں اور تقریباً سب کی سب فارسی میں ہیں۔ لیکن تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ نے بعض رسالے ہندی یعنے دکھنی اردو میں بھی تصنیف فرمائے ہیں۔

حضرت برہان الدین غریب اپنے مرشد کامل حضرت سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین رح کے حکم سے

چار سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر دولت آباد (روضہ) میں قیام فرمایا اس مبارک اور اولوالعزم قافلے میں حضرت بندہ نواز کے والد بزرگوار سید یوسف معروف بہ شاہ راجو قتال بھی تھے[1] والد ماجد کے ساتھ خود حضرت اور اُن کی والدہ ماجدہ بھی تشریف رکھتی تھیں۔ اُس وقت آپ کی عمر چار پانچ سال کی تھی۔ ابتدائی تمام تعلیم و تربیت آپ کی یہیں ہوئی۔ ابھی آپ کی پندرہ سال کی عمر تھی کہ والد نے رحلت فرمائی۔ حضرت راجو قتال کا مرقد خلد آباد میں اب تک موجود ہے۔ والد کے انتقال کے بعد برداشتہ خاطر ہو کر والدہ ماجدہ کے ہمراہ دہلی واپس تشریف لے گئے۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف ارادت حاصل کیا علوم باطنی کی تحصیل حضرت شیخ سے اور علوم ظاہری کی مولانا شرف الدین کہتلی سے کی۔ جب حضرت شیخ نصیر الدینؒ کا وقت قریب آیا تو آپ نے خلعت خلافت حضرت بندہ نوازؒ کو عطا فرمایا۔ حضرت شیخ نے ۷۵۷ھ ہجری میں رحلت فرمائی۔

[1] بعض مورخین کو اس سے اختلاف ہے اور کہا ہے کہ سید یوسف اس کے بعد آئے ہیں ۱۲

اور اُن کی بجائے آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور مُریدوں اور طالبوں کو تعلیم و تلقین فرمانے لگے ایک مدت اِسی میں مصروف رہے ۸۰۱ھ میں تیمور نے دلی پر حملہ کیا۔ فتح کے بعد ایک قیامت برپا ہوگئی۔ سیری، جہاں پناہ، اور پُرانی دلی میں آگ کے شعلے بلند ہوئے اور سارے شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ اس کشت و خون اور فساد کے عالم میں حضرت مع اہل و عیال کے ترکِ وطن کرکے دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ اُس وقت حضرت کی عمر اسی سال کی تھی۔ ہیلسہ گوالیار۔ بھانڈی اور گجرات کے دوسرے مقامات سے ہوتے ہوئے دولت آباد (خلد آباد) پہنچے۔ دولت آباد سے دھارور اور الند تشریف لے گئے۔ سلطان فیروز شاہ کو جب حضرت کے آنے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنے امراء و اعیان سلطنت کو بھیج کر بڑے عزت و احترام سے گلبرگہ بلایا۔ اور حضرت تا دمِ وصال وہیں مقیم رہے سنہ وفات ۸۲۵ ہجری ہے۔ وصال کے وقت حضرت کی عمر ایک سو پانچ سال کی تھی۔

حضرت کی زندگی کے یہ چند واقعات میں نے اس غرض سے بیان کئے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کا تعلق دکن سے

کہاں تک تھا۔ ان کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ چار پانچ سال ہی کی عمر میں یہاں آگئے تھے اور اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی یہیں ہوئی۔ پندرہ سولہ برس کی عمر تک یہیں رہے اور اس کے بعد دلی تشریف لے گئے اسّی سال کی عمر میں (۱۱۸۱ھ) آپ نے پھر دکن کی طرف مراجعت فرمائی اور اپنی عمر کے آخری پچیس سال یہیں بسر کئے اور اس سرزمین کو اپنی تعلیم و تلقین کی برکت سے فیض پہنچاتے رہے یعنے زندگی کا ابتدائی اور آخری زمانہ دکن ہی میں بسر ہوا۔ صوفیائے کرام کی تعلیم کسی خاص فرقے سے مخصوص نہیں ہوتی۔ اِن کا فیض عام ہوتا ہے بلکہ طبقۂ عوام کے لوگ اُن کی خدمت میں زیادہ حاضر ہوتے اور طالب فیض ہوتے ہیں اور اس لئے اُن کے سمجھانے کیلئے انھیں کی زبان اُنسے باتیں کرنی پڑتی ہے اور انہیں کی زبان میں تعلیم و تلقین بھی کیجاتی ہے حضرت کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے اور گاہے گاہے درس میں کلام اور فقہ کی کتابوں کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ جو لوگ عربی اور فارسی سے زیادہ واقف نہ تھے۔ ان کے سمجھانے کے لئے آپ دکھنی زبان میں بھی تقریر فرماتے تھے۔ چونکہ حضرت کو تصنیف و

تالیف کا خاص شوق تھا اور آپ کے قلم سے ایک سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں نکلی ہیں اس لئے یہ قیاس کچھ بیجا نہیں کہ عام لوگوں کے سمجھانے کے لئے آپ نے بعض رسالے دکھنی اردو میں بھی تصنیف کئے ہوں۔

میرے پاس حضرت کے متعدد رسالے اس زبان میں تصنیف کئے ہوئے موجود ہیں لیکن مجھے اُن کے شایع کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اس لئے کہ ہمارے قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ لوگ اپنی تصانیف کو بعض مشاہیر اور نامور بزرگانِ دین سے منسوب کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری رح اور غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رح کے نام سے فارسی دیوان شائع اور رائج ہیں۔ اسی طرح اور بزرگوں کے نام سے مختلف قسم کی کتابیں اور رسالے لکھ کر منسوب کر دئے گئے ہیں اس بناء پر مجھے ہمیشہ یہ شبہ رہا کہ جو رسالے میرے پاس موجود ہیں وہ حقیقت میں حضرت بندہ نواز کی تصنیف ہیں یا نہیں کیونکہ بعض رسالے جن کی نسبت متعدد ذرائع سے اور متواتر روایتوں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حضرت نے دکھنی میں لکھے تھے۔ تحقیق کرنے سے ثابت ہوا کہ اصل فارسی میں موجود ہیں اور یہ اُن کا ترجمہ ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت نے بعض

رسالے فارسی اور دکھنی دونوں زبانوں میں تصنیف فرمائے ہوں لیکن جب تک کوئی قطعی شہادت اس کی تائید میں نہ ہو یہ قیاس زیادہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں اس سے مایوس نہیں ہوا اور کھوج میں لگا رہا کہ جب کبھی رسالے کے متعلق یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ حضرت ہی کی تصنیف ہے تو شایع کروں۔ اس اثنا میں مولوی غلام محمد صاحب انصاری وفا مدیر تاج نے ایک رسالے (معراج العاشقین) کا پتہ ڈاکٹر محمد قاسم صاحب کے کتب خانے سے لگایا اور جب انہوں نے مجھے یہ نسخہ دکھایا تو چند سطریں پڑھنے کے بعد ہی مجھے یہ خیال آیا کہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے نکال کے دیکھا تو ایک ہی کتاب کی دو نقلیں تھیں البتہ کہیں کہیں الفاظ اور عبارت کا اختلاف تھا جو قلمی نسخوں میں اکثر پایا جاتا ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کے نسخے میں ایک بات کام کی نظر آئی کہ اس کے آخر میں یہ تحریر ہے کہ یہ ایک قدیم نسخے سے جس کا جس کا سنہ کتابت ۹۰۶ھ ہجری تھا نقل کیا گیا ہے اصل عبارت یہ ہے

"ایں نسخہ شریف را فقیر حقیر سراپا تقصیر سید محمد نصیر در قلعہ نصرت آباد ساگر من مضافات دار الظفر بیجاپور بتاریخ ہفتم ماہ رمضان المبارک ۱۰۷۰ھ الف یک ہزار و یک صد و ہفتاد و شش ہجری ایں نسخہ متبرکہ قدیم کہ مکتوبہ سنہ ۹۰۶ھ نہ صد و

شش ہجری بود نقل نمود"

اس سے مجھے بہت کچھ اطمینان ہوا اور ایک حد تک اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ حضرت بندہ نواز ہی کی تصنیف ہے زبان بھی قدیم ہے۔ اس کے علاوہ **عشق نامہ** سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ تصوف کی ایک ضخیم کتاب ہے جو حضرت خواجہ صاحب کے مرید **محمد عبداللہ** بن محمد عبدالرحمٰن چشتی نے **احمد شاہ بہمنی** (۸۲۵ھ سے ۸۶۲ھ) کے زمانے میں تصنیف کی۔ اس میں حضرت کی تصانیف **معراج العاشقین** اور **ہدایت نامہ** کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے۔ اسمیں کثرت سے خواجہ صاحب کے ملفوظات اور آپ کے وعظ و تذکار کے حالات درج ہیں۔

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی نہ کیا جائے تو کم سے کم اس کے ماننے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ یہ ۱۰۶۱ھ سے قبل کی تصنیف ہے۔ حضرت بندہ نواز کا سنہ وفات ۸۲۵ ہجری ہے۔ یعنے اس رسالہ کی کتابت حضرت کی وفات سے ۱۸ سال بعد کی ہے۔ اس سے بھی یہ امر قرین قیاس بلکہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ حضرت ہی کی تصنیف ہے۔ اگر ان تمام قیاسات اور شہادتوں سے قطع نظر کر لی جائے تو بھی اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ اگر

حضرت کی نہیں تو اُن کے کسی ہم عصر یا اس سے قریب
زمانے کی تصنیف ضرور ہے اس لحاظ سے بھی یہ قدیم اردو
کا نہایت قابل قدر نمونہ ہے اور اس سے قبل کی تحریری
زبان کا نمونہ ملنا دشوار ہے۔ اگرچہ یہ کوئی ادبی کتاب
نہیں ہے اور اول سے آخر تک سراسر تصوف ہے تاہم
اُس زمانے کی زبان کا تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے
اور موجودہ حالت میں یہ کچھ کم نہیں بلکہ بہت
غنیمت ہے۔

جب یہ دو نسخے میرے ہاتھ آگئے اور مصنف
اور زمانے کے متعلق کافی اطمینان ہو گیا۔ تو میں نے
حضرتِ وفا کی فرمایش سے ایک صحیح نسخہ مرتب کرنا
شروع کیا۔ قلمی کتابیں جیسی کچھ غلط لکھی ہوتی ہیں
وہ ظاہر ہے لیکن دکنی زبان کی کتابیں (سوائے
خاص خاص نسخوں کے) سب پر سبقت لے گئی ہیں
عام غلطیوں کے علاوہ جو اکثر بے سواد کاتب کر جاتے
ہیں اِن کا املا ایسا عجیب و غریب اور خط اس قدر
خراب ہوتا ہے کہ صحیح لفظ بھی غلط نظر آتے ہیں اور
ان کی صحت میں بھی ایسی ہی دشواری پیش آتی ہے
جیسے غلط الفاظ کی صحت میں۔ بات یہ ہے کہ اہل علم

اور خاص لوگ عربی اور فارسی کی کتابیں
پڑھتے تھے اور دکنی کی طرف مطلق توجہ نہیں
کرتے تھے۔ دکنی زبان میں کتابیں ایسے لوگوں
کے لئے لکھی جاتی تھیں جو کم علم تھے یا عربی فارسی
سے واقف نہ تھے۔ یہی لوگ ان کتابوں کو شوق
سے پڑھتے اور نقلیں کرتے تھے۔ ایک نقل سے
دوسری نقل غلط ہوتی اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ اور کتاب
غلط در غلط ہو جاتی تھی سو، اتفاق سے یہ
دونوں نسخے بہت ہی غلط بداملا اور بد خط
ہیں۔ اگرچہ پرانی دکنی کتابیں پڑھتے پڑھتے
مجھے اس کام کی رکان آگئی ہے تاہم ان
مسخ شدہ اور غلط نسخوں کی تصحیح میں بہت
دقت پڑی بعض بعض جملوں اور لفظوں کی
تصحیح میں کئی کئی گھنٹے لگ گئے۔ کہیں قیاس
سے کام نکل آیا اور کہیں سیاق عبارت
سے۔ باوجود اس کے اب بھی بعض مقامات
مشکوک اور قابل تصحیح رہ گئے ہیں۔ اگر اس
رسالے کا کوئی اور نسخہ ہاتھ لگ گیا تو آئندہ
اس کی تصحیح میں آسانی ہو جائے گی بہرحال

برا بھلا جو کچھ بن پڑا وہ پیش ہے۔ آخر میں بعض اجنبی اور غیر مانوس الفاظ کی فرہنگ بھی دیدی گئی ہے۔

عبدالحق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال نبی علیہ السلام کہ انسان کے بوجنے کوں پانچہ تن ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الوجود مقام اُس کا شیطانی۔ نفس اُس کا امارہ یعنے واجب کے آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو۔ حرص کے کان سوں غیر نہ سنا سو۔ حد نک سوں بدبوئی نہ لینا سو۔ بغض کے زباں سوں بدبوئی نہ لینا سو۔ کینا کے شہوت کوں غیر جا کا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا۔ نبض پہچان کو دوا دینا۔

طبیب عشق را دکّاں کدام است علاج جاں کند اوراچہ نام است

پرمنع کئے سو پرہیز کرنا۔ مراقبہ کی گولی مشاہدے کے کانسے میں میکائیل کے مدد کے پانی سوں۔ جلّی کا کاڑا کر کو پلانا۔ سُکّن کا کاڑا دینا۔ نرگن ہُوا تو شفا پاویگا۔ طبیب فرمائے تیوں پرہیز کرے تو اُنے بھی طبیب ہو ویگا۔ ہو

۱؎ نسخہ "کبیروں سے طبیعت کا میل دھونا۔ نبض پہچان کر دارو دینا" (عبدالحق)

۲؎ نسخہ "ذکر جلی کا پڑ کر سگن کی پیالی میں پانی پینا" (عبدالحق)

ماٹی میں ماٹی - ماٹی میں پانی - ماٹی میں آگ - ماٹی میں ہارا - ماٹی میں خالی
اِن پانچ عناصراں کا واجب الوجود ہو جا تو معرفیت تمام ہوا - دوسرا تن[1]
ممکن الوجود - اسکا نگہبان اسرافیل - نفس لوامہ، حواس خمسہ ممکن کے آنک سوں
غیر نہ دیکھنا سو - غفلت کے کان سوں غیر نہ سنا سو - وسواس کے نک سوں
بدبوئی نا لینا سو - بخلی کے زبان سوں غیر نہ بولنا سو - مغروری کی شہوت کوں
غیر جا کا نہ دوڑانا سو غفلت ہور غضب اِن پانچ خواص کا مراقبہ کرنا - پیر کے
ممکن کا مشاہدہ قایم کرنا - ذکر قلبی کر شریعت کے کانسے میں پلانا - نرگن ہوا
تو ممکن کا درد جاویگا - یوں پانی میں ماٹی - پانی میں پانی - آگ میں پانی
پانی میں ہارا - پانی میں خالی - پانچ عناصراں کا ممکن الوجود ہو جا تو طریقت
تمام ہوا - تیسرا تن[3] ممتنع الوجود اسکا قابض کرنے ہارا - عزرائیل نفس مطمئنہ
اسے[4] پانچ پاردے ہیں - ممتنع کے آنک سوں خدا طرف نا دیکھنا سو - سر کا درد
دونوں کانوں سوں خدا کا کلام نا سنا سو - تہنڈ ناک سوں خدا کی بوئی نا لینا
سو - تپ زبان سوں حق کی باتاں نا بولنا سو اچھے - شہوت کوں نا نہانا
سو کان پے - اون پانچ خواص کے پوڑی باندنا - پیر کے ممکن[5] کا مشاہدہ
کرنا ذکر روحی کے شہد میں میلا کر سگن کے پانی سوں پینا - نرگن ہوا تو
ممتنع کا درد جائیگا - آگ میں ماٹی آگ میں ہارا - بارے میں آگ - آگ میں
خالی - یو پانچ عناصراں کا ممتنع الوجود ہو جا تو پیر کا روح معلوم ہویگا
یوں ہوا تو حقیقت تمام ہوا - چوتھا تن[6] عارف الوجود اسے جبرائیل
دیئے ہارا - اوسو نورانی تن محمد کا بولتے ہیں - عارف[7] کے آنک سوں جبرائیل

[1] میرے سنے میں" اس کے خواص پانچ ہیں (عبدالحق) [2] نسخہ ممتنع (عبدالحق)

کوں دیکھنا۔ کانوں سوں جبرائیل کی باتاں سننا۔ ناک سوں جبرائیل کی بوئی لینا۔ زبان سوں جبرائیل کی باتاں بولنا۔ شہوت کوں جبرائیل لک اُسے اپڑنا۔ اون پانچہ خواص کوں یک جاگا میلانا۔ پیر کی صفتاں کوں اپنے صفتاں کوں مطالعہ کرنا سو۔ مراقبہ پیر کے عارف تن کا مشاہدہ باندکر ذکر سری کی سوجی سگن کے شکر نرگن کے پانی میں پکا کر کھانا۔ پرہیز اسکا پیر سوائے ہور نا دیکھنا یوں ہوا تو عارف تن کا درد جائیگا۔ دلیں جیون رس اچھے یارس ہیں جیون سن مٹھائی یوں ہوا تو اُسے محمدی بولتے ہیں بارے ہیں بارا۔ بارے ہیں ماٹی۔ ماٹی ہیں پانی۔ پانی ہیں بارا۔ بارے ہیں خالی۔ یوں پانچہ عناصراں کا عارف الوجود بوجیا تو معرفیت تمام ہوا۔ پانچوان تن واحد الوجود۔ اسکا فرشتہ ابیس اوخدا کے دروازے پر رہتا ہے **حدیث** قلوب المومنین بیت اللہ تعالیٰ آئے گا۔ ایگانے کو اوتے دیتا بیگانے کو اتنے نیں دیتا۔ اسکی آشنائی کیئے تو اللہ ملنا ہوتا ہے۔ واحد الوجود کے انک سوں۔ عشق کے کان سوں۔ محبت کی ناک سوں۔ یاد کا دم اسکی زبان سوں۔ ذکر لسان الغیب اُسے الہام بولتے ہیں۔ اسکا شہوت سوں صبر اس پانچہ خواص کا مراقبہ باندنا۔ پیر کے واحد الوجود کا مشاہدہ کرنا توحید کے دریا میں ٹھیرنا ذکر خفی کے محل میں وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی نیند لینا۔ اس جاگا کا حال پیغمبر علیہ السلام کہے سو معلوم کرنا **حدیث** لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل یوں خالی میں خالی خالی میں پانی۔ خالی میں آگ۔ خالی میں بارا۔ خالی میں خالی۔ یو پانچہ عناصراں

کا واحد الوجود ہو جیا تو توحید تام کا روح اسے کہتے ہیں خدا تعالے نے حدیث قدسی میں فرمائے ہیں التوحید حقیقتہ کلا تربد گو اعبدا اسے عزیز اسے پیر کامل ہونا ہور مرید صادق اچنا۔ اپنے بھاتے میں گذر کر۔ پیر کے بھاتے میں مرید ہونا حدیث قدسی۔ الغسل مطہر المیت یعنے مردیکوں پاک کرنے ہارا۔ اُسے پیر کامل بولتے ہیں۔ جیوں پیغمبروں معراج سوسن ترتیب سو۔ اپنڑنا یوں ہوا تو اسے پانچہ محل کا جہاڑا کاڑا بولتے ہیں شریعت کا محل واجب الوجود ذکر جلی۔ اس پر حدیث ثابت ہے الشریعتہ کالسفینہ طریقت کا محل ممکن الوجود۔ ذکر قلبی الطریقتہ کالبحر۔ ہور حقیقت کا محل ممتنع الوجود۔ ذکر روحی والحقیقت۔ ہو۔ معرفت کا محل ممتنع الوجود عارف الوجود ذکر سری۔ واحد کا محل واحد الوجود ذکر خفی وحدہٗ لاشریک لہٗ قال علیہ السلام فرماتے ہیں۔ خیر ذکر الخفی پیر کامل درکار ہے کہ پانچہ محل کی خبر رکھنا۔ اگر نہیں تو پیر رہزن ہوتا ہے۔ مرید اسلام سے جاتا ہے۔ یوں خدا کا قول ہے واعرض عن الجاھلین یعنے اگر پیر جاہل پکڑے اچھے تو اُس سوں رخصت لینا یوں جان بوجھنا اے عزیز۔ واجب کا ممکن سو نفس کا ممکن سو دل ممتنع کا ممکن سو روح روح کا ممکن سو عارف عارف کا ممکن سو نور نور کا ممکن تو ذات ذات کا عشق اُسے عروج بولتے ہیں ایتاں نزول کیوں ہوا سو سن حدیث قدسی کنت کنزا مخفیا فاحببت ان عرف فخلقت الخلق اسکا معنا دریائے قدیم سے برابر اُٹھیا۔ اسے محمد کا نور بولتے ہیں۔ اسہیں آپکوں دیکھیا سو خالق تیسے

خلق کوں اظہار کیا۔ قول تعالیٰ اوّل ماخلق اللہ نوری
اسکا معنے اے محمدؐ سب خلق کوں تیرے نور سوں پیدا کیا ہوں۔ بعد اس
کے نور کے دیوّے روشن کیا ہوں۔ اُس روشنائی میں اپنی تصویر دیکھیا
سو دونوں عالم نورانی ہور روحانی۔ یعنے نورانی سو ابوالارواح۔ ہور
روحانی سو ابوالاجساد۔ اجساد سو سفلی علوی کوں۔ میثاق بولتے ہیں سفلی
کوں محشر بولتے ہیں۔ اس دونوں کی پیدایش آدم سے محمدؐ لک یک لاک
چوبیس ہزار پیمبراں ہوئے قول تعالیٰ یخرج من بین الصلب
والترائب آنہ علیٰ رجعہ لقادر اے پہچانت کسی پیمبر کوں نہ ہوا
یو چار چیزاں چھپا کور کہا تھا۔ اپنے خزانے میں محمد رسول اللہ کوں بخشیا ہوں
پیغمبر ربّ ارنی بولے خدا سے آواز لن ترانی۔ اپسے جبرائیل ہوکر
بولائے آئے محمدؐ کوں۔ تمام معراج کیاں نشانیاں دکھلائے۔ محمدؐ ہیں جیوں
دکھلائے تیوں تمہیں دیکھو قول تعالیٰ ولکن اللہ یھدی من
یشاء اسکا معنے جسے اپنی ہدایت کرتا ہے۔ اُسے فراق پیدا ہوتا ہے ملنے
کیتیئں۔ ایک بادشاہ کی تعظیم ایک امیر کوں بڑی کرتا ہے تو اول جابجا
آرائش کرتا ہے سو محمدؐ کوں پانچہ تن سنوار کر سات ایوان کے اوپر لائے
اُنچے ہوکے عروج تے لیکر چالے ناسوت کی منزل سوں۔ قلبے کے شہر کوں
اپنڑ سب وہاں کا جوکوچہ آرایش بنائے سو ذرہ بذرہ دیکھیا۔ وہاں سے
دُسرا ملکوت کی منزل سوں سیر کر کر ممکن ممکن کے شہر میں جاکر پوچھے
وہاں کا حقیقت آسمان کے فرشتیاں کا تماشا دیکھکر جبروت کی منزل

منتہیٰ کے شہر کو پہونچے۔ وہاں کا سب حقیقت[1] اندازہ کہنے میں سمجھا آفتاب ہو
مہتاب کا اوجیالا نہیں۔ محمدؐ حیرت میں متفکر ہوئے۔ جبرائیل انکے آکر وہاں
سوں عرفان کے میدان میں لیکر آئے۔ جبرائیل کوں پوچھے جواب دیئے
قولہ تعالیٰ یخرجھم من الظلمات الی النور اے محمدؐ اس
ظلمات اندھارے میں تیرا نور اجیالا ہے۔ چوتھی منزل لاہوت سو عارف الوجود
کے شہر کوں پونچے۔ لاہوت کے صدر پر انکا تخت لاکو رکھے **حدیث**
نبوی قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ محمدؐ ہور اللہ کے درمیاں
پردا باندے۔ اُسے نقاب کبریا بولتے ہیں۔ عرفان کرسی پر محمدؐ کوں سُلائے
اللہ محمدؐ باتاں کرنے عشق کوں بلائے۔ عشق[2] مشتاق ہو کر عاشقاں کی باتاں
معشوق کوں۔ معشوق کی باتاں عاشق کو سانے۔ اللہ سے یہی آواز آیا اے محمدؐ
لاکھ لک چوبیس ہزار پیغمبراں میرے طالب ہیں کیا۔ میں اُنکو طلب میں کیا۔ تیرا
فراق مجھے بہت ہوا۔ میں تجھے اس راہ ہو کر لیا۔ اپنے معراج کیاں نشانیاں
میں تجھے دیتا ہوں۔ ایتاں میریاں باتاں خوب سُن کہ تیری امت کوں میرے
بندیاں کوں خبر دیتا ہوں۔ **قولہ تعالیٰ** اطیعوا اللہ واطیعوا
الرسول۔ اسکا معنے اے محمدؐ جیکوئی تیری محبت مانیاں سو میری طاعت
یوں نو دہزار باتاں اللہ کیاں ہور محمدؐ کیاں ہویاں۔ ہور تیں سپارے
میں قرآن کہ جملہ کیا **حدیث قدسی** انزل القران علی
سبعۃ احرف کلھا شافٍ وکافٍ یعنے نازل ہوئی قرآن سات
حرفاں سوں ہو جیا تو تحصیل تمام ہوا۔ تیں سپارے میں تین قسم کئے۔ دس

[1] منتہیٰ۔ اندازہ چیز کوئی نہیں سمجھا (عبدالحق) [2] نمونہ۔ مشاطہ (عبدالحق)

پیارے تیس ہزار باتاں رُوح کے تعلق کیاں۔ اے محمدؐ تینوں عالم کوں خبر دیو ہور عالم ناسوت کوں معجزہ افضل تبائے۔ مسلماناں کوں خبر دیو ہور ملکوت کو تزکیۂ نفس کے دل کی خبر دیو۔ ہور شریعت و طریقت و حقیقت و معرفیت و وحدانیت کا خزانہ تمام اپنے سینہ میں رکھیا ہوں سو تمیں بات لیوں **قولہ تعالیٰ** فمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ یوسب باتاں نبی علیہ السلام کوں بولکر خلاصہ کے طبق میں چار کانسے رک کو دیئے دودھ، پانی، شہد، شراب، خلاصے کا سرپوش اڑا کو محمدؐ رسول اللہ کے نزدیک بھیجے اور کہے۔ اے محمدؐ تمیں پیوے ہور تمّاری امت کوں بھی پلاؤ۔ حضرت دودھ پیئے۔ عرض کئے۔ اے میرے خدا دودھ کوں قبول کیا۔ کانسے میں رکھے دیئوں۔ جبرائیل علیہ السلام خوشحالی کی خبر لیا۔ اے دودھ محبت کا کانسا۔ شہوت کا کانسا۔ پانی قطرے کا کانسا۔ شراب عشق کا کانسا اے عزیز[1]۔ ظاہر کی پاکی تن کے وسواس میں اچھیگی۔ **قولہ تعالیٰ** الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس اس کا معنا ابلیس سوں نہیں جانتے سو لوگاں کوں وسواس دیتا ہے انسان کے سینے میں جیو کوئی ابلیس سوں واقف نا ہوئیگا اسے

---

[1] میرے نسخے میں اے عزیز کے بعد یہ عبارت زائد ہے " شہد شریعت ہور پانی طریقت ہور شراب حقیقت دودھ معرفت۔ جبرئیل بولے تم نے دودھ پیئے سو خوب کئے۔ یہ چیزاں اس محبت میں سمایاں کیاں **قولہ تعالیٰ** یحبونھم ..... یہ دکان سے پانی کے طلماں کڈیو ..... ظاہر ....." (محمد الحق)

عالم کا اثر نا کریگا **عملک** یعنے بوجھ نا بوجھے تو اسے آیت سُن **مثلھم کمثل الحمار یحمل اسفارًا** اس کا معنا حلم پڑکر نہیں بوجھا تو گدڑے پر عبیر لادے یا صندلکیاں لکڑیاں لادے تو اسے کیا فائدا۔ تیسرا شہد غافل کوں دیو دنیا کی لذت میں۔ خدا کو بسر کر پیٹ بھر کھا کو شہوت کی غفلت میں اچھیکے **قال** علیہ السلام الغافل حیاتہ موت ولیس بادم اسکا معنا جیکوئی خداکوں عبادت یاد سوں غافل ہیں سو مُردے ہیں۔ چوتھا کا نا شراب کا عاشقوں کوں دیو۔ او مشغول ہو کو اچھیگا۔ خدا اُنو کوں عبادت معاف کریا **قولہ تعالیٰ** **ولا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ** اسکا معنا خدا کہا نماز کے نزیک نا کو ہوستی کے حال میں۔ اے بھائی بھی سنو جیکوئی دودہ پیویگا سو تُماری پیروی کریگا۔ شریعت پر قائم اچھے گا پانی پویگا سو وسواس کے قطریاں میں ڈوبے گا۔ شہد پویگا شہوت میں خراب ہوئیگا۔ شراب پیویگا۔ سو دیدار عاشق کا پویگا **قولہ تعالےٰ** **وسقاھم ربھم شرابًا طھورا** اسکا معنا جیکوئی ساقی ہات سوں دیدار کا شراب پیوے گا یعنے پیر کے ہات سوں مست ہوئیگا ؎

لباس زہد و تقوےٰ تا نہ پوشی شراب معرفت را کے بنوشی

اسکا معنا جیکوئی لباس تن کا پاک نا رکھیگا۔ او پہانت کا شراب نہ پی سکیگا

اے عزیز! او فرشتیاں کے معنے سُن۔ دودہ جبرائیل۔ پانی میکائیل شہد اسرافیل۔ شراب عزرائیل۔ دوسرے معنے جبرائیل عقل کوں بولتے میکائیل دل کوں بولتے ہیں۔ اسرافیل دم کوں۔ عزرائیل روح کوں بولتے

یو تمام نصیحت حضرت نے قطرے میں لیاے۔ بعدزاں ملنے کا شوق ہوا اللہ کوں محبت ہور محمدؐ کوں ذوق ہوا وصل کا۔ یو سات صفتاں کیاں کی سر پوش اوڑا کر ذاتی سات صفتاں کے طبق میں یو پانچ پوشاک جبرئیل لیکو صدق عدل حیا شجاعت عنایت یو صدق کا پہ جامہ۔ عدل کا جامہ حیا کا کر بند۔ شجاعت کا دستار۔ عنایت کا دوپٹہ اڑا کو میرے معشوق کوں لیاؤ۔ ہور پیغمبر علیہ السلام ہو کو پہنے قال علیہ السلام الناس مع اللباس نبی کہے جو کوئی کپڑے دینے کا صاحب ہوئیگا ہو جبرائیل کوں پوچھے یو پوشاک کہاں تھا۔ یک لک چوبیس ہزار کونیں دیا میں بندہ عاجز مجھپر عنایت کیا۔ اسکی کیفیت بولو اپنے ذات میں کیونکر کہنا۔ جبرائیل خدا تے یو حکم لے آئے لولاک لما خلقت الافلاک اے محمدؐ! اللہ نے تجھے اپنی قدرت کا پیشوا کیا۔ بندیاں کوں خبر دینا صدق نبوت ہے۔ عدل ولایت ہے۔ حیا قدرت ہے۔ شجاعت شہد ہے۔ عنایت بخشش رب کی ہے۔ اے محمدؐ! صدق شریعت کی بندگی ہے جیہیں صدق ہے اوُ مسلمان ہے قال علیہ السلام الصدق ینجی والکذب یھلک اسکا معنا سچے کوں راحت ہے۔ جھوٹا ہلاک ہے عدل طریقت کی پیروی ہے جیہیں عدل ہے اوُ مومن ہے۔ حیا حقیقت کا حال ہے جیہیں مردم آزاری نہیں اوُ انسان ہے۔ شجاعت معرفت کی چال ہے جیہیں اپنی ہور خدا کی پہچانت ہے اوُ بندہ ہے۔ عنایت ہی بوح تام پر ہے توحید کے رہ میں آدمؑ و حواؑ یعنے اس تن کی پہچانت نفسانی فعلاں تے

پاک ہوئے تو شریعت میں سینے بولتے ہیں۔ عدل جبلی ہے یعنے ممکن کا
حلاوت اس تن میں کون ہے سو بوجکر دل کے خطرے سے پاک ہوئے، تو
طریقت میں جبلی بولتے ہیں۔ حیا شافی ہے متنع میں روح کوں بوجکر روح کے
خطریاں سو پاک ہوئے تو حقیقت میں شافی بولتے ہیں شجاعت میں مالک ہے
عارف الوجود میں کا جان پنا بوجیا تو صاحب مذہب کا مالک بولتے ہیں یوں
اپس میں سب مذہباں کی خبر رکھیا ہے۔ ظاہر باطن کی ترتیب بوجکر قائم اچھے
تو اُسے صوفی مذہب بولتے ہیں **قول الفقیر ھُوَ الصّوفی مَذھَبُ اللہ**
اسکا معنا نبی علیہ السلام کہے فقیر ایک ہی مذہب امتے۔ یعنے مواحد مذہب ہو
ہو اللہ کا مذہب ایک ہے۔ اے سالک محمد صدیق حضرت عمرؓ کو دیو عدل دنیا
میں قائم رہینگی۔ حیا حضرت عثمانؓ کوں دیو ایمان برقرار رہینگا۔ شجاعت
حضرت علیؓ کوں دیو ولایت کی پیروی ولیاں تے جاری ہوے کے قیامت تلک
عنایت اے جاری ہونے کا بخشش ہے۔ اللہ تعالیٰ یوں پوچھیا تو چہار یاری
مسلمان محمدی بولتے ہیں اگر میں تو بندہ کہاں اللہ خدا کوں کافر بولتے ہیں
قولہ تعالیٰ لعنۃ اللہ علی القوم الکافرین اللہ کہاں
محمد کہاں ذرا ذرا رمزیاں کیاں باتاں پردے کے باہر ہوتیوں۔ بعد از
حضرت جبرائیل پیغمبر علیہ السلام کوں اللہ سوں ملنے کو چلو کر کو عرض کیے حضرت نبی
بولے اے اخی جبرائیل اللہ کے میرے درمیان ہستی پردا ہے **قال علیہ السلام**
ان اللہ سبعین الف حجاب من نور وظلمۃ وکشفھا
لاحرقت سبحات وجھہ نبی کہے تحقیق خدا کے میاں تے ستر ہزار پردے

اوجیالے کے ہور اندھارے کے اگر اسمیں تے یک پردہ اُٹھ جاوے تو اسکی آنچہ تے میں جلوں ۔ ہور یک وقت ایسا ہوتا ہے سمجھو اور دیکھو بے پروا اندھارے کے اوجیالے کے ۔ عارفاں پر ہے ولے واصلاں پر پردے نورانی وبے واصلاں کا صفا پردا ہوتا ہے سو محمدؐ کا نور اے عزیز ۔ اول ربوبیت کا پردا سوائے تن جمالی جسم کے پردے کوں اپنڑے باج اس جمال الوہیت کے پردے ممکن الوجود کوں اپنڑ سکے ۔ الوہیت کے پردے کوں اپنڑے عارف الوجود کوں اپنڑ سکے ۔ اس روح القدس کے پردے کوں اپنڑے باج اس کبریائی کے پردے کوں بہتر جاگا دونوں عالم اسے دیکھنے کے معنے یوں محمدؐ دیکھے جو آفتاب کے اوجیالے میں تارے اچکر نہیں دستے یوں یوں ہی دونوں عالم کوں یوں آفتاب ہوئیکر اسے معلوم ہوئیگا قولہ تعالیٰ کل من علیھا فان خدا دونوں عالم اچکر دستے ہیں سو معلوم ہوئیگا ۔ فنا اس معنی کوں بولتیں اے بھائی من النظر الی اللہ تعالےٰ اسکا معنی دائم خدا تعالےٰ کوں ویبقی وجہ ربک اسکا معنی دائم خدا تعالےٰ کا دیدار بقا کر ہے قال علیہ السلام لایدخل احد فی عبادۃ حتی لایدخل نفسہ فی عبادۃ حتی عبادۃ نفسک ہے حضرت جبرائیل خدا تے یو حکم ایک لائے دع نفسک وتعال اسکا معنا ستر ہزار پردے سیر کر لواے ۔ آ اے میرے نزیک میرے تمارے درمیانی یک آئینہ رکھا ایک دسے اپسکوں ہور اد سمیٹ دیکھنا دستا دور ہے ۔ اے جان نبیؐ کے سب کے جان نبیؐ کے

آرسی دور کو بوجھ لے واحد کا رنگ۔ جبرائیل عرض کیا اے حبیب میرا حد شجرۃ المنتہیٰ کے جہاڑ تلک۔ ہور نبی علیہ السلام جبرائیل کوں پوچھے۔ اے یو تینو جہاڑاں نا مغرب میں نا مشرق میں یو کہاں ہے سو خبر دیو۔ جبرائیل حضرت کوں بولے۔ اے محمد درست۔ طوبیٰ تمارے نور کو بولتے۔ ہور شجرۃ المنتہیٰ تمارے عارف الوجود کوں بولتے ہور قولہ تعالیٰ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ولا غربیۃ ولا شرقیۃ ہور زیتون تمہاری روح کو بولتیں۔ یو تینو جہاڑ ہر ایک مومن کے تن میں ہے یو عالم نا بوجھ کو ایمان ہور امیاں میں ڈہنڈتے ہیں۔ وہاں تے جبرائیل عرض کیئے تمارا اللہ کا ملنا ہوے پر یک سجدہ کرو میر طرف سوں حضرت قبول کیئے۔ نقاب کبریا کے پاس کہڑے ایک آواز آیا قف یا حبیب ان اللہ یصلی تحقیق خدا نماز کرتا ہے نبی علیہ السلام۔ خدا کسی نماز کرتا ہے نبی علیہ السلام پوچھے ہمارا اللہ تعالیٰ تماری پروارش کی نماز کرتا ہے یو آواز آیا یصلی صلاتہ خدا تعالےٰ اپنی نماز اپے کرتا ہے۔ ہور جیکوئی پہنک روح ہیں اُنو بہی نماز کرتے اپنے اپے۔ ہور خدا کے فرشتے بہی نماز کرتے ہیں سو یو معنا۔ بندیکوں اپنے اپے میں اپنڑے باج اسکے کنج لے بات پھر سمجھائے بغیر معلوم نا ہوئیگا بزاں عشق میانی بولانے کوں آیا معشوق کوں ملانے پردا اٹھاکرا اپے وکیل ہوکر مشاطہ ملائے نقاب کبریا دور ہونے میں اللہ بندے کا وصل ہوا نقاب کبریا شرک خفی کوں بولتے ہیں پیغمبر علیہ السلام پیا ظاہر کے کفر سوں ہور باطن کے شرک سوں قولہ تعالیٰ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

بگانگی میں مشاطہ بیگانگی یوں ہوا۔ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب اقرار نے تصدیق اپنڑیا بولتے ہیں۔ بعد زاں معشوق کا ہات عاشق پکڑ کر تخت پر خلوت کے گوشے میں لیکر یوں بولے **قولہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناظرۃ الی ربھا ناظرۃ** اسکا معنا خدا کہا اے محمدؐ اس روز دیدار دیکھیا ہے کہ روشن ہوسی تازہ خدا کا جس روز اپنے پہچانت کریگا اس روز بینے پیر کے نور میں خدا پاویگے۔ اس روز یہاں توں بھی دیک۔ ہور عالم کو بھی دیکھلا۔ ہور میرا رسول ہی توں امتاں کوں اسی موافق بہنے کرو **فوق ایدیھم قولہ تعالیٰ** ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ فمن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجرا عظیما اے محمدؐ جیکوئی تمارے سوں بیعت کرے گا سو اوسے سوں بیعت کریگا **قولہ تعالیٰ** وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی اسکا معنا اے اوسے ہاتھ ہیں یوں فرائے حضرت **حدیث نبوی** من لم یبایع علی الاسلام فھو مشرک۔ اسکا معنا جیکوئی محمدؐ کی امت بیعت نا ہوئیگا سو مشرک ہے **قولہ تعالیٰ** من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اے محمدؐ جیکوئی طاعت تا نیا **قولہ تعالیٰ** سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم اسکا معنی خدا کہا اے محمدؐ جوں ہیں دیکھلاوا تو توں دیکھیا سو توں دیکھیا میں سنایا سو توں سنیا میں بولیا سو۔ توں بولیا اب توں دیکھیا سو میں دیکھوں گا، توں سنیا سو میں سنونگا۔ توں بولیا سو میں بولوں گا یوں بیگانگی میں۔ اے بندآزاد ہونا یوں ہوا تو میں امت کی رونے سے چھوٹا ہوں

جیوں کہ حدیث قدسی میں فرمایا ہے وبناوالله ویاکل الله ویشرب الله،
اسکا معنی بندہ پناہ پنے کی بولنے گذر یا خدا کے عیش میں ہوا اسکا معنا اس کا
اطاعت اسکی خوشی اسکا کھانا اسکا پینا کل اللہ کوں ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسکا معنا توں میرا ہوا تو جیو ہوا میں تن ہوا۔ تن کوں بول کیسکوں توں جدا
ہوا یا میں جدا قولہ تعالےٰ وما ینطق عن الھوی فان الجنت
ھی الماوی اسکا معنا اے محمد میں بولتے اپنے ہتے سوں بغیر از خدا کی رضا
قال علیہ السلام ذکر الخفی طریق اسکا معنا عروج و نزول کوں اپنڑا بھی
مردانِ خدا خدا نہ باشند لیکن ز خدا جدا نہ باشند

اے عزیز! واصلاں خدا سوں ملنا جدا ہونا یو دونوں بھی میں یو بات پیر سوں
معلوم ہوئیگی یو پیغمبر علیہ السلام کوں اس ترتیب سوں معراج کی خبر دیکو بندے
کوں سرفراز کرکو بھیجا یوں حضرت وصل کا خوش حالی کا دو رکعت نماز ایک رکعت
جبرائیل کیطرف سوں ایک اپنے طرف سوں نیت بند کر نماز پڑہے کئے سلام
پھراتے وقت اللہ طرف سوں یوں حکم آیا محمد میر طرف سوں یوں یک رکعت
کر واسی حال ہوں اللہ اکبر بولے تن سوں دل سوں قرأت پڑہے روح سوں
سجدہ کئے اس نماز میں دعائے قنوت الحمد پڑہے سلام پھیر کر بعد دعا منگے۔
حدیث نبوی اللھم انی اسألك مغفرۃ والعافیہ
اسکا معنی نبی کہے تحقیق منگتا ہوں خدا تیرے پاس بخشش مجھے تیرا دیدار ہو قرب
یوں میری امت کوں بھی دیدار دے۔ یو نماز مومناں پر واجب ہے جبرائیل کا

بولنا تن سوں سنت ہے نبی کا بولنا۔ قولہ تعالیٰ دلسوں کرنا **قال علیہ السلام** لاصلوٰۃ الا بحضور القلب فرض ہے خدا کا بولنا **قول تعالیٰ** فی کلامہ المقدس للانبیاء والاولیاء لصلوٰۃ فی قلبہم دائمون نماز ختم ہے سب نماراں **قال علیہ السلام** من اراد العبادۃ بارادۃ الوصل فقد اشرک یو ہے اسکا معنا جیکوئی نماز کرے پر نماز کرنا شرک ہے یو بات یوں نماز کئے سو لوگاں کوں معلوم ہے۔ نبی علیہ السلام فرمائے ہیں شرع میں اللہ کوں دیکھنا خوب ہے دورست ہے حضرت علیہ السلام کوں معراج ہوا سو کل عالم کوں ظاہر ہے ولے کاں ہوا سو معلوم نہیں پیغمبر علیہ السلام کوں دیکھا کہے تو عالماں کوں گمان پڑا ہے **قال علیہ السلام** لاراحۃ للمومنین الا بلقاء اللہ دیکھے بغیریوں حضرت کے بولنے پر ایمان نا لاتو اسلام تے دور پڑنا ہے **قال** علیہ السلام۔ کوئی دونو جہاں میں مگر اللہ کی ذات سیوائے اپنے میں یوں دیکھیا ہے چپ رہے۔ اگر دیکھیا ہوں کہے مشرک ہوتا ہے۔ ہور نیں دیکھیا کہیا تو کافر ہوتا ہے۔ یوں پیغمبر علیہ السلام حدیث نبوی فرمائے ہیں من عرف اللہ لایقول اللہ ومن قال اللہ لاعرف اللہ اسکا معنا نبی کہے جیکوئی پہچانیا خدا کوں میں بولتا زباں سوں ہور جو خدا کا ناؤں لیتا زبان سوں نیں سمجھا خدا کوں عزیز۔ پیغمبر علیہ السلام کو دنیاں میں اپنا کچھ کام نہ تہا یو خدائے تعالےٰ اپنا نائب کر کو حالم کے تھا اپنڑانے کوں پیچہاں **قول تعالیٰ** لانفرق بین احد من رسلہ اسکا معنا خدا کہا میرے بولنے میں ہور محمدؐ کے بولنے میں فرق نکو دیکھو پہر حضرت معراج سوں

رخصت لیکر اپنے گھر پہچان پھر آتے او پہچانا اُسے تنکوں بولتے ہیں۔ گرم شانی خوشوقتی کوں بولتے ہیں یوں حضرت اپنی مبارک زبان سوں حضرت بی بی عائشہ کے کہے ہیں کل اصحاباں ہور خاص اصحاب مجلس میں حاضر تھے۔ ہو حضرت نے تمام آجکی خبر بولے **قال علیہ السلام** رایت ربی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ امرد لا ثبات انا فی الوحدۃ واحد اسکا معنا اپنے رب کوں وہاں میں دیکھیا کوئی شئے خدا میں اپنے میں آپ دیکھیا اللہ سوں بہے رب کوں رات معراج کے ہور میرے جیکوئی صورت میں۔ ہور جوان تھا۔ ہور خوب حسن تفا تہاں اپے اکیلا۔ جہاں پیغمبر علیہ السلام دیکھیا کہے سو اپنے نور کے آئینے میں دیکھیا کہے سو وصل۔ یو بات سنکر تمام یاراں آمنا وصدقنا کہے جو کوئی ایمان لیائے سو مسلمان ہوئے ہور نہیں لیائے سو کافر ہوئے **قال علیہ السلام** طوبی لمن رانی ولمن رای من رانی اسکا معنا یہی کہے۔ جو کوئی میرے پر ایمان لیایا۔ اگر نیں تو مشرک ہور کافر **قولہ تعالیٰ** وما وسعتنی الارض ولا السماء العبد المؤمن القلب اسکا معنی نیں سمایا زمین میں۔ نیں سمایا اسمان میں مگر سمایا ہوں مومناں کے دلیں **قال علیہ السلام** ذات اللہ اقرب الیہ من حبل الورید اسکا معنا خدا کی ذات آدمی کے تن سے نزدیک ہے یوں بوجے تو بندہ خدا ہے بہی سن۔ پیغمبر علیہ السلام منزل سے اُتر کر اس تن کی صفاتیں آئے بعد از شرع ظاہر ہوا۔ بندے کے اللہ کے میانے ستر ہزار پردے باطن کے پردے تھے میانے جبرائیل اللہ بندے کی کارسازی میں رہتے بعد از خدا لوں محبت پیدا ہوا

محمدؐ کوں طلب پیدا ہوا وصل کا **قال علیہ السلام** طلب اللہ تعالیٰ فرض کل فرد قبل کل فریضۃ۔ اسکا معنا طلب کرنا اللہ کا فرض ہے سب فرضاں سنتی اول ہے۔ امروز ایں جمال تو بے پردہ ظاہر است درحریم کہ احدی فرد ابرائے اسکا معنا عبادان اللہ حاضر و ناظر ہے۔ صیاد ہنا کہے تو شرع جاتا ہے کیا واسطے بندیاں اپے اندارے اپنے پہچانت ناکرسک کو عالم کوں اندہے کہتے۔ حذا یوں کہیا **قولہ تعالیٰ** لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ اسکا معنا نادیک سکے گے اپنے انکھیاں سوں گر دیکھیں گے میرے انکھیاں سوں او پاک صورت صاحب کی اے عزیز۔ اللہ بندہ پنا یہاں پہچان کو جانا نیں تو شرع جاتا ہے۔ اول اپنی پہچانت بعد از خدا کے پہچانت کرنا بیجہ کنڈی میں بند کر بچنا میوا منگے تو کیوں کہاوے گا **قولہ تعالیٰ** واللہ انبتکم فی الارض نباتا۔ اسکا معنا خدا کہیا تمارے تن کی زمین میں جیو کا بیج پڑایا ہوں جیکوئی تن کی زمین پاک کریگا خدا منع کیا سو فعلاں تے تو او جھاڑ بار آویگا۔ نیز آنتے درخت طوبےٰ کا میوا بھی کہاوے گا **قال علیہ السلام** الصلوٰۃ معراج المومنین بعد از صلوٰۃ تلاوت القرآن الصوم جنۃ من النار وحسن الایمان اسکا معنا نماز کا دیدار سو مومناں کا نماز اللہ سوں باتاں کرے سو قرآن کا تلاوت اللہ سوں وجود میں خدا کا دیدار پنا اللہ کوں نیں دیکھے سو ۔ دوزخ اللہ کوں دیکھتے رہنا سو روزہ اسکے دیک میں آپکوں بسرنا سو ایمان۔ اے عزیز اتیاں ہنا مسلمانی تے کوں سنو جیکوئی کفر چھوڑ کو محمدؐ کے دین آئے تو حضرت جمال تو بے پردہ

ظاہر تو ترتیب سکلاتے ہے الشریعۃ اقوالی والطریقۃ افعالی و
الحقیقۃ احوالی والمعرفۃ راس مالی اسکا معنا کلمہ پڑنا میرا شریعت ہا
کرنا میرا طریقت روزہ رکھنا میرا حقیقت مال زکوٰۃ دینا معرفت کہیے کوں
نیت بندنا میرا حج یو فعل کرے تو مسلمان ہوتا ہے اول کلمہ پڑیں ہور تسبیح سوں
مشغول ہوئے۔ اسکا تقصیر نا کرنے پاکی تن کی تو حاصل ہووے اے عزیز قال
علیہ السلام یوں فرماتے ہیں الایمان اوّل الطریقۃ اوّلہا
شہادۃ ان لا الہ الا اللہ اسکا معنی نبی کہے خدا کوں تحقیق کرنے ہاریاں کوں
نزدیک دنیاں کو چھوڑنا سو تھوڑا مرتبہ ہور لا الہ الا اللہ اول کے پیغمبراں ہور
ولیاں دل کی زبان سوں بولے ہیں ہور دلکی انکھیاں سوں دیکھے اللہ کوں
روح سوں نماز کرنا سر سوں روزہ رکھنا نور سوں زکوٰۃ دینا ذات سوں حج کرنا
یو بات سننے میں نیں معلوم ہوتا پیغمبر دیکھے محمدؐ کے نورکوں دیکھنا سو کلمہ واقیموا
الصلوٰۃ اس پر ثابت رہنا سو نماز الصوم دآتو الزکوۃ اپنی ہستی سب لوٹانا سو زکوٰۃ
برتنا سو حج قولہ تعالیٰ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج
حقیقی قال علیہ السلام فرمائے ہیں موتوا قبل ان تموتوا
اسکا معنا موت کی نشانی بتلاتے گذریا سو موت خدا کے بتانے میں رہنا سو حیات
قال علیہ السلام الانبیاء یصلون فی قبورھم اسکا معنا
پیغمبراں نماز کیے ہیں اپنی گور میں یعنے تن سوں گور تجے معلوم ہوئیگا پھرتے توں
جانیگا نازیوں موسو لوگاں سوں گور کا پرسش دوزخ کا عذاب اچھیگا۔ اے عزیز
ایسا کون مرد ہے خدا کی رہ میں جیو دیکر لیگا۔ بادا رشاد چوں زدائے تو منم

درکسے منگر چوں نشانے تو منم ۔ گر بر کوئے من کشتہ شوی ۔ شکرانہ بدہ کہ خون بہائے تو منم ۔ اسکا معنی خدا کہا جیکو ئی دردمندی ہوکر آئے تو دوائی میں کروں توں کہ منکر ہوا جوں آشنا توں میرا اگر میری رہ میں مارے جائیگا ۔ اے عزیز اس بوج کوں پیر کامل ہونا مرید طالب دیدار ہونا خدا فرمایا ہے ۔ حدیث قدسی میں فرمایا جعل الشیخ الکامل نافعًا للانسان کما جعل النبی اسکا معنا یک روز میں کامل مرشد نفع بخشنے ہا جیوں نبی بخشتے تھے ۔ سب عالم شفا پائے توں ۔ پیر ہمیشہ محمد پر کامل مرید سچا قال علیہ السلام علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل او معنا میری امت کے بوجے سو لوگاں اُنکے پیغمبراں اسے اچھیگے ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اسکا معنا نبی جیوں بوجے بغیر نا اپنڑے وطن کوں ۔ اے عزیز مرید صادق اچھے پیر کے سوا کون امر خدا ہور رسول پیدا کیا ہے اپنے بوج کوں محمدؐ کوں یہی ہے نصیحت کرنے کوں ایسات میں امام جعفر الصادق خوب فرمائے ہیں پیر کوں درکار ہے دس چیز سمجھنا سو اسپر فرض ہوتا ہے اوّل علم اچھے دانائی کا بوج کا دوئیم سخاوت اچھے دل کا سوئیم عمل اچھے دانائی کا چہارم مرید کے مال سوں طمع ناکرنا حرص کا پنجم نادانی کی بات ناکرے مریداں ہیں ششم عقل اچھے ہفتم شجاعت اچھے ہشتم یاد میں رہنا ہر حال ہر حال ہو دہم سو بوجہ کا مالک ہووے

تمت تمام شد

فرہنگ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
سگن	شگون	اجالا	اُجالا
کاڑا	گھوڑا	نیں	نہیں
نرگن	وہ چیز جو صفات بشری سے مبرا ہو	لک	لاکھ
ماٹی	مٹی - خاک	میریاں	جمع میری (قدیم اردو میں صفت، ضمیر اضافت کی بھی جمع آتی تھی۔
ہور	اور		
آنک	آنکھ	رک	رکھ
نک	ناک	اے	یہ
بارا	(ہندی بیارا) ہوا	اچنا	ہونا
پیلانا	پلانا	ناکو (نکو)	نہ - نہیں -
میلا	ملا	پینے	پہنے
لگ	تک	باج	بغیر
بوی	بو	دسنا	دکھائی دینا
انپڑنا	پہنچنا	ہیٹ	بیٹھ
سوں	سے	پھنک	مطلق
یوں	کو	ہت	رضا - مرضی
تے	سے	ستی	سے
آپکوں	اپنے کو	ناکرسک کو	نہ کر سک کرا (قدیم اردو میں کنا علاوہ امدادی فعل کے بطور اصل فعل کے بھی استعمال ہوتا تھا)
اپے	خود - اپنے		
اپسے اپے	خود بخود		
آنا	لانا		
کیاں	جمع کی	منا	منع
انگے	آگے		
دُسرا	دوسرا	بوجے سو لوگاں	علما۔
تسرا	تیسرا		
اندھارا	اندھیرا		

"انتخاب" غزلیاتِ مشاعرہ منعقدہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ

حضرت الم

کیا کوئی حسیں حسن میں کامل نہیں ہوتا — ہاں اک تجھا مگر حور شمائل نہیں ہوتا
کرتا نہیں میں اتربتِ دل میں کمی کچھ — کمبخت تری نذر کے قابل نہیں ہوتا
دیکھا نہیں جاتا، نہیں اغیار سے ہنستے — میں برقِ بلا کا مستحمل نہیں ہوتا
ہر عاشق آوارہ نہیں قیسِ جگر گرد — ہر پردہ نشیں صاحبِ محمل نہیں ہوتا
کرتے ہی طلب آپ کو دیدیجئے کیونکر — مٹھی میں کسی کی تو دھرا دل نہیں ہوتا
ڈرتا ہوں مگر تم سے کنارہ نہیں کرتا — مرتا ہوں مگر وصل کا سائل نہیں ہوتا

اکثر ہی دیکھا ہے الم بزم سے اسکی
خارج جو ہوا پھر کبھی داخل نہیں ہوتا

حضرت باغ صاحبِ مسندِ عراق

جس بزم میں وہ رونقِ محفل نہیں ہوتا — اپنا تو ٹھہرنے کو وہاں دل نہیں ہوتا
ماتم کدۂ عشق ہے وہ صحبتِ بے لطف — جس بزم میں کچھ تذکرۂ دل نہیں ہوتا
وہ اپنے بھی سایہ سے الجھ پڑتے ہیں اکثر — جب در کوئی مدمقابل نہیں ہوتا
جس سر میں نہ سودا ہوا سے سر ہی کہیئے — جس دل میں محبت ہو وہ دل نہیں ہوتا
جو مانگتا ہے مانگتا ہے باغ خدا سے — بندہ سے یہ بندہ کبھی سائل نہیں ہوتا

حضرت تقی

جو خنجر ابرو کے مقابل نہیں ہوتا — عشاق میں وہ ذکر کے قابل نہیں ہوتا
ہر بے سر و پا عشق کی دولت نہیں پاتا — یہ مال ہر اک شخص کو حاصل نہیں ہوتا
ملتی ہی نہیں قید علائق سے رہائی — انسان سا پابند سلاسل نہیں ہوتا
ہر وقت دکھاتی ہے نئے رنگ میں جلوہ — دنیا پہ تقی میں کبھی مائل نہیں ہوتا

حضرت تصوّر

اپنا بھی تو اپنا، دمِ مشکل نہیں ہوتا — پامال کلیجہ کیلئے دل نہیں ہوتا
کھٹکا لگی ہے زنجیرِ جنوں کی رگِ جاں — آزاد وہ پابند سلاسل نہیں ہوتا

ہر پارۂ دل داغ ہے مشرق تنویر — ان ذرّوں سے خورشید مقابل نہیں ہوتا
دعویٰ ہے گا یہ دفتر ہستی بھی تصوّر — اک نقش تمنا ہے کہ باطل نہیں ہوتا

حضرت حفیظ (تلمیذ حضرت الوہ)

جس سینہ میں ارمان بھرا دل نہیں ہوتا — دنیا کا مزہ کچھ اسے حاصل نہیں ہوتا
کیوں قبضہ کئے ہے غم دلبر مرے دل پر — مہماں تو کوئی مالک منزل نہیں ہوتا
کیوں بھر خموشی ہے مرے لب الٰہی — کیا بات ہے جو شکوۂ قاتل نہیں ہوتا
چھا جاتی ہے جلسہ پہ قیامت کی اداسی — جس بزم میں وہ رونق محفل نہیں ہوتا

حضرت زیرک

خوف و خطر راہ جو حائل نہیں ہوتا — منزل میں سر شستی منزل نہیں ہوتا
جو گرم رو جادۂ دشوار ہے اے خضر — منزل میں وہ افتادہ منزل نہیں ہوتا
بڑھتی ہے جو دار فتگی لذت دیدار — آپے سے گذرنا ہمیں مشکل نہیں ہوتا
زلفوں کی کشاکش میں جو لطف آتا ہے زیرک — زنجیر کے رگڑوں سے وہ حاصل نہیں ہوتا

حضرت شباب

سختی میں کبھی دل متزلزل نہیں ہوتا — ہمت کو کوئی کام بھی مشکل نہیں ہوتا
تو ہمکا ہے عیش اسکا ہے کونین ہیں اسکے — جو یاد سے تیری کبھی غافل نہیں ہوتا
نالوں سے زباں بند نہ یوں ہوگی شگفتہ — دل پر اثر بند سلاسل نہیں ہوتا
ملتے ہیں محبت کے مزے اسکی خلش میں — اب دل سے جدا ناوک قاتل نہیں ہوتا
اے نفس شقی طاقت و تاب ہے غفلت — جو عہد ہے معبود سے غافل نہیں ہوتا
تقدیر پہ شاکر رہو تم اپنی شباب اب — کچھ فکر سے کوشش سے حاصل نہیں ہوتا

حضرت فخری

جو دار مکافات سے غافل نہیں ہوتا — کچھ لطف اُسے زیست کا حاصل نہیں ہوتا
جھیلے ہیں یہاں تک ستم قطع منازل — اب حوصلہ قطع منازل نہیں ہوتا
بندہ جاتی ہے جو دنیا میں تری یاد سے ڈھل کر — طوفان حوادث سے وہ بیدل نہیں ہوتا
جس دل پہ کہ ہو تازہ ترا درد محبت — اک برق تپاں ہوتی ہے دل دل نہیں ہوتا

[illegible]

حضرتِ نوید

تکیہ مرا گر ز انوئے قاتل نہیں ہوتا — مرنا مجھے آسان تھا مشکل نہیں ہوتا
کچھ بات تو ہے جبھی طلب کرتے ہیں مجھے — اس وقت مرے پاس مرا دل نہیں ہوتا
کیا کیجیے کہ آساں مری مشکل نہیں ہوتی — گردن پہ رواں خنجر قاتل نہیں ہوتا
کمبخت کو موت آ نہ گئی ہو کہیں وہ نہ — محفل میں نویدؔ آپ کی شامل نہیں ہوتا

حضرتِ نور

میں معترف دعوی باطل نہیں ہوتا — جس دل میں محبت نہیں وہ دل نہیں ہوتا
کس طرح محبت ہو مری یار کے دل میں — مجنوں تو کبھی صاحب محمل نہیں ہوتا
آسان نہیں شوق شہادت میں تڑپنا — بسمل وہی ہوتا ہے جو بسمل نہیں ہوتا

حضرتِ واصفی

پہلو سے جدا ناوکِ قاتل نہیں ہوتا — ٹکڑے بھی تو کمبخت مرا دل نہیں ہوتا
کیوں غرق کنارے پہ مری ہوتی تھی کشتی — گرداب تو کوئی لب ساحل نہیں ہوتا
جب سے نظر آیا ہے کسی کا رخ رنگیں — نظارۂ گلشن کے لئے دل نہیں ہوتا
رہتے ہیں خضر بھی تو مرے ساتھ پریشاں — مجھا کوئی گم کردۂ منزل نہیں ہوتا
ہو جاتا ہوں خود شوق شہادت میں فدا میں — اچھا ہے کہ بار کف قاتل نہیں ہوتا
خالی کئے دیتے ہیں جگہ حسرت درماں — تم ہوتے ہو پہلو میں تو بیحد دل نہیں ہوتا
اے واصفیؔ اس در سے طلبگار اب ہم بھی — محروم جہاں سے کوئی سائل نہیں ہوتا

حضرتِ واثق

سرشار محبت جو نہ ہو دل نہیں ہوتا — عاشق نہ ہو انساں تو کامل نہیں ہوتا
آئی جو خزاں بھول گئے سب کو ترانے — اب کوئی ہم آہنگ عنادل نہیں ہوتا
اک شمع کی منزل ہے کہ ہے پانو تلے شمع — سہل اتنا کوئی جادۂ منزل نہیں ہوتا
ساقی نے مئے تلخ پلائی ہے کچھ ایسی — میں نجی دوراں سے بھی پر دل نہیں ہوتا
ہو دل میں اگر درد اور اس درد میں لذت — نعمت ہے کوئی جس کا مقابل نہیں ہوتا
مطلب ہے اسے شمع سے شادی ہو کہ غم ہو — پروانہ کو اندازۂ محفل نہیں ہوتا
وہ دن گئے جب عیش تھا عیش کا غم تھا — اب عیش سے بھی شاد مرا دل نہیں ہوتا

کشتہ ہوں میں اس حضرت واثق کا جو ہر وقت — بسمل کو مرے اب کوئی قاتل نہیں ہوتا

تاج جلد ۲ نمبر ۴ و ۵ و ۶ — قرآن مجید — اشتہار

مترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

آج تک جس قدر ترجمے قرآن پاک کے ہو چکے ہیں یہ ترجمہ سب پر اکثر خوبیوں کے لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے لکھائی چھپائی کاغذ نہایت اعلیٰ۔ متن خوشنما۔ حاشیہ ہوئی۔

قرآن مجید مذکور کے اب تک سترہ پارے چھپ چکے ہیں اور آخر ماہ جون ۱۹۲۵ء تک ہدیہ میں حسب ذیل رعایت رکھی گئی ہے اسلئے مشائقین روانگی ہدیہ میں عجلت فرمائیں۔ چار پانچ ماہ تک انشاء اللہ قرآن شریف مکمل ہو جائے گا پیشگی رعایتی ہدیہ آخر ماہ جون ۱۹۲۵ء تک مجلد کاغذ غیر مجلد کاغذ پورا ہدیہ مجلد کاغذ عمدہ غیر مجلد کاغذ عمدہ محصول ڈاک علیحدہ کاغذ ہر حالت میں بدرمخریدار نمونہ کا صفحہ اور علماء کی رائیں مفت منگا لیجئے

پارۂ الم اسی ترجمہ کا سہ ماہی رسالہ میں علیحدہ بطور نمونہ ملتا ہے جس سے آپ کو پورے قرآن شریف کے کاغذ لکھائی چھپائی اور تقطیع کا صحیح علم ہو سکتا ہے ہدیہ فی پارہ ۸ر محصول ڈاک فیس جداگانہ ۲ر

المشتہر محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ بجنور (یو۔پی)

تفنن و تفریح کے ساتھ

ادبی علمی تاریخی اور پولیٹکل استعداد بڑھانے کا ایک یہی ذریعہ ہے۔

یعنی

اودھ پنچ لکھنؤ ہفتہ وار باتصویر ملاحظہ فرمائے حکومت اور پبلک دونوں کی حمایت پر تہذیب کیساتھ ہنسنے والا ایک ہی پرچہ جو عرصۂ دراز سے جاری ہے مذہبی بحث اور دلآزاری اس کا شیوہ نہیں ہے ہر مذہب کے ساتھ یکساں تعلق ہے (ہندوستان میں) قیمت پیشگی سالانہ (صہ) ششماہی (ے) سہ ماہی (عہ) نمونہ تازہ ۲ر پرانا مفت۔

ممالک غیر سے سالانہ دس شلنگ شش ماہی ڈھائی شلنگ

المشتہر

منیجر اودھ پنچ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

تاج جلد ۱ و ۲ 891.5 ۱۹ ۳۰ ت

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

کتب خانہ

جامعہ عثمانیہ